عبداللہ بن سبا

اور

دوسرے تاریخی افسانے

پہلی جلد

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے"

قال رسول اللهﷺ : "انی تارک فیکم الثقلین، کتاب الله، وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا ابدا وانهما لن یفترقا حتّیٰ یردا علیّ الحوض".

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انھیں اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں“۔

(صحیح مسلم: ۱۲۲/۷، سنن دارمی: ۴۳۲/۲، مسند احمد: ج ۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹.

۳۶۶/۴ و۳۷۱، ۱۸۲/۵، ۱ اور ۱۸۹، مستدرک حاکم: ۱۰۹/۳، ۱۴۸، ۵۳۳ وغیرہ.)

عبداللہ بن سبا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل سے مشتبہ کرتے ہو اور جانتے ہوئے حق کی پردہ پوشی کرتے ہو؟! (آل عمران/۷۱)

عبداللہ بن سبا

اور

دوسرے تاریخی افسانے

پہلی جلد

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

سرشناسه : عسکری ، مرتضی ، -۱۲۹۳
عنوان قراردادی : عبدالله بن سبأ و اساطیر اخری / اردو
عنوان و پدید آور : عبدالله بن سبا اور دو سری تاریخی انسانی / مرتضی عسکری ؛ مترجم قلبی حسین رضوی
مشخصات نشر : قم : مجمع جهانی اهل البیت (ع) ، ۱۳۸۵.
مشخصات ظاهری : ۳ ج . (در یک مجلد)
شابک : (دوره 5 - 046 – 529 - 964) (ج ۲ – ۳) 7 -045 - 529 - 964) (ج ۱) 3 – 131 – 529 - 964)
یادداشت : فیپا
یادداشت : کتابنامه
موضوع : غلات شیعه .
موضوع : عبدالله بن سبا ، ۱۴۰ ق
موضوع : شیعه - تاریخ
موضوع : حدیث - نقد و تفسیر
شناسه افزوده : رضوی ، قلبی حسین ، مترجم .
شناسه افزوده : مجمع جهانی اهل بیت (ع)
رده بندی کنگره : ۱۳۸۵ ۵۵۰۴۶ع ۲ س/۲۴۱/۸ BP
رده بندی دیویی : ۲۹۷/۵۳۸
شماره کتابخانه ملی : ۲۱۴۰۸ - ۸۵ م

عبداللہ بن سبا: (پہلی جلد)
تالیف: علامہ سید مرتضی عسکری
ترجمہ: سید قلبی حسین رضوی
پیشکش: معاونت فرہنگی، ادارۂ ترجمہ
اصلاح: اخلاق حسین پکھناروی
نظرثانی: مرغوب عالم عسکری
کمپوزنگ: المصباح کمپوزنگ سینٹر
ناشر: مجمع جہانی اہلبیت علیہم السلام
طبع: اول
سال طبع: صفر المظفر ۱۴۲۷ھ
تعداد: ۳۰۰۰
مطبع: لیلیٰ
ISBN: 964-529-045-7
WWW.ahl-ul-bayt.org
info@ahl-ul-bayt.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت وظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ وکلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ وراہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت وقابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ وموسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق وحقیقت سے سیراب کردیا، آپ کی تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھی، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمران ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت وعمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل وآگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب وروایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیروؤں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کے بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت وسیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء ودانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار ونظریات سے متاثر اسلام وقرآن مخالف فکری ونظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگیں تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام وقرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام

کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری ومعنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب وکامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر واشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل وشعور کو جذب کرنے والے افکار ونظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں، خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری ویکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن وعترت کے صاف وشفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق ومعنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان وولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل وخرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت وطہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت وبیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ ورسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدوخال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق وانسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خونخواروں کی نام نہاد تہذیب وثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن ونجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی وتحقیقی کوششوں کے لئے محققین ومصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین ومترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج واشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علامہ سید مرتضی عسکری کی گرانقدر کتاب عبداللہ بن سبا کو فاضل جلیل مولانا سید قلبی حسین رضوی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست

دوسرا حصہ:

تیسرا حصہ:

چوتھا حصہ:

پانچواں حصہ:

خاتمہ

خطوط اور مقدمے

- کتاب عبداللہ بن سبا کی علمی قدر و قیمت
- ایک شیعہ دانشور محترم جناب شیخ محمد جواد مغنیہ کا نظریہ
- الازہر یونیورسٹی، مصر کے مجلّہ کا جواب
- مباحث پر ایک نظر
- سلسلۂ مباحث کی پیدائش

کتاب عبداللہ بن سبا کی علمی قدر و قیمت

مصر کی الازہر یونیورسٹی کے پروفیسر جناب ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کا خط

کتاب عبداللہ بن سبا، آخر میں دوسرے ایڈیشن کے عنوان سے مصر میں دوسری بار شائع ہوئی ہے، اس کتاب نے اہل سنت مما لک میں گہرا اثر ڈالا ہے اور مصر کی یونیورسٹیوں خاص کر الازہر یونیورسٹی کے دانشوروں اور اساتذہ کی توجہ کا سبب بنی ہے اور مصر کی یونیورسٹیوں میں غیر معمولی اثر ڈالا ہے، مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کی طرف سے مؤلف کو اس کتاب کو پسند کرنے کے سلسلہ میں کئی خطوط ملے ہیں، ان میں سے ایک جناب ڈاکٹر حامد کا خط ہے، وہ مصر کے ایک نامور دانشور ہیں، جو کئی قابل قدر تحقیقی تالیفات کے مالک ہیں۔

چونکہ یہ خط انصاف و عدالت کا ایک نمونہ اور تعصب اور ہٹ دھرمی کی سرحدوں کو توڑنے والا ایک عنوان ہے اس لئے ہم اسے ترجمہ کر کے شائع کرتے ہیں [1]

---

[1] نشریہ سالانہ مکتب تشیع ۴/۳۰۲۔

خط کا مضمون

تاریخ اسلام کی تیرہ صدیاں اختتام کو پہنچی ہیں ان تیرہ صدیوں کے دوران ہمارے دانشوروں کے ایک گروہ نے حتی الامکان شیعوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور حقائق کو اپنی نفسانی خواہشات سے مخلوط کیا ہے اس ناپسندیدہ روش کی وجہ سے اسلامی فرقوں کے درمیان گہرے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، نتیجہ کے طور پر شیعہ دانشوروں کے فکر واندیشہ کے گوہر کو حقیر سمجھا گیا ہے اسی روش کی بنا پر علمی دنیا کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

شیعہ دانشوروں کے افکار سے علم محروم رہا ہے کیونکہ دشمنوں نے شیعوں کے پاک وصاف دامن کو داغدار بنا کر انھیں ایک توہمات وخرافات کے حامل گروہ کے طور پر پہچنوایا ہے، بے شک ہم شیعوں کے صاف وشفاف علمی چشمۂ زلال سے ایک گھونٹ پی سکتے تھے نیز اس مذہب کے سرمایہ سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن افسوس کہ ہمارے گزشتہ دانشوروں نے تعصب سے کام لیا اور عقل کو ھوا و ہوس پر ترجیح نہیں دی، اے کاش کہ وہ لوگ عقل کی پیروی کرتے اور جذبات کے کھلونے نہ بنتے !!
جو کوئی تعصب کے عینک کو اتار کر فقہی مباحث کیلئے اقدام کرے اور فقہ مذاہب چہارگانہ پر تحقیق کرے، وہ شیعہ فقہ سے بھی استفادہ کرنے پر مجبور ہے اور بے شک جب فقہ اہل سنت پر تحقیق کرے تو اس وقت شیعہ فقہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے اور اس سے آگاہ ہونا چاہئے۔

ہم کب تک خواب غفلت میں رہیں گے؟! کیا فقہ شیعہ کے پرچم دار، امام جعفر صادق علیہ

السلام[۱] سنی مذہب کے دواماموں کے استاذ نہیں تھے؟ یہ دوامام اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مکتب میں زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔

ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت[۲] کہتے ہیں:

"لولاالسنتان لهلک النعمان"

اگر امام صادق علیہ السلام کے درس میں دوسال شرکت نہ کی ہوتی تو بے شک میں ہلاک ہوجاتا، اور دین سے منحرف ہوتا۔

اس کی مراد وہی دوسال ہیں جس میں انہوں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کے علم کے میٹھے اور زلالی چشمہ سے استفادہ کیا ہے۔

اور یہ مالک بن انس ہیں جو واضح طور پر اعتراف کرتے ہیں:

" ما رأيت أفقه من جعفر بن محمد "

میں نے جعفر بن محمد سے فقیہ تر کسی کو نہیں دیکھا ہے[۳]

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ علم کے بارے میں صرف دور سے کچھ سننے والوں نے اپنے آپ کو دانشور سمجھ کر اپنے قلم سے تحقیق کی بنیادوں کو اکھاڑ کر حق وحقیقت کو اپنی نفسانی خواہشات پر قربان

۱۔ وفات ۱۴۸ھ

۲۔ وفات ۱۵۰ھ

۳۔ وفات ۱۷۹ھ

کیا ہے، نتیجہ کے طور پر گلستان علم کے دروازے ان پر بند ہو گئے اور اس طرح وہ شمع معرفت کے نور سے محروم ہو گئے ہیں، اس مذموم روش نے فتنہ کی آگ کو بھڑکانے کے علاوہ مسلمانوں میں، دن بدن اختلافات کو بڑھاوا دیا ہے۔

افسوس کہ ہمارے استاد ''احمد امین''[۱] بھی انہیں افراد میں سے تھے، جنہوں نے معرفت کے نور سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور ظلمت کے پردوں کے پیچھے زندگی بسر کرتے رہے، یہ وہ کرنیں ہیں جو تشیع کے سورج سے چمکی ہیں اور جہالت کی تاریک رات کو نور میں تبدیل کر کے اسلام کے عظیم تمدن کو اس وقت وجود بخشا، جبکہ دوسرے لوگ بہت پیچھے تھے۔

تاریخ نے اس ناپاک رویہ کی بنا پر، احمد امین اور ان جیسے تمام اساتذہ اور دانشوروں کے دامن پر عظیم داغ لگا دیا ہے، جنہوں نے آنکھیں بند کر کے تعصب کی وادی میں قدم رکھا ہے، یہ دانشوروں اور محققین کا طریقہ کار نہیں ہے کہ ایک جگہ بیٹھے رہیں اور جمود کی بیڑی کو اپنی فکر کے پاؤں سے نہ اتاریں اور بے جا پر تعصب سے کام لے کر آنکھیں بند کر کے کسی مذہب کی پیروی کریں!!

ان کی فکر وقلم سے بہت ساری غلطیاں اور لغزشیں سرزد ہوئی ہیں اور انہیں الجھن اور بدحواسی سے دوچار کیا ہے، شاید مذکورہ داستان اس کی ایک مثال ہو سکتی ہے۔

انہوں نے جھوٹ بول کر بعض مطالب کو شیعوں سے نسبت دیکر ان کے دامن کو داغدار بنا دیا

۱۔ ''فصل'' ''پیدائش افسانہ دور راویان آن'' شمارہ ہفتم، کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں پر احمد امین کی باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے جس کا سبب شیعوں کے ساتھ اس کی دشمنی اور کینہ ہے۔

ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کی طرف اپنی کتاب میں اشارہ کیا ہے[۱] انہوں نے تصور کیا ہے کہ جتنے بھی خرافات اور جعلی چیزیں اسلام کی تاریخ میں موجود ہیں، سب کی سب شیعہ علما کی گڑھی ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنے خود ساختہ گمان سے شیعوں پر حملہ کیا اور ان کو برا بھلا کہا ہے۔

جلیل القدر محقق ''جناب مرتضیٰ عسکری'' نے اپنی کتاب ''عبداللہ بن سبا'' میں کافی دلائل سے مکمل طور پر ثابت کیا ہے کہ ''عبداللہ بن سبا'' ایک خیالی اور جعلی موجود ہے۔

تاریخ نویسوں نے جو حکایتیں بیان کی ہیں اور ان کی بناء پر اسے (عبداللہ بن سبا) مذہب شیعہ کا مروج[۲] بیان کیا ہے البتہ یہ جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مؤرخین نے ان گڑھی ہوئی داستانوں کو اس لئے مرتب کیا ہے تا کہ فریب کاری کے جال کو پھیلا کر شیعوں پر حملے کر کے بے جا ان کے خلاف تہمت وافتراء پردازی کریں۔

ہم عصر دانشور، جناب مرتضیٰ عسکری نے اس کتاب میں اپنی فکر و اندیشہ کے سہارے تاریخ کے سمندر میں غوطہ لگا کر، بہت سی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے اور انتہائی تلاش وجستجو کے بعد اس سمندر سے کافی مقدار میں موتی لے کر ساحل تک آئے ہیں۔

انہوں نے زیر بحث حقائق کو ثابت کرنے کیلئے نزدیک ترین راستہ طے کیا ہے، شیعوں کے مخالفوں سے بحث کے دوران ان کے ہی بیانات کو مآخذ قرار دیکر ان کی باتوں کو باطل ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کی کتاب ''مع احمد امین'' کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ خود غرض مورخین نے اسے شیعہ مذہب کا بانی ومروج خیال کیا ہے۔

تاریخ اسلام کے آغاز سے عصر حاضر تک ''سیف بن عمر'' کی روایتوں نے مؤرخین کو الجھا رکھا ہے جو عام طور پر قابل اعتماد ہے، اس کتاب میں ان روایتوں کے بارے میں ایک گراں بہا تحقیق کی گئی ہے کہ قارئین بڑی آسانی سے انھیں سمجھ سکتے ہیں۔

خدا کی حکمت اسی میں ہے کہ بعض محققین مردانہ وار قلم ہاتھ میں اٹھا کر حقائق سے پردہ اٹھائیں، اوراس راستہ میں دوسروں کی سرزنش اور ملامت کی پروانہ کریں، مصنف محترم پہلی شخصیت ہیں جس نے اپنی گہری تحقیقات کے نتیجہ میں اہل سنت محققین کو اس امر پر مجبور کیا ہے کہ وہ طبری کی کتاب '' تاریخ الامم و الملوک '' کے بارے میں تجدید نظر کریں، نیز انھیں اس بات پر مجبور کیا ہے کہ اس کتاب اور تاریخ کی دوسری بنیادی کتابوں کے بارے میں از سر نو دقت سے غور کرتے ہوئے اور خوب و بد کو ایک دوسرے سے جدا کریں، مزید ان تاریخی حوادث کے بارے میں بھی نئے سرے سے غور کریں، جنہیں وہ نازل شدہ وحی کے مانند صحیح اور ناقابل تغییر سمجھتے تھے!!

محترم مصنف نے کافی ، واضح اور روشن شواہد کی مدد سے ان تاریخی وقائع سے ابہام کے پردے کو ہٹا دیا ہے اور حقیقت کو اس کے متوالوں کیلئے آشکار کیا ہے حتی کہ بعض حقائق انتہائی بھیانک اور حیرت انگیز دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ایک عمر کے عادات ورسومات چند صدیوں کی اعتقادی میراث کے مخالف ہیں، لیکن حق کی پیروی کرنا لازم و واجب ہے ہر چند کہ یہ امر دشوار ہو '' الحق احق ان یتبع ''.

مذکورہ مطالب سے آ گاہی چاہتے ہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور تاریخ کے اختلافی حوادث جیسے، اسامہ کی لشکر کشی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت اور سقیفہ کی داستان (جس پر مؤلف نے تنقیدی تجربہ کیا ہے) کا دقت کے ساتھ مطالعہ کریں۔

جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم موت کا شیرین جام نوش فرما رہے تھے، اسامہ کے لشکر سے بعض افراد حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے مدینہ لوٹے اور ریاست و خلافت کی امید سے جہاد سے منہ موڑ لیا، مؤلف نے ان افراد کو پہچوایا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بستر مرگ پر جب وصیت لکھنے کا حکم دیدیا، کچھ لوگوں نے اس حکم پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالی اور اسے ہذیان سے تعبیر کیا (گویا انہوں نے گمان کیا کہ پیغمبر ہذیان کہہ رہے ہیں) کیونکہ وہ اس امر سے خائف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وصیت میں علی علیہ السلام کی خلافت کی خبر دیں گے اور ان آخری لحات میں بھی اسے اپنے وصی کے طور پر تعارف کرائیں گے۔

مؤلف اس حادثہ کی حقیقت و کیفیت کو بھی آشکار کرتے ہیں عمر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت سے انکار کرنے کا مقصد کیا تھا؟ کیوں وہ ان افراد کو موت کی دھمکی دیتے تھے جو یہ کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے رحلت کی ہے؟ جس وقت امام علی علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچیرے بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا عباس اور چند بوڑھے

اور سن رسیدہ اصحاب کی مدد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن نازنین کو غسل دینے میں مشغول تھے، تو اس وقت کس غرض سے عمر اور ابوعبیدہ نے انتہائی عجلت کے ساتھ اپنے آپ کو سقیفہ کے اجتماع میں پہنچادیا اور لوگوں سے ابوبکر کے حق میں بیعت لے لی؟!

بے شک، اگر تھوڑا سا انتظار کرتے تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد لحد کر کے اور علی علیہ السلام بھی اس اجتماع میں حاضر ہوتے تو علی علیہ السلام خلافت کے مستحق قرار پاتے اور بنی ہاشم ان کے علاوہ کسی اور کو امام المسلمین کے طور پر قبول نہیں کرتے!

مؤلف نے مذکورہ تین مباحث میں صحیح کو غلط سے اور برے کو بھلے سے جدا کر کے ان مسلم حقائق تک رسائی حاصل کی ہے اور ان کی اس تحقیق کے نتیجہ میں فریب کاروں کیلئے مکر وفریب کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔

کتاب کے دوسرے مباحث بھی مذکورہ بالا تین مباحث کی طرح، دقت کے ساتھ حقائق کو ایسے آشکار کرتے ہیں کہ بہت جلد ہی تاریخ اسلام کے اندر گہرے اثرات رونما ہوں گے۔

میں اس مقالہ کو ختم کرنے سے پہلے چاہتا ہوں کہ درج ذیل تین سوالات کا جواب دیدوں:

۱۔ کیا پیغمبر خداؐ کا صحابی غلطی کر سکتا ہے اور لغزش سے دوچار ہو سکتا ہے؟

۲۔ کیا اس کے کام اور کردار پر تنقیدی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے؟

۳۔ کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کو منافق یا کافر کہا جا سکتا ہے؟

سوال نمبر ایک اور دو کا میں مثبت جواب دیتا ہوں، لیکن تیسرے سوال کا جواب منفی ہے۔ اس

لئے نہیں کہ میں تعصب سے کام لیتا ہوں اور علم کے اصول کے خلاف کہتا ہوں، بلکہ ایک ایسا استدلال رکھتا ہوں کہ عقل اس کو قبول کرتی ہے اور منطق اسکی تائید کرتی ہے کیونکہ کفر و نفاق کا تعلق قلب و دل سے ہے اور وہاں تک خدا کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہے، علمی تجربہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے، صرف خداوند عالم ہے جو انسان کے اندرونی اسرار سے واقف ہے اور پوشیدہ چیزوں کا مکمل طور پر علم رکھتا ہے[1]

مذکورہ روش، وہی جدید روش ہے، جس کا واضح مشاہدہ میری تمام تالیفات میں کیا جا سکتا ہے۔

مجھے اس بات پر انتہائی مسرت ہے کہ علم کے لحاظ سے اس عظیم کتاب اور اس کے عالی قدر مصنف استاد علامۂ محقق جناب مرتضیٰ عسکری کے تئیں انتہائی احترام و محبت کا قائل ہوں، اسی طرح جناب مرتضیٰ رضوی کشمیری کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو پوری ظرافت اور دیدہ زیب صورت میں شائع کیا ہے، علامہ نے اس فریضہ کو انجام دے کر اسلام کی ایک عظیم خدمت کی ہے اور اس ذمہ داری کو انجام دے کر اسلام کے تاریخی حقائق کو زندہ کرنے کیلئے ایک عظیم اثر چھوڑا ہے۔

قاہرہ اول جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۲، اکتوبر ۱۹۶۱ء

ڈاکٹر حامد حفنی داؤد

۱۔ ڈاکٹر حامد نے اس خط کو نصف کتاب کے شائع ہونے کے پیش نظر مصر میں لکھا ہے۔

ایک محترم شیعہ دانشور

شیخ محمد جواد مغنیہ کا نظریہ

سنی دانشور محترم جناب ڈاکٹر حامد کے نظریہ سے آگاہ ہونے کے بعد مناسب ہے یہاں پر اس کتاب کے بارے میں ایک شیعہ دانشور علامۂ نابغہ جناب شیخ محمد جواد مغنیہ جبل عاملی کے نظریہ سے بھی آگاہ ہو جائیں، علامہ موصوف لبنان میں مروج مذہب تشیع ہیں۔

موصوف کی گراں بہا تالیفات میں من جملہ ''تفسیر قرآن مجید'' ''معالم الفلسفة الاسلامیہ''، ''الشیعه والحاکمون'' ''اصول الاثبات فی الفقه الجعفری'' اور دسیوں دوسری تالیفات سنجیدہ فکر اور ان کے علمی بلند مقام کو آشکار کرتی ہیں، ذیل میں مجلۂ ''العرفان'' [1] میں شائع ہوئے ان کے مقالہ کا ترجمہ ہے:

مذہب شیعہ کے خلاف لکھنے کے علاوہ دنیا کی تمام چیزوں میں دگرگونی اور تغیرات پیدا ہوئے ہیں ....شیعوں پر تہمت وافتراء کے علاوہ ہر آغاز کا خاتمہ ہے ...شیعوں کے خلاف جاری کیے جانے والے احکام کے علاوہ ہر حکم کی ایک دلیل وعلت ہے ...آخر کیوں؟

کیا شیعہ شورشی اور فتنہ گر ہیں اور لوگوں کے سکون واطمینان کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں؟

۱۔ نمبر ۳ رسال ۱۳۸۱ھ صفحہ ۲۳۰۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ:

سیف بن عمر تمیمی[۱] نامی ایک شخص نے گزشتہ دوسری صدی کے دوران دو کتابیں لکھی ہیں، اس کی پہلی کتاب " الفتوح و الردّة" اور دوسری کتاب " الجمل و مسیر عائشة و علیّ " ہے ان دونوں کتابوں میں درج ذیل مطالب کی ملاوٹ کی گئی ہے:

۱۔ ایسے حوادث واتفاقات کی تخلیق کرنا، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۲۔ رونما ہوئے حقیقی حوادث وواقعات میں تحریف کر کے مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت دکھانا۔

اس بے لگام اور جھوٹے شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے چند من گھڑت اصحاب جعل کئے جن کے سعیر، ہزہاز، اط، حمیضہ، وغیرہ... نام رکھے ہیں۔

اس نے تابعین اور غیر تابعین کے کچھ اشخاص جعل کئے ہیں اور ان کی زبانی اپنی جعلی احادیث نقل کی ہیں۔

اس کی انہیں تخلیقات میں سے ایک سورما ہے جس کی شخصیت کو اس نے جعل کیا ہے اور اس کا فرضی نام بھی معین کیا ہے، اور چند داستانوں کو گڑھ کر اس سے نسبت دی ہے... یہ افسانوی سورما "عبد اللہ بن سبا" ہے جس کسی نے بھی شیعوں پر تہمتیں لگائی ہیں اور ان کے بارے میں جہل یا نفاق کے سبب افترا پردازی کی ہے، ان سب نے اسی پر اعتماد کیا اور اس کی باتوں پر تکیہ کیا ہے۔

۱۔ وفات دوسری صدی ہجری۔

''سیف'' کے بعد مؤرخین کی ایک جماعت نے فریب اور دھوکہ سے بھری ان دو کتابوں کو سند بنا کر کسی قسم کے تأمل وتدبر کے بغیر دروغ پرداز اور چالباز سیف کے نظریات اور اندیشہ کو نقل کیا ہے، اس طرح اس کے مذموم تفکر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

''طبری'' پہلا شخص تھا جو ''سیف'' کے دام فریب میں پھنس گیا تھا اس کے بعد ابن اثیر، ابن عساکر اور ابن کثیر اور دوسرے لوگ ''طبری'' سے آنکھیں بند کر کے روایت نقل کرنے کے سبب اس گڑھے میں گر گئے ہیں۔

اس طرح جھوٹے ''سیف'' کی تخلیقات کی تاریخی کتابوں اور منابع میں بلاواسطہ طور پر ملاوٹ ہوئی ہے لیکن ان کی جڑ اور بنیاد، وہی سیف کی دو کتابیں ''الفتوح'' اور ''الجمل'' ہیں۔

علامہ سید مرتضی عسکری کی کتاب ''عبداللہ بن سبا'' مذکورہ حقائق کو صحیح دلائل کی بنا پر آشکار کرتی ہے اور قارئین کو صاف اور واضح راہنمائی کر کے حقیقت کی منزل تک پہنچاتی ہے۔

انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں انتہائی دقت سے کام لیا ہے اور موصوف کی تمام تر سعی و تلاش اس امر پر متمرکز رہی ہے کہ حق وحقیقت کے علاوہ کوئی چیز کاغذ پر نہ لکھی جائے، قارئین کرام جس قدر بھی مفکر اور دانشور ہوں، موصوف کے حاصل کئے ہوئے نتائج سے نہ تو انکار کر سکتے ہیں اور ہی نہ شک وشبہ، کیونکہ اس کتاب کے بہت سے دقیق مباحث کی بنیاد بدیہی قضایا پر مبنی ہے اور بدیہیات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔

میں نے مختلف افراد سے بارہا بحث کی ہے، اوران کے اعتراضات اورشبہات کا جواب دیا ہے،لیکن اس گفتگو میں میں نے شیخ مفیدؒ،سید مرتضیٰؒ،اورعلامہ حلیؒ سے آگے قدم نہیں بڑھایا ہے،میری روش صرف یہ تھی کہ میں ان بزرگوں کے طرز بیان کو بدل دیتا تھا اور مخاطب کے لئے مطالب کو آشکار اور واضح تر بیان کرتا تھا، کیونکہ کوئی تازہ اعتراض نہیں تھا کہ میں اس کا تازہ اور نیا جواب دیتا بلکہ اعتراض وہی تھا جو پچھلے لوگوں نے کر رکھا تھا اور اس کا جواب سن چکے تھے، چونکہ یہ لوگ بھی گزشتہ لوگوں کی طرح اعتراض کرتے ہیں لہذا مجبور ہیں وہی جواب سنیں، میں اپنے علمائے سلف کی باتوں کی تکرار کرتا تھا، کیونکہ میں یہ سمجھتا تھا کہ بے خبر، معترضین علماء کی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ ان کی ہی باتوں سے آگاہ ہو جائیں۔

بے شک میں علمائے تشیع کی پیروی کرتے ہوئے ''عبداللہ بن سبا'' کے وجود کا معترف تھا، لیکن اس کی رفتار کو حقیر اور شرم آور سمجھتا اور اس کی باتوں کا انکار کرتا تھا۔

علامۂ عالیقدر جناب سید مرتضیٰ عسکری نے اس عمارت کی بنیاد ہی اکھاڑ کر کے رکھدی اور اپنی گہری تحقیقات سے ثابت کردیا کہ ''عبداللہ بن سبا'' کی حقیقت ایک افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے! اور یہی وہ حقیقت ہے جو اس کتاب میں بے نقاب ہوئی ہے، اگر میں یہ کہوں کہ عربی میں یہ تنہا کتاب ہے، جس میں تاریخ کی علمی بنیادوں پر تحقیق کر کے اس پر غور کیا گیا ہے تو یہ ہرگز مبالغہ نہیں ہے، اور میرا یہ کہنا بھی ہرگز بیجا نہیں ہوگا کہ اس دانشور مصنف نے دین و علم اور خاص طور پر شیعوں اور مذہب

تشیع کی ایک ایسے زمانے میں بے مثال اور عظیم خدمت کی ہے کہ جب ان پر تہمتوں، افتراء پردازیوں اور بہتان تراشیوں کی بھر مار ہو رہی ہے، موصوف نے اسلام کی ایک عظیم اور درخشان خدمت کی ہے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان رخنہ ڈال کر ان کے اتحاد و یکجہتی کو درہم برہم کر کے انھیں کمزور اور بے بس کر دیا ہے۔

ہم نے فرمانرواؤں اور ظالم حکام کی طرف سے بدترین عذاب اور مشکلات برداشت کی ہیں تا کہ اسلام کی یکجہتی کا تحفظ کر کے دشمنی سے پرہیز کریں، لیکن وہ روز بروز اپنی دروغ بیانی میں تشویق ہوتے رہے ہیں...اور ان کی پہلی اور آخری سند ''ابن سبا'' کا افسانہ اور ''ابن السوداء'' کا خرافہ تھا کہ افسانہ ساز ''سیف'' نے انھیں، خدا اور اپنے ضمیر کے سامنے کسی ذمہ داری کا احساس کئے بغیر جعل کیا ہے۔ لیکن آج ''عبداللہ ابن سبا'' نام کی کتاب لکھی جانے کے بعد یہ کاسہ لیس اور چاپلوس لوگ کیا جواب دیں گے؟!

آخر میں میری تجویز ہے کہ یہ کتاب دیدہ زیب طباعت کے ساتھ دوبارہ شائع کی جائے اور عالم اسلام کے تمام شہروں میں نصف قیمت پر بیچی جائے تا کہ عام مسلمان اسے خرید کر اس کے عالی مطالب سے استفادہ کر سکیں۔

نجف اشرف کے دانشوروں اور مراجع عظام کو چاہئے مذکورہ مقصد کی جانب توجہ کرتے ہوئے رقومات شرعیہ سے مدد کریں یا خیّر افراد کی اس سلسلے میں راہنمائی فرمائیں۔

میری تجویز ہے کہ یہ حضرات تاکید کے ساتھ حکم فرمائیں تاکہ یہ کتاب دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر سستے داموں میں دنیا کے لوگوں تک پہنچ جائے ، یہ دین اسلام کیلئے ایک عظیم خدمت ہوگی۔

لبنان۔شیخ محمد جواد مغنیہ

الازہر یونیورسٹی مصر کے مجلہ ''جامع الازھر'' میں شائع شدہ

اعتراضات کا جواب

مجلّہ ''جامع الازھر'' مصر میں کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کے بارے میں دو مقالے لکھے گئے ہیں[1] اہم ترین مطلب جو ان دو تنقیدی مقالوں میں ملاحظہ کے قابل ہے عبارت ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور ان کے باہمی اختلافات، چودہ صدی پرانی بات ہے اور وہ سب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے لہذا اچھا ہے کہ ان مسائل سے صرف نظر کیا جائے۔[2]

اس بات کے جواب میں ہم کہتے ہیں:

اولاً: ہم سیف کی روایتوں کی تحقیق کی فکر میں تھے، جس موضوع پر اس نے روایتیں نقل کی تھیں، ہم نے مجبور ہو کر ان ہی موضوعات پر بحث و تحقیق کی ہے، چونکہ کتاب ''عبداللہ بن سبا'' میں عبداللہ بن سبا کے افسانہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے باہمی اختلافات کے بارے میں سیف ابن عمر کی نقل کی گئی روایتوں پر بحث کی گئی ہے، لہذا ہم مجبور ہوئے کہ ہر موضوع کے

۱۔ پہلا مقالہ کتاب کی نجف اشرف میں طبع شدہ پہلی اشاعت پر ایک تنقید ہے، اور یہ مقالہ مجلّہ کی جلد ۳۳ ج ۱۰، ۱۳۸۰ھ ''باب الکتب'' کے صفحہ ۱۱۵۰۔۱۱۵۱ میں شائع ہوا ہے۔ دوسرا مقالہ اسی کتاب کے مصر میں طبع شدہ نسخہ پر ایک تنقید ہے اور یہ مقالہ مجلّہ کی جلد ۳۲ رج ۶ ر ۱۳۸۱ھ کے صفحہ ۷۶۰۔۷۶۱ میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ یہ جملہ پہلے مقالہ کے آخر پر لکھا گیا ہے اور باقی تمام مطالب اسی جملہ کی تفسیر اور تشریح میں لکھے گئے ہیں۔

بارے میں بحث کو جاری رکھتے ہوئے تجزیہ وتحقیق کریں، جس طرح میں نے اپنی کتاب " خمسون و مأة صحابی مختلق" (۱۵۰جعلی اصحاب) میں اصحاب کے فتوحات اورصدراسلام کی جنگوں کو اپنا موضوع قرار دیگر بحث وتحقیق کی ہے۔

سیف کی روایتوں پر تحقیق نے ہمیں اس بات پر مجبور کردیا ہے کہ ایسی بحثوں میں داخل ہوجائیں جنھیں بہت سے دانشوروں نے پردے میں رکھا ہے، لہذا ان موضوعات پر بحث وتحقیق نے انھیں برہم اور رنجیدہ کیا ہے، البتہ ہم بھی ان کی طرح ایسے وقائع اور روداد کے رونما ہونے سے خوشحال نہیں ہیں اوران سے پردہ اٹھانے اوران پرغور وفکر کرنے سے ہمارا رنج وغم بھڑک اٹھتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ خداوند عالم نے پیغمبر خداؐ کے اصحاب کو ملک وفرشتہ خلق نہیں کیا ہے کہ جبلت انسانی سے عاری ہوں بلکہ وہ دوسرے افراد کی طرح انسانی جبلت میں ان کے شریک ہیں، اورایمان اوراسلام میں استقامت کے مراتب میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، اس حدتک کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے بعض پر حد جاری کی ہے (کوڑے لگائے ہیں) اوران میں سے بعض کے بارے میں " آیات افک "نازل ہوئی ہیں جن میں ان کی اس بات پر ملامت کی گئی ہے کہ انہوں نے پیغمبر خداؐ کی بیوی کی جانب نازیبا نسبت دی تھی، اوران میں سے بعض کے بارے میں نفاق کی آیات نازل ہوئی ہیں۔

ان تمام مطالب کے باوجود ہم نہیں سمجھتے کہ پیغمبر خداؐ کے اصحاب کوان اختلافات اورتحولات

کے ساتھ کیسے چھوڑ دیں جبکہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام اور عقائد کو ہم تک پہنچانے کے واسطہ ہیں کیا اس طرح صرف پیغمبرؐ کو درک کرنے کی بنا پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عزت واحترام کرنا بحث وتحقیق کیلئے رکاوٹ اور دینداری کے نام پر علم ودانش کے دروازہ کو بند کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ چونکہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے صدیوں سے اپنے اوپر اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھا ہے، لہذا تحقیق وعلم کا دروازہ بھی ان پر بند ہو گیا ہے۔

خدارا! ہم نے اس مطلب کو قبول نہیں کیا ہے اور اسکی تائید نہیں کرتے ہیں بلکہ دین واسلام کے نام پر اور اس پر عمل کرنے کیلئے اسلام کی راہ میں بحث وتحقیق کیلئے قدم اٹھاتے ہیں۔

ثانیاً: کاش کہ ہم یہ جانتے کہ قدیم وجدید دانشور جو پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی عزت واحترام میں جو غیرت وحمیت دکھاتے ہیں، کیا اس میں پیغمبر خدا کے تمام اصحاب شامل ہیں خواہ اس کے سزاوار ہوں یا نہ، خواہ وہ عیش پرست ہوں یا زاہد و پرہیز گار؟ کیا یہ احترام عام طور پر اس لئے ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا ہے؟ یا ان کیلئے مخصوص ہے جو سرمایہ دار وقدرتمند تھے اور حکومت تک ان کی رسائی تھی؟ اور ایسا لگتا ہے کہ یہ احترام شعوری یا لاشعوری طور پر صرف ان افراد سے مخصوص ہو کے رہ گیا جو حکومت اور ایوان حکومت سے وابستہ ومربوط ہیں۔

جو کچھ ایک دوررس اور نکتہ شناس محقق کیلئے قابل اہمیت ہے وہ دوسرا مطلب ہے کیونکہ اگر تاریخ طبری میں سنہ ۳۰ ھ کے روئدادوں اور حوادث پر غور کیا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ اس نے یوں

لکھا ہے:

اس سال، یعنی ۳۰ھ میں جو کچھ ابوذر اور معاویہ کے درمیان پیش آیا، اور سرانجام ابوذر کے شام سے مدینہ جلا وطن کئے جانے پر تمام ہوا، اس سلسلے میں بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں کہ جنکو میں نقل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں، لیکن اس سلسلہ میں معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں نے ایک داستان نقل کی ہے، اس داستان میں کہا گیا ہے:

شعیب نے اسے سیف سے نقل کیا ہے....

اس کے بعد طبری نے ابوذر اور معاویہ کے بارے میں نقل کی گئی داستان کے سلسلے میں سیف کی باقی روایت کو اپنی تاریخ میں ثبت کیا ہے۔

اگر ہم اس سلسلے میں تاریخ ابن اثیر کی طرف رجوع کریں گے تو دیکھتے ہیں کہ وہ کہتا ہے:

اس سال (۳۰ھ) ابوذر کی داستان اور معاویہ کے توسط سے اسے شام سے مدینہ جلاوطن کرنے کا مسئلہ پیش آیا، اس رفتار کی علت کے بارے میں بہت سے مطالب لکھے گئے ہیں، من جملہ یہ کہ: معاویہ نے انھیں گالیاں بکیں اور موت کی دھمکی دی، شام سے مدینہ تک انھیں ایک بے کجاوہ اونٹ پر سوار کر کے نہایت ہی بیدردی سے ایک ناگفتہ بہ حالت میں مدینہ کی طرف جلاوطن کر دیا، مناسب نہیں ہے اسے یہاں

بیان کیا جائے.... میں اسے نقل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں، لیکن جنہوں نے اس سلسلے میں
عذر پیش کیا ہے، یوں کہا ہے:.....

اس بنا پر طبری نے یہاں پر ان بہت سی روایتوں کو درج نہیں کیا ہے جن میں معاویہ اور ابوذر کی روئداد بیان ہوئی ہے اور ان کو بیان کرنا پسند نہیں کرتا تھا، پھر بھی اس نے ان روایتوں کو بالکل ہی درج کرنے سے چشم پوشی نہیں کی ہے۔ بلکہ سیف کی ان تمام روایتوں میں سے ایسی روایت کا انتخاب کیا ہے کہ معاویہ کا عذر پیش کرنے والوں کیلئے سند کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے اس کے کام کی توجیہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، جبکہ اس روایت میں پیغمبر اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگوار صحابی ''ابوذر'' کی حد سے زیادہ توہین کی گئی ہے۔ اس کی دینداری پر طعنہ زنی کی گئی ہے، اسے بیوقوف اور احمق کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس پر ناروا تہمتیں لگائی گئی ہیں۔

کیونکہ اس روایت میں معاویہ کو حق بجانب ٹھہرایا گیا ہے اور اس کے عذر کو درست قرار دیا گیا ہے، اور اس طرح مؤرخین کا یہ قائد، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تہی دست صحابی کی شخصیت اور احترام سے چشم پوشی کرتا ہے اور ان کی عظمت کو معاویہ جیسے حاکم اور ثروتمند شخص کے حرمت کے تحفظ میں قربان کرتا ہے، یہی کام ابن اثیر، ابن خلدون اور دوسروں نے بھی انجام دیا ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، بنیادی طور پر اسی سبب سے تاریخ طبری نے رواج پیدا کیا ہے اور دوسروں کی نسبت زیادہ شہرت پائی ہے، اور اس لئے سیف (بے دینی کا ملزم ٹھہرائے جانے کے

باوجود) کی روایتوں کو اس قدر اشاعت ملی ہے اور اسی لئے مشہور ہوئی ہیں[۱]۔

اس بنا پر ایسے دانشوروں نے صرف ایسے صحابیوں کے احترام کے تحفظ کیلئے اقدام کیا ہے جو صاحبِ قدرت وحکومت تھے، اور ''معاویہ بن ابوسفیان'' جیسے شخص کی اس لئے عزت کرتے ہیں کہ وہ صاحب حکومت و اقتدار تھا، جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے اور اس کے باپ کو ''المؤلفة قلوبهم'' [۲] میں شمار فرمایا ہے اور اس کی نفرین کرتے ہوئے فرمایا:

خداوند عالم اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کرے''[۳] اسی طرح ''عبداللہ بن سعد بن ابی سرح''[۴] جو ابتداء میں مسلمان ہوا تھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاتبوں میں شمار ہوتا تھا، لیکن ایک مدت کے بعد مرتد ہوگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور قرآن مجید پر تہمت لگائی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کا خون بہانا مباح قرار فرمایا تھا، ایسے شخص کو ان خصوصیات کے باوجود مصر کا گورنر ہونے کے ناطے اس کا نام تاریخ میں درج کرکے اس کا احترام کیا گیا ہے۔

اس طرح خلیفہ عثمان کے بھائی ولید، جس کے بارے میں آیۂ نبا نازل ہوئی ہے:

﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِذا جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا اَنْ تُصِيْبُوا قَوْماً

۱۔ کتاب کے فصل ''پیدائش افسانہ'' کی طرف رجوع کیا جائے۔
۲۔ تمام سیرت لکھنے والوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح حنین کے بعد معاویہ اور اس کے باپ کو ''المؤلفة قلوبهم'' میں شمار فرمایا ہے، اس لئے انھیں کچھ چیزیں دیدی ہیں۔
۳۔ صحیح مسلم کے اس باب کی طرف رجوع کیا جائے کہ ''پیغمبر خدا نے جن پر لعنت کی ہے''
۴۔ اس کے حالات پر اگلے صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی۔

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴾[۱]

لیکن کوفہ کا حاکم ہونے کی وجہ سے اس کا احترام کیا گیا ہے۔

یا ایک اور شخص، ''مروان حکم''[۲] جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ کے ساتھ طائف جلاوطن کیا تھا، بعد میں ایک حاکم واقع ہونے کی وجہ سے عزت واحترام کا مستحق بن جاتا ہے اور تاریخ میں اس کا نام عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

قریش کے بزرگوں اور حکمراں، فرماں روا اور امراء طبقے کے ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کی عزت واحترام محفوظ رہے اور ہم ان کی شخصیت کی حرمت کے محافظ بنیں، لیکن اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متقی و پرہیزگار تہی دست صحابی ''ابوذر غفاری'' یا باتقویٰ اور خداترس صحابی ''سمیہ'' نامی کنیز کے بیٹے ''عمار یاسر'' یا ''عبدالرحمان بن عدیس بلوی'' نامی نیک و پارسا صحابی جو اصحاب بیعت شجرہ میں سے تھے اور ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِي قُلُوبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً﴾ [۳]

۱۔ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو، ایسا نہ ہو کہ ایسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ کہ جس کے بعد اپنے اقدام پر شرمندہ ہونا پڑے (حجرات/۶)

۲۔ اسی کتاب کی فصل ''پیدائش افسانہ شیبہ'' اور دیگر فصلوں میں اس کے حالات کے بارے میں دی گئی تشریح کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔ یقیناً خدا صاحبان ایمان سے اس وقت راضی ہوگیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کر دیا اور انھیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کر دی (فتح/۱۸)

یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے صحابی جیسے، ''صوحان عبدی'' کے بیٹے زید اور ''صعصعہ'' اور ان جیسے دسیوں صحابی اور تابعین جو ریاست وحکومت کے عہدہ دار نہ تھے اور قریش کے سرداروں میں سے بھی نہ تھے، انھیں اہمیت نہ دی جائے بلکہ ان کی ملامت اور طعنہ زنی کی جائے اور یمن کے صنعا سے ایک یہودی کو خلق کر کے اس خیالی اور جعلی شخص کو فرضی طور پر ان مقدس اشخاص میں قرار دیگر صاحبان قدرت اور حکومت سے ان کو ٹکرایا جائے اور...

اس طرح سیف کی جعلی روایتیں شہرت پا کر رائج ہو جاتی ہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی چھان بین اور تحقیق نہیں ہوتی ہے۔

اس قسم کی داستانوں اور افسانوں (جنھیں جعل کرنے والوں نے صاحبان قدرت وحکومت کے دفاع اور ان کے مخالفوں کی سرکوبی کیلئے گڑھ لیا ہے) کی اشاعت ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رائج ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض افسانے اس حد تک مسلم تاریخی حقائق میں تبدیل ہو گئے ہیں کہ کوئی شک وشبہہ باقی نہیں رہا ہے اور بعض دانشور حضرات اس کے تحفظ کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔

جبکہ یہ اس حالت میں ہے کہ جسے انہوں نے دین کا نام دیا ہے وہ حکمراں طبقے اور ان سے مربوط افراد کی عزت واحترام کے تحفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

لیکن اصحاب وتابعین سے مربوط وہ لوگ جو مجبور ہو کر قدرت وحکومت سے دور رہ کر کمزور

واقع ہوئے ہیں، ان دانشوروں کی نظروں میں قابل اہمیت ومورد توجہ قرار نہیں پائے ہیں، کیونکہ انہوں نے صاحبان قدرت و دولت کی پیروی نہیں کی ہے بلکہ ان کے موافق نہیں تھے۔

یہاں پر میں ایک بار پھر خداوند عالم کو شاہد قرار دیکر کہتا ہوں کہ جس چیز نے مجھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی زندگی کے حالات کے بارے میں مطالعہ و تحقیق کرنے کی ترغیب دی، وہ یہ ہے کہ مجھے بچپنے ہی سے اسلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے متعلق جاننے و پہچاننے کی دلچسپی تھی اور میں نے اپنی اکثر زندگی اسی راہ میں گزاری ہے، تب جا کر اس زمانے کے وقائع اور روئدادوں کو پہچاننے اور ان کی طرف بڑھنے کی راہ کو آسان کرنے کیلئے اپنی تحقیقات کے نتیجہ کو شائع کیا ہے اور اس امید میں بیٹھا ہوں کہ محققین اس کام کو آگے بڑھائیں گے اور اس چھان بین کو دقیق اور مضبوط تر صورت میں انجام دیں گے، میں اس کتاب کے قارئین کو اطمینان دلاتا ہوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے تئیں میری محبت اور وفاداری ان سے کم نہیں ہے جو اس سلسلے میں تظاہر کرتے ہیں، البتہ اس سلسلہ میں اصحاب کے وہ افراد جن کا تاریخ میں اسلام کی نسبت نفاق اور دورخی ثابت ہو چکی ہے، اس کے علاوہ میں احترام اور ان کی پرستش میں فرق کا قائل ہوں، کیونکہ میں مشاہدہ کرر رہا ہوں کہ ان دانشوروں نے اصحاب کی عزت واحترام کو تقدیس و ستائش کی اس حد تک آگے بڑھایا ہے کہ ان میں سے بعض افراد اپنے شائستہ اسلاف کی (خدا کی پنا ہو) غیر شعوری طور پر پرستش کرنے لگے ہیں، خداوند ہمیں، ان کو اور تمام مسلمانوں کو اس غلطی سے

نجات دے۔

بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ جس کسی نے بھی پیغمبر خداؐ کو دیکھا ہے اور اس دیدار کے دوران اگر ایک لحہ[۱] کیلئے بھی مسلمان ہوگیا ہے، وہ صحابی ہے اور ان کے اعتقاد کے مطابق صحابی فرشتہ جیسا ہے جس کی فطرت میں خواہشات اور غریزے کا دخل نہیں ہوتا، لہذا وہ جب اس کے برعکس کچھ سنتے ہیں تو برہم ہوجاتے ہیں اور ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتے ہیں اور اس طرز تفکر کی وجہ سے یہ لوگ کافی مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں فی الحال ان پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

آخر کلام میں امید رکھتا ہوں کہ باریک بین اور تیز فہم حضرات، اس کتاب کی پہلی طباعت کے مقدمہ میں چھپے ہوئے میرے اس جملہ کو پڑھ لیں:

''جو لوگ تاریخ میں لکھی گئی چیزوں کو بوڑھی عورتوں کے خرافات اور بیہودگیوں کی نسبت تعصب کے مانند اعتقاد رکھتے ہیں، وہ اس کتاب کو نہ پڑھیں''

اس کے علاوہ بھی چند تنقیدیں ہوئی ہیں، مثلاً اعتراض کیا گیا ہے کہ کیوں اس کتاب کا نام'' عبداللہ بن سبا'' رکھا گیا ہے جبکہ اس میں ''عبداللہ بن سبا'' کی بہ نسبت دوسری داستانیں زیادہ ہیں؟

اس سوال کا ہم نے اس کتاب کی پہلی طباعت کے مقدمہ میں جواب دیدیا ہے اور اس کے علاوہ کتاب کے سرورق پر واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ کتاب ''عبداللہ بن سبا'' اور دیگر تاریخی داستانوں پر مشتمل ہے مزید ہم نے پہلی طباعت کے مقدمہ میں کہا ہے:

۱۔ کتاب الاصابہ، (۱۰/۱) الفصل الاول ''فی تعریف الصحابی'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

'' قارئین کرام جلدی ہی سمجھ لیں گے کہ یہ کتاب صرف عبداللہ بن سبا اور اس کی داستان سے مربوط نہیں ہے بلکہ بحث کا دامن اس سے وسیع تر ہے ...''

ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے باوجود تنقید کرنے والوں کیلئے یہ مطلب کیونکر پوشیدہ رہ گیا؟!

ضمناً ہم نے کتاب کے آخر میں مصر کے معاصر دانشور جناب ڈاکٹر احسان عباس کی عالمانہ تنقید اور ان کے سوالات درج کرنے کے بعد ان کا جواب لکھا ہے۔

و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

اس تحریر کو میں نے ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ عید قربان کے دن منی کے خیمون میں مکمل کیا ہے خداوند عالم مسلمانوں کیلئے ایسی عیدیں بار بار لائے اور وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے احکام الٰہی کو انجام دینے میں تلاش و جستجو کریں تاکہ خداوند عالم ان کی حالت کو بدل دے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنْفُسِہِمْ[۱]

صدق اللہ العلیّ العظیم

سید مرتضی عسکری

۱۔ خدا کسی قسم کے حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرے (رعد/۱۱)

مباحث پر ایک نظر

کتاب کی دوسری طباعت پر مصنف کا مقدمہ

میں نے حدیث اور تاریخ اسلام کی چھان بین اور تحقیق کے دوران حاصل شدہ نتیجہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور فیصلہ کر چکا ہوں کہ ہر حصے میں اپنی تحقیق کے نتائج کو براہ راست شائع کروں، یہ چار حصے حسب ذیل ہیں:

اول: حدیث و تاریخ پر اثر ڈالنے والے تین بنیادی اسباب کی تحقیق۔

الف۔ پوجا اور پرستش کی حد تک بزرگوں کی ستائش کا اثر

ب۔ وقت کے حکام کا حدیث اور تاریخ پر اثر

ج۔ حدیث اور تاریخ پر مذہبی تعصب کا اثر

اس بحث میں مذکورہ تین مؤثر کی وجہ سے حدیث اور تاریخ میں پیدا شدہ تحریف اور تبدیلیوں پر چھان بین ہوئی ہے لیکن آج تک اسے نشر کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی ہے۔

دوم: ام المؤمنین عائشہ کی احادیث

یہ بحث دوحصوں میں تقسیم ہوئی ہے، اس کا پہلا حصہ حضرت عائشہ کی حالات زندگی سے متعلق ہے، جو عربی زبان میں ۴۱۴ صفحات پر مشتمل ۱۳۸۰ھ میں تھران میں شائع ہوا ہے اور اس کا دوسرا حصہ ام المؤمنین کی احادیث کے تجزیہ و تحلیل پر مشتمل ہے یہ حصہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔

سوم: صحابہ کی احادیث

اس حصہ میں بعض اصحاب کی احادیث، جن میں ابو ہریرہ کی احادیث اہم تھیں، جمع کی گئی ہیں اور میں اس کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن جب میں نے آیت اللہ سید عبدالحسین شرف الدین کی کتاب ''ابو ہریرہ'' دیکھی تو اسے اس سلسلے میں کافی سمجھ کر اپنی کتاب کو شائع کرنے سے منصرف ہوگیا۔

چہارم: سیف کی احادیث:

اس حصہ میں سیف بن عمیر کی روایتوں کی چھان بین کی گئی ہے جن میں اس نے ۱۱ھ سے ۳۷ھ تک کے تاریخی وقائع نقل کئے ہیں۔

سیف نے پہلے سقیفہ، پھر مرتدوں سے جنگ اور اس کے بعد خلفائے ثلاثہ کے دوران مسلمانوں کی فتوحات کے بارے میں لکھا ہے اور آخر میں اسلامی شہروں میں حضرت عثمان کی حکومت اور بنی امیہ کے خلاف بغاوتوں کو عثمان کے قتل تک کے واقعات کی وضاحت کی ہے پھر امیر المؤمنین

کی بیعت اور جنگ جمل کی بات کی ہے، اوران وقائع میں بنی امیہ کی بدکرداریوں کی پردہ پوشی کرنے کیلئے عبداللہ بن سبااور سبائیوں کا افسانہ گڑھ لیا ہے، اس طرح ان تمام وقائع کو بنی امیہ اور قریش کے تمام اشراف کے حق میں خاتمہ بخشتا ہے۔

میں نے اس حصہ میں سیف کے چند افسانوں کو تاریخ کی ترتیب سے درج کر کے ''احادیث سیف'' کے عنوان سے طباعت کیلئے آمادہ کیا، مرحوم شیخ راضی آل یاسین کو میری تصنیف کے بارے میں اطلاع ملی اورانھوں نے فرمایا کہ: سیف بن عمیر ناشناختہ ہے لہذا ''احادیث سیف'' کا عنوان جذابیت نہیں رکھتا ہے، چونکہ سیف کا سب سے بڑا افسانہ ''عبداللہ بن سبا'' اور سبائی ہے، لہذا بہتر ہے اس کتاب کا نام ''''عبداللہ بن سبا'' رکھا جائے، اس لئے اس کتاب کا نام بدل کر ''عبداللہ ابن سبا '' رکھا اور اسے طباعت کے لئے پیش کیا۔

اس کتاب کی طباعت کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ سیف کے افسانوں کے بہت سے سورما پیغمبر خداؐ کے اصحاب کے طور پر پیش کئے گئے ہیں لہذا اس کتاب کی پہلی جلد کے آخر میں اس کے بارے میں اشارہ کرنے کے بعد اس سلسلے میں اصحاب پیغمبرؐ کے بارے میں حالات درج کئے گئے منابع اور کتابوں کی تحقیق کی، اور مطالعہ کرنے لگا اس تحقیق کے نتیجہ میں ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' کے عنوان سے ایک الگ کتاب تألیف کی اور طباعت کے حوالے کی۔ لہذا سیف کی احادیث کے بارے میں بحث تین حصوں میں انجام پائی:

۱۔عبداللہ بن سبا اور چند دیگر افسانے۔

۲۔عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کا افسانہ۔

۳۔ایک سو پچاس جعلی اصحاب۔

پہلے حصہ میں سیف کی پندرہ قسم کی روایتوں کی حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عثمان کی خلافت تک ان کے واقع ہونے کے سالوں کی ترتیب سے چھان بین کی گئی ہے۔ یہ حصہ کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کی پہلی جلد پر مشتمل ہے، جس میں درج ذیل دو موضوعات پر بحث کی گئی ہے:

۱۔اسامہ کا لشکر

۲۔سقیفہ اور ابوبکر کی بیعت

اس کتاب کی دوسری جلد میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

۳۔اسلام میں ارتداد۔

۴۔مالک بن نویرہ کی داستان۔

۵۔علاء حضرمی کی داستان۔

۶۔حوأب کی سرزمین اور وہاں کے کتے۔

۷۔نسلِ زیاد کی اصلاح۔

۸۔مغیرہ بن شعبہ کے زنا کی داستان۔

۹۔ابو محجن کی شراب نوشی۔

۱۰۔سیف کے ایام۔

۱۱۔شوریٰ اور عثمان کی بیعت۔

۱۲۔ ہرمزان کے بیٹے قماذ بان کی داستان۔

۱۳۔تاریخ کے سالوں میں سیف کی دخل اندازی۔

۱۴۔سیف کے افسانوی شہر

۱۵۔خاتمہ

کتاب کی اس جلد کو عربی متن کے ساتھ مطابقت کرنے کے بعد اس میں روایتوں کے مآخذ کی چھان بین اور جعلی اصحاب کو مشخص کرنے کے سلسلے میں چند اہم حصوں کا اضافہ کرکے طباعت کیلئے پیش کیا گیا۔خدائے تعالی سے استدعا ہے کہ ہمیں اس کتاب کی دوسری جلد اور کتاب ''۱۵۰جعلی اصحاب'' کو طبع کرنے کی توفیق عنایت فرمائے

سید مرتضی عسکری

تہران جمعہ۱۴/۴/۱۳۸۶ھ

آغاز بحث

پہلی طباعت کا مقدمہ

میں ۱۳۶۹ھ میں حدیث وتاریخ کے بارے میں چند موضوعات کا انتخاب کر کے ان پر تحقیق و مطالعہ کر رہا تھا، منابع و مآخذ کا مطالعہ کرنے کے دوران میں نے حدیث اور تاریخ کی قدیمی، مشہور اور معتبر ترین کتابوں میں موجود بعض روایتوں کے صحیح ہونے میں شک کیا، اس کے بعد میں نے شک وشبہہ پیدا کرنے والی راویتوں کو جمع کر کے انھیں دوسری روایتوں سے موازنہ کیا اس موازنہ نے مجھے ایک ایسی حقیقت کی راہنمائی کی جو فراموشی کی سپرد ہو چکی تھی اور تاریخ کے صفحات میں گم ہو کر زمانے کے حوادث کی شکار ہو چکی تھی۔

جب اس قسم کی روایتوں کی تعداد قابل توجہ حد تک بڑھ کر ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کر گئی تو میں نے اخلاقی طور پر اس ذمہ داری کا احساس کیا کہ اس ناشناختہ حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھاؤں۔

اس کے بعد میں نے اس سلسلے میں لکھی گئی یادداشتوں کو چند فصلوں میں تقسیم کیا اور انھیں ''احادیث سیف'' کا نام دیا، میرے اس کام سے ''کتاب صلح حسن'' کے مؤلف جناب شیخ راضی یاسین طاب ثراہ آگاہ ہوئے اور انہوں نے مجھے اس بحث کو جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور یہ تجویز پیش کی کہ اس کتاب کا نام ''عبداللہ بن سبا'' رکھوں، اور میں نے بھی ان کی تجویز سے اتفاق

کیا۔

میری تحقیق کا یہ کام سات سال تک یوں ہی پڑا رہا اور اس دوران گنے چنے چند دانشوروں کے علاوہ اس سلسلے میں کوئی اور آگاہ نہ ہوا، جس چیز نے مجھے اس مدت کے دوران اس کتاب کی طباعت سے روکا، وہ یہ تھا کہ میں اس امر سے ڈرتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے، کیونکہ احادیث اور روایات کا یہ مجموعہ ان واقعات کے بارے میں تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد ۳۷ھ تک گزرے ہیں، اس مدت کے بارے میں لکھی گئی تاریخ، عام مسلمانوں کیلئے امر واقعی کے طور پر ثبت ہو چکی تھی اور ان کے اعتقادات کے مطابق اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی عام لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ اس زمانے کے بارے میں لکھی گئی تاریخ ان کے دینی عقائد کا جز ہے اور پسماندگان کو کسی قسم کے چون و چرا کے بغیر اسے قبول کرنا چاہئے۔

یہ مباحث، تاریخ کی بہت سی ایسی بنیادوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں، جنھیں تاریخ دانوں نے بنیاد قرار دیگر نا قابل تغیر سمجھا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مباحث اسلام کی بہت سی تاریخی داستانوں کو غلط ثابت کرتے ہیں اور بہت سے قابل اعتماد منابع و مآخذ کے ضعیف ہونے کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں۔[۱]

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ بحث ''عبداللہ بن سبا'' اور اس کے افسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دامن کافی وسیع اور عمیق تر ہے۔

۱۔ اس لئے ''پیرزال'' کے مانند تاریخ میں لکھے گئے خرافات و توہمات پر ایمان و اعتقاد رکھنے والے حضرات کو یہ کتاب پڑھنی چاہئے۔

اس سبب اور چند دیگر اسباب کی بنا پر اس کتاب کو شائع کرنے کے سلسلے میں میرے دل میں خوف پیدا ہوا تھا، لیکن جب میں نے اس موضوع کے ایک حصہ کو تاریخ پر تحقیقاتی کام انجام دینے والے دو عالیمقام دانشوروں کی تحریروں میں پایا تو میرے حوصلے بڑھ گئے اور میں نے ان مباحث کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ میں نے ان مباحث میں قدیمی ترین تاریخی منابع و مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور پانچویں صدی کے بعد والے کسی شخص سے کوئی بات نقل نہیں کی ہے مگر یہ کہ پانچویں صدی کے بعد نقل کی گئی کسی بات کی بنیاد متقدمین سے مربوط ہو اور صرف اس کی شرح و تفصیل اس کے بعد والوں میں سے کسی نے کی ہو۔

وللہ الحمد و منہ التوفیق

بغداد ۱۵ رمضان ۱۳۷۵ھ

مرتضیٰ عسکری

پہلا حصہ

عبداللہ بن سبا کا افسانہ

- افسانہ کی پیدائش۔
- افسانہ کے رِوایوں کا سلسلہ۔
- سیف بن عمر۔ عبد اللہ بن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا۔

عبداللہ بن سبا کے افسانہ کی پیدائش

"هذه هي أُسطورة ابن سَبأ بإيجاز"

یہ افسانۂ عبداللہ بن سبا اور اس کی پیدائش کا خلاصہ ہے۔

ایک ہزار سال سے زائد عرصہ پہلے مؤرخین نے ''ابن سبا'' کے بارے میں قلم فرسائی کر کے اس سے اور سبائیوں (اس کے ماننے والوں) سے حیرت انگیز اور بڑے بڑے کارنامے منسوب کئے ہیں۔لہذا دیکھنا چاہئے کہ

یہ ابن سبا کون ہے؟ اور

سبائی کون ہیں؟

ابن سبا نے کونسے دعوے کئے ہیں اور کیا کارنامے انجام دئے ہیں؟

مؤرخین نے جو کچھ ''ابن سبا'' کے بارے میں لکھا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے

صنعا، یمن کے ایک یہودی نے عثمان کے زمانے میں بظاہر اسلام قبول کیا، لیکن خفیہ طور پر

مسلمانوں کے درمیان اختلاف و افتراق پھیلانے میں مصروف تھا اور مسلمانوں کے مختلف بڑے شہروں جیسے، شام، کوفہ، بصرہ اور مصر کا سفر کر کے مسلمانوں کے اجتماعات میں شرکت کرتا تھا اور لوگوں میں اس امر کی تبلیغ کرتا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کیلئے بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح رجعت مخصوص ہے اور دیگر پیغمبروں کی طرح حضرت محمد مصطفیٰؐ کیلئے بھی ایک وصی ہے اور وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں وہ خاتم الاوصیاء ہیں جیسے کہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ عثمان نے اس وصی کے حق کو غصب کر کے اس پر ظلم کیا ہے، لہذا شورش اور بغاوت کر کے اس حق کو چھین لینا چاہئے۔

مؤرخین نے اس داستان کے ہیرو کا نام ''عبداللہ بن سبا'' اور اس کا لقب ''ابن امۃ السوداء'' (سیاہ کنیز کا بیٹا) رکھا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اسی عبداللہ بن سبا نے اپنے مبلغین کو اسلامی ممالک کے مختلف شہروں میں بھیج کر انھیں حکم دیا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بہانے، وقت کے حاکموں کو کمزور بنادیں، نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس کی گرویدہ بن گئی اور انہوں نے اس کے پروگرام پر عمل کیا، حتیٰ ابوذر، عمار بن یاسر اور عبدالرحمان بن عدیس جیسے پیغمبرؐ کے بزرگ صحابی اور مالک اشتر جیسے بزرگ تابعین اور مسلمانوں کے دیگر سرداروں کو بھی ان میں شمار کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ سبائی جہاں کہیں بھی ہوتے تھے، اپنے قائد کے پروگرام کو آگے بڑھانے کی غرض سے لوگوں کو علاقہ کے گورنروں کے خلاف بغاوت پر اکساتے تھے اور وقت کے حکام کے خلاف بیانات اور اعلانیہ لکھ کر مختلف شہروں میں بھیجتے تھے۔ اس تبلیغات کے نتیجہ میں لوگوں کی ایک جماعت

مشتعل ہوکر مدینہ ک طرف بڑھی اور عثمان کو ان کے گھر میں محاصرہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ کہ سب کام سبائیوں کی قیادت میں اور انھیں کے ہاتھوں سے انجام پاتے تھے۔

اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کی اور عائشہ، عثمان کی خونخواہی کیلئے طلحہ وزبیر کے ہمراہ، راہی بصرہ ہوئی تو شہر بصرہ کے باہر علی علیہ السلام اور عائشہ کی سپاہ کے سرداروں، طلحہ و زبیر کے درمیان گفت وشنید ہوئی۔ سبائی جان گئے کہ اگر ان میں مفاہمت ہوجائے تو قتل عثمان کے اصلی مجرم، جو سبائی تھے، ننگے ہوکر گرفتار ہو جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے راتوں رات یہ فیصلہ کیا کہ ہر حیلہ وسازش سے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیں۔

اس فیصلہ کے تحت خفیہ طور پر ان کا ہی ایک گروہ علی علیہ السلام کے لشکر میں اور ایک گروہ طلحہ وزبیر کے لشکر میں گھس گیا۔ جب دونوں لشکر صلح کی امید میں سوئے ہوئے تھے تو، علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوئے گروہ نے مقابل کے لشکر پر تیراندازی کی اور دوسرے لشکر میں موجود گروہ نے علی علیہ السلام کے لشکر پر تیراندازی کی۔ نتیجہ کے طور پر دونوں فوجوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں جنگ بھڑک اٹھی۔

کہتے ہیں کہ اس بنا پر بصرہ کی جنگ، جو جنگ جمل سے معروف ہے چھڑ گئی ورنہ دونوں لشکروں کے سپہ سالاروں میں سے کوئی ایک بھی اس جنگ کیلئے آمادہ نہ تھا اور وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس جنگ کا اصلی عامل کون تھا۔

اس افسانہ ساز نے داستان کو یہیں پر ختم کیا ہے اور سبائیوں کی سرنوشت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

یہ تھا ''سبائیوں'' کے افسانہ کا ایک خلاصہ، اب ہم اس کی بنیاد پر بحث کرنے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ ''سبائیوں'' میں شمار کیے گئے بزرگوں میں سے بعض کے بارے میں جانکاری حاصل کریں

۱۔ابوذر

۲۔عمار بن یاسر

۳۔عبدالرحمان بن عدیس

۴۔صعصعہ بن صوحان

۵۔محمد بن ابی حذیفہ

۶۔محمد بن ابی بکر، خلیفہ اول کے بیٹے۔

۷۔مالک اشتر

۱۔ابوذر

ان کا نام جندب بن جنادۂ غفاری تھا، وہ اسلام لانے میں سبقت حاصل کرنے والے پہلے چار افراد میں چوتھے شخص تھے، وہ جاہلیت کے زمانے میں بھی خدا پرست تھے اور بت پرستی کو ترک

کر چکے تھے، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو مکہ مکرمہ میں بیت اللہ الحرام کے اندر اپنے اسلام کا اظہار کیا اس لئے قریش کے بعض سرداروں نے انھیں پکڑ کر اس قدر ان کی پٹائی کی کہ وہ لہولہان ہو کر زمین پر بیہوش گر پڑے، وہ اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے، ہوش میں آنے کے بعد وہ پیغمبر خداؐ کے حکم سے واپس اپنے قبیلہ میں چلے گئے اور بدر واحد کے غزوات کے اختتام تک وہیں مقیم رہے۔

اس کے بعد مدینہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد انھیں شام بھیجا گیا، لیکن عثمان کے زمانے میں معاویہ نے ان کے بارے میں خلیفہ کے یہاں شکایت کی اور عثمان نے انھیں مکہ و مدینہ کے درمیان ''ربذہ'' نام کی ایک جگہ پر جلاوطن کر دیا اور آپ ۳۲ھ میں وہیں پر وفات پا گئے۔

ابوذر کی مدح وستائش میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث موجود ہیں من جملہ آپ نے فرمایا:

''مَا أظلّت الخضراء و لا اقلّت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر''

آسمان اور زمین نے ابوذر جیسے راستگو شخص کو نہیں دیکھا ہے[1]

۱۔ ابوذر کی تشریح، طبقات ابن سعد، ج ۴ ص ۱۶۱۔ ۱۷۱، مسند احمد، ج ۲/ ۱۶۳ و ۱۷۵، ۲۲۳، ج ۵/ ۱۴۷ و ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۷۴، ۳۵۱، ۳۵۶، و ج ۶/ ۴۴۲، اور صحیح بخاری و صحیح ترمذی اور صحیح مسلم کتاب مناقب میں ملاحظہ ہو۔

۲۔عمار بن یاسر

ان کی کنیت ابو یقظان تھی اور قبیلہ بنی ثعلبہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ کا نام سمیہ تھا، ان کا بنی مخزوم کے ساتھ معاہدہ تھا۔

عمار اور ان کے والدین اسلام کے سابقین میں سے تھے، وہ ساتویں شخص تھے جس نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، عمار کے والد اور والدہ نے اسلام قبول کرنے کے جرم میں قریش کی طرف سے دی گئیں جسمانی اذیتوں کا تاب نہ لاکر جان دیدی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عمار کی ستائش میں کئی صحیح احادیث روایت ہوئی ہیں، من جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عمار کی سرشت ایمان سے لبریز ہے[۱]۔

انہوں نے جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی رکاب میں شرکت کی ہے اور جمعرات ۹ صفر ۳۷ھ کو ۹۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے ہیں [۲]۔

۱۔" ان عماراً ملیء ایماناً الی مشاشه"

۲۔ملاحظہ ہو: مروج الذہب، مسعودی، ج ۲/ ۲۱۔۲۲، طبعی وابن اثیر میں حوادث سال ۳٦۔۳۷ھ، انساب الاشراف بلاذری، ج ۵، ص ۴۸۔۸۸، طبقات ابن سعد، ج ۳، ق ۱، ۱٦٦۔۱۸۹، مسند احمد، ج ۱/ ۹۹ و ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۷، ۲۰۴، اور ج ۲/ ۱٦۱، ۱٦۴، ۲۰٦، و ج ۳/ ۵، ۲۲، ۲۸۔

۳۔محمد بن ابی حذیفہ

ان کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ وہ عتبہ بن ربیعہ عبشمی کے فرزند تھے، ان کی والدہ سہلہ بنت عمرو عامریہ تھیں، محمد بن ابی حذیفہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حبشہ میں پیدا ہوئے ہیں، ان کے باپ ابوحذیفہ یمامہ میں شہید ہوئے تو عثمان نے اسے اپنے پاس رکھ کر اس کی تربیت کی ابن ابی حذیفہ کے بالغ ہونے اور عثمان کے خلافت کے عہدے پر پہنچنے کے بعد اس نے عثمان سے مصر چلے جانے کی اجازت چاہی۔ عثمان نے بھی اجازت دیدی، جب مصر پہنچے تو دوسروں سے زیادہ لوگوں کو عثمان کے خلاف اکسانے پر معروف ہوئے، جب ۳۵ھ میں عبداللہ بن ابی سرح اپنی جگہ پر عقبہ بن عامر کو جانشین قرار دے کر مدینہ چلا گیا تو محمد بن ابی حذیفہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور عقبہ بن عامر کو مصر سے نکال باہر کیا اس طرح مصر کے لوگوں نے محمد بن ابی حذیفہ کی بیعت کی اور عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر سے واپس آنے نہ دیا، اس کے بعد محمد بن ابی حذیفہ نے عبدالرحمان بن عدیس کو چھ سو سپاہیوں کی قیادت میں عثمان سے لڑنے کیلئے مدینہ روانہ کیا، جب حضرت علی علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو آپ نے محمد بن ابی حذیفہ کو مصر کی حکمرانی پر بدستور برقرار رکھا، وہ اس وقت تک مصر کے حاکم رہے جب معاویہ صفین کی طرف جاتے ہوئے محمد بن ابی حذیفہ کی طرف بڑھا، محمد مصر سے باہر آئے اور معاویہ کو ''قسطاط'' میں داخل ہونے سے روکا، آخر کار نوبت صلح پر پہنچی اور طے یہ پایا کہ محمد بن ابی حذیفہ تیس افراد من جملہ عبدالرحمان بن عدیس کے ہمراہ مصر سے خارج ہو جائیں اور معاویہ کی طرف

سے انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، لیکن ان کے مصر سے خارج ہونے کے بعد معاویہ نے انھیں مکر وفریب سے گرفتار کر کے دمشق کے زندان میں مقید کر ڈالا کچھ مدت کے بعد معاویہ کے غلام'' رشدین'' نے محمد بن ابی حذیفہ کو قتل کر ڈالا ،محمد بن ابی حذیفہ ان افراد میں سے ایک تھے جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا[1]

۴۔عبدالرحمان بن عدیس بلوی

وہ صاحب بیعت شجرہ تھے۔مصر کی فتح میں شریک تھے اور وہاں پر ایک زمین کو آباد کر کے اس کے مالک بن گئے تھے ،مصر سے عثمان کے خلاف لڑنے کیلئے روانہ ہوئے لشکر کی سرپرستی اور کمانڈری ان کے ذمہ تھی ،معاویہ نے محمد بن ابی حذیفہ سے صلح کا عہد وپیمان باندھنے کے بعد مکر وفریب سے عبد الرحمان بن عدیس کو پکڑ کر فلسطین کے ایک جیل میں ڈالدیا ،۳۶ھ میں اس نے جیل سے فرار کیا لیکن اس کو دوبارہ پکڑ کر قتل کر دیا گیا[2]

۵۔محمد بن ابی بکر

ان کی والدہ کا نام اسماء تھا اور وہ عمیس خثعمیہ کی بیٹی تھی ،جعفر ابن ابیطالبؑ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی اسماء نے ابو بکر سے شادی کی تھی اور حجۃ الوداع میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ

۱۔اصابہ،حرف میں ق۱/ ج۳/۵۴ ،اسد الغابہ، ج۴/ص۳۱۵ ،الاستیعاب ، ج۳/ ۳۲۱۔۳۲۲۔

۲۔اصابہ، ج۴/ ۱۷۱ ق ا،حرف عین ،استیعاب حرف عین کی طرف مراجعہ کریں۔

پیدا ہوئے پھر ابوبکر کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے، اور جنگ جمل میں آنحضرت کے ہمرکاب رہے اور پیادہ لشکر کی کمانڈری بھی کی۔

حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں تلوار چلائی اور اس جنگ میں پیدل فوج کی کمانڈر تھے۔ انہوں نے جنگ صفین میں بھی شرکت کی ہے اور اس جنگ کے بعد امیر المؤمنین کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہوئے اور ۱۵ رمضان المبارک ۳۷ھ کو مصر پہنچ گئے، معاویہ نے ۳۸ھ کو عمرو عاص کی سرکردگی میں مصر پر فوج کشی کی، عمرو عاص نے مصر پر قبضہ جمانے کے بعد محمد بن ابوبکر کو گرفتار کر کے اسے قتل کر ڈالا پھر ان کی لاش کو ایک مردار خچر کی کھال میں ڈال کر نذر آتش کیا[1]

۶۔ صعصعہ بن سوہان عبدی

انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا ہے، وہ فصیح تقریر کرنے والا ایک شخص تھا انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں معاویہ سے جنگ کی ہے، جب معاویہ نے کوفہ پر تسلط جمایا تو صعصعہ کو بحرین جلاوطن کر دیا اور انہوں نے وہیں پر وفات پائی[2]

۱۔ تاریخ طبری، سال ۳۷۔۳۸ھ کے واقعات کے ذیل میں، اصابہ، ج ۳/۴۵۱ ق، حرف میم، استیعاب، ج ۳/ ۳۲۸ و ۳۲۹ ملاحظہ ہو
۲۔ اصابہ، ج ۳/۱۹۲ حرف ص، استیعاب، ج ۲/۱۸۹۔

۷۔ مالک اشتر

انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درک کیا ہے، تابعین کے ثقات میں شمار ہوتے تھے، مالک اشتر اپنے قبیلے کے سردار تھے، چونکہ یرموک کی جنگ میں ان کی آنکھ زخمی ہوگئی تھی اس لئے انہیں ''اشتر'' لقب ملا تھا، انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے رکاب میں آپ کے دشمنوں سے جنگ لڑی اور نمایاں کامیابی حاصل کی، ۳۸ھ میں حضرت علی علیہ السلام نے انھیں مصر کا گورنر مقرر کیا اور وہ مصر کی طرف بڑھ گیے، جب وہ قلزم (بحر احمر) پہنچے تو معاویہ کی ایک سازش کے تحت انھیں زہر دیا گیا جس کے نتیجہ میں وہ وفات پا گیے[۱] یہ تھا صدر اسلام کے بزرگ مسلمانوں کے ایک گروہ کے حالات کا خلاصہ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ مؤرخین کی ایک جماعت نے انھیں ایک نامعلوم یہودی کی پیروی کرنے کی تہمت لگائی ہے؟!!!

اب جب کہ ہمیں معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سبا کا افسانہ کیا ہے، تو اب مناسب ہے اس افسانہ کے سرچشمہ اور آغاز کی تلاش کریں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کو کس نے گڑھ لیا ہے اور اس کے راوی کون ہیں۔

۱۔ استیعاب، ابی بکر کے ترجمہ کے ذیل میں ج ۳/ ۳۲۷، اصابہ ج ۳/ ۴۶۹، اور

افسانۂ عبداللہ بن سبا کے راوی

''اکثر من عشرة قرون و المؤرّخون یکتبون هذه القصة''

دس صدیوں سے زیادہ عرصہ سے مورخین اس افسانہ کو صحیح تاریخ کے طور پر لکھتے چلے آئے ہیں۔

''مولف''

بارہ صدیاں گزر گئیں کہ مؤرخین ''عبداللہ بن سبا'' کے افسانہ کو لکھتے چلے آرہے ہیں۔ جتنا بھی وقت گزرتا جارہا ہے، اس افسانہ کو زیادہ سے زیادہ شہرت ملتی جارہی ہے، یہاں تک کہ آج بہت کم ایسے قلم کار دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے اصحاب کے بارے میں قلم فرسائی کی ہو اور اپنی تحریرات میں اس افسانہ کو لکھنا بھول گئے ہوں! بے شک گزشتہ اور موجودہ قلم کاروں میں یہ فرق ہے کہ قدیمی مؤلفین نے اس افسانہ کو حدیث اور روایت کے روپ میں لکھا ہے اور اس افسانہ کو اپنی گڑھی ہوئی روایتوں کی صورت میں بیان کیا ہے جبکہ معاصر مؤلفین نے اس کو علمی اور تحقیقاتی رنگ سے مزین کیا ہے۔

اس لحاظ سے اگر ہم اس موضوع کی علمی تحقیق کرنا چاہیں تو ہم مجبور ہیں پہلے اس افسانہ کے

سرچشمہ اوراس کے راویوں کی زندگی کے بارے میں ابتداء سے عصر حاضر تک چھان بین کریں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن لوگوں اورکن منابع کی بنا پراس داستان کی روایت کی گئی ہے اس کے بعد اصلی داستان پر بحث کر کے اپنا نظریہ پیش کریں۔

مسلمان تاریخ نویسوں کی نظر میں عبداللہ بن سبا کی داستان

ا۔ سید رشید رضا[1]

متأخرین میں سے سید رشید رضا نے یوں کہا ہے:

''چوتھے خلیفہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے نام پر شیعیت، امت محمدی میں دینی اور سیاسی اختلاف کا آغاز تھا، پہلا شخص جس نے تشیع کے اصول گڑھے ہیں، وہ عبد اللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا جس نے مکر وفریب کی بنا پر اسلام کا اظہار کیا تھا۔ وہ لوگوں کو علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے کی دعوت دیتا تھا تا کہ اس طرح امت میں اختلاف اور تفرقہ پھیلا کر اسے تباہ و برباد کرے[2]

سید رشید رضا اس داستان کو اپنی کتاب کے چھٹے صفحہ تک جاری رکھتے ہوئے اس پر اپنا خاطر خواہ حاشیہ لگایا ہے، جب ہم اس سے اس خیالی داستان کے ثبوت اور مصادر کے بارے میں پوچھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ داستان کو نقل کرنے کے بعد یوں لکھا ہے:

''اگر کوئی تاریخ ابن اثیر کی تیسری جلد کے صفحہ ۹۵۔۱۰۳ پر جنگ جمل کے واقعہ کی

ا۔ متولد ۱۳۶۵ھ

۲۔ سید رشید رضا کی الشیعہ والسنۃ ص ۶۔۴۔

خبر کا مطالعہ کرے تو اسے بخوبی معلوم ہوگا کہ ''سبائیوں'' نے کس حد تک اختلاف اندازی کی ہے اورنہایت ذہانت اور چالاکی سے اپنی مہارت کا اظہار کیا ہے اور صلح کی راہ میں کتنی روکاوٹیں ڈالی ہیں، اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ سید رشید رضا نے اس داستان کو ''تاریخ ابن اثیر'' پر بھروسہ کرکے نقل کیا ہے۔

۲۔ابوالفدء

ابوالفداء جس نے ۷۳۲ھ میں وفات پائی ہے، ''المختصر'' نامی اپنی تاریخ میں چند دوسری غیر صحیح داستانوں کے ساتھ ضمیمہ کرکے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس داستان کے ایک حصہ کو یوں لکھا ہے:

''میں نے اس کتاب کو شیخ عزالدین علی معروف بہ ابن اثیر جزری کی تالیف ''تاریخ کامل'' سے لیا ہے اور ابن اثیر کے مطالب کو خلاصہ کے طور پر میں نے اپنی اِس کتاب میں درج کیا ہے''

۳۔ابن اثیر

ابن اثیر وفات ۶۳۰ھ نے اس داستان کو ۳۰۔۳۶ھ کے حوادث کے ضمن میں مکمل طور پر نقل کیا ہے، لیکن اس بات کی طرف کسی قسم کا اشارہ نہیں کیا ہے کہ اس نے اس داستان کو کس مآخذ سے نقل کیا ہے، صرف کتاب کے دیباچہ میں[1]

[1] صفحہ ۵، طبع مصر ۱۳۴۸ھ۔

جس کا پورا نام ''الکامل فی التاریخ'' ذکر کیا ہے لکھا ہے:

''میں نے اس کتاب کے مطالب کو ابتداء میں امام ابوجعفر محمد طبری کی تالیف ''تاریخ الامم والملوک'' سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ تنہا کتاب ہے جو عام لوگوں کی نظروں میں قابل اعتماد ہے اور اگر کبھی کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو دور کرنے کیلئے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لہذا میں نے بھی اس کتاب کی روایتوں کو کسی دخل و تصرف کے بغیر من وعن نقل کیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس نے اکثر واقعات کے بارے میں متعدد روایتیں ذکر کی ہیں لیکن میں نے ان تمام روایتوں کے مطالب کو جمع کر کے ایک جگہ بیان کیا ہے، نتیجہ کے طور پر جو کچھ اس نے ایک واقعہ کے بارے میں نقل کیا ہے اور اسے مختلف مآخذ کے حوالہ سے بیان کیا ہے، میں نے اُسے ایک روایت کی شکل میں ذکر کیا ہے''

یہاں تک کہ کہتا ہے:

''لیکن اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختلافات کے بارے میں جو کچھ تھا اسے میں نے مذکورہ تاریخ سے من وعن نقل کر کے درج کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے، صرف مطالب کی وضاحت کی ہے یا اشخاص کے نام ذکر کئے ہیں اور یا خلاصہ کے طور پر ان کی تشریح اس طرح کی ہے کہ کسی صحابی کی بے

احترامی نہ ہو''

اس لحاظ سے ابن اثیر، (جس سے ابوالفداء اور سید رشید رضا نے نقل کیا ہے) نے اس داستان کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے چونکہ یہ داستانیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کے درمیان رونما ہوئے حوادث کی تفصیلات سے مربوط جعل کی گئی ہیں، لہذا ابن اثیر کے کہنے کے مطابق اس نے طبری کے نقل کردہ مطالب پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ہے۔

۴۔ ابن کثیر

ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ) نے بھی اس داستان کو اپنی تاریخ " البدایة و النهایة " کی ساتویں جلد میں طبری سے نقل کیا ہے اور اس کتاب کے صفحہ ۱۶۷ میں لکھا ہے:

سیف بن عمر نے کہا ہے کہ عثمان کے خلاف مختلف پارٹیوں کی بغاوت کا سبب یہ تھا کہ ''عبداللہ بن سبا'' نامی ایک شخص نے ظاہری طور پر اسلام لانے کے بعد مصر میں جا کر خود کچھ عقائد اور تعلیمات گڑھ کر وہاں کے لوگوں میں ان عقائد کو پھیلایا...''

اس کے بعد عبداللہ بن سبا نے مربوط داستانوں کو تمام خصوصیات کے ساتھ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۴۶ تک نقل کرتا ہے اور اس کے بعد لکھتا ہے:

''یہ اس کا ایک خلاصہ ہے جو کچھ ابو جعفر بن جریر طبریؒ نے نقل کیا ہے''۔

اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی مذکورہ داستان کو" تاریخ طبری" سے نقل کیا ہے۔

۵۔ابن خلدون

عبدالرحمان بن محمد بن خلدون نے بھی "المبتداء والخبر" نامی اپنی تاریخ میں ابن اثیر اور ابن کثیر کے ہی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے عبداللہ بن سبا کی داستان کو قتل عثمان اور جنگ جمل کے واقعہ میں ذکر کیا ہے پھر اسی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ میں جنگ جمل کا واقعہ درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

یہ ہے جنگ جمل کا واقعہ جسے میں نے خلاصہ کے طور پر ابو جعفر طبری کی کتاب سے نقل کیا ہے، طبری اس لحاظ سے قابل اعتماد ہے کہ وہ باوثوق ہے اور اس کی کتاب، ابن قتیبہ اور دوسرے مؤرخین کے یہاں موجود مطالب کی نسبت صحیح وسالم ہے...."

اور صفحہ نمبر ۴۵۷ پر لکھا ہے:

میں نے جو کچھ اس کتاب میں اسلامی خلافت کے موضوع، مرتدوں کے بارے میں فتوحات، جنگوں اور اس کے بعد مسلمانوں کے اتحاد واجتماع (امام حسن اور معاویہ کے درمیان صلح) کے بارے میں درج کیا ہے، وہ سب امام ابو جعفر طبری کی عظیم تاریخ سے خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے، چونکہ یہ تاریخ دیگر تواریخ کی نسبت

قابل اعتماد ہے اور اسمیں ایسے مطالب درج کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے جو اس امت کے بزرگوں، اصحاب اور تابعین کی بے احترامی کا سبب بنیں"

۶۔فرید وجدی

فرید وجدی نے بھی اپنے "دائرۃ المعارف" میں لغت "عثم"، جنگ جمل اور حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے حالات بیان کرنے کے ضمن میں ان داستانوں میں سے بعض کا ذکر کیا ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۰، ۱۶۸، اور ۱۶۹ میں اشارہ کیا ہے کہ اس کا مآخذ "تاریخ طبری" ہے۔

۷۔بستانی

بستانی (وفات ۱۳۰۰ھ) نے عبداللہ ابن سبا کی داستان کو "تاریخ ابن کثیر" سے نقل کرکے اپنے دائرۃ المعارف میں مادہ "عبداللہ" کے تحت ذکر کیا ہے اور "خطط مقریزی"[۱] کے بیان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اپنی بات تمام کی ہے۔

۸۔احمد امین

عصر حاضر کے مصنفین، جو تاریخی حوادث کو تجزیہ و تحلیل کے طریقے سے لکھنا چاہتے ہیں اور ہر حادثہ کے سرچشمہ پر نظر رکھتے ہیں، ان میں سے ایک احمد امین مصری ہیں۔ جنھوں نے "فجر الاسلام" نامی اپنی کتاب میں ایرانیوں اور اسلام پر ان کے اثر انداز ہونے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس کے صفحہ نمبر ۱۰۹ سے ۱۱۱ تک "مسلمانون پر زرتشت عقائد و افکار کے اثرات" کے باب میں "مزدک" کے

۱۔ یہ احمد بن علی مقریزی وفات ۸۴۸ھ ہے

بارے میں بیان کیا ہے۔اس سلسلے میں ان کی بات کا خلاصہ حسب ذیل ہے [۱] ''مزدک کی اہم دعوت اس کا اشتراکی نظام مقصد تھا، مزدک کہتا تھا

''لوگ مساوی طور پر دنیا میں آئے ہیں اور انھیں مساوی زندگی بسر کرنی چاہئے، اہم ترین چیز جس میں لوگوں کو مساوات کا لحاظ رکھنا چاہئے، دولت اور عورت ہے، کیونکہ یہی دو چیزیں لوگوں کے درمیان دشمنی اور جنگ کا سبب بنتی ہیں، لہذا لوگوں کو ان دو چیزوں میں ایک دوسرے کا شریک ہونا چاہئے تاکہ دشمنی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے''

وہ دولتمندوں کی دولت کو محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کرنا واجب جانتا تھا، لہذا حاجتمندوں نے فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کے اس اعتقاد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی حمایت کی اور اس طرح وہ اس قدر قوی ہوگیا کہ کوئی اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، لوگوں کے گھروں پر حملہ کرکے ان کے مال و ناموس کو لوٹ لیتا تھا، اس طرح ایسے حالات رونما ہوئے کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو پہچان سکتا تھا اور نہ بیٹا باپ کو جانتا تھا اور نہ کسی کی دولت باقی رہی تھی...''

اس کے بعد احمد امین لکھتے ہیں کہ یہ دین اسلام کے پھیلنے کے زمانے اور بنی امیہ کی خلافت کے آخری ایام تک ایران کے بعض دیہاتی باشندوں میں موجود تھا۔

اس مطلب کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱۔ احمد امین سے پہلے رشید رضا نے اپنی کتاب ''الشیعہ والسنۃ'' میں یہی بات کہی ہے۔

''ہم مالی امور کے سلسلے میں ابوذر کے نظریہ اور مزدک کے نظریہ میں شباہت پاتے ہیں، کیونکہ طبری کہتا ہے ابوذر نے شام میں انقلاب کر کے یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ ''اے دولتمند و حاجتمندوں کی مدد و یاری کرو'' اور یہ کہتا تھا: ﴿اَلَّذِینَ یکنزون الذھب و الفضۃ و لا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشّرھم بعذابٍ الیم﴾[1]

اس نعرہ کو اس قدر دہرایا کہ تنگدستوں نے اسے اپنا منشور قرار دیا اور مساوات کو ثروتمندوں پر واجب سمجھنے لگے، یہاں تک کہ دولتمندوں نے تنگ آ کر شکایت کی اور معاویہ نے اس ڈر سے کہ کہیں ابوذر شام کے لوگوں کو اس کے خلاف بغاوت پر نہ اکسائیں، اسے عثمان کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

عثمان نے ابوذر سے پوچھا: کیوں لوگ تیری زبان درازی پر تجھ سے شکایت کرتے ہیں؟ ابوذر نے جواب میں کہا: دولتمند سزاوار نہیں ہیں کہ وہ اپنے مال کو جمع کریں!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال اور دولت کے بارے میں ابوذر کا طرز تفکر مزدک کے نظریہ سے بہت نزدیک تھا یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابوذر نے نظریہ کہاں سے سیکھا تھا؟

ہم اس سوال کے جواب کو طبری کی تحریر میں پاتے ہیں جب وہ یہ کہتا ہے: ابن سوداء عبداللہ بن سبا نے ابوذر سے ملاقات کر کے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے، البتہ عبداللہ بن سبا ابودرداء اور عبادہ بن صامت[2] کے پاس بھی گیا تھا لیکن وہ اس کے فریب میں نہیں آئے تھے، حتی عبادۃ بن

۱۔ مال و دولت کو جمع کر کے راہ خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کو خبردار کرو کہ ان کی پیشانی اور پہلو کو داغ کرنے کیلئے اوزار آمادہ ہے۔
۲۔ یہ دونوں پیغمبر خداؐ کے اصحاب ہیں، اس کتاب کے آخر میں ان کے حالات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

صامت نے ابن سوداء کے گریبان پکڑ کر اسے معاویہ کے پاس لے گیا اور معاویہ سے کہا: خدا کی قسم یہ وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو تیرے خلاف اکسایا ہے..... [۱]

اس کے بعد احمد امین بیان کو اس طرح جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہم جانتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا صنعاء کا رہنے والا ایک یہودی شخص تھا، اس نے عثمان کے زمانے میں ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا تا کہ اسلام کو نابود کردے، اس لئے اس نے مختلف شہروں میں اپنے گمراہ کن اور مضر افکار کو پھیلا دیا جن کے بارے میں بعد میں ہم اشارہ کریں گے۔

چونکہ ابن سبا نے حجاز، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر جیسے بہت سے شہروں کا سفر کیا تھا اس لئے اس کا قوی امکان ہے کہ اس نے اس طرز تفکر کو عراق یا یمن کے مزدکیوں سے حاصل کیا ہوگا اور ابوذر نے اس سے حسن نیت رکھنے کی بنا پر اس نظریہ کو قبول کیا ہوگا''

اور حاشیہ میں لکھا ہے:

''تاریخ طبری کا حصۂ پنجم ملاحظہ ہو''

وہ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۲ میں اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

''مزدک و مانی وہ سرچشمہ تھے جن سے رافضیوں (شیعوں) نے اپنے عقائد اخذ کئے ہیں، انہوں نے علی علیہ السلام اور آل علی علیہ السلام کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ

اپنے ایرانی اسلام کے اس عقیدہ سے لیا ہے جو وہ ساسانی بادشاہوں کے بارے میں رکھتے تھے، کیونکہ وہ پادشاہوں کی پادشاہی کو ایک قسم کا خدائی حق جانتے تھے۔

احمد امین نے وعدہ کیا تھا کہ ''مختلف شہروں میں ان گمراہ کن اور مضر عقیدوں و وافکار کو پھیلنے کے بارے میں بعد میں اشارہ کریں گے'' وہ اس وعدہ کو پورا کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۴ پر اسلامی فرقوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

عثمان کی خلافت کے آخری ایام میں بعض گروہ مخفی طور پر جگہ جگہ پھیل گئے اور لوگوں کو عثمان کا تختہ الٹنے، اس کی جگہ پر دوسروں کو بٹھانے کی ترغیب دلانے لگے۔

ان فرقوں میں سے بعض فرقے علی علیہ السلام کے حق میں پروپگنڈہ کرتے تھے، ان کے سرغنوں میں سب سے مشہور شخص عبداللہ بن سبا تھا، جو یمن کا ایک یہودی تھا اور اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا اور بصرہ، شام و مصر کے شہروں کا دورہ کرتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا: ہر پیغمبر کا ایک وصی تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی، علی علیہ السلام ہیں اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت پر عمل نہ کرے اور اس کے وصی کے خلاف بغاوت کرے؟

ابن سبا ان معروف افراد میں سے تھا جس نے لوگوں کو عثمان کے خلاف بغاوت پر اکسایا...''

اس کے بعد صفحہ ۲۵۵ پر لکھتے ہیں:

''یہ اس تاریخ کا خلاصہ ہے جس کو نقل کرنے پر میں مجبور تھا، کیونکہ مسلمانوں کے

سب سے بڑے تین فرقے اسی کی بناء پر وجود میں آئے ہیں جو عبارت ہیں ....،

شیعہ اور....''

اپنی کتاب کے ۲۶۶۔۲۷۸ پر شیعوں سے مربوط فصل میں ایسے مطالب کو واضح تر صورت میں بیان کیا ہے۔وہ صفحہ ۲۷۰ پر رقم طراز ہیں:

رجعت کے عقیدہ کو ابن سبا نے مذہب یہود سے لیا ہے کیونکہ وہ لوگ اس امر کے معتقد ہیں کہ الیاس پیغمبر نے آسمان کی طرف عروج کیا ہے اور وہ واپس آئیں گے ....اس عقیدہ نے شیعوں کو ائمہ کے غائب ہونے اور مھدی منتظر کے اعتقاد رکھنے پر مجبور کیا ہے [1]

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۷۶ پر مذکورہ مقدمات کا حسب ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں: ''حقیقت میں تشیع ایسے لوگوں کی پناہ گاہ تھی جو اسلام کے ساتھ دشمنی اور کینہ رکھنے کی بناء پر اسے نابود کرنا چاہتے تھے۔ جو بھی گروہ اپنے اسلام یعنی یہودی، عیسائی اور زردشتی... دین کو اسلام میں داخل کرنا چاہتا تھا، اس نے اہل بیت پیغمبرؐ کی دوستی

۱۔ مؤلف نے مصری عالم شیخ محمود ابوریہ کے نام لکھے گئے اپنے خط میں مھدی موعود (عج) کے بارے میں شیعوں کے عقیدہ کے سلسلہ میں کچھ دلائل لکھے ہیں، اس خط کا ایک حصہ مذکورہ عالم کی کتاب ''اضواء علی السنۃ المحمدیہ'' میں درج ہوا ہے، طبع صور لبنان ۱۳۸۳ھ ملاحظہ ہو۔

کو وسیلہ قرار دیا اور اس آڑ میں جو بھی چاہا انجام دیا، شیعوں نے رجعت کے عقیدہ کو یہودیوں سے سیکھا ہے[1]

اور صفحہ ۲۷۷ پر یوں تحریک کرتے ہیں:

ولھاوزن کا عقیدہ یہ ہے کہ تشیع ایرانیوں کے دین کی بہ نسبت، دین یہود سے زیادہ متاثر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تشیع کا بانی عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی شخص تھا۔''

احمد امین کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعوں نے رجعت اور امامت کے عقیدہ کو عبداللہ بن سبا سے لیا ہے اور ائمہ کی عصمت اور غیبت مھدی (عج) کے عقیدہ کا سرچشمہ بھی یہی ہے اور ابوذر نے جو اشتراک کی تبلیغ کی ہے یہ تبلیغات اور تعلیمات بھی عبداللہ بن سبا سے سیکھی ہے اور ابن سبا نے بھی رجعت کے عقیدہ کو دین یہود سے لیا ہے اور اشتراکی نظریہ کو مزدک کے دین سے اخذ کیا ہے اور عبداللہ بن سبا نے یہ کام علی علیہ السلام کے حق کے مطالبہ کی آڑ میں انجام دیا ہے اور اس طرح اسلام میں شیعہ عقیدہ کو ایجاد کیا ہے، اس طرح یہاں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حب اہل بیتؑ دشمنان اسلام کے لئے وسیلہ قرار پایا ہے اور شیعیت کے روپ میں یہود وغیرہ کی تعلیمات اسلام میں داخل ہوئی ہیں!!!

احمد امین کے ان تمام مفروضوں کا منبع اور دلیل ابن سبا کے افسانے ہیں اور مآخذ تاریخ طبری ہے اس نے صرف ایک جگہ پر ولھاوزن سے نقل کیا ہے، ہم ثابت کریں گے کہ ولھاوزن نے بھی طبری

۱۔ کتاب ''فجر اسلام'' اور'' تاریخ الاسلام السیاسی'' دنیا کی یونیورسٹیوں میں تاریخی مآخذ میں جانی جاتی ہیں یہ شیعہ تاریخ یونیورسٹیوں میں یوں پڑھائی جاتی ہے تو کیا صحیح تاریخ سمجھانے کا کوئی وسیلہ موجود ہے؟

سے نقل کیا ہے۔

اگر چہ احمد امین نے اس افسانہ کو علمی تجزیہ وتحلیل کے طریقے پر پیش کیا ہے، لیکن اس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں کہ شیعوں کے بارے میں ان کے بغض وکینہ نے انھیں ان مفروضوں کے سلسلہ میں کوسوں دور پھینک دیا ہے نہ کہ علمی اور تحقیقی روش نے

۹۔ حسن ابراہیم

معاصر کے مصنفین میں سے ایک اور شخص جس نے ان داستانوں کو تجزیہ وتحلیل کے ساتھ پیش کیا ہے وہ مصر کی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ اسلام کے استاد پروفیسر ڈاکٹر حسن ابراہیم ہیں، انھوں نے '' تاریخ الاسلام السیاسی'' نامی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۴۷ پر خلافت عثمان کے آخری ایام میں مسلمانوں کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

> '' یہ ماحول مکمل طور پر عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرکاروں، اور اس کے اثرات قبول کرنے والوں کا تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دیرینہ صحابی، ابوذر غفاری (جو تقوی اور پرہیزگاری میں مشہور تھے اور خود ائمہ حدیث کی عظیم شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے) نے فتنہ کی آگ کو بھڑکا دیا، اس نے صنعا کے رہنے والے ایک شخص عبداللہ بن سبا کے کئے گئے زبردست پروپگنڈے کے اثر میں آکر عثمان اور اس کے شام میں مقرر کردہ گورنر معاویہ کی سیاست کی مخالفت کی، عبداللہ بن سبا ایک

یہودی تھا جس نے اسلام قبول کر کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اس نے اپنے دورے کو حجاز سے شروع کیا اور کوفہ، شام اور مصر تک چھان ڈالا...''

اس نے اس صفحہ کے حاشیہ پر تاریخ طبری [۱] کو اپنا مآخذ قرار دیا ہے اور کتاب کے صفحہ نمبر ۳۴۹ پر یوں لکھا ہے:

''عبداللہ بن سبا سب سے پہلا شخص ہے جس نے عثمان کے خلاف عوام میں نفرت پھیلائی اور عثمان کا تختہ الٹنے کی راہ ہموار کی''

کتاب کے حاشیہ پر تاریخ طبری کے صفحات کی طرف چار بار اشارہ کرتا ہے کہ اس خبر کو میں نے اس سے نقل کیا ہے اور اسی طرح داستان کو ص ۳۵۲ تک جاری رکھتا ہے اور بارہ دفعہ اس داستان کے تنہا مآخذ تاریخ طبری کے صفحات کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے باوجود کہ جنگِ جمل کے بارے میں طبری کی نقل کردہ بات کو بیان کرنے سے گریز کرتا ہے، جبکہ ابن سبا دونوں داستانوں میں موجود ہے، اور دونوں قصے ایک ہی داستان پر مشتمل ہیں اور داستان گڑھنے والا بھی ایک ہی شخص ہے!!!

۱۰۔ ابن بدران

ابن بدران (وفات ۱۳۴۶ھ) نے تاریخ ابن عساکر کا خلاصہ لکھا ہے اور اس کا نام ''تہذیب ابن عساکر'' رکھا ہے اس نے اپنی اس کتاب میں اکثر روایتوں کو راوی کا نام لئے بغیر نقل کیا ہے۔ اس

۱۔ طبری طبع یورپ حصہ اول صف ۲۸۵۹

نے ابن سبا کے افسانے کے بعض حصوں کو نقل کیا ہے اس نے بعض جگہوں پر اس کے راوی سیف بن عرم کا نام لیا ہے اور بعض جگہوں پر راوی کا ذکر کئے بغیر افسانہ نقل کیا ہے اور بعض مواقع پر سیف کی روایتوں کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے چنانچہ اس سے زیادہ ابن ابیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے سیف کی روایتوں کو اس کی کتاب سے نقل کیا ہے[۱]

لہذا معلوم ہوتا ہے کہ سبائیوں کی داستان نقل کرنے میں اسلام کے مؤرخین کا مآخذ و مدرک ''تاریخ طبری'' تھا۔

۱۱۔ سعید افغانی

سعید افغانی نے ''عائشہ والسیاسۃ'' نامی اپنی کتاب میں ابن سبا کے افسانہ سے کچھ حصے، ''عثمان کا احتجاج'' ابن سبا مرموز اور خطرناک ہیرو، سازش و دسیسہ کاری پر نظر''' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے، اس نے اپنی کتاب کے دوسرے حصوں میں ان افسانوں کے چند اقتباسات درج کئے ہیں۔

اس کا مآخذ، پہلے درجہ پر تاریخ طبری، دوسرے درجہ پر تاریخ ابن عساکر اور اس کی تہذیب اور تیسرے درجہ پر تمہید ابن ابی بکر[۱] ہے، وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵ پر طبری کے اوپر اکثر اعتماد کرنے کا سبب یوں بیان کرتا ہے:۔

میں نے بیشتر اعتماد تاریخ طبری پر کیا ہے، کیونکہ یہ کتاب دوسرے تمام مصادر سے حقیقت کے

۱۔ ص ۴۳ اور ۴۵ پر تاریخ ابن عساکر، صفحہ ۴۲، ۴۹، ۵۲ اور ۱۸۷ پر تہذیب ابن عساکر سے اور صفحہ ۳۴ اور ۳۵ میں تمہید سے استفادہ کیا ہے۔

نزدیک تر اوراس کا مصنف دوسروں سے امین تر اوراس کے بعد آنے والے ہر با اعتبار مؤرخ نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

میں نے اس کے الفاظ میں کسی قسم کے ردو بدل کے بغیر اپنی کتاب میں درج کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔

غیر مسلم مؤرخین کی نظر میں عبداللہ بن سبا کی داستانیں

۱۔ فان فلوٹن

وہ ایک مستشرق ہے وہ اپنی کتاب " السیاسة العربیة و الشیعة و الاسرائیلیات فی عهد بنی امیة" ترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم ومحمد زکی ابراہیم طبع اول، مصر ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۷۹ پر شیعہ فرقہ کے بارے میں نقل کرتے ہوئے، یوں لکھتا ہے:

"امام، سبائی، عبداللہ بن سبا کے پیرو، ہیں نیز ان افراد میں ہیں جو عثمان کے پورے دور خلافت میں علی علیہ السلام کو خلافت کیلئے سزاوار جانتے تھے"

اس نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۸۰ کے حاشیہ پر تاریخ طبری کو اپنے مآخذ و مدرک کے طور پر پیش کیا ہے۔

۲۔ نکلسن

نکلسن اپنی کتاب "تاریخ الأدب العربیّ" طبع کمبریج کے صفحہ نمبر ۲۱۵ پر لکھتا ہے:

"عبداللہ بن سبا، سبائیوں کے گروہ کا بانی ہے، وہ یمن کے شہر صنعا کا باشندہ تھا، کہا جاتا ہے

کہ وہ یہودی تھا اور عثمان کے زمانے میں اسلام لایا تھا اور ایک سیاح مبلغ تھا، مؤرخین اس کے بارے میں یوں کہتے ہیں: وہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر میں رہا کرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو گمراہ کر کے ان میں اختلاف پیدا کرے، سب سے پہلے وہ حجاز میں نمودار ہوا اس کے بعد بصرہ اور کوفہ اس کے بعد شام اور آخر کار مصر پہنچا، وہ لوگوں کو رجعت کے اعتقاد کی دعوت دیتا تھا، ابن سبا کہتا تھا: بے شک تعجب کا مقام ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ کے پھر سے اس دنیا میں آنے کا معتقد ہو لیکن حضرت محمدؐ کی رجعت کے بارے میں اعتقاد نہ رکھتا ہو جبکہ قرآن مجید نے اس کا واضح طور پر ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ہزاروں پیغمبر آئے اور ان میں سے ہر ایک کا ایک وصی و جانشین تھا، محمدؐ کا بھی ایک وصی ہے جو علی علیہ السلام ہے، چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر اور خاتم الانبیاء ہیں اس لئے علی علیہ السلام بھی آخری وصی اور ان کے جانشین ہیں''

اس نے بھی اپنا مآخذ کو تاریخ طبری کو قرار دیکر مذکورہ بیانات کے حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

۳۔اسلامی دائرۃ المعارف لکھنے والے مستشرقین

ہوتسمن، ولاینسنگ، اورنلڈ، برونسال، ھیونک، شادہ، پاسیہ، ہارٹمان اور کیب جیسے مشرق شناس استادوں کے ایک گروہ کے تصنیف کردہ اسلامی دائرۃ المعارف میں یہ داستان حسب ذیل درج ہوئی ہے:[۱]

۱۔اسلامی دائرۃ المعارف ج ۱/ ۲۹ طبع لندن

''اگر ہم صرف طبری اور مقریزی کی بات پر اکتفا کریں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ جن چیزوں کی طرف عبداللہ بن سبا دعوت دیتا تھا، ان میں رجعت محمد بھی تھی وہ کہتا تھا: ہر پیغمبر کا ایک جانشین ہے اور علی علیہ السلام محمدؐ کے جانشین ہیں۔ لہذا ہر مؤمن کا فرض ہے کہ اپنے کردار و گفتار سے علی علیہ السلام کے حق کی حمایت کرے'' کہا جاتا ہے کہ عبداللہ نے اس طرز تفکر کی تبلیغ کیلئے بعض افراد کو معین کیا تھا اور خود بھی ان میں شامل تھا، وہ شوال ۳۵ھ مطابق اپریل ۶۵۶ء میں مصر سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا....''

ہم نے یہاں پر وہ مطلب درج کیا جسے مذکورہ دائرۃ المعارف نے طبری سے نقل کیا ہے چونکہ یہ حوادث مقریزی سے ۸۰۰ سال قبل رونما ہوئے ہیں، اس لئے اس طولانی فاصلۂ زمان کے پیش نظر اور اس کے علاوہ مقریزی نے مآخذ کا ذکر بھی نہیں کیا ہے یا جس کتاب سے نقل کیا ہے اس کا نام بھی نہیں لیا ہے اسلئے مقریزی کے نقل پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے جبکہ طبری اس داستان کی سند کو اس کے راوی تک پہنچاتا ہے اور وہ خود بھی مقریزی سے تقریباً پانچ سو سال پہلے گذرا ہے، اس حالت میں یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم مقریزی کی تحریر کو تاریخ طبری کے برابر قرار دیں اس کے باوجود ہم کتاب کے آخر میں مقریزی کی روایت پر بحث کریں گے۔

۴۔ڈوایت،ایم،ڈونالڈسن

ڈوایت،ایم،ڈونالڈسن،''عقیدہ الشیعہ'' نامی اپنی کتاب کے صفحہ ۵۸ پر یوں رقمطراز ہے:

''قدیم روایتین ہمیں اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ علی علیہ السلام جس خلافت کا دعویٰ کرتے تھے اس کی ان کے حامیوں اور شیعوں کی نظر میں صرف سیاسی اہمیت نہیں تھی بلکہ وہ اسے ایک الٰہی حق سمجھتے تھے اور ان عقائد وافکار کے پھیلانے میں تاریخ اسلام کے ایک مرموز شخص کی ریشہ دوانیوں کا اہم رول تھا۔ کیونکہ عثمان کی خلافت کے دوران عبداللہ بن سبا نامی ایک شخص پیدا ہوا جس نے وسیع تعلیمات کو پھیلانے کا اقدام کیا، اس نے ان عقائد کو پھیلانے کیلئے اسلامی ممالک کے شہروں کا ایک طولانی دورہ کیا، طبری کا کہنا ہے کہ اس کا مقصد اسلام کو نابود کرنا تھا...''

جیسا کہ کتاب کے صفحہ نمبر ۵۹ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''عقیدہ الشیعہ'' نامی کتاب کے مصنف نے اس داستان کو براہ راست طبری سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس نقل میں اس نے دو کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے:

۱۔گذشتہ اشارہ کئے گئے مستشرقین کے دائرۃ المعارف کا مادہ ''عبداللہ''

۲۔نیکلسن کی تالیف کردہ کتاب ''تاریخ الادب العربی'' ص ۳۱۵۔

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ مذکورہ دونوں کتابوں میں جو کچھ عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا گیا ہے وہ تاریخ طبری سے نقل کیا گیا ہے۔

۵۔ ولھاوزن

ولھاوزن اپنی کتاب" الدولة العربية و سقوطها" کے صفحہ نمبر ۵۶ اور ۵۷ پر لکھتا ہے:

''سبائیوں نے اسلام میں تبدیلی ایجاد کی ،قرآن مجید کے برعکس اعتقاد رکھتے تھے کہ روح خدا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم میں حلول کیا ہے اور ان کی وفات کے بعد اس روح نے علی علیہ السلام اور آل علی علیہ السلام میں حلول کیا ہے ان کی نظر میں علی علیہ السلام، ابوبکر اور عمر کے ہم پلہ خلیفہ نہیں تھے بلکہ وہ ان دونوں کو علی علیہ السلام کا حق غصب کرنے والے جانتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس مقدس روح نے علی علیہ السلام کے اندر حلول کیا ہے''

اس کے بعد لکھتا ہے:

''کہا جاتا ہے کہ سبائی عبداللہ بن سبا سے منسوب تھے وہ یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا''

ولھاوزن نے یہاں پر اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن اپنی کتاب کے ۳۹۶ سے ۳۹۹ تک مطلب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اپنے مآخذ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے:

''سیف کہتا ہے: سبائی پہلے ہی دن سے شر پسند اور بدنیت تھے، انہوں نے عثمان کو قتل کر کے

مسلمانوں کے اندر افراتفری اور جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے ان میں اکثر لوگ موالی اور غیر عرب تھے۔

سبائی عبداللہ بن سبا کی پیروی کرتے ہوئے اعتقاد رکھتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجعت کریں گے اور آپؐ اپنے اہل بیت کے بدن میں حلول کرتے ہیں چونکہ علی علیہ السلام کی اولاد جو پیغمبر کی بیٹی فاطمہ سے تھی، نے اسلام اور عربی نسل سے منہ نہیں موڑا اور سبائیوں کو مسترد کردیا اسلئے وہ علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹے محمد بن حنفیہ سے منسلک ہوگئے۔

محمد کی وفات کے بعد ان کا بیٹا ابو ہاشم جو اپنے باپ کی طرح بے قدر تھا ان کا امام بنا، ابو ہاشم نے اپنے بعد محمد بن علی عباسی کو اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا اور یہاں سے خلافت بنی عباس میں منتقل ہوگئی۔ سیف کی روایت کے مطابق بنی عباس کا خروج سبائیوں کے خروج کے مانند تھا، دونوں گروہوں کی دعوت کا مرکز شہر کوفہ تھا اور ان کے پیرو ایرانی تھے اور دونوں گروہوں نے عرب مسلمانوں کے خلاف خروج کیا تھا...''

یہ ان مطالب کا خلاصہ تھا جنہیں ولھاوزن نے سیف سے نقل کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ دوبار اس کے نام کی تکرار کی ہے، کتاب کے مقدمہ میں جہاں پر وہ سیف کی ستائش کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سیف کی روایتوں کو طبری سے نقل کیا ہے۔

اس بناء پر ولھاوزن کا مآخذ بھی تاریخ طبری ہے اور طبری کے ہی واسطہ سے اس نے اس افسانہ کو نقل کیا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہوا، ابن سبا کا افسانہ عجیب شہرت کا حامل ہوا جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے، کہ جنہوں نے بھی اس افسانہ کو نقل کیا ہے ان سب کی روایتیں بلا واسطہ یا ایک یا اس سے زیادہ واسطوں سے طبری پر ختم ہوتی ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے عبداللہ بن سبأ کی داستان کو، مآخذ کا اشارہ کئے بغیر نقل کیا ہے۔

مؤرخین اور مصنفین کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جنہوں نے نہ اپنی روایت کے مآخذ کو لکھا ہے اور نہ اس کتاب کا ذکر کیا ہے جس سے انہوں نے روایت نقل کی ہے، لیکن اس کے باوجود جہاں بھی اجمالی طور پر ان کی کتابوں کے مصادر کا ذکر آتا ہے، طبری ایسی کتابیں نظر آتی ہیں جن میں طبری سے روایت نقل کی گئی ہے، جیسے:

ا۔ میر خواند:

اس نے عبداللہ بن سبا کی داستان کو اپنی کتاب ''روضۃ الصفا'' میں درج کیا ہے، لیکن اس کی سند اور مآخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن تحقیق و مطابقت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی اس داستان کو طبری سے نقل کیا ہے۔

۲۔ غیاث الدین

غیاث الدین فرزند میر خواند (وفات ۹۴۰ھ) نے اپنی کتاب ''حبیب السیر'' میں عبداللہ

بن سبا کی داستان اپنے باپ کی کتاب ''روضۃ الصفا'' سے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند و مآخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

عبداللہ بن سبا کی داستان کے اسناد

جیسا کہ ذکر ہوا، تاریخ طبری قدیمی ترین کتاب ہے جس میں عبداللہ بن سبا کی داستانیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی اس داستان کے راوی کو بھی معین و مشخص کیا گیا ہے۔ اس کے بعد لکھی جانے والی تمام کتابوں میں، ابن سبا کی داستان اور سبائیوں کے افسانہ کو طبری سے نقل کیا گیا ہے۔

ا۔ ابن سبأ کی داستانوں کیلئے طبری کی سند

اب دیکھنا چاہئے کہ طبری نے اس داستان کو کہاں سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کیا ہے؟

ابو جعفر محمد جریر طبری آملی (وفات ۳۱۰ھ) نے سبائیوں کی داستان کو اپنی کتاب " تاریخ الامم و الملوك " میں صرف سیف بن عمر تمیمی کوفی سے نقل کیا ہے، وہ ۳۰ھ کے حوادث سے مربوط حصہ میں اس طرح لکھتا ہے:

''اسی سال، یعنی ۳۰ھ میں ابوذر کی معاویہ کے ساتھ داستان اور معاویہ کا ابوذر کو شام سے مدینہ بھیجنے کا واقعہ پیش آیا، اس سلسلے میں بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں، انھیں بیان کرنے کا دل تو نہیں چاہتا، لیکن ان معاملات میں معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں نے اس موضوع پر اس کی داستان نقل کی ہے کہ'' سری بن

یحییٰ'' نے اس داستان کو میرے لئے لکھا ہے اور اس تحریر میں یوں کہتا ہے:

''شعیب بن ابراہیم نے سیف بن عمر سے روایت کی ہے.. جب ابن سودا شام پہنچا تو اس نے ابوذر سے ملاقات کی اور کہا؛ اے ابوذر! کیا یہ دیکھ رہے ہو کہ معاویہ کیا کر رہا ہے...؟''

اس کے بعد طبری ''ابن سبا'' کی داستان کو صرف سیف سے نقل کرتا ہے اور ابوذر کے حالات کی تفصیلات کو مندرجہ ذیل جملہ کے ذریعہ خاتمہ بخشتا ہے:

دوسروں نے ابوذر کی جلاوطنی کی علت کے بارے میں بہت سی چیزیں لکھی ہیں کہ جی نہیں چاہتا انھیں بیان کروں''

جب ۳۰ ـ ۳۶ ھ کے حوادث لکھنے پر پہنچتا ہے تو عثمان کے قتل اور جنگ جمل کے ضمن میں سبائیوں کی داستان کو سیف سے نقل کرتا ہے، سیف کے علاوہ کسی اور سند کا ذکر نہیں کرتا

طبری نے اپنی تاریخ میں سیف کی روایتوں کو مندرجہ ذیل دو سندوں میں سے کسی ایک سے نقل کیا ہے:

۱۔ عبید اللہ بن سعد زہری نے اپنے چچا یعقوب بن ابراہیم سے اور اس نے سیف سے جن روایتوں کو طبری نے اس سند سے سیف سے نقل کیا ہے، وہ ایسی روایتیں ہیں جنہیں اس نے خود عبید اللہ سے سنی ہیں اور انھیں کلمہ '' حدثنی'' یا '' حدثنا'' (یعنی '' میرے لئے'' یا ہمارے لئے روایت کی ہے) سے بیان کیا ہے:

۲۔سری بن یحییٰ نے شعیب ابن ابراہیم سے اور اس نے سیف سے۔

طبری نے اس سند میں سیف کی حدیثوں کو سیف کی دو کتابوں ''الفتوح'' اور ''الجمل'' سے مندرجہ ذیل کلمات میں سے کسی ایک کے ذریعہ سرّی بن یحییٰ سے نقل کیا ہے:

ا۔ کَتَب الیّ ۔یعنی سرّی بن یحییٰ نے مجھے لکھا۔

۲۔ حدثنی ،یعنی سرّی بن یحییٰ نے میرے لئے روایت کی ہے۔

۳۔فی کتابه الیّ[1] یعنی سرّی بن یحییٰ نے جو خط مجھے لکھا ہے، اس میں روایت کی ہے۔

۲۔ابن سبا کی داستانوں کیلئے ابن عساکر دمشقی کی سند

طبری کے بعد ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) نے عبداللہ بن سبا کی داستانوں کو اپنی اسی (۸۰) جلد پر مشتمل تاریخ یعنی ''تاریخ مدینہ دمشق'' میں طلحہ، عبداللہ بن سبا اور دوسروں کے حالات کے ضمن میں اپنی پسند سے سیف سے نقل کیا ہے۔سیف کی روایتوں کے مطابق عبداللہ بن سبا کے افسانہ اور دوسری داستانوں کو نقل کرنے کے بارے میں ابن عساکر، کی سند یوں ہے:

ابن عساکر نے ابوالقاسم سمرقندی سے اس نے ابوالحسین نقور سے، اس نے ابوطاہر مخلص سے اس نے ابوبکر سیف سے، اس نے سرّی بن یحییٰ اس نے شعیب سے اور اس نے سیف سے ...[2]

ا۔اس کلمہ سے صرف ایک دفعہ روایت کی ہے، ملاحظہ ہو ج ا رص ۲۰۵۵ طبع یورپ،)

۲۔ اخبرنا ابو القاسم السمرقندی عن ابی الحسین النقور عن ابی طاهر االمخلص عن ابی بکر بن سیف، عن السری بن یحیی عن شعیب بن ابراهیم ، عن سیف بن عمر ، ...)

اس طرح ابن عساکر، کی سند چار واسطوں سے ''سری بن یحییٰ'' تک پہنچتی ہے اور ''سری بن یحیی'' طبری کے اسنا کا ایک منبع ہے جس کے بارے میں ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔

۳۔ابن ابی بکر

محمد بن یحییٰ بن محمد اشعری مالکی (وفات ۷۴۱ھ) مشہور بہ ابی بکر '' نے عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کے افسانہ کو اپنی کتاب '' التمهيد و البيان فی مقتل عثمان بن عفان '' میں سیف بن عمر کی کتاب ''الفتوح'' اور تاریخ ابن اثیر سے نقل کیا ہے۔

اس بناء پر ابن ابو بکر نے سبا اور سبائیوں کے بارے میں سیف کے افسانوں کو کبھی سیف کی کتاب سے بلاواسطہ اور کبھی تاریخ ابن اثیر سے نقل کیا ے اس طرح معلوم ہوا کہ ابن اثیر نے بھی طبری سے اور طبری نے سیف سے نقل کیا ہے۔

یہاں تک سبائیوں کے بارے میں سیف کے افسانوں کے مندرجہ ذیل تین اسناد معلوم ہوئے:

۱۔طبری (وفات ۳۱۰ھ) کی سند۔

۲۔ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) کی سند۔

۳۔ابن ابی بکر (وفات ۷۴۱ھ) کی سند۔

بعض مؤرخین اور مصنفوں نے مذکورہ اسناد میں سے کسی سے اور بعض نے دو سے اور سعید افغانی جیسے افراد نے تینوں اسناد سے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ ذھبی[۱]

ابوعبداللہ محمد بن احمد عثمان ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام''[۲] میں عبداللہ بن سبا سے مربوط بعض افسانوں کو نقل کیا ہے، اس نے ابتداء میں سیف سے ایسی دو روایتیں نقل کی ہیں جو تاریخ طبری میں ذکر نہیں ہوئی ہیں۔[۳]

باوجودیکہ وہ روایتیں افسانہ کو مکمل طور پر بیان کرتی ہے اور اس کے بعد اس نے اپنی کتاب کے ص۱۲۴۔۱۲۸ طبری نے مفصل طور پر بیاں کئے گئے مطالب کو خلاصہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔

مذکورہ کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف بن عمر کی کتاب ''الفتوح'' کے بعض نسخے ذہبی کے زمانے (آٹھویں صدی ہجری) تک موجود تھے اور اس کا ایک نسخہ ذہبی کے پاس موجود تھا وہ بھی کتاب ''التمہید'' کے مصنف ابن ابی بکر کی طرح اس سے بلا واسطہ روایتیں نقل کرتا تھا من جملہ وہ روایتیں ہیں کہ اس نے سیف سے نقل کی ہیں جو تاریخ طبری میں موجود نہیں ہیں۔

یہاں تک بیان کئے گئے مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان علماء اور مؤرخین نے عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو بلا استثناء سیف بن عمر سے نقل کیا ہے، ان میں سے چار افراد یعنی طبری، ابن عساکر، ابن ابی بکر اور ذہبی نے اس افسانہ کو بلا واسطہ سیف سے نقل کیا ہے اور باقی لوگوں نے اسے بالواسطہ نقل کیا ہے۔

۱۔ اس موضوع کو مؤلف نے فارسی ترجمہ میں اضافہ کیا ہے۔

۲۔ ج ۲ ص ۱۲۔۱۲۸۔

۳۔ ذھبی ان دو روایتوں کو نقل کرتے ہوئے ۱۲۲۔۱۲۳ پر یوں لکھتا ہے: و قال سیف بن عمر عن عطیة عن یزید الفقعسی قال: لما خرج ابن السوداء.... اس کے بعد صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴ دوسری روایت میں یوں بیان کرتا ہے و قال سیف عن مبشر و سهل ابن یوسف عن محمد بن سعد بن ابی وقاص قال: قدم عمار بن یاسر مصر.....

درج ذیل خاکہ اس نتیجہ گیری کا مظہر ہے:
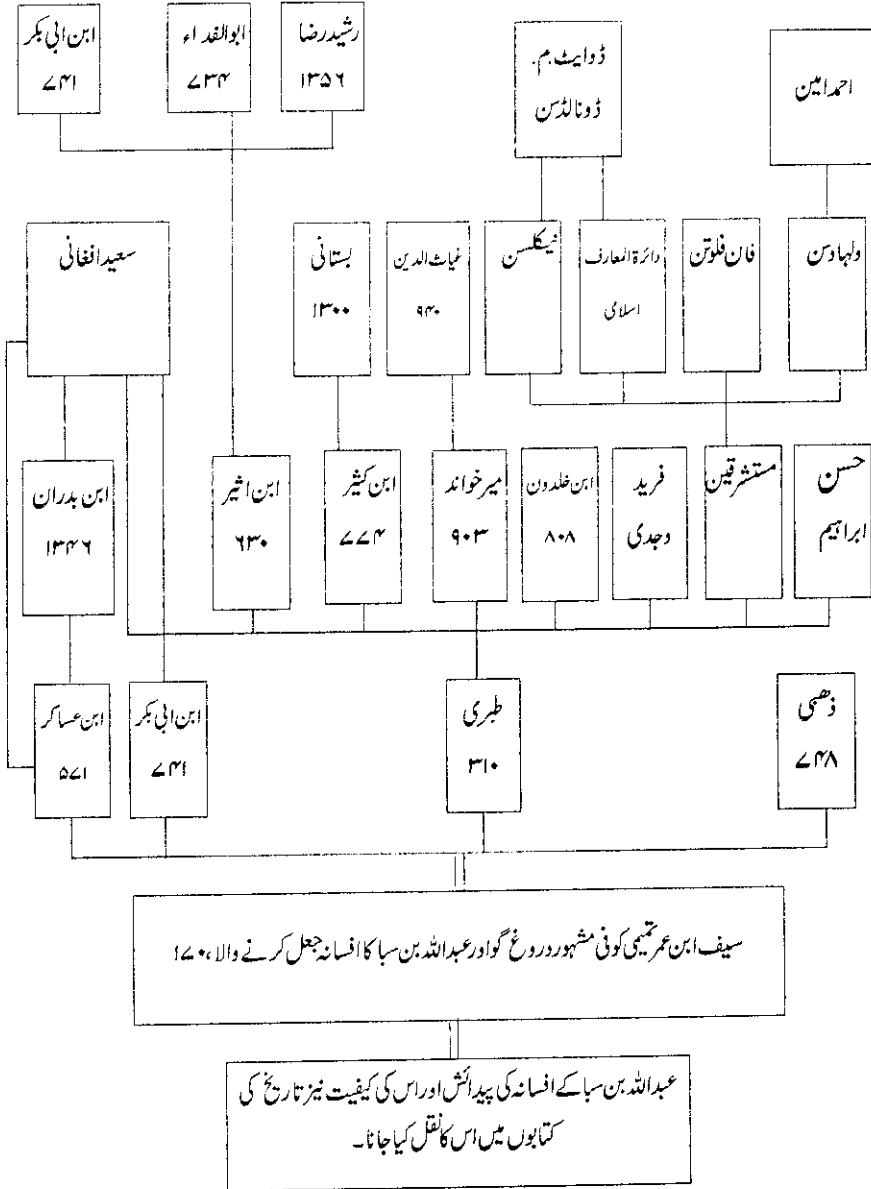
عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا سیف بن عمر

و هو: كذّاب متروك الحديث اُتّهم بالزندقة

ابن سبا کے افسانہ کو گڑھنے والا جھوٹا ہے اور اس پر زندیقی ہونے کا الزام ہے

،اس کی روایتیں ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں

علمائے رجال

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر رہا ہے کہ سبائیوں کے افسانے علما اور دانشوروں کے زبان زد ہیں ان افسانوں کا سرچشمہ سیف بن عمر نامی ایک شخص ہے، تمام روات ان قصوں کو اس سے نقل کرتے ہیں، اب مناسب ہے کہ سیف کے بارے میں تحقیق کی جائے اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد اس کی روایتوں کی بھی چھان بین کی جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کس قدر حقیقت سے دور تھا اور اس کی کیا قدر ہے۔

سیف بن عمر کون ہے؟

سیف بن عمر قبیلہ ''اسید'' سے ہے جو تمیم نامی ایک بڑے خاندان کی شاخ تھا، اس لحاظ سے اسے ''اسید تمیمی'' کہا جاتا ہے اور بعض اوقات اسے ''تمیمی برجمی'' بھی کہتے ہیں، برجمی، ابراہیم سے

منسوب ہے کہ خاندان تمیم کے چند قبیلوں کا نام تھا، جنہوں نے آپس میں مل کر عہد و پیمان کیا تھا،

وہ شہر کوفہ کا رہنے والا تھا لیکن اس سے پہلے وہ بغداد میں رہائش پذیر تھا، اس نے ہارون الرشید کی خلافت کے دوران ۱۷۰ھ کے بعد وفات پائی ہے۔

سیف کی روایتیں

اس زمانہ کے مؤرخین کی یہ عادت تھی کہ وہ تاریخی حوادث کو سال کے ساتھ نقل کرتے تھے، اس لئے سیف نے بھی اپنے جعل کئے گئے افسانوں کو صحیح تاریخ کی صورت میں پیش کرنے کیلئے اور انھیں صداقت کا رنگ دینے کیلئے کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس نے ہر حصہ کیلئے علیحدہ سند گڑھ لی ہے اور اس طریقے سے اس نے مندرجہ ذیل دو کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔الفتوح الکبیر و الردۃ ::اس کتاب میں اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے قریب زمانہ سے عثمان کی خلافت کے زمانہ تک گفتگو کی ہے، اسی کتاب میں ابوبکر کی خلافت کی مخالفت کرنے اور اس کی خلافت کو نہ ماننے والے مسلمانوں سے ابوبکر کی جنگ کو ''مرتدوں سے جنگ'' کا نام دیا ہے، اس نے اس کتاب میں لکھے گئے تمام حوادث کو افسانوی روپ دیا ہے اور ان میں مبالغہ آمیزی اور غلو سے کام لیا ہے۔

۲۔جمل اور عائشہ اور علی علیہ السلام کی راہ: اس کتاب میں عثمان کے خلاف بغاوت اس کے قتل ہونے اور ''جنگ جمل'' کے بارے میں گفتگو کی ہے، کتاب کی روایتوں کی چھان بین کے بعد

واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف بنی امیہ کے دفاع میں لکھی گئی ہے۔

سیف نے ان دو کتابوں کے علاوہ دوسری روایتیں بھی گڑھ لی ہیں جو دسیوں کتابوں میں درج ہوکر آج تک تاریخ اسلام کے سب سے بڑے مآخذ میں شمار ہوتی ہیں۔

طبری نے سیف کی روایتوں کو اپنی تاریخ کی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں ۱۱ھ سے ۳۷ھ کے تاریخی حوادث کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

اس کے بعد ابن عساکر نے بھی اپنی اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل تاریخ میں دمشق سے گزرنے والے اشخاص کے ضمن میں ان میں سے بعض روایتوں کو نقل کیا ہے۔

اصحاب پیغمبرؐ پر خصوصی شرحیں لکھنے والے علماء، یعنی:

۱۔ ابن عبدالبر وفات ۴۳۶ھ، نے کتاب ''استیعاب'' میں،

۲۔ ابن اثیر، وفات ۶۳۰ھ نے کتاب ''اسدالغابہ'' میں۔

۳۔ ذھبی وفات ۷۴۸ھ نے کتاب ''التجرید'' میں۔

۴۔ ابن حجر، وفات ۸۵۲ نے کتاب ''الاصابہ'' میں سیف کے افسانوں کے بعض ہیروں کو اصحاب پیغمبرؐ کے صف میں لا کھڑا کیا ہے اوران کی زندگی کے حالات کی تفصیلات لکھی ہیں ان کتابوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان ہیروں میں سے تقریباً ایک سو پچاس کا کہیں وجود ہی نہیں تھا بلکہ ''صرف سیف بن عمر'' تمیمی کے ذہن کی تخلیق ہیں''[1]

۱۔ مصنف نے اپنی کتاب '' ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں ان کی معرفی کی ہے۔

لیکن یہ علماء سیف کے افسانوں میں ان کے ناموں کو دیکھتے ہیں لہذا انھیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست میں قرار دیا ہے لہذا ان کی زندگی کے حالات کی وضاحت لکھنے کیلئے بھی ہاتھ پاؤں مارا ہے اور اس طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد کو بڑھا دیا ہے[1] اسلامی شہروں کی جغرافیہ لکھنے والے جیسے یاقوت حموی (وفات ۶۲۶ھ) نے اپنی کتاب "معجم البلدان" میں اور صفی الدین نے "مراصد الاطلاع" میں سیف کی روایتوں سے استفادہ کر کے بعض ایسی جگہوں کی شرحیں لکھی ہیں جو صرف سیف کے افسانوں میں موجود ہیں:

اس طرح سیف بن عمر نے صرف عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو ہی ایجاد کر کے تاریخ اسلام میں ایک ہی ہیرو جعل نہیں کیا ہے بلکہ سینکڑوں دوسرے افسانے اور تاریخی بہادر ہیں جو اس کی فکر کی تخلیق ہیں اور ان کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

ان افسانوں کو حدیث، تفسیر، تاریخ، جغرافیہ، ادبیات اور انساب کی سینکڑوں کتابوں میں درج کیا گیا ہے، سیف کی روایتوں کی قدر و منزلت معلوم کرنے کیلئے ہمیں سب سے پہلے علمائے رجال کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تا کہ یہ دیکھ لیں کہ انہوں نے سیف کی روایتوں کے قوی، ضعیف، صحیح، اور موثق ہونے کے بارے میں کیا کہا ہے اس کے بعد انشاء اللہ اس کی روایتوں کی چھان بین کریں گے۔

۱۔ مثال کے طور پر سیف نے اپنے افسانوں میں مذکورہ بہادروں کو سپہ سالاروں کے طور پر معرفی کیا ہے اور یہی دلیل بن گئی ہے کہ وہ بہادر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب تھے کیونکہ خود سیف کے بقول رسم یہ تھی کہ سپہ سالار اور کمانڈر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتخاب ہوتے تھے۔

سیف علم رجال کی کتابوں میں:

۱۔ یحییٰ بن معین (وفات ۲۳۳ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''اس کی حدیث ضعیف اور کمزور ہے''[۱]

۲۔ نسائی، صاحب صحیح (متوفی ۳۰۳) نے کہا ہے:

''ضعیف ہے، اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے، وہ نہ مورد اعتماد ہے اور نہ امین''[۲]

۳۔ ابوداؤد (وفات ۲۷۵ھ) نے کہا ہے:

''بے ارزش ہے اور انتہائی دروغگو ہے''[۳]

۴۔ ابن حماد عقیلی (وفات ۳۲۳ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''اس کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے اس کی بہت سی روایتوں میں سے ایک پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے''[۴]

۵۔ ابن ابی حاتم (وفات ۳۲۷ھ) نے کہا ہے:

''چونکہ وہ صحیح احادیث کو خراب کرتا تھا لہذا لوگ اس کی احادیث پر اعتبار نہیں کرتے تھے، اس

۱۔ کتاب الضعفاء ج ۲ ص ۲۴۵، تہذیب التہذیب ج ۴/۲۹۵ رقم ۵۰۶، الضعفاء الکبیر ج ۲/۱۷۵ رقم ۶۹۴،)

۲۔ الضعفاء والمتروکین ص ۵۱، رقم ۲۶۵۔

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵، رقم ۵۰۶۔

۴۔ الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۳۶، رقم ۷۶۲، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵۔

کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے''[1]

۶۔ابن سکن (وفات ۳۵۳ھ) نے کہا ہے: ''ضعیف ہے''

۷۔ابن حبان (وفات ۳۵۴ھ) نے کہا ہے:

''اپنی جعل کی گئی حدیثوں کو کسی مؤثق شخص کی زبانی نقل کرتا تھا مزید کہتا ہے''سیف پر زندیقی ہونے کا الزام ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حدیث گڑھ کر انھیں مؤثق افراد سے نسبت دیتا تھا[2]

۸۔دارقطنی (وفات ۳۸۵ھ) نے کہا ہے:

''ضعیف ہے اور اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے''[3]

۹۔حاکم (وفات ۴۰۵ھ) نے کہا ہے:

''اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے، اس پر زندیقی ہونے کا الزام ہے[4]

۱۰۔ابن عدی (وفات ۳۶۵ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''اس کی بعض احادیث انتہائی مشہور ہیں لیکن میری نظر میں اس کی تمام احادیث نا قابل اعتبار ہیں اسی وجہ سے اس کی احادیث پر بھروسہ نہیں کیا جاتا ہے۔

۱۔المجروحین ج ۱، ص ۳۴۵، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۶

۲۔تہذیب التہذیب ج ۴، ص ۲۹۶،

۳۔تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۶

۴۔تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵ اور ۵۰۶

۱۱۔صاحب قاموس، فیروز آبادی (وفات ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں:

''ضعیف ہے''

۱۲۔محمد بن احمد ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''تمام دانشوروں اور علمائے اسلام کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ وہ ضعیف تھا اور اس کی حدیث متروک ہے''[۱]

۱۳۔ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) نے کہا ہے:

''ضعیف ہے''[۲]

ایک اور کتاب میں کہتا ہے:

''اگر چہ تاریخ کے بارے میں اس کی نقل کی گئی روایتیں بہت زیادہ اور اہم ہیں، لیکن چونکہ وہ ضعیف ہے، لہذا اس کی حدیث کو ترک کیا گیا ہے''[۳]

۱۴۔سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے کہا ہے:

''انتہائی ضعیف ہے''

۱۔المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۲۹۲، رقم ۲۷۱۶،

۲۔تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵، ۲۹۶، رقم ۵۰۶۔

۳۔تقریب التہذیب ج ۱ ص ۳۴۴، رقم ۶۳۳۔

۱۵۔ صفی الدین (وفات ۹۲۳ھ) نے کہا ہے:

''اسے ضعیف شمار کیا گیا ہے''[۱]

یہ تھا سیف کے بارے میں علم رجال کے دانشوروں اور علماء کا نظریہ اب ہمیں سیف کی روایتوں کی چھان بین کرنا چاہئے تا کہ روایتوں کو جعل کرنے میں اس کی روش معلوم ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی روایتوں کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہو سکے۔

ہم ابن سبا کے افسانہ کی تحقیق سے پہلے نمونہ کے طور پر سیف کی چند روایتوں کو نقل کر کے ان کی چھان بین کرتے ہیں اس کے بعد انشاء اللہ ابن سبا کے افسانہ کی چھان بین کریں گے۔

۱۔ خلاصۃ التہذیب ص ۱۳۶۔

سیف کی زندگی کے حالات کے منابع

عبد اللہ بن سبا کے افسانہ کو تخلیق کرنے والے سیف بن عمر کی زندگی کے حالات کے بارے میں مندرجہ ذیل کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے:

۱۔فہرست ابن ندیم

۲۔الجرح والتعدیل: ابی ابی حاتم رازی: ج ۷، ص ۱۳۶۔

۳۔الاستیعاب: ابن عبد البر، ج ۲،۴ ۲۵۲۔

۴۔الضعفاء الکبیر: عقیلی، ج ۲ ص ۱۷۵۔

۵۔المغنی فی الضعفاء: ذھبی، ج ۱/ص ۲۹۲

۶۔میزان الاعتدال: ذھبی، ج ۲/ ۲۵۵۔

۷۔تہذیب التہذیب: ابن حجر عسقلانی، ج ۴/ص ۲۹۶

۸۔کتاب الضعفاء والمتروکین: نسائی، ص ۵۱

۹۔الاصابۃ: ابن حجر عسقلانی، ج ۴ ص ۱۷۵۔

۱۰۔تقریب التہذیب: ابن حجر، ج ۱ ص ۳۴۴،

۱۱۔خلاصۃ التہذیب: صفی الدین ص ۱۲۶،

۱۲۔کتاب المجروحین: ابن حبّان، ج ۱ ص ۳۴۵۔

۱۳۔کشف الظنون: حاجی خلیفہ، ج ۱ ص ۱۲۴

۱۴۔ھدایۃ العارفین: اسماعیل پاشا، ج ۱ ص ۴۱۲

۱۵۔الغدیر: سید عبد الحسین امینی، ج ۵ ص ۱۳۳۔

۱۶۔الاعلام: زرکلی، ج ۳ ص ۱۵۰۔

دوسرا حصہ

سیف کی روایت میں سقیفہ کی داستان

- سپاہ اسامہ
- احادیث میں سقیفہ کی داستان
- داستان سقیفہ کی بنیاد ڈالی جارہی ہے
- پیغمبر کی رحلت
- پیغمبر کی تدفین سے پہلے خلافت کے امیدوار
- سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت
- حضرت ابوبکر کی عمومی بیعت اور پیغمبر کی تدفین
- حضرت ابوبکر کی بیعت کے مخالف
- فاطمہؑ کے گھر میں پناہ لینے والے
- حضرت ابوبکر کی بیعت کے ساتھ علیؑ کی مخالفت
- بیعت ابوبکر کے بارے میں بزرگ اصحاب کے فیصلے
- حضرت ابوبکر کی حکومت کے خلاف ابوسفیان کی بغاوت
- سیف کی روایتوں کی چھان بین یا نتیجہ گیری

سپاہ اسامہ

''قد أعطى السّلطة رغبتها و النّاس رغبتهم''

سیف نے ان داستانوں میں تحریف کر کے لوگوں کی خواہشات کو

پورا کرنے کے علاوہ قدرتمندوں کی خواہشات کو بھی پورا کیا ہے۔

مؤلف

سیف کی روایت میں سپاہ اسامہ

طبری نے اپنی تاریخ کی ج ۳/۲۱۲، پر ۱۱ھ کے وقائع اور حوادث بیان کرتے ہوئے اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق کی ج ۱ص ۴۲۷ میں لشکر اسامہ کے بارے میں درج کیا ہے اس روایت میں سیف کہتا ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل اہل مدینہ اور اس کے اطراف کے باشندوں پر مشتمل ایک لشکر تشکیل دیا تھا، اور عمر ابن خطاب بھی اس لشکر میں شامل تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کے سپہ سالار کے طور پر اسامہ بن زید کو مقرر فرمایا تھا، ابھی یہ لشکر مدینہ کے خندق سے نہیں گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

اسامہ نے لشکر کے آگے بڑھنے سے روکا اور عمر سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے پاس جا کر ان سے رخصت حاصل کرو تا کہ میں لوگوں کو لوٹا دوں ...''

مزید کہتا ہے:

''اس لشکر میں موجود انصار نے عمر کے ذریعہ ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ اسامہ کی جگہ پر کسی اور کو لشکر کا امیر مقرر کریں، عمر نے جب انصار کے اس پیغام کو پہنچا دیا تو ابوبکر ناراض ہوئے اور عمر کی داڑھی کو پکڑ کر کہا: اے ابن خطاب! تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اور تیرے مرنے پر روئے! اسامہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا سردار مقرر فرمایا ہے، تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اس سے یہ منصب چھین لوں اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر معین کر دوں؟

اسکے بعد کہتا ہے:

''ابوبکر نے اس لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور انھیں رخصت کیا اور رخصت کے وقت یہ دعا پڑھی: خدا کے نام لیکر روانہ ہو جایئے، خدا تمہیں قتل و طاعون سے نابود ہونے سے بچائے''

یہ تھی لشکر اسامہ کے بارے میں سیف کی روایت۔

سپاہ اسامہ سیف کے علاوہ دوسری روایتوں میں

دوسرے راویوں نے لشکر اسامہ کے بارے میں یوں بیان کیا ہے:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۱ھ میں سوموار کے دن جبکہ ماہ صفر کے چار دن باقی بچے تھے، رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا، دوسرے دن اسامہ بن زید کو بلایا اور فرمایا:

سپہ سالار لشکر کی حیثیت سے اس جگہ کی طرف روانہ ہو جاؤ جہاں پر تیرا باپ شہید ہوا ہے لہذا جاؤ اور ان پر ٹوٹ پڑو۔

بدھ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سر درد اور بخار کا اثر ہوا اور جمعرات کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے جنگ کے پرچم کو اسامہ کے ہاتھ میں دیدیا، اسامہ پرچم کو ہاتھ میں لینے کے بعد مدینہ سے نکل گئے اور مدینہ سے ایک فرسخ کی دوری پر ''جرف'' کے مقام پر پڑاو ڈال کر کیمپ لگا دیا۔

عام طور پر مہاجر و انصار کے سرداروں کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی، ابوبکر، عمر، ابو عبیدۂ جراح، سعد وقاص اور سعید بن زید کے علاوہ چند دوسرے لوگ ان میں شامل تھے، کچھ لوگوں نے اعتراض کے طور پر کہا: ''کیوں اس بچہ کو ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے جو صف اول کے مہاجرین پر مشتمل ہے!؟

یہ باتیں سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت برہم ہو گئے، آپؐ کے سر پر ایک رومال بندھا ہوا تھا اور شانوں پر ایک تولیہ رکھا تھا[۱]، آپؐ اسی حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جا کر فرمایا:

> ''یہ کیا باتیں ہیں جو اسامہ کی سپہ سالاری کے بارے میں سننے میں آتی ہیں بے شک آپ وہی لوگ ہیں جو اس سے پہلے اس کے باپ کی سپہ سالاری کے بارے میں اعتراض کرتے تھے، جبکہ بخدا اسکا باپ ایک لائق کمانڈر تھا اور اس کا بیٹا بھی اس کی لیاقت وشائستگی رکھتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے، اسامہ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں نے پیغمبر خداؐ کو الوداع کہدیا اور ''جرف'' کے فوجی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔

پیغمبر خداؐ کا مرض شدت پکڑتا گیا اس حد تک کہ آپؐ بیماری کی شدت کی وجہ سے بے ہوش پڑے ہوئے تھے، اسامہ آپؐ کے نزدیک آئے اور جھک کر آپؐ کے بوسے لئے، پیغمبر خداؐ میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی، اسامہ لوٹے اور سوموار کو دوبارہ پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس دن پیغمبرؐ کی حالت بہتر تھی اور آپؐ نے اسامہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''خوش بختی اور مبارک کے ساتھ روانہ ہو جاؤ''، اسامہ نے پیغمبر خداؐ سے رخصت حاصل کی الوداع کہا اور اپنے فوجی کیمپ کی طرف آ گئے اور فوج کو روانہ ہونے کا

۱۔ ان دنوں رسم یہ تھی کہ مریضوں کو ردا اور عمامہ کے بجائے ان کے سر پر ایک رومال باندھا جاتا تھا اور شانوں پر ایک تولیا رکھا جاتا تھا اور یہ اس وقت ہوتا تھا جب بیمار کا سر عمامہ پہننے اور شانے پر ردا ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

حکم دیدیا، لیکن جب اپنے گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے، اسی اثناء میں اسکی ماں کی طرف سے ایک قاصد آیا اور خبر دیدی کہ پیغمبرؐ احتضار کی حالت میں ہیں، لہذا اسامہ، عمر، ابو عبیدہ اور چند دیگر افراد کے ہمراہ واپس لوٹا، پیغمبر خداؐ نے بھی اسی دن وفات پائی[۲]

یہ تھی اسامہ کے لشکر کی حالت پیغمبرؐ کی زندگی کے آخری لمحات تک کی ایک اجمالی تشریح۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کی رحلت کے بعد والے حالات کے بارے میں ابن عسا کر نے اپنی کتاب کے ج ۱/ ۴۳۳ میں یوں روایت کی ہے:

''جب خلافت کیلئے بیعت لینے کا کام تمام ہوا اور لوگوں نے اطمینان کی سانس لی، تو ابوبکر نے اسامہ سے کہا: ''اس جگہ کی طرف چلے جاؤ جہاں جانے کا تمہیں پیغمبر خداؐ نے حکم دیا ہے'' مہاجرین اور انصار سے بعض لوگوں نے ابوبکر کو یہ تجویز پیش کی کہ اس لشکر کو روانہ کرنے میں تاخیر کریں لیکن ابوبکر نے ان کی یہ تجویز منظور نہیں کی۔ ۴۳۸ پر ایک اور روایت میں کہتا ہے۔

ابوبکر نے لشکر کو روانہ کیا اور اسے رخصت کرتے ہوئے اسامہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں نے خود سنا ہے کہ پیغمبر خداؐ ضروری ہدایات تجھے دے رہے تھے ان ہی ہدایات پر عمل کرنا میں تجھے کوئی اور حکم نہیں دیتا ہوں''

ا۔ اسی روایت کو ابن سعد نے طبقات ج ۴/ ۱۹۰، میں ابن سید نے ''عیون الاثر، ج ۲/ ۸۱ میں نقل کیا ہے اور دوسروں نے بھی صراحت کے ساتھ کہ ابوبکر اور عمر اسامہ کے لشکر میں شامل تھے ان میں بلاذری نے انساب الاشراف ج ۱/ ۴۷۴، یعقوبی نے اپنی تاریخ ۲/ ۲۷ میں، ابن بدران نے تہذیب ج ۲/ ۴۷ میں، ابن اثیر نے اپنی تاریخ کی ج ۲/ ۱۲۰ میں، ملا متقی نے کنز العمال ج ۵/ ۳۱۲ اور منتخب کنز ج ۴/ ۱۸۰ میں، ابن سعد نے بھی طبقات ج ۴/ ۶ میں اور مراغی نے ''تلخیص معالم دار الھجرہ ص ۹۰ میں درج کیا ہے

تطبیق وموازنہ کا نتیجہ

ا۔سیف اپنی روایت میں کہتا ہے:

ابھی اسامہ کے لشکر کا آخری حصہ مدینہ کے خندق سے نہیں گزرا تھا کہ پیغمبرؐ نے رحلت فرمائی، اس جملہ کو سیف نے ایک خاص مقصد کے پیش نظر گڑھ لیا ہے، اس طرح وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ پیغمبر کے اصحاب آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ کے حکم کی تعمیل کرنے میں ایسے آمادہ تھے کہ آپؐ حکم روانگی کے بعد بلا تاخیر روانہ ہوئے اور ابھی لشکر کا آخری حصہ مدینہ کے خندق سے نہ گزرا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی... اس طرح وہ اس سے پہلے اور بعد والی مخالفتوں اور نافرمانیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے! جبکہ دوسری روایتوں میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ حقیقت اس کے برعکس تھی اور اسامہ کے فوجیوں نے ''جرف'' میں کیمپ لگایا تھا اور چندروز تک مدینہ میں رفت وآمد کرتے رہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت ٹھیک ہونے پر اسامہ کے لشکر کے روانہ ہونے کے بارے میں سوال فرماتے تھے، جب آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ بعض افراد آپؐ کے حکم پر عملی جامہ پہنانے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں اور آپؐ کے حکم کے اجراء میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں تو آپ سخت برہم ہوتے تھے اور مکرر فرماتے تھے:

''لشکر اسامہ کو روانہ کرو! لشکر اسامہ کو بھیجدو!''

لیکن سیف نے اس حقیقت کے برخلاف تخریب کاروں کو بری کرنے کیلئے مذکورہ جملہ کا اضافہ کیا ہے۔

۲۔ سیف کہتا ہے:

''اسامہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کی خبر سنتے ہی عمر کو خلیفۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابوبکر کے پاس بھیج دیا اور ان سے اجازت چاہی تا کہ واپس لوٹیں'' سیف نے اس جملہ کو بھی اپنے خاص مقاصد کے پیش نظر گڑھ لیا ہے، جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ دوسری روایتوں میں آیا ہے: ''جو خبر اسامہ کو پہنچی وہ پیغمبرؐ کے احتضار کی خبر تھی اور اسامہ عمر اور ابوعبیدہ کے ہمراہ یا بعض روایتوں میں ہے ابوبکر و عمر کے ہمراہ مدینہ واپس لوٹے۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ابوبکر مدینہ آئے اور سقیفہ میں ان کی بیعت انجام پائی جو مسجد النبی میں اختتام کو پہنچی اور جب ابوبکر پیغمبرؐ کے خلیفہ کے عنوان سے پہچانے گئے تو لشکر اسامہ کے سلسلہ میں مداخلت کی، لیکن سیف اپنے شاطرانہ بیان سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ ابوبکر کی خلافت کا مسئلہ پیغمبر کے زمانے سے چلا آ رہا تھا!!۔

۳۔ سیف روایت کرتا ہے: ''انصار نے ابوبکر سے درخواست کی کہ اسامہ سے سپہ سالاری کا

عہدہ چھین کر اس کی جگہ کسی اور کو معین کیا جائے'' جبکہ دوسری روایتوں میں خاص کر تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۴۳۸ پر واضح طور پر آیا ہے کہ یہ درخواست پیغمبر خداؐ سے ہوئی ہے اور درخواست کرنے والے مہاجرین میں سے صف اول کے کچھ لوگ تھے نہ انصار، لیکن چونکہ سیف کی ہم عصر حکومت مہاجرین کے ہاتھوں میں تھی، لہذا اس نے وقت کی حکومت کو راضی رکھنے کیلئے مہاجرین کا کام انصار کے سر پر تھونپ دیا ہے۔

۴۔ سیف کہتا ہے کہ ابوبکر نے اسامہ اور اس کے لشکر کو دس احکام جاری کئے، جبکہ دوسری روایتوں کے مطابق ضروری احکام پیغمبر خداؐ نے دئے تھے، حتی ان روایتوں میں آیا ہے ابوبکر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ پیغمبر خداؐ نے تمھیں ضروری ہدایات دئے ہیں، ان ہی ہدایات پر عمل کرنا میں ان کے علاوہ کوئی اور حکم نہیں دوں گا۔

۵۔ اپنی روایات کے اختتام پر سیف کہتا ہے:

''عمر جو پیغام انصار کی طرف سے ابوبکر کے پاس لائے تھے، اس کے سبب ابوبکر نے عمر کی داڑھی پکڑ کر ان کی نفرین کی''، جبکہ ایسا واقع ہونا بعید لگتا ہے، کیونکہ دوسری روایتوں میں اس سلسلے میں کوئی ذکر نہیں ہے، اور دوسری طرف سے '' و ما علی الرسول الاّ البلاغ'' بھی ہے۔

اگر چہ ہم نے اس سے پہلے دیکھا کہ سیف نے اپنی جعل کی گئی روایتوں میں حکومت وقت اور

اس کے ہم عصر لوگوں کی خوشنودی اور رضا مندی کے تحفظ کی کوشش کی ہے لیکن یہ آخری جملہ کس لئے گڑھ لیا ہے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور علت ہوسکتی ہے کہ علم رجال کے علماء کے بقول وہ زندیق تھا، اور تاریخ اسلام کا مذاق اڑانا چاہتا تھا؟ ہمیں تو اس کے علاوہ کوئی اور سبب نظر نہیں آتا ہے!!

سیف نے کچھ ایسی روایتیں جعل کی ہیں جن کی بالکل کوئی بنیاد نہیں ہے، سیف کے افسانے خود اس سے مربوط ہیں ان افسانوں میں ایسے ہیرو اور پہلوان نظر آتے ہیں کہ زمانے کی ماں تانے انھیں ابھی جنم ہی نہیں دیا ہے، لیکن سیف کی روایتوں کے منتشر ہونے کے بعد وہ ہیرو، اسلام کی عظیم شخصیتوں میں شمار ہوئے ہیں، انشاء اللہ ہم اس کتاب کے اگلے صفحات میں ان سورماؤں کی معرفی کرادیں گے۔

سپاہ اسامہ میں موجود نامور اصحاب

اس بحث کے اختتام پر مناسب ہے کہ سپاہ اسامہ میں موجود چند اصحاب رسولؐ کی زندگی کے بارے میں خلاصہ کے طور پر کچھ بیان کیا جائے۔

اول و دوم: ابوبکر و عمر یہ پہلے اور دوسرے خلیفہ ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں اس لئے ان کے حالات کی تشریح کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

سوم: ابوعبیدہ جراح[۱] ان کے حالت کے بارے میں یوں کہا گیا ہے:

۱۔ ملاحظہ ہو الاستعیاب ج ۲/۳۔۴ اور اسد الغابہ ج ۸۴/۳۔۸۶ اور اصابہ ج ۳۴۵/۲۔

''ابوعبیدہ ان کی کنیت تھی اوران کا نام عامر ابن عبداللہ بن جراح قرشی تھا۔ان کی ماں امیمہ بنت غنم بن جابر تھیں۔ وہ اسلام کے صف اول کے اشخاص میں سے تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دوبار ہجرت کی ہے۔ابوبکر نے انھیں ایک لشکر کا سردار مقرر کر کے شام بھیجدیا۔انھوں نے ۱۸ھ میں ''عمواس'' نامی مشہور طاعون کے سبب وفات پائی،اور موجودہ اردن میں ایک جگہ پر انکو سپرد خاک کیا گیا۔

چہارم: سعد ''وقاص''[۱] ان کی کنیت ابواسحاق تھی اوران کے باپ کا نام مالک تھا، وہ قریش کے قبیلۂ زہرہ سے تعلق رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ وہ ساتوین افراد تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا نیز انھوں نے بدراور دوسرے غزوات میں شرکت کی ہے، وہ اسلام میں پہلے وہ شخص ہیں جس نے سب سے پہلے دشمن کی طرف تیر پھینکا، وہ عراق کے سرکردہ فاتحین میں سے تھے اور عمر نے انھیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا، عمر ابن خطاب نے ابو لؤ لؤ کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد سعد وقاص کو خلافت کی چھ رکنی شوریٰ کا ممبر معین کیا۔

سعد نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور معاویہ کی خلافت کے زمانے میں مدینہ سے باہر ''عقیق'' نامی ایک جگہ پر رہائش پذیر تھے اور وہیں پر وفات پائی، ان کے جنازہ کو مدینہ لے جا کر بقیع میں دفن کیا گیا۔

پنجم: سعید بن زید[۲]: سعید قریش کے قبیلۂ عدی سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت عمر ابن خطاب

۱۔ ملاحظہ ہو استیعاب، ج ۲ رص ۱۸۔۲۵ اور اسد الغابہ، ج ۲ ر ۲۶۰ و اصابہ، ج ۲ ر ۳۰۔۳۶

۲۔ اسکے حالات زندگی کے سلسلے میں اسد الغابہ ج ۲ ر ۳۰۸ اور اصابہ و استیعاب کا مطالعہ کیا جائے۔

کا چچیرے بھائی تھے۔عمر نے سعید کی بہن عاتکہ سے اور سعید نے عمر کی بہن فاطمہ سے شادی کی تھی۔

عمر کی بہن فاطمہ اور عمر کے چچیرے بھائی سعید نے عمر سے پہلے اسلام قبول کیا، جب عمر کو اس کی اطلاع ملی تو ان کے گھر جا کر اپنی بہن کے چہرے پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کے رخسار سے خون جاری ہو گئے، لیکن اس کے فوراً بعد بہن کی اس حالت پر رحم کھا کر خود بھی مسلمان ہو گئے!!! سعید نے ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں انھیں سپرد خاک کیا گیا۔

ششم۔اسامہ[1]: اسامہ کے باپ زید بن حارثہ کلبی، پیغمبر خداؐ کا آزاد کردہ غلام اور ان کی ماں ام ایمن حضرت کی آزاد کردہ کنیز اور ان کی خادمہ تھیں، اسامہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے معاویہ کی خلافت کے دوران وفات پائی تھی۔

سپاہ اسامہ روانہ کرنے میں پیغمبر خداؐ کا مقصد

جس کام کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں انجام دیا، وہ حیرت انگیز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب میں سے بعض افراد اور بزرگوں کو انتہائی اصرار کے ساتھ مدینہ سے نکال کر شام اور سوریہ کی سرحد تک روانہ کرکے اسلامی مرکز سے دور بھیجنا چاہتے تھے۔اس غرض سے ان کو مجبور کیا تھا کہ اسامہ کی کمانڈری میں رہیں، یعنی ایک ایسے شخص کی کمانڈری میں جس کے ماں باپ دونوں غلام تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں آزاد کیا تھا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں مذکورہ افراد کو اسامہ کی سرکردگی میں مدینہ (جو اس زمانے میں اسلام کا دار الخلافہ تھا) سے دور بھیجنا چاہتے تھے اور اس نازک وقت پر علی علیہ السلام کو اپنے سرہانے رکھنا چاہتے تھے؟!!!

سیف کی احادیث میں سقیفہ کی داستان

''الا و ان لی شیطاناً یعترینی فاذا أتانی فاجتنبونی ...''

ہوشیار رہو! میرا ایک شیطان ہے جو بعض اوقات مجھ پر مسلط ہوتا ہے اور اگر تم لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا تو اس وقت مجھ سے دوری اختیار کرنا تا کہ میری طرف سے تمہارے مال و جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے....

ابوبکر

سیف نے سقیفہ کی داستان کو سات روایتوں میں نقل کیا ہے ہم اس فصل میں پہلے اس کی ان روایتوں کو نقل کریں گے اور اس کے بعد ان کے اسناد کی تحقیق کریں گے، اگلی فصلوں میں دوسرے راویوں کی روایتوں سے ان کی تطبیق و موازنہ کر کے چھان بین کریں گے اور آخر میں سیف کی روایتوں کے مآخذ اور ان کے مضمون کے بارے میں تحقیق کا نتیجہ علم دوست حضرات کی خدمت میں پیش کریں گے۔

سیف کی روایتیں

پہلی روایت:

ابن حجر نے قعقاع بن عمرو کی زندگی کے حالات کو سیف سے نقل کرتے ہوئے یوں بیان کیا

ہے کہ قعقاع نے کہا ہے:

''میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت وہاں پر حاضر تھا، جب ہم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک شخص نے مسجد میں داخل ہو کر کہا: انصار متفقہ طور پر سعد بن عبادہ کو جانشینی اور خلافت کے عہدہ پر منتخب کرنا چاہتے ہیں اور اس بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو توڑنا چاہتے ہیں۔ مہاجرین اس خبر کو سننے کے بعد وحشت میں پڑ گئے[1]

دوسری روایت:

طبری نے ۱۱ھ میں سیف سے نقل کیا ہے کہ راوی نے سعید بن زید سے پوچھا: کیا تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حاضر تھے؟

اس نے کہا: جی ہاں!

ابوبکر کی بیعت کس دن کی گئی؟

اس نے جواب میں کہا اسی دن جس روز رسول خداؐ نے رحلت فرمائی، کیونکہ لوگ نہیں چاہتے تھے نصف دن بھی اجتماعی نظم و انتظام کے بغیر گزاریں۔

کیا کسی نے ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کیا؟

۱۔ اصابہ: ۲/۲۴۰، الجرح والتعدیل رازی ج ۳/ حصہ ۲/۱۳۶۔

نہیں ،صرف ان لوگوں نے مخالفت کی جو مرتد ہوئے تھے یا مرتد ہونے کے نزدیک تھے تو انھیں خدا نے انصار کے ہاتھوں نجات بخشی تھی۔

کیا مہاجرین میں سے کسی نے بیعت سے سرپیچی کی؟

نہیں، تمام مہاجرین نے کسی کی تجویز کے بغیر یکے بعد دیگرے بیعت کی۔

تیسری روایت:

طبری نے بھی سعد بن عبادہ کیلئے بیعت لینے کی انصار کی کوشش اوران کی ابوبکر سے مخالفت کے بارے میں یوں روایت کی ہے:

کہ [۱] ''سیف نے اپنے مآخذ سے سہل اور ابی عثمان سے اوراس نے ضحاک بن خلیفہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:''جب حباب بن منذر [۲] نے کھڑے ہوکر تلوار ہاتھ میں لی اور کہا:

اناجذیلها المحکک و عذیقها المرجب ، ان ابو شبل فی عرینة الاسد'' [۳]

۱۔طبری ج ۲۱۰/۳

۲۔حباب بن منذر پیغمبر خداؐ کے اصحاب میں سے تھے ان کی زندگی کے حالات بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

۳۔ یہ تین جملے عربی ضرب المثل ہیں اوران کے معنی یہ ہیں: میں اس لکڑی کے مانند ہوں جسے اونٹوں کے سونے کی جگہ پر رکھا جاتا ہے تا کہ کھجلی آنے پر وہ اپنے بدن کو اس کے ساتھ رگڑ لیں (یہ اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ مشکل کے وقت میری رائے کی طرف پناہ لیں) اور میں اس قوی درخت کے مانند ہوں کہ مشکلات میں میرے سائے میں پناہ لیتے ہیں اور حوادث کے طوفان مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچاتے۔ میں کچھار میں شیر کے بچوں کے باپ کے مانند ہوں۔

عمر نے تلوار ہاتھ میں لی اور سعد بن عبادہ کی طرف حملہ کیا، دوسرے لوگ بھی سعد بن عبادہ پر حملہ آور ہوئے اور پے در پے ابو بکر کی بیعت کی، انصار کا یہ کام ایام جاہلیت کی سی ایک غلطی تھی جس کا ابو بکر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

جس وقت سعد بن عبادہ پایمال ہوا، ایک شخص نے کہا؛ کیا تم لوگوں نے سعد بن عبادہ کو قتل کر ڈالا؟ عمر نے جواب میں کہا: خدا اسے مار ڈالے، وہ ایک منافق شخص ہے! اس کے بعد عمر نے حباب کی تلوار کو ایک پتھر پر مار کر اسے توڑ دیا''

چوتھی روایت:

اس کے بعد طبری نے مندرجہ ذیل روایت کو نقل کیا ہے[1] سیف نے جابر سے روایت کی ہے کہ: ''سعد بن عبادہ'' نے اس دن ابو بکر سے کہا:

> اے مہاجرین کی جماعت! تم لوگوں نے میری حکمرانی پر رشک کیا ہے! اور اے ابو بکر! کیا تم نے میرے خاندان کی حمایت میں ہمیں بیعت کرنے پر مجبور کیا ہے؟ ابو بکر اور ان کے حامیوں نے جواب میں کہا: اگر ہم تیری دلی چاہت کے خلاف ملت سے جدا ہونے پر تجھے مجبور کرتے اور تم مسلمان کے اجتماع سے اپنے رابطہ کو برقرار رکھتے، تو تم یہ کام کر سکتے، لیکن ہم نے تجھے اجتماع سے پیوست ہونے پر مجبور کیا، معلوم ہے کہ اس رسالت کو بدلا نہیں جا سکتا ہے، اگر اطاعت کرنے سے منہ موڑ لو گے اور

معاشرے میں تفرقہ ایجاد کرو گے تم ہم تیرا سر قلم کریں گے۔

پانچویں روایت:

طبری ابوبکر اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیعت کے بارے میں بھی سیف سے اس طرح نقل کرتا ہے کہ علیؑ گھر میں تھے کہ خبر ملی کہ ابوبکر نے بیعت کیلئے نشست کی ہے چونکہ وہ ابوبکر کی بیعت کرنے میں تاخیر کرنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے صرف ایک کرتا پہن کر قبا و شلوار کے بغیر پوری عجلت کے ساتھ باہر آئے اور ابوبکر کے پاس دوڑے اور ان کی بیعت کی، اس کے بعد کسی کو بھیج دیا تا کہ ان کی قبا لے آئے پھر قبا کو پہننے کے بعد ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے۔

چھٹی حدیث:

اس کے علاوہ طبری نے سیف سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسرے دن ابوبکر نے دو خطبے نسبتاً طولانی بیان کئے جن میں دوسری تمام چیزوں کی نسبت موت، دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے بارے میں بات کی۔

انشاء اللہ ہم ان خطبوں کو کتاب کے آخر میں (روایتوں کی چھان بین کے باب میں) نقل کر کے اس پر تحقیق کریں گے، ان دو خطبوں میں جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ جملہ ہے کہ ابوبکر نے کہا ہے:

ألا و إنّ لی شیطاناً یعترینی فاذا اتانی فاجتنبونی لا أُؤثر فی اشعارکم و ابشارکم .

ہوشیار رہو! میرا ایک شیطان ہے جو کبھی کبھار مجھ پر مسلط ہوتا ہے اگر وہ شیطان میرے نزدیک آیا تو تم لوگ مجھ سے دوری اختیار کرنا تا کہ میں اپنے مفاد میں تمہارے مال و جان پر دست درازی نہ کروں''

ساتویں حدیث:

طبری[۱] نے مبشر بن فضیل سے اس نے جبیر سے اس نے اپنے باپ صخر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محافظ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

پیغمبر خداؐ کی وفات کے وقت خالد بن سعید عاصی یمن میں تھا۔ وہ ایک مہینہ بعد مدینہ کی طرف آیا۔ اور ایک زیبا قبا پہنے عمر اور حضرت علی علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوا، جب عمر نے اسے ایک زیبا قبا میں ملبوس پایا تو اپنے حامیوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز میں بولے: خالد کی زیب تن کی ہوئی قبا کو پھاڑ ڈالو! اس نے ریشمی قبا پہنی ہے جبکہ یہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے بلکہ صلح کا زمانہ ہے[۲] عمر کے حامیوں نے ان کے حکم سے خالد کی زیبا قبا کو پھاڑ ڈالا۔

خالد نے غصے کی حالت میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے ابوالحسن! اے عبد مناف کے فرزند! کیا خلافت کو کھونے کے بعد مغلوب ہو چکے ہو؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں کہا: تم اسے غالب و مغلوب دیکھتے ہو یا خلافت کو!؟[۳]

۱۔ طبری ج ۵۸۶/۲۔

۲۔ اسلام میں مردوں کیلئے جنگ کے موقع پر ریشمی لباس پہننا جائز ہے اور صلح میں حرام ہے۔

۳۔ قال : قال یا ابا الحسن یا بنی عبد مناف اغُلِبتم علیھا ؟ فقال علیٌ أ مغالبة تری ام خلافة ؟!

خالد نے کہا: اے عبد مناف کے بیٹو! ''تمہارے سوا کوئی اور خلافت کا سزاوار نہیں ہے؟'' عمر نے خالد سے مخاطب ہوکر کہا؛ خدا تیرے منہ کو توڑ ڈالے! تم نے ایسی بات کہی ہے جو جھوٹوں کیلئے ہمیشہ سند بن جائے گی اور اس کو نقل کرنے والا اپنے لئے نقصان کے سوا کچھ نہیں پائے گا! اس کے بعد عمر نے خالد کی باتوں کی رپورٹ ابوبکر کو پیش کی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد جب ابوبکر مرتدوں سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر کو منظّم کر رہے تھے تو خالد کے ہاتھ بھی ایک پرچم دینے کی ٹھان لی، عمر نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا:

> خالد ایک ناتوان اور کمزور شخص ہے اور اس نے ایک ایسا جھوٹ بولا ہے کہ جب تک اسکے اس جھوٹ کو نقل کرنے والا دنیا میں موجود ہو اور لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں اس شخص سے ہرگز مدد طلب نہیں کرنی چاہئے، ابوبکر نے مرتدوں سے جنگ کرنے کے بجائے خالد کو رومیوں سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا اور اسے فوج کے ڈپٹی کمانڈر کی حیثیت سے تیماء روانہ کیا اس طرح عمر کی باتوں کے ایک حصہ پر عمل کیا اور ایک حصہ کو مسترد کردیا۔

سیف کی روایتوں کا مآخذ

علم حدیث کے دانشور اور علماء جب کسی روایت کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو وہ دو چیزوں کو مدنظر رکھتے ہیں:

اول: روایت کا مآ خذ، یعنی روایت کرنے والا کن خصوصیات کا مالک ہے اور اس نے روایت کو کن اشخاص سے نقل کیا ہے۔

دوم: روایت کا متن، یعنی روایت میں بیان ہوئے مطالب کی چھان بین کرنا اس لحاظ سے سقیفہ کے بارے میں سیف کی روایتوں کو متن و مآ خذ کے لحاظ سے چھان بین کرنا چاہئے تا کہ ان کی علمی قدر و منزلت اور اعتبار کی حیثیت معلوم ہو سکے اب ہم سیف سے نقل کی گئی روایتوں کے مآ خذ کی چھان بین کرتے ہیں۔

سیف کی سب سے پہلی روایت جسے ہم نے نقل کیا وہ کتاب ''الاصابہ'' سے ہے، جسے سیف نے قعقاع بن عمرو تمیمی سے نقل کیا ہے، قعقاع ایک ایسا سورما ہے جو سیف کے خیالات کی تخلیق ہے اسی قسم کے کسی شخص کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، لیکن بعض علماء نے تحقیق کئے بغیر صرف سیف کی روایت پر بھروسہ کر کے قعقاع کے نام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کی فہرست میں درج کر کے سیف کی روایتوں سے اس کی زندگی کے مفصل حالات قلم بند کر دیئے ہیں سینکڑوں کتابوں میں اس کے اشعار، بہادریوں، جنگوں، جنگی منصوبوں، لشکر کشیوں اور اجتماعی کارکردگی کے بارے میں قلم فرسائی کی ہے، ان افسانوں کا سرچشمہ صرف اور صرف سیف کی روایتیں ہیں۔ ہم نے اس موضوع اور سیف کے اس قسم کے افسانوی بہادروں کے بارے میں اپنی کتاب '' خمسون و مأة صحابی مختلق'' میں تفصیلات بیان کی ہیں[1]

۱۔ اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان ''۱۵۰ جعلی اصحاب'' کے عنوان اسی مترجم کے قلم سے ہوا ہے۔

سیف نے تیسری روایت کو سہل سے نقل کیا ہے اور اسے یوسف بن سلمی انصاری کا بیٹا بتایا ہے ہم نے جس کتاب میں اس کے بارے میں لکھا ہے وہاں یہ ثابت کیا ہے کہ حقیقت میں اس نام کا کوئی راوی ہی وجود نہیں رکھتا تھا اور یہ بھی سیف کے خیالات کی تخلیق ہے۔

چوتھی روایت سیف نے مبشر سے نقل کی ہے، یہ نام بھی صرف سیف کی روایتوں میں درج ہے اس کا کہیں اور سراغ نہیں ملتا، علم حدیث کے علماء نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''سیف اس سے روایت کرتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں جانتا''[1]

آخری روایت کو سیف نے صخر نامی ایک شخص سے نقل کیا ہے، سیف نے اس کا پیغمبر خداؐ کے خصوصی محافظ کے عنوان سے تعارف کرایا ہے، جبکہ علم رجال کی کتابوں اور پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی زندگی کے حالات میں اس قسم کے کسی شخص کا ذکر تک نہیں ہے اور پیغمبر خداؐ کا کوئی محافظ اس نام کا نہیں تھا۔

اس کے مآخذ میں اور بھی مجہول راوی ہیں کہ اس خلاصہ میں ان کا ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ تھیں سیف کی روایتیں مآخذ اور قدر و منزلت کے لحاظ سے، اب ہم ان روایات کے متن کے بارے میں قارئین کو جانکاری دیں گے۔

۱۔ ملاحظہ ہو لسان المیزان ج ۱۳/۵

سیف کی روایتوں کے مآخذ

سیف کی روایتوں میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اسے روایت گڑھنے میں خاص مہارت تھی۔
کیونکہ وہ روایتوں کے ایک حصہ میں حقائق کی تحریف کرتا ہے اور حوادث کے دوسرے حصہ کو ایسے نقل کرتا ہے کہ پڑھنے والا غیر شعوری طور پر مطلب کو واقعیت کے خلاف سمجھتا ہے اس مطلب کی وضاحت کیلئے سیف کی روایت گڑھنے کی مہارت کے سلسلے میں یہاں پر ہم ایک نمونہ پیش کرتے ہیں: قعقاع سے نقل کی گئی سیف کی روایت میں (جسے اسی کتاب میں پہلی روایت کے طور پر درج کیا گیا ہے) آیا ہے:

''پیغمبر خداؐ کی رحلت کے دن ظہر کی نماز کے بعد یہ خبر ملی کہ انصار سعد بن عبادہ کی بیعت کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے گئے عہد و پیمان کو توڑنا چاہتے ہیں''

پڑھنے والا اس روایت سے یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں نے خلافت کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی عہد و پیمان باندھا تھا، جسے انصار توڑنا چاہتے تھے۔

اس کے علاوہ لشکر اسامہ کے بارے میں دوسری روایت میں (جسے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا) تاریخ طبری اور تاریخ ابن عساکر سے نقل کر کے سیف بیان کرتا ہے:

''جب پیغمبر خداؐ کی رحلت کی خبر فوجی کیمپ میں پہنچی، تو اسامہ نے عمر کو رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ابوبکر کے پاس بھیجا...''

اس روایت سے اس امر کا استنباط ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا عہد و پیمان ابوبکر کی خلافت کے بارے میں تھا۔

سیف نے سقیفہ کہ داستان نقل کرنے میں مذکورہ چابک دستی اور مہارت سے کافی استفادہ کیا ہے۔

سقیفہ کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں حقیقت اپنی اصلی راہ سے مکمل طور پر منحرف ہوئی ہے، سیف نہیں چاہتا تھا اس تاریخی امانت میں خیانت کئے بغیر اسے دوسرں تک پہنچادے، سقیفہ کے بارے میں نقل کی گئی اس کی تمام روایتیں خلاف واقع اور حقیقت سے دور ہیں، سقیفہ اور ابوبکر کی بیعت کے بارے میں حقیقت قضیہ جاننے سے سیف کے جھوٹ کا پول کھلنے کے علاوہ سقیفہ کے بارے میں معاویہ کے زمانے تک کے تاریخی حقائق کھل کر سامنے آتے ہیں۔

لہذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے سقیفہ کے واقعہ کو مکمل طور پر اور استناد کے ساتھ علمائے اہل سنت کی معتبر کتابوں میں موجود مورد اعتماد روایتوں سے نقل کر کے پیش کریں اور اس کے بعد اس سلسلے میں سیف کی نقل کی گئی روایتوں کی چھان بین کریں۔

داستان سقیفہ کی داغ بیل

هلمّ اکتب لکم کتاباً لن تضلّوا بعده ابداً

آؤ! میں تمہارے لئے ایک ایسا وصیت نامہ لکھدوں گا، جس کے ہوتے ہوئے تم لوگ ہرگز گمراہ نہیں ہوگے

پیغمبر اکرمؐ

ان النبیّ غلبه الوجع و عندکم کتاب الله

پیغمبر خداؐ بخار اور بیماری کے سبب بولتے ہیں، تمہیں کتابِ خدا کے ہوتے ہوئے ان کی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔

عمر، خلیفہ دوم

وہ فرمان جس کی اطاعت نہیں ہوئی

سقیفہ کے واقعہ کی پیغمبر خداؐ کی رحلت سے پہلے داغ بیل ڈالی گئی تھی، چنانچہ ہم نے گزشتہ فصل میں دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کوشش اور تلاش تھی کہ اسلام کے دار الخلافہ مدینہ کو سرکردہ مہاجر اور انصار سے خالی کریں اسی لئے انھیں شام کی سرحدوں پر جاکر جہاد کرنے کی ذمہ داری دیدی تھی، صرف علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنے سرانے رہنے کی اجازت دی تھی، لیکن ان لوگوں نے پیغمبر

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی اطاعت نہیں کی اور اس حکم کی تعمیل کرنے میں لیت ولعل اور لاپرواہی سے کام لیا اور اسی دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے، اس رونما شدہ واقعہ کے دوران ایک ایسا اہم حادثہ پیش آیا، جس نے تاریخ کی راہ کو مکمل طور پر موڑ کے رکھ دیا۔

وصیت نامہ، جولکھا نہ جاسکا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندگی کے آخری لمحات قریب سے قریب تر ہوتے جارہے تھے، مدینہ منورہ کی فضا میں اضطراب اور وحشت کے بادل منڈلا رہے تھے، ہر ایک یہ محسوس کرر ہا تھا کہ عالم بشریت جلدی ہی اپنے عظیم الشان قائد سے محروم ہونے والی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تربیتی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بستر علالت پر ہی آخری خاکہ کھینچ رہے تھے۔ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ کسی تاخیر کے بغیر اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنائیں اور اپنی کئی برسوں کی زحمتوں اور خدمات کو ضائع ہونے نہ دیں، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ وہی افراد جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے خلاف مدینہ سے باہر نہ نکلے تھے، حالات کا جائزہ لے رہے تھے تا کہ پہلی فرصت میں اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنائیں۔

لہذا انہوں نے اس امر کی اجازت نہیں دی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؐ کا آخری پروگرام بشریت کی راہنمائی کیلئے ایک تحریری سند کے طور پر باقی رہے۔

عمر ابن خطاب بذات خود کہتے ہیں:

''ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اور خواتین پردے کے پیچھے بیٹھی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے سات خوشبو والے پانی سے غسل دینا اور میرے لئے ایک کاغذ اور قلم لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھدوں کہ اس کے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہوگے''

خواتین نے کہا: جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے ہیں اس چیز کو حاضر کرو[1]

مقریزی لکھتا ہے:

''اس بات کو جحش کی بیٹی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی زینب اور اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی دوسری عورتوں نے کہا: ''عمر'' کہتے ہیں: ''میں نے کہا چپ رہو، تم وہی عورتیں ہو، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے ہیں تو اپنی آنکھوں پر زور دیکر روتی ہو اور جب آپ دوبارہ صحت یاب ہوجاتے ہیں تو ان کی گردن پکڑ کر ان سے نفقہ مانگتی ہو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یہ عورتیں تم سے بہتر ہیں''

ابن سعد نے طبقات[2] میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

۱۔ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۲/ ۳۷ او نہایۃ الارب ج ۱۸، ۵، ۳۷۵، و کنزل العمال ج ۳/ ۱۳۸ و ج ۴/ ۵۲ اور مختصر کنز ج ۳۔

۲۔ ج ۲ صفحہ ۲۴۲۔

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت کاغذ طلب کیا تا کہ اپنی امت کیلئے ایک ایسی تحریر لکھ ڈالیں کہ اس کے بعد نہ آپ کی امت گمراہ ہوگی اور نہ کوئی اسے گمراہ کر سکے گا، اس مجلس میں حاضر لوگوں نے ایسا ہنگامہ مچایا کہ پیغمبر اسلام نے اپنا فیصلہ ترک کر دیا۔

اس کے علاوہ مسند احمد[1] میں ابن عباس سے روایت کی گئی ہے: جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موت نزدیک آئی تو، آپ نے فرمایا:

''میرے لئے ایک بھیڑ کا کندھا لاؤ[2] میں تم لوگوں کیلئے ایک تحریر لکھ دوں گا تا کہ میرے بعد تمہارے درمیان حتی دو افراد میں بھی آپس میں اختلاف پیدا نہ ہو سکے''

ابن عباس کہتے ہیں:

''ایک جماعت نے شور و ھنگامہ شروع کر دیا تو ایک عورت نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: ''افسوس ہو تم لوگوں پر! پیغمبر وصیت کرنا چاہتے ہیں''

ابن عباس اپنی ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں[3] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

۱۔ ج ۱ص ۲۹۳۔

۲۔ اس زمانہ میں کاغذ نہ ہونے کی وجہ سے تحریرات چمڑے، حیوانوں کی ہڈیوں اور لکڑی جیسی چیزوں پر لکھے جاتے تھے۔

۳۔ طبقات ابن سعد ج ۲/ ۲۴۴۔

بیماری کے دوران (جس کے سبب آپ وفات پا گئے) فرمایا:

''میرے لئے دوات اور ایک کاغذ لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے؟''

عمر نے کہا: روم کے باقی رہ گئے فلاں اور فلاں شہروں کو جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح نہیں کرلیں گے اس وقت تک اس دنیا سے نہیں جائیں گے، اور اگر آپ نے وفات پائی تو ہم آپ کے انتظار میں اسی طرح رہیں گے جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے انتظار میں منتظر رہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی زینب نے اس کے جواب میں کہا: کیا نہیں سنتے ہو پیغمبر تمہیں وصیت کرنا چاہتے ہیں؟! اس کے بعد انہوں نے ہنگامہ اور شور وشرابا کیا، لہذا پیغمبرؐ نے فرمایا: یہاں سے اٹھ جاؤ'' جب وہ اٹھ کر چلنے لگے تو آپ نے وفات پائی''۔

ان روایتوں اور اس کے بعد آنے والی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ضعیف حالت کے باوجود کئی بار حکم دیا تھا کہ ان کیلئے کاغذ و دوات لائی جائے، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کے پاس بیٹھے ہوئے افراد نے مجلس میں کھلبلی اور ہنگامہ مچا کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے فیصلہ سے دست بردار ہونے پر مجبور کردیا، آنے والی بحثوں میں جن روایتوں کو ہم نقل کریں گے، ان سے معلوم ہو جائے گا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں کس طرح کے ناشائستہ باتیں کی گئیں جن کے سبب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وصیت نامہ لکھنے سے صرف نظر کریں۔

صحیح بخاری[۱] اور دوسری کتابوں میں روایت نقل ہوئی ہے کہ ابن عباس نے کہا:

''جمعرات کا دن... کیسا دن تھا،؟! اس کے بعد اس قدر روئے کہ ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں نے کنکریوں کو تر کر دیا. اس کے بعد بولے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شدید بیماری کے عالم میں فرمایا: میرے لئے ایک کاغذ لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے''

مجلس میں موجود افراد میں جنگ و جدل برپا ہوگیا، جبکہ کسی بھی پیغمبر کے حضور اختلاف وجدال کرنا جائز نہیں ہے، کچھ لوگوں نے کہا: پیغمبرؐ ہذیان بک رہے ہیں!!

پیغمبر نے فرمایا:

''مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو! میری حالت اس سے بہتر ہے جو تم میرے بارے میں کہتے ہو؟[۲]

ابن عباس نے ایک دوسری روایت میں اس بات کے راوی کا تعارف کرایا ہے، صحیح بخاری میں

۱۔ حدیث کا لفظ صحیح بخاری میں سے ہے، کتاب جہاد باب جوائز وفد ج ۲/۱۲۰، ملاحظہ ہو ج ۲/۱۲۱ باب اخراج یہود از جزیرۃ العرب کتاب جزیہ اور صحیح مسلم ج ۵/ ۷۵ باب ترکہ وصیت اور مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۱۹۳۵ اور طبقات ابن سعد ۲/۲۴۴، اور طبری ج ۴/۱۹۳ ان کی حدیث کے لفظ میں یہ ہے: ما شانه أهجر ..... فذهبوا يُعيدون عليه فقال: دعوني .....)

۲۔ بلاذری کی انساب الاشراف ج ۱/۵۶۲، ملاحظہ ہو اور طبقات ابن سعد ج ۲/۲۴۲ اور صحیح مسلم ج ۵/۷۶ اور ان لفظ ان رسول الله ليَهجُر تحریر ہوا ہے۔

اس سے نقل کر کے بیان ہوا ہے[۱]

''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت نزدیک آ گئی، کچھ لوگ، جن میں عمر ابن خطاب بھی شامل تھے، پیغمبر خداؐ کے گھر میں جمع ہوئے تو، پیغمبرؐ نے فرمایا: جلدی کروتا کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے''

عمر ابن خطاب نے حاضرین سے کہا: بیماری نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواس خمسہ پر غلبہ کیا ہے، قرآن تمہارے پاس ہے اور خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے!''

اس گھر میں موجود لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، بعض لوگوں نے عمر کی ہاں میں ہاں ملائی، جب بیہودہ گفتگو حد سے بڑھ گئی اور اختلاف کا دامن پھیلنے لگا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رنجیدہ ہو کر فرمایا:

''میرے نزدیک سے اٹھ جاؤ، کیونکہ میرے سامنے جدال واختلاف کرنا جائز نہیں ہے''۔

مسند احمد کی روایت اور طبقات میں یوں آیا ہے:

''جب بیہودہ کلام حد سے بڑھ گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا:

''میرے پاس سے اٹھ جاؤ!''

اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ: ابن عباس مکرر کہتے تھے: ''بدبختی اور مصیبت ہم پر اس وقت

۱۔ یہ لفظ صحیح بخاری میں ہے ملاحظہ ہو ج ۱/۲۲، باب کتابۃ العلم، کتاب علم سے اس لفظ کے نزدیک ہے، مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۲۹۹۲، طبقات ج ۲/۲۴۴

نازل ہوئی جب اختلاف اور یاوہ گوئی کے سبب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تحریر کو نہ لکھ سکے'' [1] وہ صحابی، جس نے پیغمبر خداؐ پر ہذیان بکنے کی تہمت لگائی۔

ان تمام روایتوں میں عمر ابن خطاب کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا گیا ہے، یہ عمر تھے جنھوں نے پیغمبرؐ کی بیویوں کے یہ کہنے: ''جو پیغمبرؐ چاہتے ہیں اسے حاضر کیجئے'' کے جواب میں کہا: ''انکن صواحبة '' [2] اور اس رائج ضرب المثل کے ذریعہ ان کی سرزنش کر کے اس توہین آمیز لہجہ میں پیغمبرؐ کی بیویوں کی بے احترامی کی۔

یہ عمر تھے جس نے یہ کہا کہ: اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر جائیں تو روم کے شہروں کو کون فتح کرے گا؟

یہ عمر تھے جس نے جب احساس کیا کہ مجلس میں حاضرین کی اکثریت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مرضی کی حامی ہے اور قریب ہے مسلمانوں کے ہاتھ پیغمبرؐ کی ایک ایسی تحریر آئے جس سے

۱۔ یہ صحیح بخاری کی عبارت کتاب اعتصام بہ کتاب وسنۃ کے باب کراھیۃ الخلاف، ج ۴/۱۸۰ اور کتاب مرض کے باب قول المریض قوموا عنی ج ۴/۵ اور ج ۳/۶۲ باب مرض النبی کتاب مغازی اور صحیح مسلم ج ۵/۷۶ کتاب کے آخری باب ''وصیۃ'' میں اور مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۳۱۱۱ اور تاریخ ابن کثیر ج ۵/۲۲۷۔ ۲۲۸ اور تیسیر الوصول ج ۴/۱۹۴ اور تاریخ ذہبی ج ۱/۳۳۱ اور تاریخ خمیس ج ۱/۱۸۲ اور البدۃ وتاریخ ج ۵/۹۵ اور تاریخ ابن محنہ تاریخ کامل کے حاشیہ پر ۱۰۸، تاریخ ابوالفداء ج ۱/۱۵۱ میں آیا ہے: فقالَ : قُوموا عنی لا ینبغي عِندَ نبيّ تَنازُع ، فقالوا : إنَّ رسول الله لیهجُر فذهبو ا یعیدون علیه ، فقال : دعونی ما أنا فیه خیرٌ مما تدعونی إلیه۔

۲۔ صدر اسلام میں اگر کسی عورت کو ڈانٹا جاتا تھا تو اسے ان عورتوں سے تشبیہ دیتے تھے جو حضرت یوسف سے محبت کرتی تھیں اور اسے زندان بھیجدیا جاتا تھا، ایسی عورت کو کہتے تھے: إنکّن صُویحباتة تشبیها لها بصویحبات یوسف.

عمراوراس کے حامیوں کے منصوبے نقش برآب ہوجائیں گےتو اس نے کہا: پیغمبرؐ پر بیماری کا دباؤ پڑا ہےاوروہ نہیں جانتے ہیں کہ کیا بول رہے ہیں،تمہارے پاس قرآن ہےاوروہی کافی ہے!

عمر نے ہی کہا تھا:''یہ شخص ہذیان بک رہاہےاوراس نے اس نامناسب جملہ کو کہہ کراپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا،کیونکہ عمر کے اس جملہ اوران کا پیغمبراکرمؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دینے نے دوسرے کے ذہنوں پربھی اثر ڈالا تھا،لہذااگر رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل اصرار کے طور پر کوئی وصیت بھی لکھ ڈالتے تو اس کی کوئی قدر ومنزلت ہی باقی نہ رہتی اوراس کے مخالف کہتے کہ یہ وصیت اس حالت میں لکھی گئی ہے جب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حواس خمسہ کھو بیٹھے تھے ۔لہذااس کی طرف کوئی توجہ نہ دی جاتی ، یہ نازک نکتہ ابن عباس کی ایک روایت میں موردتوجہ قرار پایا ہے،وہ کہتے ہیں:

''پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں موجودافراد میں سے ایک شخص نے کہا:''پیغمبر خداہذیان بک رہے ہیں''

اس کے بعد جب مجلس میں حالات معمول کے مطابق ہوئے تو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: کیا آپ جس چیز کو چاہتے تھےاسے آپ کیلئے لائیں؟ پیغمبر نے فرمایا:

اب اس کا فائدہ کیاہے؟!یعنی یہ بات کہنے کے بعداس تحریر کا کوئی فائدہ نہیں ہے[1]!

جی ہاں!ہنگامہ برپا کر کے پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کواپنی زندگی کے آخری لمحات میں

ایک وصیت نامہ لکھنے نہیں دیا گیا اس طرح قبل اس کے کہ ایک اور فرصت ہاتھ آتی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وصیت نامہ کو تحریر فرماتے تا کہ لوگ ہمیشہ کیلئے گمراہی سے نجات پاتے ، آپ نے رحلت فرمائی۔

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲/۲۴۴

وضاحت طلبی

اس بحث کے آخر میں مناسب ہے کہ عمر سے ایک سوال کیا جائے وہ یہ ہے کہ جہاں پر آپ نے یہ جرأت اور جسارت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہذیان بکنے کی تہمت لگائی! کیا وجہ ہے کہ آپ نے یہی الزام ابوبکر کو نہیں دیا جب کہ انھوں نے بیہوشی کے عالم میں وصیت نامہ لکھا؟

طبری لکھتا ہے: ابوبکر نے عثمان کو اپنی بیماری کی حالت میں اپنے سرہانے بلایا اور کہا: لکھو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی طرف سے مسلمانوں کے نام ایک وصیت ہے امابعد...''

راوی کہتا ہے؛

اس کے بعد بیہوش ہوگئے اور کوئی بات نہ کرسکے (لہذا عثمان نے ابوبکر کی بیہوشی) کے عالم میں لکھا، ''امابعد، میں نے اپنے فیصلہ کے مطابق عمر ابن خطاب کو تم لوگوں پر اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا ہے، جان لو کہ میں نے تمہارے متعلق خیرخواہی میں کسی قسم کی لاپروائی نہیں برتی ہے''

جب عثمان تحریر لکھنے سے فارغ ہوئے تو ابوبکر ہوش میں آئے اور عثمان سے کہا: ذرا پڑھو دیکھتا ہوں کہ تم نے کیا لکھا، عثمان نے جو کچھ لکھا تھا ابوبکر کو پڑھ کر سنادیا۔

ابوبکر نے کہا: ''اللہ اکبر! میرے خیال میں تم ڈر گئے کہ اگر میں اس بیہوشی کے عالم میں مرجاؤں تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوجائے گا''

اس نے جواب میں کہا: جی ہاں۔

ابوبکر نے کہا: ''خدا تجھے اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے خیر پہنچائے اور اس طرح عثمان کی تحریر کی تائید کی۔

کیا عمر نے اس تحریر کے بارے میں کوئی ردعمل ظاہر کیا؟

طبری کہتا ہے:

''عمر بیٹھ گئے جبکہ لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے، عمر کے ہاتھ میں درخت خرما کی ایک ٹہنی تھی۔ ابوبکر کے آزاد کردہ غلام شدید ابوبکر کی اس تحریر کو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، جس میں عمر کی جانشینی کا فرمان لکھا گیا تھا، عمر نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

اے لوگوں سن لو! اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے حکم کی اطاعت کرو؟ خلیفہ تمہیں کہتا ہے؛ ''میں نے تمہاری خیر خواہی میں کسی قسم کی لاپروائی نہیں کی ہے''[۱]

تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ عمر حالت بیماری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر کو قبول نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں حسبنا کتاب اللہ لیکن ابوبکر کے اس حالت میں لکھی گئی تحریر کی تائید کرتے ہیں!! دیکھئے فرق کہا سے کہاں تک ہے! بے شک ابن عباس کو حق تھا کہ رونما ہوئے اس حادثہ پر اتنے آنسو بہائیں کہ کنکریاں تر ہو جائیں۔

۱۔ تاریخ طبری ج ۴/۵۱۔

پیغمبر خداؐ کی وفات

تر کوا رسول اللہ کما ھو..... و اسرعوا الی السقیفة

انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو زمین پر
چھوڑ کر خلیفہ منتخب کرنے کیلئے خود سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے۔

مؤرخین

رسول خداؐ کی رحلت اور حضرت عمر کا اس سے انکار

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوموار کی ظہر کو اس دنیا سے رحلت فرمائی، اس وقت عمر مدینہ میں[1] تھے اور ابوبکر ''سنح'' میں اپنے ذاتی گھر[2] پر تھے۔

عائشہ کہتی ہیں: ''عمر اور مغیرۃ بن شعبہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمرے میں داخل ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ڈالے گئے کپڑے کو اٹھا کر کنارے رکھدیا، عمر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور چیخ کر کہا'' آہ! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! انتہائی بیہوشی کے عالم میں پڑے ہیں!'' اس کے بعد اٹھے اور

۱۔ سیرۂ ابن ہشام ج ۴ ص ۳۳۳۱۔۳۳۴ اور تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۲)

۲۔ ابوبکر کا گھر سنح میں تھا، سنح مدینہ کے مشرق میں ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھا، انصار کے بنی حارث بھی وہیں سکونت کرتے تھے۔

کمرہ سے باہر چلے گئے۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے مغیرہ نے حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''اے عمر! خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ہے''

عمر نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز مرے نہیں ہیں، لیکن تم ایک فتنہ گر ہو اس لئے ایسا کہتے ہو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہیں مریں گے جب تک کہ منافقین کو نابود نہ کر کے رکھ دیں[۱] عمر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کا ذکر کرتا تھا اسے قتل کرنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہتے تھے:

> ''لوگوں میں سے بعض منافقین گمان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں مرے ہیں بلکہ موسیٰ بن عمران کی طرح جو چالیس دن تک لوگوں سے غائب ہو کر پھر واپس لوٹے تھے اور لوگوں نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ وہ مر گئے ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے خدا کے ہاں چلے گئے ہیں اور خدا کی قسم وہ واپس لوٹیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر رکھ دوں گا جو یہ کہتے ہیں کہ آپؐ وفات کر گئے ہیں[۲]

۱۔ یہ عبارت ابن سعد کی طبقات ج ۲ رق ۲/ ۱۵۴ سے نقل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ متقی کنزل العمال ج ۴/ ۵۰، ذہبی نے اپنی تاریخ میں ج ۱/ ۳۷، ذینی دحلان نے حاشیۃ الحلبیہ ج ۳/ ۳۸۹ میں، نہایۃ الارب ج ۱۸، ۳۹۹، مسند احمد ج ۶/ ۲۱۹ میں اس کو درج کیا ہے۔

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۹۵، طبری ج ۲/ ۴۴۲، ابن کثیر البدایہ والنہایۃ ج ۵، ۲۴۴، تاریخ الخمیس ج ۲/ ۱۸۵ اور تیسیر الوصول ج ۲/ ۴۱۔

اس کے بعد بولے: جو بھی یہ کہے کہ آپ نے وفات پائی ہے، میں اس تلوار سے اس کا سر قلم کر کے رکھدونگا[۱] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف گئے ہیں[۲] اس وقت ابن ام مکتوم[۳] نے مسجد النبیؐ میں حضرت عمر کیلئے اس آیت کی تلاوت کی:

''اور محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم الٹے پیروں پلٹ جاؤ گے جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کا کوئی نقصان نہیں کرے گا خدا تو عنقریب شکر گزاروں کو ان کی جزا دے گا..[۴]

پیغمبر خداؐ کے چچا عباس نے بھی کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعی طور پر فوت ہو چکے ہیں اور میں نے ان کے چہرے پر وہی علائم و آثار مشاہدہ کئے ہیں جو فرزند عبدالمطلب کے چہروں پر موت کے وقت نمودار ہوتے ہیں'' [۵]

۱۔ تاریخ ابوالفداء ج ۱۶۴/۱، تاریخ ابن شحنہ کے حاشیہ الکامل ۱۱۲، سیرۂ زینی دحلان، ج ۳۹۰/۳ میں لکھا گیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا: '' جو بھی یہ کہے کہ محمد مرگئے ہیں میں اسپر تلوار چلاؤں گا'' اور اس کتاب کے صفحہ ۳۸۷ میں لکھتا ہے کہ: عمر ابن خطاب نے اپنی تلوار کو باہر کھینچ لیا اور جو بھی یہ کہتا تھا محمد فوت ہوئے ہیں اسے دھمکی دیتے تھے، اور صفحہ ۳۸۸ میں یوں آیا ہے: عمر نے تلوار کے دستہ کو ہاتھ میں پکڑ لیا اور کہا: میں کسی کی زبان سے یہ نہ سنوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرگئے ہیں ورنہ اس تلوار سے اس پر وار کرونگا۔

۲۔ جملہ ''آسمان پر چلا گیا ہے'' تاریخ ابوالفداء ج ۱۶۴/۱ سے نقل کیا گیا ہے

۳۔ ابن ام مکتوم کا نام عمر بن قیس تھا وہ اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھے، اس کی زندگی کے حالات اس کتاب کے آخر میں بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۲/ق ۵۷، کنز العمال ج ۵۳/۴ حدیث نمبر ۱۰۹۲ اور تاریخ ابن کثیر ج ۲۴۳/۵ ملاحظہ ہو نص آیت ﴿و ما محمّد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل...﴾ آل عمران/۱۴۴

۵۔ ملاحظہ ہو تمہید باقلانی ص ۱۹۲۔۱۹۳

لیکن عمر اپنے کام سے باز نہ آئے ،عباس ابن عبدالمطلب نے لوگوں سے پوچھا،'' کیاتم میں سے کسی کو یاد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی موت کے بارے میں کچھ فرمایا ہے؟ اگر اس سلسلے میں کوئی حدیث سنی ہو تو ہمارے لئے بیان کرو''

سب نے کہا: ''نہیں'' عباس نے عمر سے پوچھا،'' کیاتم نے اس سلسلے میں پیغمبر خداؐ سے کچھ سنا ہے؟

عمر نے کہا: ''نہیں''

اس وقت عباس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: اے لوگو! آگاہ رہو کہ ایک شخص نے بھی گواہی نہیں دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی موت کے بارے میں اس سے کچھ فرمایا ہو[1] خدائے وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کا جام نوش کیا ہے لیکن عمر بدستور گرجتے ہوئے دھمکیاں دیتے رہے۔

عباس نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا: بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر لوگوں کی طرح حوادث وآفات کا شکار ہو سکتے ہیں اور آپ وفات پاچکے ہیں لہذا ان کے بدن کو تاخیر کے بغیر سپرد خاک کرو کیا خداوند عالم نے تم لوگوں کو ایک بار موت سے دوچار کرتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو بار؟ آپ خدا کے یہاں اس سے زیادہ محترم ہیں کہ خدا انھیں دوبار موت کا شربت

۱۔طبقات ابن سعد ج ۲ رق ۲ر ۵۷ ،تاریخ ابن کثیر ج ۲۴۳/۵ ،سیرہ حلبیہ ج ۳۹۰/۳۔۳۹۱ اور کنزل العمال ج ۵۳/۴ حدیث نمبر ۱۰۹۲،

پلائے۔ اگر تیری بات صحیح ہوتو، پھر بھی خدا کیلئے یہ امر مشکل نہیں ہے کہ آپ کے بدن سے مٹی ہٹا کر آپ ؐ کو مٹی کے نیچے سے باہر لائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تب تک رحلت نہیں کی ہے جب تک آپ ؐ نے لوگوں کیلئے سعادت ونجات کی راہ ھموار نہ کردی[1] لیکن عمر اپنی بات کو اس قدر دہراتے رہے کہ اس کے ہونٹوں پر جھاگ پھیل گئی[2]

اس کے بعد سالم بن عبید[3] ابو بکر کو آگاہ کرنے کیلئے سُنخ کی طرف روانہ ہوئے[4] اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر انھیں پہنچا دی[5] ابو بکر مدینہ آئے اور دیکھا کہ عمر کھڑے ہوکر لوگوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں[6] اور کہتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں آپ نہیں مرے ہیں! وہ پھر آئیں گے تاکہ ان لوگوں کے ہاتھ کاٹ دیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ مرگئے ہیں، آپ ایسے لوگوں کے سر قلم کریں گے، اور انھیں دار پر چڑھا دیں گے[7] عمر نے جب دیکھا کہ ابو بکر آرہے ہیں تو خاموش ہوکر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے[8]

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ رق ۲ / ۵۳، کنزل العمال ج ۴ / ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۰ اور حاشیہ الحلبیہ ج ۳ / ۳۹، میں طہران سے خلاصہ کے طور پر، تاریخ الخمیس ج ۲ / ۱۸۵، وص ۱۹۲ خلاصہ کے طور پر

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۲. ق ۲ / ۵۳، کنزل العمال ج ۴ / ۵۳، تاریخ خمیس ج ۲ / ۱۸۵، السیرۃ الحلبیۃ ج ۳ / ۳۹۲۔

۳۔ بعض نے کہا ہے: عائشہ نے کسی کو بھیجا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے ان کو باخبر کیا،

۴۔ سالم اصحاب اور مسجد النبی میں اہل صفہ میں سے تھا

۵۔ تاریخ ابن کثیر ج ۲۴۲.۵ اور حاشیۃ الحلبیہ از زینی خلدون ج ۳ / ۳۹۰۔۳۹۱

۶۔ طبری ج ۲ / ۴۴۳، ابن کثیر ج ۳۱۹/۵، وابن ابی الحدید، ج ۱ / ۶۰۔

۷۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن آپ ؐ کی موت پر شک کرنا عمر ابن خطاب کی خصوصیات میں سے ہے، کیونکہ مؤرخین نے ان کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا ہے جس نے وفات پیغمبر پر شک کیا ہو۔

۸۔ کنز العمال ج ۴ / ۵۳ حدیث نمبر ۱۰۹۲۔

ابوبکر نے خداوند عالم کی حمد وثنا کی اور کہا:

خدا کی عبادت کرنے والے جان لیں کہ خدا ہمیشہ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا،

جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوجا کرتے ہیں وہ جان لیں کہ محمدؐ رحلت کر گئے ہیں،

اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کی: ﴿و ما محمّد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل ...﴾[۱]

(وہی آیت جس کی ان سے پہلے ابن ام مکتوم نے عمر کیلئے تلاوت کی تھی)، عمر نے سوال کیا:

جو تم نے پڑھا، کیا وہ قرآن کی آیت ہے؟!

ابوبکر نے جواب میں کہا: جی ہاں[۲]

عمر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کے بارے میں اپنی رائے کو نہ مغیرہ کی باتوں سے، نہ عمر ابن قیس کی قرآنی آیت کی تلاوت سے اور ان کے واضح طور پر رسول اللہ کی موت کی خبر دینے سے اور نہ پیغمبر خداؐ کے چچا عباس کی وضاحت طلبی اور استدلال سے اور نہ کسی دوسرے کے استدلال سے بدلا: ان سب کا کوئی احترام نہ کیا اور نہ ان کی باتوں کی قدر کی، جب ابوبکر آکر بولے تو انھیں اطمینان ہوا اور خاموش ہوئے، بعد میں وہ خود اس قضیہ کے بارے میں حسب ذیل نقل کرتے تھے۔

''خدا کی قسم! جوں ہی میں نے سنا کہ ابوبکر اسی آیت کی تلاوت کر رہے ہیں تو میرے گھٹنے اس قدر سست پڑے کہ میں زمین پر گر گیا اور پھر سے اٹھنے کی ہمت نہ

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ر ق ۲. ۵۴، تاریخ طبری ج ۲ ر ۴۴۲. تاریخ ابن کثیر ج ۵ر ۲۱۹، اور سیرہ حلبیہ ج ۳ ر ۳۹۲

۲۔ عمر کا یہ سوال کہ کیا یہ کتاب خدا ہے اور ابوبکر کا جواب طبقات ابن سعد سے نقل کیا گیا ہے۔

پڑی اور مجھے یقین ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کر گئے ہیں [۱] وفات پیغمبرؐ سے عمر کیوں انکار کرتے تھے؟

کیا عمر حقیقت میں پیغمبر خداؐ کے ساتھ محبت کی شدت اور لگاؤ کی وجہ سے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھو دینے کے سبب غم واندوہ کے مارے تلوار کھینچ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کی تائید کرنے والے مسلمانوں کو دھمکاتے تھے؟

کیا بعض مؤرخین کا یہ لکھنا درست اور صحیح ہے کہ عمر اس دن دیوانے ہو گئے تھے [۲] لیکن ایسا نہیں تھا، ہم جانتے ہیں کہ مطلب اس کے علاوہ کچھ اور ہی تھا، ہمارے خیال میں ابن ابی الحدید نے حقیقت کو درک کر کے بیان کیا ہے:

''عمر نے جب سمجھ لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت کر گئے ہیں تو وہ اس امر پر ڈر گئے کہ امامت کے مسئلہ پر شورش اور بغاوت رونما ہو جائے گی اور انصار یا دیگر لوگ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے، لہذا انہوں نے اس میں مصلحت سمجھی لوگوں کو بہر صورت اور ہر ممکن طریقے سے خاموش اور مطمئن کر دیں۔ اس سلسلے میں جو کچھ انھوں نے کہا لوگوں کو شک وشبہ میں ڈال دیا، اس کا مقصد ابوبکر کے آنے تک کا احترام اور اس کا دین اور حکومت کا تحفظ تھا'' [۳]

۱۔ سیرہ ابن ہشام ۴/۳۳۴، و۳۳۵، تاریخ طبری ج ۲/۴۴۲، ۴۴۴، ابن کثیر ج ۵/۲۴۲، ابن اثیر، ج ۱۹/، ابن ابی الحدید ج ۱/۱۲۸، صفری الصفوہ ج ۱/۹۹/خلاصہ کے طور پر کنزل العمال ج ۴/۴۵ حدیث نمبر ۱۰۵۳۔

۲۔ سیرہ حلبیہ ج ۳/۳۶۲ اور حاشیہ سیرہ ج ۳/۳۱۹۔

۳۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱/۱۲۹۔

ہماری نظر میں ابن ابی الحدید کا یہ کہنا کہ عمر امامت کے عہدہ پر انصار یا دوسروں کے غلبہ سے سے ڈرتے تھے، صحیح ہے، کیونکہ دوسروں کے زمرہ میں حضرت علی علیہ السلام تھے اور عمر کو خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خلافت کا قرعہ فال حضرت علی علیہ السلام کے نام کھل جائے کیونکہ اس زمانے میں خلافت کے امیدوار تین افرد سے زیادہ نہیں تھے۔

پہلے علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھے کہ تمام بنی ہاشم ان کے طرفدار اور حامی تھے اور ابوسفیان بھی ان کا نام لیتا تھا اور زبیر ان کے حق میں تبلیغ کرتے تھے اور اسی طرح خالد بن سعید اموی، براء ابن عازب انصاری، سلمان، ابوذر، مقداد اور دیگر بزرگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے سب علی علیہ السلام کی حمایت کرتے تھے[1]

دوسرا سعد ابن عبادہ انصاری تھے جو انصار کے قبیلہ خزرج کا امیدوار تھے،

تیسرے ابوبکر تھے جس کی حمایت عمر، ابوعبیدہ، مغیرہ بن شعبہ اور عبدالرحمان بن عوف،[2] کرتے تھے۔

لیکن سعد بن عبادہ خلافت کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتے تھے، کیونکہ انصار میں سے قبیلہ اوس اس کا مخالف تھا اور مہاجر میں سے بھی کوئی ان کی بیعت کرنے کو آمادہ نہیں تھا۔ لہذا اگر ابوبکر کے حامی گروہ علی علیہ السلام کے خلاف بلا تاخیر بغاوت نہ کرتے، اور پیغمبر کی تجہیز وتکفین سے پہلے ہی قدم نہ اٹھاتے تو خلافت کا کام علی علیہ السلام کے حق میں تمام ہو چکا ہوتا، اگر علی علیہ السلام کو اس امر کی مہلت

دی جاتی کہ پیغمبر خدا کی تجہیز و تکفین کے کام کو اختتام تک پہنچا کر اس مجمع میں حاضر ہوتے تو مہاجرین، انصار اور تمام بنی ہاشم اور آل عبد مناف کے بعض افراد جو خلافت کو علی علیہ السلام کا مسلّم حق جانتے تھے (کے ہوتے ہوئے ہرگز ابوبکر اپنے مقصد واور دیرینہ تمنا کو نہیں پہنچتے) حقیقت میں انہیں حالات کے پیش نظر عمر کے دل میں وہ خوف واضطراب پیدا ہوا تھا اور اس طرح کی اشتعال انگیزی کر رہے تھے، علماء اور دانشور بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ عمر کی تمام کوششیں اور کارکردگیاں اسی کا پیش خیمہ تھیں، خواہ رسول اللہ کی وفات کے بعد کہ آپ کی موت کا انکار کرنا خواہ رسول اللہ کی زندگی کے آخری لمحات میں جب آپ وصیت لکھنا چاہتے تھے قلم واور دوات دینے سے منع کرنا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور آنحضرت کی مفارقت کا غم اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ بغیر غسل وکفن مصیبت زدہ خاندان رسالت میں چھوڑ کر ابوبکر کیلئے بیعت لینے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار کے ساتھ جنگ وجدال کریں؟!

سقیفہ کی جانب

جب عمر وابوبکر کو یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ میں جمع ہوئے ہیں (اور یہ خبر ان کو اس وقت ملی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ آپ کے گھر پر تھا اور تجہیز و تکفین کا کام ابھی اختتام کو نہیں پہنچا تھا)[1]

۱۔ سیرہ ابن ہشام، ج ۴/ ۳۳۶، ریاض النضرہ، ج ۱۶۳/۱، تاریخ الخمیس، ج ۱۸۶/۱، السقیفہ تالیف ابوبکر جوہری اور ابن ابی الحدید، ج ۶/۱)

عمر نے ابوبکر سے کہا: آجاؤ! ذرا اپنے بھائی (انصار) کے پاس چلے جاتے ہیں اور دیکھ لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

طبری کی روایت میں آیا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نہایت انہماک اور لگن کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے کہ یہ دونوں بڑی سرعت سے انصار کی طرف چلے گئے، راستے میں ابوعبیدہ جراح کو دیکھا اور تینوں ایک ساتھ ہو گئے۔[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی حالت میں رکھ کر دروازے کو ان پر بند کر کے[۲] سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے[۳]

انصار کا گروہ خلافت کے موضوع پر مشورت اور گفتگو کرنے کیلئے پہلے ہی سقیفہ میں جمع ہوا تھا، مہاجرین کے چند افراد بھی ان سے جا ملے، اس طرح پیغمبر کے رشتہ داروں اور اعزہ کے علاوہ کوئی آپ کی تجہیز و تکفین کیلئے باقی نہ بچا تھا، صرف یہی لوگ تھے جنہوں نے آپ کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری لی تھی[۴]

۱۔ تاریخ طبری ج ۲/۴۵۶ اور الریاض النضرۃ نے بھی ان تین افراد کے باہم سقیفہ جانے کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ یہ جملہ ''دروازہ کو ان پر بند کر دیا'' البداء والتاریخ ج ۱۶۵/۵ میں ہے اور سیرہ ابن ہشام ج ۳۳۶/۴ میں یوں آیا ہے: ''وقد اغلق دونہ الباب اھلہ'' تاریخ الخمیس ج ۱۸۶/۱ اور الریاض النضرۃ ج ۱۶۳/۱ میں بھی ایسا ہی آیا ہے

۳۔ جملہ: سقیفہ کی طرف دوڑ پڑے'' کو البداء والتاریخ سے نقل کیا گیا ہے۔

۴۔ مسند احمد ج ۱۰۴/۴۔۱۰۵ تفصیل سے مسند ابن عباس میں نقل کیا ہے اور ابن کثیر ج ۲۶۰/۵ اور صفوۃ الصفوۃ ج ۵/۱، تاریخ الخمیس ج ۱۸۹/۱، طبری ج ۴۵۱/۲، اور ابن شحنہ نے حاشیہ کامل کے ص ۱۰۰ خلاصہ کے طور پر، ابوالفداء ج ۱۵۲/۱، اسد الغابہ ج ۳۲/۱ میں الفاظ میں تھوڑا کچھ اختلاف کے ساتھ، العقد الفرید ج ۶۱/۳، تاریخ الذھبی ج ۳۲۱/۱، طبقات ابن سعد ج ۲/ق ۷۰/۲، تاریخ یعقوبی ج ۹۴/۲، البداء والتاریخ ج ۶۸/۵، التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۲۲۴ اور نہایۃ الارب ج ۳۸۹/۱۸۔۳۹۱۔ ان تمام مؤرخین نے صراحت سے کہا ہے کہ صرف خاندان رسالت نے تجہیز و تکفین کا کام انجام دیا، جو عبارت انھوں نے نقل کی ہے وہ عبارت مسند ابن احمد سے لی گئی ہے۔

ابوذویب ھذلی ۵۔۔ جواس دن مدینہ پہنچا تھا۔۔۔کہتا ہے:

''جس وقت میں مدینہ پہنچا، میں نے شہر کو نالہ وزاری کی اس حالت میں دیکھا جب لوگ حج کیلئے احرام باندھتے ہیں، میں نے پوچھا، کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: پیغمبر رحلت فرما گئے ہیں، میں مسجد کی طرف دوڑا لیکن مسجد کو خالی پایا اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی طرف دوڑا، لیکن وہاں پر دروازہ کو بند پایا، میں نے سنا کہ اصحاب رسول نے جنازہ کو خاندان رسالت میں تنہا چھوڑا ہے، میں نے سوال کیا؛ لوگ کہاں ہیں؟ جواب دیا گیا: وہ سقیفہ میں انصار کے پاس چلے گئے ہیں ۶۔

جی ہاں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کا کام انجام دینے کیلئے خاندانِ رسالت کے علاوہ کوئی اور نہ رہا تھا، یہ لوگ یہ ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا، عباس بن عبدالمطلب، علی ابن ابیطالب علیہ السلام، فضل بن عباس، اسامہ بن حارثہ اور اس کا غلام صالح، علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کے جسم سے کرتا اتارا، جسم نازنین کو اپنے سینے سے لگا لیا، عباس، فضل اور قشم بدن کے کروٹ بدلنے میں علی علیہ السلام کی مدد کرتے تھے، اسامہ اور صالح پانی ڈالتے تھے اور علی علیہ السلام پیغمبرؐ کے بدن مبارک کو غسل دیتے تھے، اوس بن خولی انصاری بھی ان کے پاس آیا لیکن کوئی کام انجام نہیں دیا۔

۵۔ ابوذویب بادیہ میں رہتا تھا جب اس نے سنا کہ پیغمبرؐ بیمار ہوئے ہیں تو مدینہ آیا، اس کی زندگی کے حالت آئندہ بیان ہوں گے۔

۶۔ سقیفہ کے بارے میں ابوذوب کا بیان کتاب استیعاب ج ۲/ص ۲۴ او اسد الغابہ ج ۱۸۸/۵ اس نقل کیا ہے، اور اصابہ میں ج ۳۸۸/۴ میں بھی ذکر آیا ہے۔

پیغمبر خداؐ کی تدفین سے پہلے خلافت کے امیدوار

یاعلیّ امدد یدک ابایعک یبایعک الناس

اے علی ! اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں آپ کی بیعت کروں اور سب لوگ تیری بیعت کریں۔

پیغمبر اکرم کے چچا، عباس

فابیٰ ان یمد یدہ للبیعة و الرسول مسجیٰ بین ایدیھم

علی علیہ السلام نے اس حالت میں بیعت قبول کرنے سے انکار کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ ان کے سامنے زمین پر پڑا ہو...

مؤرخین

خلافت کا پہلا امیدوار

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار اور اصحاب، رسول اللہ ؐ کی تجہیز و تکفین کو اختتام تک پہنچانے سے پہلے ہی خلافت کیلئے بیعت لینے کی تلاش میں لگ گئے، یہ تین گروہ تھے اور ہر گروہ

اپنے سردار کو خلافت کیلئے امیدوار کے عنوان سے پیش کرتا تھا۔ پہلے امیدوار علی ابیطالب علیہ السلام تھے۔

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ عباس نے علی علیہ السلام سے کہا:

''اپنے ہاتھ کو بڑھایئے میں بیعت کروں گا تا کہ اور لوگ بھی آپؑ کی بیعت کریں''۔[۱]

مسعودی کی روایت میں یوں آیا ہے:

''اے میرے چچیرے بھائی: آیئے میں آپ کی بیعت کروں گا تا کہ دو آدمی بھی آپ کی بیعت کی مخالفت نہ کرسکیں''۔[۲]

ذہبی اور دوسروں کی روایت میں یوں آیا ہے:

اپنے ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کی بیعت کروں گا اور لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کے چچا نے پیغمبرؐ کے چچیرے بھائی کی بیعت کی ہے اس وقت آپ کے خاندان کے سب لوگ آپ کی بیعت کریں گے اور بیعت کا کام ایسے انجام پائے گا اور کوئی اس میں رخنہ نہیں ڈال سکے گا۔[۳]

جوہری کی روایت میں آیا ہے کہ بعد میں عباس، علی علیہ السلام کی سرزنش کرتے ہوئے کہتے تھے:

''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو ابوسفیان بن حرب اسی وقت ہمارے پاس آیا اور کہا ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔ میں نے تجھ سے کہا

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۳۸/۲

۲۔ مسعودی کی مروج الذہب ج ۲۰۰/۲، تاریخ ذہبی ج ۳۲۹/۱، ضحیٰ الاسلام ج ۲۹۱/۳ اور الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ج ۴/۱۔

۳۔ تاریخ السلام ج ۳۲۹/۱

اپنے ہاتھ کو بڑھاؤ تا کہ میں تیری بیعت کروں اور یہ شیخ (قبیلہ کا سرداد) بھی بیعت کرے گا۔ یقیناً اگر ہم دو آدمی آپ کی بیعت کرلیں گے تو عبد مناف کی اولاد میں سے ایک آدمی بھی مخالفت نہیں کرے گا اور جب بنی عبد مناف آپ کی بیعت کرلیں گے تو قریش سے کوئی مخالفت نہیں کرے گا اور جب قریش آپ کی بیعت کرلیں گے تو عربوں میں سے ایک شخص بھی آپ کی مخالفت نہیں کرے گا۔

تو آپ نے جواب میں کہا: ہم اس وقت رسول اللہ کے جنازہ کی تجہیز میں مصروف ہیں''[۱]

طبری کی روایت میں یوں آیا ہے:

''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد چاہا تھا کہ آپ اس کام میں عجلت کریں لیکن آپ نے اس سے پرہیز کیا....''[۲]

عباس اور ابوسفیان کے علاوہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے چند دیگر افراد بھی علی علیہ السلام کے حق میں کام کرتے تھے اور اس کی بیعت کے حامی تھے لیکن علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کی تجہیز کے سبب خلافت کی فکر کو ذھن سے نکال دیا تھا اور وہ راضی نہیں ہوئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ گھر میں چھوڑ کر خود اپنی بیعت کے پیچھے پڑیں، اسی وجہ سے عباس بعد میں ان کی ملامت کرتے تھے کہ کیوں انہوں نے اپنے لئے بیعت لینے سے انکار کیا، حقیقت میں نہ عباس کا نظریہ صحیح تھا اور نہ انکی سرزنش بجا تھی! کیونکہ

۱۔ جوہری کی روایت کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۱/۱۳۱ میں کتاب سقیفہ سے نقل کیا ہے اور ۵۴ پر بھی خلاصہ کے طور پر درج کیا ہے اور ج ۹ میں خطبۂ ومن کلام لہ خاطب بہ اھل البصرہ کی شرح میں اور ج ۱۱ میں بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ طبری ج ۳/۲۹۴، العقد الفرید ج ۳/۷

اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچیرے بھائی کو ولایت پر معین فرمایا تھا (چنانچہ بعض مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے) تو بیعت کرنے یا نہ کرنے سے علی علیہ السلام کے حق میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی۔

اگر مسلمان پیغمبرؐ کی مرضی کو پورا کرنا چاہتے تو آپ پر ھذیان بکنے کی تہمت نہیں لگاتے.. فرض کریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت اور پیروؤں کے اس کام میں لا پروائی اور غفلت کی ہے (جیسا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہی عقیدہ ہے) تو عباس کو یہ حق نہیں تھا کہ اس تدبیر سے انتخاب کے حق کو دوسروں سے چھین لیں۔ بہر حال اگر علیؑ اس دن اپنے چچا کی نصیحت کو مانتے، تو ابوبکر کی بیعت کو غلط کہنے[۱] والے علی علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی اظہار نظر کرتے، اس وقت مخالفین ایک ایسی جنگ کی آگ کو بھڑکاتے جو برسوں تک نہ بجھ پاجاتی، کیونکہ وہ ایسے افراد تھے جو ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت وخلافت دونوں کا افتخار بنی ہاشم کو ملے۔

ابن عباس نے روایت کی ہے:

''حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ محمدؐ کے بعد کس چیز نے لوگوں کو آپ سے دور کیا، میں نے جواب میں کہا: اگر نہیں جانتا ہوں تو امیر المؤمنین مجھے آگاہ کریں گے، کہا: وہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت اور خلافت آپ میں جمع ہوجائے اور اس پر فخر ومباہات کریں''[۲]

ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے سینوں میں کس حد تک کینہ کی آگ تھی کہ (غدیر اور

۱۔ ہم ابوبکر کی بیعت کے بارے میں عمر کے نظریہ کو بعد میں لکھیں گے جس میں عمر نے ابوبکر کی بیعت کو لغزش سے تعبیر کیا ہے)

۲۔ اس روایت کے باقی حصہ کو طبری سے اس وقت بیان کریں گے جب ابوبکر کی بیعت کے بارے میں ابن عباس کا نظریہ پیش کریں گے۔

دوسری جگہوں پر) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقرار اور یاددہانی بھی اس آگ کو بجھانہ سکی بلکہ اس کو کچھ اور ہی ہوا دے دی، اس لحاظ سے علی علیہ السلام اپنے امور اپنے چچا عباس سے دور اندیش تر اور آپ کی نظر عمیق تر تھی، اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام ہرگز حاضر نہ تھے کہ ان کی بیعت گھر میں مخفیانہ طور پر کی جائے اور لوگوں کو اس کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی فرصت مل جائے جیسا کہ آپ نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد بھی ایسی بیعت سے انکار کیا تھا[1]

ان سب چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، کیا علی علیہ السلام (جو پیغمبر خدا کی نظروں میں برگزیدہ ترین شخصیت تھے) کیلئے سزاوار تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت گزشتہ فداکاریوں اور عشق ومحبت کے باوجود آپ کے جنازہ کو دوسروں کی طرح بے غسل وکفن چھوڑ کر اپنی بیعت لینے کیلئے دوڑ پڑیں؟!! علی علیہ السلام کے پاک ضمیر اور پیغمبرؐ کے عشق ومحبت سے لبریز دل سے کبھی اس چیز کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

خلافت کا دوسرا امیدوار

انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر کہا: ہم اس کام کی باگ وڈور کو محمد کے بعد سعد بن عبادہ کے ہاتھ سونپتے ہیں اور سعد کو بیمار حالت میں سقیفہ لے آئے....

سعد نے خدا کی حمد وثنا کے بعد دین اسلام کی نصرت میں انصار کی پیش قدمی اور اسلام میں ان کی برتری کی طرف اشارہ کیا، اس کے علاوہ انصار کے بارے میں پیغمبر خدا اور آپؐ کے اصحاب کا

احترام ان کے جہاد میں حصہ لینے اور عربوں کو صحیح راستے پر لانے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سے راضی حالت میں دنیا سے رخصت ہونے تک بیان کیا، اس کے بعد کہا:

اس کا راہ حل آپ لوگوں کو تلاش کرنا چاہئے نہ دوسروں کو، سب نے ایک زبان ہوکر جواب دیا: آپ کے خیال کی ہم تائید کرتے ہیں اور آپ کی بات صحیح ہے، ہم آپ کی رائے کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے اور ان امور کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں دیدیں گے، اس کے بعد گفتگو اور کچھ مذاکرات ہوئے۔

گفتگو کے آخر میں انہوں نے پوچھا: اگر قریش کے مہاجرین نے اسے قبول نہیں کیا اس خیال میں کہ ہم مہاجر، رسول خداؐ کے اصحاب اور ان کے دوست اور رشتہ دار ہیں لہذا ان کے بعد اس امر میں اختلاف مناسب نہیں ہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

بعض لوگوں نے کہا: اگر ایسا اعتراض ہو تو ہم جواب میں لکھیں گے: ایک امیر آپ میں سے اور ایک امیر ہم میں سے چنا جائے۔

سعد بن عبادہ نے کہا: یہ بذات خود ہماری پہلی شکست ہوگی[۱]

تیسرا امیدوار، یا کامیاب امیدوار

سقیفہ میں انصار کے جمع ہونے اور ان کی گفتگو کی خبر ابوبکر اور عمر کو پہنچی، تو دونوں ابوعبیدہ جراح

۱۔ تاریخ طبری ج ۳/۲۴۵ میں ضمن حوادث ۱۱ھ، تاریخ ابن اثیر ج ۲/۲۲۲، الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبۃ ج ۱/۵، جوہری سقیفہ میں ابن ابی الحدید سے روایت کرکے ج ۶. میں شرح خطبہ وعن کلام لہ فی معنی الانصار ہیں۔

کہ ہمراہ بغیر کسی تاخیر کے سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

انصار کے بنی عجلان طائفہ سے اسید بن حضیر[۱]، عویم بن ساعدہ، عاصم بن عدی، مغیرہ بن شعبہ و عبدالرحمان بن عوف بھی ان سے جا ملے۔

ان لوگوں نے خصوصی طور پر اس دن ابوبکر کی بیعت کیلئے انتہائی تگ و دو کی اور قابل ذکر خدمات انجام دئے، لہذا دونوں ہی خلیفہ ابوبکر اور عمر ہر وقت ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا خیال رکھتے تھے۔

ابوبکر انصار میں سے کسی ایک کو بھی اسید بن حضیر پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور عمر اسے اپنا بھائی کہتے تھے اور اس کے مرنے کے بعد یہ کہتے تھے کہ وہ میرا حق شناس تھا۔

عویم جب مر گیا تو عمر نے اس کی قبر پر بیٹھ کر کہا: روئے زمین پر کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس صاحب قبر سے بہتر ہوں''

ابوعبیدہ کو مشرقی روم کے پادشاہ سے لڑنے کیلئے بھیجا گیا نیز اسے لشکر کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ عمر نے جس وقت اپنا خلیفہ اور جانشین معین کر رہے تھے تو اس کی موت پر افسوس کر رہے تھے کیونکہ اسے اپنے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن وہ تو عمواس نامی طاعون ہی میں فوت کر چکا تھا۔

دوسرے خلیفہ نے مغیرہ بن شعبہ کیلئے کافی تگ و دو کی تھی نیز اس پر زنا کی حد جاری نہیں ہونے دیا۔

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۳۳۵/۴

اور اس کا نام ہمیشہ گورنروں کی فہرست میں ہوا کرتا تھا عمر نے عبدالرحمان بن عوف کا احترام کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور اپنے مرنے کے بعد تعیین خلافت کی کنجی اس کے حوالہ کر دی۔

یہ وہ بزرگ شخصتیں تھیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو آپ کے خاندان والوں میں چھوڑ کو خود سقیفہ کی طرف دوڑ پڑیں اور انصار سے حکومت اور فرمانروائی کے مسئلہ پر برسر پیکار ہو گئے اور حضرت ابوبکر کے طرفدار ہوکر اس کی بیعت کی، اس طرح سے ابوبکر نے خلافت کی گیند میدان خلافت میں دوسرے امیدواروں سے چھین لی۔

آیندہ فصول میں انشاءاللہ اسکی تفصیلات آئیگی.

سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت

لا نبایع الا علیاً

ہم علی علیہ السلام کے سوااور کسی کی بیعت نہیں کریں گے

انصار کاایک گروہ

سقیفہ میں خلافت پر ہنگامہ

ہم کہہ چکے ہیں کہ رسول خداؐ کے اکابر اصحاب آپ کے جنازہ کو چھوڑ کر سقیفہ میں چلے گئے تاکہ آپ کا کسی کو جانشین معین کریں اوراس سلسلے میں ہر گروہ نے اپنی رای کا ظہار کیااور ہر کوئی کسی نہ کسی کو امیدوار کی حیثیت سے خلفہ نامزد کرتا اوراس کی حمایت کا اعلان کرتا تھا بات کچھ اتنی آگے بڑھی کہ نزاع اور کشمکش کی حد تک پہنچ گئی، ان میں سے کچھ لوگ ابوبکر کی حمایت کرتے تھے کہ جن میں سرفہرست عمر تھے وہ لوگوں کوابوبکر کی بیعت کرنے کیلئے ترغیب دلاتے اوراس کے مخالفوں کودھمکیاں دیتے تھے۔ اس وقت ابوبکر نے کھڑے ہوکر عمر کو خاموش کرایا۔ خدا کی حمد وثنا بجالائے اورمہاجرین کے افتخارات اور کارگردیوں کو بیان کرنے کے بعد کہا؛ لوگو! مہاجرین وہ افراد ہیں جنہوں نے روئے زمین پر سب سے پہلے خدا کی پرستش کی ہےاور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں وہ

پیغمبر کے دوست اور اعزّہ ہیں ۔ وہ پیغمبرؐ کے بعد خلافت کیلئے سزاوار تر ہیں اور افضل ہیں ۔ اس سلسلے میں ظالم کے سوا کوئی ان کی مخالفت اور ان سے جھگڑا نہیں کرے گا۔

اس کے بعد ابوبکر نے انصار کی فضیلت بھی بیان کی اور اپنی بات یوں جاری رکھی:

مہاجرین: جو اسلام میں سبقت حاصل کرنے کا افتخار رکھتے ہیں ۔۔ ہمارے پاس آپ کے مقام و منزلت کے برابر کوئی نہیں ہے، لہذا اس حساب سے ہم امیر ہیں اور آپ وزیر

حباب بن منذر اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا: ''اے انصار! حکومت کی باگ ڈور کو مضبوطی سے پکڑ لو تا کہ دوسرے آپ کی حکومت کے ماتحت زندگی گزاریں اور کسی کو آپ کی مخالفت کی جرأت نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپس میں اختلاف پیدا ہو ورنہ دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر آپ کی رائے کو بے کار کر دے گا اور آپ لوگوں کی شکست قطعی ہو جائے گی ۔ یہ لوگ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے جو تم نے سنا ہم اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کریں گے اور وہ بھی اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کرلیں۔

عمر نے کہا: ایک خط پر دو پادشاہ حکومت نہیں کر سکتے ،خدا کی قسم عرب ہرگز اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ تم لوگ ان پر حکومت کرو جب کہ ان کا پیغمبر آپ لوگوں میں سے نہیں ہے، لیکن عربوں کیلئے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ حکومت ان کے ہاتھ میں ہے جن میں سے پیغمبر بھی ہیں۔

ہم اپنے اس دعویٰ کے بارے میں ایک واضح دلیل اور روشن مآخذ کے مالک ہیں ۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پادشاہی اور اس کی حکومت کی وراثت کے بارے میں ہم سے کون مقابلہ کرسکتا

ہے؟ چونکہ ہم ان کے دوست اور قبیلہ والے ہیں[۱]

مگر یہ کہ اپنے آپ کو کسی باطل راستہ پر لگادے یا خود کو کسی گناہ میں آلودہ کیا ہو، خود کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیا ہو۔

حباب بن منذر دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا: اے انصار! رک جاؤ اور اس شخص اور اس کے دوستوں کی باتوں پر کان نہ دھرو، یہ تم لوگوں کا حق تلف کریں گے اور اس کام میں آپ کو نقصان پہنچائیں گے، لہذا اگر انہوں نے آپ لوگوں کی تجویز کی مخالفت کی تو انھیں اس شہر سے جلا وطن کردو اور حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھوں میں لے لو خدا کی قسم اس کام کیلئے مستحق ترین افراد تم لوگ ہو، یہ وہ افراد ہیں جو ہرگز حاضر نہ تھے اس دین کو قبول کریں انہوں نے تمہاری تلواروں کے خوف سے ہتھیار ڈالے ہیں۔

میں تمہارے درمیان اس لکڑی کے مانند ہوں جو اونٹوں کے اصطبل میں رکھی جاتی ہے تاکہ کھجلی آنے پر اونٹ اپنے بدن کو اس کے ساتھ رگڑ لیں (یہ اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ مشکل اوقات میں میرے مشورہ کا سہارا لیں) اور اس مضبوط درخت کے مانند ہوں کہ طوفان کے حوادث

۱۔ جب علی علیہ السلام نے اس استدلال کو سنا تو فرمایا: انہون نے نبوت کے درخت سے استدالال کیا ہے جبکہ اس درخت کے میوہ کو بھول گئے (احتجوا بالشجرة و اضاعوا الثمرة) مہاجرین اس بنا پر خلافت کو اپنا حق جانتے تھے کہ وہ قریش میں سے ہیں اور پیغمبر کے رشتہ دار ہیں پیغمبر کے رشتہ دار نہیں تھے اس لئے ان کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے، علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا: آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کے ناطے اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں تو پھر کیوں ان لوگوں کو بھلائے بیٹھے ہو جو اس درخت کے میوے اور پیغمبر کے رشتہ دار ہیں۔

حوادث میں لوگ اس کے نیچے پناہ لیتے ہیں ۔ بڑے بڑے کاموں کے بارے میں مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور میری طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خدا کی قسم اگر چاہتے ہوتو ہم جنگ کے شعلوں کو پھر سے بھڑکا دیتے ۔ خدا کی قسم جو بھی ہماری تجویز کی مخالفت کرے گا میں اپنی تلوار سے اس کی ناک کاٹ کر اسے ذلیل خوار کردوں گا۔

عمر نے کہا: پھر تو خدا تجھے موت دے!

اس نے جواب میں کہا: خدا تجھے موت دے'' عمر نے اسے پکڑ کر اس کے پشت پر ایک لات ماری اور اس کے منہ کو مٹی سے بھر دیا[۱]

اس کے بعد ابوعبیدہ نے جھلاّتے ہوئے بولنا شروع کیا: اے انصار کی جماعت!'' تم پیغمبر خدا کے سب سے پہلے یار اور حامی تھے، اس وقت تم لوگ تبدیلی لانے والوں میں پہل نہ کرو!

اس اثناء میں، بشیر بن سعد خزرجی، (نعمان بن بشیر کا باپ جو خزرج کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا سعد بن عبادہ اور اسکے درمیان دیرینہ حسادت [۲] بھی تھی) اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا:

اے انصار کی جماعت!

خدا کی قسم اگر چہ ہم مشرکین سے جہاد کرنے اور ترویج دین میں طولانی سابقہ رکھنے

۱۔ جملہ ''اسے پکڑ کر....'' جوہری کی سقیفہ کی روایت میں ہے، ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدد ج ۶ / ۲۹۱

۲۔ جملہ سابقہ حسادت'' تا آ کر، کو جوہیر نے کتاب سقیفہ میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، ومن کلام لہ فی منی الانصار'' کی تشریح میں)

میں صاحب فضیلت ہیں، لیکن خدا کی خوشنودی، پیغمبر خدا کی فرمانبرداری اور اپنے لئے مشکلات برداشت کرنے کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں رکھتے تھے، لہذا شائستہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے غرور کے ساتھ پیش آئیں ہمارا مقصد دنیوی آبرو حاصل کرنا نہیں تھا اور یہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو ہمیں عطا ہوئی ہے، محمدؐ قریش کے خاندان سے ہیں اور آپ کے رشتہ دار آپ کے وارث اس کے زیادہ حقدار ہیں، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں خداوندا ہرگز ہمیں اس کام میں ان سے لڑتے ہوئے نہیں دیکھے گا، تم لوگ بھی خدا سے پناہ مانگو اور ان سے مخالفت اور جنگ نہ کرو۔

ابوبکر نے کہا: عمر اور ابو عبیدہ یہاں پر حاضر ہیں ان میں سے جس کی بھی چاہو، بیعت کرو۔

عمر اور ابو عبیدہ نے ایک زبان ہو کر کہا: خدا کی قسم آپ کے ہوتے ہوئے ہم ہرگز ایسا اقدام نہیں کریں گے[۱]

عبدالرحمان بن عوف نے اپنی جگہ سے اٹھ کر یوں کہا: اے انصار کی جماعت! اگر چہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ آپ لوگوں کی بہت فضیلت ہے، لیکن اس کے باوجود اس امر سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے کہ آپ لوگوں میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور علی علیہ السلام، کے مانند لوگ نہیں پائے جاتے۔

۱۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے اس گفتگو کا باقی حصہ اور اس پر اپنی تفسیر لکھنے سے اجتناب کیا ہے۔

منذر بن ارقم اٹھا اور راس کے جواب میں یوں بولا: ہم مذکورہ اشخاص کے فضل سے انکار نہیں کرتے خاص کر اگر ان تین اشخاص میں سے کوئی ایک فرد حکومت کی باگ ڈور سنبھالے تو ایک فرد بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا اس کا مقصود علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھا[۱]

اس وقت تمام انصار یا ان میں سے ایک جماعت نے بلند آواز میں کہا: ہم علی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔

طبری اور ابن اثیر نے نقل کیا ہے:[۲] جب عمر نے ابو بکر کی بیعت کی تو اس وقت انصار نے کہا: ہم علی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔

زبیر بن بکار کہتا ہے:[۳]

جب انصار کو خلافت نہ ملی تو انہوں نے کہا کہ: ہم علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے۔

حضرت ابو بکر کی بیعت میں ایک عجیب سیاست

عمر اس داستان کو نقل کرتے اس طرح کہتے ہیں: ''اس قدر شور مچا مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۱۰۳:

و ان فیھم رجلاً لو طلب ھذا الامر لم ینازعہ فیہ احد، یعنی علیّ ابن ابیطالب علیہ السلام)

۲۔ طبری ج ۲/ ۴۴۳، اور ابن اثیر ج ۲/ ۲۲۰،

۳۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ میں کتاب موفقیات سے یہ روایت نقل کی گئی ہے اور ج ۲/ ۱۲۲ میں بھی اس روایت کو نقل کیا ہے)

اختلاف پیدا نہ ہو، میں نے ابوبکر سے کہا: اپنے ہاتھ کو آگے بڑھائیے تا کہ آپ کی بیعت کروں![1]

ایک دوسری روایت میں عمر سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا:

''ہم ڈر گئے کہ اگر اس اجتماع میں بیعت نہ لی جائی تو لوگ منتشر ہو جائیں گے، اور ان سے بیعت لینے کا موقع ہاتھ نہیں آئے گا اور کسی اور کی بیعت ہو جائے گی اور اس وقت ہم مجبور ہو جائیں گے کہ اپنی مرضی کے خلاف کسی اور کی بیعت کریں یا اس کی مخالفت کریں اور ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو جائے۔

عمر اور ابوعبیدہ بیعت کرنے کے ارادہ سے ابوبکر نے آگے بڑھے لیکن اس پہلے کہ ان کے ہاتھ ابوبکر کے ہاتھ تک پہنچ جائیں بشیر بن سعد نے ان پر سبقت لے لی اور آگے بڑھ کر ابوبکر کی بیعت کر لی۔

حباب بن منذر نے چلا کر کہا: اے بشیر بن سعد! اے بدبخت! تم نے قطع رحم کیا، تم نہیں دیکھ سکے کہ تیرا چچیرا بھائی حاکم مقرر ہو؟

بشیر نے کہا: ''خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایک ایسی جماعت سے بر سر پیکار ہو جاؤں جن کیلئے خداوند عالم نے ایک حق قرار دیا ہے''

قبیلۂ اوس کے بعض بزرگوں نے جن میں اسیر بن حضیر بھی شامل تھا جب بشیر کو ابوبکر کی

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۶/۴ ۲۲۳ اور تمام موخین جنہوں نے بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ کی روایت کو نقل کیا ہے اس جملہ کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ تاریخ ابن اثیر ج ۶/۵ ۲۲۴ ہم ڈر گئے کہ دوسرا فتنہ نقل کیا ہے۔

بیعت کرتے دیکھا اور قریش کی دعوت کو سنا خزرج والوں کی ان باتوں کے بھی شاہد تھے جو سعد بن عبادہ کو منتخب کرنا چاہتے تھے انھوں، نے کہا: خدا کی قسم! اگر چہ قبیلہ خزرج والے اس کام کی باگ ڈور ایک بار بھی اپنے ہاتھ میں لے لیں اور آج اس حساس موقع پر وہ کامیاب ہو جائیں تو ہمیشہ کیلئے وہ اس فضیلت کے مالک بن جائیں گے اور ہرگز تم لوگوں کو یہ فضیلت نصیب نہ ہوگی، لہذا جتنا جلد ممکن ہو سکے اٹھ کر ابوبکر کی بیعت کرو۔

ابوبکر جوہری نے کتاب سقیفہ میں نقل کیا ہے: ''جب قبیلۂ اوس نے قبیلۂ خزرج کے ایک سردار کو ابوبکر کی بیعت کرتے دیکھا تو اسید بن حضیر جو قبیلۂ خزرج کا ایک سردار تھا نے سعد بن عبادہ کی کامیابی کو روکنے کیلئے فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر ابوبکر کی بیعت کی[۱] خزرج کے کام میں اوس کی کارشکنی اور رخنہ اندازی کے بعد لوگ جوق در جوق اٹھے اور ہر طرف سے آگے بڑھ کر ابوبکر کی بیعت کرنے لگے اور کہا جاتا ہے کہ ایک ایسا ہجوم ہوا کہ قریب تھا سعد بن عبادہ پیروں تلے دب جائے۔

تاریخ یعقوبی میں یوں آیا ہے:

''لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے کیلئے سعد اور اس کیلئے بچھے فرش پر اس طرح دوڑے کہ قریب تھا وہ کچل جائے جو لوگ سعد کے اطراف اور حوالی موالی میں شمار ہوتے تھے چلائے احتیاط سے کام لو ورنہ سعد دب جائیں گے۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۶ ر میں و من کلام له في معنى الانصار ملاحظہ ہو۔

عمر نے جواب میں کہا: اسے مار ڈالو خدا اسے مار ڈالے، اس کے بعد سعد کے سرہانے پر کھڑے ہو کر کہا: تجھے اس طرح پامال کرنا چاہتا ہوں کہ تیرے بدن کے اعضا چور چور ہو جائیں۔

یہاں پر قیس بن سعد آگے بڑھے اور عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا:

خدا کی قسم اگر سعد کے سر سے ایک بال بھی کم ہو جائے تو تیرے دانتوں میں سے ایک دانت بھی سالم نہ بچے گا۔

ابوبکر نے فریاد بلند کی: اے عمر! خاموش رہنا اس نازک موقع پر امن وسکون کی اشد ضرورت ہے[۱]

عمر، سعد کو اپنے حال پر چھوڑ کر واپس لوٹے۔ اس وقت سعد نے عمر سے مخاطب ہو کر کہا: خدا کی قسم! اگر میں اٹھ سکتا تو مدینہ کی گلی کوچوں اور اس کے اطراف میں میرا ایسا نعرہ سنتے کہ تم اور تمہارے دوست ڈر کے مارے بل میں چھپ جاتے خدا کی قسم تجھے ایک ایسے گروہ کے پاس بھیج دیتا کہ تم ان کے فرمانبردار ہوتے نہ فرمان روا، اس کے بعد اپنے حامیوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا: مجھے یہاں سے باہر لے چلو پھر ان لوگوں نے اسے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر گھر پہنچا دیا''[۲]

ابوبکر جوہری کہتا ہے:

''عمر اس دن یعنی ابوبکر کی بیعت کے دن کمر کس کر ابوبکر کے آگے پیچھے ہو رہے تھے اور نعرہ

۱۔ یہاں پر اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دو خلیفوں نے کس طرح سیاست میں ایک دوسرے کی مدد کی۔

۲۔ تاریخ طبری ج ۲/ ۴۵۵، ۴۵۹، تاریخ یعقوبی ج ۲ص ۱۲۳۔

لگا رہے تھے: سنو! لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے

لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے کے بعد اسی حالت میں اسے مسجد میں لے آئے تا کہ اور لوگ بھی ان کی بیعت کریں، علی علیہ السلام اور عباس (جو ابھی رسو خداؐ کے بدن کو غسل دینے سے فارغ نہیں ہوئے تھے) نے مسجد النبی سے تکبیر کی آواز سنی، علی علیہ السلام نے پوچھا:

یہ شور وغل کیسا ہے؟

عباس نے کہا: آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا ہے! اس کے بعد علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا: میں نے آپ کو کیا کہا تھا[1]

سقیفہ کی بیعت کا اختتام

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے:

''جب لوگوں نے سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت کی، براء بن عازب نے اضطراب و گھبراہٹ کے عالم میں بنی ہاشم کے دروازہ کھٹکھٹایا اور فریاد بلند کی: اے گروہ بنی ہاشم، آگاہ ہو جاؤ! لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔

بنی ہاشم ایک دوسرے کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہتے تھے: مسلمان تو ہماری، یعنی ہم محمدؐ کے نزدیک ترین رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں کوئی کام انجام نہیں دیتے تھے؟!

عباس نے کہا: کعبہ کے رب کی قسم! انہوں نے ایسا کام انجام دیا ہے جسے انجام نہ دینا چاہئے

تھا **فعلوها و ربّ الكعبة** ،مہاجروانصارسب کو یقین تھا کہ خلافت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کونہیں ملے گی[۱] یعقوبی براء بن عازب سے نقل کرتے ہیں:

''عباس نے بنی ہاشم سے مخاطب ہوکر کہا: تمہیں ہمیشہ کیلئے حقیر بنادیا گیا ہے، جان لو کہ میں نے تم سے کہا تھا، لیکن تم لوگوں نے میری نافرمانی کی''

اس طرح ابوبکر کی خصوصی بیعت سقیفہ میں اختتام کو پہنچی ۔

ابوبکر کی عام بیعت اور پیغمبر اکرمؐ کی تدفین

قد ولیتکم و لست بخیر کم

لوگو! میں تمہارا امیر منتخب ہوا ہوں جبکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں!

ابوبکر

و ان ابابکر و عمر لم یشھدا دفن النبیّ

ابوبکر اور عمر پیغمبرؐ کی تدفین میں شریک نہیں ہوئے۔

مؤرخین

ابوبکر منبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

ہم نے گزشتہ فصلوں میں کہا کہ جنگ و جدال کے بعد آخر کار ابوبکر خلافت کے مسئلہ میں دوسروں پر بازی لے گئے اور بیعت کرنے والوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھ گئے نیز باقی لوگوں نے بھی قدرتی طور پر ان کی پیروی کی، اس طرح سقیفہ میں ابوبکر کی عام بیعت انجام پائی لیکن اس کے باوجود اس کی کامیابی قطعی صورت اختیار نہ کرسکی اور اس بیعت کو عوامی سطح پر باقاعدہ صورت میں قبول

نہیں کیا گیا۔

اس سلسلہ میں طبری کہتا ہے:

''قبیلہ اسلم مدینہ آیا، جیسے کہ مدینہ کی گلیاں ان کیلئے تنگ ہو چکی تھیں اور انہوں نے ابوبکر کی بیعت کی ۔عمر مکرر کہتے تھے: جوں ہی میں نے قبیلۂ اسلم کو دیکھا مجھے یقین ہوگیا کہ ہم کامیاب ہیں[1]

لیکن قبیلۂ اسلم کے مدینہ آنے کا سبب شیخ مفید نے اپنی کتاب ''الجمل'' میں یوں لکھا ہے:

''وہ اجناس اور کرانہ خریدنے کیلئے مدینہ آئے تھے کہ انہیں کہا گیا: آیئے ہماری مدد کیجئے تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کیلئے بیعت لے لیں اس کے بعد ہم تمہیں اجناس دیں گے، یہی وجہ ہے کہ قبیلہ اسلم نے لالچ میں آ کر ابوبکر کی مدد کی''۔

جب سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت کا کام اختتام کو پہنچا تو، ان کی بیعت کرنے والوں نے جلوس کی صورت میں خوشیاں مناتے اور چلاتے ہوئے انھیں مسجد النبیؐ لے چلے!

ابوبکر منبر رسول اللہ پر چڑھے اور لوگ رات گئے تک ان کی بیعت کرتے رہے اور کسی کو بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کی فکر نہیں تھی[2]

ابوبکر دوسرے دن بھی مسجد النبی میں آئے اور منبر پر گئے تا کہ لوگوں سے بیعت لے لیں۔

۱۔طبری ج۲ (ص ۴۵۸) ابن اثیر ج ۲/۲۲۴ اور زبیر بکار کی روایت میں شرح ابن ابی الحدید ج ۶/۲۸۷ میں آیا ہے ''ابوبکر کو قبیلہ اسلم کی بیعت سے تقویت ملی'')

۲۔الریاض النضرۃ ج ۱/۱۶۲ اور تاریخ الخمیس ج ۱/۱۸۷ ملاحظہ ہو۔

قبل اس کے کہ ابوبکر اپنی بات کوشروع کریں عمر اٹھے اور حمد وثنائے خدا کے بعد بولے:

کل کی میری بات نہ قرآن سے تھی اور نہ پیغمبر ؐ کی کسی حدیث سے لیکن میں خیال کرتا تھا کہ پیغمبر خود لوگوں کے امور کی خود تدبیر کریں گے اور اس دنیا سے رخصت ہونے والے آخری فرد ہوں گے، بہر حال پیغمبرؐ نے آپ کے درمیان قرآن کو چھوڑا ہے، لہذا اگر آپ لوگ اس کا سہارا لیں گے تو یہ آپ کو اس راستے پر راہنمائی کرے گا جس پر تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے جا رہے تھے، اب آپکے امور کی باگ ڈور بھی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آئی ہے جو تم لوگوں میں سے بہترین صحابی پیغمبر اور آنحضرت کے یارِ غار ہیں، اٹھو!! اور ان کی بیعت کرو''

اس طرح سقیفہ میں بیعت انجام پانے کے بعد ابوبکر کی عام بیعت بھی انجام پائی۔

بخاری کہتا ہے:

اس سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک گروہ نے بیعت کی تھی، لیکن ابوبکر کی عام بیعت منبر پر انجام پائی[۱]

انس بن مالک نے روایت کی ہے:

''میں نے سنا کہ اس روز عمر مکرر ابوبکر کو منبر پر جانے کیلئے کہتے تھے اور اس نے اپنی بات کو اس قدر دہرایا اور زور دیا کہ آخر کار ابوبکر منبر پر جا پہونچے اور سب لوگوں نے

۱۔ صحیح بخاری، ج۴/۶۵۔

ان کی بیعت کی۔

اس کے بعد ابوبکر نے حمد وثنائے باری تعالی کی: اے لوگو! آپ کی حکمرانی کی باگ ڈور میرے ہاتھ سونپ دی گئی ہے جبکہ میں تم لوگوں میں شائستہ ترین فرد نہیں ہوں پس اگر میں صحیح اور نیک کردار ثابت ہوا تو میری اطاعت کرنا اور اگر میں نے بدکرداری اور بدسلوکی کی تو تم لوگ مجھے سیدھے راستہ پر ہدایت کرنا.

یہاں تک کہا:

''جب تک میں خدا اور رسولؐ خدا کی اطاعت کروں، تم لوگ میری اطاعت کرنا اور اگر میں نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تو میری اطاعت نہ کرنا۔

چونکہ نماز کو وقت قریب تھا اس لئے کہا:

''خدا تمہیں بخش دے، اٹھو! تا کہ ہم ایک ساتھ نماز پڑھیں''[۱]

بیعت کے بعد

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوموار کی صبح کو رحلت فرمائی اور لوگ آپؐ کے جنازہ کو

۱۔ ملاحظہ ہو: سیرہ ابن ہشام ج ۴/۳۴۰، طبری ج ۳/۲۰۳، عیون الاخبار ابن قتیبہ ۲/۲۳۴، الریاض النضرۃ ج ۱/۱۶۷، تاریخ ابن کثیر ج ۵/۲۴۸، تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۷، کنزل العمال ج ۳/۱۲۹، حدیث نمبر ۲۲۵۴، سیرہ حلبیہ ج ۳/۳۹۷ اور تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۲۷، شرح نہج البلاغہ کی ج ۱ ۱۳۴، روایت کے مطابق اور صفوۃ الصفوی ج ۱/۹۸ نے بھی نقل کیا ہے کہ صرف ابوبکر کے سقیفہ کے خطبہ کو ذکر کرنے والوں میں جوہری ہے۔

دفن کرنے کے بجائے دوسرے کام میں مشغول ہوئے[1]

حقیقت میں لوگوں نے سوموار سے منگل کے عصر تک تین کام انجام دیئے اول: سقیفہ میں رونما ہوئے مظاہرے اور تقریریں انجام دیں، دوم۔ ابوبکر سے پہلی بیعت اور سوم۔ مسجد النبی میں اس کی عام بیعت، عمر کی تقریر اور ابوبکر کی لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا۔

مؤرخین کہتے ہیں؛ جب ابوبکر کی بیعت کا کام اختتام کو پہنچا، تو منگل کی شب کو لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جنازہ کی طرف بڑھے[2] گھر میں داخل ہو کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز پڑھی،[3]

اس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امام جماعت کے بغیر نماز پڑھی گئی اور مسلمان گروہ گروہ گھر میں داخل ہو کر آپ پر نماز پڑھتے تھے[4]

پیغمبر خدا کی تدفین اور اس میں شریک افراد

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کو جنہوں نے غسل دیا انہوں نے ہی اسے دفن بھی کیا (عباس، علی علیہ السلام، فضل و پیغمبرؐ کا غلام صالح)، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے اصحاب آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بدن مبارک کو آپ

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۷۸ طبع لندن۔

۲۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/۳۴۳، طبری ج ۲/۴۶۲، کامل ابن اثیر ج ۲/۲۲۵، ابن کثیر ج ۵/۲۴۸، سیرہ حلبیہ ج ۲/۳۹۲ و۳۹۴ موخر الذکر مآخذ میں بیعت کا کام تمام نہ ہونے کی صورت میں تجہیز رسول اللہ کیلئے آنے کی تاریخ معین نہیں کی گئی ہے۔

۳۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/۳۴۳۔

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۲/۷۰، کامل ابن اثیر ج ۲/ ۱۱ھ کے وقائع کے ضمن میں، نہایۃ الارب ج ۱۸/۳۹۲۔۳۹۳)

کے خاندان والوں کو سپرد کر کے خلیفہ کا انتخاب کرنے کیلئے سقیفہ چلے گئے[۱] اس کے علاوہ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین چار افراد[۲] کے توسط سے انجام پائی، حضرت علی علیہ السلام، فضل، قثم، عباس کے بیٹے اور پیغمبرؐ کا غلام شقرین، اس کے علاوہ کہتے ہیں: اسامہ بھی تھے، غسل و تکفین اور دیگر کام بھی انہوں نے ہی انجام دئے ہیں[۳] اور ابو بکر و عمر پیغمبر کی تدفیں کے وقت حاضر نہیں تھے[۴] عائشہ نے روایت کی ہے؛ ہم رسول اللہؐ کی تدفین کے بارے میں بدھ کی نصف شب تک آگاہ نہ ہوئے، جب بیلچوں کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچی![۵]

ایک اور روایت میں عائشہ نہ کہا ہے: ''ہم بیلچوں کی آواز سننے تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے وقت سے آگاہ نہیں ہوئے تھے[۶]

مزید روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا اور انصار کے ایک قبیلہ نے زمین پر بیلچوں کی آواز اس وقت سنی جب وہ اپنے

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ر ق ۲ ر ۷۰ اور البدء والتاریخ میں اس معنی کے قریب مطالب نقل ہوئے ہیں۔

۲۔ کنزل العمال ج ۴ ر ۵۴ و ۶۰۔

۳۔ العقد الفرید ج ۳ ر ۶۱ اور ذہبی نے بھی اپنی تاریخ میں اس معنی کے قریب نقل کیا ہے۔

۴۔ کنز العمال ج ۳ ر ۱۴۰۔

۵۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴، ۳۴۲، طبری ج ۲ ر ۴۵۲، ۴۵۵، ابن کثیر ج ۵ ر ۲۷۰، اور اسد الغابہ ج ۱ ر ۳۴ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی میں کہا گیا ہے دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ بیلچہ کی آواز کا سننا منگل کی شب کو پیش آیا ہے جیسا کہ طبقات ج ۲ ر ۱ ر ۲ ر ۷۸ اور تاریخ الخمیس ج ۱ ر ۱۴۱ میں آیا ہے، ذھبی نے بھی اپنی تاریخ ج ۱ ر ۳۲۷ میں ایسا ہی کہا ہے، لیکن صحیح یہ ہے یہ بدھ کی شب کو سننے میں آیا ہے، مسند احمد ج ۶ ر ۶۲ میں کہا گیا ہے: بدھ کی رات کے آخری حصہ میں تھا۔

۶۔ مسند احمد ج ۶ ر ۲۴۲، ۲۷۴۔

گھروں میں سوئے ہوئے تھے بعد میں بنی غنم کے بزرگ کہتے تھے، ہم نے بیلچوں کی آواز آخر شب میں سنی۔ [1]

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۲ رق ۲/۷۸

حضرت ابوبکر کی بیعت کے مخالفین

عباس ! نحن نرید ان نجعل لک سهماً من هذا الامر

عباس! چونکہ آپ پیغمبرؐ کے چچا ہیں، اگر ہمارا ساتھ دیں گے تو خلافت میں سے آپ کا بھی ایک حصہ معین کریں گے۔

ابوبکر کی پارٹی

فان کان حقا للمؤمنین فلیس لک ان تحکم فیه!

اگر خلافت مومنوں کا حق ہے، تو تم لوگ اس میں سے مجھے کوئی حصہ دینے کا حق نہیں رکھتے ہو اور اگر وہ ہمارا حق ہے تو اسے پورا ہمیں دینا چاہئے نہ اس کا ایک حصہ

پیغمبر کے چچا عباس

ہم نے گزشتہ فصلوں میں کہا ہے کہ سقیفہ میں خلافت کے موضوع پر شور وغوغا اور بڑی کشمکس پیدا ہوگئی تھی اور مسلمان کئی دھڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور ہر گروہ ایک امیدوار کو خلافت کیلئے پیش کرتا تھا ، کچھ لوگ سعد بن عبادہ انصاری کو کچھ لوگ ابو بکر کو اور تیسرا گروہ علی علیہ السلام

(جو سقیفہ میں موجود نہیں تھے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے) کی حمایت کرتا تھا، ان میں ابوبکر کی پارٹی کامیاب ہوئی اور سعد بن عبادہ کی پارٹی مکمل طور پر شکست کھا گئی لیکن حضرت علی علیہ السلام کے طرفدار کامیاب گروہ کیساتھ ابھی بھی نبرد آزما اور حکومت وقت کے خلاف اپنی مخالفت کا اظہار کرتے تھے اور کوشش میں تھے کہ انصار کی رای کو اپنے امیدوار کے حق میں حاصل کریں۔

یعقوبی لکھتا ہے:

''مہاجرین اور انصار میں سے کچھ افراد نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ان میں عباس بن عبدالمطلب، فضل بن عباس، زبیر بن عوام، خالد بن سعید، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، براء بن عازب اور ابی بن کعب تھے[۱] و [۲]

اور ابوبکر جوہری کی کتاب ''سقیفہ'' اس طرح مذکور ہے:

''انہوں نے رات میں ایک انجمن تشکیل دے کر فیصلہ کیا کہ اس کام کے سلسلے میں مہاجرین اور انصار سے دوبارہ صلاح و مشورہ کیا جائے۔ اس انجمن کے اراکین مذکورہ ناموں کے علاوہ عبادۃ ابن صامت، ابو الھیثم بن تیھان اور حذیفہ تھے[۳]

۱۔ مذکورہ صحابی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بزرگ اصحاب میں سے تھے، کتاب کے آخر پر ان کی زندگی کے حالات درج کئے جائیں گے۔

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۲۴

۳۔ ابوبکر جوہری کی کتاب سقیفہ کی روایت شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲/۴۴ اور اس کی تفصیل تحقیق ابو الفضل ابراہیم ج ۲/۵ میں ملاحظہ ہو۔

اس واقعہ کے بعد ابوبکر نے عمر، ابوعبیدہ اور مغیرۃ بن شعبہ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ اس سلسلہ میں تمہاری رائے کیا ہے؟ تینوں افراد نے متفقہ طور پر کہا: آپ کو عباس بن عبدالمطلب سے مفصل ملاقات کرنی چاہئے اور خلافت کے ایک حصہ کو ان سے مخصوص رکھنا چاہئے تا کہ وہ خود اور ان کے فرزند اس سے استفادہ کریں، اگر عباس راضی ہوئے تو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طرف سے بےفکر ہو جاؤ گے اور عباس کا آپ کی جانب میلان علی علیہ السلام کے ضرر میں آپ کے ہاتھ میں ایک حجت ہوگی[۱]

ابوبکر نے اس مشورہ کو پسند کیا وررا توں رات عمر، ابوعبیدہ جراح اور مغیرہ کے ہمراہ عباس کے گھر گئے۔

ابوبکر نے خداوند عالم کا حمد وثنا بجالانے کے بعد کہا: بے شک خداوند عالم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا ہے تا کہ اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچادے ان پر منت رکھیں، ان کی سرپرستی کو سنبھالیں اور اپنی عمر شریف کو ان کے درمیان اس وقت گزاریں جب انھیں اپنی طرف بلائیں۔ جو ان کیلئے محفوظ رکھا تھا وہ انھیں عطا فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت کے وقت لوگوں کے کام کو ان پر ہی چھوڑ دیا تا کہ جو کچھ وہ اپنے لئے مصلحت جانیں اخلاص کے ساتھ اسے اختیار کریں، انہوں نے مجھے اپنے اوپر حکمراں اور اپنے کاموں پر نگہبان قرار دیا، اور میں نے بھی اسے قبول کیا اور خدا کی مدد سے مجھے اس

۱۔ جوہری کی سقیفہ کی روایت ہے کہ مشورہ صرف مغیرہ بن شعبہ نے دیا اور یہ حقیقت کے نزدیک ہے کہ یہ جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دو شب بعد عباس کے پاس گئی۔

کا خوف نہیں ہے کہ اس کام کو نبھانے میں مجھ میں کمزوری یا پریشانی و وحشت نہیں ہے میں اپنی کامیابی کو خدا کی عنایت جانتا ہوں اور اسکی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی طرف لوٹنے والا ہوں۔

مجھے مسلسل رپورٹ مل رہی ہے کہ بعض افراد عام لوگوں کے نظریات کے خلاف اظہار نظر کر کے تنقید کرتے ہیں اور مجھ پر آپ کے اعتماد کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں۔ یہ لوگ صرف آپ کی اجتماعی حیثیت اور آبرو کی آڑ میں یہ نیا کام انجام دے رہے ہیں، لہذا آپ یا لوگوں کا ساتھ دیجئے یا ان کو اس کج فکری سے منع کیجئے، اس وقت ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ خلافت میں آپ کیلئے بھی ایک حصہ کے قائل ہو جائیں تا کہ آپ خود اور آپ کے فرزند اس سے استفادہ کریں، کیونکہ آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں، لوگوں نے آپ کی اور آپ کے دوستی کی حیثیت کو جانتے ہوئے بھی آپ کو نظر انداز کر دیا ہے اے بنی ہاشم! مطمئن رہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے اور تم سے ہیں نہ کہ صرف تم سے مخصوص ہیں۔

عمر نے اس بیان میں اضافہ کرتے ہوئے کہا: یہ خیال نہ کیا جائے کہ ہمارا آپ لوگوں کے پاس آنا ہماری کمزوری اور آپسی تعاون کیلئے ہے، نہیں! ایسا نہیں ہے بلکہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ مسلمانون کے اتفاق کئے گئے کام کے بارے میں آپ کی طرف سے مخالفت کی آواز سنی جائے کیونکہ اس کا نقصان آپ اور ان لوگوں کو پہنچے گا۔ لہذا آپ اپنے کام میں صحیح طور پر فکر کریں!

عباس نے خداوند عالم کی حمد وثنا کے بعد یوں جواب دیا: خداوند عالم آپ کے کہنے کے مطابق

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث کیا ہے اور اپنے حامیوں اور مومنین کا مددگار اور آپ کے وجود کی برکت سے اس امت پر احسان کیا۔

آخر کار آپ کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ کے لئے جو مناسب تھا وہی انجام دیا ور مسلمانوں کے کام کو ان پر چھوڑ دیا تا کہ حق کی طرف ہدایت پائیں اور اپنے لئے اسے انتخاب کریں نہ یہ کہ حق سے منہ موڑ کر دوسری طرف جائیں[1]

اگر تم نے اس حق کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر حاصل کیا ہے تو یہ ہمارا حق ہے اور تم نے غصب کیا ہے اور اگر پیغمبر کے پیرو ہونے کی حیثیت سے اس مقام و منزلت تک پہنچے ہو تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں لیکن تمہارے کام میں ہم نے آگے بڑھ کر مداخلت نہیں کی ہے اور یہ جان لو کہ ہم معترض ہیں، اگر مؤمنین کی وجہ سے تم پر خلافت واجب ہوئی ہے اور اس کے سزاوار ہوئے ہو تو، چونکہ ہم بھی مومنین میں سے ہیں اور ہم اس پر راضی نہیں ہیں اس لئے یہ حق تم پر واجب و ثابت نہیں ہوگا۔ یہ کیسا تناقض ہے کہ ایک طرف یہ کہتے ہو کہ مجھ پر اعتراض کرتے ہو اور دوسری طرف سے دعویٰ کرتے ہو تمہیں لوگوں نے منتخب کیا ہے اور رای دی ہے؟ ایک طرف سے اپنے آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ جانتے ہو اور دوسری طرف سے کہتے ہو کہ پیغمبر نے لوگوں کے کام کو انہی پر چھوڑ دیا ہے تا کہ کسی ایک کو اپنے لئے منتخب کرلیں، کیا انہوں نے تجھے منتخب کیا ہے؟ لیکن جو یہ کہتے ہو کہ خلافت میں ایک حصہ ہمارے لئے مخصوص ہے تمہاری جانب سے، لہذا یہ جو چیز تم مجھے دے رہے

ہوا گر مؤمنین کا حق ہے تو اس کا اختیار تم نہیں رکھتے ہو[1] اور اگر یہ حق ہمارا ہے تو پورا حق ہمیں دینا چاہئے ہم اپنے اس حق سے ایک حصہ لیکر باقی تمہیں سونپتے پر راضی نہیں ہیں، تمہیں جاننا چاہئے کہ رسول خداؐ ایسے ایک درخت کے مانند ہے جس کی ٹہنیاں ہم ہیں اور تم اس کے سایہ میں بیٹھنے والے ہو۔

گفتگو یہاں تک ناکام رہی اور ابوبکر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عباس کے گھر سے باہر آ گئے۔

پیغمبرؐ کے چچا عباس اور چند افراد کا ہم نے اس فصل میں ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی نیک خو، نامور اور اکابر اصحاب نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا ہے اور صراحت کے ساتھ اس پر اعتراض کیا ہے حتی کہ اظہار مخالفت کیلئے ہڑتال کی اور پیغمبر کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں دھرنا دیا، اس سلسلے میں تفصیلات اگلی فصل میں بیان کی جائیگی

۱۔ جوہری کی کتاب سقیفہ اور الامامۃ والسیاسۃ میں اس طرح آیا ہے: ''اگر یہ تمہارا حق ہے تو ہم اس کے محتاج نہیں ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا(س) کے گھر پر دھرنا دینے والے

یابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا

اے عمر! کیا ہمارے گھر کو آگ لگانے کیلئے آئے ہو

پیغمبر اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی

نعم، أتدخلوا فی ما دخلت فیه الامة

جی ہاں! مگر یہ کہ ابوبکر کی حکومت کی اطاعت کروگے۔

خلیفہ دوم عمر

جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان کیا گیا کہ اصحاب کی ایک جماعت ابوبکر کی بیعت سے انکار کرکے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی طالب ہوئی، ان میں سے کچھ لوگوں نے ابوبکر کی خلافت کے خلاف اعتراض کے طور پر ہڑتال کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زہراؑ کے گھر میں جمع ہوکر دھرنا دیکر بیٹھ گئے اور اس طرح نئی تشکیل شدہ حکومت کے خلاف اپنی مخالفت کا عملی اظہار کیا۔

عمر ابن خطاب اس واقعہ کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

''جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو اس دنیا سے اٹھالیا، تو ہمیں یہ رپورٹ ملی کہ علی علیہ السلام، زبیر اور دوسرے چند افراد ہم سے منہ پھیر کر فاطمہ(س) کے گھر پر جمع ہوئے ہیں''[۱]

مورخین نے حضرت فاطمہ(س) کے گھر پر پناہ لینے والے افراد کو حضرت علی علیہ السلام اور زبیر کے علاوہ بیان کیا ہے من جملہ چند افراد کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔عباس بن عبدالمطلب

۲۔عتبہ بن ابی لہب

۳۔سلمان فارسی،

۴۔ابوذر غفاری

۵۔عمار یاسر،

۶۔مقداد بن اسود

۷۔براء بن عازب

۸۔ابی بن کعب

۱۔مسند احمد ج ۱/۵۵، طبری، ج ۲/۴۶۶، ابن اثیر ج ۲/۲۲۱، ابن کثیر ج ۵/۲۴۶، صفوہ ج ۱/۹۷، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱/۱۲۳، تاریخ سیوطی ابوبکر کی بیعت میں ص ۴۵، سیرہ ابن ہشام ج ۴/۳۳۳، اور تیسیر الوصول، ج ۲/۴۱)

۹۔ سعد بن ابی وقاص

۱۰۔ طلحہ بن عبید اللہ

اس کے علاوہ بنی ہاشم اور بعض مہاجرین وانصار سے کچھ افراد[۱] ''الفصول المھمہ'' میں مذکورہ دس افرد کے علاوہ چند دیگر افراد کا نام بھی لیا گیا ہے۔

ابوبکر کی خلافت سے حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے حامیوں کی مخالفت اور حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں ان کے دھرنا دینے کی اصل روداد تاریخ، سیر و سیاحت اور علم رجال کی کتابوں میں تواتر کی حد تک نقل ہوئی ہے۔

حقیقت میں چونکہ مؤرخین اس واقعہ سے مربوط مطالب اور ابوبکر کی کامیاب پارٹی اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں دھرنا دینے والے افراد کی روداد کو بیان کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے ان کو نقل کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے، لیکن بعض روئدادوں کو مجبوراً یا نادانستہ طور پر لکھ ڈالا ہے، یہ واقعات ایسے ہیں جسے بلاذری نے اس طرح نقل کیا ہے:

۱۔ جن مصادر کا اس سے قبل ذکر ہوا ان کے علاوہ کچھ اور مصادر ہیں جن میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا، اور حضرت فاطمہ زہرؑا کے گھر میں دھرنا دیا، ان مصادر میں سے بعض نے چند افراد کا نام لیا ہے جنہوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کرنے کیلئے حضرت فاطمہؑ زہرا کے گھر میں اجتماع کیا تھا یہ مصادر عبارت ہیں:

الف الریاض النضرۃ ج ۱/ ۱۶۷،

ب۔ تاریخ خمیس ج ۱/ ۱۸۸

ج۔ العقد الفرید ج ۳/ ۶۴، تاریخ ابوالفدا ء ج ۱/ ۱۵۶، ابن شحنة تاریخ کامل ۱۱۲

د۔ ابوبکر جوہری بنابہ روایت ابن ابی الحدید ج ۳/ ۱۳۰۔ ۱۳۴،

ھ۔ سیرہ حلبیہ ج ۳/ ۳۹۷۔

''جب حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تو ابوبکر نے عمر کو حکم دیا کہ حضرت علی (علیہ السلام) کو ہر صورت میں اپنے ساتھ لے آؤ۔ جب عمر علی علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان دونوں کے درمیان ایک گفتگو ہوئی۔

حضرت علی علیہ السلام نے عمر سے کہا: خلافت کے پستانوں سے ایسا دودھ کھینچتے ہو کہ اس کا نصف اپنے لئے رکھنا چاہتے ہو، خدا کی قسم! یہ جوش وولولہ جو آج ابوبکر کی خلافت کیلئے دیکھا رہے ہو، یہ صرف اس لئے ہے کہ کل وہ تجھے دیگر لوگوں پر ترجیح دیں۔

اور ابوبکر نے اپنے مرض الموت کے دوران کہا؛ میں صرف تین کاموں کے علاوہ جو اس دنیا میں انجام دیا ہے کسی کام پر فکرمند اور غمگین نہیں ہوں، کاش یہ کام مجھ سے انجام نہ پائے ہوتے یہاں تک کہا: اور وہ تین امور درج ذیل ہیں:

کاش، حضرت زہراؑ کے گھر کے دواز ے کو نہ کھولا ہوتا اور اسے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا ہوتا اگر چہ وہ دروازہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بند ہوا تھا[۱]

۱۔ طبری، ج ۲/۱۹ میں وفات ابوبکر کے سلسلے میں، مروج الذہب مسعودی ج ۱/۴۱۴، العقد الفرید ج ۳.۹ میں ابوبکر کی طرف سے عمر کو خلافت کیلئے منصوب کرنے کے سلسلے میں، کنزل العمال ج ۳/۱۳۵، منتخب کنزل ج ۲/۱۷۱، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱/۱۸، کامل مبرد بنا بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۲/۱۳۰۔۱۳۱، ابا عبید کتاب الاموال ص ۱۳۱، پر ابوبکر کے قول کو یوں نقل کیا ہے: **اما الثلاثة التی فعلتها فوددتُ انی لم اکن کذا و کذا لخلقه ذکرها قال ابو عبید لا ارید ذکرها**، ابوعبیدہ کہتا ہے ابوبکر نے کہا لیکن میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا ہوں! ابوبکر جوہری ابن ابی الحدید کی روایت کے مطابق ج ۹/۲۹۳، لسان المیزان ج ۴/۱۸۹، اور تاریخ ابن عساکر میں ابوبکر کے حالات کی تفصیل میں مرآۃ الزمان سبط ابن جوزی بھی ملاحظہ ہو

اس کے علاوہ تاریخ یعقوبی میں اس طرح لکھا گیا ہے:

اے کاش رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؑ کے گھر کی میں نے تلاشی نہ لی ہوتی! اور اس گھر میں موجود مردوں پر حملہ نہ کیا ہوتا گر چہ دروازہ کا بند رہنا جنگ پر تمام ہوتا[۲]

مؤرخین نے حضرت زہراء(س) کے گھر میں داخل ہونے کی ماٴموریت رکھنے والوں کے نام حسب ذیل درج کئے ہیں

۱۔ عمر ابن خطاب	۲۔ خالد بن ولید	۳۔ عبدالرحمان بن عوف
۴۔ ثابت بن شماس	۵۔ زیاد بن لبید	۶۔ محمد بن مسلمہ
۷۔ سلمة بن سالم بن وقش	۸۔ سلمة بن اسلم	۹۔ اسید بن حضیر
۱۰۔ زید بن ثابت[۱]		

رہا، حضرت فاطمہ زہراء(س) کے گھر پر حملہ کی کیفیت اور حملہ آوروں اور دھرنا دینے والوں کے درمیان رونما ہونے والی روداد کے بارے میں تو یوں لکھا گیا ہے۔

''مہاجرین میں سے چند افراد من جملہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور زبیر لوگوں کی طرف سے ابوبکر کی بیعت کرنے پر ناراض ہوئے اور اسلحہ لے کر فاطمہؑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے[۳]

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۰۵

۲۔ طبری ج ۳/ ۱۹۸۔۱۹۹، ابوبکر جوہری بناء بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۲/ ۱۳۰، ۱۳۴ ، وج ۲۹۵/، اورج ۱۷ میں قاضی القضاۃ کے دوسرے جواب میں۔ اس حصہ کے حالات کی تفصیل آگے بیان کردی جائے۔

۳۔ الریاض النضرۃ، ج ۱/ ۱۶۷، ابوبکر جوہری بنا بر روایت ابن ابی الحدید، ج ۱/ ۱۳۲، ج ۶/ ۲۹۳، تاریخ الخمیس، ج ۱/ ۱۸۸!

ابوبکر کو رپورٹ دی گئی کہ مہاجر وانصار کی ایک جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؑ کے گھر میں علی بن ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئی ہے[۱] اور اس کے علاوہ انھیں رپورٹ دی گئی کہ اس اجتماع کا مقصد علی علیہ السلام سے بیعت لینا ہے[۲]

ابوبکر نے عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ وہاں جا کر ان لوگوں کو فاطمہؑ کے گھر سے باہر نکال دو اور یہ بھی کہا: ''اگر انہوں نے مقابلہ کیا اور باہر آنے سے انکار کیا تو ان سے جنگ کرنا'' عمر آگ کے ایک شعلے کو ہاتھ میں لئے ہوئے فاطمہؑ کے گھر کو نذر آتش کرنے کی غرض سے ان کی طرف روانہ ہوئے فاطمہ(س) نے جب اس حالت کو دیکھا تو فرمایا: اے ابن خطاب ! کیا پیغمبر کی بیٹی کے گھر کو جلانے کیلئے آئے ہو؟ عمر نے جواب میں کہا: جی ہاں ! مگر یہ کہ امت کے ساتھ ہماہنگ ہو کر بیعت کرو[۳]

الامامۃ والسیاسۃ کی روایت میں یوں آیا ہے:

''جب وہ لوگ علی علیہ السلام کے گھر میں جمع ہوئے تھے، عمر نے وہاں پہنچ کر آواز دی، لیکن انہوں نے اس کی کوئی پروانہیں کی اور گھر سے باہر نہ نکلے، عمر نے لکڑی طلب کی اور کہا: اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے، باہر آجاؤ!

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ ۱۰۵۔

۲۔ ابن شحنہ، ۱۲۲ حاشیہ کامل ابن ابی الحدید ج ۲/ ۱۳۴۔

۳۔ العقد الفرید ج ۳/ ۶۴، ابوالفداء ج ۱/ ۱۵۶۔

ورنہ اس گھر کو اس کے اندر موجود افراد کے ساتھ آگ لگا دوں گا۔

عمر سے کہا گیا: اے ابوالحفص، اس گھر میں فاطمہ ہیں۔

عمر نے جواب دیا: ہونے دو![1]

انساب الاشراف میں یہ حادثہ یوں لکھا گیا ہے:

''ابوبکر نے علی علیہ السلام سے بیعت لینے کیلئے کچھ افراد کو ان کے یہاں بھیجا، لیکن علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی، تو عمر آگ کے ایک شعلہ ہاتھ میں لئے ہوئے ان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت فاطمہؑ نے ان سے کہا: اے ابن خطاب! کیا تم ہی ہو جو میرے گھر کو آگ لگانا چاہتے ہو؟

عمر نے جواب دیا: جی ہاں! یہ کام تیرے باپ کی لائی ہوئی چیز کو مستحکم کرے گا[2]

جوہری نے اپنی کتاب ''السقیفہ'' میں یوں لکھا ہے؛

''عمر چند مسلمانوں کے ہمراہ علی علیہ السلام کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اس گھر کو اس کے مکینوں کے ساتھ نذر آتش کردیں[3]

اور مشہور مؤرخ ابن شحنہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

تاکہ گھر اور اس میں جو کوئی بھی ہے، اسے نذر آتش کردے[4]

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج۱/ص۱۲، الریاض النضرۃ ج۱/۱۶۷، ابوبکر جوہری بنابر روایت ابن ابی الحدید ج۲/۱۳۲ و ج۶، ۲ اور تاریخ الخمیس ج۱/۱۷۸۔

۱۔ انساب الاشراف ج۱/۵۸۶۔

۲۔ ابوبکر جوہری بنابہ روایت ابن ابی الحدید ج۲/۱۳۴۔

۳۔ اسکی تاریخ ے ص۱۱۲ پر تاریخ کامل کے حاشیہ پر۔

کنزالعمال میں آیا ہے کہ عمر نے فاطمہ سے کہا:

''باوجود اس کے کہ میں جانتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے زیادہ کسی اور سے محبت نہیں کرتے تھے لیکن یہ حقیقت مجھے ہرگز اپنے اس ارادے سے منہ موڑنے کا سبب نہیں بنے گی کہ یہ چند افراد جو تیرے گھر میں جمع ہوئے ہیں ان کے ہمراہ تیرے گھر کو آگ لگا دینے کا حکم دیدوں!!''[۱]

جب عبداللہ بن زبیر، بنی ہاشم سے جنگ کر رہا تھا، انھیں ایک پہاڑ کے درہ میں محاصرہ کرکے حکم دیا کہ لکڑی لا کر انھیں آگ میں جلا دیا جائے اس کا بھائی عروۃ بن زبیر اپنے بھائی کے اس کام کی توجیہ کرتے ہوئے کہتا تھا: میرے بھائی نے یہ کام دھمکی اور ڈرانے کیلئے کیا تھا، جیسا کہ اس سے پہلے بھی ایسے کام کی مثال ملتی ہے، جب گذشتہ زمانے میں بنی ہاشم نے بیعت نہیں کی تھی تو لکڑی لائی گئی تا کہ انھیں آگ لگا دی جائے[۲]

گذشتہ سے اس کا مقصود سقیفہ کا دن تھا کہ بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا تھا۔

مصر کا ایک عظیم شاعر حافظ ابراہیم نے بھی اس روداد کی یاد میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں:

و قولة لعليّ قالها عمر   اكرم بسا معها اعظم بملقيها

حرقت دارک لا ابقی علیک بها   ان لم تبایع و بنت المصطفی فيها

ما کان غیر اُبی حفض یفوه بها   امام فارس عدنان و حاميها

۱۔ کنزالعمال ج۳/۱۴۰

۲۔ مروج الذهب ج۲/۱۰۰، ابن ابی الحدید ج۲/۱۸۱ طبع ایران، میں اس روئداد کی وہاں پر یاد دہانی کرتا ہے جہاں پر امیر کی فرمائش ما زال الزبیر منا حتی نشأ ابنه کی تشریح کرتا ہے۔

''عمر نے ،حضرت علی علیہ السلام سے کہا: اگر بیعت نہ کرو گے تیرے گھر کو ایسے آگ لگا دونگا کہ اس کے اندر موجود افراد میں سے ایک شخص بھی زندہ بچ نہیں سکتا جبکہ اس گھر میں موجود افراد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی بھی تھیں ۔ یہ بات ابوحفص (عمر) کے سوا کسی اور کے منہ سے ،عدنان کے پیشوا اور ان کے حامی حضرت علی علیہ السلام کے حضور میں نہیں نکلی اس کے علاوہ ایسی بات کرنے کی کسی میں جرات بھی نہ تھی ۔

یعقوبی کہتا ہے:

''ایک جماعت کے ہمراہ آئے اور گھر پر دھاوا بول دیا... یہاں تک کہتا ہے:

علی علیہ السلام کی تلوار ٹوٹ گئی اور لوگ گھر میں داخل ہو گئے[1]

طبری لکھتا ہے: عمر بن خطاب بھی علی ،علیہ السلام گے گھر آئے ،طلحہ، زبیر اور مہاجرین میں سے کچھ لوگ گھر میں موجود تھے، زبیر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے گھر سے باہر آئے در عمر پر حملہ کیا، اس حالت میں اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور تلوار ہاتھ سے گر گئی،عمر کے حامیوں نے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا[2]

اس کے بعد علی علیہ السلام کو گرفتار کر کے ابوبکر کے پاس لے گئے اور ان کے درمیان ایک گفتگو رانجام پائی،اس کی تفصیل آئندہ فصل میں آئے گی۔

۱۔تاریخ یعقوبی ج۲،۱۰۵

۲۔طبری ج۳/ ۱۹۸و۱۹۹،الریاض النضر ۃ محب الدین طبری،ص ۱۶۷

ابوبکر کی بیعت سے علیؑ کی مخالفت

یا ابا بکر ما اسرع ما اغرتم علی اهل بیت رسول الله

اے ابوبکر: کتنی عجلت کے ساتھ تم نے خاندان پیغمبرؐ پر دھاوا بول دیا؟!

پیغمبر اکرم کی اکلوتی بیٹی، فاطمہؑ

و الله لا اکلم عمر حتی القیٰ الله !!

خدا کی قسم! میں عمر سے مرتے دم تک کلام نہیں کروں گی!!

پیغمبر اکرم کی بیٹی، فاطمہ (س)

علیؑ کو خلافت کی کچہری تک کھینچ لیا جاتا ہے

ہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ اصحاب میں کچھ نیک افراد نے ابوبکر کی خلافت پر اعتراض کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے گھر پر دھرنا دیا تو ابوبکر کی پارٹی نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پر دھاوا بول دیا اور دھرنا دینے والوں کو ڈرانے دھمکانے کیلئے اس گھر کے دروازہ پر آگ لے کر آ گئے تاکہ سب کو اس آگ میں جلا دیں، بہر حال علی علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا، گرفتار کرنے کے بعد علی علیہ السلام کو ابوبکر کے پاس لا کر ان سے کہا گیا کہ:

بیعت کرو!

علی علیہ السلام نے جواب میں کہا:

میں اس کام کیلئے تم لوگوں سے مستحق تر ہوں، میں ہرگز تم لوگوں کی بیعت نہیں کروں گا، حق یہ ہے کہ تمہیں میری بیعت کرنی چاہیے، تم لوگوں نے اس کام کی باگ ڈور انصار سے لے لی ہے محض اس بنا پر کہ تم لوگ رسول اللہ کے رشتہ دار ہو اور انہوں نے بھی اس بنا پر حکومت کی باگ ڈور تم لوگوں کے حوالے کردی تو، میں بھی یہی دلیل و برہان آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر خدا سے ڈرتے ہو تو انصاف کی راہ پر چلو اور جس طرح انصار نے پیغمبر کے رشتہ دار ہونے کے ناطے تمہیں اقتدار سونپا، تم بھی اسی ناطے سے اس کی باگ ڈور میرے حوالے کردو، ورنہ یاد رہے کہ تم لوگ ظالم ہو۔

عمر نے کہا: ہم آپ کو، بیعت لئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، علی علیہ السلام نے عمر کے جواب میں کہا اے عمر! تم اپنے لئے راہ ہموار کر رہے ہو، آج اس کے حق میں کام کر رہے ہو تاکہ کل وہ یہ امور تمہیں سونپ دے، خدا کی قسم میں تیری بات کو ہرگز نہیں مانوں گا اور ابوبکر کی اطاعت نہیں کروں گا،

ابوبکر نے کہا اگر رضا مندی سے میری بیعت نہیں کرو گے تو میں آپ سے جبر و اکراہ کے ذریعہ بیعت نہیں لوں گا۔

ابوعبیدہ نے علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا؛ اے ابوالحسن! آپ نو جوان ہیں اور یہ لوگ قریش کے بزرگ ہیں جتنا انہیں مہارت اور تجربہ ہے آپ کو نہیں ہے، میرا اعتقاد یہ ہے کہ ابوبکر اس

کام کیلئے آپ سے بیشتر قدرت کے حامل ہیں اور وہ اس کام کو بہتر صورت میں نبھا سکتے ہیں کیونکہ وہ اس میدان کے کھلاڑی ہیں۔ کام انہیں کو سونپ کر فی الحال اس پر راضی ہو جایئے، اگر آپ زندہ رہے اور معمر ہوئے تو فضیلت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت کی بناء پر اور اسلام اور راہ خدا میں جہاد کرنے میں سبقت کی وجہ سے آپ اس کام کیلئے زیادہ لائق و سزاوار ہوں گے۔

علی علیہ السلام نے جواب دیا:

اے گروہ مہاجر! پرہیز کرو، اور خدا سے ڈرو، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانروائی کو ان کے گھر سے باہر نہ لے جاؤ اور اپنے گھروں کو اس قدرت و منصب کا مرکز قرار مت دو پیغمبرؐ کے گھرانے سے ان کے حق اور انکی اجتماعی حیثیت کو نہ چھینو! خدا کی قسم اے مہاجرین! ہم اہل بیت رسولؐ جب تک قرآن پڑھنے والے، دین خدا میں فقیہ، سنت رسول اللہ کے عالم اور اجتماعی حالات کے ہمدرد، رہیں گے ان امور کیلئے آپ لوگوں سے زیادہ سزاوار ہیں، خدا کی قسم جو چاہو گے ہمارے خاندان میں موجود ہے اپنے ہوائے نفس کی پیروی اور اطاعت نہ کرو، ورنہ اس طرح حقیقت کی راہ سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جاؤ گے''

بشیر بن سعد نے کہا:

''اے علی (علیہ السلام)! اگر انصار نے ابوبکر سے بیعت کرنے سے پہلے آپ کی یہ بات سنی ہوتی تو دو آدمی بھی آپ کے بارے میں اختلاف نہ کرتے، لیکن کیا کیا جائے کہ کام تمام ہو چکا ہے

اور لوگوں نے بیعت کر لی ہے''

لہذا علی علیہ السلام اپنے نظریہ پر بدستور قائم رہے اور ابوبکر کی بیعت کئے بغیر اپنے گھر لوٹ آئے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے مبارزے

ابن ابی الحدید نے ''شرح نہج البلاغہ'' میں ابوبکر جوہری سے نقل کر کے روایت کی ہے:

جب فاطمہؑ نے دیکھا کہ ان دو اشخاص (علی علیہ السلام و زبیر) کے ساتھ کونسا سلوک کیا گیا ہے، تو اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑی ہو کر فرمایا: ''اے ابوبکر! تم نے کتنی جلدی رسولؐ کے خاندان سے مکر کیا، خدا کی قسم مرتے دم تک میں عمر سے بات نہیں کروں گی''[1]

ایک دوسری روایت کے مطابق فاطمہ زہراءؑ زار و قطار روتے ہوئے گھر سے باہر آئیں اور لوگوں کو ایک کنارے پیچھے کی طرف ہٹا دیا۔

یعقوبی کہتا ہے؛ فاطمہؑ باہر آئیں اور کہا:

''خدا کی قسم! میرے گھر سے باہر چلے جاؤ ورنہ میں سر برہنہ ہو کر بالوں کو بکھیر کر بارگاہ الٰہی میں فریاد بلند کروں گی'' اس وقت لوگ ان کے گھر سے باہر آئے اور جو

لوگ گھر میں تھے وہ بھی وہاں سے باہر آ گئے''[2]

۱۔ ابن ابی الحدید ج ۲/۱۳۴، ج ۶/۲۸۶۔

۲۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲/۵۰

اس کے علاوہ ابراہیم نظام[۱] بھی کہتا ہے:

''بیعت کے دن عمر نے فاطمہؑ کے شکم اور پہلو پر ایسی ضرب لگائی کہ محسن ساقط ہو گئے، اور اس طرح نعرے لگاتے تھے کہ: اس گھر کو اس کے مکینوں کے سمیت آگ لگا دوں گا! جبکہ اس گھر میں علی علیہ السلام، حسن اور حسینؑ کے علاوہ کوئی اور نہ تھا''[۲]

مسعودی کہتا ہے: ''جس دن عام لوگوں کی طرف سے ابوبکر کی سقیفہ میں بیعت ہو رہی تھی تو منگل کے دن تجدید بیعت کی گئی، حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر سے کہا: تم نے ہمارا کام خراب کر دیا اور اس کام میں ہمارے ساتھ کوئی صلاح و مشورہ نہیں کیا اور ہمارے کسی حق کی رعایت نہیں کی!!''

ابوبکر نے جواب میں کہا: جی ہاں! لیکن کیا کروں میں نے فتنہ اور بغاوت کے برپا ہونے سے ڈر گیا[۳]

یعقوبی مزید کہتا ہے:

''کچھ لوگ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا، علی علیہ السلام نے ان سے کہا: ''کل صبح تم سب لوگ اپنے سر منڈوا کر میرے پاس آنا''

لیکن دوسرے دن ان میں سے صرف تین اشخاص آئے[۴]

خلاصہ یہ کہ اس واقعہ کے بعد علی علیہ السلام، فاطمہ سلام علیہا کو ایک گدھے پر سوار کر کے رات کو انصار کے دروازوں پر لے جا کر ان سے مدد طلب کرتے تھے، فاطمہ (س) زہرا بھی ان سے مدد طلب

۱۔ نظام کا نام ابراہیم بن سیار تھا، اس کی زندگی کے حالات آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

۲۔ شہرستانی م ملل ونحل کے گیارھوں سوال میں، ملل ونحل طبع ایران ج ۱/۲۶ وطبع لیدن ۴۰۔

۳۔ مروج الذہب ج ۴۱۴/۱، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱۲/۱۔۱۴۔

۴۔ تاریخ یعقوبی ج ۱۰۵/۲، ابن ابی الحدید ج ۴/۲۔

کرتی تھیں۔ وہ جواب میں کہتے تھے: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی! ہماری بیعت اس شخص کے ساتھ تمام ہوچکی ہے۔ اگر آپ کے چچیرے بھائی ابوبکر سے پہلے ہم سے بیعت کا مطالبہ کرتے، ہم ہرگز کسی دوسرے کو ان کے برابر قرار نہیں دیتے، اور ان کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کرتے، علی علیہ السلام جواب دیتے تھے:

''تعجب کی بات ہے تم لوگ مجھ سے یہ توقع رکھتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کو تجہیز و تکفین کے بغیر، گھر میں چھوڑ کر، پیغمبر خداؐ سے بھی حکومت کے بارے میں، جنگ و جدال میں مشغول ہو جاؤں؟!

فاطمہؑ بھی کہتی تھیں:

''ابوالحسن نے وہ کام انجام دیا، جس کے وہ سزاوار تھے اور اس طرح انھوں نے اپنا فریضہ نبھایا اور ان لوگوں نے بھی ایک ایسا کام انجام دیا جس کے بارے میں خداوند عالم ان سے پوچھتا چھ کرے گا''[1]

معاویہ نے بھی علی علیہ السلام کو اپنے ایک خط میں اسی روداد کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔ جسے ہم نے یعقوبی سے نقل کیا جس پر وہ یوں کہتا ہے:

جیسا کہ کل ہی ابوبکر کی بیعت کے دن تم اپنے گھر کی پردہ نشین کو گدھے پر سوار کر کے اپنے دو بیٹوں حسن وحسین کے ہاتھ پکڑ کر آ گئے اہل بدر اور اسلام میں سبقت لینے

[1] ابوبکر جوہری اپنی کتاب سقیفہ میں بہ روایت ابن ابی الحدید ج ۲۸/۶ والامامۃ والسیاسۃ ج ۱۲/۱۔

والوں کے گھروں کے دروازوں پر جا کر ان سے اپنے لئے بیعت چاہتے تھے، اپنی بیوی کے ہمراہ ان کے پاس چلے گئے اور اپنے دو بیٹوں کو لیکر ان سے التماس کیا اور ان سے اپنے لئے مدد طلب کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار ابوبکر سے منہ موڑ لیں، لیکن چار یا پانچ اشخاص کے علاوہ کسی اور نے تمہارے مطالبے کا جواب نہیں دیا، اپنی جان کی قسم! اگر حق تیرے ساتھ ہوتا تو وہ تیرا مثبت جواب دیتے لیکن تم ایک باطل دعویٰ کر رہے تھے اور ایک غیر معمولی مطلب بیان کرتے تھے اور ایک ایسی چیز کا مطالبہ کرتے تھے جس کے تم حقدار نہ تھے۔

میں جس قدر بھی فراموش کار رہوں گا، لیکن جو بات تم نے ابوسفیان کو کہی اسے ہرگز بھلایا نہیں جا سکتا جب وہ تمہیں اشتعال دلا رہے تھے، تم نے اس سے کہا: اگر چالیس مستحکم ارادے والے آدمی میرا ساتھ دیتے تو میں انقلاب برپا کر کے ان لوگوں سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا![1]

جنگ صفین میں جب معاویہ کے لشکر کے افراد نے علی علیہ السلام کے لشکر کو پانی استعمال کرنے سے روکا، تو عمرو عاص نے معاویہ کو اپنی گفتگو کے ضمن میں اس بات کی طرف یاد دہانی کرائی اور کہا: ہم دونوں نے سنا ہے کہ علی علیہ السلام کہتے تھے کاش چالیس آدمی میرا ساتھ دیتے اور اس کے بعد کچھ کہا...'' اور عمرو کا مقصود حضرت فاطمہ زہرا کے گھر کی تلاشی لینے کے دن امیر المؤمنین کی

۱۔ ابن ابی الحدید ج ۶۷/۲ اور کتاب صفین ص ۱۸۲

فرمائشات کی طرف اشارہ تھا۔

مبارزات کا خاتمہ اور علیؑ کی بیعت

ابن اثیر اسد الغابہ میں ابوبکر کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''صحیح بات یہ ہے کہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں نے چھ ماہ بعد بیعت کی''[۱]

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے:

''علی علیہ السلام نے چھ ماہ بعد بیعت کی''[۲]

ابن عبد البر، استیعاب میں اور مسعودی التنبیہ والاشراف میں یوں لکھتے ہیں:

''علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کی وفات کے بعد ابوبکر کی بیعت کی''[۳]

ابن قتیبہ نے ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں لکھا ہے:

''علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کی وفات کے بعد بیعت کی، اور یہ پیغمبرؐ کی وفات سے ۷۵ روز کا فاصلہ تھا اس واقعہ کی تفصیل کو زہری نے نقل کیا ہے اور پیغمبر خداؐ کی میراث کے موضوع کے بارے میں ابوبکر اور فاطمہ کے درمیان واقع ہونے والی روداد ام المؤمنین عائشہ سے نقل کی ہے کہ عائشہ نے کہا ہے: فاطمہ نے ابوبکر سے

۱۔ اسد الغابہ ج ۳/۲۲۲۔

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/ج ۱۰۵۔

۳۔ الاستیعاب ج ۲/ص ۲۴۴، التنبیہ والاشراف ص ۲۵۰۔

منہ موڑ لیا اور ان کے ساتھ بات نہیں کی اور علی علیہ السلام نے فاطمہ علیہا السلام کے بدن کو ابو بکر کی اطلاع کئے بغیر رات کے سناٹے میں دفن کر دیا۔ جب تک فاطمہؑ زندہ تھیں لوگ علی علیہ السلام کا احترام کرتے تھے اور جب فاطمہ اس دنیا سے رحلت کر گئیں تو لوگوں نے علی علیہ السلام سے منہ موڑ لیا، فاطمہ پیغمبر خداؐ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور اس کے بعد وفات کر گئیں۔

راوی کہتا ہے: ایک شخص نے زہری سے پوچھا کیا ان چھ ماہ کے دوران علیؑ نے بیعت نہیں کی؟! زہری نے جواب میں کہا: نہ انھوں نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی نے مگر یہ کہ جب علی علیہ السلام نے بیعت کی[1]

تیسیر الوصول میں آیا ہے کہ زہری نے کہا؛ خدا کی قسم نہیں! اور علی علیہ السلام کی بیعت کرنے تک بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بیعت نہیں کی[2]

اور کہا گیا ہے: جب علی علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگوں نے ان سے منہ موڑ لیا ہے تو ابو بکر کے ساتھ صلح کر لی.... الخ[3]

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ رص ۱۳۔

۲۔ تیسیر الوصول ج ۲ رص ۴۶۔

۳۔ ہم نے اس حدیث کو خلاصہ کے طور پر مندرج ذیل کتابوں سے نقل کیا ہے:

طبری ج ۳ ر ۲۰۲، صحیح بخاری ج ۳ ر ۳۸، (باب غزوۂ خائبر) کتاب مغازی اور صحیح مسلم سے باب قول رسول اللہ و نحن لا نورّث ما ترکناہ صدقہ ج ۱ ر ۷۲، ج ۳.۳ ر ۱۵۳، ابن کثیر ج ۶، ۲۸۵۔ ۲۸۶، العقد الفرید ج ۳ ر ۶۴، ابن اثیر خلاصہ کے طور پر ج ۲ ر ۲۲۴ میں نقل کیا ہے، گنجی کفایۃ الطالب ص ۲۲۵۔ ۲۲۶، ابن ابی الحدید ج ۲ ر ۱۲۲، مسعودی ج ۲ ر ۴۱۴ مروج الذہب سے نقل کر کے. صواعق ج ۱ ر ۱۲، تاریخ الخمیس ج ۱ ر ۱۹۳، ابو الفداء ج ۱ ر ۱۵۶ اوالبداء والتاریخ ج ۵ ر ۶۶)

بلاذری نے انساب الاشراف میں یوں نقل کیا ہے:

’جب عربوں نے دین سے منہ موڑ لیا تو وہ مرتد ہو گئے، عثمان، علی علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے میرے چچا زاد بھائی: جب تک آپ بیعت نہیں کریں گے کوئی بھی ان دشمنوں سے لڑنے کیلئے نہیں جائے گا....اور مسلسل اس موضوع پر گفتگو کرتے تھے اور آخر کار انھیں ابوبکر کے پاس لے گئے....‘‘

یہاں تک کہتے ہیں:

علی علیہ السلام نے ان کی بیعت کی اور مسلمان خوشحال ہوئے اور جنگ کیلئے آمادہ ہو گئے اور گروہ گروہ سپاہیوں کو روانہ کیا گیا[۱]

حقیقت میں علی علیہ السلام نے ایک طرف سے فاطمہ کو کھویا تھا اور دوسری طرف سے مسلمانوں کی، ناگفتہ بہ حالات اور ان کی بے توجہی کا مشاہدہ کر رہے تھے اور اب تو وہ فرصت بھی ہاتھ سے چلی گئی تھی جس کی وجہ سے لوگ رونما ہونے والے حالات سے بے توجہ تھے، اس لئے انہوں نے مجبور ہو کر ابوبکر سے صلح کی لیکن ان دنوں کی تلخیوں کو کبھی نہیں بھولے حتی اپنی خلافت کے دوران بھی ان حوادث کی تلخی کو نہیں بھولے اور مسلسل ان کے بارے میں شکوہ شکایت کرتے رہے، وہ اپنے معروف خطبۂ شقشقیہ میں فرماتے ہیں:

۱۔ انساب الاشراف، ج ۱ ص ۵۸۷۔

میرے لئے ایہ امر عقل کے مطابق اس ذمہ داری کی بنا پر جو مجھ پر تھی واضح تھا کہ صبر وشکیبائی کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے لہذا میں نے صبر وتحمل سے کام لیا، لیکن یہ حالت میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے کہ میرے آنکھوں میں تنکا اور میرے گلے میں ہڈی پھنس گئی ہو، میں اپنی آنکھوں سے نا قابل انکار حق کو لوٹتے دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد فرمایا:

''انتہائی تعجب کی بات ہے کہ ابوبکر اپنی زندگی میں لوگوں سے درخواست کرتے تھے کہ ان کی بیعت کو توڑ دیں لیکن اپنی موت سے چند دن پہلے خلافت کا عہد و پیمان عمر کیلئے مستحکم کر گئے افسوس ان دولٹیروں نے خلافت کو، دودھ بھرے دو پستانوں کے مانند آپس میں تقسیم کر لیا''[1]

ابوبکر سے بیعت کی قدر و قیمت

کہتے ہیں ایک چور اور ڈاکو کی ماں نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے سے مطالبہ کیا کہ اس کیلئے حلال مال سے کفن آمادہ کرے، کیونکہ بیٹے کا جو بھی مال تھا وہ حرام تھا، ڈاکو حلال مال کی تلاش میں گھر سے باہر نکلا اور ایک چوراہے پر گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اتفاق سے سفید عمامہ پہنے ایک بزرگ وہاں سے گزرے راہزن نے چابک دستی سے شیخ کے سر سے عمامہ کو اتار لیا اور ان کی پٹائی شروع کی تا کہ وہ یہ کہیں کہ: ''حلال ہے''

۱۔ نہج البلاغہ وشرح ابن ابی الحدید ج ۲ / ۵۰، ابن جوزی نے اپنے تذکرہ کے باب ششم، کتاب ماھو نہج البلاغہ تالیف علامہ شہرستانی خطبہ ملاحظہ ہو۔

شیخ نے درد سے کراہتے ہوے ڈر کے مارے کہا؛' حلال ہے'' ! ڈاکو نے ان کی مزید پٹائی کی اور کہا: بلند آواز میں کہو تا کہ میری بیمار ماں بھی اسے سن لے ! شیخ نے بلند آواز میں فریاد بلند کی:

'''' حلال ہے! حلال ہے''

کیا جس بیعت کا نام ''لوگوں کا انتخاب'' رکھا گیا تھا اس کے علاوہ کچھ اور تھی؟

کیا کہنا اس آزاد انتخاب اور مشروع بیعت کا ، جس کو سقیفہ میں جوتم پر دباؤ اور ڈرا دھمکا کے حاصل کیا گیا پھر جسے مدینہ کی گلی کوچوں میں قبیلۂ اسلم جیسے صحرانشین قبائل کو لالچ دیکر مکمل کیا گیا اور آخر میں پیغمبر خداؐ کی بیٹی حضرت زہراؑ کے گھر کے دروازے پر آگ کے شعلے لے جا کر اختتام کو پہنچایا گیا!

ابوبکر کی بیعت کے بارے میں بزرگ اصحاب کے فیصلے

واعجباً لقریش و دفعهم هذ الامر عن اهل بیت نبیّهم

تعجب کی بات ہے... قریش نے خلافت کی باگ ڈور کو اہل بیت رسولؐ سے چھین لیا!

مقداد، پیغمبر اسلام کے نامور صحابی

لو بایعوا علیّاً لأکلوا من فوقهم و من تحت أرجلهم

مسلمان اگر علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو لافانی سعادت وسیادت کو پاتے اور زمین و آسمان کی برکتیں ان پر نازل ہوتیں۔

سلمان محمدی

ا۔ فضل بن عباس

بنی ہاشم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کی تجہیز وتکفین میں مشغول تھے کہ خبر

پہنچی کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں ابوبکر کیلئے بیعت لی جارہی ہے۔

اس خبر کو سننے کے بعد بنی ہاشم کے ردعمل اور پالیسی کے بارے میں یعقوبی نے یوں لکھا ہے[۱]

جب گھر سے باہر آئے تو فضل بن عباس اٹھے اور یوں بولے:

اے قریش کی جماعت! دھوکہ دہی اور پردہ پوشی سے تم خلافت کے مالک نہیں بن سکتے، خلافت کے مستحق ہم ہیں نہ کہ تم لوگ، ہم اور ہمارے سردار علی علیہ السلام خلافت کیلئے آپ لوگوں سے سزاوارتر ہیں۔

۲۔ عتبہ بن ابی لہب نے جب ابوبکر کی بیعت کی روداد سنی تو اس نے اعتراض کے طور پر یہ اشعار کہے:

ما كنت أحسب هذ الامر منصرفا   عن هاشم ثم منها عن ابی الحسن

عن اول الناس ايماناً و سابقة   اعلم الناس بالقرآن و السنن

و آخر الناس عهداً بالنبیّ و من   جبرئيل عون له فی الغسل و الكفن

من فيه ما فيهم لا يمترون به   و ليس فی القوم ما فيه من حسن

ترجمہ:

''میں ہرگز یہ تصور نہیں کرتا تھا کہ خلافت کی باگ ڈور کو بنی ہاشم خاص کر ابوالحسن سے چھین لیا جائیگا، کیونکہ ابوالحسن وہی ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اسلام میں ان کے جیسا اچھا سابقہ کسی اور

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۰۳، روایۃ اھم وفقیات، شرح نہج البلاغہ ج ۶/۲۸۷ میں قضیہ کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

کو حاصل نہیں ہے وہ تمام لوگوں سے علوم قرآن وسنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دانا تر ہیں اور وہ تنہا شخص ہیں جو پیغمبر کی زندگی کے آخری لحات تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے حتی آپ کی تجہیز وتکفیں کو بھی انہوں نے جبرئیل کی مدد سے انجام دیا، وہ دوسروں کے تمام نیک صفات اور روحانی فضائل کے اکیلے ہی مالک ہیں لیکن دوسرے لوگ ان کے معنوی کمالات اور روحانی واخلاقی خوبیوں سے محروم ہیں''

حضرت علی علیہ السلام نے کسی کو اس کے پاس بھیجا اور بات کو آگے بڑھانے سے روکا اور فرمایا

''ہم دین کی سلامتی کو تمام چیزوں سے عزیز رکھتے ہیں''[1]

۳۔ عبداللہ بن عباس

ابن عباس کہتے ہیں:

ابوبکر کی بیعت کے بارے میں عمر نے مجھ سے کہا؛ اے ابن عباس! کیا یہ جانتے ہو کہ کونسی چیز اس امر کا سبب بنی کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد، لوگوں نے آپ لوگوں کی بیعت نہیں کی؟ چونکہ میں اس کا جواب دینا نہیں چاہتا تھا، اسلئے میں نے کہا: اگر میں متوجہ نہیں ہوں تو امیر المؤمنین مجھے آگاہ فرمائیں۔

عمر نے کہا؛ وہ اس بات پر آمادہ نہ تھے کہ نبوت اور خلافت ایک ہی جگہ جمع ہوجائے اور ہر قسم کی عظمت وافتخار تمہارے خاندان کا طرۂ امتیاز ہو، اس لئے قریش نے خلافت کو اپنے لئے منتخب کیا اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

۱۔ شرح ابن ابی الحدید طبع مصر ج ۶/ ۸، ابن حجر نے اصابہ ۲۶۳/۲ میں عباس بن عتبہ کے حالات کو تفصیل کے ضمن میں نمبر ۴۵۰۸، ابو الفداء نے اپنے تاریخ کی ج ۱۶۴/۱ میں ان اشعاع کو پیغمبرؐ کے چچا اور بھائی فضل بن عتبہ بن ابی اللھب سے نسبت دی ہے. لیکن ایسا لگتا ہے یہ نسبت صحیح نہیں ہوگی۔

میں نے کہا؛ اے امیر المؤمنین ! اگر جازت دیں اور مجھ سے ناراض نہ ہوں تو میں بھی کچھ کہوں، اس کے بعد کہا: کہو اے ابن عباس![1]

میں نے کہا:

یہ جو آپ نے کہا کہ قریش خلافت کیلئے منتخب ہوئے وہ اس کے مستحق تھے اور اس میں کامیاب ہوئے اس سلسلہ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر قریش اسی چیز پر منتخب ہوتے جو خدا نے ان کیلئے اختیار کیا تھا اگر اسے اپناتے تو نہ ان کا حق ضائع ہوتا اور نہ کوئی ان پر رشک کرتا، لیکن جو آپ نے کہا کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ نبوت اور خلافت دونوں ہم میں جمع ہو جائے ، پس جان لو خداوند عالم قرآن مجید میں ایک جماعت کو اس صفت سے معرفی کرتا ہے اور فرماتا ہے: ﴿**ذلک بانهم کرهوا ما انزل الله فاحبط اعمالهم**﴾''

''چونکہ انہوں نے پیغمبر پر بھیجے گئے دستورات کو پسند نہیں کیا، اس لئے خداوند عالم نے ان کے کردار کو قبول نہ کرتے ہوئے باطل کر ڈالا''

۱۔ عبداللہ پیغمبر کے چچا عباس کے بیٹے تھے، اس وجہ سے ابن عباس کہتے تھے ابن عباس اور عمر کے درمیان اس گفتگو کو طبری نے ج ۳ میں سیرت عمر کے موضوع کے تحت لایا ہے اور ابن ابی الحدید نے '' لله بلاد فلان '' کی تشریح میں ج ۲ ص ۴۹ اور ص ۱۵ طبع ایران احمد بن ابی طاہر سے سند کے ذکر کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس گفتگو میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ جس چیز نے عمر کو اس بات پر مجبور کیا تا کہ پیغمبر کی وصیت لکھنے میں رکاوٹ ڈالے یہ تھی وہ بخوبی جانتے تھے کہ وصیت علی علیہ السلام کے حق میں لکھی جائے گی۔

عمر نے کہا: افسوس! اے ابن عباس تمہارے بارے میں کچھ ایسی رپورٹیں مجھے ملی ہیں جن پر یقین نہیں آرہا تھا لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ رپوٹیں صحیح تھیں۔

میں نے کہا: کونسی رپورٹ آپ کو ملی ہے؟ اگر میں نے حق کہا ہوگا تو اس سے میری حیثیت آپ کے سامنے متزلزل نہیں ہونی چاہئے اور اگر جھوٹ ہے تو مجھ جیسے پر حق بنتا ہے کہ جھوٹ کی تہمت اور باطل سے دور ہو جاؤں۔

عمر نے جواب دیا: رپورٹ ملی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ بنی ہاشم پر ظلم وستم اور ان سے حسد کی وجہ سے خلافت چھین لی گئی ہے۔

میں نے کہا: یہ جو کہتے ہو کہ میں نے کہا ہے کہ ظلم کیا گیا ہے یہ ہر عالم اور جاہل پر واضح ہے لیکن یہ جو کہتے ہو کہ رشک وحسد سے کام لیا گیا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ابلیس نے آدم پر رشک کیا اور ہم بھی آدم کے وہی فرزند ہیں جن سے رشک کیا گیا ہے۔

۴۔ سلمان فارسی:

ابوبکر جوہری نے روایت کی ہے سلمان، زبیر اور انصار، پیغمبرؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے جب ابوبکر نے لوگوں سے بیعت لے لی تو سلمان نے کہا: تھوڑی سی خیر ونیکی کو حاصل کر کے خیر و برکت کے معدن ومنبع سے محروم ہو گئے''

اس دن (سلمان) کہتے تھے: ایک معمر انسان کو منتخب کر کے اپنے پیغمبر کے خاندان کو چھوڑ دیا

ہے، اگر خلافت کو پیغمبر کے خاندان میں رہنے دیتے تو دو آدمی بھی آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور لوگ اس درخت کے میووں سے بیشتر مستفید ہوتے[1]

انساب الاشراف میں آیا ہے:

سلمان نے اپنی مادری زبان میں کہا: ''کرداز وناکرداز'' تم لوگوں نے کیا لیکن کچھ نہیں کیا، یعنی اگر خلافت کو غصب نہ کرتے تو بہتر تھا اور جو کام تم لوگوں نے انجام دیا وہ صحیح نہیں تھا، بلکہ مزید اس میں اضافہ کیا، اگر مسلمان علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہر طرف سے ان پر نازل ہوتیں اور وہ ہر طرح کی سعادت وسیادت سے مالا مال ہوتے **لو بایعوا علیاً لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم**

۵۔ام مسطح:

ابوبکر جوہری نے مزید کہا ہے:

جب ابوبکر کی بیعت سے علی علیہ السلام کے انکار کی گفتگو پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو ابوبکر وعمر نے علی علیہ السلام کے بارے میں شدید ردعمل کا اظہار کیا، ام مسطح بن اثاثہ نے اپنے گھر سے باہر نکل کر پیغمبر خداؐ کی قبر کے پاس آکر یہ اشعار پڑھے:

قد کان بعدک انباء و ھنبثة   لو کنت شاھدھا لم تکثر الخطب

انا فقدناک فقد الأرض و ابلھا   و اختلّ قومک فاشھدھم و لا تغب

۱۔ ابوبکر جوہری، سقیفہ بروایت ابن ابی الحدید ج ۲، ۱۳؍، ج ۶؍۱۷۔

اے پیغمبر! آپ کے بعد چہ میگوئیاں اور اہم حوادث رونما ہوئے اگر آپ زندہ ہوتے تو ہرگز اس قدر پریشانیاں پیدا نہیں ہوتیں، ایسے حوادث رونما ہوئے جیسے زمین باران سے محروم ہو جائے اور نمی اور طراوٹ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، ہم آپ سے محروم ہو گئے اور لوگوں کے کام کا شتہ ٹوٹ گیا، اے پیغمبر! اس بات پر گواہ رہئے گا!'' [۱]

۶۔ ابوذر

رسول اللہ نے جب رحلت فرمائی تو اس وقت ابوذر مدینہ میں موجود نہ تھے جب وہ مدینہ پہنچے تو اس وقت ابوبکر نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، انھوں نے اس سلسلے میں کہا: تم لوگوں نے تھوڑی سی چیز کو حاصل کر کے اسی پر اکتفا کیا اور پیغمبرؐ کے خاندان کو کھو دیا اگر اس کام کو اہل بیتؑ رسول کے سپرد کرتے تو دو آدمی بھی آپ کے نقصان میں آپ سے مخالفت نہ کرتے۔[۲]

۷۔ مقداد بن عمرو

یعقوبی نے عثمان کی بیعت کی، روداد بیان کرتے ہوئے، راوی سے روایت کی ہے:

'مسجد النبیؐ سے ایک دن میرا گزر ہوا، میں نے ایک شخص کو دو زانو بیٹھے اس قدر حسرت بھری آہ بھرتے ہوئے دیکھا کہ گویا تمام عالم اس کی ملکیت تھی اور وہ

۱۔ ام مسطح بن اثاثہ کا نام سلمی بنت ابورہم ہے، اس کی بات کو ابوبکر جوہری نے سقیفہ میں بنا بہ روایت ابن ابی الحدید ۲/۱۳۱۔۱۳۲ اور ج ۶/۱۷ ذکر کیا ہے۔

۲۔ ابوبکر جوہری نے کتاب سقیفہ میں ابن ابی الحدید شرح، نہج البلاغہ ج ۶/ص ۵ طبع مصر سے نقل کیا ہے، تاریخ یعقوبی میں ابوذر کی تنقید کرتے ہوئے نقل کیا گیا ہے۔

اسے کھو بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا' قریش کا کردار کس قدر تعجب آور ہے کہ مستحق سے کام چھین لیا گیا''۔

۸۔ بنی نجار کی ایک عورت

ابوبکر جوہری کہتے ہیں:

''جب ابوبکر کی بیعت کا کام مستحکم ہوگیا، تو انہوں نے بیت المال سے ایک حصہ مہاجر وانصار کی عورتوں کیلئے معین کیا اور بنی عدی بن نجار کی ایک عورت کا حصہ زید بن ثابت کے ہاتھ سپرد کیا تا کہ اسے پہنچا دے، زید اس عورت کے پاس آئے اور اس کے حصہ کو اسے پیش کیا، عورت نے پوچھا، یہ کیا ہے؟

زید نے کہا؛ بیت المال کے ایک حصہ میں سے ہے جسے ابوبکر نے عورتوں میں تقسیم کیا ہے۔

اس نے کہا؛ کیا تم میرے دین کو رشوت دیکر خریدنا چاہتے ہو؟

خدا کی قسم! ان سے کوئی چیز نہیں لوں گی اور یہ حصہ ابوبکر کو واپس دیدیا[۱]

۱۔ ابوبکر جوہری کتاب سقیفہ میں ابن ابی الحدید کی شرح ج ۲/۱۳۳ طبع مصر میں، طبقات ج ۲/۱۲۹ میں بھی اس داستان کو تقریباً اس مضمون سے نقل کیا گیا ہے۔

۹۔معاویہ کا نظریہ

معاویہ نے محمد بن ابو بکر کے نام لکھے گئے اپنے ایک خط میں یوں کہا ہے:

ہم اور تیرے باپ فرزند ابو طالب کی فضیلت اور برتری سے واقف تھے اور اپنے اوپر ان کے حق کو ضروری سمجھتے تھے، جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو کچھ اس کے پاس تھا اس پر عمل کیا اور ان سے کئے گئے عہد و پیمان کو پورا کیا اور اس کی دعوت کو واضح کر کے حجت کو تمام کیا اور اس کی روح کو قبض کر کے اپنی طرف بلایا تو تمہارے باپ اور عمر پہلے اشخاص تھے جنہوں نے علی (علیہ السلام) کے حق کو غصب کیا اور ان کے ساتھ مخالفت کی۔ان دو آدمیوں نے پہلے سے مرتب کئے گئے منصوبہ کے تحت آپس میں ملی بھگت کر کے علی علیہ السلام سے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا حضرت علی (علیہ السلام) نے جب اجتناب اور انکار کیا تو انہوں نے نامناسب اقدامات کئے اور ان کے خلاف خطرناک منصوبے مرتب کئے، یہاں تک کہ علی علیہ السلام نے مجبور ہو کر ان کی بیعت کی اور ہتھیار ڈال دئے، لیکن پھر بھی یہ دو شخص ہرگز انھیں اپنے کام میں شریک قرار نہیں دیتے تھے نیز انھیں آگاہ نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان دونوں کی روح قبض کر لی، اس بنا پر آج جس راہ پر ہم گامزن ہیں، اگر وہ صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے تو اس کی بنیاد تمہارے باپ نے ڈالی ہے اور ہم اس کے شریک ہیں اور اگر تیرے باپ ایسا نہ کرتے، تو ہم ہرگز فرزند ابو طالب کی مخالفت نہیں کرتے اور خلافت کی باگ ڈور انھیں سونپ دیتے، لیکن تیرے باپ نے ہم سے پہلے ان کے بارے میں یہی

کام انجام دیا اور ہم نے بھی تیرے باپ کے ہی مانند ان سے برتاؤ کیا، اب تم یا اپنے باپ کی عیب جوئی کر دیا ہمیں سرزنش اور ملامت کرنا چھوڑ دو، خداوند عالم توبہ کرنے والوں پر درود بھیجے[۱]

۱۰۔ خالد بن سعید اموی

خالد بن سعید بن عاص ان افراد میں سے تھا جنہوں نے مسلمان ہونے میں سبقت حاصل کی تھی، وہ تیسرا یا چوتھا یا پانچواں شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا ہے ابن قتیبہ ''المعارف'' کے صفحہ نمبر ۱۲۸ پر لکھتا ہے: ''خالد ابوبکر سے پہلے اسلام لایا تھا''

خالد ان افراد میں سے تھا جنہوں نے حبشہ ہجرت کی تھی اسلام کے مضبوط اور مستحکم ہونے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کے دو بھائیوں ابان وعمرو کے ہمراہ قبیلۂ ''مذحج'' سے زکات وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا، اس کے بعد وہ یمن کے شہر صنعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مامور مقرر ہوا، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو خالد اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ ماموریت کی جگہ سے مدینہ کی طرف واپس آیا۔ ابوبکر نے ان سے پوچھا تم لوگ کیوں اپنی ماموریت کی جگہ کو چھوڑ کر آئے ہو؟ اس کے علاوہ حکمرانی کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتخب کردہ افراد سے سزاوار تر کوئی نہیں ہے، اپنی جگہ جا کر اپنا فریضہ انجام دینے میں مشغول ہو جاؤ، انہوں نے جواب میں کہا: ہم عبداللہ کے بیٹے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کی نوکری کرنا نہیں چاہتے[۲]

۱۔ مروج الذہب مسعودی ج ۶۰/۲، نصر بن مزاحم کی صفین ص ۱۳۵ طبع قاہرہ ۱۳۶۵ھ اور شرح ابن ابی الحدید، نہج البلاغہ ج ۶۵/۲، اس نے بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اور ج ۹۲۸/۴/۱۔

۲۔ استیعاب ج ۳۹۸/۱، اصابہ ج ۴۰۶/۱، اسد الغابہ ج ۹۲/۲، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۱۳/۶۔

خالداوراس کے بھائیوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے میں لیت ولعل سے کام لیا۔ خالد نے بنی ہاشم سے کہا؛ آپ خاندان بنی ہاشم قدآور درخت کے مانند ہیں اور ہم بھی آپ کے تابعدار ہیں [۱]

خالد نے دو ماہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور کہتا تھا، ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صنعا کا مأمور مقرر فرمایا اور اپنی وفات تک ہمیں معزول نہیں کیا۔

خالد نے ایک دن علی ابن ابیطالبؑ اور عثمان سے ملاقات کی اور انھیں کہا: اے عبد مناف کے فرزندو! آپ نے اپنے کام سے ہاتھ کھینچ لیا تاکہ دوسرا اس پر قابض ہو جائے۔ ابوبکر نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں کی، لیکن عمر نے اسے اپنے دل میں رکھا [۲]

اس کے بعد خالد نے علی علیہ السلام کے پاس آکر ان سے کہا آگے بڑھئے! میں آپ کی بیعت کرتا ہوں، خدا کی قسم لوگوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کیلئے آپ سے سزاوارتر کوئی نہیں ہے [۳] لیکن جب بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت کی تو خالد نے بھی ان کی بیعت [۴] کا کام مکمل ہونے کے بعد جب ابوبکر لشکر اسلام کو شام کی جانب روانہ کررہے تھے، سب سے پہلے جسے لشکر کی ایک چوتھائی کی کمانڈ سونپی گئی وہ خالد بن سعید تھا، لیکن عمر اس کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ کیا ایسے شخص کو سپہ سالار بنارہے ہیں کہ جس نے جو نہ کرنا تھا کیا اور جو نہیں کہنا تھا کہہ دیا؟ اور عمر نے اپنی مخالفت جاری رکھی اور

۱۔ استیعاب ۱/۲۹۸، اصابہ ۱/۴۰۶، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۱۳/۶

۲۔ اسد الغابہ ج ۹۲/۲، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ ج ۱۳۵/۲

۳۔ طبری ج ۵۸۶/۲، تہذیب التہذیب ابن عساکر ج ۴۸/۵، انساب الاشراف ج ۵۸۸/۱،

۴۔ تاریخ یعقوبی ج ۱۰۵/۲

خاموش نہیں بیٹھے جب تک خالد کو اس عہدے سے معزول نہیں کرلیا پھر سپہ سالاری کا حکم یزید بن ابی سفیان کے نام جاری کیا گیا[1] خالد کو اپنے معزول ہونے پر کوئی پروانہ تھی کیونکہ وہ مقام ومنزلت کا پابند نہ تھا اس لئے وہ لشکر اسلام کے ہمراہ شام کی طرف روانہ ہوا اور ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ کو اس جنگ میں شہید ہوا۔

۱۱۔ سعد بن عبادۂ انصاری

وہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا وہ بیعت عقبہ میں حاضر تھا اور اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام غزوات میں شرکت کی ہے اس کے غزوۂ بدر میں حاضر ہونے کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف نظر ہے۔

سعد ایک رحم دل اور سخی شخص تھا، فتح مکہ کے دن انصار کا علمبردار تھا چونکہ اس نے اس جنگ میں یہ نعرہ بلند کیا ''آج جنگ کا دن ہے، جس دن عورتیں اسیر کی جائیں گی، اس کی مراد قریش کی عورتیں تھیں'' اس لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم کو اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے بیٹے قیس کے ہاتھ میں دیدیا۔[2] سعد بن عبادہ کے بارے میں اسلام کے مؤرخین لکھتے ہیں[3]

''سقیفہ میں جب ابوبکر کے حامی سعد شدید مخالفت سے دوچار ہوئے تو انہوں نے اس میں مصلحت سمجھی کہ چند روز سعد سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے جب بیعت کا کام انجام

۱۔ طبری ج ۲/۵۸۶، تہذیب ابن عساکر ج ۵/۴۸، انساب الاشراف ج ۱/۵۸۸۔

۲۔ ملاحظہ ہو اس کا ترجمہ استیعاب ج ۲/۳۲ میں اور اصابہ ج ۲/۲۷۔

۳۔ طبری ج ۲/۴۵۹، ابن اثیر ج ۲/۲۲۴، روایت کو ''فاترکوہ تک'' نقل کیا ہے، کنز العمال ج ۳/۱۳۴، حدیث نمبر ۲۲۹۶، الامامۃ والسیاسۃ ج ۱/۱۰، سیرہ حلبی نے ج ۴/۳۹۷، میں اضافہ کیا ہے کہ سعد ان میں سے کسی سے بھی مل کر سلام نہیں کرتا تھا، لا یسلم علی من بقی منھم''.

پایا تو کسی شخص کو اس کے پاس بھیج کر انھیں پیغام دیدیا کہ آ کر بیعت کریں،
دوسروں حتی تیرے قبیلہ والوں نے بھی بیعت کی ہے، سعد نے جواب میں کہا؛ خدا کی
قسم جب تک میرے ترکش میں تیر موجود ہے اور تمہیں نشانہ بنا سکتا ہوں اور اپنے
نیزے کی نوک کو تمہارے خون سے رنگین کر سکتا ہوں، اور جب تک میرے بازؤں
میں تلوار چلانے کی طاقت موجود ہے، تم لوگوں سے لڑتا رہوں گا، اور اپنے خاندان
کے ان افراد کی مدد سے جو ابھی تک میری اطاعت میں ہیں تم لوگوں سے جب تک
ممکن ہو سکے گا نبرد آزمائی کرونگا اور تمہاری بیعت نہیں کروں گا اور خدا کی قسم! اگر جن
وانس تمہاری مدد کو آ جائیں تو بھی میں تم لوگوں کی ہرگز بیعت نہیں کروں گا جب تک
خدا کے پاس اپنی شکایت نہ کرلوں اور تم لوگوں کے ساتھ عدل الٰہی کے حضور اپنا
حساب نہ چکالوں۔

جب یہ باتیں ابوبکر تک پہنچیں تو عمر نے کہا؛ اسے نہ چھوڑو جب تک کہ بیعت نہ کرے، لیکن
بشیر بن سعد نے اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا: میرے خیال میں اس قضیہ کا پیچھا کرنے میں مصلحت
نہیں ہے، کیونکہ سعد کی مخالفت ہٹ دھرمی پر مبنی ہے جو آگاہی، میں سعد کے اخلاق کے بارے میں
رکھتا ہوں، اس سے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ قتل ہونے تک ڈٹا رہے گا اور دوسری طرف سعد
کا قتل ہونا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک فرد نہیں ہے کہ اس کے قتل کئے جانے سے

مخالفتوں کو ختم کیا جا سکے، وہ ایک بڑی آبادی والے قبیلہ کا سردار ہے اور ابھی تک اس کا معنوی اثر و نفوذ اس کے خاندان میں موجود ہے، جب تک اس کے فرزندوں، رشتہ داروں اور قبیلہ کے کچھ افراد کو قتل نہ کیا جائے اس پر ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا ہے، اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اس طرح وہ ایک آدمی سے زیادہ نہیں ہے اور کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

بشیر بن سعد کی تجویز منظور ہوئی اور سعد بن عبادہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا وہ بھی ان کی جماعت اور دیگر اجتماعات میں حاضر نہیں ہوتا تھا نیز حج کے موقع پر بھی ان کی اطاعت نہیں کرتا تھا۔ اور ابوبکر کے دنیا سے چلے جانے اور عمر کی خلافت کے دور تک اسی حالت میں تھا[۱] اپنی خلافت کے دوران ایک دن عمر نے سعد کو مدینہ کی ایک گلی میں دیکھا اور اسے کہا: خبردار، اے سعد!

سعد نے جواب میں کہا: خبردار اے عمر!

عمر نے پوچھا: کیا تم نے چہ می گوئیاں کی تھیں!

سعد نے کہا: جی ہاں: میں ہی تھا، اس وقت حکومت کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں آئی ہے، لیکن خدا کی قسم ہمارے نزدیک ابوبکر کی محبوبیت تجھ سے زیادہ تھی اور میں ذاتی طور پر پسند نہیں کرتا ہوں تمہارے نزدیک رہوں۔

عمر نے کہا: جو کوئی کسی کی ہمسائیگی سے متنفر ہوتا ہے وہ اپنی سکونت تبدیل کرتا ہے۔

سعد نے کہا: میں تیری ہمسائیگی سے زیادہ خوشحال نہیں ہوں، یہ کام کر کے میں دم لوں گا اور تم

۱۔ الریاض النضرۃ ج ۱/ ۱۶۸ اس سے قبل نقل کئے گئے مصادر کے ساتھ۔

سے بہتر ہمسائے کے نزدیک جاؤں گا۔

اس ملاقات کے بعد زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ سعد شام چلا گیا[۱] بلاذری نے اس قضیہ کے بارے میں یوں نقل کیا ہے[۲]

''عمر نے ایک شخص کو شام بھیجا اور اسے حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو سکے سعد کو لالچ دلاؤ شاید وہ بیعت کرلے اور اگر اس نے بیعت نہیں کی تو خدا سے مدد کی درخواست کر کے ..اسے مأمور کے عنوان سے روانہ کرو اور اس شخص نے حوران کے مقام پر ایک باغ میں سعد سے ملاقات کی اور اسے عمر سے بیعت کرنے کی ترغیب دیدی۔

سعد نے کہا: میں قریش کے کسی شخص کی ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔

قاصد نے کہا؛ اگر بیعت نہ کروگے تو میں تجھے قتل کرڈالوں گا.

سعد نے کہا: کیا میرے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں بھی؟

اس نے کہا: کیا تم اس چیز سے دور رہنا چاہتے ہو جس پر ملت نے اتفاق کیا ہے؟!

سعد نے جواب دیا: اگر تمہارا مقصود بیعت ہے، تو جی ہاں،

یہاں پر مأمور نے حکم کے مطابق سعد کی طرف ایک تیر پھینکا اور اسے قتل کرڈالا، مسعودی

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳ رق ۱۴۵/۲، تہذیب ابن عساکر، ج ۹/۶ میں ترجمہ سعد کی تشریح میں، کنز العمال، ج ۱۳۴/۳ حدیث نمبر ۲۲۹۶، سیرہ حلبی، ج ۳۹۷/۳)

۲۔ العقد الفرید، ج ۶۴/۳، اور بلاذری نے اس عبارت کے قریب انساب الاشراف، ج ۵۱۸/۱ میں آیا ہے۔

کہتا ہے[۱]

''سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور مدینہ سے شام چلا گیا اور ۱۵ھ کو وہیں پر قتل ہوا''

ابن عبدربہ کی روایت میں آیا ہے:

''سعد بن عبادہ پر ایک تیر مارا گیا اور تیر اس کے بدن پر لگ گیا اور اسی سے وہ مر گیا، اسکے مرنے کے بعد پریوں نے اس پر گریہ کرتے ہوئے اس کے سوگ میں شعر پڑھا:

وقتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ و رمیناہ بسهمین فلم یُخطیٔ فؤادہ[۲]

ابن سعد نے طبقات میں اس کی موت کے بارے میں لکھا ہے[۳]

سعد ایک خندق میں پیشاب کرنے کیلئے بیٹھا تھا کہ اس پر حملہ کیا گیا اور اسی حالت میں اس نے جان دیدی اس کے جسد کو اسی حالت میں پایا گیا ہے اس کے بدن کی کھال کا رنگ سبز ہو چکا تھا''

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے: [۴]

سعد نے نہ تو ابوبکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی، وہ شام چلا گیا اور شہر حوران میں سکونت اختیار کر لی ۱۵ھ میں اس نے وفات پائی، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے گھر کے نزدیک سڑک کے کنارے اس حالت میں دیکھا گیا تو اسکے جسم کا رنگ سبز ہو چکا تھا، اس کی موت کے بارے

۱۔ مروج الذہب، ج ۱/۴۱۲ و ج ۲/۱۹۴،

۲۔ العقد الفرید، ج ۳/۶۴۔

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳/ق ۲/۱۴۵، ابن قتیبہ نے المعارف ۱۱۳ پر۔

۴۔ معلوم ہوتا ہے سعد کی طرف پھینکا گیا تیر زہر آلود تھا۔

میں کسی کو پتا نہ چلا جب تک ایک نامرئی شخص کی آواز کنویں میں سنی گئی اور لوگ اس سے آگاہ ہوئے[۱]

عبدالفتاح نے کتاب الامام علی بن ابیطالب'' میں لکھا ہے:

بعض احمق لوگ کہتے ہیں کہ سعد جنوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے، لیکن جو حقیقت حال سے آگاہ ہے یا گمان کیا جاتا ہے کہ آگاہ ہوگا، کہتا ہے: ''سعد کو خالد بن ولید اور اس کے ایک دوست، جو اس کا شریک کار تھا، نے رات کو گھات لگا کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کے بدن کو ایک کنویں میں سر کے بل لٹکا کر رکھدیا، اس سے پوچھا گیا کہ جنوں کی جو آواز ہم نے سنی وہ کیا تھی؟ جواب دیا گیا وہ آواز خالد کے ہمکار کی تھی، اس نے اس لئے ایسا کیا تا کہ وہ لوگوں کو بتائیں اس پر یقین کریں اور اس بات کو دھرائیں[۲]

بلاذری نے روایت کی ہے کہ عمر نے خالد اور محمد بن مسلمہ کو مأمور کیا تا کہ سعد کو قتل کر ڈالیں اورانہوں نے اپنی مأموریت کو بجالا کر، دو تیروں سے سعد کو قتل کر ڈالا اور اس کی زندگی کا خاتمہ کیا، اس روداد کو نقل کرنے کے بعد انصار میں سے ایک شخص کے درج ذیل دو شعر ذکر گئے ہیں جو سعد کے سوگ میں کہے گئے ہیں:

۱۔ سعد کی تشریح اسد الغابہ اور استیعاب ج ۲ ۳۷ میں

۲۔ الامام علی ابن ابیطالب ج ۱/ ۳۷۔

يقولون سعداً شقت الجن بطنه　　الا ربما حققت فعلک بالقدر

و ما ذنب سعد بعدان بال قائماً　　و لكن سعداً لم يبايع ابابكر

ترجمہ: کہتے ہیں کہ جنوں نے سعد کے شکم کو پھاڑ ڈالا آ گاہ ہوجاؤ، بسا اوقات لوگ اپنا کام دھوکے سے انجام دیتے ہیں سعد کا گناہ یہ نہ تھا کہ اس نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا بلکہ اس کا گناہ یہ تھا کہ اس نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔

حقیقت میں اس طرح سعد کی زندگی کا خاتمہ کیا گیا، لیکن یہ تاریخی حادثہ مؤرخین کیلئے ناپسند تھا ان میں سے ایک جماعت نے اس قضیہ کو ذکر ہی نہیں کیا ہے[1]

اور ایک جماعت نے غیر واضح طور پر لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ کو جنوں نے قتل کیا ہے[2]

لیکن افسوس ہے کہ اس تاریخی راز کو ہمارے لئے واضح نہیں کیا گیا آخر سعد بن عبادہ کی جنوں کے ساتھ کونسی دشمنی اور عداوت تھی اور جنوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب میں سے صرف سعد کے دل کو اپنے تیروں کا نشانہ کیوں قرار دیا؟ ہماری نظر میں اگر اس داستان میں یہ اضافہ

۱۔ جیسے طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں۔

۲۔ جیسے ریاض الدین طبری نے ریاض النضرہ میں ''ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور مندرجہ ذیل مآخذ نے سعد کی بیعت سے انکار کو ذکر کیا ہے: ۱۔ ابن سعد نے طبقات میں، ۲۔ ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسہ میں، ۳۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں، ۵۔ ابوبکر جوہری نے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کی روایت میں، ۔ مسعودی نے مروج الذہب میں، ۷۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں، ۸۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں، ۹۔ ابن اثیر نے اسد الغآبہ میں، ۹۔ محب الدین طبری نے ریاض النضرہ میں، ۱۰۔ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں، ۱۱۔ تاریخ الخمیس، ۱۲، علی بن برہان الدین نیا لسیرۃ الحلبیہ میں، ۱۳ ابوبکر جوہری نے السقیفہ اور ۱۴۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں۔

کرتے کہ ''چونکہ سعد نے بیعت سے انکار کیا تھا اور سعد کا یہ عمل صالح جنوں کیلئے ناپسند تھا، اس لئے انہوں نے اس کے قلب پر، دو تیر ما کر اسے ہلاک کر دیا''

تو ان کی یہ جعلی داستاں بہتر اور مکمل تر ہوتی !!

۱۲۔عمر کا نظریہ

اس سے قبل ہم نے ابو بکر سے عمر کی بیعت کی روداد بیان کی ہے، لیکن اس سلسلے میں انہوں نے اپنا عقیدہ اس طرح بیان کیا ہے:

''بے شک میرے کانوں تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص نے کہا ہے کہ خدا کی قسم جب عمر بن خطاب مرجائے گا تو میں فلاں کی بیعت کروں گا، کوئی اس عمل کو صحیح قانونی تصور نہ کرے، کیونکہ ابو بکر کی بیعت ایک لغزش اور خطا تھی جو انجام پائی اور گزر گئی، حقیقت میں ایسا ہی تھا، لیکن خداوند عالم نے لوگوں کو اس خطا کے شر سے نجات دیدی ہے[۱]

۱۳۔ابوسفیان

ابوسفیان بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے ابو بکر کی حکومت کی شدید مخالفت کی اور صراحت کے ساتھ اعتراض کیا اور اپنی مخالفت کو قول و فعل کے ذریعہ اعلان کیا اس روداد کی تفصیل اگلی فصل میں بیان ہوگی۔

۱۔طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر میں قصۂ سقیفہ ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوبکر کی حکومت کے خلاف ابوسفیان کی بغاوت

ولیس لها الا أبالحسن علیؑ

''ابوالحسن علیؑ کے علاوہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہے''

ابوسفیان

ابوسفیان کا نام صخر بن حرب بن امیۃ بن عبدالشمّس بن عبدمناف تھا، اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وقت تک جنگ کی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کر کے قریش کو واضح شکست دیدی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس کی شفاعت پر ابوسفیان کو معاف کر کے اس کا احترام کیا اور اپنی وفات سے پہلے اسے کسی ماٗموریت پر بھیجا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ابوسفیان مدینہ میں موجود نہیں تھا[1] وہ سفر سے واپس آ رہا تھا راستے میں مدینہ سے آنے والے ایک شخص سے ملاقات ہوگئی تو اس سے پوچھا: کیا محمدؐ نے وفات پائی ہے؟

۱۔ استیعاب ج ۱۸۱/۲، اصابہ ج ۱۷۲/۲، اور اس سفر سے واپس آنے کی تفصیلات کو العقد الفرید ج ۶۲/۳ اور ابوبکر جوہری بہ روایت ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ۱۳۰/۲ سے نقل کیا ہے۔

اس شخص نے جواب دیا: جی ہاں۔

اس نے پوچھا: ان کا جانشین کون بنا؟

اس نے کہا: ابوبکر

ابوسفیان نے پوچھا: علی علیہ السلام وعباس، ان دومظلوموں نے کیا ردعمل دکھایا؟

کہا: وہ خانہ نشین ہو گئے۔

ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! اگر میں ان کیلئے زندہ رہا تو انھیں عروج تک پہنچادوں گا، اور کہا: معاشرے کے ماحول میں ایک گردوغبار کو دیکھ رہا ہوں، کہ خون کی بارش کے علاوہ کوئی چیز اسے دور نہیں کرسکتی، اس لئے جب مدینہ میں داخل ہوا تو مدینہ کی گلیوں میں قدم بڑھاتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

بنی هاشم لا تطمعوا الناس فیکم و لا سیّما تیم بن مرّة اوعدی

فما الامر إلا فیکم و الیکم و لیس لها إلا ابوحسن علیّ

ترجمہ:

''اے ہاشم کی بیٹو! لالچ سے لوگوں پر حکومت کرنے کی راہ کو بند کرو، خاص کر دو قبیلوں تیم بن مرہ وعدی پر (تیم قبیلۂ ابوبکر اور عدی قبیلہ عمر تھا) یہ حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے اور آخر کار تمہاری طرف لوٹنی چاہیے اور علیؑ کے علاوہ کوئی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا سزاوار نہیں ہے۔

یعقوبی نے ان دو اشعار کے علاوہ مندرجہ ذیل دو شعر کا بھی اضافہ کیا ہے:

ابا حسن فاشدد بھا کف حازم   فانک بالامر الذی یرتجی ملی

و ان امرءاً یرمی قصّی وراءہ   عزیز الحمی و الناس من غالب قصیّ[1]

طبری کی روایت کے مطابق ابوسفیان آگے بڑھتے ہوئے کہتا تھا:

خدا کی قسم! فضا میں ایک گرد و غبار کو دیکھ رہا ہوں کہ خون کے علاوہ کوئی چیز اسے زائل نہیں کرسکتی۔ اے عبد مناف کے فرزندو! ابوبکر کا آپ کے ساتھ کیا واسطہ ہے؟!

یہ دو مظلوم اور خوار ہوئے علیؑ اور عباس کہاں ہیں؟! اس کے بعد کہا: اے ابوالحسن اپنے ہاتھ کو آگے بڑھاؤ تاکہ میں تیری بیعت کروں، علیؑ نے پرہیز کیا اور اسے قبول نہیں کیا تو ابوسفیان نے درج ذیل عاجزانہ اشعار پڑھے۔

ان الھوان حمار الاھل یعرفہ   و الحُرّ ینکرہ و الرسلۃ الأُجُدُ

و لا یُقیمُ علی ضیم یراد بہ   الا الاذلاّن عیر الحیّ و الوتد

ھذا علی الخسف معکوس برمتہ   و ذا یشج فلا یبکی لہ احداً[2]

ترجمہ:

پالتو گدھا تن بہ خواری دیتا ہے نہ آزاد اور طاقتور! پستی و خواری کے مقابلہ میں کوئی چیز طاقت و بردباری نہیں رکھتی، بجز دو چیزوں کے کہ بالآخر دونوں چیزیں ننگ و عار ہیں، ایک خیمہ کی میخ کہ ہمیشہ

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲/۱۰۵، موفقیات میں روئیداد کو مفصل تر نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ج ۶/۷۔

۲۔ ابوبکر جوہری کی سقیفہ میں بیان کی گئی روایت بھی تقریباً اسی معنی میں ہے۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲/۱۳۰، طبع مصر۔

اسکے سر پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے اور قبیلۂ کے اونٹ جو مسلسل عذاب میں ہوتے ہیں اور کوئی ان کی حالت پر رحم نہیں کھاتا....

''اے آل عبد مناف''! کا نعرہ ان دنوں ابوسفیان کے امویوں کے زبان زد تھا اور معاشرے کی فضا اس نعرے سے گونج رہی تھی کہ تاریخ میں تغیر پیدا کریں لیکن ابوسفیان کی بیعت کو قبول کرنے سے علی علیہ السلام کے انکار نے اسے ناکام بنا دیا۔

ابوسفیان کی یہ حمایت اور علی علیہ السلام کا انکار بہت تعجب آور ہے!!!!

ابوسفیان وہ شخص تھا جس نے حتی الامکان پوری طاقت کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور مجبور ہو کر اسلام قبول کرنے تک مقابلہ اور جنگ سے پرہیز نہیں کیا، آج کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے دیرینہ دشمن اور چچازاد بھائی کیلئے اس طرح کی قربانی دے رہا ہے؟ کیا ابوسفیان واقعی طور پر علی علیہ السلام کا یار و مددگار تھا؟ یا یہ کہ اس کا مقصد اور غرض فتنہ وشورش ایجاد کرنا تھا؟

اس سے بھی دلچسپ تر علی علیہ السلام کا کام ہے، علی علیہ السلام جو چھ ماہ تک ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کرتے رہے، اور مہاجر و انصار کو اپنے گھر دعوت کرتے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے حتیٰ اپنے اور اپنے گھر والوں کے جلائے جانے کی دھمکی سے دوچار ہوئے آخر اس میں کیا راز تھا کہ قریش کے دو بزرگ ہستیوں عباس اور ابوسفیان کی طرف سے بیعت کرنے کی پیشکش کو ٹھکرا دیا!!

اور بیگانوں سے بیعت کی درخواست کی؟! یہ انتہائی دلچسپ اور تعجب آور بات ہے!

لیکن یہ تعجب اور حیرت کا مقام اسی وقت دور ہوسکتا ہے جب ہم دونوں (علی اور ابوسفیان) کے مقاصد کی جانچ پڑتال کریں۔

اولاً، ابوسفیان، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں میں آپ کی حیثیت کو صرف مادی اور دنیوی نگاہ سے دیکھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ یہ جو سرداری رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی ہے یہ وہی سرداری ہے جسے آپ کے اسلاف نے ابوسفیان سے لے لی تھی، اس بنا پر ابوسفیان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی موروثی سرداری کے سبب جنگ کر رہا تھا اور اس دوران جس چیز کو وہ حساب میں نہیں لاتا تھا، وہ دین مقدس الٰہی تھا۔ ابوسفیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی اور اپنی موروثی سرداری کو کھو جانے کا ایک اصلی اور بنیادی سبب جانتا تھا اسی وجہ سے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا، ابوسفیان، جس نے تازہ اسلام قبول کیا تھا اسکی شان وشوکت اور اسلامی فوج کا جاہ وجلال دیکھ کر عباس سے مخاطب ہوکر کہا: ''اے ابوالفضل! خدا کی قسم تیرے بھتیجے نے آج ایک طاقتور بادشاہت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لی ہے'' عباس نے اسے جواب دیا: اے ابوسفیاں! یہ جو دیکھتے ہو، وہ نبوت ہے نہ کہ بادشاہت، ابوسفیان نے کہا: ایسا ہی ہوگا[1]

اس قسم کا شخص، جو اپنی قوم کا سردار تھا اور شکست کھا کر سرداری کو کھو بیٹھا تھا، اور اب یہ سرداری اس کے چچیرے بھائیوں کو مل رہی تھی، اس بات پر راضی نہ تھا کہ یہ سرداری اس کے چچیرے بھائیوں

۱۔ سیرہ ابن ہشام ج ۴/ ۲۳

سے بھی چھین کر بیگانوں کو دیدی جائے۔

اس مطلب کو سمجھنے کیلئے ہمیں قبل از اسلام جاہلیت میں قبیلوں کے درمیان مکمل طور پر حکم فرما خاندانی تعصّبات کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے، اس جاہلانہ تعصب کو جڑ سے اکھاڑنے کے بارے میں اسلام کی عظیم جدو جہد سو فیصد کامیاب نہیں ہوئی تھی، برادری اور دوستی کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی کوششیں مکمل نتیجہ تک نہیں پہنچی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر تلاش وکوششوں کے باوجود بھی تعصب کی آگ کے شعلے کم و بیش وقفے کے بعد بھڑکتے تھے۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی زندگی کے حالات کا مطالعہ اور تحقیق کرنے سے یہ مطلب مکمل طور پر واضح ہوجاتا ہے یہ تعصب عبد مناف کی اولاد میں تھا۔۔۔جس کے ہاتھ میں قریش کی سرداری تھی۔۔۔دوسروں سے کم تر نہ تھا۔

ابن ہشام نے عباس سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کی شب عباس پیغمبر اسلام کے خچر پر سوار ہوکر باہر آئے اور تجسس کرنے لگے تا کہ کسی کا سراغ لگائیں اوراس کے ذریعہ قریش کو پیغام بھیجیں کہ وہ جلدی ہی اسلام کے سپاہیوں کے حملہ سے دوچار ہوں گے، اس لئے مصلحت یہی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آکر امان چاہیں،عباس نے راستے میں ابوسفیان کو دیکھا جو مکہ سے باہر آیا تھا تا کہ پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں کوئی خبر حاصل کرے۔عباس نے ابوسفیان سے کہا: اچھا ہوا کہ میں نے تجھے دیکھ لیا،خدا کی قسم اگر اسلام کے سپاہی تجھے پا جائیں گے تو تیرا سر قلم کرے کردیں گے ...اس کے بعد ابوسفیان کو اپنے ساتھ خچر پر سوار کر کے رسول خداؐ کے حضور لے جانے کیلئے آگے

بڑھا تا کہ اس کیلئے امان حاصل کرے، اسلام کے سپاہیوں نے رات کے اندھیرے میں ٹولیوں کی صورت میں بیٹھ کر آگ جلادی تھی تا کہ اس سے ایک تو قریش خوفزدہ ہوجائیں اوراس کے علاوہ اس آگ کی روشنی دشمن کے احتمالی خطرہ کو رفع کرسکے۔ مسلمان، عباس کو ان کے پاس سے گزرتے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہتے تھے، یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مرکب پر سوار ہوئے ہیں[1]

عباس، عمر کے نزدیک سے گزرے، ... جب عمر کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو اس نے فریاد بلند کی : اے دشمن خدا! خدا کا شکر ہے جس نے تجھے بغیر اس کے کہ ہم تعرض کا کوئی عہد و پیان تجھ سے باندھیں ہمارے جال میں پھنسا دیا اس کے بعد تیزی کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے تا کہ آپ کو ابوسفیان کی گرفتاری کی خبر دیں اور ان سے قتل کرنے کی اجازت حاصل کریں۔

عباس نے جب یہ حالت دیکھی تو خچر کو چابک لگا کے عمر سے آگے بڑھ گئے۔

عباس کہتے ہیں : میں خچر سے جلدی نیچے اترا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچا، بلا فاصلہ عمر بھی اسی دم آپہونچے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے کہ کسی قید وشرط کے بغیر پکڑا گیا ہے، اجازت دیجئے تا کہ اس کا سر قلم کردوں، میں نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ابوسفیان کو پناہ دیدی ہے اور وہ میری پناہ میں ہے؛ لہذا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا، چونکہ عمر اپنے کام میں اصرار کررہے تھے، اس لئے میں نے اس سے مخاطب ہوکر کہا:

۱۔ پیغمبر اسلام کے چچا کی شخصیت اور ابوسفیان کا عباس کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرکب پر سوار ہونا اسلام کے سپاہیوں کے نزدیک ابوسفیان کیلئے ایک قسم کا امان نامہ تھا اور ابوسفیان کی توہین میں رکاوٹ بنا تھا

خاموش ہو جاؤ اے عمر! خدا کی قسم اگر ابوسفیان قبیلۂ عدی بن کعب کا ایک فرد ہوتا[1] تو اس کے بارے میں تم اس قدر زبان درازی نہ کرتے، لیکن چونکہ جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف[2] سے تعلق رکھتا ہے اس لئے یہ گستاخی کر رہے ہو[3]

اس زمانے کے لوگوں کے خاندانی تعصب کا اندازہ لگانے کیلئے یہی ایک مثال کافی ہے، بالکل واضح ہے کہ عباس اور عمر کو مشتعل کرنے کا تنہا سبب یہی خاندانی تعصب تھا اور کچھ نہیں، یہی سبب تھا جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ابوسفیان کو تحت تاثیر قرار دیا اور چلا کر کہتا رہا: اے آل عبد مناف! ابوبکر کو آپ کے کام (یعنی سرداری) سے کیا تعلق ہے؟!![4]

اور بعض اوقات کہتا تھا: ہمیں ابوفصیل کے ساتھ کیا تعلق ہے؟![5]

یہ کام (یعنی خلافت) عبد مناف کی اولاد سے متعلق ہے[6]

یہ مطلب کہ سرداری قبیلۂ عبد مناف سے متعلق ہے، اس روز خاندان قریش کے تمام افراد کیلئے واضح تھا۔ لہذا مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب ابوبکر کے باپ ابوقحافہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت

۱۔ عدی بن کعب عمر کا قبیلہ ہے۔
۲۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم دونوں خاندان عبد مناف سے تھے۔
۳۔ ابن ہشام ج ۴/۲۱ سے خلاصہ کے طور پر نقل ہوا ہے۔
۴۔ طبری ج ۲/۴۴۹۔
۵۔ ''ابوفصیل'' ابوبکر کی طرف کنایہ ہے کہ عربی زبان میں بکر کا ایک معنی جوان اونٹ ہے اس کے دوسری معنی بھی ہیں ''فصیل'' اونٹ کے اس بچے یا بچھڑے کو کہتے ہیں جو ماں سے جدا ہوا ہو ابوسفیان نے اس مناسبت سے ابوبکر کو ''ابوفصیل'' کہا ہے
۶۔ طبری ج ۲/۴۴۹۔

کی خبر سنی تو سوال کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت کی باگ ڈور کو کس نے سنبھالا؟ خبر دینے والے نے کہا؛ تیرے بیٹے ابوبکر نے۔

اس نے سوال کیا؛ کیا عبد مناف کی اولاد اس کی حکمرانی پر راضی تھی؟

مخبر نے کہا: جی ہاں!

ابوقحافہ نے کہا جو چیز خداوند متعال کسی کو عطا کرے، کوئی بھی چیز اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی![1]

لہذا ابوسفیان، یعنی وہی شخص جو کل اپنے چچیرے بھائی، رسولؐ سے جنگ و مقابلہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا تھا، علی علیہ السلام کے حق میں نعرے لگا کر کہتا تھا: خدا کی قسم اگر موت مجھے فرصت دیدے تو عباس وعلیؑ کو عروج تک پہنچا دوں گا[2] اس کی اس بات کا سرچشمہ خاندانی تعصب تھا اور خاندانی فخر و مباہات کے علاوہ ہرگز کوئی اور مقصد نہیں رکھتا تھا!

معروف عربی ضرب المثل ہے: ''انا عليّ اخي ، و انا و اخي علي بن عمي و انا و اخي و بن عمي علي الغريب '' یعنی، میں اپنے بھائی سے دشمنی کرتا ہوں لیکن چچیرے بھائی کے خلاف اپنے بھائی کی حمایت کرتا ہوں اور اگر لڑنے والا اجنبی ہو تو اپنے بھائی اور چچیرے بھائی سے اتفاق و یکجہتی کر کے اجنبی کے خلاف لڑتا ہوں، کیونکہ اجنبی کے حملہ کے وقت تمام خاندان والوں کو متحد ہو کر دفاع کرنا چاہئے۔

۱۔ انساب الاشراف بلاذری ج ۱/ ۵۸۹، شرح نہج البلاغہ ج ۱/ ۵۲، عبارت دوسرے مآخذ سے نقل کی گئی ہے۔

۲۔ العقد الفرید ج ۳/ ۶۰۔

اس لحاظ سے ضروری تھا کہ اس روز ابوسفیان اپنے چچازاد بھائی علی علیہ السلام کے حق میں ابو بکر کے خلاف دفاع کرے، کیونکہ ابوسفیان اور علی علیہ السلام دونوں عبد مناف کی اولاد تھے، لیکن اس کے مقابلہ میں ابوبکر اجنبی تھا۔

اس لئے اس دن ابوسفیان نعرہ بلند کررہا تھا، یا آل عبد مناف!...حق تھا ابوسفیان کا یہ نعرہ تاریخ کے رخ کو بدل کے رکھدے، کیونکہ قریش کی سرداری ہمیشہ خاندان عبد مناف کے ہاتھوں میں رہی تھی، قبیلۂ عبد مناف کے دو خاندانوں (بنی ہاشم و بنی امیہ) کے درمیان سرداری پر ہمیشہ سے کشمکش ہونے کے باوجود، اس وقت ان کے خاندان کے ہاتھ سے سرداری اور افتخار کے چلے جانے کا خطرہ تھا، اس لئے عبد مناف کی اولاد سے منشعب[1] تمام قبیلے ایک صف میں قرار پاتے تھے اگر ان قبیلوں کے بے شمار افراد اپنے چچیرے بھائیوں کے همراه (جو قبائل قصی سے تھے) متحد ہوتے، تو ایک ایسی طاقتور پارٹی تشکیل پاتی اور ابوسفیان کو یہ کہنے کا حق تھا کہ: جس شخص کی حمایت قبیلۂ قصی (اس میں قبیلۂ عبد مناف ہے) کرتا ہو، وہ بے شک طاقتور اور کامیاب ہے۔

اور یہ شخص وہی علی ابن ابیطالب تھے، ابوبکر جیسے شخص کے مقابلہ میں جو قبیلۂ تیم بن مرۃ سے تعلق رکھتے تھے کہ جو کبھی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ جیسا کہ ابوسفیان نے قبیلۂ تیم کو قریش کے ایک چھوٹے اور کمزور قبیلہ کے طور پر معرفی کرائی ہے نہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور نہ ان میں قابل توجہ کوئی

ا۔ قبیلۂ ہاشم، نوفل، مطلب و عبد شمس سے کہ صرف عبد شمس قبائل عبلات سے تھا اور ربیعہ، عبد العزی، حبیبہ اور امیہ د.... بھی مختلف خاندانوں میں منشعب ہوا تھا انہیں میں ایک ابوسفیان کے باپ حرب کا گھرانہ ہے۔

شخصیت تھی ویسا ہی قبیلہ عدی بھی تھا جس سے عمر تعلق رکھتے تھے۔

ان دو خاندانوں میں سے ایک بھی قریش کے شریف اور بزرگ قبیلۂ قصی سے نہیں تھا، قبیلۂ قصی سے عبد مناف تھے، یہی قبیلہ علی علیہ السلام کی طرفداری اور حمایت کرتا تھا نہ ابوبکر کی۔

اسی بنا پر ابوسفیان کی بغاوت خصوصاً بعض اوقات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس کا بھی اس کا ساتھ دینا اور اس کی حمایت کرنا، ایسی موثر کاروائی تھی کہ تمام سازشوں کو ناکام بنا کر رکھ دیتی اور اس زمانے میں مختلف گروہوں کے درمیان جنگ و پیکار کا سرچشمہ خاندانی تعصب تھا اور اس خاندانی تعصب سے اجتناب ممکن بھی نہیں تھا۔

اس زمانے کے تمام تاریخی حوادث تعصب کے محور کے گرد چکر لگاتے ہیں، صرف علیؑ اس طریقہ کار کے مخالف تھے اور اسی وجہ سے بہ ظاہر ناکام رہے۔

اصولی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد خاندانی تعصب اپنے عروج پر پہنچا تھا، انصار کا سقیفہ میں جمع ہونا اور سعد کی بیعت کرنے کا اقدام صرف تعصب کی بنیاد پر تھا ورنہ وہ خود جانتے تھے کہ مہاجرین میں ایسے افراد موجود ہیں جو سعد سے بہت زیادہ فاضل تر اور پرہیز گار تھے، اسی طرح ان کی ابوبکر کے ساتھ بیعت کرنے میں خاندانی تعصب کے علاوہ اور کوئی بنیاد نہیں تھی وہ اس طرح چاہتے تھے کہ سرداری خاندان خزرج میں نہ چلی جائے، کیونکہ ان دو قبیلوں اوس وخزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت میں مسلسل خونین جنگیں رونما ہوتی رہی تھیں۔

سقیفہ میں ابوبکر عمر کی تقریر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی پارٹی کے افراد کس حد تک خاندانی تعصب اور جذبات کے زیر اثر تھے اور کس حد تک ان جذبات اور خاندانی تعصب سے انہوں نے اپنی پارٹی کے مفاد میں فائدہ اٹھایا۔

ابوسفیان بھی انہی جذبات سے متأثر ہوا تھا اور علی علیہ السلام کے حق میں اس طاقت سے فائدہ اٹھانے میں اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں کمزور نہیں تھا وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح تعصب کے پنجے میں پھنس گیا تھا صرف علی علیہ السلام کی ذات تھی جس کا طرز تفکران چیزوں سے الگ تھا کہ حکومت کی باگ ڈور کو تعصب کی طاقت سے حاصل کریں چونکہ آپ برسوں تک پیغمبر اسلام کے شانہ بہ شانہ خاندانی اور قومی تعصّبات کو نابود کرنے کیلئے مسلسل جہاد کر چکے تھے[۱]

اگر علی علیہ السلام اپنے لئے حق حاکمیت کا مطالبہ کرتے تھے، تو وہ اسلئے تھا کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جس کی بنیاد قرآن اور دین کے حکم کے علاوہ کسی اور چیز پر نہ ہو، علی علیہ السلام چاہتے تھے، سلمان، ابوذر اور عمار جیسے صحابی ان کی حمایت کریں تا کہ ان کی حمایت میں عقیدۂ الٰہی کے سوا کوئی اور بنیاد اور سبب نہ ہو، نہ ابوسفیان جیسوں کی حمایت جس کی حمایت کا سبب دنیاوی امور اور خاندانی تعصب کے علاوہ کوئی اور چیز نہ تھی''

ہماری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر چہ ابوسفیان حضرت علی علیہ السلام کی نسبت اظہار تعصب کرنے میں دینی محرک نہیں رکھتا تھا۔لیکن پھر بھی خاندانی تعصب کے اثر میں حقیقی معنوں میں علی علیہ السلام کا حامی تھا، لیکن تاریخ کے ظالم ہاتھوں نے جب دیکھا کہ ابوسفیان نے ابوبکر کے سامنے سر تسلیم

ختم نہیں کیا تو اس انقلاب کی حیثیت کو داغدار کرنے کیلئے ، تاریخ کے صفحات میں لکھ دیا کہ ابوسفیان ایک مہم جو اور شورش برپا کرنے والا شخص تھا ور اس بغاوت سے اس کا مقصد صرف فتنہ برپا کر کے معاشرے کے امن وسلامتی کو درہم برہم کرنا تھا ! اس کے علاوہ یہی تاریخی ظلم ان تمام افراد کے بارے میں روا رکھا گیا ہے جنہوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا، انھیں بلوائی شورشی اور مرتد کہا گیا ہے اس تہمت کو ابوسفیان کے بارے میں حقیقت سے زیادہ قریب کیلئے اس روایت کو حضرت علی علیہ السلام کی زبانی جعل کیا گیا ہے کہ جب ابوسفیان نے علی علیہ السلام سے کہا کہ: ''کیوں یہ کام قبیلہ قریش کے کم تر اور سب سے چھوٹے خاندان کو سونپا جائے؟ خدا کی قسم اگر اجازت دو تو مدینہ کو سواروں اور پیادہ سے بھر دونگا ، تو علی علیہ السلام نے ابوسفیان کے جواب میں فرمایا: ''اے ابو سفیان! تم نے ایک طولانی عمر اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں گزاری ہے. لیکن دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے ہو، ہم نے اس کام کیلئے ابوبکر کو شائستہ اور لائق پایا ہے۔!!''[1]

اس روایت کی جانچ پڑتال میں بھی ہم اس روایت کی سند پر اعتراض کرتے ہیں، کیوں کہ اس کا راوی دسیوں سال اس واقعہ کے بعد گذرا ہے ان روایتوں میں سے بعض کا راوی ابوعوانہ ہے کہ جو حدیث گڑھنے میں مشہور تھا اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے:

كان عثمانياً يضع الاخبار[2]

۱۔ طبری ج۳/۲۰۲۔

۲۔ ابوعوانہ کے حالات ''لسان المیزان'' ج۴/۳۸۴، الحضارۃ الاسلامیہ ادم متزج ۱/۸۳، ابوعوانہ ۵۸ھ میں فوت ہوا۔ دوسری روایت کا راوی ''مرۃ'' ہے کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے: اس نے ابوبکر وعمر کو نہیں دیکھا ہے، تہذیب التہذیب ج۱۰/۸۹۔

اس کے علاوہ متن روایت کے بارے میں بھی ہمارا اعتراض ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم نہیں ابوسفیان نے حضرت علی علیہ السلام کے جواب میں کیوں نہ کہا: اگر ابوبکر اس مقام کیلئے سزاوار ہے تو کیوں خود اس کی بیعت نہیں کرتے ہو؟[۱]

علیؑ نے ہرگز نہیں فرمایا ہے کہ ''ہم نے اس کو اس کام کیلئے لائق پایا'' بلکہ آپ نے فرمایا ہے:

اگر فولادی عزم والے چالیس آدمی ہماری نصرت کرتے تو ہم مقابلہ اور مبارزہ کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے[۲]

اس بات میں ابوسفیان کی طرف کنایہ ہے کہ یعنی تم ویسے مرد نہیں ہو جیسا میں چاہتا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو لکھے گئے اپنے ایک خط میں ابوسفیان کی حمایت کے بارے میں یوں ذکر فرمایا ہے:

تیرا باپ ہمارے حق کو تجھ سے بہتر سمجھتا تھا، اگر تم اسی قدر کہ تیرا باپ ہمارے حق کو جانتا تھا، جانتے، تو معلوم ہوتا کہ عقل وفکر کی پختگی کے مالک ہو[۳]

ابوسفیان جب حضرت علی علیہ السلام سے ناامید ہوا، دوسری طرف سے حکام وقت بھی اسکی مخالفت سے ڈرتے تھے، لہذا حضرت عمر ابوبکر کے پاس جا کر بولے: اس گھٹیا آدمی کے شر سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمیشہ اس کی اس لئے دلجوئی فرماتے تھے، جتنا بھی صدقہ اور بیت المال اس کے پاس ہے اسے بخش دو تا کہ خاموش رہے۔

۱۔ گزشتہ فصل کے عنوان ''ابوبکر کی بیعت کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی پالیسی'' ملاحظہ ہو۔

۲۔ گزشتہ فصل کے عنوان ''ابوبکر بیعت کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی پالیسی'' ملاحظہ ہو۔ اس کے علاوہ معاویہ کا حضرت علی علیہ السلام کے نام خط ملاحظہ ہو۔

۳۔ کتاب صفین نصر بن مزاحم ۴۹، العقد الفرید ج ۳/ ۱۳، شرح ابن ابی الحدید ج ۲/ ۲۲۱۔

ابوبکر نے ایسا ہی کیا تو ابوسفیان نے راضی ہو کر ابوبکر کی بیعت کر لی[۱]

طبری کی روایت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ابوسفیان نے اس وقت تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی جب تک اس نے اپنے بیٹے یزید بن ابوسفیان کو شام بھیجے جانے والے لشکر کی کمانڈری کا حکم حاصل نہیں کر لیا[۲]

اس سے پتا چلتا ہے کہ ابوسفیان حضرت علی علیہ السلام کی حمایت کرنے میں کس قدر دینی والٰہی پہلوؤں کی رعایت کرتا تھا اور کس حد تک دنیوی اور مادی منافع کے پیچھے تھا!!

۱۔ العقد الفرید ۶۲/۳۔

۲۔ طبری ج ۴۴۹/۲۔

سقیفہ کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں کی چھان، بین

تتابع المھاجرون علی بیعتہ من غیر ان یدعوھم

مہاجرین کی جماعت کے افرا یکے بعد دیگرے ابوبکر کی بیعت کرتے تھے، بغیر اس کے کہ ان سے کوئی بیعت کرنے کی دعوت کرتا

سیف

و ان جمیع بنی ھاشم و جمعاً من المھاجرین تخلّفوا عن بیعة ابی بکر

تما بنی ہاشم اور مہاجرین کی ایک پارٹی نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا

مورخین

کتاب کی فصلوں کے درمیان ربط

ہم نے اس کتاب کی پہلی فصل میں سپاہ اسامہ کے بارے میں سیف کی روایتوں کی بررسی کی، کتاب کی دوسری فصل سے سقیفہ کی داستان کو شروع کیا اور اس فصل میں سقیفہ کی داستان کے بارے میں

سیف کی سات روایتیں نقل کیں ، بعد والی فصلوں میں ہم نے دوسرے مؤرخین کی روایتوں پر روشنی ڈالی ، اس فصل میں سیف کی سات روایتوں کو دوسرے تاریخ نویسوں کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کیا اور اس تحقیق اور بررسی کے نتیجہ کا اعلان کرتے ہوئے کتاب کے اس حصہ کو اختتام تک پہنچایا ہے۔

اس کے بعد کتاب کے دوسرے حصوں میں سیف کی دوسری روایتوں پر بحث کی ہے۔

سیف کی روایتیں

سقیفہ کی داستان کے بارے میں سیف کی سات روایتوں کو اس کتاب کی پہلی فصل میں قارئین کرام نے مطالعہ فرمایا؛ یہاں پر ہم یاددہانی کے طور پر ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسرے تاریخ نویسوں کی روایتوں سے ان کا موازنہ اور تطبیق کر کے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں گے:

اول: سیف نے قعقاع بن عمرو کے ساتھ انصار کی مخالفت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے کہا؛ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو درک کیا ہے، پس جب ہم نے ظہر کی نماز پڑھ لی ، ایک شخص آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر مہاجرین کو خبر دی کہ انصار سعد کو منتخب کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں اور اس طرح چاہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو توڑ دیں ، اس خبر نے مہاجرین کو وحشت میں ڈال دیا۔

دوم: سیف نے ایک روایت میں ، جسے اس نے سوال و جواب ک صورت میں پیش کیا ہے کہتا

ہے: کسی ایک نے بھی ابوبکر کی بیعت سے مخالفت نہیں کی مگران لوگوں نے جو مرتد ہو گئے تھے اور دین اسلام سے منحرف ہو گئے تھے، یا تقریباً مرتد ہو گئے تھے تمام مہاجرین نے انھیں دعوت دے کر یکے بعد دیگرے بیعت کی۔

سوم: مزید روایت کی ہے کہ حباب بن منذر نے تلوار کھینچ لی اور عمر نے اس کے ہاتھ پر ایسی چوٹ لگائی کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اس کے بعد انصار بیمار اور صاحب فراش سعد کے بدن پر سے چھلانگ لگا کر یکے بعد دیگرے بیعت کرتے رہے، اور انصار کی یہ مخالفت عصر جاہلیت کی لغزشوں کے مانند ایک خطا تھی، ابوبکر نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

چہارم: اس نے روایت نقل کی ہے کہ سعد نے ابوبکر سے کہا: تم کو مہاجرین اور میری قوم (انصار) نے مجھے بیعت کرنے پر مجبور کیا۔

ابوبکر نے جواب میں کہا: اگر ہم تجھے معاشرے کو چھوڑنے پر مجبور کرتے اور تم ہماری مرضی کے خلاف معاشرے سے جا ملتے تو کوئی بات تھی، لیکن ہم نے تجھے معاشرے سے ملنے پر مجبور کیا ہے، اب واپس لوٹ نہیں سکتے ہو، اگر نافرمانی کرو گے یا معاشرے میں تفرقہ اندازی کرو گے تو ہم تیرا سر قلم کر دیں گے۔

پنجم: علی ابن ابیطالب کی بیعت کے بارے میں کہتا ہے:

حضرت علی علیہ السلام گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ خبر دی گئی کہ ابوبکر بیعت لینے کیلئے بیٹھے ہیں،

حضرت علی عبا و شلوار کے بغیر صرف ایک کرتا پہنے ہوئے حیران و پریشان حالت میں گھر سے باہر نکل آئے تا کہ ابوبکر کی بیعت کرنے میں تاخیر نہ ہو جائے، اور دوڑتے ہوئے ابوبکر کی بیعت کی اس کے بعد کسی کو بھیج دیا تا کہ ان کا لباس لائے۔

ششم: سیف نے نسبتاً طولانی دو خطبوں کو ابوبکر سے منسوب کیا ہے کہ لوگوں کی طرف سے بیعت کئے جانے کے بعد انہوں نے یہ خطبہ دیئے ہیں، اور سیف کہتا ہے کہ ابوبکر نے ان خطبوں میں موت، دنیا کے فانی ہونے اور قیامت کے بارے میں بیان کیا ہے۔

ہفتم: اور خالد بن سعید اموی کی، حضرت ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کے بارے میں روایت کی ہے خالد بن سعید نے امن و آشتی صلح و صفا کے زمانے میں حریر کا لباس پہنے ہوئے تھے عمر نے حکم دیا کہ ان کے جسم سے اس لباس کو پھاڑ کر اتار دیا جائے یہی وجہ تھی کہ خالد نے حضرت علی سے کہا اے عبد مناف کے بیٹو! کیا تم لوگوں نے شکست کھائی ہے اور مغلوب ہو چکے ہو! حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں کہا؛ کیا تم اسے جنگ جانتے ہو یا خلافت؟! عمر نے خالد سے کہا؛ خدا تیرے منہ کو توڑ دے تم نے ایک ایسی بات زبان پر جاری کی ہے جو جھوٹ بولنے والوں کیلئے ہمیشہ کیلئے سند کے طور پر باقی رہے گی.....

مذکورہ سات روایتوں کے اس مجموعہ سے مندرجہ ذیل خاص اور بنیادی نکات قابل تحقیق ہیں؛

۱۔ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے پہلے ہی دن عجلت کے ساتھ ابوبکر کے پاس جا کر ان کی

بیعت کی

۲۔ یہ کہ سعد بن عبادۂ انصاری نے پہلے ہی دن بیعت کی۔

۳۔ یہ کہ ابو بکر کی خلافت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک عہد و پیمان تھا۔

۴۔ یہ کہ حباب بن منذر انصاری نے سقفیہ میں تلوار کھینچی ہے

۵۔ یہ کہ ابو بکر نے بیعت کے بعد دو طولانی خطبے جاری کئے ہیں۔

٦۔ یہ کہ سقیفہ میں رونما ہونے والی روداد کے بارے میں خالد بن سعید قبیلوں کے درمیان مقابلہ اور مبارزہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس تعبیر پر علی اور عمر کی طرف سے مورد اعتراض قرار پاتے ہیں۔

۷۔ یہ کہ مرتدوں کے علاوہ کسی ایک نے بھی ابو بکر کی بیعت سے انکار و مخالفت نہیں کی۔

اب ہم بحث کے اس حصہ میں مذکورہ نکات کی بالترتیب چھان بین کرتے ہیں۔

تطبیق اور بررسی

جب ہم سیف کی روایتوں کو صحیح اور متواتر روایتوں، جن میں سے بعض کو ہم نے اس سے قبل والی روایتوں کے پہلو میں قرار دیکران میں موازنہ کرتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ سیف خلاف واقع حدیث جعل کرنے میں حد درجہ حریص اور لالچی تھا۔

اول: سیف اپنی روایتوں میں اصحاب اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں خاص کر بنی ہاشم اور مہاجرین کے امیدوار حضرت علی علیہ السلام اور انصار کے نمائندہ سعد کا نام لیتا ہے

اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ ان دو افراد نے پہلے ہی دن ابو بکر کی بیعت کی، جبکہ دوسرے مؤرخین کی روایتوں (جن کو ہم نے گزشتہ فصلوں میں نقل کیا ہے) سے واضح اور مکمل طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کھلم کھلا اپنے لئے خلافت کا مطالبہ کرتے تھے اور بنی ہاشم کے تمام افراد اور مہاجرین کے بھی کچھ لوگوں نے ان کے حق میں ابو بکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا، اور یہ سب حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے، کہا گیا ہے کہ جب تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام زندہ تھیں، حضرت علی علیہ السلام اور بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بھی ابو بکر کی بیعت نہیں کی! لیکن سیف کہتا ہے:

''حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ہی دن عجلت کے ساتھ بلکہ اسی لحمہ میں ابو بکر کی بیعت کی!' جبکہ حضرت علی علیہ السلام اس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور بنی ہاشم کے دیگر افراد ایک لحمہ کیلئے بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ سے جدا نہیں ہوئے اور دوسروں کی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے محروم نہیں رہے۔

لیکن سیف کہتا ہے: ''علی جلد بازی کی شدت کی وجہ سے عبا و شلوار کے بغیر دوڑتے ہوئے گھر

سے باہر آئے اور ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ان کی بیعت کی اور اس کے بعد ان کے پاس بیٹھے''

اگر سیف کا یہ کہنا صحیح ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کا کیا حال ہوا؟! تجہیز و تکفین کے کام کو کس نے انجام دیا؟! سیف یہ کہنا بھول گیا ہے...

دوم: سعد نے عمر کی خلافت تک بیعت نہیں کی اور اپنے گھر اور گھر والوں سے دور شام کی سرزمین میں دو، پریوں نے تیر مار کر اسے ہلاک کیا، اس کی جلاوطنی اور عالم تنہائی میں قتل ہونے کی علت صرف اور صرف سند جرم اس کا بیعت سے انکار کرنا تھا۔

سوم: اس نے قعقاع بن عمرو سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں رسول اللہ کی رحلت کے دن مسجد میں تھا، نماز کے بعد ایک شخص آیا اور مہاجرین کو خبر دی کہ انصار جمع ہوئے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیمان کے خلاف سعد کی بیعت کرنا چاہتے ہیں!

جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا کہ سیف روایت جعل کرنے میں خاص تجربہ اور مہارت رکھتا تھا، مثلاً اس روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عہد و پیمان کا نام لیا ہے اور لشکر اسامہ کی روایت کو نقل کرتا ہے تا کہ اس عہد و پیمان سے مربوط شخص معلوم ہو جائے، جہاں پر کہتا ہے: جوں ہی اسامہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر ملی، اپنا سفر موقوف کر کے عمر کو خلیفۂ رسول ؐ ابوبکر کے پاس بھیجا...

ان دو روایتوں کو پڑھنے والا پہلی روایت سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ خلافت کے بارے میں

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عہد و پیمان تھا اور انصار اس کی خلاف ورزی کرنا چاہتے تھے دوسری روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ عہد و پیمان ابو بکر کے بارے میں تھا سیف کہتا ہے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر اسامہ کو ملی تو وہ اس جگہ رک گیا اور عمر کو رسول خداؐ کے پاس بھیجا۔

ایک دوسری روایت میں وہ خود بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے: تمام مہاجرین نے بغیر اسکے کہ کوئی انھیں دعوت دیے یکے بعد دیگرے بیعت کی، لیکن ہم تحقیق اور بررسی کے بعد دیکھتے ہیں کہ اس روایت کا راوی قعقاع بن عمرو درحقیقت خارج میں وجود ہی نہیں رکھتا ہے اور سیف کے افسانوں کا جعلی ہیرو ہے، ہم نے اس مطلب کو اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔

چہارم: سیف کہتا ہے کہ حباب بن منذر انصاری نے سعد بن عبادہ کی بیعت کیلئے تلوار کھینچ لی، جبکہ حقیقت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوام نے علی کے حق میں بیعت لینے کیلئے تلوار کھینچ لی تھی، لیکن چونکہ زبیر اور علیؑ مہاجروں میں سے تھے اسلئے سیف کہنا چاہتا تھا کہ مہاجرین میں سے کسی ایک نے بھی ابو بکر کی مخالفت نہیں کی صرف انصار تھے جنہوں نے مخالفت کی، لہذا اس نے زبیر کے کام کو حباب سے منسوب کیا ہے! اور یہ کہ اسکا کام بھی سعد انصاری کی حمایت میں تھا نہ حضرت علی قریشی کی حمایت میں۔

پنجم: عمر نے ابوبکر سے بیعت کے بارے میں کہا تھا: ابوبکر سے بیعت کرنا زمانۂ جاہلیت کی لغزشوں جیسی ایک لغزش اور خطا تھی[1] سیف نے عمر کے بیان پر پردہ پوشی کرنے کیلئے ابوبکر کی بیعت سے انصار کی مخالفت کو ''فلتہ'' یا لغزش سے تعبیر کیا ہے تاکہ پڑھنے والا خیال کرے کہ عمر کی مراد ''فلتہ'' سے وہی لغزش تھی!!

ششم: سیف نے نسبتاً طولانی دو خطبوں کو ابوبکر سے منسوب کیا ہے کہ لوگوں کی بیعت کرنے کے بعد ابوبکر نے ان دو خطبوں کو جاری کیا ہے، اگر ان دو خطبوں پر دقت اور جانچ پڑتال کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیف کی یہ روایت بھی اس کی دیگر روایتوں کے مانند جعلی ہے کیونکہ اس کے باوجود کہ ان دو خطبوں کا مواد اغلب موعظہ اور موت، دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے عذاب کی یاد دہانی پر مبنی ہے، خلفاء ثلاثہ کے خطبوں کی یہ روش نہیں ہوتی تھی یہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی ابن ابیطالب سے مخصوص روش تھی، اور علی کے بعد مسلمانوں میں یہ معمول رہا ہے، سیف کے لکھے گئے اشعار و رزم نامہ نسبتاً فصیح اور دلچسپ ہوا کرتے ہیں، البتہ اس کے برعکس یہ دو خطبے انتہائی بے مزہ اور سست انشاء پر مشتمل ہیں، گویا سیف وعظ و نصیحت اور ثواب و عقاب کے بارے میں عقائد سے لئے گئے الہام کے تحت مناسب مہارت نہیں رکھتا تھا، اس کی جھوٹ گڑھنے والی زبان اس حصہ کو بخوبی جعل کرنے میں ناکام رہی ہے اس کے علاوہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر کے زمانے

۱۔ انها كانت فلتة كفلتات الجاهلية.

میں بنیادی طور پر طولانی خطبوں کا رواج نہیں تھا اور غالباً خطبے چھوٹے اور قابل سماعت ہوتے تھے، طولانی خطبوں کا رواج عمر کے زمانے سے شروع ہوا ہے علی کی خلافت کے دوران اپنے عروج کو پہنچا۔

اس کے علاوہ حکومت کے عہدہ دار عام طور پر اپنے پہلے خطبہ میں اپنی حکومت کے پروگرام اور منصوبوں کا اعلان کرتے ہیں، یہ نکتہ ابو بکر کے حقیقی اور مختصر خطبوں میں مکمل طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں دوسرے مؤرخین نے روایت کی ہے، ان تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جو بات زیادہ دلچسپ اور قابل توجہ ہے وہ سیف کا وہ جملہ ہے کہ جسے اس نے ان دو خطبوں میں ابو بکر سے منسوب کیا ہے کہ ابو بکر نے کہا:

الا وان لی شیطاناً یعترینی فاذا اتانی فاجتنبونی و لا اوثر فی اشعارکم و ابشارکم[۱]

معلوم نہیں اس جملہ کو ابو بکر سے منسوب کرنے میں اس کا کیا مقصد تھا؟ کیا اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس زمانے کے لوگ ابو بکر سے بھی وعظ و نصیحت اور ترک دنیا کے موضوع پر پیغمبرؐ اور علی بن ابیطالبؑ کے جیسے خطبے سننا پسند کرتے ہیں؟ اگر ایسا تھا، تو، وہ کیوں متوجہ نہیں ہوا کہ چارو نا چار ابو بکر کے اس بیان کی شدید ملامت و مذمت کی ہے! اور اس صورت میں خلیفہ مسلمین کا اعتراف ہرگز

۱۔ اس جملہ کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

مناسب نہیں ہے، اور خلیفہ پر شیطان کا غلبہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کا ان سے پرہیز کرنا، صحیح معنی و مفہوم نہیں رکھتا، یہ جملہ بھی خلیفہ کے توسط لشکر اسامہ[1] کو الوداع کرتے وقت پڑھی گئی دعا کے مانند مسلمانوں میں خلیفہ کیلئے بدگمانی اور نفرت پیدا ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیف اس سے زیادہ چالاک تھا کہ ان جوانب کی طرف متوجہ نہ ہوتا بلکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق سیف نے اپنے الحاد اور اسلام سے دشمنی کے باعث (جیسا کہ علمائے رجال نے بھی اسے زندیق کہا ہے)[2] چاہا ہے کہ کچھ مضحکہ خیز اوھام اور کام کو تاریخ اسلام میں داخل کرے تا کہ اس طرح اسلام کی باعظمت عمارت کو متزلزل کر کے رکھدے آئندہ بحثوں میں نقل کی جانے والی روایتوں پر دقت کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی۔

ہفتم: سیف خالد بن سعید اموی کی ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کے بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ صخر سے نقل کی گئی روایتوں میں کہتا ہے: خالد جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت یمن میں تھا، پیغمبرؐ کی وفات کے ایک ماہ بعد مدینہ آیا جبکہ وہ ریشمی لباس زیب تن کئے ہوئے تھا اور عمر کے حکم سے اس کے لباس کو پھاڑ ڈالا گیا چونکہ جنگ کی حالت کے علاوہ مردوں کیلئے ریشمی لباس پہننا جائز نہیں ہے۔

روایت کے اس حصہ سے سیف کا مقصد بیعت ابوبکر سے خالد کی مخالفت کو انتقامی

۱۔ فصل ''لشکر اسامہ'' ملاحظہ ہو

۲۔ فصل ''سیف کتب رجال میں'' ملاحظہ ہو

رنگ دینا ہے تا کہ اسے اس توہین آمیز واقعہ کے ذریعہ مستند بنا دے، اس کے بعد کہتا ہے خالد نے حضرت علی سے کہا: اے ابوالحسن! افسوس ہے عبد مناف کی اولاد پر! آپ لوگوں نے مقابلہ میں شکست کھائی ہے! یعنی کس طرح قبیلۂ تیم، قبیلۂ عبد مناف کے مقابلہ میں کامیاب ہوگیا؟!

حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: یہ قبیلوں کی جنگ نہیں تھی، بلکہ امر خلافت ہے اور خلافت کا موضوع خاندانی مقابلہ اور تعصب سے جدا ہے! لیکن خالد نے تکرار کرتے ہوئے دوبارہ کہا: اے عبد مناف کی اولاد! خلافت کیلئے آپ لوگوں سے سزاوار تر کوئی نہیں ہے'' اور اس طرح دوبارہ مقصد کو خاندانی مقابلہ کے طور پر پیش کیا۔

یہاں پر عمر نے خالد سے کہا: خدا تیرے منہ کو توڑ دے تم نے ایک ایسی بات کہی جو جھوٹ بولنے والوں کیلئے ہمیشہ سند کے طور پر باقی رہے گی....

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ سقیفہ کی فعالیتوں کی بنیاد خاندانی تعصب پر تھی لیکن سیف اس روایت کے آخری حصہ کو جعل کر کے کہنا چاہتا ہے کہ یہ صرف خالد تھا جو ایسا سوچتا تھا ورنہ مہاجرین و انصار کا دامن ان چیزوں سے پاک و پاکیزہ تھا کہ خلافت کے موضوع پر خاندانی تعصب دکھائیں، لہذا حضرت علی علیہ السلام نے اس روایت میں خالد کی بات پر اعتراض کیا اور عمر بھی برہم ہوئے اور خالد کو برا بھلا کہا، اس طرح سیف چاہتا ہے ابوبکر کی بیعت کے بعد خاندانی تعصب کی بنا پر کہے گئے تمام مطالب کو (جو تاریخ میں ثبت ہوئے ہیں) عمر سے منسوب کی گئی پیشن گوئی کے ذریعہ ختم

کردے۔

اس سے اہم تر یہ کہ سیف یہ دکھانا چاہتا تھا کہ بنیادی طور پر اس امر میں حضرت علی علیہ السلام ابوبکر اور عمر کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا، تاکہ اگر کسی اختلاف کے بارے میں گفتگو ہوتی تو لوگ سمجھتے کہ اس کی بنیاد خالد کی بات تھی اور عمر نے اس کی پیشین گوئی کی تھی اور خبر دیدی تھی کہ یہ بات مستقبل میں جھوٹ بولنے والوں کیلئے ایک سند بن جائے گی، لہذا جو بھی ان کے درمیان اختلاف کی بات کرے گا وہ جھوٹا ہوگا (توجہ کیجئے)

ساتھ میں یہ بات بھی ہم فراموش نہ کریں کہ سیف نے اس روایت کو پیغمبر کے محافظ صخر سے نقل کیا ہے جبکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس نام کا کوئی محافظ نہیں تھا اور مذکورہ محافظ جعلی اصحاب میں سے ایک ہے۔

ہشتم: سب سے اہم جملہ جو سیف کی جعلی روایتوں میں پایا جاتا ہے، یہ ہے کہ وہ کہتا ہے؛ کسی نے بھی ابوبکر کی بیعت سے انکار نہیں کیا، مگر یہ کہ مرتد ہوگیا ہو یعنی دین اسلام سے خارج ہوگیا ہو، یا مرتد کے قریب پہونچ گیا ہو!

سیف نے اس روایت کو گڑھ کر ابوبکر کی بیعت نہ کرنے والے مؤمنوں اور مسلمانوں کے ناموں کو تاریخ کے صفحات سے پاک کرنا چاہا ہے لہذا انھیں مرتد اور بے دین بتایا گیا ہے تاکہ اس عمل سے یہ ظاہر ہو کہ اگر کوئی مطالعہ کرنے والا تاریخ کے متون میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

صحابیوں کے ایک گروہ کو دیکھئے کہ انھوں نے ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کی ہے، تو فوراً اس جملہ کے استناد پر انھیں حکم کفر وارتداد دیکر مرتدوں کی فہرست میں قرار دے!

اب دیکھنا چاہئے کہ جو شخصیتیں سیف کے ارتدادی تہمت کے زمرہ میں آئی ہیں کون ہیں اور کیا سیف کی تہمت کا عنوان ان پر صادق آتا ہے؟!

ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کرنیوالے اشخاص حسب ذیل ہیں:

۱۔علی بن ابیطالب علیہ السلام

۲۔رسول اللہ کی بیٹی فاطمۂ زہراء سلام اللہ علیہا

۳۔زبیر بن عوام، پیغمبرؐ کے پھوپھی زاد بھائی۔

۴۔عباس، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا۔

۵۔سعد وقاص، فاتح عراق

۶۔طلحہ بن عبید اللہ

۷۔مقداد بن اسود۔

۸۔ابوذر غفاری۔

۹۔سلمان فارسی

۱۰۔عمار یاسر

۱۱۔ براء بن عازب انصاری

۱۲۔ ابی بن کعب انصاری

۱۳۔ فضل بن عباس، پیغمبر کے چچیرے بھائی

۱۴۔ ابوسفیان بن حرب اموی۔

۱۵۔ خالد بن سعید اموی۔

۱۶۔ ابان بن سعید اموی۔

۱۷۔ سعد بن عبادہ انصاری

۱۸۔ مالک بن نویرہ

یہ اٹھارہ شخصیتیں وہ ہیں، جنہوں نے تاریخ کے مطابق ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کی، ان کے علاوہ بنی ہاشم کے تمام افراد کے بارے میں بھی مؤرخین نے صراحت سے کہا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کی زندگی میں انہوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔

کیا اسلام کی ایسی شخصیتوں کو سیف کے کہنے کے مطابق (نعوذ باللہ) مرتد کہا جا سکتا ہے؟!

اصحاب رسولؐ میں سے یہ افراد سب کے سب مدینہ میں موجود تھے، لیکن مدینہ سے باہر رہنے والے جن افراد نے ابوبکر کی بیعت سے مخالفت کی ، ان میں سے بعض افراد ابوبکر کی مخالفت کی راہ میں قتل کئے گئے، جیسے: مالک بن نویرہ وغیرہ جن کو سیف نے صراحتاً مرتد قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ

ابوبکر کی جنگ کو مرتدوں سے جنگ کا نام دیا ہے اوران جنگوں کو بھی حقیقت کے برعکس دکھایا ہے، انشاء اللہ ہم خدا کے مدد سے آنے والی جلد میں ان میں سے بعض کی تحقیق کریں گے۔

آغاز کی طرف بازگشت

آخر میں ہم ابتدائی بات کی طرف لوٹتے ہیں، ہماری نظر میں ان صفحات کی گنجائش کے مطابق سیف کی حقیقت واضح ہوگئی ہم نے دیکھا کہ سیف نے کس طرح تاریخ اسلام کو اپنے خائن ہاتھوں کا کھلونا بنایا ہے اور اپنے مضحکہ خیز افسانوں کو مسلمانوں، غیر مسلمانوں اور مستشرقین میں رائج کردیا ہے اور اس کے افسانوں کے سورما حضرات، اصحاب اور اسلام کی شخصیات کے طور پر معرفی ہوئے ہیں۔

کیا ابھی بھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم خودغرضوں کو چھوڑ کر، اسلام کے دامن کو جھوٹ اور حقیقت سے عاری روایتوں کو پاک کریں اور بحث و تحقیق کے ذریعہ پیغمبرؐ اسلام، آپ کے خاندان اور اصحاب کی زندگی کو حقیقت کے روپ میں پیش کریں، اور نتیجہ کے طور پر حقیقی اسلام کو موجودہ اور آئندہ نسل کیلئے متعارف کرائیں؟

یا ہمارا مزاج ان مضحکہ خیز افسانوں کا عادی بن گیا ہے کہ اسلام کے دفاع کے نام پر ان افسانوں اور افسانہ سازوں کا دفاع کرکے اسلامی حقائق کو منتشر کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ایجاد کرتے ہیں؟

تیسرا حصہ

سیف کی روایتوں میں ارتداد اور مرتد

- اسلام میں ارتداد۔
- ابوبکر کے دوران ارتداد۔
- سیف کے علاوہ روایت میں، داستان مالک بن نویرہ۔
- متن وسند کے لحاظ سے داستان مالک کی تحقیق
- سیف کی روایتوں کی چھان بین۔
- علاء حضرمی کی داستان۔
- حوأب کی داستان۔

اسلام میں ارتداد

فتکشف ما فی الصدور و تجلّت النفس العربیة

پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد بعض لوگوں کے اندرونی عقدے کھل گئے نیز

ان کی عربی خو، بو کی فطرت اور خاندانی تعصب آشکار ہوئے۔

تاریخ سیاسی اسلام

ارتداد کے معنی

عربی لغت میں ارتداد ''بازگشت'' کے معنی میں ہے، قرآن مجید میں آیۂ ﴿ فَلَمّا إنْ جَاءَ البَشیر القیه علی وجهه فارتدّ بَصیراً ﴾[1] بھی اس معنی میں آئی ہے اور کلمہ ''رد'' بھی قرآن کریم میں ''دین سے منہ پھیرنے'' اور مسلمانوں کی اسلام سے روگردانی کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ اس آیت میں آیا ہے: ﴿یا ایُّها الّذینَ آمنوا اِن تُطیعوا فریقاً مِنْ الَّذینَ أُوتوا الکِتابَ یَرُدّوکُم بعد إیمانکم کافِرینَ ﴾[2]

ا۔ یوسف، ۹۷۔

۲۔ آل عمران، ۹۹۔

اور ''ارتداد'' یعنی دین سے منہ موڑ لیا، چنانچہ آیۂ کریمہ ﴿ یا ایھا الذین آمنوا من یرتدّ منکم عن دینه فسوف یأ تی الله بقوم یحبّھم و یحبّونه اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین ﴾[1] میں اور آیت ﴿ ولایزالون یقاتلونکم حتی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا و من یَرتَدِد منکم عن دینه فیمت وھو کافر اولئک حبطت اعمالھم .... ﴾[2] میں لیکن ارتداد کا استعمال اسلام میں بازگشت کے معنی میں اس قدر مشہور ہوا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور معنی ذہن میں نہیں آتا۔

پیغمبر کے زمانے میں مرتد

بعض مسلمان، پیغمبر کے زمانے ہی میں مرتد ہو گئے، جیسے: عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، اس نے اسلام قبول کر کے مدینہ ہجرت کی اور پیغمبر اسلام کا کاتب بن گیا، اور اس کے بعد مرتد ہو گیا اور قریش کی طرف مکہ لوٹا وہ قریش سے کہتا تھا کہ میں وحی لکھنے والوں میں سے ایک تھا اور محمد کو جس طرف چاہتا موڑ دیتا تھا، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ ''عزیز حکیم'' لکھو، میں کہتا تھا یا علیم حکیم؟! وہ فرماتے تھے: جی ہاں، دونوں مناسب ہیں۔

جب فتح مکہ کا دن آیا تو رسول اللہ نے عبداللہ کو قتل کرنا حلال کر دیا اور حکم فرمایا جو کوئی عبداللہ کو جس حالت میں بھی پائے، حتی وہ کعبہ کے پردے کا دامن بھی پکڑے ہو تو بھی اسے قتل کر ڈالے عبداللہ نے اپنے رضاعی بھائی عثمان کے پاس پناہ لی، عثمان نے اسے اپنے گھر میں چھپائے رکھا، اور

۱. المائدہ/ ۵۴

۲. البقرہ/ ۲۱۷

اسکے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور لا کر امان حاصل کی[۱]

دیگر مرتدین میں ایک عبداللہ جحش ہے جو پہلے ام حبیبہ کا شوہر تھا اور اپنی بیوی سمیت اسلام قبول کیا عبداللہ نے حبشہ میں دین مسیحیت اختیار کیا اور اسی حالت میں انتقال کر گیا اور ایک مرتد عبد اللہ بن خطل تھا وہ اس حالت میں قتل کیا گیا کہ کعبہ کا پردہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا[۲]، یہ تھے پیغمبر کے زمانے میں ارتداد کا معنی، یہ وہ لوگ تھے کہ اسلام کی نظر میں مرتد ہو چکے تھے اب دیکھنا یہ ہے کہ ابوبکر کے زمانے میں ارتداد کے کیا معنی تھے اور وہ کن لوگوں کو مرتد جانتے تھے۔

ابوبکر کے زمانے میں ارتداد

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی دلسوز خبر جنگل کی آگ کے مانند تمام جزیرۂ عرب میں پھیل گئی، اس زمانے میں جزیرہ میں ساکن عرب دو حصوں میں تقسیم ہوتے تھے:

۱۔ وہ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

۲۔ وہ جو ابھی اپنے پہلے دین پر باقی تھے۔

وہ لوگ جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا انھوں نے، رسول اللہ کی رحلت کے بعد زیادہ قوت اور قدرت حاصل کی اور کھلم کھلا مبارزہ اور مقابلہ کرنے پر اتر آئے۔

۱۔ عثمان نے عبداللہ کو ۲۵ھ میں مصر کا حاکم مقرر کیا اور وہ ۳۴ھ تک اس منصب پر قائم رہا اور ۳۴ھ میں سائب بن ہشام عامری کو اپنا جانشین مقرر کر کے عثمان کی ملاقات کیلئے مصر سے روانہ ہوا اس موقع پر محمد بن ابی حذیفہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور سائب کو اقتدار سے برطرف کیا او خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ عبداللہ بن سعد جب واپس آیا تو محمد بن ابی حذیفہ نے اس سے مصر میں داخل ہونے سے روکا پھر وہ نواحی شام میں واقع عسقلان گیا اور وہیں سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ۳۶ھ میں عثمان قتل کئے گئے اور وہ تا ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں وہیں پر وفات پا گیا (استعاب ج ۲/ ۳۶۷۔ ۳۷۰)

۲۔ الاصابہ، ج ۲ ص ۳۰۹، ۳۱۰۔

لیکن تمام مسلمان، انتظار کی حالت میں مدینہ کی طرف چشم براہ تھے اور ہر راہی سے تازہ خبر پوچھتے تھے کہ اسی اثنا میں خبر آئی کہ اسلام کے دارالخلافہ مدینہ میں رسول اللہؐ کی رحلت اور فقدان کی وجہ سے ہلچل مچ گئی ہے، ابو بکر کی بیعت کی خبر مسلسل انھیں پہنچ رہی تھی اور فطری طور پر اس دن کے حوادث کا دامن اس سے وسیع تر تھا جو آج صدیاں گزرنے کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔

خبر پہنچی کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیعت کے مسئلہ پر ہاتھا پائی کر کے ایک دوسرے کی جان لینے کے پیچھے پڑے ہیں؟ اور دوسری طرف سے سنتے تھے کہ بنی ہاشم (خاندان پیغمبرؐ) متفقہ طور پر بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں! اور قبیلۂ خزرج کے سردار سعد نے بھی بیعت کرنے سے انکار کیا ہے اور....

اس قسم کی گوناگوں خبروں کے پھیلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مسلمان قبائل نے فیصلہ کیا کہ ایسی بیعت سے پرہیز کریں اور حکومت وقت کو اسلامی مالیات (زکات) ادا کرنے سے اجتناب کریں، نہ اسلئے کہ اصولاً زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے حاضر نہ تھے اور بعض اسلامی قوانین جیسے زکوٰۃ اور نماز کی مخالفت کرتے تھے (جیسا کہ ان پر اس چیز کی تہمت لگائی گئی) بلکہ ایسا تھا کہ وہ وقت کی حکومت پر اعتماد نہیں رکھتے تھے اور حاضر نہیں تھے ابو بکر کے سامنے سر تسلیم خم کریں، البتہ حکومت کے ان مخالفین کی اس قدر حیثیت اور اہمیت نہیں تھی، جتنی مدینہ میں موجود مخالفین کی تھی، لہذا حکومت نے ایک خونین کاروائی کر کے ان سب کو قتل کر ڈالا اور ابو بکر کا کوئی مخالف باقی نہ رہا، اس کے بعد باقی مشرکین کی

سرکوبی کی کاروائی شروع ہوئی جو پیغمبری کا دعویٰ کرتے تھے اور رسول اللہ کے زمانے میں جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے نتیجہ کے طور پر ان کا بھی قلع قمع کیا گیا، مخالفین کی سرکوبی سے فارغ ہونے کے بعد حکومت نے فتوحات کیلئے اقدام کئے اور لشکر کشی شروع ہوئی، اسلام کے مؤرخین نے ان تمام جنگوں کو (جو وفات رسول اللہ کے بعد ابوبکر کے سپاہیوں اور جزیرۃ کے اعراب کے درمیان رونما ہوئیں) جنگ ''زردہ'' نام دیا ہے کیونکہ مدینہ سے باہر ابوبکر کے مخالفین کو 'مرتد'' کہا جاتا تھا۔

ابوبکر کی مخالفت ارتداد نہیں ہے

ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی کتاب'' تاریخ الاسلام السیاسی '' میں اسی نظریہ کی تائید کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں: ''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور آپ کی موت کی تصدیق ہوگئی تو لوگوں کی ایک جماعت، دین کے اصول (جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باقی بچے تھے) کے بارے میں شک وشبہہ میں پڑگئی اور بعض لوگ اس لحاظ سے خائف تھے کہ ایسا نہ ہو کہ قریش یا کوئی دوسرا قبیلہ حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھ میں لے لے، اور اس سے متعلق ایک مطلق العنان اور خاندانی حکومت میں تبدیل کردے، اسلئے وہ اسلامی حکومت کی حالت اور اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھے۔ کیوں کہ وہ مشاہدہ کررہے تھے کہ جو پیغمبر، خداوند عالم کے عظیم سفیر کی حیثیت رکھتے تھے اور انھیں حق پر مبنی امر و نہی کی تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ عصمت کی نعمت

سے بہرہ مند اور خطا ولغزشوں سے بھی محفوظ تھے ان سے رخصت ہو چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مختلف قبائل کے درمیان مساوات کے قانون کو نافذ کرنے والا، لوگوں اور قبائل کیساتھ مساوی سلوک کرنے والا ایسا شخص ہونا چاہیئے جس میں پیغمبر کے وہی عالی صفات موجود ہوں۔

ان حالات کے پیش نظر یہ احتمال تھا کہ اس پیغمبر کا جانشین اپنے ذاتی اور خاندانی مطالبات کو مسلمانوں اور معاشرے کی مصلحتوں پر مقدم قرار دیگا، کیونکہ یہ امر بعید نہیں تھا کہ خلافت کے عہدہ دار خلیفہ وقت کے خاندان کی اجتماعی حیثیت کو بیشتر اہمیت دیکر اسے تقویت بخشیں گے اور دوسرے خاندان اور قبائل کو کچل کے رکھ دیں گے، جس کے نتیجہ میں سماجی انصاف اپنا توازن اور تعادل کھو بیٹھے گا۔

یہ احتمال اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ ہم نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے دوران عرب قبائل اور خاندانوں نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے اور حالات پر تسلط جما لینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینے کی ایک دوڑ لگانی شروع کر دی تھی، تا کہ ہر ایک اس مقابلہ میں کامیاب ہو جائے اور دوسرے کو نیچا دکھا کر میدان سے خارج کر کے صرف اپنے آپ کو اس مقابلہ کا فاتح قرار دے، یہاں پر انکے پوشید راز طشت از بام ہوئے اور ان کی دیرینہ عرب قومی فطری اور مزاج کھل کر سامنے آ گئے انصار، قریش اور مہاجرین سے خائف تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کام میں وہ سبقت حاصل کریں اور انصار کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہ دیں، قریش اور مہاجرین

بھی اپنی جگہ پر وحشت واضطراب سے دوچار تھے اور قبیلۂ اوس وخزرج بھی ایک دوسرے سے خوفزدہ تھے[۱]

یہ تھی مدینہ کی سیاسی حالت، دوسری طرف سے مکہ کی حالت بھی اسی سیاسی ہلچل کی وجہ سے مدینہ سے کم نہ تھی، کیونکہ مکہ میں موجود قریش کے قبائل میں بھی یہی رقابت موجود تھی، لہذا جب بیعت کا کام ابوبکر کے حق میں ختم ہوا تو بنی ہاشم ابوبکر سے سخت برہم ہوئے اسی لئے کئی مہینوں تک ان کی بیعت کرنے سے اجتناب کیا اور ابوسفیان بن حرب نے زبردست تگ ودو کی تا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے جذبات کو ابوبکر کے خلاف مشتعل کرے، جس نے خلافت کو، بنی عبد مناف سے چھین لیا تھا۔

مہاجرین وانصار خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کی قرابت رکھتے تھے یا اسلام لانے میں سبقت حاصل کر چکے تھے یا دین خدا کی نصرت کی تھی اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کر چکے تھے ان فضائل کے پیش نظر افتخار اور ناز کرتے ہوئے خلافت کے امیدوار تھے، لیکن عربوں کے دوسرے قبیلے جو اسلام میں نہ ایسا سابقہ رکھتے تھے اور نہ ان کی رسول خداؐ سے کوئی رشتہ داری تھی، اگرچہ خلافت کی لالچ اور امید نہیں رکھتے تھے، لیکن جب وہ اس امر کا مشاہدہ کرتے تھے کہ مہاجر و انصار اس کام پر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے ہیں اور مہاجر، انصار سے کہتے ہیں: سپہ سالار ہم میں سے ہو اور وزراء کی کابینہ آپ میں سے چنی جائے[۲] اور انصار اس تجویز کو مسترد کر کے کہتے تھے: "نہیں،

۱۔ سقیفہ کی روداد اس سے پہلے بیان ہوئی ہے ملاحظہ ہو۔

۱۔ منا الامراء و منکم الوزراء.

بلکہ سپہ سالاری ہم دونوں گروہ سے منتخب ہونا چاہئے"[۱]

ان حالت کے پیش نظر، وہ مکمل طور پر ناامید اور مایوس ہوئے اور اپنے آرمانوں کو برباد ہوتے دیکھا۔لہذا انہوں نے مخالفت کا پرچم بلند کیا اور ان میں سے بھی بہت لوگوں نے ابوبکر کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا اور ان کو زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا

سیف نے اپنی روایتوں میں اس عمل کو ارتداد اور ایسے لوگوں کو مرتد کہا ہے اور ایسا دکھایا ہے کہ پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد اکثر عرب قبائل ارتداد کا شکار ہو گئے تھے۔

بعض مستشرقین[۲] نے بھی اسی پر استناد کر کے پیغمبر کی وفات کے بعد بعض عرب قبائل، مرتد ہو کر دین سے منحرف ہو گئے کے پیش نظر معتقد ہوئے ہیں کہ" اسلام تلوار اور نیزہ کی نوک پر پھیلا ہے اور تنہا عامل جس نے عربوں کو یہ دین قبول کرنے پر مجبور کیا تھا تلوار کا خوف تھا"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر کی حکومت کے دوران کسی قسم کا ارتداد نہیں تھا، جن لوگوں کے ساتھ ابوبکر ارتداد کے نام پر جنگ کر رہے تھے، یہ نہ مرتد تھے اور نہ اسلام سے منحرف ہوئے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو آغاز ہی سے مسلمان نہیں تھے اور کچھ دوسرے لوگوں نے صرف ابوبکر کو زکات ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ان دونوں گروہوں کو غلطی یا اشتباہ سے مرتد کہا گیا ہے آئندہ فصل میں اس روداد کی تفصیل اور وضاحت بیان کی جائے گی۔

۱۔ بل منا امیر و منکم امیر .

۱۔جیسے" فون فولٹن"، جرمنی کا معروف مستشرق۔

سیف کی روایتوں میں ارتداد

لیقاتلنکم حتی تکنوہ ابا الفحل

وہ تم لوگوں سے اس قدر جنگ کریں گے کہ ابو بکر کو بڑے اونٹ کا باپ کہیں گے نہ چھوٹے اونٹ کا باپ۔

قبیلہ طی

حضرت ابو بکر کی جنگ کا باعث

ہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ لوگوں کی ایک جماعت نے ابو بکر کی حکومت کی مخالفت کی اور ابو بکر نے ان سے جنگ کی اور ان کے مال کو غنیمت کے طور پر ضبط کیا اور ان کے مردوں کو اسیر بنایا ان لوگوں کو تاریخ میں مرتد اور ان کے عمل کو ارتداد کہا گیا ہے لیکن تاریخ میں تحقیق اور مسئلہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ مرتد تھے اور نہ ان کا عمل ارتداد تھا اور نہ انکے ساتھ ابو بکر کی جنگ اسلام سے ارتداد کے مرتکب ہونے کا سبب تھی ، کیونکہ کلمۂ ارتداد دوسرے معنی رکھتا ہے اور یہ ان لوگوں سے جو وقت کی حکومت کے مخالف تھے سے مطابقت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم اپنی ''تاریخ سیاسی'' میں کہتے ہیں:

''جن لوگوں سے حضرت ابوبکر نے جنگ کی ان میں سے کوئی بھی مرتد نہیں تھا اور ابوبکر سے ان کی مخالفت اسلام سے ارتداد کا عنوان نہیں رکھتی تھی ، بلکہ اس کا باعث کچھ اور تھا، اس وضاحت کے ساتھ کہ وہ لوگ دو گروہ میں منقسم تھے۔

اول : وہ گروہ جس نے زکات ادا کرنے سے انکار کیا تھا ، اس گمان سے کہ زکات ایک ایسا ٹیکس ہے جو ذاتی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا جانا چاہئے ، چونکہ پیغمبر نے رحلت فرمائی تھی اس لئے خلیفۂ وقت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ مستثنیٰ ہیں[۱] مسلمانوں کے اس گروہ سے جنگ کرنے پر عمر، ابوبکر سے اعتراض کرتے تھے اور ابوبکر اس کے جواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض فرمائشات سے استناد کر کے کہتے تھے ، میں لوگوں سے جنگ کرنے پر مأمور ہوا تا کہ وہ توحید کا اقرار کریں ، لہذا جس نے کلمۂ توحید کو زبان پر جاری کیا اس کا مال و جان میری طرف سے محفوظ ہے، مگر یہ کہ کسی حق کے سبب ہو تو اس کا جواب خدا کے ساتھ ہے امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ و نفسہ الا بحقّہ و حسابہ علی اللہ"

دوم : وہ گروہ جو در حقیقت مسلمان نہیں تھے ...

ڈاکٹر ابراہیم حسن اس کے بعد کہتا ہے:

۱۔ ڈاکٹر ابراہیم حسن کا یہ نظریہ ہماری نظر میں صحیح اور کافی نہیں ہے، ایسا ہرگز نہیں تھا کہ مسلمان زکات کے معنی کو نہیں سمجھ رہے تھے ، بلکہ مطلب وہی ہے جسے خود ڈاکٹر صاحب اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ لوگ ابوبکر کو پیغمبرؐ کے خلیفہ کے عنوان سے قبول نہیں کرتے تھے اس لئے انہیں زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے تھے۔

''لیکن اسلام[1] نے مرتدوں کیلئے جوسزا مقرر کی ہے اور اسے سزائے موت کا حکم دیا ہے ایک سیاسی حکم تھا جسے حکومت وقت نے اس کیلئے مدنظر رکھا تھا اور اس حکومت کی دلچسپی اس حکم کو جاری کرنا تھی بجائے اس کے کہ انھیں اسلام لانے کی ترغیب دے۔

جبکہ دین اسلام نے خاص طور پر مرتدین کی نسبت انتہائی احتیاط کو مدنظر رکھا ہے اور ہر گز شبہہ کے استناد پر انھیں مؤاخذہ نہیں کیا ہے اور صرف تہمت کی بناء پر ارتداد کا حکم جاری نہیں کرتا، بلکہ تین دن تک مرتد کو فرصت دی جاتی ہے اور ان تین دنوں کے دوران علماء اور فقہائے اسلام مرتد کی طرف سے دین اسلام پر کئے گئے اعتراضات پر مناقشہ کر کے کوشش کرتے ہیں تا کہ اس شبہہ کو دور کریں اور جس کی وجہ سے اسلام کے صحیح ہونے میں انھیں شک و شبہہ پیدا ہوا ہے بر طرف کردیں ﴿لیھلک من ھلک عن بینة و یَحیَیٰ من حَیَّ عن بیّنة﴾[2]، یہاں پر ہم قارئین کی اطلاع کیلئے اس موضوع پر مذہبی پیشواؤں کے بیانات کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں:

ابوحنیفہ کہتے ہیں:

''جب کوئی مسلمان مرد مرتد ہو جائے، اسے اسلام کی دعوت دینی چاہئے اور تین دن مہلت دینی چاہئے، کیونکہ ظاہراً ایسا ہے کہ اس کے دل میں ایک شبہہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہم پر فرض بنتا ہے کہ اس کے اس شبہہ کو دور کریں

۱۔ یہاں پر ڈاکٹر صاحب کا ''اسلام'' سے مقصود اسلام کا خلیفہ ہے کیونکہ بعد والی عبارت میں وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

۲۔ الانفال/۴۲

یا خود اس کیلئے فکر و اندیشہ کی ضرورت ہے تا کہ اس پر حقیقت آشکار ہو جائے اور یہ کام مہلت دیئے بغیر ممکن نہیں ہے پس اگر مرتد مہلت کی درخواست کرے، تو امام پر لازم ہے کہ اس کو مہلت دے اور شرع اسلام میں جس مدت کے دوران ایک موضوع پر غور وفکر کیا جا سکے، تین روز معین کئے گئے ہیں، کیونکہ معاملات کے موضوع میں معاملہ توڑنے کے اختیار کے بارے میں معاملہ کی شرط اور اشیاء کو دیکھنے کیلئے تین روز مہلت دی گئی ہے، اس لئے مرتد کو بھی تین دن کی مہلت دی جانی چاہئے[1] بعض مالکی فقہاء یوں کہتے ہیں: مرتد، خواہ غلام ہو یا آزاد، خواہ عورت ہو یا مرد، واجب ہے تین دن اور تین رات کی اسے توبہ کرنے کی مہلت دی جائے، ان تین دن کی ابتداء اس دن سے شروع ہوتی ہے جس دن سے ارتداد ثابت ہوا ہے، نہ اس روز سے کہ جس روز کافر ہوا ہے، البتہ ان تین دنوں کے دوران اسے بھوکا اور پیاسا نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ اپنے ہی مال سے اسے کھانا پینا فراہم کرنا چاہئے، نیز اسے جسمانی اذیت نہیں دی جانی چاہئے اگر چہ وہ توبہ بھی نہ کرے[2]

امام شافعی کہتے ہیں:

''مرتد، خواہ مرد ہو یا غیر مرد واجب ہے، اسے توبہ کرائیں، کیونکہ وہ اسلام کی خاطر محترم تھا،

۱۔ کتاب مبسوط، تالیف شمس الدین سرخسی طبع قاہرہ ۱۳۲۴ھ کے حاشیہ میں تین دن مقرر کئے گئے ہیں ج ۱۰/ ۹۸۔۱۰۰۔

۲۔ باب گروہ اور اس کے احکام شرع کبیر تالیف دردیر طبع بولاق ۱۲۱۹ھ ج ۴ ص ۲۷۰ حاشیہ دسوقی ج ۴ ص ۲٦۷۔

شائد وہ جس شبہہ سے دوچار ہوا ہے کہ ممکن ہے یہ شبہہ دور ہو جائے ،بعض نے کہا ہے: تین دن کی مہلت دی جاتی ہے[۱]

امام احمد حنبل کہتے ہیں: جو بھی اسلام سے مرتد ہو جائے ،مرد ہو یا عورت وہ سن بلوغ کو پہنچا ہو اور دیوانہ نہ ہو، تین دن تک اسے اسلام کی دعوت دینی چاہیے[۲]

ان فتاوی کے علاوہ اصولاً سزاوار نہیں ہے کہ ایک مسلماں کو کافر کہا جائے جس کے گفتار یا کردار سے کافر ہونے یا نہ ہونے کا دونوں احتمال پایا جاتا ہو مگر یہ کہ وہی مسلمان اس گفتار و کردار کو کفر کا سبب جانیں اور علمائے اسلام نے وضاحت کی ہے کہ اگر ایک مسلمان مرد کے گفتار میں ۹۹ فیصد کفر کا احتمال اور ایک فیصد ایمان کا احتمال ہو تو ایسے مسلمان کے خلاف کفر کا حکم نہیں دیا جاسکتا ہے[۳]

تاریخ لکھنے والے کیا کہتے ہیں؟

تاریخ کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ جن افراد نے ابوبکر سے جنگ کی وہ اسلام کو قبول کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، توحید و نبوت کی شہادت دیتے تھے، ان کی مخالفت صرف ابوبکر کی حکومت کو قبول کرنے اور ان کو زکوٰۃ ادا کرنے میں تھی، ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں یوں لکھا ہے:

''ابن ماجہ'' کے علاوہ تمام اہل حدیث نے اپنی کتابوں میں ابو ہریرہ سے روایت کی

۱۔ باب ''ردہ'' حاشیہ، بجری، شرح نہج البلاغہ، طبع بولاق ۱۳۰۹ھ۔

۲۔ کشف القناع علی متن الاقناع، طبع قاہرہ ۱۳۱۹ھ ج ۴/ص ۱۰۰۔۱۰۵۔

۳۔ باب مرتد حاشیہ رد المختار علی الدر المختار، تالیف ابن عابدین، طبع مصر۔

ہے کہ عمر ابن خطاب نے ابوبکر سے کہا؛ لوگوں کے ساتھ کس لئے جنگ کر رہے ہو؟
جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے؛ میں مأمور ہوں تا کہ لوگوں
سے اس وقت تک جنگ کروں کہ خدا کی وحدانیت اور میری (محمدؐ) رسالت کی
شہادت دیدیں، اور جوں ہی یہ دوشہادتین کہیں گے تو ان کے مال و جان میری طرف
سے محفوظ ہیں پھر ان کے ساتھ جنگ نہیں کروں گا مگر یہ کہ حق ہو۔

ابوبکر نے کہا: خدا کی قسم! جو زکوٰۃ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کرتے تھے، اگر مجھے ادا نہ
کریں گے اگر چہ وہ ایک اونٹ یا اس اونٹ کا بندھن ہی کیوں نہ ہو، ضرور ان کے ساتھ لڑوں گا، کیونکہ
زکوٰۃ مال کا حق ہے خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرنے والوں کی ساتھ میں حتمی طور پر لڑوں گا

عمر کہتے ہیں میں نے جب دیکھا کہ خدا نے ابوبکر کے سینہ کو جنگ کیلئے آمادہ کیا ہے تو مجھے
معلوم ہوا کہ وہ حق پر ہیں![1]

تاریخ طبری میں آیا ہے:

''کچھ عرب گروہ مرتد ہوئے تھے، ابوبکر کے پاس آئے، وہ نماز کا اقرار

۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۶/ ۳۱۱، و ان عمر بن الخطاب قال لابی بکر :لم تقاتل الناس و قد قال رسول اللہ امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدو ان لا الہ الا اللہ و ان محمدً رسول اللہ فاذا قالوھا عصموا منی دمائھم و اموالھم الا بحقّھا فقال ابو بکر: و اللہ لو منعونی عناقا و فی روایۃ عقالاً کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ(ص) لأ قاتلنّھم علی منعھا ان الزکاۃ حق المال و اللہ لاقاتلن من فرق بیں الصلاۃ و الزکاہ قال عمر: فما ھوالا ان رایت اللہ قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ الحق (ص۲۴۰)

کرتے تھے، لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے، ابوبکر نے اس کام کو قبول نہیں کیا اور انھیں واپس بھیجدیا''۔[۱]

ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ کی چھٹی جلد کے ۳۱۱ صفحہ پر کہتے ہیں:

''عربوں کا گروہ مدینہ آیا جبکہ نماز کا اقرار کرتے تھے لیکن زکات دینے سے پرہیز کرتے تھے ان میں ایسے اشخاص بھی تھے جو ابوبکر کو زکات ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے''

ان میں سے ایک نے یہ شعر کہے:

اطعنا رسول الله ما كان بيننا　　فواعجبا ما بال ملك ابى بكر

ايورثنا بكراً اذا مات بعده　　و تلك لعمر آلة قاصمة الظهر[۲]

ترجمہ

جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تھے، ہم ان کی فرمانبردار تھے، تعجب کی بات ہے! ابوبکر کو حکمرانی سے کیا ربط ہے؟ کیا مرنے کے بعد اپنے بیٹے بکر کو جانشین قرار دیں گے؟ خدا کی قسم یہ واقعہ کمر شکن تھا۔

طبری نے سیف سے اور اس نے ابومخنف سے روایت کی ہے:

''قبیلہ طی کے سوار، بنی اسد اور فزارہ کے سواروں سے (خالد کے ان پر حملہ کرنے سے پہلے)

۱۔ تاریخ طبری ج ۲/۴۷۴ و قد جائته و فود العرب مرتدين يقرّون بالصلاة و يمنعون الزكاة فلم يقبل ذلک منهم و ردّهم۔

۲۔ البدایۃ والنھایۃ، ج ۶ ص ۳۱۱۔

ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوکر جنگ کئے بغیر ایک دوسرے کو گالیاں بکتے تھے، اسد اور فزارہ کہتے تھے: نہیں، خدا کی قسم ہم ہرگز ابوالفصیل کی بیعت نہیں کریں گے سوار ان، اُن کے جواب میں کہتے تھے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ ابوبکر آپ لوگوں سے اس قدر جنگ کرے گا کہ آپ اسے ابوالفحل اکبر کہیں گے![1]

مذکورہ مقدمہ سے اہل بحث وتحقیق کیلئے واضح ہوگیا کہ جس چیز کوابوبکر کے زمانے میں ارتداد کہتے تھے وہ درحقیقت اسلام سے ارتداد نہ تھا بلکہ صرف ابوبکر سے مخالفت تھی، لیکن چونکہ ابوبکر کی بیعت کے مخالفین عرب قبائل اور صحرانشین تھے اور جنگ میں شکست کھا کر قدرت پر قبضہ نہ کرسکے تھے اور دوسری طرف سے مسلسل کئی برسوں تک حکومت ابوبکر وعمر اوران کے دوستوں، خاندان اور حامیوں کے ہاتھ میں رہی، اور وہ روایتیں جو مبارزات کے روداد اور سیاسی حالات کی تشریح کرتی ہیں، انہیں با نفوذ اور فاتح افراد کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں، لہذا ہم پر لازم اور واجب ہے کہ شکست خوردہ فرنٹ کے بارے میں نقل کئے گئے مطالب کے صحیح ہونے کے بارے میں دقیق تحقیق اور جانچ پڑتال کریں، یہ تھا ابوبکر کے دوران حکومت میں مرتدوں کے واقعہ کے بارے میں ایک خلاصہ۔

سیف کیا کہتا ہے؟

طبری نے سیف بن عمر سے نقل کیا ہے:

---

[1] ''بکر وبکرہ'' کا عربی لغت میں ایک معنی اونٹ کا بچہ ہے اور ''فصیل'' بھی اونٹ کے بچہ کو کہتے ہیں لہذا ابوبکر کو ''ابوالفصیل'' کہا گیا ہے، یعنی اونٹ کے بچہ کا باپ لہذا ابوبکر کو اس نام کیساتھ یاد کرنا توھین کے عنوان سے تھا۔

''جب ابوبکر کی بیعت کی گئی، عرب عام طور پر یا ہر قبیلہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے[1]

اس کے علاوہ ایک اور جگہ پر سیف کے حوالہ سے نقل کرتا ہے:

''کفر نے زمین پر اپنا دامن پھیلایا تھا اور لوگ دین سے روگردانی کرتے تھے اور قریش و ثقیف کے علاوہ ہر قبیلہ میں سے یا تمام افراد یا کچھ مخصوص افراد مرتد ہو گئے تھے[2]

سیف نے ارتداد کے سلسلے میں رونما ہونے والی جنگوں کی توصیف میں افسانوی اور خیالی داستانیں گڑھ لی ہیں جو تاریخ طبری میں پراکندہ حالت میں پائی جاتی ہیں، سچ تو یہ ہے کہ سیف افسانے گڑھنے میں ''عنترہ بن شداد'' کے افسانے گڑھنے والوں اور ان کے مانند افسانہ نویسوں کا استاد تھا اور اس کی خیال بافی کا دامن ان لوگوں سے وسیع تر تھا، کیونکہ سیف کے افسانوں کے ہیرو کیلئے خشک بیابانوں اور ریگستانوں میں پانی کے چشمے جاری ہوتے ہیں وہ دریا کے پانی پر چلتے ہیں، حیوانات ان سے گفتگو کرتے ہیں، اور فرشتے ان کی خبر گیری کرتے ہیں، اور اسی طرح کے مطالب جو دوسرے افسانوں میں نہیں پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ سیف کے افسانے، ایک اور خصوصیت کے بھی حامل تھے اور وہ یہ کہ اس کے افسانے بانفوذ شخصیتوں اور وقت کے حکام کی ستائش میں ہوا کرتے تھے اور اس نے ایسے لوگوں کی رفتار و گفتار کے دفاع میں (جو عام لوگوں کی نظروں میں مورد تنقید قرار پاتے تھے) زیادہ سے زیادہ روایتیں جعل کی ہیں، نمونہ کے طور پر کافی ہے کہ ہم ابوبکر

۱۔ تاریخ طبری ج۶/۲۶۱: لمّا بویع ابو بکر ارتدت العرب اما عاما و اما خاصة فی کل قبیلة .

۲۔ تاریخ طبری ج۶/۴۷۰، کفرت الارض و تصرّمت و ارتدّت من کل قبیلة عامّة او خاصة الا قریشاً و ثقیفاً

کی مرتدوں سے جنگ کے بارے میں سیف کی گڑھی چند داستانوں کو نقل کریں تا کہ اس کی کتاب ''الفتوح والردۃ'' میں اس کی داستان سرائی وافسانہ سازی کا طریقہ کار اور رویہ معلوم ہو سکے طبری نے اپنی تاریخ کبیر میں اسی کتاب سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔

معتبر روایتوں میں مالک بن نویرہ کی داستان

ان خالدا قتل مسلماً و تزوج امرأته فی یومها

خالد نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اسی دن اسکی بیوی سے شادی کر لی!!

عمر بن خطاب

مالک بن نویرہ قبیلۂ یربوع تمیمی نامی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی کنیت ابو حنظلہ تھی اور لقب جفول تھا۔

مرزبانی کہتا ہے:

''وہ ایک عالی رتبہ شاعر تھے اور قبیلۂ یربوع کے جنگجو مردوں میں ایک نامور شہسوار تھے، وہ عصر جاہلیت میں اپنے قبیلہ کے اعلیٰ طبقہ کے افراد میں شمار ہوتے تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنے قبیلہ کا ٹیکس جمع کرنے پر مأمور فرمایا، پیغمبر کی وفات کے بعد انھوں نے جمع کیا ہوا ٹیکس حکومت وقت کو دینے سے انکار کیا اور اپنے رشتہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیا اور اس سلسلہ میں فرمایا:

فقلت خذوا اموالکم غیر خائف و لا ناظر فیما یجییٔ من الغد
فان قام بالدین المحوّف قائم [۱] اطعنا و قلنا الدین دین محمّد ؐ

ترجمہ:

میں نے کہا: مستقبل کے بارے میں خوف و پروا کئے بغیر اپنے مال کو واپس لے لو، کیونکہ اس مال کو تم لوگوں نے دین کے خاطر ادا کیا ہے، لہذا اگر کسی نے دوبارہ قیام کیا تو ہم اس کی اطاعت کر کے کہیں گے کہ دین، دین محمدؐ ہے۔

طبری نے اپنی سند سے عبدالرحمان بن ابوبکر سے نقل کیا ہے:

''جب خالد سرزمین بطاح [۲] پہنچا تو ضرار بن ازور [۳]

۱۔ شرح ابن ابی الحدید میں (فان قام بالامر المجدد قائم) ہے، یعنی اگر کسی نے قیام کیا اور دوبارہ دین کی ذمہ داری لی، سید مرتضی کی طرف سے قاضی القضاۃ کو دئے گئے ساتویں جواب میں ہے۔

۲۔ بطاح قبیلہ اسد بن خزیمہ کے اطراف میں ایک پانی ہے (معجم البلدان)

۳۔ ضرار بن ازور مرداس بن حبیب بن عمیر بن کثیر بن شیبان اسدی اور کہا گیا ہے کہ ازور کا نام مالک تھا اور وہ بن اوس بن خزیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد ہے اس کی کنیت ابوازور اسد ہے وہ ایک دلیر شہسوار تھا اور جنگ اجنادین میں قتل ہوا کہا گیا ہے کہ یمامہ میں قتل ہوا ہے اور بعض نے کہا ہے زمان حکومت عمر میں فوت ہوا۔ الاستیعاب ج ۲/ص ۲۰۳۔۲۰۴ اور الاصابہ کی ج ۲/۲۰۰۔۲۰۱ میں لکھتا ہے: خالد نے ضرار کو کچھ لوگوں کے ہمراہ جنگ کیلئے بھیجا، خالد کے مأمورین نے بنی اسد کے ایک قبیلہ پر شب خون مارا اور ایک خوبصورت عورت کو گرفتار کیا ضرار نے لشکر سے مطالبہ کیا کہ اس عورت کو اس کے حوالہ کریں انہوں نے قبول کر کے اسے اس کے حوالہ کردیا، ضرار نے اس سے ہمبستری کی اور اسکے بعد پشیمان ہوا، روداد کو خالد کے پاس پہنچا دیا گیا، خالد نے کہا: کوئی مشکل نہیں ہے میں نے اسے تم پر حلال کیا، ضرار نے قبول نہ کرتے ہوئے کہا، اس روداد کو عمر کی خدمت میں پہچانا چاہئے، خالد نے تشریح لکھی اور عمر نے جواب میں لکھا کہ اسے سنگسار کرو۔ جس وقت عمر کا خط پہنچا تو اس وقت ضرار فوت ہو چکا تھا خالد جب قضیہ سے آگاہ ہوا تو اس نے کہا: خدا نہیں چاہتا تھا کہ ضرار ذلیل وخوار ہوجائے، نیز اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ضرار ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے ابو جندب کے ساتھ شراب پی لی تھی، جب ابوعبیدہ نے عمر کو اس کی خبر دی تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اس کی تحقیق کراؤ گر لوگوں نے کہا کہ شراب حلال ہے تو انہیں قتل کرڈالو ورنہ ان پر حد جاری کرنا، انہوں نے پوچھ تاچھ پر اعتراف کیا کہ خمر حرام ہے۔

کولشکر کی ایک ٹولی کے ہمراہ بھیجا ابوقتادہ بھی ان کے ساتھ تھا، انہوں نے قبیلۂ مالک پر شب خون مارا، بعد میں ابوقتادہ کہتا تھا: جب ہماری فوج نے رات میں ان کا محاصرہ کرلیا تو قبیلۂ مالک وحشت میں پڑ کر جنگی اسلحہ لے کر آمادہ ہوگئے

ابوقتادہ نے کہا: ہم نے کہا: ہم مسلمان ہیں۔

انہوں نے کہا: ہم بھی مسلمان ہیں۔

لشکر کے سپہ سالار نے کہا؛ پھر کیوں جنگی اسلحہ لئے ہوئے ہو؟

انہوں نے کہا؛ تم لوگ کیوں مسلح ہو؟

ہم نے کہا: اگر تم لوگ سچ کہتے ہو کہ مسلمان ہو تو اسلحہ کو زمین پر رکھدو۔

ابوقتادہ نے کہا: انہوں نے اسلحہ کو زمین پر رکھدیا، پھر ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی۔

ابن ابی الحدید اپنی شرح میں اس کے بعد کہتا ہے:

''جوں ہی انہوں نے اسلحہ کو زمین پر رکھدیا تو ان سب کو اسیر بنا کر رسیوں سے باندھ کر خالد[1] کے پاس لے آئے''

کنزل العمال[2] اور تاریخ یعقوبی[3] میں اس داستان کو یوں نقل کیا گیا ہے:

۱۔ فلما وضعو السلاح ربُطوا أساری فاتوا بهم خالدا

۲۔ کنزل العمال، ج ۳/۱۳۲۔ ۳۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲/۱۱۰۔

مالک بن نویرہ، گفتگو کیلئے خالد کے پاس آئے ان کی بیوی بھی انکے پیچھے آئی، جب خالد کی نظر اس عورت پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور مالک سے مخاطب ہوکر کہا: خدا کی قسم تم پھر سے اپنے قبیلہ کی طرف واپس نہیں جاسکتے ہو، میں تجھے قتل کرڈالوں گا۔

کنزل العمال کی تیسری جلد ۱۳۶ پر کہتے ہیں:

''خالد بن ولید نے دعویٰ کیا کہ مالک بن نویرہ مرتد ہوگیا ہے اس دعویٰ میں اس کی دلیل اور استناد ایک بات تھی کہ اظہار کرتا تھا کہ جو بات مالک سے اس کے کان تک پہنچی ہے، مالک نے اس خبر کو جھٹلا دیا اور کہا: میں بدستور مسلمان ہوں اور میں نے اپنے دین میں کوئی تبدیل نہیں کی ہے، نیز ابو قتادہ اور عبداللہ بن عمر نے بھی اس کی صداقت پر شہادت دی، اتنے میں خالد نے مالک کو آگے کھینچ کر ضرار بن ازور کو حکم دیا کہ مالک کا سر قلم کردے، اس کے بعد خالد نے مالک کی بیوی (جس کا نام ام تمیم تھا) کو اپنے قبضہ میں لے کر اس کے ساتھ زنا کیا۔[۱]

تاریخ ابوالفداء[۲] اور وفیات الاعیان میں آیا ہے:

عبداللہ بن عمر اور قتادۂ انصاری دونوں اس مجلس میں حاضر تھے اور انہوں نے مالک کے بارے میں خالد سے گفتگو کی، لیکن خالد نے ان کی بات کو قبول نہیں کیا، مالک نے کہا: خالد! تم مجھے ابو بکر کے پاس بھیجدو تاکہ وہ خود میرے بارے میں فیصلہ کریں، خالد نے جواب میں کہا: خدا مجھے معاف نہ کرے اگر میں تجھے معاف کردوں گا اس کے بعد ضرار بن ازور سے مخاطب ہوکر کہا: مالک کا سر قلم کردو!

۱۔ کنزالعمال، ج۳ ر۱۳۲

۲۔ تاریخ ابوالفداء، ص ۱۵۸۔

مالک نے اپنی بیوی پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور خالد سے مخاطب ہوکر کہا: اس عورت نے مجھے قتل کروایا ہے وہ عورت انتہائی خوبصورت تھی، خالد نے کہا: بلکہ خدا نے تجھے قتل کیا ہے چونکہ اسلام سے تم نے منہ پھیر لیا ہے!

مالک نے کہا: میں مسلمان ہوں اور اسلام پر پابند ہوں۔

خالد نے کہا: ضرار اس کا سر قلم کردو، اور اس نے بھی اس کا سر تن سے جدا کر دیا[1]

اور ابن حجر، ''الاصابہ'' (ج۳/ص ۳۳۷) میں ثابت بن قاسم سے نقل کرتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب الدلائل میں لکھا ہے:

''خالد کی نگاہ مالک کی بیوی پر پڑی، وہ اپنے وقت کی خوبصورت ترین عورت تھی، مالک نے اپنی بیوی سے کہا: تم نے مجھے قتل کیا[2] اس کا مقصود یہ تھا میں تیرے سبب جلد ہی قتل کیا جاؤں گا[3]

اور اصابہ میں زبیر بن بکار سے اس نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے:

مالک بن نویرہ کو جس وقت قتل کیا گیا[4] اسکے سر پر گنجان زلف تھی، خالد نے حکم دیا کہ مالک کے سر کو دیگ کا پایہ قرار دیں تو ایسا ہی کیا گیا اور اس سے پہلے کہ آگ ان کے بالوں سے گزر کر ان

۱۔ یہ تاریخ ابن شحنہ ص ۱۶۶ کامل ج ۷ کے حاشیہ سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ الاصابہ ج ۳/۳۳۷۔

۳۔ ان خالد رآی امرة مالک و کانت فائقه فی الجمال فقال مالک : بعد ذلک لامر ته قتلیتنی یعنی سأقتل من اجلک

۴۔ ان مالک بن نویره کان کثیر شعر الرأس فلما قتل امر خالد برأسه فنصب ألفية لقدر فنضج ما فيها قبل ان يخلص النار الى شئون رأسه .

کی کھال تک پہنچے دیگ میں موجود کھانا پک چکا تھا[۱]

خالد نے مالک کی بیوی ام تمیم (منہال کی بیٹی) سے اسی رات زنا کیا۔

ابونمیر سعدی اس سلسلہ میں کہتا ہے:

"ألا قُلْ لحيّ اوطأوا بالسنابک تطاول هذا اللّيل من بعد مالک

قضىٰ خالد بغياً عليه دعرسه و کان له فيها هوى قبل ذلک

فامضى هواه خالد غير عاطف عنان الهوىٰ عنها ولا متمالک

فاصبح ذا اهل و اصبح مالک الى غير اهل هالکاً فى الهوالک[۲]

ترجمہ:

خبردار! اس گروہ سے کہدو جنہوں نے گھوڑے دوڑائے ہیں، مالک کے بعد ہماری تاریک رات ختم ہونے والی نہیں ہے، خالد جو اس سے پہلے مالک کی بیوی پر فریفتہ ہو چکا تھا، اس نے مالک کو اس عورت کیلئے بزدلانہ طور پر قتل کیا اور اپنے دل کی تمنا پوری کی اور اپنے سرکش نفس کو لگام نہ لگا سکا جس صبح کو مالک اپنی بیوی سے جدا ہو کر عدم کی طرف روانہ ہوئے، خالد ان کی بیوی پر تصرف کر چکا تھا۔

ابن حجر الاصابہ میں کہتا ہے:

جب خالد نے مالک کو قتل کیا تو منہال کی نظر مالک کے بے سر بدن پر پڑی تو اپنی زنبیل سے

۱۔ طبری، ج۲/۵۰۳، الاصابہ، ج۳/۳۳۷، ابن اثیر، جنگ بطاح، ابن کثیر، ج۶/۳۲۱، ابی الفداء، ۱۵۸ و ابن ابی الحدید، ج۱۷۔

۲۔ یعقوبی، ج۲/۱۱۰۔

ایک پیراہن نکال کر مالک کو اس سے کفن کیا[۱]

یہ تھا مالک کا خاتمہ، اب دیکھنا چاہئے کہ حکومت وقت نے اپنے اس سردار خالد کے ساتھ اس عمل کی سزا کے طور پر کیا برتاؤ کیا؟

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے:

ابوقتادہ نے اپنے آپ کو ابوبکر کے پاس پہنچا دیا اور تمام واقعہ کے بارے میں رپورٹ پیش کی اور کہا؛ خدا کی قسم اب میں خالد کے پرچم تلے اس کی کمانڈری میں کسی جگہ نہیں جاؤں گا کیوں کہ اس نے مالک کو مسلمان ہونے کے باوجود قتل کر ڈالا ہے۔

تاریخ طبری میں ابن ابی بکر سے نقل کیا گیا ہے:

من جملہ جن لوگوں نے مالک کے مسلمان ہونے پر شہادت دی، قتادہ تھا، اس نے اپنے خدا سے عہد کیا کہ وہ خالد کی کمانڈری میں کسی محاذ جنگ پر شرکت نہیں کرے گا[۲]

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ ''عمر بن خطاب نے ابوبکر سے کہا: اے رسول اللہ کے جانشین! یہ سچ ہے کہ خالد نے ایک مسلمان مرد کو قتل کیا ہے اور اسی دن اس کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کئے ابوبکر نے خالد کو خط لکھا اور اسے اپنے پاس بلایا، خالد نے کہا: اے جانشین رسول! میں نے مالک کو قتل کرنے میں اپنی نظر میں ایک تاویل کی ہے اور اس میں صحیح راستہ اختیار کیا لیکن خطا بھی سرزد ہوگئی ہے''

۱۔ اصابہ ۳/۴۸۷

۲۔ فلحق ابو قتادہ بابی بکر فاخبرہ الخبر و حلف ان لا یسیر تحت لواء خالد لانہ قتل مالکا مسلماً.

یعقوبی نے کہا ہے:

''متمم بن نویرہ[۱] (اس زمانہ کے شاعر تھے) نے اپنے بھائی کی سوگ میں بہت سے شعر کہے ہیں اور نوحہ بھی پڑھا ہے وہ مدینہ میں ابوبکر کے پاس گئے، فجر کی نماز کو ابو بکر کی امامت میں پڑھی، جوں ہی ابو بکر نماز سے فارغ ہوئے، متمم اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی کمان سے ٹیک لگا کر مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

نعم القتیل اذ الریاح تناوحت   خلف البیوت قتلت یابن الأزور

أدعوته باللہ ثم غدرته   لو هو دعاک بذمة لم یغدر

ترجمہ

اے فرزند ازور! جب نسیم صبح ہمارے گھر کے در و دیوار پر چل رہی تھی، تم نے کتنے نیک مرد کا قتل کیا! خدا کے نام پر اسے بلایا اور اسے امان دیا، اس کے بعد مجرمانہ طور پر اسے قتل کر ڈالا، جب کہ اگر مالک تم سے کوئی عہد کرتا تو وہ اپنے عہد و پیمان پر وفادار رہتا اور کسی قسم کی فریب کاری وحیلہ سے کام نہیں لیتا''

تاریخ ابوالفداء میں لکھا گیا ہے کہ جب یہ خبر ابوبکر و عمر کو پہنچی تو عمر نے ابوبکر سے کہا:

''مسلم الثبوت ہے کہ خالد نے زنا کیا ہے، اسے سنگسار کیا جانا چاہئے! ابوبکر نے کہا:

میں اسے سنگسار نہیں کروں گا کیونکہ اس نے اپنے لئے ایک فریضہ کو تشخیص دیا ہے اور

۱۔ اس کی کنیت ابوادھم یا ابونھیک یا ابراہیم تھی، وہ نویرہ کا بیٹا ہے، اس کا نسب اسکے بھائی کے حالات میں ہم نے بیان کیا ہے اس نے اپنے بھائی کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا، اس نے اپنے بھائی مالک کے سوگ میں اچھے مرثیہ کہے ہیں الاصابہ ج ۲/ ۳۴۰، استیعاب ج ۲/ ۴۸۸۔

گویا فریضہ کی تشخیص میں خطا ہوئی ہے؟!!

عمر نے کہا: وہ قاتل ہے اوراس نے ایک مسلمان کوقتل کیا ہے اس کے خلاف قصاص کاحکم دینا چاہئے۔

ابوبکر نے کہا: میں اس کو ہرگز قتل نہیں کروں گا، جیسا کہ میں نے کہا کہ اس سے ایک فریضہ کی تشخیص میں خطا ہوئی ہے!

عمر نے کہا: پس کم از کم اسے معزول کرو!

ابوبکر نے کہا: میں ہرگز اس تلوار کو دوبارہ نیام میں نہیں رکھوں گا جسے اس نے اسلام کیلئے کھینچا ہے۔

اورطبری کی روایت میں نقل ہے:

مالک کوقتل کرنے میں خالد کا عذر یہ تھا کہ جب مالک میرے پاس آئے، توانھوں نے گفتگو کے دوران کہا: میں گماں نہیں کرتا ہوں کہ آپ کے حاکم نے ایسا ویسا کہنے کے علاوہ کچھ اور کہا ہوگا!

خالد نے کہا: مگر تم اسے اپنا حاکم نہیں جانتے ہو کہ کہتے ہو تمہارا حاکم؟ پھر مالک کو آگے کھینچ کر اس کا سرتن سے جدا کیا اوراس کے دوستوں کا سر بھی قلم کر دیا۔

جب مالک اوراس کے دوستوں کے قتل کی خبر عمر کو پہنچی تو انھوں نے ابوبکر سے کافی گفتگو کی اور کہا:

۱۔ما اخال صاحبکم الا وقد کان یقول کذا و کذا.

اس دشمن خدا نے ایک مسلمان پر متجاوزانہ دست درازی کر کے اسے قتل کر ڈالا ہے اور اس کے فوراً بعد حیوان کی طرح اس کی بیوی کی عصمت دری کی ہے[1]

خالد سفر سے لوٹ کر مسجد میں چلا گیا، ایک چغہ زیب تن کیا ہوا تھا جس پر لوہے کا زنگ لگا ہوا تھا اور ایک عمامہ سر پر باندھے ہوا تھا کہ اس پر اسلامی لشکر کی علامت کے طور پر چند تیر نسب کئے ہوئے تھے جب مسجد میں داخل ہوا تو عمر غضبناک ہو کر اپنی جگہ سے اٹھے اور تیروں کو اس کے عمامہ سے کھینچ کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور اس کے بعد خالد کی سرزنش کرتے ہوئے بولے: تم نے یہ مکاری اور ریا کاری سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالا ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک حیوان کی طرح اس کی بیوی پر جھپٹ پڑے، خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کرونگا اور تم اس سزا کے مستحق ہو!

خالد خاموش بیٹھا تھا، کیونکہ وہ گمان کرتا تھا کہ عمر کی طرح ابو بکر بھی اسے مجرم جانتے ہوں گے اس نے عمر کو کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ابو بکر کے پاس جا کر اپنی رپورٹ پیش کی اور اپنے کئے ہوئے پر عذر خواہی کی، ابو بکر نے خلاف توقع اس کے عذر کو قبول کر لیا، راوی کہتا ہے: جوں ہی خالد نے ابو بکر کی رضامندی حاصل کی وہ وہاں سے رخصت ہو کے مسجد کی طرف چلا گیا عمر ابھی تک مسجد میں بیٹھے تھے خالد سے خطاب کرتے ہوئے گرج کر بولے:

خبردار اے ام شملہ کے بیٹے! اس وقت اگر مجھے کچھ کہنا چاہتے ہو تو آگے بڑھ کر کہو عمر نے

---

۱. عدو الله ، عدا على امرء مسلم فقتله ، ثم زنا على امرأته .

اپنی فراست سے جان لیا کہ ابو بکر خالد سے راضی ہو گئے ہیں اس لئے خالد سے کچھ کہے بغیر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے !!

یہ تھا صحیح اور معتبر روایتوں میں خالد اور مالک بن نویرہ کی داستان کا خلاصہ، جسے تمام مؤرخین نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن سیف کی روایتوں میں یہ داستان دوسری طرح میں نقل ہوئی ہے کہ جسکو آنے والی فصل میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سیف کی روایت میں مالک بن نویرہ کا ارتداد

فان اقرّوا بالزکاۃ فاقبلوا منهم وان ابو فلا شیء الا الغارۃ

اگرانہوں نے زکات ادا کی تو ان کا قصور معاف کیا جائے گا اور اگر اس سے پرہیز کریں گے تو ان کی سزا بربادی اور غارت گری کے سوا کچھ نہیں ہے...

سیف کی روایت کے مطابق، ابوبکر کا فرمان

سیف کی روایتیں

قارئین کرام نے مالک بن نویرہ کی داستان کے بارے میں مؤرخین کی روایتوں کا گذشتہ فصل میں مطالعہ کیا، اب ہم اس فصل میں سیف کی روایتوں کو نقل کرتے ہیں تا کہ بعد والی فصل میں روایتوں کے ان دو مجموعہ کا آپس میں موازنہ کریں۔

سیف، مالک بن نویرہ کی داستان کو سات روایتوں میں تشریح کرتا ہے اور انھیں مرتد بتاتا ہے، مالک بن نویرہ کی داستان اور ان کے ارتداد کے بارے میں سیف کی سات روایتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔طبری، جس جگہ بنی تمیم وسجاح کی روایت نقل کرتے ہیں[1] وہاں پر کہتے ہیں:

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گماشتے اور مأ مورین، قبیلۂ بنی تمیم میں زکات جمع کرنے میں مشغول تھے، پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد زکات وصول کرنے والے مأ مورین میں شدید اختلاف ہوگیا اور وہ دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئے، ان میں سے کچھ لوگوں نے وصول کی گئی زکات کو ابو بکر کے حوالہ کیا اور چند دیگر افراد اسے ابو بکر کے حوالے کرنے کے سلسلے میں شک میں پڑ گئے اور انہوں نے زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا تا کہ ان کی تکلیف واضح ہوجائے، مالک بن نویرہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو ابو بکر کو زکات ادا کرنے کے سلسلے میں شک میں پڑے ہوئے تھے، اس لئے وہ زکات کو ابو بکر کے ہاتھ دینے سے پرہیز کرتے تھے تا کہ یہ دیکھ لیں کہ مسئلہ کہاں تک پہنچتا ہے، اسی دوران جب سرزمین بنی تمیم میں یہ اختلاف اور دوگانگی پیدا ہوئی تھی اور وہاں کے باشندے اس اختلاف میں سرگرم تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا سجاح نامی شخص اچانک پیدا ہوا تا کہ ابو بکر پر حملہ کر کے اس سے جنگ کرے۔

سجاح نے مالک بن نویرہ کو ایک خط لکھا، مالک نے بھی اس کی تجویز مان لی اور وکیع اور سجاح نے مل کر ایک سہ رکنی انجمن تشکیل دی، اس انجمن میں ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے، اتحاد و یکجہتی قائم کرنے اور دوسروں سے مل کر جنگ کرنے کا عہد و پیمان باندھا۔

۲۔اہل بحرین کے ارتداد اور علاء حضرمی کے ان کی طرف بھیجنے کی داستان کے ذیل میں کہتے ہیں:

۱۔تاریخ طبری ۲/۴۹۵۔

جب علاء بن حضرمی ان کی طرف روانہ ہوا تو یمامہ کا مقابلہ ہوا جس کے نتیجہ میں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور آپس میں جنگ اور مساوات کی ٹھان لی کچھ لوگ علاء سے ملحق ہو گئے راوی کے بقول کہ مالک اور اس کے ساتھی بطاح نامی جگہ پر تھے وہ ہم سے جنگ اور مقابلہ کر رہے تھے اور ہم ان سے نبرد آزما ہوئے[1]

۳۔ اور مزید اس داستان کے بارے میں کہتا ہے:

جب سجاح جزیزہ واپس لوٹا، مالک بن نویرہ پشیمان ہو چکے تھے اور اپنے کرتوت سے باخبر امور میں حیران و پریشان تھے، لیکن وکیع وسماعہ، جنہوں نے زکات ادا کرنے سے پرہیز کیا تھا، سیاہ کارناموں کو باقی رکھتے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ خالد کے استقبال کیلئے دوڑے اور اسے زکات ادا کی۔

اس کے بعد بنی حنظلہ کی سرزمین پر مالک بن نویرہ اور بطاح میں اس کے اردگرد جمع ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی ناخوشگوار چیز باقی نہیں رہی تھی وہ بدستور پریشان تھے بعض اوقات نیک رفتار اور کبھی بدکردار بن جاتا تھا۔

۴۔ اس کے بعد یوں روایت کرتا ہے:

''خالد قبیلۂ اسد اور غطفان کے علاقوں کو مرتدوں سے پاک کرنے کے بعد بطاح کی طرف روانہ ہوا جہاں پر مالک بن نویرہ اپنے کام میں مشکوک تھے، انصار خالد کے بطاح کی طرف روانہ ہونے کے بارے میں تشویش میں پڑے لہذا اس کا ساتھ دینے سے پرہیز کیا اور کہا کہ:

۱۔ و کان مالک فی البطاح و معه جنوده یساجلنا و نساجله.

خلیفہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر ہمیں بزاخہ کی جنگ سے فراغت حاصل ہو جائے تو ہم اس وقت تک وہیں پر رکے رہیں جب تک کہ خلیفہ کا خط نہ ملے خالد نے کہا: کمانڈر میں ہوں اور مجھے حکم دیتے ہو اب جبکہ مالک بن نویرہ ہمارے مقابلے میں ہے میں اس کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور تم میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ آنے پر مجبور نہیں کروں گا، اتنا کہہ کر روانہ ہوا خالد کے روانہ ہونے کے بعد انصار پشیمان ہوئے اور اسکے پیچھے روانہ ہوئے اور اس سے جا ملے اس کے بعد خالد بطاح پہنچا اور وہاں پر کسی کو نہیں پایا۔

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سیف کی چار روایتوں کا خلاصہ تھا اور اب مالک کی داستان کے ضمن میں باقی داستان ملاحظہ ہو۔

۵۔طبری سیف کی ایک دوسری روایت کے مطابق یوں کہتا ہے:

''خالد بن ولید جب بطاح پہنچا تو اس نے وہاں پر کسی کو نہیں پایا اور دیکھا کہ مالک نے اپنے کام میں تردید کی وجہ سے اپنے قبیلہ والوں کو متفرق ہونے کا حکم دے چکے ہیں اور انہیں ایک جگہ جمع ہونے کے بارے میں سختی سے منع کر چکے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں: اے بنی یربوع کے افراد! تم لوگ جانتے ہو کہ جب بزرگ اور سپہ سالار ہمیں دین کی دعوت دیتے تھے، تو ہم ان کے حکم کی نافرمانی کرنے کے علاوہ، ان کے خلاف پروپگنڈا کرتے تھے تاکہ دوسرے جلدی ان کی تبلیغ سے متاثر نہ

ہوں، لیکن اس مقابلہ میں ہم نے شکست کھائی ہے میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ خلافت کے بارے میں میرے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ، خلافت کا کام لوگوں کی تدبیر کے بغیر آگے بڑھا ہے، اس بنا پر ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں کو کہ جنکو زمانے نے ان کی مرادوں تک پہونچا دیا ہے، ان سے دشمنی کرو، اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ اور چون و چرا کئے بغیر اس کام میں مداخلت نہ کرو، اس تقریر کے بعد لوگ متفرق ہو گئے اور مالک بھی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب خالد بطاح پہنچا تو اپنے لوگوں کو اسلامی تبلیغات کیلئے علاقہ کے اطراف میں بھیج کر حکم دیا کہ جو بھی ان کی دعوت کو قبول نہ کرے اسے گرفتار کر کے اس کے پاس لے آئیں، اور اگر کسی نے آنے سے انکار کیا تو اسے قتل کر ڈالیں یہ انہیں منجملہ احکام میں سے تھا جو ابو بکر نے خالد کو دیا تھا، کہ: جہاں پر بھی پڑاؤ ڈالنا اذان و اقامت کہنا، اگر اس علاقہ کے لوگوں نے بھی تمہارے همراہ اذان و اقامت کہا تو ان کے ساتھ تعارض نہ کرنا اور اگر ایسا نہ کیا تو اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی فرض نہیں ہے کہ ان پر اچانک حملہ کرنے کا اختیار رکھتے ہو، جس طرح ممکن ہو سکے انھیں قتل کر ڈالو حتی آگ لگا دیا کسی اور طریقے سے اگر انہوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی تو ان سے پوچھ تاچھ کرو اور اگر پوچھ تاچھ کے دوران انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے کا اعتراف کیا تو ان کے اسلام کو قبول کر لو اور اگر اس کا اعتراف نہ کیا تو اس کی سزا لوٹ مار کرنے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

مأموریت پر گئے خالد کے سپاہی واپس آئے اور مالک بن نویرہ کو ان کے قبیلہ کے افراداور چچیرے بھائیوں کے ہمراہ پکڑ کر خالد کے پاس لئے آئے، سپاہیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا بعضوں، من جملہ ابوقتادہ نے گواہی دی کہ مالک اوراس کے ساتھیوں نے اذان واقامت کہکر کرنماز ادا کی ہے جب یہ اختلاف رونما ہواتو خالد نے حکم دیا کہ مالک اوراسکے ساتھیوں کوزندان میں ڈال دیا جائے، اتفاقاً اس رات اس قدر شدید سردی تھی کہ کوئی بھی اس سردی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، رات کے گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی بھی زور پکڑتی جارہی تھی، خالد نے حکم دیا کہ اپنے اسیروں کوگرم رکھو، یہ حکم جملہٗ " ادفئو اسراکم " کے ذریعہ ابلاغ ہوا، کہ یہ لغت میں گرم رکھنے اورقتل کرنے کے دو کنایوں کی صورت میں استعمال ہوتا ہے، دوسروں کی لغت میں "دفہ" جولفظ ادفئہ سے شباہت رکھتا ہےقتل کے معنی میں ھے، لوگوں نے جب مذکورہ جملہ سن لیا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ خالد نے ان کےقتل کرنے کا حکم جاری کیا ہے، لہذاانہوں نے اسیروں کوقتل کرڈالا۔ مالک کا قاتل ضرار بن ازور تھا، جب چیخ پکار کی آواز خالد کے کانوں تک پہنچی تو وہ اپنے گھر سے باہر نکل آیااور دیکھا کہ کام تمام ہو چکا ہے اس نے کہا: جب خداوند عالم کسی کام کااردہ کرتا ہےتو وہ انجام پاتا ہے[1]

اس کام کے اختتام پر، خالد کے حامیوں کے درمیان مقتولین کے بارے میں گفتگو ہوئی اور اختلاف پیدا ہوا، ابوقتادہ نے خالد سے مخاطب ہوکر کہا یہ تمہارا کام تھا، خالد نے اسے ایک دھمکی دی،

---

۱. اذا اراد الله امرا اصابه.

ابوقتادہ برہم ہوکر غضب کی حالت میں روانہ ہوکر ابوبکر کے پاس آئے، لیکن ابوبکر ابوقتادہ پر غضبناک ہوئے پھر عمر واسطہ بنے، لیکن ابوبکر اس سے راضی نہ ہوئے مگر یہ کہ وہ دوبارہ لوٹ کے خالد کے پاس جائے، لہذا واپس چلے گئے اور خالد کے ساتھ مدینہ آ گئے۔ خالد نے ام تمیم بنت منہال (مالک کی بیوی) سے شادی کر لی، لیکن عدہ تمام ہونے تک اس سے ہمبستری نہیں کی[1]

عمر نے ابوبکر سے کہا کہ خالد کی تلوار میں سرکشی وطغیانی ہے بالفرض اگر ہر جگہ ایسا نہ ہو، لیکن مالک کے بارے میں تو ایسا ہی ہے لہذا اس سے مالک کا قصاص لینا چاہئے اس سلسلہ میں عمر اصرار کر رہے تھے لیکن ابوبکر نے اپنے کارندوں اور مأمورین میں سے کسی سے بھی قصاص نہیں لیا، اور ان سے کہا: چھوڑو عمر! خالد اپنی نظر میں ایک تاویل کرنے میں خطا کر گیا ہے اس کے بارے میں اپنی زبان کنٹرول میں رکھو نیز اس موضوع پر اس کے بعد بات مت کرنا ابوبکر نے مالک کا خون بہا ادا کر دیا اور خالد کے نام ایک خط لکھا، اسے اپنے پاس بلایا، اس نے ابوبکر کے حضور میں آ کر تمام واقعہ بیان کیا ابوبکر نے خالد کے عذر کو منظور کیا اور عربوں کی نظر میں معیوب سمجھی جانے والی شادی کے سلسلے میں اس کی سرزنش کی!

۶۔ سیف ایک اور حدیث میں کہتا ہے:

''خالد کے بعض سپاہیوں نے شہادت دی کہ ہم نے اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھی ہے مالک نے بھی ایسا ہی کیا لیکن کچھ دیگر سپاہیوں نے شہادت دی کہ ایسا نہیں ہوا ہے لہذا اسے قتل کر دیا گیا''

۱۔ جنگ میں ازدواج کرنا عربوں کیلئے اچھا نہیں تھا بلکہ قابل ملامت اور سرزنش کا مقام ہوتا تھا۔

۷۔ سیف نے اپنی آخری روایت میں یوں کہا ہے'' مالک کے سر پر گھنے بال تھے جب سپاہیوں نے مقتولین کے سروں کو دیگ کے پایہ کے طور پر استعمال کیا تو مالک کے سر کے علاوہ کوئی سر ایسا نہ بچا کہ اس کی کھال تک آگ نہ پہنچی ہو دیگ میں موجود کھانا پک کر کھانے کیلئے آمادہ ہو چکا تھا لیکن مالک کا سر گھنے بال کی وجہ سے ابھی تک جلا نہیں تھا۔

متمم نے اس کے بارے میں کچھ اشعار کہے ہیں، ان میں مالک کے دھنسے ہوئے پیٹ کی تعریفیں کی ہیں، جو جنگی سورماؤں کے افتخارات میں شمار ہوتا تھا، عمر نے اس سے پہلے دیکھا تھا کہ مالک کس طرح پیغمبر اسلامؐ کے حضور میں حاضر ہوئے تھے لہذا انھوں نے کہا؛ مگر ایسا ہی تھا اے متمم! اس نے جواب میں کہا؛ میری نظر میں ایسا ہی تھا۔

جو کچھ ہم نے سیف کی روایتوں میں پایا، اس کا یہ ایک خلاصہ تھا، انشاء اللہ آئندہ فصل میں متن اور سند کے لحاظ سے تحقیق کریں گے۔

مالک کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں کی چھان بین

و بکل ذلک اثبت ارتداد مالک بن نویرہ ....

سیف من گڑھت روایتوں سے مالک کے ارتداد کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے....

مؤلف

انا علی الاسلام لا غیّرت ولا بدّلت

میں اپنے اسلام پر ثابت و پائیدار ہوں نہ میں نے دین میں تغیر پیدا کیا ہے اور نہ تبدیلی کی ہے۔

مالک بن نویرہ

گزشتہ فصلوں کا ربط

ہم نے گزشتہ دو فصلوں میں مالک بن نویرہ کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں اور دیگر مؤرخین کی روایتیں درج کی ہیں، اب ہم اس فصل میں اس جگہ پر سیف کی روایتوں کو دیگر مؤرخین کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کر کے تحقیق کریں گے پھر متن اور سند کے لحاظ سے ان کی

جانچ پڑتال کریں گے۔

جب ہم سیف کی روایتوں کی اسناد کی تحقیق کرتے ہیں اور ان کے متن کو دوسروں کی روایتوں سے ملاتے اور موازنہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سیف کی روایتیں متن اور سند کے لحاظ سے بے بنیاد اور ناقابل اعتبار ہیں، یہاں پر ہم پہلے سیف کی روایتوں کی سند کی چھان بین کریں گے اور پھر ان کے متن پر بحث کریں گے۔

سند کے لحاظ سے سیف کی روایتوں کی قدر و قیمت

سیف نے روایت نمبر ۱، ۲ و ۳ کو صعب بن عطیہ سے نقل کیا ہے اور کہتا ہے: صعب نے بھی اپنے باپ عطیہ بن بلال سے روایت کی ہے اور اپنی پانچویں اور ساتویں روایت کو عثمان بن سوید بن مشعبہ سے نقل کیا ہے۔

عطیہ اور صعب ــ باپ، بیٹے ــ اور عثمان بن سوید کی آشنائی کیلئے ہم نے علم حدیث اور سند شناس دانشوروں کی رجال کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو ہمیں عطیہ و صعب کے بارے میں کہیں کوئی اثر نہ ملا لیکن، عثمان بن سوید، اگرچہ تاریخ میں سوید بن مشعبہ یا سوید بن شعبہ کا نام ملتا ہے لیکن اس کیلئے عثمان نامی کوئی فرزند ذکر نہیں ہوا ہے اہل فن کی نظر میں واضح اور مسلم قاعدے کے مطابق ان راویوں کو سیف کے ذہن کی تخلیق جاننا چاہئے اور اس مطلب کی وضاحت کے سلسلے میں ہم کہتے ہیں:

سیف نے بہت سے لوگوں کیلئے بیٹے جعل کئے ہیں چنانچہ حواب کے کتوں کی داستان میں ام قرفہ کیلئے ''ام زمل'' نامی ایک بیٹی تخلیق کی ہے اور ہرمزان کیلئے قماذبان نامی ایک بیٹا جعل کیا ہے چانچہ یہ بحث آئے گی، ''جعلی اصحاب'' کی بحث میں ہم دیکھیں گے کہ ایک سو پچاس سے زائد راوی و اصحاب اس کی کے ذہنی تخلیق کا نتیجہ ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے اور ان کا کسی کتاب میں نام ونشان تک نہیں ملتا، لہذا ہم ناچار ہیں کہ عثمان بن سوید کو بھی سیف کے ذہن کی تخلیق سمجھیں۔

راویوں کے طبقات

یہاں پر ممکن ہے سوال کیا جائے کہ: کس وجہ سے سیف نے جن راویوں سے روایتیں نقل کی ہے ان کا نام ونشان کتابوں میں نہیں ملتا اور وہ سیف کے خیالات کی تخلیق ہیں؟

اس سوال کے جواب کو واضح کرنے کیلئے ہم کہتے ہیں:

علم حدیث کے علماء نے حدیث کے راویوں کی طبقہ بندی کی ہے:

طبقۂ اول میں: وہ لوگ ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عصر تھے اور بلا واسطہ آپ سے روایت نقل کرتے ہیں اس گروہ کو اصحاب یا صحابہ کہتے ہیں۔

طبقہ دوم: وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درک نہیں کیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے ملاقات کی ہے اور ان سے روایت کرتے ہیں انھیں تابعین کہتے ہیں اور تابعین میں سے جنہوں نے دس اصحاب یا دس سے زیادہ اصحاب سے

روایت کی ہو انھیں ''بزرگان تابعین'' کہتے ہیں:

تیسرا طبقہ: یہ تابعین کے وہ افراد ہیں جنہوں نے بعض اصحاب سے حدیث روایت کی ہو اور اس گروہ کا زمانہ ولید اموی کی خلافت کے اختتام ۱۲۶ھ پر ختم ہوتا ہے۔

چوتھا طبقہ: یہ تابعین کا آخری گروہ اور ان کے ہمعصر راوی ہیں اور اس طبقہ نے غالباً طبقہ اول کے تابعین سے روایت کی ہے اور ان میں سے بعض نے بھی بعض اصحاب کو درک کیا ہے اس طبقہ کا زمانہ، بنی امیہ کی خلافت کے اختتام ۱۳۲ھ پر ختم ہوتا ہے۔

پانچواں طبقہ: یہ وہ راوی ہیں جو طبقہ چہارم کے بعد تھے اور ان کا زمانہ منصور عباسی کی خلافت کے اختتام تک تھا۔

چھٹا طبقہ: یہ وہ راوی ہیں جن کا زمانہ مأمون کی خلافت کے اختتام تک ختم ہوتا ہے[۱] اور یہ طبقہ بندی چودہ طبقہ تک پہنچتی ہے بعض علماء نے دوسرے طریقے سے طبقہ بندی کی ہے جن راویوں نے ہجرت کے پہلے دس برسوں کے دوران وفات پائی ہے انکو پہلے طبقہ سے جانا جاتا ہے اور جنہوں نے دوسرے دس سال میں وفات پائی ہے انھیں دوسرا طبقہ اور اسی طریقہ سے طبقات کے سلسلہ کو آگے بڑھایا جاتا ہے چونکہ دینی علم پہلی صدی ہجری کے اوائل میں قرائت قرآن اور روایت حدیث تک منحصر تھا اور اس کے بعد صرف روایت حدیث اہم ترین دینی علم حساب ہوتا تھا، لہذا اصحاب و تابعین اور ان کے بعد جنہوں نے حدیث روایت کی ہے انھیں عالم کہا جاتا ہے جس سے روایت کی گئی

۱۔ تذکرہ حفاظ کے چار جلد، طبع حیدرآباد کو طرف رجوع کیا جائے۔

ہے اسے شیخ کہا جاتا ہے ہر شیخ (جو روایت کا استاد تھا) کو معین کیا گیا ہے جس کے چند شاگرد تھے اور ہر شاگرد نے راوی کی تعیین کی ہے جنہوں نے چند شیوخ سے اخذ کیا ہے ان کے اساتید کون ہیں؟ پھر اس وقت کس طرح ہر ایک کے تفصیلی حالات بیان کرتے ہیں کہ کس شہر میں زندگی گزار رہے تھے با تقویٰ اور پرہیزگار تھے یا یوں ہی ضعیف عقیدہ، شیعہ تھے یا سنی، خارجی تھے یا غالی مرجئی تھے یا قدری، معتزلی تھے یا اشعری، خلق قرآن کے قائل تھے یا اس کے قدیم ہونے کے، حاکم وقت کے دربا سے دور تھے یا درباری تھے، قوی حافظہکے مالک تھے یا ضعیف حافظہ والے، سچ بولنے والے تھا یا جھوٹ بولنے والے، آخر عمر تک اس کی عقل کام کرتی تھی یا آخری عمر میں ضعیف العقل ہو گئے تھے، حدیث نقل کرنے میں کسی دوسرے کے ساتھ شریک تھے یا تنہا روایت کرتے تھے حتی راویوں کی جمع کی گئی حدیثوں کے نمبر تک بھی معین کئے گئے ہیں۔

بعض طبقات اپنے شاگرد کے نام پر روایت نقل کرنے کی اجازت نامے جاری کرتے تھے اور شاگرد (راوی) کو سرٹیفکیٹ دیتے تھے او خود ان روائی اجازوں کو کو علماء نے دسیوں جلد کتابوں میں ضبط کیا ہے اور اس کے علاوہ دسیوں کوائف حدیث کے راویوں کے بارے میں لکھے گئے ہیں علم حدیث کی اتنی اہمیت تھی کہ اسے دیکھنے کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے تھے، جیسے کہ آج کل علم حاصل کرنے کیلئے ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتے ہیں خراسان سے مدینہ، یمن سے مصر اور ری سے بغداد جاتے تھے، نیز نیشابور، کوفہ، بصرہ ، بلخ اور سمرقند وغیرہ جاتے تھے۔

راویوں کے حالات میں تالیف کی گئی کتابیں چند حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں ، اکثر کتابوں میں راویوں کے نام اور مؤلف کا زمانہ الف ، باء کی ترتیب سے لکھا گیا ہے اوران کے حالات کی تشریح بھی لکھی گئی ہے جیسے :''تاریخ کبیر''،''وسیط بخاری'' صاحب صحیح بخاری ،''جرح وتعدیل'' رازی ،تہذیب بن مزی ، میزان الاعتدال ذہبی ، تہذیب التہذیب ،لسان المیزان ، ابن حجر عسقلانی کی تقریب التہذیب ۔

بعض کتابیں سال کی ترتیب سے لکھی گئی ہیں ، یعنی ہر ایک راوی کی زندگی کے حالات اس کی وفات کے سال میں لکھے گئے ہیں ، جیسے :''التہذیب'' ابن حجر عسقلانی ،''العبر'' تالیف ذہبی ، ''شذرات الذہب'' تالیف ابن عمار ،''الرفیات'' تالیف صلاح الدین صفری ،''تکملۃ الرفیات'' منذری ، اور بعض تاریخ کی کتابوں سے بھی راوی کے سال وفات میں اس کے حالات کی تشریح لکھی ہے ، جیسے : ''ابن اثیر''،''ابن کثیر''، ذہبی نے ''تاریخ اسلام کبیر'' میں ، ابن سعد نے طبقات میں ہر شہر کے راویوں کی طبقہ بندی کی ہے ، جیسے : مکہ ، مدینہ ، بصرہ ، کوفہ ، ری ، بغداد ، یمن اور شام کے راوی ، جن علماء نے شہروں کیلئے مخصوص تاریخ لکھی ہے انہوں نے ان شہروں میں رہنے والے راویوں یا ان شہروں سے گزرنے والے راویوں کے حالات کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے ، جیسے : ابن عساکر کی ''تاریخ دمشق''، خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغداد''، ابونعیم اصفہانی کی ''تاریخ اصفہان'' حموی نے معجم البلدان میں شرح بلاد کے ضمن میں ان شہروں سے منسوب راویوں کو بھی لکھا ہے ۔

بعض روات کسی شہر کی طرف منسوب ہوئے یا لقب سے مشہور تھے ، جیسے : اصفہان ، طبری ،

عسکلی، عمری، برجمی و.. بعض دانشوروں نے ایسے راویوں کے حالات زندگی پر کتابیں لکھی ہیں، جیسے: سمعانی نے ''انساب'' میں اور ابن اثیر نے ''لباب الانساب'' میں اس نسبت کا ذکر کیا ہے اور جو بھی راوی اس نسبت سے مشہو تھے اس کو لکھا ہے، جب کبھی راویوں کے نام میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو اس غلطی کو دور کرنے کیلئے کتابیں لکھی جاتی تھی، جیسے: المختلف و المؤتلف اور المشتبه و الاکمال ۔

خلاصہ یہ کہ، جیسا کہ ہم نے کہا کہ علم حدیث، ایک اہم ترین علم اور مسلمانوں کی دلچسپی کا علم تھا ۔اس سلسلے میں تمام کوشش وتلاش کی گئی ہے کہ سند شناسی کے لحاظ سے کوئی تاریک نقطہ باقی نہ رہے۔ اس کے پیش نظر اگر ہم نے دیکھا کہ، سیف نے اپنی روایتوں کو اپنی دو کتابوں '' فتوح '' اور '' جمل'' میں جمع کیا ہے اور کسی سبب سے۔ جسے ہم نے مناسب جگہ پر بیان کیا ہے۔ ان دو کتابوں کو اس نے بنی امیہ کے زمانے میں لکھا ہے اس زمانے تک حدیث کے راوی گنے چنے تھے اور اس کے علاوہ سند شناسی کی کسی کتاب میں سیف کے راویوں کا نام ونشان نہیں پایا جاتا ہے، خاص طور پر جو تجربہ ہم سیف کے احادیث گڑھنے کے بارے میں رکھتے ہی، ہمارے لئے مسلم طور پر ثابت ہوگا کہ وہ راوی صرف اور صرف سیف کے خیال کے پیداوار ہیں اور کچھ نہیں۔

قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ ہم سیف کی روایتوں کی سند کی پڑتال اور تحقیق میں صرف اس زاویے کی طرف توجہ مبذول کراتے کہ اس حدیث کا فلان راوی وجود وخلقت کے بنیادی اصول کے تحت

سیف کے خیال کی پیدائش ہے اور اسی زاویہ پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن دوسرے زاویئے جو حدیث شناسی کے فن کے لحاظ سے روایت کی سند کی بناوٹ میں ہماری نظر میں قابل اعتراض ہیں جیسے: فلاں راوی کے بارے میں روایت کی سند میں باجود اس کے اس کا نام تاریخ میں ذکر ہوا ہے اور حقیقت میں راویوں میں سے ایک ہے، لیکن سیف کا اس سے روایت کرنا محل اشکال ہے جیسے اس داستان کی پانچویں روایت ہم اس قسم کے اشکالات کو نظر انداز کریں گے۔

فی الجملہ چونکہ رجال کی کتابوں میں عطیہ، صعب اور عثمان بن سوید کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا، اس لئے ہم مجبور ہیں کہ انہیں سیف کے ذہن کی پیداوار شمار کریں، اور یہ کام علمائے حدیث کے راویوں کی نظر میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور اسے ناقابل بخشش گناہ سمجھا جاتا ہے لیکن یہ سیف کی نظر میں ایک انتہائی سہل وآسان کام ہے جی ہاں! اس سادگی اور آسانی کے ساتھ کہتا ہے کہ: صعب بن عطیہ نے اپنے باپ عطیہ بن بلال سے میرے لئے روایت کی ہے؟! اور ان چند جملوں کے ذریعہ اس نے بیٹے، باپ اور جد پر مشتمل ایک گھرانے کو خلق کیا ہے تا کہ اپنی روایتوں کیلئے سند جعل کر سکے یہ تھی سیف کی روایتوں کی سند اور ملاحظہ ہوان کا متن اور صحیح روایتوں سے ان کا موازنہ:

متن کے لحاظ سے سیف کی روایتوں کی قدر وقیمت

جب ہم سیف کی روایتوں کے متن کا دوسروں کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سیف بن عمر نے ان روایتوں کے ایک حصہ کو مکمل طور پر جعل کیا ہے اور ان

کے ایک حصہ میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کر کے ان میں کچھ مطالب کا اضافہ کر دیا ہے، تا کہ اس طرح، خالد بن ولید پر کئے گئے اعتراض اور تنقید کا دفاع کر سکے اور اس نظریہ کی حمایت کیلئے پہلے اہل بحرین بنی تمیم اور سجاح کی روایتوں کو نقل کرنے کے ضمن میں راہ ہموار کی۔ اور وہاں پر مالک کے شک وشبہہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے مقابلے میں ثابت قدم مسلمانوں کے ایک گروہ کو جعل کیا ہے اور انہیں مالک کے طرفداروں سے مجادلہ اور نبرد آزمائی کرتے دکھایا ہے اور ابوبکر کو ثابت قدم مسلمانوں پر حملہ کی غرض سے نبوت کے مدعی سجاح سے مالک کی موافقت جعل کی ہے، سجاح کی واپسی کے بعد مالک کو حیران و پریشان دکھایا ہے جبکہ مؤرخین میں سے کسی ایک نے نہیں کہا ہے کہ مالک نے ضرار کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے وقت اپنے اردگرد کچھ لوگوں کو جمع کیا تھا اور اپنے ساتھ ایک فوج تیار کر رکھی تھی، جیسا کہ سیف نے کہا ہے، سیف اپنی رسوائی سے بچنے کیلئے چارہ جوئی کے طور پر اپنی چوتھی روایت میں اس زاویہ کو اپنے خیال میں اس وضاحت کے ساتھ تصحیح کرتا ہے کہ مالک نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ متفرق ہو جائیں اور مالک کا یہ کام اس لحاظ سے نہیں تھا کہ اس نے اپنی کارکردگی سے پشیمان ہو کر توبہ کیا ہو بلکہ اس خوف و دہشت کی وجہ سے تھا جو اس پر طاری ہوا تھا۔

آخر کار ان باتوں نے رفتہ رفتہ مالک کے ارتداد کو ثابت کیا اس نے مالک کے ارتداد کو نہ صرف ان روایتوں سے ثابت کیا ہے بلکہ دوسری روایتوں میں بھی جس میں خالد کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے مالک کے ارتداد کو ثابت کیا ہے اور یہ کام اس غرض سے انجام دیا ہے تا کہ کوئی اس امر کی طرف

متوجہ نہ ہو جائے کہ مالک پر لگائی گئی تہمت درحقیقت خالد یا کسی اور کے دفاع میں ہے اور گر یہ ثابت ہو جائے کہ مالک کا قاتل خالد ہے تو عام فیصلہ خالد کے حق میں دیا جائے کہ اس نے ایسے شک کرنے والے مرتد شخص کو قتل کیا ہے۔

اس کے بعد اس نے خالد کی سپاہ میں موجود انصار اور خالد کے درمیان فرضی اختلافات درست کیئے ہیں تا کہ خالد کا گناہ ابو بکر کی گردن پر نہ پڑے اور تاریخ پڑھنے والا خالد کے اس عمل کو ابو بکر سے نسبت نہ دے، سیف کی گڑھی ہوئی روایت میں انصار نے ابو بکر کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابو بکر نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ہے، اور خالد پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ وہ اس جرم کر مرتکب ہوا ہے چونکہ خالد نے واضح کیا ہے کہ اسے پے در پے فرمان ملتے تھے تا کہ تنقید واعتراض صدا بصحرا ہو جائے۔

پھر راہ ہموار کرنے کے بعد سیف کہتا ہے: خالد نے اپنے سپاہیوں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کیلئے مختلف علاقوں میں بھیجا اور حکم دیا کہ جو بھی ان کی دعوت کو قبول نہ کرے، اسے گرفتار کریں، ابو بکر سے نقل کی گئی ایک سفارش کے تحت اس سے کہیں زیادہ اور سخت تر سزا کا قائل ہوا ہے مزید کہتا ہے کہ مالک کے سپاہیوں کو دھوکہ دے کر خالد کے پاس لایا گیا جبکہ وہ خود بھی مالک کے باب میں اختلاف رکھتے تھے اس کے بعد خالد حکم دیتا ہے کہ مالک اور اس کے ساتھیوں کو جاڑے کی سرد رات میں جیل میں ڈالدیں اور انھیں گرم رکھنے کا انتظام کریں، فوجیوں نے اس گمان سے کہ خالد کنایہ میں بات کرتا ہے زندانیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، ان سب کو قتل کر ڈالا جب چیخ و پکار اور گریہ وزاری کی آوازیں

خالد کے کانوں تک پہنچیں تو وہ باہر آیا لیکن دیکھا کہ کام تمام ہو چکا ہے اور فوجی، قیدیوں کا قتل عام کر کے فارغ ہو چکے ہیں پھر اس کے بعد کہتا ہے: خالد نے عدہ تمام ہونے کے بعد مالک کی بیوی سے ہمبستری کی، تنہا اعتراض جو خالد کیلئے باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے جنگ کی حالت میں شادی کی ہے جو عربوں میں قبیح فعل شمار ہوتا ہے، اسی طرح اس نے ابوقتادہ خالد اور عمر کے درمیان گزرے واقعات کو تحریف کے ساتھ پیش کیا ہے۔

جی ہاں! اس کے خیال میں مالک کو غلطی سے قتل کیا گیا ہے اور اس کا سبب یہ تھا کہ خالد کے سپاہیوں نے خیال کیا تھا کہ خالد نے ان کے ساتھ کنایہ میں بات کی ہے، ہم تو یہ نہ سمجھ سکے کہ اس خیال کا سرچشمہ کیا تھا؟ باوجودیکہ خود خالد قبیلۂ قریش اور بنی مخزوم سے تعلق رکھتا تھا اور ضرار بن ازور (قاتل) قبیلۂ بنی اسد و بنی ثعلبہ سے تھا، بالفرض اگر یہ قتل غلطی کے سبب بھی انجام پایا تھا، تو مقتولین کے قلم کئے گئے سروں کو کیوں کھانا پکانے والی دیگوں کے پایہ کے طور پر استعمال کیا گیا؟ یہ اور اس کے علاوہ دیگر نکات (جن کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں ہے) ایسے مطالب ہیں جنہیں صرف سیف نے نقل کیا ہے اور اسکے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ طبری جیسے مؤرخ پیدا ہوتے ہیں اور اس کی باتوں کو اپنی تاریخ میں درج کر دیتے ہیں اور دوسرے بھی مانند ابن اثیر، ابن کثیر، میرخوان جیسے لوگ اپنی تاریخ کی کتابوں میں طبری سے نقل کرتے ہیں اور اسی طرح ابن حجر بھی اپنی کتاب الاصابہ میں انھیں درج کرتے ہیں، نتیجہ کے طور پر سیف کی گڑھی ہوئی روایتیں ابن

حجر بھی اپنی کتاب الاصابہ میں انھیں درج کرتا ہے نتیجہ کے طور پر سیف کی گڑھی ہوئی روایتیں تاریخ اسلام اور رجال کی کتابوں میں شائع ہوجاتی ہیں اور حقیقت واقعہ آئندہ نسلوں سے پوشیدہ رہ جاتا ہے مگر یہ کہ کوئی (سیف کے علاوہ) دوسروں کی لکھی گئی تاریخ اور تشریح کا سنجیدہ گی سے مطالعہ کرکے چھان بین کرے تاکہ اس پر حقیقت امر واضح اور روشن ہوجائے اور جان لے کہ سیف کے کہنے کے علاوہ دیگر مصادر نے بھی (جیسا کہ اس سے پہلے کہا گیا) خالد کا مالک کے قتل کا حکم دینا نقل کیا ہے، جیسے: فتوح البلدان بلاذری[1]، تاریخ ابن عساکر[2]، تاریخ الخمیس ج ۲ ر ص ۳۳۳، نہایۃ ابن اثیر ج ۳ ر ۲۵۷، صواعق المحرقہ ص ۲۱، تاج العروس زبیدی ج ۸ ر ص ۷۵ وغیرہ،

یہ تھی ''ردہ'' کی جنگوں میں سے ایک جنگ کی داستان و **علی ھذہ فقس ما سواھا** اور اسی پر باقی کو قیاس کیجئے۔

۱۔ صفحہ ۱۰۵۔

۲۔ ج ۵ ر ۱۰۵، ۱۱۲۔

علاء حضرمی کی داستان اور بحرین کے لوگوں کا ارتداد

واقتتلوا قتالاً شدیداً فما ترکوا بها مخبراً

''علاء کے سپاہیوں نے دارین کے لوگوں سے ایسی جنگ کی اور ان پر تلوار چلائی کہ حتی ان میں سے ایک شخص بھی زندہ نہیں بچا''

سیف

علاء حضرمی، عبداللہ بن عماد بن اکبر بن ربیعہ بن مالک بن عویف حضرمی کا بیٹا ہے اس کا باپ مکہ کا باشندہ تھا اور حرب بن امیہ کا ہم پیمان تھا، علاء کو رسول خداؐ نے بحرین کا گورنر مقرر فرمایا تھا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر نے بھی اسے اسی عہدہ پر برقرار رکھا اور عمر کے زمانے میں بھی اسی عہدہ پر برقرار تھا یہاں تک کہ ۱۴ھ یا ۲۱ھ میں اس دنیا سے چلا گیا[1]

سیف کی روایتوں میں علاء کی داستان

طبری نے سیف سے اور اس نے منجاب بن راشد[2] سے نقل کیا کہ ابوبکر نے علاء حضرمی کو حکم

۱۔ الاستیعاب ج۳ ص۱۴۶، ۱۴۸، الاصابہ ۴۹۱۔

۲۔ اغلب گمان یہ ہے کہ منجاب بن راشد سیف کی خیالی پیداوار ہے ہم مناسب جگہ پر کہیں گے کہ سیف نے اس قسم کے اصحاب بہت جعل کئے ہیں۔

دیا کہ بحرین کے مرتد لوگوں سے جنگ کریں یہاں تک کہتا ہے:

'' ہمیں دہنا[1] کے راستہ سے روانہ کیا، جوں ہی ہم اس بیابان کے بیچ میں پہنچ گئے اور خداوند عالم نے اپنی آیات میں سے ایک آیت کو ہمیں دکھانا چاہا، علاء مرکب سے نیچے اترا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ اپنے اپنے مرکبوں سے نیچے اتریں، جب ہم سب نے وہاں پر پڑاؤ ڈالا تو ہمارے اونٹوں نے اندھیری رات میں اچانک فرار کیا اور ہمارا پورا مال و منال اس ریگستاں میں ایسے نابود ہوا کہ پڑاؤ ڈالتے وقت نہ ہمارے اونٹ کہیں تھے اور نہ زادراہ کا نام ونشان موجود تھا، کیوں کہ ہمارے اونٹ سب کچھ لے کر ریگستان میں غائب ہو چکے تھے ہم نے کسی مصیبت زدہ گروہ کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا جو اس رات ہم پر گزری، ہم اس حد تک مصیبت میں گرفتار ہوئے تھے کہ اپنی زندگی سے بھی مایوس ہو چکے تھے اور ہم میں سے ہر ایک، ایک دوسرے کو وصیت کرتا تھا، اسی اثناء میں علاء کے منادی نے آواز بلند کر کے سپاہیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا اعلان کیا ہم سب علاء کے اردگرد جمع ہوئے، اس نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا؛ تم لوگوں میں یہ کیا حالت پیدا ہوئی ہے؟

لوگوں نے جواب میں کہا: کیا یہ ملامت کا موقع ہے؟ اگر ہم اس موجودہ صورت حال میں رات گزاریں گے تو کل سورج روشن ہونے سے پہلے ہی ہمارا نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔

علاء نے کہا: اے لوگو! نہ ڈرو کیا تم مسلمان نہیں ہو،؟ کیا تم خدا کی راہ میں قدم نہیں اٹھا رہے ہو!

۱۔ دہنا بنی تمیم کے قبیلہ کی زمینوں میں سے ہے جس میں ریت کے سات پہاڑ تشکیل پائے ہیں، معجم البلدان ج ۴/۱۱۵

کیا تم خدا کے یاور نہیں ہو؟

انہوں نے کہا کیوں نہیں!

اس نے کہا: پھر میں تمہیں نوید دے رہا ہوں، خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ خداوند عالم ہرگز تمہارے جیسی حیثیت کے مالک فرد کو ذلیل وخوار نہیں کرے گا جب صبح نمودار ہوئی منادی نے نماز کیلئے اعلان کیا اور علاء نے نماز ہمارے ساتھ پڑھی ہم میں سے بعض نے تیمّم کر کے نماز پڑھی اور بعض دیگر ابتدائے شب ہی سے باوضو تھے علاء نے جب نماز سے فراغت حاصل کی تو دوزانو بیٹھ گیا لوگ بھی دوزانو بیٹھ گئے، اس نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، اس دوران سورج کی گرمی کی وجہ سے دور سے پانی کی لہریں نظر آنے لگیں، علاء نے جماعت کے صف کی طرف رخ کر کے کہا؛ کوئی جا کر دیکھ لے یہ کیا ہے تو ایک شخص جا کر واپس آیا، اس نے کہا: یہ ایک سراب کے علاوہ کچھ نہیں ہے، علاء نے پھر سے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، ایک اور سراب نمودار ہوا جو بالکل پہلے کی طرح تھا، اس کے بعد پھر سے پانی کی لہریں دکھائی دینے لگیں، اس دفعہ ہمارا راہنما واپس آ کر بولا ''پانی ہے''

پھر علاء اٹھا اور لوگ بھی اٹھے ہم سب پانی کی طرف روانہ ہوئے اور پانی تک پہنچ گئے ہم نے پانی پی لیا ور اور ہاتھ منہ دھویا، ابھی سورج بلند نہ ہوا تھا کہ ہم نے دیکھا ہمارے اونٹ ہر طرف سے ہماری طرف ہانکے جا رہے ہیں، جب وہ ہمارے پاس پہنچے تو ہمارے سامنے جھک کر بیٹھ گئے

اور ہر ایک نے اپنے اونٹ کو پکڑ لیا، ان کے مال کا ایک ذرہ بھی کم نہیں ہوا تھا ہم نے اپنے مرکبوں کو پانی پلایا اوخود بھی سیراب ہوئے اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے ابو ہریرہ میرے ساتھ تھا، جب ہم اس جگہ سے آگے بڑھے اور وہ جگہ نظروں سے اوجھل ہوئی، تو ابو ہریرہ نے مجھے کہا: کیا پانی کی جگہ کو پہچان سکتے ہو؟ میں نے جواب میں کہا: تمام لوگوں سے بہتر میں اس سرزمین کے بارے میں آشنا ہوں اس نے کہا: میرے ساتھ آؤ تا کہ مجھے اس پانی کے کنارے پہنچادو، ہم دونوں ایک ساتھ آ کر اس جگہ پہنچے ،لیکن ہم نے انتہائی تعجب کے ساتھ مشاہدہ کیا کہ نہ وہ تالاب موجود تھا اور نہ پانی کا کہیں نام ونشان باقی تھا میں نے اس سے کہا: خدا کی قسم اگر میں تالاب کو یہاں غائب نہ پاتا تو کہتا: یہ وہی جگہ ہے، دلچسپ کی بات یہ ہے کہ میں نے اس سے پہلے بھی یہاں پر پانی نہیں دیکھا تھا، ہم اس گفتگو میں لگے تھے کہ ابو ہریرہ کی نگاہ اس کے اپنے لوٹے پر پڑی جو پانی سے بھرا تھا، اس نے کہا: اے ابوسہم خدا کی قسم یہ وہی جگہ ہے اور میں اسی لوٹے کیلئے واپس آیا ہوں اور تجھے بھی اسی لوٹے کیلئے اپنے ساتھ لے آیا ہوں میں نے اس میں پانی تالاب کے کنارے رکھا تھا تا کہ واپس آ کر دیکھ لوں کہ پانی کا کوئی اتا پتہ ہے کہ نہیں اس صحرا میں پانی کا نمودار ہونا ایک معجزہ تھا، اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ معجزہ تھا، لہذا بو ہریرہ نے خدا کا شکر ادا کر کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔

اس کے بعد سیف بحرین کے مرتد لوگوں سے علاء کی جنگ کی داستان نقل کرتا ہے اور اس سلسلے میں کہتا ہے: علاء کی فوج نے اس رات میں (جب سب مست تھے) فتح پائی یہاں تک اپنی

کتاب کے صفحہ نمبر ۵۲۶ پر لکھتا ہے جب علاء نے اس طرف سے خاطر جمع ہو کر سکون حاصل کیا تب اس نے لوگوں کو شہر ''دارین'' کی طرف روانہ ہونے کی دعوت دی اور ان کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور بولا: خداوند عالم نے شیاطین اور جنگ سے فرار کرنے والوں کو اس شہر میں جمع کیا ہے، اس نے اپنی آیات صحرا میں تمہارے لئے دکھلائی ہیں، تا کہ تم لوگوں کیلئے عبرت اور اطمینان کا سبب بنو، لہذا اٹھو! اور اپنے دشمن کی طرف رخ کر کے سمندر میں کود پڑو کہ خداوند عالم نے تمہارے دشمن کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

فوجیوں نے کہا: خدا کی قسم صحرائے ''دھنا'' کی داستان کے بعد مرتے دم تک ہم کسی بھی خطرناک واقعہ کے رونما ہونے سے خائف نہیں ہوں گے۔

علاء اپنے مرکب پر سوار ہوا اور اس کے فوجی بھی سوار ہوئے اور سمندر کے ساحل پر پہنچے، علاء اور اس کے سپاہی یہ دعا پڑھ رہے تھے: **یا ارحم الراحمین یا کریم یا حلیم یا احد یا صمد یا حی یا محیی الموتی یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا ربنا** اس کے بعد خدا کا نام لے کر سمندر میں کود پڑے ان کے قدموں تلے سمندر کا پانی نرم زمین کے مانند تھا پانی صرف اونٹوں کے سموں کے اوپر والے حصہ تک پہنچتا تھا دریا سے شہر دارین تک سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ ایک دن رات کا فاصلہ تھا۔ ''دارین'' پہنچ کر وہ دشمن کی فوج سے نبرد آزما ہوئے، گھمسان کی جنگ ہوئی، دشمن پر انہوں نے ایسی تلوار چلائی کہ ان میں سے ایک نفر بھی زندہ نہ بچا، جو ان کی کوئی خبر لاتا ان کے بال بچوں کو اسیر کیا گیا اور ان کا مال لوٹ لیا گیا، اس قدر دولت ہاتھ آئی کہ ہر سوار کو چھ ہزار اور ہر پیادہ کو

دو ہزار کا حصہ ملا پھر وہ اسی روز اس طرح واپس چلے گئے جس طرح آئے تھے، عفیف بن منذر نے اس واقعہ کے متعلق یوں کہا:

أَلم تر انَّ اللّه ذلّل بحره و انزل بالکفار احدی االجلائل

دعونا الذي شقّ الرمال فجائنا باعجب من فَلْقِ البحار الاوائل

ترجمہ:

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند عالم نے کس طرح سمندر کی پرخروش اور سرکش لہروں کو رام کیا اور کفار کے سر پر ایک بڑی بلاء و مصیبت ڈال دی؟ ہم نے ایک ایسے خدا سے التجا کی جس نے ریگستان کی ریت کو توڑ دیا (اور ہمارے لئے پانی جاری کیا) اس نے بھی ہماری دعا قبول کی اور ایسا کام کیا کہ گزشتہ زمانوں میں (دوران فرعون) سمندر کو چیرنے سے عجیب تر تھا۔

اسکے بعد طبری کہتا ہے:

''جب علاء بحرین واپس آیا تو اس وقت اس سرزمین میں اسلام پائدار و مستحکم ہو گیا تھا اہل اسلام عزیز اور اہل شرک ذلیل ہو گئے مسلمانوں کے ہمسفر ایک راہب نے اسلام قبول کیا تو اس سے سوال کیا گیا کہ تیرے اسلام قبول کرنے کا کیا سبب ہوا؟ اس نے جواب میں کہا؛ میں نے تین چیزوں کا مشاہدہ کیا اور ڈر گیا کہ اگر ان کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ایمان نہ لاؤں، تو خداوند عالم مجھے ایک حیوان کی صورت میں مسخ کر دے گا۔

۱۔ ریگستان میں جاری ہونے والا پانی

۲۔ سمندر کی طوفانی لہروں کا راستہ میں تبدیل ہونا۔

۳۔ ہنگام سحر لشکر اسلام سے جو دعا میں نے سنی۔

سوال کیا گیا: وہ دعا کیا تھی؟

اس نے کہا:

اللّٰھم انت الرحمن الرحیم ، لا الہ غیرک ، و البدیع لیس قبلک شیء و الدائم غیر الغافل ، والحی لا یموت ، و خالق ما یری ، و ما لا یری و کل یوم انت فی شأن و علمت اللّٰھم کل شیء بغیر تعلّم ،

پھر مجھے معلوم ہوا کہ ملائکہ ان لوگوں کیلئے مأمور کئے گئے ہیں کیونکہ وہ حق کی راہ پر چلتے ہیں، بعد میں رسول خداؐ کے اصحاب نے اس راہب سے مذکورہ واقعہ سنا۔

علاء نے حضرت ابوبکر کو لکھا: امابعد، خداوند عالم نے ریگستان کو ہمارے لئے ایک ایسے چشمے میں تبدیل کردیا ہے جس کی انتہا نظر نہیں آتی تھی: اس طرح ہمارے مشکل اور غم واندوہ میں گرفتار ہونے کے بعد اپنی قدرت کی ایک آیت اور عبرت کے اسباب ہمیں دکھایا، تا کہ ہم خدا کا شکر بجالائیں، لہذا آپ بھی ہمارے لئے دعا کیجئے اور خدا سے درخواست کیجئے کہ اپنے لشکر اور اسکے دین کی یاری کرنے والوں کی مدد فرمائے۔

جب حضرت ابوبکر کو یہ خط ملا تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کرتے ہوئے کہا: ہر وقت

جزیرۃ العرب کے بیابانوں کے بارے میں بات چھڑتی تھی ،عرب کہتے تھے لقمان سے پوچھا گیا: کیا ''دہنا'' کے ریگستانوں میں کنواں کھودیں؟ لقمان نے منع کیا اوراجازت نہیں دی کہ وہاں پر کھدائی کی جائے ، کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس سرزمین میں پانی اتنی گہرائی میں ہے کہ کوئی بھی رسّی، اس تک نہیں پہنچ سکتی اوراس سرزمین سے ہرگز کوئی چشمہ ابل نہیں سکتا ایسی صورتحال میں اس سرزمین پر پانی کا وجود خدا کی عظیم نشانی ہے اس سے قبل کسی بھی امت میں ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا ہے، الٰہی! وجود محمدؐ کے اثرات و برکات کو ہم سے نہ چھین لینا''۔[1]

اس افسانہ کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ[2] میں سیف سے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور ابوالفرج نے بھی ''الاغانی'' میں اسی روایت کو طبری سے نقل کر کے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے بے شک ان تمام دانشوروں اور علماء نے اس افسانہ کو سیف سے نقل کیا ہے۔

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں علاء کی داستان

ہم نے علاء کی داستان کے بارے میں سیف کی روایت کو پڑھا ،لیکن سیف کے علاوہ دوسرے اس بارے میں کچھ اور روایت نقل کرتے ہیں جو سیف کی روایت سے سازگار نہیں ہے، مثال کے طور پر بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں: ''خلافت عمر بن خطاب کے زمانے میں ''زارہ'' اور ''دارین'' کے لوگوں سے جنگ کرنے کیلئے علاء روانہ ہوا، لیکن ''زارہ'' کے لوگ جنگ کیلئے آمادہ نہیں

۱۔ تاریخ طبری، ج ۲/ ۵۲۲ ۔ ۵۲۸۔

۲۔ تاریخ ابن کثیر، ج ۶/ ۳۲۸، و ۳۲۹۔

ہوئے اور صلح کے دروازے سے داخل ہو کر علاء سے صلح کا عہد پیمان باندھ کر جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور صلح کی شرط یہ تھی کہ شہر کی دولت کا ایک تہائی نیز وہاں پر موجود سونے چاندی کا ایک تہائی علاء کو دیا جائے اور شہر سے باہر موجود اموال کا نصف اس کو دیا جائے، اخنس بن عامری علاء کے پاس آیا اور کہا کہ انہوں نے اپنے بارے میں آپ سے صلح کی ہے لیکن ''دارین'' میں موجود اپنے خاندان کے بارے میں کوئی صلح نہیں کی ہے، ''کراز النکری'' نامی ایک شخص نے علاء کو پانی کے درمیان سے گزرنے والے ایک خشکی کے راستے ''دارین'' تک پہنچانے میں راہنمائی کی۔ علاء مسلمانوں کے ایک گروہ کے ہمراہ اسی راستہ سے روانہ ہوا، اہل ''دارین'' جو بالکل بے خبر تھے، نے اچانک مسلمانوں کے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ سن کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے، وہ تین جانب سے حملہ کا نشانہ بنے، ان کے جنگجو اسلام کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور ان کے اہل و عیال کو اسیر بنایا گیا''

سیف کی روایت کا متن اور دیگر تاریخ نویسوں کے متن سے اس کی تطبیق:

قارئین کرام نے یہاں تک علاء کی داستان اور بحرین کے باشندوں کے ارتداد کے بارے میں سیف اور غیر سیف کی روایت کو ملاحظہ فرمایا، اب ہم روایتوں کے ان دو سلسلوں۔ جو مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کی تطبیق اور موازنہ کرتے ہیں اور سیف کی روایت کے متن کی ساخت کے لحاظ سے باطل ہونے کو واضح اور روشن کریں گے۔

سیف نے ابو بکر کے لشکر کیلئے ان جنگوں میں (جنہیں جنگ ''ردّہ'' کہا جاتا تھا) خشک بیابان

میں پانی کا تالاب جعل کیا ہے، البتہ ان کے اونٹوں کے رم کر کے فرار کرنے کے بعد اور مطلب کی مکمل طور پر تائید کرنے کیلئے کہا ہے کہ ابو ہریرہ اپنے ساتھی کے ہمراہ دوبارہ اس جگہ کی طرف لوٹے اور تالاب کے کنارے رکھے ہوئے اپنے لوٹے کو اس صورت میں موجود پایا، لیکن تالاب کا کہیں کوئی نام ونشان نہ تھا، اور اس کے علاوہ کہا ہے کہ لقمان نے (ان تمام خداداد حکمت کے باوجود) بیابان میں کنواں کھودنے کی اجازت نہیں دی تھی کیونکہ اس کنوے کے عمق تک پہنچنے والی رسی موجود نہیں تھی اس کے بعد ان کیلئے ایک اور معجزہ گڑھ لیا ہے کہ اس کے کہنے کے مطابق اس سے پہلے کسی نے ایسا معجزہ نہیں دیکھایا، اگر چہ موسی ابن عمران نے دریا کو چیر ڈالا، لیکن (موسی ید بیضا کے ذریعہ) پانی کے اوپر سے نہ چل سکے، اس مطلب کی تائید میں عفیف بن منذر کے دو شعر بھی نقل کرتا ہے اور ان کے ہمسفر راہب کے اسلام قبول کرنے کو اپنی صداقت ثابت کرنے کیلئے ایک دوسری تائید پیش کرتا ہے اس بیچارہ نے ان معجزوں کو دیکھ کر اور ملائکہ کی دعا کو سن کر اسے خدا کی طرف سے ابوبکر کے لشکر کی تائید سمجھ کر اسلئے اسلام قبول کیا تا کہ مسخ نہ ہو جائے اور اپنی بات کی آخری تائید کے طور پر اس خط کو پیش کرتا ہے جیسے ابوبکر کے نام لکھا تھا اور ان سے دعا کی درخواست کی تھی تو ابوبکر نے بھی اس کے التماس کو منظور کر کے منبر پر جا کر اس کیلئے دعا کی تھی۔

سیف ایسے افسانہ کو جعل کرتا ہے اور طبری، حموی، ابن اثیر، ابن کثیر اور دوسرے مؤرخین اور علمائے حدیث اس کی روایت کے استناد کی بناء پر اس افسانہ کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور نتیجہ

کے طور پر یہ افسانے تاریخ اسلام کے جز وقرار پاتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے علاوہ صرف اتنی ہے کہ لشکر اسلام دارین کی طرف جارہا تھا کہ ان کے راستے میں ایک دریا ملا، جس میں عبور کرنے کا راستہ بھی موجود تھا اور یہ راستہ ابوبکر کے لشکر کیلئے مخصوص نہیں تھا بلکہ ہر ایک راہی اس طرف سے دریا کو عبور کرسکتا تھا، لہذا ''کرازنکری'' پہلے سے اس راستہ کے بارے میں علم رکھتا تھا اور اس نے ابوبکر کے لشکر کی راہنمائی کی تھی اور انھیں پانی سے عبور کرادیا تھا، ان تمام باتوں کے علاوہ، جنگ ابوبکر کے زمانے میں واقع نہیں ہوئی ہے (جیسا کہ سیف نے کہا ہے) بلکہ یہ جنگ عمر کے زمانے میں واقع ہوئی ہے ان تمام مطالب کو صرف سیف نے نقل کیا ہے اور یہ اسکی خصوصیات میں سے ہے۔

چنانچہ وہ جنگ کی کیفیت نقل کرنے میں بھی منفرد ہے، کہتا ہے: ''انہوں نے ایک شدید جنگ لڑی، حتی کہ ان میں سے ایک نفر بھی زندہ باقی نہ بچا تا کہ ان کی کوئی خبر لے کر آتا''[1]

سیف کی روایتوں کی سند

جعلی اور من گڑھت تھی سیف کی روایتوں کا متن ملاحظہ فرمایا، لیکن اس روایت کے سند کے لحاظ سے باطل اور کمزور ہونے کے سلسلے میں اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اس روایت کو صعب بن عطیہ سے نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس روایت کو اس نے اپنے باپ عطیہ بن بلال سے میرے لئے نقل کیا ہے اور ہم نے مالک بن نویرہ کی داستان میں ثابت کردیا کہ یہ باپ، بیٹے اور جد سیف کے خیالات

۱۔ اس افسانوی راہب کی جعلی دعا کو ابن طاوس نے کتاب ''مہج الدعوات'' میں تاریخ ابن اثیر سے نقل کر کے اپنی کتاب کی دعاؤں میں شامل کیا ہے۔

کی پیداوار ہیں اور ہرگز ایسے افراد اور کارندوں کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا، یہ ہے سیف کی روایت کے متن اور اس کی سند کا عالم!

یہ سیف کی ''مرتدین'' کی داستانوں کی دوسری داستان تھی جسے ہم نے اس فصل میں بیان کیا اور اگلی فصل میں تیسری داستان ملاحظہ فرمائیں۔

ام زمل کا ارتداد اور حوأب کی داستان

وَضَع سیّف هذهِ الأُسطورة دِفاعاً عن عائشةَ

سیف نے اس داستان کو عائشہ کے دفاع کیلئے جعل کیا ہے۔

مؤلف

سیف کی روایت کے مطابق داستان حوأب

طبری نے حوأب[1] کی داستان کو ہوازن کے ارتداد کے حصہ میں یوں بیان کیا ہے:

ام زمل[2] مالک بن حذیفہ بن بدر کی بیٹی تھی وہ ام قرفہ کے دنوں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسیر ہوئی اور عائشہ کے حصہ کے طور پر اسے دی گئی اور عائشہ نے اسے آزاد کر دیا۔ لیکن وہ بدستور عائشہ کی لونڈی کی حیثیت سے رہی اور آخر میں اپنے خاندان کی طرف لوٹی، ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لئے گئے اور فرمایا: ''تم میں سے ایک، حوأب کے کتوں[3] کے

۱۔ حوأب بصرہ کے راستہ پر ایک منزل گاہ ہے۔

۲۔ لسان المیزان، ج ۳/۴۶۲۔

۳. إنَّ أحدكنّ تسنبح كلاب الحوأب.

بھوتکنے کا سبب ہوگی اور یہ کام مسلمی سے انجام پایا، جبکہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اپنے اُن رشتہ داروں کو خونخواہی کا مطالبہ کرتے ہوئے جو زمانہ رسول میں قتل کر دیئے گئے تھے، اٹھی اور ظفر اور حوأب کے درمیان گشت لگا رہی تھی تا کہ ان قبیلوں میں سے ایک لشکر کو اپنے گرد جمع کرے، جب یہ خبر خالد کو پہنچی ....وہ اس عورت کی طرف روانہ ہوا جس نے اپنے گرد ایک لشکر کو جمع کیا تھا، خالد اس عورت کے پاس آیا اور ان کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی یہ عورت اس وقت اونٹ پر سوار تھی ...کچھ سواروں نے اس کے اونٹ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اونٹ کو پئے کر کے اس عورت کو بھی قتل کر ڈالا۔

حموی نے بھی اس روایت کو سیف سے نقل کرتے ہوئے لغت حوأب کے ذیل میں اپنی کتاب معجم البلدان میں ذکر کیا ہے اور ابن حجر نے ''الاصابہ''[1] میں خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے لیکن روایت کی سند کو ذکر نہیں کیا ہے۔

سیف کی روایت کی سند

اس روایت کو سیف نے سہل و ابوایوب سے روایت کیا ہے۔

سہل، سیف کی روایتوں کی سند میں، سہل بن یوسف سلمی ہے کہ اس کا نام سیف کی روایت کی سند نمبر ۲۶ میں تاریخ طبری میں آیا ہے ابن حجر[2] نے لسان المیزان میں کہا ہے کہ دونوں باپ بیٹے معروف نہیں ہیں، اس کے علاوہ ابن عبد البر سے نقل کیا ہے، نہ وہ معروف ہے اور نہ اس کا باپ اور

ا۔ ج ۳۲۵/۲۔

۲۔ لسان المیزان، ج ۱۵۰/۲۔

سیف نے اس سے روایت نقل کی ہے۔

رہا سوال، ابو یعقوب کا جو سیف کی روایتوں میں سند کے طور پر ذکر ہوا ہے، اس کا نام سعید بن عبید ہے بعض راوی اس نام کے تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کی کنیت ابو یعقوب نہیں تھی۔

ذہبی نے راویوں میں سے ایک شخص کے بارے میں جس کا نام سعید بن عبید کہا ہے: یہ غیر معروف ہے یہ تھا روایت کی سند کے بارے میں اب ملاحظہ فرمایئے اس کے متن کے بارے میں:

سیف کی روایت کے متن کی قدر و قیمت

سیف نے یہاں پر دو حقیقی داستانوں کو آپس میں ملا کر اس میں چند جھوٹ کا بھی اضافہ کیا ہے داستان کی اصلی حقیقت جیسے کہ ابن سعد و ابن ھشام نے روایت کی ہے وہ یوں ہے:

> پیغمبر اسلام نے ۶ ھ کو رمضان کے مہینہ میں زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک لشکر قبیلۂ فزارہ سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا، اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ اس سے پہلے زید ایک کاروان کے ہمراہ اصحاب پیغمبرؐ سے تجارتی مال لے کر شام رفت آمد کرتے تھے۔ جب وہ مدینہ سے سات منزل کی دوری پر وادی القری پہنچے، قبیلۂ فزارہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کے تجارتی مال کو لوٹ کر لے گئے اور زید اس واقعہ میں سخت زخمی ہوئے اور میدان جنگ میں زمین پر گر پڑے، صحت یاب ہونے کے بعد مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور میں پہونچے اور روداد کو حضرت کی

عبداللہ بن سبا

اور

دوسرے تاریخی افسانے

جلد دوم وسوم

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے''

قال رسول اللهﷺ : "انی تارک فیکم الثقلین، کتاب الله، وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا ابدا وانهما لن یفترقا حتّیٰ یردا علیّ الحوض".

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انہیں اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں''۔

(صحیح مسلم: ۱۲۲/۷، سنن دارمی: ۴۳۲/۲، مسند احمد: ج۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹.

۳۶۶/۴ و ۳۷۱، ۱۸۲/۵. ۱۸۲، اور ۱۸۹، مستدرک حاکم: ۱۰۹/۳، ۱۴۸، ۵۳۳. وغیرہ.)

عبداللہ بن سبا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَ لا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَراءَ ظُهُورِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾

جب خداوند عالم نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ اسے لوگوں کیلئے بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں، لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر بیچ دیا تو یہ بہت برا سودا کیا ہے۔

(آل عمران/۱۸۷)

عبداللہ بن سبا

اور

دوسرے تاریخی افسانے

جلد دوم وسوم

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیتؑ

سرشناسه : عسکری ، مرتضی ، -۱۲۹۳
عنوان قراردادی : عبدالله بن سبأ و اساطیر اخری / اردو
عنوان و پدید آور : عبدالله بن سبا اور دو سری تاریخی انسانی / مرتضی عسکری ؛ مترجم قلبی حسین رضوی
مشخصات نشر : قم : مجمع جهانی اهل البیت (ع) ، ۱۳۸۵.
مشخصات ظاهری : ۳ ج . (در یک مجلد)
شابک : (دوره 5 - 046 – 529 - 964) (ج ۲ - ۳) 7 -045 - 529 - 964) (ج ۱) 3 – 131 – 529 - 964)
یادداشت : فیپا
یادداشت : کتابنامه
موضوع : غلات شیعه .
موضوع : عبدالله بن سبا ، ۱۴۰ ق
موضوع : شیعه – تاریخ
موضوع : حدیث - نقد و تفسیر
شناسه افزوده : رضوی ، قلبی حسین ، مترجم .
شناسه افزوده : مجمع جهانی اهل بیت (ع)
رده بندی کنگره : ۱۳۸۵ ۵۵۰۴۶ ع ۲ س/BP ۲۴۱/۸
رده بندی دیویی : ۲۹۷/۵۳۸
شماره کتابخانه ملی : ۲۱۴۰۸ - ۸۵ م

عبداللہ بن سبا: (جلد دوم وسوم)

تالیف: علامہ سید مرتضی عسکری

ترجمہ: سید قلبی حسین رضوی

پیشکش: معاونت فرہنگی، ادارۂ ترجمہ

اصلاح: اخلاق حسین پکھناروی

نظر ثانی: مرغوب عالم عسکری

ناشر: مجمع جہانی اہل بیتؑ

طبع: اول

سال طبع: صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

تعداد: ۳۰۰۰

مطبع:

فہرست

چھٹا حصہ:

ساتواں حصہ:

آٹھواں حصہ:

حرف اول

یقیناً اہل بیت علیہم السلام کی وہ میراث، جسے ان کے مکتب نے ذخیرہ کیا اور اس کے ماننے والوں نے برباد ہونے سے بچایا اسے ایک ایسے مکتب سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اسلامی معارف کے تمام اصول وفروع کو حاوی ہے، لہٰذا اس مکتب کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ایسے با استعداد افراد کی تربیت کرے جو اس کے صاف وشفاف چشمہ سے کچھ گھونٹ نوش کر سکیں، اور امت اسلامیہ کو فیض پہنچانے کیلئے ایسے اکابر علماء کو پیش کرے جو اہل بیت علیہم السلام کے نقش قدم پر گامزن رہتے ہوئے تمام اعتراضات نیز مختلف مذاہب کے مسائل اور اسلام کے داخلی اور خارجی گوناگوں مکاتب خیال کا بہتر سے بہتر جواب دیتے ہوئے، صدیوں کے اعتراضات کا حل پیش کریں، چنانچہ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اہل بیت علیہم السلام اور ان کے ہدایت بخش مکتب کی تاسی میں مجمع جہانی اہل البیت نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس کی اور حریم رسالت، نیز ان کے ایسے حقوق کے دفاع کرنے کیلئے پیش قدمی کی جن پر ارباب فرق و مذاہب نیز اسلام دشمن عناصر اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں، یہ سچ ہے کہ مکتب اہل بیت ہمیشہ ہونے والے اعتراض کا جواب دیتا اور اس کی رد کرتا آرہا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی کوشش کرتا ہے کہ دشمن کے سامنے اپنے استقلال اور ثبات قدمی کا مظاہرہ کرے اور ہر دور میں اپنی مراد کو پہنچے۔

بیشک علمائے اہل بیت علیہم السلام کی کتابوں میں موجود تجربے اپنی نوعیت میں بے نظیر اور انوکھے

دانشوروں کو ایسے جالب انداز اور جاذب خطاب میں فکر ونظر کی دعوت دیتا ہے، جسے عقل تسلیم اور فطرت سلیم قبول کرتی ہے، مجمع جہانی اہل البیت علیہم السلام کی بھی یہی کوشش ہے کہ حقیقت کے طالب افراد کے لئے انھیں تالیفات اور بحثوں سے حاصل شدہ بے نیاز تجربوں کے ذریعہ ایک نئے مرحلے کا آغاز کرے، اور گزشتہ اکابر علمائے شیعہ کی تالیفات، تصنیفات اور تحقیقات کو شائع کرنے کے ساتھ ساتھ اس مکتب سے وابستہ دیگر افراد اور مستبصرین کی تالیفات، تحقیقات، نیز ان کے دیگر آثار کی بھی نشر واشاعت کرے تا کہ حق کے متلاشی افراد کیلئے یہ تالیفات اور کتابیں ایک شیریں اور خوشگوار چشمہ کے مانند بن جائیں، اور مکتب اہلبیتؑ نے جن حقائق کو بیان کیا ہے ان کا فتح باب ہو سکے، وہ بھی ایک ایسے دور میں جبکہ عقلیں کامل ہو رہی ہوں اور انسان کا ایک دوسرے سے رابطہ بڑی تیزی اور آسانی سے ہو جاتا ہو۔

محترم قارئین سے امید ہے کہ وہ ہمیں اپنے قیمتی خیالات اور گرانقدر مشوروں سے نوازتے ہوئے تعمیری نظریات اور تنقید کا اظہار کریں گے۔

جس طرح ہم ان تمام اہمیت کی حامل مراکز، علماء، مؤلفین اور مترجمین سے اسلام محمدی کی اصل تہذیب اور بنیادی ثقافت کے تحفظ کی درخواست کرتے ہیں، اسی طرح خداوند عالم کی بارگاہ میں التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس قلیل عمل کو قبول کرتے ہوئے اپنی خاص عنایت کے زیر سایہ اپنے خلیفہ حضرت مہدی (عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف) کی رعایت کرنے کی روز افزوں توفیق سے نوازے۔

ہم اس کتاب کے مؤلف جناب علامہ سید مرتضی عسکری اور اس کے مترجم جناب سید قلبی حسین رضوی نیز اپنے ان تمام ساتھیوں کے شکر گزار ہیں، جنھوں نے اس اثر کی تکمیل میں حصہ لیا، بالخصوص ان حضرات کے بھی مشکور ہیں جو ادارۂ ترجمہ میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔

ثقافتی شعبہ مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

دوسری جلد سے مربوط خطوط اور مقدمے

- جلد اول کے مطالعہ کے بعد دانشور مرحوم محمود ابوریہ کے لکھے گئے دو خطوط
- اس کتاب کی پہلی جلد کے بارے میں ڈاکٹر احسان عباس کا خط
- دو پیش لفظ
- مطالعات کا نتیجہ
- سیف کی روایتوں کے بارے میں بحث کا محرک

دانشور مرحوم جناب ابوریہ کے دو خطوط

مصری دانشور مرحوم کی ایک یاد!

گزشتہ دس برسوں کے دوران مصر کے ایک دانشور اور عالم اسلام کے ایک مشہور عالم و محقق مرحوم شیخ ابورریہ کے ساتھ میری ایک طویل خط و کتابت رہی، انہوں نے میرے دو خطوط کا جواب اپنی کتاب ''اضواء علی السنۃ المحمدیہ'' میں شائع کیا، میں بھی یادگار کے طور پر مرحوم کی پہلی برسی پر ان کے دو خطوط کو اس کتاب کی ابتداء میں شائع کر رہا ہوں، خدا مرحوم کو اپنی رحمت اور بہشت جاوداں سے نوازے۔

پہلا خط

دانشور استاد جناب سید مرتضیٰ عسکری

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک دن آزاد فکر اسلامی علماء و دانشوروں کی ایک میٹینگ میں مفکر دانشوروں اور ان کی سبق آموز اور فائدہ بخش کتابوں کی بات چھڑ گئی، ان میں سے ایک شخص نے آپ کا ذکر کیا اور کہا کہ استاد علامہ عسکری نے ''عبداللہ بن سبا'' کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے، جو انتہائی عمیق اور حقائق کو واضح کرنے والی کتاب ہے، اس کتاب میں انہوں نے علم و تحقیق کے دلدادوں کیلئے چند نظریات پیش کئے ہیں کہ ان سے پہلے کوئی بھی دانشور حقائق تک نہیں پہنچا ہے، انہوں نے ایسے حقائق واضح کئے ہیں کہ منجمد فکر کے حامل اور مقلد علما اس قسم کے حقائق کے اظہار کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

اس کی باتوں نے مجھے اس پر مجبور کیا کہ اس کتاب کو ڈھونڈ کر اس کے جدید علمی مباحث سے استفادہ کروں، خداوند عالم سے خیر و صلاح کا متمنی ہوں اور اب اس کتاب کے ایک نسخہ کی خود حضرت عالی سے درخواست کرتا ہوں، امید ہے میری درخواست کو منظور فرما کر اسے ارسال کر کے مجھ پر مہربانی فرمائیں گے۔ میں آپ کی محبتوں کا شکر گزار رہوں۔

آپ پر خداوند عالم کا درود اور اس کی رحمت ہو

مخلص

محمود ابوریہ، مصر، جیزہ۔

۱۷ محرم ۱۳۸۰ھ ۱۱ جنوری ۱۹۶۰ء

مذکورہ خط مرحوم شیخ ابوریہ کا پہلا خط تھا جو مجھے ملا، جب میں نے مرحوم کی درخواست کے مطابق انھیں کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کی جلد اول تحفہ کے طور پر بھیج دی تو انہوں نے ایک اور خط مجھے لکھا جو حسب ذیل ہے:

دوسرا خط

سرور گرامی و دانشور عالیقدر، حضرت استاد عسکری

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خداوند متعال آپ کو ہمیشہ خوشحالی، صحت وسلامتی اور عافیت عطا کرے، میں بے حد خوشحال ہوں کہ آج مجھے توفیق حاصل ہوئی کہ آپ کی گراں قدر کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کو دقت کے ساتھ ایک بار مطالعہ کرنے کے بعد چند جملے آپ کو لکھوں لیکن اس مفید کتاب کا ایک بار پھر مطالعہ کروں گا، فی الحال آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہو کہ جس بلند اور جدید روش سے آپ نے اس کتاب میں کام لیا ہے وہ ایک بے مثال، علمی اور اکیڈمک روش ہے جسے آپ سے پہلے کسی نے اس صورت میں انجام نہیں دیا۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ کی اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں کیونکہ اس کامیابی اور نعمت کو خداوند عالم نے صرف آپ کے نصیب کیا ہے اور آپ کو یہ توفیق عطا کی ہے کہ اس قسم کے اہم اور بنیادی موضوع کے بارے میں بحث وتحقیق کرکے یہ واضح اور قابل قدر تاریخی نتائج حاصل کریں۔

آپ نے اس بحث وتحقیق کے ذریعہ تاریخ اسلام میں ایسی چیزیں کشف کی ہیں کہ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران کسی دانشمند کو یہ حقائق کشف کرنے میں توفیق حاصل نہیں ہوئی ہےاور آپ کی اس بحث کی ایک یورپی دانشور (کہ شائد اس کا نام ''ولز'' ہے) نے تائید کی ہے، وہ کہتا ہے:

''تاریخ سراپا جھوٹ ہے'' افسوس ہے کہ ''ولز'' کا کہنا تاریخ اسلام کے بارے میں بھی صحیح ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ہر زمانے میں نفسانی خواہشات اور اندھے تعصبات نے تاریخ اسلام کو الٹ پلٹ کر اپنی صحیح راہ سے ایسے منحرف کر کے رکھ دیا ہے کہ آج مسلمان اس بات کی ضرورت کا شدت کے ساتھ احساس کر رہے ہیں کہ تاریخ اسلام اور ان کے دین کے بارے میں گہرائی سے تحقیق و بحث کی جائے۔

حقیقت میں آپ کی کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کو اس قسم کی تحقیقات کے بارے میں ایک راھنما شمار کیا جا سکتا، آپ کو خداوند عالم کا شکر بجالانا چاہئے کہ اس نے اس تحقیقی بحث کو آپ کیلئے محفوظ رکھا ہے اور اسی سے مدد طلب کر کے اپنے لئے منتخب کی گئی راہ و روش میں مستحکم اور مؤثر قدم بڑھائیں، اور اس سلسلہ کو جاری رکھیں اور اپنی علمی تحقیقات سے حقائق کو کشف کرنے کے بعد نتائج ملائم و نرم لہجہ میں دوسروں کے سامنے پیش کریں اور فیصلہ قارئین کے ذمہ چھوڑ دیں، خاص کر ابوبکر، عمر اور خلافت سے مربوط مسائل کو بیشتر ملائم اور مناسب حالت میں بیان کریں، کیونکہ ابھی لوگوں کے

اذہان اس حد تک آمادہ نہیں ہیں کہ ان کے بارے میں حقائق صاف اور واضح الفاظ میں سن کر انھیں قبول کریں۔

والسلام علیکم

خیر اندیش

محمود ابوریہ

مصر، جیزہ، شارع قرۃ بن شریک

۲۰ رجب ۱۳۸۰ھ، ۷ نومبر ۱۹۶۱ء

خرطوم یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے پروفیسر

ڈاکٹر حسن عباس کا خط

میں نے کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کا مطالعہ کیا، ''احادیث سیف بن عمر'' کے موضوع کے تحت آپ نے جو واقعی کوشش کی ہے، خاص کر جو سیف کی روایتوں اور دوسرے مؤرخین کی روایتوں کے درمیان موازنہ کر کے ان کی مطابقت کی ہے، اس سے میں، انتہائی خوش ہوا۔

آپ کی کتاب نے میرے ذہن میں چند سوالات پیدا کئے، جن کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

ا۔ کیا علم رجال کے بعض علماء کی طرف سے سیف کے خلاف حکم جاری کر کے اس کی روایتوں کو ضعیف اور متروک کہنے پر اکتفاء کر کے اس کی تاریخی روایتوں کو کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے؟ علم حدیث کے دانشوروں کے پاس حدیث کے راویوں کی پہچان کیلئے خاص معیار موجود ہے کہ جس کے ذریعہ بعض کی تعدیل و توثیق کرتے ہیں کہ اخبار کے راویوں کیلئے یہ اعتراضات کوئی مشکل پیدا نہیں کرتے۔ مثلاً ''قول بہ قدر'' کا الزام بعض اوقات سبب بنتا ہے کہ کسی شخص کے بارے میں جرح کر کے اس کی حدیث کو مردود قرار دیں۔ اس قسم کے الزامات ہمارے آج کل کے معیار کے مطابق زیادہ

۲۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سیف نے ان تمام مطالب کو پہلے سے خود ہی گڑھ لیا ہوگا؟ یعنی ایک پوری تاریخ کو فرضی طور پر لکھا ہوگا؟ اگر آپ کا یہ مفروضہ صحیح ہے تو انسان اس وسیع خیال طاقت پر تعجب اور حیرت میں پڑتا ہے!

۳۔ سیف نے بعض رودادوں کو مفصل طور پر تالیف کیا ہے اس کی یہ تفصیل نویسی اس کی تیز بینی اور ذرہ بینی کی دلیل ہے جس کا اس نے اہتمام کیا ہے اور دوسروں نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ اسے انہی تفصیلات کی وجہ سے بعض ناموں کے ذکر کرنے پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ذہنوں سے نکل کر فراموش ہو گئے تھے اس سلسلہ میں آپ کیلئے ایک مثال پیش کرتا ہوں:

آپ بلاذری کی کتاب ''فتوح البلدان'' کو اٹھا کر ابن عبدالحکیم کی کتاب ''فتوح مصر'' سے موازنہ کریں۔ پہلی کتاب عام موضوع پر لکھی گئی ہے اور دوسری کتاب خاص اور صرف مصر کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ کیا ابن عبدالحکیم نے ان تمام چیزوں کو ـــــ جو آپ کی اور ہماری نظر میں قابل اعتماد ہیں ـــــ لایا ہے جن کے بارے میں بلاذری نے بھی ذکر کیا ہے؟ پھر اس صورت میں کیسے ممکن ہے کہ ابن عبدالحکیم کی روایتوں کو بلاذری کی روایتوں سے موازنہ کیا جائے؟ میرا عقیدہ یہ ہے کہ سیف کی ایسی ہی حالت تھی، کیونکہ اس کا ارادہ تھا کہ ایک مفصل اور جامع کتاب تالیف کرے جس میں تمام رودادوں کو درج کرے اور عام باتوں اور خلاصہ پر اکتفا نہ کرے بلکہ جو کچھ دوسروں کے قلم سے سہواً یا عمداً چھوٹ گیا ہے ان سب چیزوں کو درج کرے۔ مناسب نہیں ہے کہ صرف سیف کی کتاب کو ابن

کتابوں جیسے اسد الغابہ اور الاصابہ سے موازنہ کریں، ہاں ان سے آگاہی پیدا کرے اور یہ اندازہ کرنے کیلئے کہ ان میں سیف کی کس طرح روایتیں نقل ہوئی ہیں اور سلسلہ جاری رہا ہے۔

میں ہر چیز سے پہلے سیف کی روایتوں کو ــــ ابومخنف یا دوسروں کی روایتوں، جن سے طبری نے روایتیں نقل کی ہیں ــــ ترجیح دیتا ہوں تا کہ میرے لئے یہ امر روشن ہوجائے کہ کیا گزرا ہے صرف وہی ہے جس نے ایک موضوع کو نقل کیا ہے، شائد ایسا نہ ہوگا کہ نقل کئے گئے موضوع میں سیف کی تنہائی کا سبب اس کا خیال اور وہم ہوگا یا اس نے چاہا ہوگا کہ ان بزرگوں کا دفاع کرے جن کے دامن پر تاریخ کی روداووں کی گردِ ملامت بیٹھی ہو۔

۴۔ ان مواقع کے بارے میں آپ کا نظریہ کیا ہے جہاں سیف کی روایتیں دوسروں کی روایتوں سے ہم آہنگ ہیں؟ کیا اس کے باوجود بھی اسے داستان گھڑنے والا سمجھتے ہیں؟ مثلاً یہ روایت کہ گمان نہیں کرتا ہوں کہ طبری نے اسے نقل کیا ہوگا:

سیف بن عمر نے عبدالملک ابن جریج، اس نے نافع سے اس نے ابن عمر سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے: میں نے عمر سے کہا کہ اپنے لئے ایک جانشین مقرر کرو، ورنہ اپنے خدا کو اس وقت کیا جواب دو گے، جب اس سے ملاقات کرو گے، جبکہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے سرپرست چھوڑ گئے ہو گے؟ اس نے جواب دیا: اگر میں اپنے لئے جانشین منتخب کروں، تو میں نے ایسے شخص کا ساعمل کیا جو مجھ سے بہتر تھا [illegible] نے اپنے لئے جانشین مقرر کیا ہے (یعنی ابوبکر) کہ جس نے اپنے بعد مجھے

کے بقول اس نے اپنے لئے کسی کو جانشین مقرر نہ کیا ہے (اس کا مقصود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے اس کے بقول کسی کو جانشین کے طور پر معین نہ کیا تھا)

یہ عین وہی عبارت ہے جسے ابن ابی بکر نے سیف سے روایت کی ہے اور اگر ابن سعد کی طبقات کی طرف رجوع کریں گے تو اسی روایت کو دوسروں کے ذریعہ ملاحظہ فرمائیں گے (ج ۳ ر ص ۳۴۸)۔

امید کرتا ہوں کہ آپ روایتوں کی چھان بین کرتے ہیں، مہربانی کر کے بتایئے کہ کیا سیف کی تمام روایتیں مردود ہیں یا ان میں سے بعض کو آپ قبول کرتے ہیں؟

۵۔ آپ نے سیف پر تاریخی واقعات کے سالوں میں تحریف کرنے کی نسبت دی ہے لفظ تحریف کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اس نے اس موضوع میں عمداً یہ کام کیا ہے جبکہ تاریخی واقعات میں اختلاف صرف ان سے ہی مخصوص نہیں ہے، تنہا وہی نہیں تھا کہ تاریخی واقعات میں اختلاف رکھتا ہو۔ اگر آپ غزوات اور جنگوں کے راویوں، جیسے موسی بن عقبہ، ابن شہاب زہری، واقدی اور ابن اسحاق پر ذرا غور فرمائیں گے تو جنگوں کے سالوں اور لشکر بھیجنے کی تاریخوں کے بارے میں کافی اختلافات مشاہدہ کریں گے اور اگر ذرا سا آگے بڑھ کر تاریخ طبری میں فتح دمشق اور شام کے دیگر شہروں کے بارے میں گوناگوں روایتیں ملاحظہ کریں تو میں نہیں سمجھتا ہوں کہ ان اختلافات کا مطالعہ و مشاہدہ [illegible]

نمونہ کیلئے طاعون عمواس کے حادثہ کو مدنظر رکھیں، ابن اسحاق و ابومعشر کہتے ہیں کہ یہ حادثہ ۱۸ھ میں پیش آیا اور سیف کہتا ہے ۱۷ھ میں پیش آیا ہے۔

ان اختلافات میں سے بعض اس لئے رونما ہوئے ہیں کہ تاریخ کی ابتداء میں اختلاف تھا، عمر نے ہجرت کی ابتداء کو اول محرم سے حساب کیا ہے جبکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول میں واقع ہوئی ہے اس بنا پر اگر مورخ کہتا ہے کہ یہ تاریخی روداد ۱۷ھ میں واقع ہوئی ہے اور دوسرا کہتا ہے ۱۸ھ میں تو یہ ان چند مہینوں کی وجہ سے ہے، کیونکہ بعض راویوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی حقیقی ہجرت کو تاریخ کی ابتداء قرار دیا ہے اور بعض نے اس زمانے کو قرار دیا ہے کہ عمر نے مقرر کیا ہے یعنی اگر کوئی موضوع ماہ محرم یا صفر میں واقع ہوا ہوگا تو ایک آدمی کہہ سکتا ہے ۱۸ھ میں واقع ہوا ہے اور دوسرا کہہ سکتا ہے ۱۷ھ کے آخری ماہ میں واقع ہوا ہے۔

اور اسی طرح سیف کے بعض دوسرے تاریخی اختلافات ہیں جو دوسروں سے مختلف ہیں تاریخ کے ذکر میں اس قسم کے اختلافات کا بدنیتی سے کوئی ربط نہیں ہے اور یہ تحریف کی دلیل نہیں بن سکتے ہیں، فرض کیجئے اگر سیف ایک مسئلہ میں دوسرے راویوں سے اختلاف بھی رکھتا ہو تو یہ دلیل نہیں بن سکتا ہے کہ اس نے خطا کی ہے، اور دوسرے صحیح راستہ پر چلے ہیں ہم مجبور ہیں کہ ہر ایک موضوع کی دقیق، تحقیق و تحلیل کریں اور جو بھی صحیح اور زیادہ تر مستحکم ہو اسے قبول کریں۔

اگر ہے تو کس دلیل کی بنا پر؟ شائد بحث ایک تازہ نتیجہ پر پہنچ جاتی اور آپ کے نقطہ نظر کو تقویت ملتی۔

یہ تھے وہ چند مسائل جو آپ کی کتاب کے مطالعہ کو مکمل کرنے کے بعد میرے ذہن میں پیدا ہوئے، اس امید کے ساتھ کہ ہمیں ایک ایسے متحیر سوال کنندہ کی حیثیت سے جان لیں جو حقیقت کی جستجو میں ہے نہ ایک ہٹ دھرم تنقید اور سرزنش کرنے والے کی حیثیت سے، ہم سب اس چیز کے متمنی ہیں کہ حقیقت تک پہنچ کر قلب و روح کو مطمئن کریں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص

احسان عباس

۲۴/۱/۱۹۵۷ء

ہمارا جواب

جو جواب ہم نے دیا، وہ حسب ذیل ہے:

آپ کا ۲۴؍۱؍۱۹۵۷ء کو لکھا گیا خط ملا، کتاب ''عبداللہ بن سبا'' پر آپ کی تنقید و بحث میرے لئے خوشنودی و مسرت کا سبب بنی، کیونکہ تنقید ایک ایسی چیز ہے جو مصنف کو اس امر کی طرف توجہ دلاتی ہے جس کے بارے میں اس نے غفلت کی ہو، تا کہ اسے پورا کر کے اپنی بحث کو اختتام تک پہنچا کر فائدہ حاصل کر سکے آپ نے اس تنقید کے ذریعہ میری اس کوشش میں شرکت کی ہے اور ہماری اس جانچ پڑتال اور علمی تحقیق میں تعاون فرمایا ہے میں آپ جیسے دانشوروں کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے بھائی کے بارے میں اپنا فریضہ انجام دیا ہے۔

لیکن، جو آپ نے چند سوالات کر کے عنایت کی ہے، اس سلسلے میں عرض ہے:

اولاً: آپ نے سوال کیا ہے کہ کیا سیف کے بارے میں علم حدیث کے دانشوروں کا یہ کہنا کہ وہ ضعیف اور مردود ہے، ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اس کی تاریخی روایتوں کو چھوڑ کر اس پر عمل نہ کریں اور اہل حدیث ـــ مثلاً کسی ایسے شخص کو جو عقیدۂ قدریہ سے متہم ہو ـــ ضعیف جان کر اس کی روایتوں پر عمل نہیں کرتے ہیں؟

ہم اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں: نہیں، کیونکہ اہل حدیث کی تمام روایتوں کے راوی کو ضعیف ہونے کا الزام نہیں لگاتے ہیں اور انھیں یکبارگی رد نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے ضعیف ہونے

کے بارے میں مطالعہ کرتے ہیں اور دقیق نظر ڈالتے ہیں کہ اگر کسی کو کسی سبب کے بغیر ضعیف کہا گیا ہو تو ان کے نظریہ کی تائید نہ کرتے ہوئے اس پر عمل نہیں کرتے ہیں، لیکن اگر جرح وتضعیف کی علت بیان کی گئی ہو تو اس علت پر توجہ کرتے ہیں اور اگر ہم درک کر لیتے ہیں کہ مثلاً ان مطالب کو علت قرار دیا ہے کہ ''فلاں مرجئہ'' ہے اس لئے اس کی حدیث متروک ہے ''فلاں شیعہ ہے اور اس پر رافضی ہونے کا الزام ہے'' فلاں ضعیف ہے، کیونکہ خلق قرآن کا قائل ہے یا متروک ہے کیونکہ فلسفیوں کی باتوں کی ترویج کرتا ہے'' اس صورت میں ہم اس قسم کی تضعیفوں پر اعتنا نہیں کرتے ہیں۔

لیکن اگر ہم دیکھتے ہیں کہ جرح میں اس قسم کے الفاظ کہے گئے ہیں ''جعل کرنے والا ہے'' ایسے افراد سے روایت کرتا ہے جنہیں خود اس نے نہیں دیکھا ہے، '' حدیث کو گڑھ لیتا ہے اور غیر معروف اشخاص سے ان کی نسبت دیتا ہے'' جبکہ یہ کہنے والا راوی کا ہم عصر یا اس کے عقیدہ کا مخالف نہ ہو اور اس کے بارے میں خود غرضی نہ رکھتا ہے اور مذہب کے سلسلے میں بھی اس سے اختلاف نہ رکھتا ہو، جیسے اگر ایک اشعری ہو تو دوسرا معتزلی نہ ہو، تو ایسی صورت میں دانشور کی بات کو رد نہیں کر سکتے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ جرح کی دوسری وجوہات کی وجہ سے اس کے ساتھ اختلاف رکھنے کی بناء پر اس خاص جرح کے سلسلے میں اعتناء نہ کریں۔

اس بناء پر میں نے علمائے حدیث کے بیان کو سیف بن عمر کے بارے میں نقل کیا ہے اور میں نے اسے قبول کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے:

'' وہ حدیث جعل کرتا تھا'' خود حدیث گڑھ لیتا تھا اور اپنی گڑھی ہوئی حدیثوں کو باوثوق

راویوں کی زبانی نقل کرتا تھا'' جنہوں نے اس کے بارے میں یہ الفاظ کہے ہیں وہ علمائے حدیث میں سے گونا گون افراد اس کے بعد والی صدیوں کے دوران مختلف طبقات سے تعلق رکھتے تھے، اسکے علاوہ میں نے صرف علمائے حدیث پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اس کی روایتوں کو دوسروں کی روایتوں سے موازنہ بھی کیا ہے اور اسی موازنہ اور تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ میں نے علمائے حدیث کی بات کی سیف کے بارے میں تائید کی ہے۔

آپ نے اپنے دوسرے سوال میں یہ کہا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ سیف نے ان سب چیزوں کو خود گڑھ لیا ہوگا؟

میں کہتا ہوں: اس میں کونسی مشکل ہے، جبکہ آپ خود جرجی زیدان اور اس کی جعلی داستانوں، حریری اور اس کے مقامات، عنترہ، الف لیلیٰ اور کلیلہ و دمنہ جیسے افسانوں کے لکھنے والوں اور ادبی و اخلاقی ہزار داستانوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ انھیں بعض داستان نویسوں اور ادیبوں نے مختلف ملتوں سے جعل کر کے اپنے زور قلم سے خیالات پر مبنی شخصیتوں اور سورماؤں کو نہ صرف لباس وجود سے آراستہ کیا ہے بلکہ انہیں خلق کیا ہے تو کیا مشکل ہے، ہم سیف کو بھی ان جیسا ایک افسانہ ساز جان لیں اور اس میں کسی قسم کا تعجب ہی نہیں ہے تعجب تو ان تاریخ نویسوں کے بارے میں ہے جنہوں نے سیف کی داستانوں کو با اعتبار جان کر دوسروں کی صحیح اور سچی روایتوں کو نقل نہ کر کے انھیں چھوڑ دیا ہے جب ہم ان کے اس کام کے بارے میں متوجہ ہوئے تو خود اس کے کام کے بارے میں بھی کوئی تعجب اور حیرت باقی نہیں رہی[1]

۱۔ اس کا سبب ہم نے اس سے پہلے اسی کتاب کی آخر میں بیان کیا ہے۔

تیسرے سوال میں بیان کئے گئے مطلب کے بارے میں خلاصہ حسب ذیل ہے:

سیف نے رودادوں کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور بلاذری نے اجمالی اور خلاصہ کے طور پر، اس کی روایتوں میں تاریخ کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے جیسے ابن عبدالحکیم کی کتاب ''فتوح مصر'' کی روایتوں کے مقابلہ میں بلاذری کی ''فتوح البلدان'' اول الذکر کتاب تاریخ فتوح مصر سے مخصوص ہے اور مؤخر الذکر کتاب تمام تاریخ اور تمام فتوحات کا ذکر کیا ہے، ایک خاص علاقے کی تاریخ کی بارے میں تالیف کی گئی کتاب میں ناموں کی تفصیل ذکر ہے اور دوسری کتاب میں یہ تفصیل لکھنا بھول گئے ہیں یا ذہن سے تفصیلات محو ہوگئی ہیں تو کوئی مشکل نہیں ہے اس لحاظ سے بلاذری کی ''فتوح'' کے کام کو ابن عبدالحکیم کے کام سے کیسے قیاس کریں گے!!

میں کہتا ہوں: ان سب فاصلوں اور دوریوں کے باوجود سیف کی ''فتوح'' کو ابن عبدالحکیم کی ''فتوح'' سے موازنہ نہ کرنا کیسے جائز ہے؟!! کیونکہ اولاً ہم دیکھتے ہیں کہ علم حدیث کے دانشوروں نے ابن عبدالحکیم کی ان الفاظ میں توصیف کی ہے: ''اس میں کسی قسم کی تشویش نہیں ہے،'' وہ سچ بولنے والا، قابل اعتماد اور علم تاریخ کا دانشور ہے'' اور اس قسم کے دوسرے الفاظ بیان کئے ہیں اور کوئی اس کے بارے میں اشکال نہیں رکھتا ہے نیز اسے ضعیف نہیں کہا گیا ہے لیکن سیف کا قضیہ اس کے برعکس ہے، دانشوروں نے اس کی ملامت کی ہے اور اس کی روایتوں کو ضعیف جانا ہے۔

اس کی ملامت کرنے والوں میں: ابن معین، ابوحاتم، ابوداؤد، دارقطنی، ابن عدی، ابن حیان برقانی، ابن عبدالبر، ذہبی، ابن حجر، سیوطی، فیروزآبادی اور زبیدی شامل ہیں۔

ثانیاً: ان دواشخاص کی تحریروں میں واضح اور آشکار فرق ہے:

ابن عبدالحکیم ''فتوح مصر'' میں صرف قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے بارے میں لکھتا ہے مؤرخین اسلام نے جو کچھ قبل از اسلام کے بارے میں لکھا ہے اس پر اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ انہوں نے دوسروں سے نقل کیا ہے اور ان کے اکثر تاریخی منابع وماآخذ اسرائیلی تھے بلکہ ان کی تاریخ کے اس حصہ کے بارے میں تحقیق کی جانی چاہیئے جوانہوں نے اسلام کے بارے میں لکھا ہے تاریخ کا یہ حصہ کئی گروہوں میں تقسیم ہوتا ہے:

ان میں سے بعض حقیقت گو، مؤرخین نے اپنی تحریروں میں واقعی روداددوں کو لکھا ہے اور ان میں سے بعض نے جذبات کے زیر اثر آکر الٹ پلٹ اور کم وبیش کر دیا ہے، ایک گروہ نے ایسا نہیں کیا ہے لیکن اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق جو مورخ سے بھی ہو روایتوں کو دیکھ کر انھیں نقل کیا ہے یہ لوگ بعض اوقات اس مطلوبہ چیز کو ایسے افراد کے پاس پاتے تھے کہ وہ تاریخ نویسی میں امین نہیں تھے اور روایتوں میں کم وزیادتی کرتے تھے اس حالت کو جانے کے باوجود بھی اس گروہ سے نقل کرتے تھے

ایک اور گروہ کے افراد غفلت کی وجہ سے ان سے نقل کرتے تھے اور اگر ہم تاریخ ابن عبدالحکیم کی تحقیق کریں تو دیکھیں گے کہ حدیث کے علماء نے اس کے بارے میں حقیقی گواہی دی ہے کیونکہ وہ تاریخ لکھنے میں حقیقت کا متلاشی تھا اور فتوح مصر میں جو کچھ حقیقت میں گزرا تھا اسے لکھا ہے اگر ہم اس کی کتاب کو بلاذری کی کتاب کے ساتھ موازنہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ان میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اجمال اور تفصیل کے درمیان ہے لیکن سیف بن عمر کے حالت ایسی نہیں ہے جس پر ہم نے اس

کی نکتہ چینی کی ہے اور کتاب ''عبداللہ بن سبا'' میں اس پر اعتراض کیا ہے وہ دو قسم پر مشتمل ہے:

پہلی قسم: تحریف اور جابجا کر دیا ہے، جیسے کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے، خبر دی گئی کہ ابو بکر لوگوں سے بیعت لینے کیلئے مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں تو بغیر عبا قبا کے حضرتؑ صرف ایک کرتا پہن کر مسجد کی جانب روانہ ہو گئے تا کہ ابو بکر کی بیعت کرنے میں پیچھے نہ رہیں اس طرح آ کر ان کی بیعت کی اس کے بعد بیٹھ گئے اور کسی کو بھیجا تا کہ ان کا لباس لے آئے پھر لباس پہن کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

جبکہ طبری اس داستان کو دوسری جگہ پر عائشہ سے یوں نقل کرتا ہے: کہ علیؑ اور بنی ہاشم نے چھ مہینہ تک بیعت نہیں کی، یہاں تک کہ فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) دنیا سے رحلت کر گئیں[1] ہم اسی روایت کو صحیح بخاری، مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں سیف کی روایت کے برعکس پاتے ہیں۔ بالکل یہی قضیہ سعد بن عبادہ کی بیعت کے بارے میں بھی ہے اسی طرح خالد بن سعید اموی کی بیعت سے انکار کے بارے میں جو کچھ کہا ہے[2]

''حواب''[3] کے کتوں کے بھونکنے کی داستان میں بجائے ام المؤمنین ام زمل کا نام لیتا ہے۔

اس طرح جو کچھ اس نے مغیرہ بن شعبہ[4] کے زنا کے بارے میں کہا ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو کتاب عبداللہ بن سبا (فارسی) صفحہ ٦٧ و ۱۱۲۔

۲۔ ملاحظہ ہو کتاب عبداللہ بن سبا (فارسی) صفحہ ٦٧ پر سیف کی روایت اور ۱۲۵ پر روایت غیر سیف۔

۳۔ ملاحظہ ہو کتاب عبداللہ بن سبا (فارسی) صفحہ ۳۰ پہ روایت سیف اور ۲۵ پر روایت غیر سیف۔

۴۔ ملاحظہ ہو کتاب عبداللہ بن سبا (فارسی) صفحہ ٦٧ سیف کی روایت اور ٦٨ پر روایت غیر سیف۔

ان تمام مواقع پر جہاں طبری نے سیف کے علاوہ دوسروں کی روایتوں کونقل کیا ہے اسی جگہ سیف کی تحریف شدہ روایتوں کوبھی نقل کیا ہے۔

دوسری قسم: من جملہ مواقع جن پر ہم سیف کی نکتہ چینی کرتے ہیں، وہ داستانیں ہیں جنہیں سیف نے جھوٹ پرمبنی گڑھ لیا ہے اورانھیں تاریخ اسلام میں داخل کیا ہے، ان داستانوں کو اس سے پہلے کسی نے بھی نقل نہیں کیا ہے یا اگر اصل داستان سچی تھی تو اس نے اس پر بہت سے مطالب کا اضافہ کیا ہے۔

من جملہ مطالب کے داستان علاء بن حضرمی ہے جس میں سیف نے ذکر کیا ہے کہ ''دھنا'' کے صحرا میں اس کیلئے پانی جاری ہوا، اس کے لشکر نے گھوڑے، اونٹ، خچر، گدھے، سوار اور پیادہ سب کے ساتھ سمندر کو عبور کیا جبکہ اس کی مسافت کشتی کے ذریعہ ایک دن اور ایک رات کے فاصلہ کے برابر تھی اور لکھتا ہے کہ خدا نے چار پاؤں کے سموں کے نیچے نرم ریت اُگا دی کہ صرف حیوانوں کے سم پانی کی نیچے جاتے تھے اور اس طرح انہوں نے اس سمندر کو عبور کیا۔

اور اس افسانہ کے آخر میں بیان کرتا ہے کہ راہب ہجری مسلمان ہوا اور ابوبکر نے اس کے اسلام لانے کے بارے میں صحابہ کو بشارت دی تھی[1] اور اباقر کے دن گائے کا سعد کے لشکریوں میں سے عاصم بن عمر سے گفتگو کرنا[2]

۱۔عبداللہ بن سبا، (فارسی) ص ۱۶۱۔۱۶۳)

۲۔عبداللہ بن سبا، (فارسی) ص ۱۶۱۔۱۶۳)

اور روز جراثیم کا ایک اور افسانہ کہ سپاہیوں کا دجلہ سے عبور کرنا، اگر کوئی گھوڑا تھک جاتا تھا تو اس کے سموں کے نیچے ریت کا ٹیلہ پیدا ہو جاتا تھا اور اس پر گھوڑا ایسے تھکاوٹ دور کرتا تھا جیسے کہ وہ زمین پر کھڑا ہو۔[۱]

من جملہ ان کے وہ مطالب ہیں جنہیں سیف دو بھائی قعقاع اور عاصم کے بارے میں نقل کرتا ہے[۲] یا وہ باتیں جو اس نے عثیم[۳] نامی جنّی صحابی کی داستان میں کہی ہیں اس کے علاوہ بکیر کے اطلال نامی گھوڑے کی باتیں کرنا جب بکیر نے اپنے گھوڑے کو چابک کر کے چھلانگ لگانے کو کہا تو گھوڑے نے جواب میں کہا: ''سورۂ بقرہ کی قسم میں نے چھلانگ لگائی'' اسی طرح اس کے دوسرے افسانے۔[۴]

من جملہ مواقع جن میں سیف نے بے حد مبالغہ گوئی کی ہے اور کافی مقدار میں اصل قضیہ میں اضافہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے کہا ہے کہ اسلامی فوج نے لاکھوں کی تعداد میں اپنے دشمنوں کو قتل کر ڈالا ہے اس سلسلہ میں اس نے کہا ہے کہ خالد نے تین دن اور تین رات کے اندر اتنے دشمنوں کے سر قلم کئے کہ خون کی ندی جاری ہوگئی[۵] یہ سیف کی ان مبالغہ آمیزیوں کے علاوہ ہے جو اس نے اپنے نفسانی خواہشات کے تحفظ میں انجام دیئے ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن سبا (فارسی) ص ۲۰۱۔۲۰۲

۲۔ ان دو افراد کی زندگی کے حالات کتاب ''خمسون ومأۃ صحابی مختلق'' ص ۶۷، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۵۸ پر ملاحظہ ہو۔

۳۔ ''خمسون و مأۃ صحابی مختلق'' ص ۶۷، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۵۸ پر ملاحظہ ہو

۴۔ ''خمسون و مأۃ صحابی مختلق'' میں قعقاع کے حالات ملاحظہ ہوں

۵۔ ''خمسون و مأۃ صحابی مختلق'' (فارسی) اور اسی کتاب ج ۲ میں فصل ''انتشار اسلام بالسیف'' میں پر ملاحظہ ہو

اسی بنا پر ہم سیف کی ان دوگانہ تحریف میں سے کس کی تائید کریں گے؟ کیا اس کی ان تحریفات کی تائید کریں جن میں اس نے بڑی شخصیتوں کے دفاع میں اصل تاریخی روداروں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے جبکہ خود طبری نے دوسرے راویوں سے ان واقعات کو دوسری طرح سے نقل کیا ہے یا اس کی داستانوں کی دوسری قسم کی تائید کریں جو توہمات اور خرافات پر مشتمل ہیں، کیا اس قسم کی داستان سرائی کو روایات میں اجمال و تفصیل کہیں گے یا روایتوں میں الٹ پلٹ اور تحریف کا نام دیں گے؟

لیکن، جس دوسرے نکتہ کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ ایک خاص علاقہ کی تاریخ لکھنے والا گمنام افراد کا نام لیتا ہے اور جو عام تاریخ لکھتا ہے وہ اس قسم کے مطالب میں مداخلت نہیں کرتا ہے۔

ہم جواب میں کہتے ہیں: کیا آپ یہ تصور کرتے ہیں کہ عمرو کے دو بیٹے قعقاع اور عاصم جن کا سیف نے نام لیا ہے، گمنام افراد تھے؟ نہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے سیف کہتا ہے کہ قعقاع رسول خداؐ کے اصحاب میں سے تھا اور اس نے حدیث نقل کی ہیں، وہ سقیفہ میں حاضر تھا، ابوبکر نے اسے خالد کی مدد کیلئے بھیجا ہے اور اسکے بارے میں یوں کہا ہے: ''جس فوج میں قعقاع جیسے افراد موجود ہوں وہ فوج فرار نہیں کرے گی'' وہ عراق میں خالد کی جنگوں میں شریک تھا، جب خالد، اسلام کے سپاہیوں کی مدد کیلئے شام کی طرف روانہ ہوا تو اسے اپنے ساتھ لے گیا، دمشق کی فتح اور اس پر تسلط جمانے کا سبب قعقاع کا اپنے ساتھی کے ہمراہ قلعہ کی دیوار پر چڑھنا تھا اس کے بعد عمر نے اسے دوبارہ جنگ قادسیہ میں سعد کی مدد کیلئے وہاں سے عراق کی طرف لوٹا دیا اور اس نے سفید ہاتھی کی آنکھ کو نکال کر اسے اندھا بنا دیا قادسیہ کی جنگ میں اس کی بہادریاں مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا سبب بنیں۔

سیف کے نام گزاری کئے گئے ایام: ''الاغواث'' ''عماس'' اور ''الامارث'' میں اس نے مدد کی ہے۔

سعد نے اس جنگ میں اسکے بارے میں عمر کو یہ تعریفیں لکھیں کہ ''وہ شہسوار ترین سپاہی ہے'' اس جنگ کے بعد عمر نے اسے ایک بار پھر مسلمانوں کی نصرت کیلئے یرموک کی جنگ میں شام بھیجا، وہاں پر مسلمانوں کی مدد کرنے کے بعد تیسری بار عراق کی طرف روانہ ہوا اور نہاوند کی جنگ میں شرکت کی، وہاں پر وہ شہر کے اندر پناہ لئے ہوئے ایرانیوں کو باہر لا کر صحرا تک کھینچ لانے میں کامیاب ہوا، ان کامیابیوں کے بعد عمر نے اسے عراق کی سرحدوں کے محافظوں کے سردار کے طور پر مقرر کر کے اسے سرحد کا نگہبان بنا دیا۔

اس بناء پر دونوں خلیفہ ابوبکر اور عمر قعقاع کو ہر نامناسب حادثہ روکنے کیلئے بھیجتے تھے، لیکن عثمان نے اسے کوفہ کا سپہ سالار مقرر کیا اور وہ سبائیوں کی تحریک اور ان کی بغاوت تک اس عہدہ پر فائز رہا اور اس شورش کو کچلنے میں کوشش کی جب عثمان محاصرہ میں قرار پایا تو اس کی نصرت کیلئے ایک فوج کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوا، لیکن اس سے پہلے کہ مدد کرنے والے پہنچ جاتے عثمان قتل ہو چکے تھے لہذا وہ واپس کوفہ کی طرف لوٹا۔

علی کی خلافت میں اس نے کوفہ کے لوگوں کو جنگ جمل میں علی سے ملحق ہونے پر آمادہ کیا اور علیؑ و عائشہ اور اس کے حامیوں (طلحہ و زبیر) کے درمیان صلح کرانے میں کامیاب ہوا تھا، اگر سبائی دھوکے میں جنگ کے شعلوں کو نہ بھڑکاتے جب جنگ چھڑ گئی تو وہی تھا جس نے عائشہ کے اونٹ کا

تعاقب کر کے اس پر قابو پا کر جنگ کا خاتمہ کیا اور وہی تھا جس نے عائشہ کے لشکر کو امان دیدی۔

معاویہ کے زمانے میں وہ ان افراد میں سے تھا جنہیں معاویہ کے حکم سے فلسطین کی ''ایلیا'' نامی جگہ پر جلا وطن کیا گیا، کیونکہ وہ حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے لئے مخصوص اصحاب میں سے تھا۔

لیکن اس کا بھائی عاصم: اس کے بارے میں سیف یوں کہتا ہے کہ وہ ۱۲ھ میں خالد کے ساتھ یمامہ سے عراق کی طرف کوچ کیا، سیف نے اس کے بارے میں بہت سارے بہادری و شجاعت کے قصے جیسے جنگ قادسیہ میں ہاتھیوں کو اندھا بنانا وغیرہ نقل کی ہیں۔ خلیفہ عمر نے اسے علاء کی مدد کیلئے فارس بھیجا ہے، یہ وہی ہے جس کے ساتھ گائے نے گفتگو کی، عمر نے سیستان کی جنگ کا پرچم اس کے ہاتھ میں دیا اس کے بعد اسے کرمان کی گورنری اور فرماں روائی سونپی اور اپنی وفات ۲۹ھ تک وہاں کی گورنری کے عہدہ پر فائز تھا۔

سیف نے ان دو جنگجو بھائیوں کے بارے میں ان تمام اخلاقی خوبیوں کے علاوہ اشعار و مناقب بھی بیان کئے ہیں۔

کیا بقول سیف جنگجو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی دو بھائیوں کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ گمنام افراد میں سے ہوں گے؟ جبکہ سیف نے ان کیلئے اتنی خصوصیات بیان کی ہیں اور خلفاء کی طرف سے مختلف مراحل میں اتنی نوازشیں اور فرمان روائیاں عطا کی گئی ہیں اور ان سے اتنے اشعار نقل ہوئے ہیں کیا خالد بن ولید کیلئے اتنی شجاعت و بہادری کے قصے کتابوں میں بیان

ہوئی ہیں جتنی سیف نے قعقاع کیلئے نقل کی ہیں؟ اس کے باوجود کیا علت ہے کہ ان دو افراد کا نام صرف سیف کی روایتوں میں ذکر ہوا ہے؟

طبری نے ۱۰ھ سے ۲۹ھ تک کی رودادوں کے بارے میں جو کچھ سیف سے نقل کیا ہے میں نے اسے اسی مدت کے بارے میں دوسروں کی روایتوں سے موازنہ اور تطبیق کیا اور اسی طرح جو کچھ ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق کی ج ۱ ورج ۲/ میں سیف اور غیر سیف سے روایت کی ہے، دونوں کی تطبیق کی، لیکن ان دو جنگجوؤں کا کہیں نام ونشان نہیں پایا جاتا، اس کے علاوہ ابن شہاب (وفات ۱۲۴ھ)، موسیٰ بن عقبہ (پیدائش ۱۴۱ھ)، ابن اسحاق (پیدائش ۱۵۲ھ)، ابومخنف (پیدائش ۱۵۷ھ)، محمد بن سائب (پیدائش ۱۴۶) ابن ہشام (پیدائش ۲۰۶ھ)، واقدی (پیدائش ۲۰۷ھ) اور زبیر بن بکار (پیدائش ۲۴۷ھ) کی روایتوں اور دوسرے راویوں کی روایتوں میں جس سے طبری اور ابن عساکر نے دسیوں روایتیں ان رودادوں کے بارے میں نقل کی ہیں کہ سیف نے ایسی ہی رودادوں میں ان دو بھائیوں کا نام ذکر کیا ہے لیکن ان دو بھائیوں کے بارے میں انہوں نے کہیں نام تک نہیں لیا۔

میں نے اس موازنہ میں صرف اس پر اکتفاء کیا ہے جسے طبری نے سیف اور دوسروں سے نقل کیا ہے اور ابن عساکر کو صرف ایک گواہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے چونکہ میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنی بات کے تیسرے مرحلہ میں اس مطلب کے بارے میں یاددہانی کی ہے کہ ہم موازنہ اور مقابلہ میں تاریخ طبری پر اکتفاء کریں، ورنہ میں آپ کے اس نظریہ سے اتفاق نہیں رکھتا ہوں کہ صرف تاریخ

طبری کو اہمیت دی جائے اور اسی پر اکتفاء کیا جائے (اگر آپ اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں؟)

آپ کے کہنے کے مطابق یاددہانی اور آ گاہی کیلئے قعقاع اور عاصم کے بارے میں کیوں طبقات ابن سعد کی طرف رجوع نہ کریں؟ کیا ابن سعد نے کوفہ میں رہنے والے اصحاب، تابعین اور دانشوروں، کی زندگی کے حالات پر روشنی نہیں ڈالی ہے؟ اور یہ دو بہادر جنگجو کو سیف کے کہنے کے مطابق کوفہ کی معروف شخصتیں اور جنگجو تھے؟!

کیا وجہ ہے کہ ہم آشنائی حاصل کرنے کیلئے کتاب ''الاصابہ'' کی طرف رجوع نہ کریں جبکہ ابن حجر بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں صورتوں میں سیف سے روایتیں نقل کرتے ہیں؟

کیوں نہ ہم ''الاستعیاب'' ''اسد الغابہ'' اور ''التجرید'' کا مطالعہ کریں اور ان کے سیف سے نقل کئے گئے اصحاب کی زندگی کے حالات کو نہ پڑھیں؟ کیا یہ کتابیں اصحاب کی زندگی کے حالات کی تشریح کرنے میں خصوصیت نہیں رکھتی ہیں؟! ہم کیوں تاریخ ابن عساکر کی طرف رجوع نہ کریں اور اس کے ہر موضوع پر لکھے گئے مطالب کو نہ پڑھیں، جو روایتوں کا ایک عظیم مجموعہ ہے اس نے حتی الامکان تمام روایتوں کو حتی سیف اور غیر سیف سے نقل کیا ہے؟!

سیف کی فتوحات کی بحث میں ہم کتاب ''معجم البلدان'' کا کیوں مطالعہ نہ کریں؟ جبکہ اس کے مصنف کے پاس سیف کی کتاب ''فتوح'' کا تصحیح شدہ ابن خاضبہ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ موجود تھا چنانچہ اس نے شہروں کی تاریخ لکھنے والے تمام مؤلفین کا ذکر کیا ہے کیوں نہ ہم ان کا مطالعہ کر کے موازنہ کریں؟ اور اس بحث سے مربوط دوسری کتابوں کا کیوں ہم مطالعہ نہ کریں؟ اس کی کیا دلیل ہے کہ ہم

اپنی تحقیق، مطالعہ، اور موازنہ کو طبری کی روایتوں تک محدود کر کے رکھیں؟

میں واضح الفاظ میں کہتا ہوں کہ سچی روایتیں نہ لکھنے میں طبری کا تعمد اور اس کی خودغرضی شامل تھی میں اسے اس موضوع کے بارے میں ملزم جانتا ہوں، کیا یہ شخص وہی نہیں ہے جو ۳۰ ھ کی روداد وں کو لکھتے ہوئے ابوذر کی زندگی کے حالات کے بارے میں یوں لکھتا ہے:

''اس سال یعنی ۳۰ ھ میں معاویہ اور ابوذر کا واقعہ پیش آیا اور معاویہ نے اسے شام سے مدینہ بھیج دیا، اس جلاوطنی اور مدینہ بھیجنے کے بارے میں بہت سی وجوہات بیان کی گئی ہیں کہ مجھے ان میں سے بہت سی چیزوں کا ذکر کرنا پسند ہے لیکن جو لوگ اس قضیہ میں معاویہ کو بے گناہ ثابت کرنا چاہتے ہیں انہوں نے اس سلسلہ میں ایک داستان نقل کی ہے کہ سیر نے اسے لکھا ہے کہ شعیب نے اسے بقول سیف اس کیلئے نقل کیا ہے''[۱]

تاریخ طبری کا اس کے بعد والے افراد کیلئے قابل اعتماد بننے اور ان کا اس پر بھروسہ کرنے کا یہی موضوع سبب بنا ہے اس مطلب کی تفصیلات اور وضاحت کیلئے تاریخ ابن اثیر کا مقدمہ، جہاں پر ۳۰ ھ میں ابوذر کی روداد بیان کی گئی ہے، تاریخ ابن کثیر، ج ۷ ص ۲۴۷ اور ابن خلدون جنگ جمل کی داستان کا آخری حصہ اور معاویہ کے ساتھ امام حسنؑ کی صلح کا واقعہ مطالعہ کیا جائے[۲]

۱۔ طبری، ج ۴ ص ۶۴

۲۔ اس کتاب کی ابتداء میں ''افسانہ کا سرچشمہ'' نامی فصل ملاحظہ ہو۔

یہ طبری کا حال ہے نیز ان لوگوں کا جنہوں نے طبری پر اعتماد کر کے اس سے نقل کیا ہے لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنی تحقیقات اور چھان بین کو تاریخ طبری تک ہی محدود کر دیں؟

آپ نے اپنے خط کے چوتھے بند میں لکھا تھا: سیف کی ان جگہوں کے بارے میں کیا خیال ہے جہاں پر اس کی روایتیں دوسروں کی روایتوں کے ہم آہنگ اور بالکل ویسی ہی ہیں؟ کیا اس صورت میں بھی آپ اسے حدیث جعل کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں؟ یہاں تک آپ نے لکھا کہ: ''میں امید کرتا ہوں آپ سیف کی روایتوں پر تحقیقات کرتے وقت معین کریں کہ کیا سیف کی ساری روایتوں کو کہ جو کچھ اس سے نقل ہوا ہے اس میں مکمل طور پر الگ کر دیا جائے یا کم از کم اس کی بعض روایتوں کو قبول کیا جائے؟

اس کے جواب میں کہنا چاہتا ہوں: سیف کی تاریخی روایتوں کی میری نظر میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے میں اس کی وقعت ہارون رشید کے زمانے کی داستانوں پر مشتمل لکھی گئی کتاب ''الف لیلیٰ'' سے زیادہ نہیں سمجھتا جس طرح ہم کتاب ''الف لیلیٰ'' کو ہارون رشید کے زمانے کے بارے میں تاریخ کے ایک مآخذ اور نص کے طور پر مطالعہ نہیں کرتے بلکہ اسے ایک ادبی داستان کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور اسے تھکاوٹ دور کرنے اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے ایک وسیلہ کے طور پر جانتے ہیں حقیقت میں بعض اوقات ان داستانوں میں داستان لکھنے والے کی شخصیت کو پہچانا جاسکتا ہے اور اس کے ہم عصر لوگوں کی فکری سطح پر تحقیق کی جاسکتی ہے اور اسی طرح اس زمانے میں ملک کی ثقافت و تمدن کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کا خود داستان کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہوتا۔

میں سیف کی داستانوں کواسی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور داستان کے اسلوب سے ایسا محسوس کرر ہاہوں کہ ہمارا یہ طاقتور داستان نویس اپنی داستانوں کیلئے مآ خذاوراسناد جعل کرنے کیلئے مجبور تھا تا کہ ان داستانوں کا سلسلہ اس زمانے تک پہنچ جائے جس کے بارے میں اس نے داستانیں لکھی ہیں کیونکہ اس کا زمانہ ''جرجی زیدان'' کا زمانہ تھا کہ اپنے تاریخی افسانوں کیلئے سند جعل کرنے کی ضرورت نہ رکھتا ہو۔

میرے نزدیک سیف کی روایتوں کی حیثیت ایسی ہے کہ میں ان میں سے کسی ایک پر اعتماد نہیں کرسکتا ہوں کیونکہ جس نے اتنا جھوٹ بولا ہواس پر کیسے بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے دوسرے مواقع پر بھی جھوٹ نہ کہا ہوگا لہذا عقل حکم دیتی ہے کہ سیف کی کسی بھی روایت پر اعتماد نہ کیا جائے میں اگر سیف سے روایت کی گئی کسی داستان کوکسی دوسرے معتبر طریقے سے حاصل کروں تو اسے قبول کروں گا لیکن اس حالت میں ترجیح دوں گا کہ سیف کی روایت کو کالعدم قرار دوں۔

اپنے خط کے پانچویں حصہ میں آپ نے ذکر کیا ہے: میں نے سیف کے توسط سے حوادث اور روئدادوں کے سالوں میں سیف پر تحریفات کی تہمت لگائی ہے اور لفظ تحریف سے روئیدادوں کے سال تعیین کرنے میں عمداًیہ کام انجام دینے کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے، جبکہ یہ صرف سیف نہیں تھا جس نے حوادث کے سالوں کے تعیین میں اختلاف کیا ہے۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: اگر چہ سیف کے علاوہ دوسرے راوی بھی روداددوں کے بارے میں سال اور تاریخ معین کرنے میں آپس میں اختلافات رکھتے ہیں، لیکن یہ کام ان کے یہاں

اتنا عام اور مشہور نہیں ہے جتنا سیف کے یہاں پایا جاتا ہے یا اس نے اس کی عادت ڈال لی ہے اس کے علاوہ جس قدر ہم نے سیف کے یہاں تاریخی داستانوں میں تحریفات، مداخلت اور الٹ پھیر دیکھی ہے اس قدر دوسروں کے یہاں مشاہدہ نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ہم نے اکثر اس کی ان تحریفات کو مدنظر رکھا ہے کہ صرف اس نے عمداً یہ کام انجام دیا ہے اور دونوں راویوں میں سے کسی ایک نے بھی اس کی تائید نہیں کی ہے یعنی اس نے دوسرے تمام راویوں کے برعکس عمل کیا ہے۔

لیکن آپ کا یہ کہنا کہ زمانے کے بعض اختلافات جو بذات خود ایسے اسباب ہیں کہ ان کا بد نیتی اور خودغرضی سے کوئی ربط نہیں ہے۔

جواب میں کہتا ہوں کہ: خوش فکر انسان جتنی بھی کوشش کرے زیادہ سے زیادہ سیف کی تحریفات کے چند خاص مواقع کی توجیہ کرسکتا ہے لیکن اس کی تحریفات کے اندر ایسے نمونے بھی ملتے ہیں کہ جس قدر بھی ہم حسن ظن رکھتے ہوں اور اس کے سوا چارہ ہی نظر نہیں آتا ہے کہ اس سے بد نیتی اور خودغرضی کی تعبیر کی جائے، نمونہ کے طور پر اس امر کی طرف توجہ فرمایئے کہ: طبری نے ۱۲ھ کی رودادوں کو نقل کرتے ہوئے ''ابلہ'' کی فتح وتسخیر کے بارے میں اپنی تاریخ کی ج ۴ ص ۵۔۶ میں لکھا ہے: ابوبکر نے خالد کو عراق بھیجا اور اسے حکم دیا کہ پہلے بندر سندھ اور ہند کو فتح کرے وہ جگہ ان دنوں ''ابلہ'' کے نام سے مشہور تھی خلاصہ یہ ہے کہ: اس نے مشرکین کو اس حالت میں دیکھا کہ انہوں نے فرار نہ کرنے کیلئے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھا تھا اور ان کے پاس پانی موجود تھا، خالد نے ان کے مقابل میں ایک ایسی جگہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں پر پانی موجود نہ تھا اور ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی

خداوند عالم نے بادل کے ایک ٹکڑے کو بھیجدیا اور مسلمانوں کی فوج کے پیچھے موجود تمام گڑھے پانی سے بھر گئے اور اس طرح خداوند عالم نے اسلام کے سپاہیوں کو طاقت بخشی، سورج چڑھنے سے پہلے اس صحرا میں اس لشکر کا ایک فرد بھی زندہ نہ بچا، جنہوں نے اپنے کو زنجیروں سے باندھا تھا، خالد نے ان سب کا قتل عام کیا اسی لئے اس جنگ کو جنگِ ''ذات السلاسل'' کہا گیا ہے، یعنی زنجیر والوں کی جنگ، خالد نے اس فتح ونصرت کی خبر جنگ غنائم اور ایک ہاتھی سمیت ابوبکر کو بھیجا، ہاتھی کو شہر مدینہ میں گھمایا گیا تا کہ لوگ اس کا تماشا دیکھیں، مدینہ کی کم عقل عورتیں اسے دیکھ کر آپس میں کہتی تھیں کیا یہ خدا کی مخلوق ہے جسے ہم دیکھتے ہیں؟ اور خیال کرتی تھیں کہ اسے انسان نے خلق کیا ہے۔ ابوبکر نے اس ہاتھی کو ''زر'' نامی ایک شخص کے ذریعہ واپس بھیج دیا۔

اس داستان کے بعد طبری کہتا ہے: ''ابلہ'' اور اس کی فتح کے بارے میں یہ داستان جو سیف نے نقل کی ہے، اس چیز کے برعکس ہے جو سیرت لکھنے والوں نے نقل کیا ہے اور اس کے برخلاف ہے جو صحیح مآ خذ اور آثار میں ذکر ہوا ہے بلکہ ''ابلہ'' خلافت عمر کے زمانے میں عقبہ بن غزوان کے ہاتھوں ۱۴ھ میں فتح ہوا ہے اس کے بعد طبری نے ۱۴ھ کی روئیداد کے ضمن میں اپنی کتاب کی جلد۴ ص ۱۴۸ سے ۱۵۲ تک سیف کے علاوہ دوسرے راویوں سے نقل کر کے کچھ مطالب لکھے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''عمر نے عقبہ سے کہا: ''میں نے تجھے سرزمین ہند کی بندرگاہ کی مأموریت دیدی ہے اور اسے بندر ہند کی گورنری سونپی، عتبہ روانہ ہوا اور سرزمین ''اجانہ'' کے

نزدیک پہنچا، تقریباً ایک مہینہ تک وہاں پرٹھہرا، شہر''ابلہ'' کے باشندے اس کے پاس آگئے، عتبہ نے ان سے جنگ کی، وہ بھاگ گئے اور شہر کو ترک کیا، مسلمان اس شہر میں داخل ہوگئے عتبہ نے اس فتحیابی کی نوید جنگی غنائم کے پانچویں حصہ کے ساتھ عمرؓ کو بھیج دی

خدا آپ کی حفاظت کرے! ذرا غور سے دیکھئے اور غائرانہ نظر ڈالیے کہ سیف نے کس طرح عمر کے زمانے میں عتبہ نامی سردار کے ہاتھوں واقع ہوئی ایک روداد کو تحریف کر کے اسے ابوبکر کے زمانے سے مربوط کر کے خالد بن ولید کے ہاتھوں رونما ہوتے دیکھایا ہے، اختلاف صرف سال اور تاریخ ثبت کرنے میں نہیں تھا کہ صرف ۱۴ھ کو ۱۲ھ کہا ہوگا تا کہ اس کی تحریف کیلئے کوئی توجیہ تلاش کرتے!

اس کے علاوہ سیف نے اس روداد کو لکھتے ہوئے ایک اور چیز کا بھی اضافہ کیا ہے کہ خالد اور اس کے سپاہی ایک ایسی جگہ پراترے جہاں پر پانی موجود نہ تھا اور خداوند عالم نے ان کے محاذ کے پیچھے ایسا پانی برسایا جس سے وہاں پر موجود تمام گڑھے پانی سے بھر گئے اور اس طرح خدا نے مسلمانوں کو طاقت بخشی سیف اس طرح چاہتا تھا کہ جو برتری اور فضیلت خداوند عالم نے غزوۂ بدر میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت کی تھی اسے خالد اور اس کے لشکر کیلئے ثابت کرے جہاں پر خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ و يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَّ السَّماءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الاَقْدَامَ ﴾

اور آسمان سے پانی نازل کررہا تھا تا کہ تمہیں پاکیزہ بنادے اور تم سے شیطان کی کثافت کو دور کردے اور تمہارے دلوں کو مطمئن بنادے اور تمہارے قدموں کو ثبات عطا کردے۔ (سورہ انفال ر۱۱)

اس طرح سیف نے ایک اور مطلب کا اضافہ کیا ہے کہ خالد نے دشمن فوج سے غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے ایک ہاتھی کو جنگی غنائم کے ساتھ مدینہ بھیجا تا کہ مدینہ کے لوگ اس کا تماشا دیکھیں، ہاتھی کو شہر مدینہ میں گھمایا گیا اور مدینہ کی کم عقل عورتیں اسے دیکھ کر کہتی تھی: کیا یہ خدا کی مخلوق ہے یا انسان کے ہاتھ کی بنی ہوئی کوئی چیز ہے؟ کیا حقیقت میں ہاتھی پوری اس جعلی داستان کے ہم آہنگ نظر آتا ہے؟ جسے سیف بن عمر نے خلق کیا ہے، لیکن افسوس، کہ مناسب طریقے پر اسے جعل نہیں کیا ہے میں نہیں جانتا کہ سیف یہ بات کیوں بھول گیا ہے کہ حجاز کے عربوں نے سیاہ ابرھہ کی روداد میں ہاتھی کو دیکھا تھا کاروانوں نے اس خبر کو ہر بیابان تک پہنچا دیا تھا اور داستانیں لکھنے والوں نے اپنے افسانوں میں کافی حد تک اس کا ذکر کیا تھا مسلمان عورتوں نے قرآن مجید میں ان آیات کی کافی تلاوت بھی کی تھی

﴿ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیلِ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِی تَضْلِیلٍ ... ﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کردیا ہے۔ (سورہ فیل)

میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ سیف نے کس مقصد سے ان مسائل اور ایسے مطالب کا اس داستان میں

اضافہ کیا ہے؟ کیا وہ یہ چاہتا تھا کہ جو چیز خداوند عالم نے غزوۂ بدر میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے عطا کی تھی اسے خالد کیلئے ثابت کرے؟ یا چاہتا تھا کہ خالد کے مرتبہ ومقام کو بلند کر کے اس کیلئے فتوحات اور کرامتیں بیان کرے تا کہ عراق کی سپہ سالاری سے اس کی معزولی اور سلب اعتماد کے بعد اسے عراق سے شام بھیج کر ایران کی فتوحات میں شرکت سے محروم کئے جانے کی بے چینی کی تلافی کرے یا ان باتوں کے علاوہ کوئی اور چیز اس کے مدنظر تھی؟

لیکن آپ کے چھٹے مطلب کے بارے میں کہ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ سیف نے اپنی روایتوں میں جس سلسلہ سند کا ذکر کیا ہے اس کی تحقیق اور چھان بین کی جائے۔

جواب میں عرض ہے کہ: اگر سیف کی روایتوں کے بارے میں ہماری تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیف نے جو نقل کیا ہے اس میں وہ منفرد ہے اور اس کے بعد ہمیں معلوم ہو جائے کہ سیف نے اس روایت کو راویوں میں سے کسی ایک سے نقل کیا ہے تو کیا ہم اس روایت کے گناہ کو اس شخص کی گردن پر ڈال سکتے ہیں جس سے سیف نے روایت نقل کی ہے؟

مجھے امید ہے کہ اس سلسلہ میں اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ فرمائیں گے شاید ہم اس کتاب کی اگلی بحثوں میں آپ کے نظریہ سے استفادہ کریں[1]

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کاظمین، عراق

سید مرتضی عسکری

---

[1] سیف کی روایتوں کی چھان بین کے دوران معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض روایتوں کو سیف نے خود جعل کیا ہے اور دیگر راویوں سے نقل کیا ہے ہم نے ان تحقیقات کے نتائج کو کتاب عبداللہ بن سبا کے بعد والے طبع میں داخل کیا ہے اور ''رواۃ مختلقون'' نام کی کتاب زیر تالیف ہے

مطالعات کے نتائج

روایت جعل کرنے میں سیف کا مقصد

ہم نے سیف کی روایتوں کے بارے میں کافی حد تک مطالعہ وتحقیقات کا کام انجام دیا ہے مطالعات کی ابتداء میں ہم یہ تصور کرتے تھے کہ روایت جعل کرنے اور داستانیں گڑھنے میں اس کا صرف یہ مقصد تھا کہ طاقتور اور صاحب اقتدار اصحاب جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی اور نفوذ رکھتے تھے، کا دفاع کرے اور ان کے مخالفین کو ذلیل وحقیر کرے اور ان کی عظمت کو گھٹا کر پیش کرے، ہر چند وہ بلند ایمان اور بافضیلت ہی کیوں نہ ہوں، اس لئے اس نے تاریخ کے واقعات کو الٹ پلٹ کر کے رکھدیا ہے بہت سے افسانوں اور داستانوں کر گڑھ کر انھیں تاریخ اسلام میں شامل کیا ہے اس طرح نیک اور مخلص اصحاب کو ظالم اور تنگ نظر کی حیثیت سے معرفی کیا ہے اور ظالموں اور آلودہ دامن والوں کو پاک، دانا اور پرہیز گار کے طور پر پیش کیا ہے اور جعل وتحریف کی اس تلاش میں اسلام کے حقیقی چہرہ کو مسخ کر کے بدصورت دکھایا ہے اس منحوس اور خطرناک منصوبہ اور نقشہ میں اس کی کامیابی کا راز اس میں تھا کہ اس نے اپنے برے اور تخریب کارانہ مقصد کو تمام اصحاب کی تجلیل اور تعریف کے ساتھ ممزوج کر کے رسول خداؐ کے تمام اصحاب کی حمایت ودفاع کے پردے میں چھپایا ہے، اس کی یہ چالاکی اور مکر وفریب مسلسل ایک طولانی مدت تک دانشوروں کیلئے پوشیدہ رہا اور انہوں نے خیال کیا ہے کہ سیف حسن ظن اور للّٰہیت اور مقدس مقصد رکھتا ہے اور حدیث وافسانے گڑھ کر پیغمبر

اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب کا دفاع کرنا چاہتا ہے اور ان کے فضائل کی تشہیر کرنا چاہتا ہے اسی غلط تصور کے تحت تاریخ اور حدیث کے علماء نے ـــ اس کے باوجود کہ اسے جھوٹا اس کی روایتوں کو جعلی اور خود اس کو افواہ باز و زندیق کہتے تھے ـــ اس کی روایتوں کو تمام راویوں پر ترجیح دے کر انھیں مقدم قرار دیا ہے۔

اسی وجہ سے سیف کی جھوٹی روایتیں رائج ہو کر منتشر ہو گئیں اور اسلامی تاریخ اور مآخذ میں شامل ہو گئیں اور اس کے مقابلہ میں صحیح روایتیں فراموشی کی نذر ہو کر اپنی جگہ، سیف کی جھوٹی روایتوں کو دے بیٹھی ہیں اسلام اور اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے بہانے اسلام کیلئے یہ سب سے بڑا نقصان اور پیکر اسلام پر کاری ضرب تھی جو پہلے سیف کی طرف سے اور پھر اس کے اس جرم میں شریک تاریخ نویسوں کے ایک گروہ کی طرف سے پڑی ہے۔

چونکہ میں نے سیف کی کارکردگیوں کے اس سلسلہ کو اسلام و مسلمین کے بارے میں نقصان دہ اور انتہائی خطرناک پایا اس لئے میں نے تاریخ اسلام کا عمیق مطالعہ کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ پیغمبر اسلامؐ کے نیک اور مخلص اصحاب کا دفاع کروں جن کا حق تاریخ اسلام میں ضائع اور پایمال ہوا ہے۔

اور ان کی ذات کو سیف کی تہمتوں سے پاک کروں اور تاریخ میں گزرے ہوئے ہر واقعہ کو اپنی جگہ پر قرار دوں، خاص کر اپنے مطالعہ کو سیف کی روایتوں کے بارے میں جاری رکھوں اور اس کی تحریفات اور اس کے شریک جرم حامیوں کے تعصّبات کے ضخیم پردوں کے نیچے سے تاریخ کے فراموش شدہ حقائق کو نکال کر کماحقہ، صورت میں پیش کروں، میں نے اس تحقیقات اور مطالعات کے

خلاصہ کو ایک کتاب کی صورت دیدی اور ۱۳۷۵ھ میں اسے نجف اشرف میں ''عبداللہ بن سبا'' کے نام پر شائع کر دیا یہ تھے میرے مطالعات کے پہلے نتائج اور انکشافات۔

اس کے بعد میں نے سیف اور اس کی روایتوں کے بارے میں مطالعہ اور تحقیقات کو جاری رکھا میں نے اس سلسلہ میں عمیق تحقیقات اور بیشتر دقت سے کام لیا سب سے پہلے میرے لئے یہ مطلب منکشف اور عیاں ہوگیا کہ ان سب جعل، جھوٹ اور کذب بیانی کی تشہیر سے سیف کا صرف صاحب اقتدار اصحاب کا دفاع ہی مقصد نہ تھا بلکہ اس کے اور بھی مقاصد تھے جنہیں اس نے ظاہری طور پر تمام اصحاب کے دفاع کے پردے کے پیچھے چھپا رکھا ہے۔

حقیقت میں سیف کے احادیث جعل کرنے اور افسانہ سازی میں بنیادی اور اصلی محرک کے طور پر درج ذیل دو عوامل تھے:

ا۔ خاندانی تعصب

سیف اپنے خاندان ''عدنان'' کے بارے میں انتہائی متعصب تھا اور ہمیشہ اپنے خاندان کے افراد کی خواہش کے مطابق تعریف و تمجید کرتا ہے اور اپنے قبیلہ کے افراد کیلئے فضائل و مناقب جعل کر کے ان کی تشہیر کرتا ہے اور تاریخ کی کتابوں میں انھیں شامل کرتا ہے چونکہ ابوبکر، عمر، عثمان اور بنی امیہ کے تمام خلفاء اور ان کے زمانے کے حکام و فرمانروا سب قبیلۂ عدنان سے تعلق رکھتے تھے، اس طرح مہاجر اصحاب، قریش سے تھے اور قریش بھی قبیلۂ عدنان کا ایک خاندان تھا، سیف ان سب کا

خاندانی تعصب کی بناء پر کہ وہ اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے دفاع کرتا تھا چونکہ بزرگ صحابی اور طاقتور لوگ اس کے قبیلۂ کے افراد تھے اسلئے یہ شبہہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ بزرگ اصحاب کا دفاع کرتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ اپنے قبیلہ کے بزرگوں یعنی خاندان عدنان کے افراد کا دفاع کرتا تھا اس طرح ایسے خاندانی تعصب کی بناء پر قبیلۂ قحطان کے افراد جو فخر و مباحات کے لحاظ سے قبیلۂ عدنان کے ہم پلہ اور برابر تھے اس وقت کے حاکموں اور صاحبانِ اقتدار سے ۔۔۔ جو سب قبیلۂ قریش اور عدناں سے تھے ۔۔۔ اچھے تعلقات نہیں رکھتے تھے[۱] شدید ملامت کرتا تھا اور ان پر ناروا تہمتیں لگاتا تھا۔

چونکہ انصار قبیلۂ قحطاں کا ایک خاندان تھا اس لئے سیف نے ان کی ملامت اور مذمت کرنے میں حد کردی ہے اور انکی مذمت اور تنقید میں داستانیں گڑھ لی ہیں اور بہت سی روایتیں جعل کی ہیں۔

۲۔ کفر و زندقہ

سیف کا اسلام میں جعل و تحریف کرنے کا دوسرا عامل اس کا کفر اور زندقہ تھا سیف اسی کفر و زندقہ اور دل میں اسلام سے عداوت رکھنے کی وجہ سے چاہتا تھا کہ تاریخ اسلام کو الٹ پلٹ کر اسلام کے چہرہ کو بدنما اور نفرت انگیز صورت میں پیش کرے۔

یہی مقصد اور محرک تھا جس کی وجہ سے اس نے ایک طرف سے حدیث کے راویوں اور پیغمبرؐ

۱۔ خلفاء میں حضرت علیؑ کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کے مخالفین قریش و عدنان سے تھے اور ان کے دوست قحطانی تھے اس لئے سیف حضرت علی علیہ السلام کے فضائل بیان کرنے میں بخل کرتا تھا لیکن امام اور ان کے طرفدارو (جو قحطانی تھے) کے بارے میں جھوٹ اور تہمتیں پھیلانے میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا تھا۔

کے اصحاب اور حوادث کے سورماؤں کے ناموں میں تبدیلی کی اور بہت سی روایتوں اور حوادث میں تحریف کر کے ان کے رونما ہونے کی تاریخ کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا ہے اور دوسری طرف سے مفصل روایتیں اور داستانیں جعل کر کے تاریخ اسلام میں شامل کی ہیں اور توہمات پر مشتمل افسانے جعل کر کے مسلمانوں کے اعتقادات کو خرافات اور بیہودگیوں سے بھر دیا ہے۔

سیف نے اس فاسد اور مخرب مقصد تک پہنچنے کیلئے ہر قسم کے جھوٹ، افواہ بازی اور تحریف سے فروگذاشت نہیں کیا ہے لیکن ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ اس نے زبردست کوشش کی ہے کہ جھوٹی جنگوں اور فتوحات کو نقل کر کے اسلام کو سنگ دل اور اسلام کے سپاہیوں کو خونخوار اور لٹیرے کی حیثیت سے متعارف کرائے اور اس طرح ظاہر کرے کہ اسلامی جنگیں قتل و غارت لوٹ کھسوٹ، ظلم و جور زبردستی اور بربریت پر مبنی تھیں اسی لئے کچھ لوگوں نے یہ تصور کیا ہے کہ اسلام تلوار اور خونریزی کے نتیجہ میں پھیلا ہے اور اس دین نے دنیا میں اس وجہ سے ایک جگہ بنائی ہے۔

سیف کی جھوٹی داستانوں کی وجہ سے ہے کہ کہتے ہیں ''اسلام زور و زبردستی اور تلوار کا دین ہے''

یہ تھا میرے مطالعات کو جاری رکھنے کے نتائج اور ثمرات کا خلاصہ، چونکہ بعد والے مطالعات میں عمیق تر نتائج تک پہنچا ہوں اور ان نکات کی طرف متوجہ ہوا ہوں، اس لئے کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کے تیسرے ایڈیشن میں ــ جو بیروت میں انجام پایا ــ اس کی طرف اشارہ کیا ہے اسی طرح دوسری بحثوں کے ضمن میں جو کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' کے نام سے منتشر ہوئی ہے اس

میں اس مطلب کی طرف اشارہ کر چکا ہوں بعد میں سیف کے بارے میں حاصل کئے گئے ان ہی مباحث اور تاریخی نکات کو، جو تاریخ اسلام کے سیاہ زاویوں کو واضح اور روشن کرتے تھے، ایک جگہ جمع کر کے موجودہ کتاب کی صورت میں آمادہ کیا اور اسے کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کی دوسری جلد قرار دیا، اس کے اختتام پر ''عبداللہ بن سبا''، ''سبئیہ'' اور ''ابن السوداء'' کے بارے میں مفصل اور دقیق بحث ہوئی ہے کیونکہ یہ موضوع بھی ان مطالب میں سے ہے کہ سیف نے ان میں بہت زیادہ اور واضح تحریفات اور تغیرات انجام دی ہیں اور مؤرخین نے بھی سیف کی ان ہی کذب بیانیوں اور جعلیات کو نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور تاریخ کی کتابوں سے بھی یکے بعد دیگرے نقل ہوتے ہوئے یہ جعلیات تاریخ اسلام میں بنیادی اصول کی صورت میں پیش ہوئے ہیں ان نقل و انتقال اور فعل وانفعال کے ضمن میں دوسری تبدیلیاں بھی وجود میں آئی ہیں اور ان پر کچھ اور مطالب کا اضافہ کیا گیا ہے اس کے بعد ''ملل ونحل'' کے علماء عقیدہ شناسوں اور دوسرے مؤلفین نے جو کچھ سالہا سال تک ان افسانوی سورماؤں کے بارے میں لوگوں کی زبانوں پر جاری تھا، اسے نقل کر کے کسی تحقیق اور چھان بین کے بغیر اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور اس طرح یہ تحولات اور تبدیلیاں اور ان کی پیدائش کے طریقے اور ان روایتوں اور داستانوں کے حقائق محققین سے بھی پوشیدہ ہیں۔

اس جانچ پڑتال کا مقصد

ان مباحث کے سلسلہ کوشروع کرنے میں ہمارا مقصدان لوگوں کیلئے تحقیق کی راہ کھولنا ہے جو تاریخ اسلام کے بارے میں بحث وتحقیق کر کے تاریخی حقائق تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

ہمارا مقصدان تاریکیوں اور رکاوٹوں کو دور کرنا ہے جو احادیث جعل کرنے اور دروغ سازی کی وجہ سے تحقیق اور اسلام کے حقائق تک پہنچنے کی راہ میں پیدا کی گئی ہیں تا کہ شاید ہمارا یہ اقدام اسلامی دانشوروں اور محققین کو اس قسم کے مباحث کی ضرورت کی طرف متوجہ کر کے اور انھیں سیرت اور تاریخ اسلام میں بحث وتحقیق کرنے کی ترغیب دے اور وہ اپنی عمیق تحقیقات کے نتیجہ میں حقائق اسلام کو پہچاننے کیلئے دقیق معیار اور تازہ قوانین پیدا کرسکیں اور انھیں عام لوگوں کے اختیار میں دیدیں اور اس کام میں مشعل راہ کی حیثیت اختیار کریں۔

یہ ہمارا ان مباحث کے سلسلہ اور حدیث اور تاریخ کی تحقیق کا مقصد ہے۔

خداوند عالم ہمارے مقصد سے باخبر اور ہمارے دلوں کے راز سے آگاہ ہے

یہ کتاب

جو کچھ ان مباحث کے سلسلے میں اور تاریخ اسلام کے دروس کے بارے میں کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کی اس جلد میں درج کیا گیا ہے وہ درج ذیل حصوں میں خلاصہ ہوتا ہے:

۱۔ سیف بن عمر کے جھوٹے افسانوں پر مشتمل حصہ، جس میں اس نے اسلام کو تلوار اور خون کا

دین دکھایا ہے۔

۲۔توہمات پر مشتمل افسانوں کا حصہ، جس میں سیف نے اسلام کو ایک خرافی مذہب کے طور پر اور مسلمانوں کو توہمات پر اعتقاد رکھنے والوں کی حیثیت سے تعارف کرایا ہے۔

۳۔تبدیلیوں اور تغیرات کا حصہ، جس میں سیف نے اسلام کے تاریخی واقعات کو پہچاننے میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے ان میں الٹ پلٹ کی ہے۔

۴۔''عبداللہ بن سبا'' کے بارے میں سیف کی جھوٹی روایتوں کا حصہ، کہ اس نے اہل بیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرفدار قبیلۂ قحطان کی مذمت اور ملامت کیلئے روایتیں جعل کی ہیں۔

سیف کی روایتوں میں بحث کرنے کا محرک

اختلاق فی اختلاق

سیف کی تمام روایتیں جھوٹ کا پولندہ ہیں۔

مؤلف

اسلام کے مخالفوں اور دشمنوں میں یہ افواہ پھیلی ہے کہ اسلام تلوار اور خونریزی سے دنیا میں پھیلا ہے، یہاں تک اس مطلب کو ایک نعرہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور لوگوں کی زبان پر جاری کیا گیا ہے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک حربہ کی حیثیت سے استعمال کرتے اور کہتے ہیں: ''اسلام تلوار اور خون کا دین ہے'' جب ہم تاریخ کی کتابوں کا دقت سے مطالعہ کرتے ہیں، سیرت اور احادیث کی تحقیق کرتے ہیں تو ہم سیف کی روایتوں کے علاوہ کہیں بھی ان بے بنیاد باتوں کے بارے میں کوئی دلیل و مآخذ نہیں پاتے، کیونکہ یہ صرف سیف ہے جس نے اسلامی جنگوں اور غزوات میں بے حد خون خرابہ، قتل عام، انسان کشی، شہروں کی بربادی اور ویرانیاں نقل کی ہیں کہ ان کی مثال مغل اور تاتاریوں کی بربریت بھری اور وحشتناک جنگوں کے علاوہ کہیں نہیں ملتی، اور سیف کی یہی جھوٹی روایتیں اس غلط طرز تفکر کے لئے مآخذ بن گئیں۔

ہم نے ذیل میں پہلے اپنے دعویٰ کیلئے دو شاہد پیش کئے ہیں اس کے بعد سیف کی مذکورہ روایتوں کی بحث و تحقیق کی ہے:

۱۔ میں نے کتاب خانہ ''آثار بغداد'' میں تاریخ طبری کا ایک نسخہ دیکھا جو پہلے مسیحی پادری ''اب انستانس ماری کرملی'' کی ملکیت تھی اس نسخہ میں اسلامی فتوحات وجنگوں میں نقل شدہ قتل عام کی بڑی تعداد پر نشان لگے ہوئے تھے، جب میں نے باریک بینی سے اس پر غور کیا تو یہ تمام موارد ایسی روایتوں میں ملے جنہیں سیف نے نقل کیا ہے۔

۲۔ اسلام شناس مستشرق ''اجناس گلڈ زیہر'' اپنی کتاب کے صفحہ ۴۲ پر لکھتا ہے:

''اپنے سامنے وسیع سرزمینوں کا مشاہد کررہا ہوں کہ عربی ممالک کے حدود سے وسیع تر ہیں، یہ سب سرزمینیں تلوار کے ذریعہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی ہیں''

اس قسم کے فیصلے سیف کی روایتوں کے نتیجہ میں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کیلئے باقی رہا ہے، لیکن ہم سیف کے علاوہ دوسروں سے نقل شدہ روایتوں میں اس کے برعکس پاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے کسی پر تلوار نہیں کھینچی ہے جب تک کہ ان پر کسی نے پہلے تلوار نہ کھینچی ہو، یا انہوں نے ان حکام وفرمانرواؤں پر تلوار اٹھائی ہے جو تلوار اور خونریزی کے ذریعہ لوگوں پر مسلط ہوئے تھے اور اکثر اوقات خود لوگوں نے ایسے ظالم اور خودسر حکمرانوں کے تختہ الٹنے میں مسلمانوں کا تعاون کیا ہے۔ چنانچہ:

یرموک کی جنگ میں مسلمان شام میں رومیوں سے لڑنے میں مصروف تھے کہ حمص کے باشندوں نے مسلمانوں کی مدد کی اس کی روداد ''فتوح البلدان'' میں درج ہے۔

چھٹا حصہ:

- آئندہ مباحث کا پس منظر
- جنگ ابرق کی روایتیں
- ذی القصہ کی داستان
- قبیلۂ طی کے ارتداد کی داستان
- ام زمل کے ارتداد کی داستان
- عمان اور مہرہ کے باشندوں کے ارتداد کی داستان
- اہل یمن اور اخابث کا ارتداد
- سلاسل کی جنگ
- حیرہ میں خالد کی فتوحات
- فتح حیرہ کے بعد والے حوادث
- سیف کی روایتوں کا دوسروں کی روایتوں سے موازنہ
- گزشتہ مباحث کا خلاصہ اور نتیجہ
- اس حصہ سے مربوط مطالب کے مآخذ

آئندہ مباحث کا پس منظر

جب ہم سیف کی روایتوں کی تحقیق کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس نے تاریخ اسلام میں بڑی تعداد میں مرتدین کی جنگیں، کشور کشائیاں اور فتوحات نقل کی ہیں، اور ان روایتوں میں ایسا منعکس کیا ہے کہ مسلمانوں نے ان جنگوں اور فتوحات میں اپنے مخالفین کا قتل عام کر کے بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے ان کے گھروں کو مسمار کر کے تباہ و برباد کر دیا ہے اور ان کے باغات اور کھیتوں کو بنجر زمینوں میں تبدیل کر کے ویران کر دیا ہے۔

جبکہ حقیقت میں اس قسم کی جنگیں اسلام میں واقع ہی نہیں ہوئی ہیں اور ایسے حوادث وجود ہی میں نہیں آئے ہیں اسلام کی صحیح تاریخ ان تمام چیزوں کو مسترد کرتی ہے سیف نے جو کچھ ان جنگوں اور فتوحات کے بارے میں نقل کیا ہے، سپاہیوں کیلئے جن سپہ سالاروں کو خلق کیا ہے اور جنگی اشعار و رجز خوانیاں، مقتولین، خرابیوں اور ویرانیوں کے بارے میں جو باتیں کہیں ہیں وہ سب کی سب بے بنیاد اور جعلی ہیں اور صرف سیف کے خیالات کا نتیجہ ہے جن وحشتناک داستانوں کو سیف نے مرتدین کی جنگوں یا فتوحات اسلام کے نام سے نقل کیا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی واقع نہیں ہوئی ہے اور نہ ان کی کوئی حقیقت ہے۔

اب ہم خدا کی مدد سے ان جنگوں اور فتوحات کے چند نمونوں کا یہاں پر ذکر کر کے ان میں سے ہر ایک پر جدا گانہ فصل میں مستقل طور سے بحث و تحقیق کریں گے تا کہ شائد اس طرح سے

محققین کیلئے حقیقتیں واضح اور منکشف ہوجائیں اور تاریخ اسلام کو پہچاننے اور اس کے تجزیہ و تحلیل کے جدید قوانین بھی حاصل ہوجائیں گے ضمناً مذکورہ اعتراضات کی بنیاد اور ان کے جواب بھی واضح ہوجائیں گے۔

جنگ ابرق کی روایتیں

هكذا انتشرت روايات سيف في المصادر

سیف کی جھوٹی روایتیں اس طرح تاریخ کی کتابوں میں آ گئی ہیں۔

مؤلف

دروغ بافی کی زمینہ سازی

سیف نے ''اسلام کو خون وشمشیر کا دین دکھانے کیلئے'' اور اپنے دوسرے فاسد مقاصد کی وجہ سے جن روایتوں کو جعل کیا ہے وہ دو قسم کی ہیں، ان میں سے بعض مرتدین کی جنگوں کے عنوان سے ہیں اور بعض فتوحات اسلامی کے نام سے ہیں۔

چونکہ سیف مرتدین کی جنگوں کے بارے میں بعض روایتیں جعل کرنا چاہتا تھا اور عجیب و غریب اور وحشتناک روداوں کو اس سلسلے میں نقل کرنا چاہتا تھا، اسلئے اس کیلئے پہلے سے ہی چند چھوٹی روایتوں کو جعل کر کے راہ ہموار کرتا ہے، طبری نے ان روایتوں کو اپنی تاریخ میں مرتدین سے مربوط روایتوں کے آغاز میں نقل کیا ہے۔

سیف ان روایتوں میں یوں کہتا ہے:

''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت اور جنگ موتہ کے لئے اسامہ کے لشکر کے روم کی طرف روانہ ہونے کے بعد، حجاز میں کفر والحاد کا رجحان پیدا ہوا،

فتنہ و بغاوت کے شعلوں نے حجاز کو ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مدینہ کے اطراف میں قبیلۂ قریش اور ثقیف کے علاوہ موجودہ تمام قبائل اور خاندان کے عام و خاص سب کے سب مرتد ہو گئے اور دین اسلام سے منحرف ہو گئے''

اس کے بعد سیف نے قبیلۂ غطفان کے مرتدین، قبیلۂ ہوازن کے زکات ادا کرنے سے انکار اور قبیلۂ طی اور ''اسد'' کے عام افراد کا ''طلیحہ'' کے گرد جمع ہونے اور اس طرح قبیلۂ ''سلیم'' کے سرداروں کے مرتد ہونے کا ذکر کیا ہے اس کے بعد کہتا ہے: اسی طرح اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں تمام مسلمان گروہ گروہ کفر کی طرف مائل ہو گئے اور اسلامی حکومت کے گورنروں اور فرمانرواؤں کی طرف سے مدینہ میں خطوط پہنچے اور ان میں بھی قبیلہ کے سرداروں یا قبائل کے تمام افراد کی طرف سے پیمان شکنی دیکھی گئی۔

سیف قبائل اور ان کے سرداروں کی طرف سے ارتداد اور اسلام سے روا گردانی کو نقل کرنے کے بعد دوسری روایوں میں ابوبکر کے ان مرتد افراد سے جنگ کرنے کا ذکر کرتا ہے بقول سیف یہ جنگ اسامہ کے واپس آنے سے پہلے واقع ہوئی ہے[1] اب ہم اس جنگ کے چند نمونوں پر اس فصل میں بحث و تحقیق کرتے ہیں.

طی قحطان کا ایک قبیلہ ہے اور حاتم طائی مشہور اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بیٹے عدی

۱۔ ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں جنگ اسامہ جو شام کے اطراف میں واقع ہوئی ہے کو نقل کیا ہے کہ ثقیف اور غطفان اور ہوازن قبیلے ہیں کہ ان کا نسب قیس بن عدی تک پہنچتا ہے ''اسد'' عرب میں چند قبیلوں کا نام ہے اور سیف کا مقصد یہاں پر اسد بن خزیمہ ہے جو کہ قبیلہ مضر سے تھا اور طلیحہ کہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا وہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا

کا نام بھی مرتدوں کی جنگوں میں آیا ہے۔

''بنوسلیم'' عربوں کے کئی قبیلوں کا کہا جاتا ہے کہ ''بنوسلیم بن فہم'' ان میں سے ایک ہے اور وہ قحطان کا ایک طائفہ ہے ان ہی میں سے ''بنوسلیم بن حلوان'' ہے کہ جو قبیلۂ قضاعہ سے تعلق رکھتا ہے ان قبائل کی تشریح کے بارے میں ابن حزم کی ''جمہرۃ انساب العرب، اور ابن اثیر کی ''لباب'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

جنگِ ابرق کی داستان

طبری کی سیف سے اور سہل بن یوسف سے نقل کی گئی روایتوں میں یوں آیا ہے کہ ''ثعلبہ بن سعد'' کے مختلف قبائل اور دوسرے قبائل جو ان کے ہم پیمان تھے، جیسے ''مرۃ'' اور ''عبس''، سرزمین ''ربذہ'' میں ''ابرق'' نامی ایک جگہ پر جمع ہوئے اور بنی کنانہ کا ایک گروہ بھی ان سے ملحق ہوا، اس طرح ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اس سرزمین میں ان کیلئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی، اس لئے وہ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے ایک گروہ اس سرزمین ''ابرق'' میں رہا اور دوسرا گروہ ''ذی القصہ'' نامی دوسری جگہ کی طرف روانہ ہوا ''طلیحہ اسدی'' جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا اس نے اپنے بھائی ''حبال'' کی قیادت میں ان کیلئے مدد اور فوج بھیجی ''حبال'' کی سپاہ میں قبائل ''دئل''، ''لیث'' اور ''مدلج'' بھی شامل تھے ''فلان بن سنان'' کا بیٹا ''عوف'' بھی ابرق میں قبیلۂ ''مرہ'' کی قیادت کر رہا تھا، قبیلۂ ''ثعلبہ'' اور ''عبس'' کی قیادت ''بنی سبیع'' قبیلہ کے حارث بن فلان'' کے ذمہ تھی۔

اس طرح ان کی تعداد حد سے زیادہ بڑھ گئی اس کے بعد ان قبیلوں نے بعض افراد کو اپنے نمائندوں کی حیثیت سے مدینہ بھیجا، نمائندوں نے مدینہ کی طرف روانہ ہوکر مدینہ میں معروف شخصیتوں سے ملاقات کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس کے علاوہ اپنے میز بانوں کو مجبور کیا تا کہ ابوبکر کے پاس جا کر بیچ بچاؤ کریں کہ یہ افراد اور قبائل نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰت ادا کرنے سے مستثنیٰ قرار پائیں گے، ابوبکر نے ان کے جواب میں کہا: خدا کی قسم اگر یہ قبائل زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک اونٹ کے بندِ پا کے برابر بھی انکار کریں تو، میں ان سے جنگ کروں گا۔

سیف نے ایک دوسری روایت میں (جسے طبری نے مذکورہ روایتوں سے پہلے نقل کیا ہے) قبیلۂ ''عیینہ'' اور ''غطفان'' کے ارتداد اور قبیلۂ ''طی'' سے مرتد شدہ لوگوں کی داستان ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: قبیلۂ ''اسد''، ''غطفان''، ''ھوازن'' اور ''قضاعہ'' کے نمائندے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دس دن بعد مدینہ میں جمع ہوئے اور ابوبکر سے درخواست کی کہ وہ نماز تو پڑھیں گے لیکن زکات ان سے معاف کی جائے ، انہوں نے اپنی تجویز کو مسلمانوں کی بزرگ شخصیتوں کی ذریعہ ابوبکر تک پہنچادی، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس کے علاوہ تمام بزرگوں نے ان کی اس تجویز کی تائید کر کے ابوبکر کے پاس جا کر ان قبائل کی تجویز ان تک پہنچادی۔ابوبکر نے ان کی تجویز کو منظور کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ اس میں اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ زکوٰت کو اسی صورت میں ادا کریں جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں ادا کرتے تھے۔قبائل کے نمائندوں نے ابوبکر کا حکم ماننے سے انکار کیا اور ابوبکر نے بھی انھیں ایک دن اور ایک رات کی مہلت دی تو ان

نمائندوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے قبائل کی طرف لوٹ آئے۔

مرتد گروہوں کے نمائندے جب مدینہ سے واپس آئے تو انہوں نے مسلمانوں کی کمزوری اور ان کی کمی کے بارے میں اپنے قبائل کے افراد کو مطلع کیا اور انھیں مسلمانوں سے جنگ کرنے پر اکسایا، اور انھیں اسلامی مرکز پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا۔

جب ابوبکر کو روداد کی خبر ملی، علیؑ، طلحہ، زبیر اور ابن مسعود کو مدینہ کی گزرگاہوں کی ماموریت دیدی تا کہ باغیوں کے اچانک حملہ کو روکیں اور مدینہ کے لوگوں کو بھی حکم دیا کہ نماز جماعت کے وقت سب، مسجد النبیؐ میں جمع ہو جائیں اور ان سے کہا:

مدینہ کے لوگو! آپ کے شہر کے اطراف میں موجود قبائل کفر وارتداد کی طرف چلے گئے ہیں ان کے نمائندوں نے تمہاری کمزوری اور تعداد کی کمی کا نزدیک سے مشاہدہ کیا ہے، انہوں نے جرأت پیدا کی ہے اور تمہاری طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور ایک دن پیدل چلنے کے بعد تمہارے نزدیک پہنچ جائیں گے معلوم نہیں ہے کہ وہ دن میں شہر پر حملہ کریں گے یا رات میں۔ لہذا تم لوگوں کو بھی جنگ کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

اس واقعہ کو ابھی تین دن نہ گزرے تھے کہ مرتدین کے ایک بڑے لشکر نے رات میں مدینہ پر دھاوا بول دیا انہوں نے ذخیرہ فوج کے عنوان سے ایک گروہ کو سرزمین ''ذی حسی'' میں لشکر کی پشت پناہی کیلئے رکھا اور ایک گروہ نے مدینہ پر حملہ کیا، جب یہ حملہ آور مدینہ کی گزرگاہوں کے نزدیک پہنچے تو ابوبکر کے مقرر کردہ جنگجوؤں سے روبرو ہوئے اور انھیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکا گیا۔ موضوع

کوابوبکر تک پہنچایا گیا۔

اس نے گزرگاہ کے محافظوں کوحکم دیا کہ اپنی مأموریت کی جگہ پر ڈٹ کر مقابلہ کریں اور امدادی فوج کے پہنچے تک استقامت دکھائیں، اس کے بعد ابوبکر نے مسجد میں موجودان ہی افراد کے ہمراہ آب کش[1] اونٹوں پر سوار ہوکر دشمن کی طرف دوڑ پڑے اوران کا ''ذی حسیٰ'' تک تعاقب کیا، لیکن ''ذی حسیٰ'' کی جگہ پر پہنچنے کے بعد وہاں پر موجود دشمن کی امدادی فوج نے اپنے شکست خوردہ سپاہیوں کی مدد کی، انہوں نے اپنی خاص مشکوں کوجن کی رسیاں ان کے اندر ڈال دی گئی تھیں اوراس سے ایک مہیب اور ہولناک آواز پیدا ہوگئی تھی مسلمانوں کے اونٹوں پر پھینک دیا، اونٹ خوف سے رم کر کے بھاگ کھڑے ہوگئے ،مسلمان جو اونٹوں پر سوار تھے، انھیں کنٹرول نہ کر سکے اس لئے بے اختیار انہیں اونٹوں کے پیچھے دوڑتے ہوئے مدینہ لوٹے البتہ انھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔

سیف کہتا ہے: ''خطیل بن اوس'' نے بھی اس حادثہ کے بارے میں اس مضمون کے چند اشعار کہے ہیں:

''میرا اونٹ اور سفر کا بوجھ بنی ذبیان پر اس شب کی یاد میں قربان ہو جائے جب ابوبکر نے دشمن کے افراد کو نیزوں سے پیچھے ڈھکیل دیا تھا[2]

۱۔سیف کہنا چاہتا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے پاس سواری کے اونٹ اور گھوڑے نہ تھے لہذا آب کش اونٹوں پر سوار ہوکر مرتدوں سے جنگ کرنے کیلئے گئے۔

۲۔فدی لبنی ذبیان رحلی وناقتی عشیة یحدی بالرماح ابو بکر

سیف کہتا ہے: یہ حادثہ اس امر کا سبب بنا کہ دشمنوں نے مسلمانوں میں کمزور اور سستی کا بیشتر اندازہ کیا اور اس حادثہ کی خبر ان فوجیوں کو دیدی جو ''ذی القصہ'' میں موجود تھے، اور وہ بھی مسلمانوں سے لڑنے کیلئے ''ذی القصہ'' سے ''ابرق'' کی طرف روانہ ہوئے، لیکن ابوبکر نے اس رات آرام نہیں کیا یہاں تک کہ ایک لیس لشکر کو تشکیل دیدیا، ''نعمان بن مقرن'' کو اس لشکر کے میمنہ پر اور ''عبداللہ بن مقرن'' کو اس کے میسرہ پر مقرر کیا ''سوید بن مقرن'' کو جس کے ساتھ اونٹ سوار بھی تھے، لشکر کے قلب میں قرار دیا اور اس طرح اپنے لشکر کو مکمل طور پر آمادہ اور لیس کیا، پو پھٹنے سے پہلے ہی ابوبکر کا لشکر دشمن کی فوج کے مدمقابل قرار پایا، اس سے پہلے کہ مرتدوں کی فوج مسلمان لشکر کے آنے کے بارے میں خبردار ہوجائے مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا آغاز ہوا۔ سورج چڑھتے ہی دشمن کی فوج شکست و ہزیمت سے دوچار ہوئی اور مسلمان مدینہ کے اطراف میں موجود ان قبائل پر جو دین سے منحرف ہوگئے تھے کامیاب ہوئے ''طلیحہ'' کا بھائی حبال بھی اس جنگ میں قتل کیا گیا۔

ابوبکر کے لشکر نے ان کا ''ذی القصہ'' تک تعاقب کیا اور یہ سب سے پہلی فتح تھی جو ابوبکر کو نصیب ہوئی۔

ابوبکر نے اس فتحیابی کے بعد ''نعمان بن مقرن'' کو سپاہیوں کے گروہ کی سرکردگی میں ''ذی القصہ'' میں ماموریت دی اور خود اپنے سپاہیوں کے ہمراہ مدینہ لوٹ آئے، اس فتحیابی کا نتیجہ تھا کہ مشرکین مسلمانوں سے مرعوب ہوئے۔

ابوبکر کے واپس چلے جانے کے بعد قبیلۂ ''بنی عبس'' اور ''ذبیان'' کے بعض افراد نے اپنے

درمیان موجود مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی اوران سب کوقتل کرڈالا اور باقی قبائل نے بھی ان کی اس روش کی پیروی کی اوران کے درمیان موجود مسلمانوں کے سرقلم کئے۔

جب اس حادثہ کی خبرابوبکر کوملی ،توانھوں نے غضبناک ہوکرقسم کھائی کہ تمام مشرکوں کے سرقلم کرکے رکھدیں اور ہرقبیلہ کے توسط سے جتنے مسلمان قتل کئے گئے تھے ان سے زیادہ لوگوں کوقتل کر ڈالیں ،اس سلسلہ میں زیاد بن حنظلہ نے چند اشعار کہے ہیں جن کا مضمون حسب ذیل ہے:

''صبح سویرے ابوبکر بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھے، گویا کہ ایک موٹا اونٹ اپنے دشمن پرحملہ آور تھا،علیؑ کوسواروں کا سردارقرار دیا، یہاں پرطلیحہ کا بھائی حبال قتل کیا گیا''

سیف کی روایتوں میں اس سلسلہ میں حنظلہ سے بھی چند اشعار نقل ہوئے ہیں:

''ابوبکر نے اپنے قول اور فیصلہ کے مطابق قدم بڑھایا، اور یہی آہنی ارادہ مسلمانوں کی استقامت اورثبات کا سبب بنا،اس عمل نے مشرکین کے درمیان شدید ردعمل پیدا کیا،اوران کے دل میں ایک زبردست وحشت پیدا کردی۔

سیف مرتدین کی جنگ کواس طرح نقل کرتا ہے یہاں تک کہ مسلمانوں کے بعض افراد جو مدینہ کی گزرگاہوں اوراطفال کی حفاظت پرمأمور تھے''ذی القصر'' پہنچ گئے اورابوبکر سے کہا:اے خلیفہ رسولؐ ! خدا کے واسطے اپنے آپ کو دشمن کے مقابلے میں قرار دیکر خودکو ہلاکت کی نذر نہ کریں، کیونکہ آپ کا وجود مسلمانوں کیلئے انتہائی اہم اورضروری ہے اوردشمنوں پر بھاری اورمؤثر ہے

اور اگر آپ ہلاک ہو گئے تو مسلمانوں کا نظم درہم برہم ہو جائے گا اور یہ سماجی شیرازہ بکھر جائے گا اور دشمن ہم پر مسلط ہو جائے گا لہذا اپنی جگہ پر کسی اور کو معین کر دیں تا کہ اگر وہ مارا گیا تو اس کی جگہ پر دوسرے کو معین کیا جا سکے۔

ابوبکر نے کہا: خدا کی قسم میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا بلکہ اپنی جان کی قربانی دے کر تم مسلمانوں کی مدد و یاری کروں گا۔

یہ کہہ کر اپنے لشکر کے ہمراہ ''ذی حسی'' اور ''ذی القصہ'' کی طرف روانہ ہو گئے اور ''ابرق'' کے مقام پر ''ربذہ'' کے لوگوں سے روبرو ہوئے اور ان کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی، اس جنگ میں ابوبکر نے ''حارث'' اور ''عوف'' پر فتح پائی، اور ''حطیئہ'' کو گرفتار کر لیا، قبیلۂ ''بنو عبس'' اور ''بنو بکر'' بھاگ گئے، ابوبکر نے چند دن سرزمین ''ابرق'' پر قیام کیا اور ان چند دنوں کے دوران بھی ''بنی ذبیان'' سے جنگ کی اور انھیں شکست دی اور ان کے شہروں اور آبادیوں کو اپنے تصرف میں لے لیا اور انھیں وہاں سے نکال کر باہر کیا اور کہا:

اس کے بعد کہ خداوند عالم نے ہمیں ان شہروں کو عطا کیا ہے ''بنی ذبیان'' کا شہروں پر تصرف حرام اور ممنوع ہے اس کے بعد ابرق کے بیابانوں کو مسلمانوں کے جنگی گھوڑوں کیلئے مخصوص کیا اور دوسرے تمام حیوانوں کیلئے ربذہ کے دوسرے حصوں کو چراگاہ کے عنوان سے اعلان کیا۔

یہ تھا افسانوی اور جھوٹی جنگ ابرق کا خلاصہ جو سیف کے بقول سرزمین ''ربذہ'' میں ''ابرق'' نامی جگہ پر واقع ہوئی ہے اسی لئے اس کو جنگ ''ابرق'' کہتے ہیں اس کے کہنے کے مطابق زیاد بن

حنظلہ نے بھی اس جنگ کی داستان کو شعر کی صورت میں پیش کیا ہے اور اس میں اس جنگ کا نام ''ابرق
'' رکھا ہے وہاں پر کہتا ہے:

جس دن ہم نے ابارق میں شرکت کی۔

جنگ ابرق کے افسانہ کی پیدائش اور اس کا تاریخی کتابوں میں درج ہونا

یہاں تک ہم نے جنگِ ابرق اور اس سے مربوط حوادث کی داستان کے بارے میں ایک خلاصہ پیش کیا جسے طبری نے سیف سے نقل کیا ہے جبکہ ان حوادث اور رودادوں میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے بلکہ یہ سب سراپا جھوٹ اور بے بنیاد ہیں۔

مثلاً سیف کہتا ہے ''حبال، جنگ ''ابرق'' میں قتل ہوا جبکہ وہ ''جنگِ بزاخہ'' میں خالد کی طرف سے پیش قدم کے طور پر بھیجے جانے کی صورت میں ''عکاشہ'' اور ''ثابت'' کے ہاتھوں قتل ہوا ہے اس روداد کی تفصیل آپ مرتدین کی داستان میں جو سیف کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی گئی ہے مطالعہ کریں گے کہ یہ بے بنیاد داستان جنگ ''ابرق ربذہ'' کے نام سے گزشتہ بارہ صدیوں کے دوران تاریخ کی کتابوں میں منتشر اور نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔

سیف نے اس داستان کو دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جعل کیا ہے اور طبری نے بھی اپنی تاریخ میں اسے نقل کیا ہے اور بعد والے مؤرخین جیسے: ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون نے طبری سے

نقل کر کے اپنی کتابوں میں ثبت کیا ہے۔

اس طرح یاقوت حموی نے ''ابرق ربذہ'' کی تشریح کو سیف سے نقل کر کے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں درج کیا ہے اور ''مراصدا الاطلاع'' کے مؤلف نے اسے حموی سے نقل کیا ہے اس طرح ابرق ربذہ کی داستان ابتدائی متون اور تاریخ کی نام نہاد معتبر کتابوں میں درج ہوئی ہے اور آج تک مسلمانوں میں نقل اور منتشر ہوتی چلی آ رہی ہے اور اس طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا جا رہا ہے ہم خدا کی مدد اور فضل سے آنے والی فصل میں ''ذی القصہ'' کی داستان کے ذیل میں اس داستان کی تحلیل نیز تحقیق کریں گے اور اس کے جعلی اور بے بنیاد ہونے کو واضح کر دیں گے۔

ذی القصہ کی داستان

کلما اوردناہ خلاصة ما رواہ الطبری

جن تمام جھوٹے افسانوں کا ہم یہاں ذکر کریں گے وہ تاریخ طبری میں سیف کی روایتوں کا ایک خلاصہ ہے

مؤلف

ایک دوسری داستان جو گزشتہ داستان سے مربوط اور مرتدین کی داستان کا بقیہ ہے وہ ''ذی القصہ'' کی داستان ہے کہ طبری نے سیف سے اور اس نے سہل بن یوسف سے نقل کیا ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ سیف کہتا ہے:

اسامہ فتح پا کر شام سے واپس آیا[1] اور زکوۃ کے عنوان سے کافی مال وثروت مدینہ لے آیا، یہ مال اتنا تھا کہ اس سے متعدد اور بڑے لشکروں کیلئے ساز وسامان اور دیگر ضروریات پورے کئے جاسکتے تھے، جب، ابوبکر نے یہ حالت دیکھی تو اس نے سرزمین ''ذی القصہ'' کی طرف کوچ کیا اور وہاں پر مسلمانوں کے بڑے اور کافی تعداد میں لشکر تشکیل دئے اور انھیں آراستہ کیا اور انھیں گیارہ لشکروں میں

۱۔ سیف کا مقصد اسامہ کا جنگ تبوک سے لوٹنا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے دوران اسے لشکر کا سردار مقرر فرمایا تھا ابوبکر ،عمر اور دوسرے مہاجرین کو اس لشکر کا جزء قرار دیا تھا اور اسامہ کی سرکردگی میں تبوک روانہ کیا تھا لیکن انہوں نے سستی اور لیت ولعل کیا یہاں تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور یہ لوگ سقیفہ میں جمع ہوگئے اور ابوبکر کو خلیفہ مقرر کرلیا اس کے بعد اسامہ کو اس جنگ پر روانہ کیا۔

تقسیم کیا ہر لشکر کیلئے ایک کمانڈر مقرر کیا اور ہر کمانڈر کے ہاتھ میں ایک پرچم دیا اور ہر ایک کو مرتدوں کے ایک قبیلہ کی طرف روانہ کیا۔

۱۔ ایک پرچم خالد بن ولید کے ہاتھ میں دیا اور اسے حکم دیا کہ طلیحہ بن خویلد کی طرف روانہ ہو جائے اور اس کے قبیلہ کو کچل دے اس کو کچلنے کے بعد مالک بن نویرہ کو کچلنے کیلئے ''بطاع'' کی طرف روانہ ہو جائے اگر مالک نے اس کے مقابلہ میں استقامت دکھائی تو اس سے جنگ کرے۔

۲۔ ایک اور پرچم عکرمۃ بن ابی جہل کے ہاتھ میں دیا اور اسے مسیلمہ کو کچلنے کیلئے مامور کیا۔

۳۔ ایک اور پرچم مہاجرین بن ابی امیہ کے ہاتھ میں دیا اور اسے حکم دیا کہ ''عنسی'' کے لشکر کو کچلنے کے بعد یمن کے ایرانی نسل کے لوگوں کی حمایت کرے اور انھیں ''قیس بن مکشوح'' اور اس کے حامیوں سے نجات دے اور اس کے بعد سرزمین حضرموت میں واقع کندہ نامی جگہ کی طرف روانہ ہو جائے۔

۴۔ ایک اور پرچم خالد بن سعید بن عاص کے ہاتھ میں دیا تو اس نے خطرہ محسوس کر کے اپنی مأموریت کی جگہ یمن کو ترک کر دیا اور مدینہ گیا تو اسے ماموریت دی کہ ''حمقتین'' کی طرف روانہ ہو جائے جو شام میں ایک جگہ تھی۔

۵۔ ایک اور پرچم عمرو بن العاص کے ہاتھ میں دیا اور اسے ''قضاعہ''، ''ودیعہ'' اور ''حارث'' کے گروہوں کو کچلنے کا حکم دیا۔

۶۔ ایک اور پرچم ''حذیفہ بن محصن غلفانی'' کے ہاتھ میں دیا اور اسے ''دبا'' کے باشندوں کی

بغاوت کو کچلنے کا حکم دیا۔

۷۔ ایک اور پرچم ''عرفجۃ بن ہرثمہ'' کے ہاتھ میں دیا اور اسے حکم دیا کہ ''مہرہ'' کی طرف روانہ ہو جائے، ضمناً ''حذیفہ'' اور ''عرفجہ'' کو حکم دیا کہ اس راہ میں آپس میں اجتماع اور اتحاد کر کے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

۸۔ ایک اور پرچم ''شرجیل بن حسنہ'' کے ہاتھ میں دیا اور اسے ''عکرمہ بن ابی جہل'' کی مدد کیلئے بھیجا اور اسے کہا کہ جب اکرمہ جنگِ یمامہ سے فارغ ہو جائے تو اسے ''قضاعہ'' روانہ ہو کر وہاں پر مرتدوں سے لڑنا چاہیے۔

۹۔ ایک اور پرچم ''معن بن حاجز'' یا ''طریفۃ بن حاجز'' کے ہاتھ میں دیا اور اسے حکم دیا کہ ''بنی سلیم'' اور ''قبیلۂ ہوازن'' نیز ان کی مدد کو آنے والے افراد کو کچلنے کیلئے روانہ ہو جائے۔

۱۰۔ دسواں پرچم ''سوید بن مقرن'' کے ہاتھ میں دیا اور اسے حکم دیا کہ یمن میں ''قبیلۂ تہامہ'' کی طرف روانہ ہو جائے۔

۱۱۔ آخر میں گیارھویں پرچم کو ''علاء بن حضرمی'' کے ہاتھ میں دیا اور اسے بحرین کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔

یہ گیارہ کمانڈر اپنے گروہ اور سپاہیوں کے ہمراہ ''ذی القصہ'' میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ اپنی مأموریت کی جگہ کی طرف روانہ ہوا۔

ابوبکر نے روانگی کے حکم اور منشور جنگ کے علاوہ کمانڈروں کے ہاتھ میں حکم نامے بھی دیئے

اوران تمام قبائل کے نام خطوط لکھے جو اسلام سے منحرف ہوئے تھے اوران کو کچلنے کیلئے فوج بھیجی تھی ، ان کو ارتداد اور بغاوت کے عواقب اور خطرات سے آگاہ کیا تھا اور انھیں دوبارہ اسلام کے دائرے میں آکر اس کی اطاعت کرنے کی دعوت دی تھی۔

خطوط کا مضمون

سیف نے ''ذی القصہ'' کی داستان کو عبیداللہ ابن سعید کی ایک اور روایت سے اس طرح خاتمہ بخشا ہے:

ابوبکر نے عرب کے باغی اور سرکش قبائل کی طرف سپاہ کو روانہ کرتے وقت ان کے نام خطوط بھی بھیجے ان تمام خطوط کا مضمون حسب ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوبکر، پیغمبر خداؐ کے جانشین کی طرف سے ہر اس شخص کے نام جسے میرا یہ خط پہنچے، خاص و عام کے نام، جو اسلام پر ثابت قدم رہے اور جو اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہوئے، سلام ہو! ان پر جو راہ راست کی پیروی کرتے ہیں، طبری نے اس خط کو دو صفحوں پر مشتمل لکھنے کے بعد آخر میں یوں لکھا ہے:

میں نے فلاں کو بعض مہاجرین، انصار اور تابعین کے ہمراہ تمہاری طرف روانہ کیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ کسی سے جنگ نہ کرے اور کسی کو قتل نہ کرے مگر یہ کہ پہلے اسے خدا کی طرف دعوت دے، جو بھی اس کا مثبت جواب دے اور اسلام کو قبول کرے، بغاوت و سرکشی سے ہاتھ کھینچ لے، اسے قبول

کر کے اپنے ساتھ ملائے اور جو حق کو قبول کرنے سے انکار کرے اس سے شدت کے ساتھ جنگ کرے اور باغی و سرکش افراد میں سے کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑے اور ان سب کو تہہ تیغ کر کے نذر آتش کرے ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بنالے اور کسی سے اسلام کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہ کرے...

اس کے بعد سیف کہتا ہے:

قاصدوں نے ان خطوط کو لشکر کے پہنچنے سے پہلے قبائل تک پہنچا دیا، اور ہر ایک کمانڈر بھی اپنے سپاہیوں کے ہمراہ اپنی مأموریت کی جگہ کی طرف روانہ ہوا جبکہ ابوبکر کا عہد نامہ بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

منشور جنگ کا متن

جیسا کہ ہم نے کہا کہ سیف کے کہنے کے مطابق جب ابوبکر نے اپنے گیارہ کمانڈروں کو جزیرۃ العرب کے سرکش اور باغی قبائل کو کچلنے کیلئے روانہ کیا تو ان کے ہاتھ میں ایک منشور اور فرمان نامہ بھی دیا، ان سب کا متن حسب ذیل تھا:

خدا کے نام سے یہ ابوبکر، جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک عہد نامہ ہے فلاں کیلئے جب اس عہد نامہ کو اس کے ہاتھ میں دیتا ہے اسے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان لوگوں کی طرف روانہ کرتا ہے جنہوں نے اسلام سے منہ موڑا ہے اور اسے تاکید کے ساتھ نصیحت کرتا ہے کہ حتی الامکان تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا پیشہ بنائے... اور اسے حکم دیتا ہے کہ احکام الٰہی کے نفاذ

میں سخت تلاش کرے ان لوگوں کے ساتھ شدت سے لڑے جنھوں نے خدا کے حکم کی نافرمانی کی ہے اور مرتد ہوئے اور بغاوت پر اتر آئے ہیں، انھیں جہاں پر پائے نابود کردے کسی سے بجز اسلام کوئی اور چیز کو قبول نہ کرے اور سب کو خدا کی طرف دعوت دے اور جو بھی دعوت قبول کرے اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے اور محبت سے پیش آئے اور انھیں احکام الٰہی سکھائے اور جو بھی اس کی دعوت کو مسترد کرے اس کے ساتھ جنگ کرے اور اگر وہ کامیاب ہوجائے تو ان باغی اور سرکش افراد کا سر قلم کردے اور انھیں ہر ممکن طریقے سے قتل کرکے نابود کردے۔

داستان ذی القصہ کی اشاعت

جو کچھ ہم نے ''ذی القصہ'' کی داستان کے بارے میں کہا، وہ طبری کی روایتوں کا خلاصہ تھا اور طبری نے بھی ان تمام روایتوں کو سیف سے نقل کرکے اپنی تاریخ کی کتاب میں درج کیا ہے اور دوسرے مؤرخین نے جیسے: ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون وغیرہ نے بھی اس داستان کو طبری سے نقل کیا ہے۔

یاقوت حموی نے بھی جو کچھ اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں سرزمین ''حمقتین'' کی شرح میں لکھا ہے، اسی سیف کی روایت سے نقل کیا ہے اور یوں کہتا ہے:

''سیف نقل کرتا ہے، جب خالد بن سعید نے لوگوں سے ڈر کر یمن میں اپنی مأموریت کی جگہ کو ترک کر دیا اور مدینہ آگیا، ابوبکر نے اس کے ہاتھ میں ایک پرچم

دیا اور اسے شام کے اطراف میں واقع ''حمقتین'' نامی جگہ کی طرف روانہ کیا''

''مراصد الاطلاع'' کے مصنف نے بھی جو کچھ سرزمین ''حمقتین'' کے بارے میں ذکر کیا ہے اسے حموی سے نقل کیا ہے اور ''استیعاب'' ''اسد الغابہ'' اور ''اصابہ'' کے مؤلفین نے بھی ''حذیفہ بن محصن'' اور ''عرفجہ بن ھرثمہ'' کے بارے میں جو کچھ پیغمبرؐ کے اصحاب کی حیثیت سے لکھا ہے، وہی مطالب ہیں جو سیف کی روایتوں میں آیا ہے انہوں نے سیف کی باتوں پر اعتماد کر کے ان دونوں کو پیغمبرؐ کے اصحاب کی حیثیت سے لکھا ہے۔

حقیقت میں سیف کی روایتیں مسلمانوں میں اس طرح پھیل گئیں اور یہ خشک اور بے بنیاد درختوں نے اسلامی مصادر و کتابوں میں اپنا مقام بنالیا ہے۔

سیف کی روایتوں کی جانچ پڑتال

''ابرق ربذہ'' اور داستان ''ذی القصہ''[1] کے بارے میں سیف کی روایت کی سند میں سہل بن یوسف کا نام آیا ہے اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ سہل بن یوسف، سیف کے انسان سازی کے کارخانہ کو بنایا ہوا راوی ہے اور خداوند عالم نے اس انسان کو خلق نہیں کیا ہے اور درحقیقت کوئی راوی اس نام و نشان کا پایا نہیں جاتا۔

۱۔ داستان ابرق گزشتہ فصل میں بیان ہو چکی ہے اور داستان ذی القصہ کو بھی اس فصل میں ملاحظہ فرمایا، اسلئے یہاں پر یہ دونوں داستانیں سند اور دوسروں کی روایتوں سے موازنہ کر کے ان کی تحقیق کی جاتی ہے۔

سیف کی دوسری روایت (جو مرتدوں کے نام ابوبکر کے خط کے متن کے بارے میں ہے) کی سند میں عبداللہ بن سعید کا نام آیا ہے اور ہم نے اس عبداللہ کو بھی سیف کے جعلی راویوں میں ثابت کیا ہے، کیونکہ سیف کی روایتوں کے علاوہ ہم نے تاریخ اور رجال کی کسی اور کتاب میں اس شخص کا کہیں نام ونشان نہیں پایا ۔

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ''ذی القصہ'' کی داستان

جو کچھ سیف نے داستان ''ذی القصہ'' کے بارے میں ذکر کیا ہے ہم نے اس کا خلاصہ بیان کیا لیکن دوسرے راویوں نے اس داستان کو دوسری صورت میں نقل کیا ہے کہ ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

> طبری نے ابن کلبی سے نقل کیا ہے کہ اسامہ اپنے لشکریوں کے ہمراہ شام کی جنگ سے مدینہ واپس آیا، اسکے بعد ابوبکر نے مرتدوں سے جنگ کرنے کا اقدام کیا اور مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ مدینہ سے باہر آیا یہاں تک کہ مدینہ سے بارہ میل کی دوری پر نجد کی طرف ''ذی القصہ'' نامی جگہ پر پہنچا، اور وہاں پر اپنے لشکر کو آراستہ کیا خالد بن ولید کو مرتدوں کے قبائل کے طرف بھیجا اور انصار کی سرکردگی ثابت بن قیس[۱] کو سونپی اور خالد

۱۔ ثابت بن قیس قبیلہ خزرج میں شمار ہوتا ہے اس کی ماں قبیلہ طی سے تھی وہ جنگ احد میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترجمان تھا اور اس نے احد کے بعد واقع ہونے والی جنگوں میں بھی شرکت کی ہے اور یمامہ کی جنگ میں مارا گیا اسکے بیٹے، محمد، یحیٰ اور عبداللہ بھی جنگ صفین میں قتل ہوئے ہیں. اسد الغابہ، ج۱ص۲۲۹

کو پورے لشکر کا سپہ سالار قرار دیا اور اسے حکم دیا کہ ''طلیحہ'' اور عیینہ بن حصن کی طرف روانہ ہو جائے تو انہوں نے قبیلۂ بنی اسد کی زمینوں میں سے بزاخہ نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالا تھا، ضمناً اسے کہا کہ میری اور میرے لشکر کی ملاقات تجھ سے خیبر میں ہوگی۔

البتہ ابوبکر نے اس جملہ کو جنگی حکمت عملی کے پیش نظر زبان پر جاری کیا ہے تا کہ یہ بات دشمنوں کے کانوں تک پہنچے اور ان کے دل میں رعب و وحشت پیدا ہو جائے ورنہ اس نے تمام جنگجوؤں کو خالد کے ساتھ دشمن کی طرف بھیج دیا تھا اور کوئی باقی نہ رہا تھا کہ کسی دوسرے لشکر کو تشکیل دیا جاتا اور خالد کی مدد کیلئے ''بزاخہ'' یا ''خیبر'' کی طرف روانہ ہوتا۔

''ذی القصہ'' کی طرف ابوبکر کی روانگی اس جگہ پر خالد کو سپہ سالار بنانے کی روداد کو ''یعقوبی'' نے بھی اپنی تاریخ میں درج کیا ہے لیکن وہ اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد ''ثابت'' کو انصار کا امیر بنا دیا گیا تو انہوں نے ابوبکر سے جھگڑا کیا کہ اس نے کیوں انصار میں سے کسی کو امیر نہیں بنایا؟!

بلاذری اور مقدسی نے بھی ''ذی القصہ'' کی داستان کو نقل کیا ہے اور حملہ ''بنی فزارہ'' کی روداد کا اس میں اضافہ کیا ہے۔

مقدسی، ابوبکر کے ''ذو القصہ'' کی طرف روانہ ہونے کی روداد کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے تب خالد اپنی فوج کے ہمراہ دشمن کی طرف روانہ ہوا لیکن جب ''خارجہ بن حصن فزری''[1] نے مسلمانوں

۱۔ خارجہ، عیینۃ بن حصن کا بھائی ہے یہ وہ شخص ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آیا اور خشک سالی کے بارے میں شکایت کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قبیلہ کے بارے میں دعا کی اور وہ بھی مسلمان ہو گیا اور واپس اپنے قبیلہ میں چلا گیا۔

واقدی کہتا ہے کہ خارجہ وہ شخص ہے جس نے اپنے قبیلہ کو زکوۃ دینے سے روکا تھا اور نوفل بن معاویہ جو زکوۃ جمع کرنے کا ☜

کی تعداد کو کم پایا تو اس نے جرأت پیدا کر کے چند جنگجو سواروں کے ہمراہ ان پر حملہ کیا مسلمانوں نے شکست کھا کر فرار کی اور ابو بکر نے بھی ایک درخت پر چڑھ کر پناہ لی اور اسکی شاخوں سے اوپر چڑھ گئے تا کہ دشمن کی نظروں سے اوجھل ہو جائے[1] اس وقت طلحہ بن عبداللہ ایک بلند جگہ پر کھڑا ہوا اور اس نے فریاد بلند کی: لوگو! مسلمانو! نہ ڈرو! فرار نہ کرو! ہمارا لشکر آ پہنچا ہے۔

شکست خوردہ مسلمان واپس آ گئے اور خارجہ بھی وہاں سے چلا گیا اور اپنی راہ لے لی تب ابو بکر درخت سے نیچے اترے اور واپس مدینہ چلے آئے۔

بلاذری نے اس داستان کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ابو بکر مسلمانوں کے ہمراہ باغیوں کی سرزمین ''ذوالقصہ'' کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پر مرتد قبائل کے خلاف ایک بڑا لشکر تشکیل دیکر اسے آراستہ کیا، اس وقت خارجہ اور منظور بن زبان (دونوں ہی بنی فزارہ سے تعلق رکھتے تھے،) نے ابو بکر کے لشکر پر حملہ کیا اور ایک گھمسان کی جنگ چھڑ گئی اور اس جنگ میں مشرکوں نے شکست کھائی اور بھاگ گئے طلحہ نے ان کا پیچھا کیا اور ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا اور یہاں تک کہتا ہے:

مأمور تھا سے ملاقات کی اور تمام زکوۃ وصدقات جو اس کے پاس تھے واپس لے لیا اور اپنے رشتہ داروں کو دیدیا خارجہ وہی ہے جو بنی اسد سے خالد کی جنگ کے بعد ابو بکر کے پاس آیا اور ابو بکر نے اس سے کہا: تمہیں ان دو روایتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا چاہئے: یا ''سلم مخزیہ'' یعنی ذلت کے ساتھ تسلیم ہو جاؤ یا ''حرب مجلیہ'' یعنی نابود کرنے والی جنگ کو قبول کر اس کے بعد ابو بکر نے ان دو جملوں کی تشریح کی اس نے کہا: میں سلم کا انتخاب کرتا ہوں، اصابہ، ج۱ص ۳۹۹، نمبر ۲۱۳۳)

۱۔ میری نظر میں یہ روایت ابن اسحاق اور دوسروں کی روایت سے صحیح تر ہے کہ طبری نے اپنی تاریخ (۱/۱۷۰)، انھیں سے نقل کرتا ہے ''ابو بکر نے اپنے آپ کو ایک کچھار میں مخفی کیا'' کیونکہ ان سرزمینوں میں کوئی کچھار اور جنگل موجود نہ تھا کہ ابو بکر خود کو اس میں مخفی کرتے۔

’’اس کے بعدابوبکر نے’’ذی القصہ‘‘میں ایک پرچم خالد کے ہاتھ میں دیااورثابت بن قیس کوبھی انصار کے گروہ کا کمانڈرمقرر کیااس کے بعداسے حکم دیا کہ ثابت کے ہمراہ’’طلیحہ‘‘ کی طرف روانہ ہوجائے جوان دنوں’’بزاخہ‘‘میں تھا‘‘۔

موازنہ اورتحقیق

جب ہم جنگِ ابرق اورداستان’’ذی القصہ‘‘ کے بارے میں سیف کی روایت کودوسرے مؤرخین کی روایتوں سے مقابلہ کرکےان کی تطبیق وموازنہ کرتے ہیں تو سیف کےافسانے آسانی کے ساتھ آشکار ہوجاتے ہیں، کیونکہ دوسرے مؤرخین نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ ابوبکر جنگ ولشکر کشی کیلئے صرف ایک بار مدینہ سے باہر نکلے ہیں اورکہا ہے کہ اسامہ کو’’موتہ‘‘ سے واپسی کے بعد’’ذی القصہ‘‘ کی طرف روانہ کیا گیا ہےاوروہاں پرلشکرآمادہ کیا ہےاوراس لشکر کی کمانڈری خالدبن ولیدکوسونپی اور انصار کے گروہ کی سرپرستی’’ثابت بن قیس‘‘کوسونپی،اس کے بعدان کوحکم دیا کہ’’طلیحہ‘‘اوراس کے گردجمع ہوئے قبیلہ’’اسد‘‘و’’فزارہ‘‘ کوکچلنے کیلئے’’بزاخہ‘‘ کی طرف روانہ ہوجائیں،لیکن بعض مؤرخین نے بنی فزارہ پرشبانہ حملہ کرنے نیزانکےایک شخص کےقتل ہونےاوراس واقعہ کےذی القصہ میں رونماہونے کی خبردی ہے۔

یہ ہے حوادث،لشکر کشی اورجنگوں کا مجموعہ جومؤرخین کےنقل کے مطابق جورسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعدایک مختصرزمانے میں واقع ہوئے ہیں۔

لیکن چونکہ اس فصل اور گزشتہ فصل میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سیف نے بہت سی روایتیں اور مفصل داستانیں نقل کی ہیں اور ابوبکر کیلئے متعدد جنگیں اور حملات نقل کئے ہیں کہ دوسرے مؤرخین کی روایتوں میں ان داستانوں اور جنگوں کا کوئی اثر معلوم نہیں ہے اور یہ سب سیف کی خصوصیات میں سے ہے۔

سیف کے کہنے کے مطابق ابوبکر مدینہ کے اطراف میں مرتد قبائل کی طرف کئی بار روانہ ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ کی ہے۔

یہاں پر ہم سیف کے خیالی اور افسانوی جنگوں کی مفصل اور مشروح داستانوں کا ایک خلاصہ پیش کرتے ہیں تا کہ سیف کی روایتوں کا دوسرے راویوں کی روایتوں سے تفاوت اور اختلاف واضح ہو جائے۔

ا۔ سیف کہتا ہے: ابوبکر کی مرتدوں کے ساتھ سب سے پہلی جنگ اس طرح تھی کہ مدینہ کے اطراف میں رہنے والے اکثر قبائل نے مدینہ کی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا اور مرتد ہو گئے، وہ اپنے دین و مذہب سے منحرف ہوئے اور ''ابرق ربذہ'' نامی ایک جگہ پر اجتماع کیا۔

قبیلۂ ''ثعلبہ بن سعد'' اور ''عبس''، ''حارث'' کی سرپرستی میں اور قبیلۂ ''مرہ'' عوف کی سرپرستی میں اور قبیلۂ ''کنانہ'' کے ایک گروہ نے آپس میں اجتماع کیا اور ایک بڑا لشکر تشکیل دیا کہ شہروں میں ان کیلئے جگہ کی گنجائش نہیں تھی، اس کے بعد سیف اپنے اس خیال اور افسانوی لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو ''ابرق ربذہ'' میں رکھتا ہے اور دوسرے گروہ کو ''ذی القصہ'' کی طرف روانہ کرتا

ہے اور طلیحہ نے بھی اپنے بھائی ''حبال'' کی سرپرستی میں ایک لشکر کو ان کی طرف بھیج دیا ہے، اس کے بعد وہی باغی اور سرکش قبائل تجویز پیش کرتے ہیں کہ وہ نماز و تر پڑھیں گے لیکن انھیں زکوۃ دینے سے معاف قرار دیا جائے اور اس تجویز کو اپنے چند افراد کے ذریعہ مدینہ بھیجتے ہیں اور روداد کو ابوبکر کے سامنے پیش کرتے ہیں ابوبکر ان کی تجویز کو مسترد کرتے ہیں قبائل کے نمایندے اپنے لشکر کی طرف ـــ جو ''ابرق'' میں موجود تھا ـــ روانہ ہوتے ہیں اور روداد کی رپورٹ اپنے کمانڈروں کو دیتے ہیں اور مسلمانوں کی کمزوری اور تعاون کی کمی سے انھیں آگاہ کرتے ہیں اور ابوبکر کی حکومت کے مرکز یعنی مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب و تجویز پیش کرتے ہیں ابوبکر کو روداد کی اطلاع ملتی ہے تو دشمن سے مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ ہوجاتے ہیں۔

سیف کہتا ہے: ابوبکر نے بزرگ اصحاب میں سے چار اشخاص کو چند جنگجوؤں کے ہمراہ مدینہ کی گزرگاہوں کی محافظت پر مأمور کیا اس کے بعد تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا اور روداد سے انھیں آگاہ کیا اور دشمن سے لڑنے کیلئے ایک لشکر کو آراستہ کیا اس واقعہ کے بعد تین دن گزرے تھے کہ مرتدوں کے لشکر نے ایک گروہ کو ذخیرہ کے طور پر ''ذی حسی'' میں رکھ کر باقی افراد کے ذریعہ مدینہ پر حملہ کیا، لیکن مدینہ کے محافظین نے ان کا جواب دیا اور انھیں پیچھے ڈھکیل دیا، ابوبکر کو روداد کی خبر ملی اور اس نے مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، وہ اپنے آب کش اونٹوں پر سوار ہوئے اور خود ابوبکر کی کمانڈری میں دشمن کی طرف بڑھ گئے۔

سیف کے کہنے کے مطابق ان دو لشکروں کے درمیان گھمسان کی جنگ چھڑ جاتی ہے اور

مسلمان فتحیاب ہوتے ہیں اور دشمن کو بڑی شکست دیتے ہیں اور انھیں ''ذی حسی'' تک پیچھے ڈھکیل دیتے ہیں مرتدوں کا ''ذی حسی'' میں ذخیرہ شدہ گروہ اچانک مسلمانوں پر حملہ کرتا ہے وہ اپنی مشکوں کو، جنہیں وہ پہلے ہی ہوا سے پر کرکے رسیاں ان کے اندر ڈال چکے تھے مسلمانوں کے اونٹوں کے سامنے ڈالتے ہیں اور یہ اونٹ رم کرکے اپنے مسلمان سواروں سمیت مدینہ پہنچتے ہیں، مسلمانوں کی کمزوری کی خبر ذی حسی سے ذی القصہ تک پہنچ جاتی ہے مرتدوں کے قبائل ''ذبیان'' اور ''اسد'' جو ذی القصہ میں موجود تھے ذی حسی کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور ''ابرق'' کے مقام پر آمنا سامنا ہوتا ہے۔

۲۔سیف کہتا ہے: ابوبکر دوسری بار اپنی سپاہ کو آراستہ کرتے ہیں لشکر کے میمنہ اور میسرہ کیلئے کمانڈر مقرر کرتے ہیں اور قلب لشکر کیلئے بھی ایک کمانڈر مقرر کرتے ہیں اور روانہ ہونے کا حکم دیتے ہیں، ابوبکر کے سپاہیوں نے راتوں رات روانہ ہوکر اچانک دشمن پر حملہ کیا اور انہیں بڑی شکست دی ان کے تمام حیوانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا اس جنگ میں ''طلیحہ'' کا بھائی ''حبال'' بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ آخر کار ابوبکر نے دشمن کا پیچھا کیا یہاں تک ''ذی القصہ'' پہنچے وہاں پر اپنے کچھ فوجیوں کو ''نعمان بن مقرن'' کی کمانڈری میں رکھ کر خود مدینہ واپس آ گئے۔

۳۔سیف تیسری بار ابوبکر کو مدینہ سے قبائل کی طرف روانہ کراتے ہوئے کہتا ہے:

قبیلۂ ''عبس'' اور ''ذبیان'' نے اپنے درمیان موجود مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی اور ان سب کو قتل کر ڈالا ابوبکر نے ایک لشکر کو آراستہ کرکے مدینہ سے انکی طرف روانہ ہوئے یہاں تک ''ابرق'' پہنچے اور مذکورہ دو قبیلوں سے جنگ کی اور انھیں شکست دی اور بعض افراد کو اسیر بنایا، ''ربذہ''

میں واقع ان کی سرزمینوں اور آبادیوں پر قبضہ جمایا اور جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی انھیں ان شہروں سے، شہر بدر کیا ''ابرق'' کے تمام بیابانوں کو سواری کے گھوڑوں کے لئے مخصوص کردیا اور سیف نے دوسرے بیابانوں کو مسلمانوں کے عام حیوانوں کیلئے آزاد رکھا۔

سیف ان جنگوں اور فتوحات کو نقل کرنے کے بعد اپنی بات کو ثابت اور محکم کرنے کے لئے کہتا ہے کہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ''زیاد بن حنظلہ'' نامی ایک شاعر اور اس زمانے کے دوسرے شعراء نے ان جنگوں کے بارے میں اشعار اور قصیدے لکھے ہیں اور ان جنگوں کی داستانوں کو شعر کی صورت میں بیان کیا ہے۔

۴۔سیف ابوبکر کیلئے ایک اور جنگ کی داستان نقل کرتا ہے اور اسے چوتھی بار ''ذی القصہ'' کی طرف حرکت دیتے ہوئے کہتا ہے۔

ابوبکر مسلمانوں کے ایک گروہ کے ہمراہ ''ذی القصہ'' کی طرف روانہ ہوئے، اور وہاں پر حجاز کے اطراف کے باغیوں اور جزیرۃ العرب کے سرکش قبائل کو کچلنے کیلئے ایک فوج تیار کی اور اس فوج کو گیارہ لشکروں میں تقسیم کیا اور ہر لشکر کیلئے ایک کمانڈر مقرر کیا اور اس کے ہاتھ میں ایک پرچم دیا اور ہر کمانڈر کے ہاتھ میں ایک خط اور منشور کی ایک ایک کاپی دی، اور ایک خط ہر مرتد قبیلہ کے نام بھی روانہ کیا، جن کے خلاف اس نے فوج کشی کی تھی، اور انھیں ہتھیار ڈالنے اور امن امان کی دعوت دی۔

تطبیق اور موازنہ کا نتیجہ

اس سلسلہ میں کی گئی مزید تحقیقات اور دقیق جانچ پڑتال کے بعد ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں:

جنگ ''ابرق'' اور داستان ''ذی القصہ'' کے بارے میں کہ جس میں اس قدر مفصل اور طولانی مطالب نقل کئے گئے ہیں، وہ سب سیف کی خصوصیات ہیں اور کسی بھی دوسرے مؤرخ نے ان مطالب کو سیف کے علاوہ نقل نہیں کیا ہے اور یہ سب جھوٹ اور فرضی افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے نہ ان قبائل کے اکثر کے ارتداد کے بارے میں (سیف نے ان پر ارتداد کی تہمت لگائی ہے) صحیح ہے اور نہ ان کا ''ابرق'' اور ''ذی القصہ'' میں اجتماع کرنا واقعیت رکھتا ہے اور نہ مرتدین کی طرف سے ایک گروہ کو مدینہ بھیجنے میں کوئی سچائی اور حقیقت ہے اور نہ ابوبکر کی طرف سے چند افراد کو مدینہ کی گزرگاہوں کی حفاظت کیلئے معین کرنا صحیح ہے نہ اس کی لشکر کشیاں اور نہ اونٹوں کے رم کرنے میں کوئی حقیقت ہے نہ چار جنگوں ــ کہ سیف نے ابوبکر کیلئے نقل کیا ہے ــ کی کوئی حقیقت ہے وہ تمام اشعار، قصیدے، فتوحات دشمن کی سرزمینوں اور شہروں پر تسلط جمانا، سب کا سب جھوٹ کا پلندہ اور جعلی ہے ایسے افراد اور علاقے دنیا میں خلق ہی نہیں ہوئے ہیں۔

''ابرق ربذہ'' نام کی نہ کوئی جگہ، ''زیاد بن حنظلہ'' نامی نہ کوئی شاعر صحابی ہے اور نہ ہی ''حیطل'' نام کا کوئی شاعر ہے اور نہ ہی راویان حدیث میں: سہل بن یوسف اور عبداللہ بن سعید جیسوں کا کہیں

وجود ہے، بلکہ ان سب کو ناول نویس زبردست داستان ساز دروغگو سیف بن عمر زندیق نے اپنی خیالی طاقت کے ذریعہ خلق کیا ہے!!

حقیقت میں صرف ایک چیز صحیح ہے جسے دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ابوبکر نے ایک لشکر تیار کیا اور گروہ انصار کی سرکردگی ''ثابت بن قیس'' کو سونپی اور خالد بن ولید کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا اور ''بزاخہ'' میں جمع ہوئے ان افراد کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور انھیں حکم دیا کہ اس کے بعد دوسروں سے جنگ کرنے کیلئے روانہ ہو جائیں، جی ہاں! ابوبکر نے ان دو افراد کے علاوہ کسی کو کمانڈر مقرر نہیں کیا اور ان پرچموں کے علاوہ کوئی پرچم کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا اور خالد بن سعید کو بھی لشکر کے کمانڈر کی حیثیت سے مرتدوں سے لڑنے کیلئے اطراف شام میں ''حمقتین'' نامی جگہ کی طرف روانہ نہیں کیا، بلکہ خالد بن سعید، مرتدوں سے جنگ کے خاتمہ کے بعد شام جانے والے سپاہیوں کے ساتھ وہاں چلا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو کچھ سیف نے اس سلسلہ میں نقل کیا ہے وہ بے بنیاد اور جعلی ہے، سیف نے ایک پرچم اور ایک کمانڈر اور ایک لشکر اور ایک پیمان اور ایک خط گیارہ گیارہ کی تعداد میں بیان کیا ہے، جیسا کہ ہم نے یاد دہانی کرائی کہ ان روایتوں کی سند کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہے، کیونکہ ان روایوں کی سند میں سہل بن یوسف اور عبداللہ بن سعید کا ذکر آیا ہے کہ ہم نے کہا کہ یہ دو شخص ان راویوں میں سے ہیں کہ سیف کے خیالات نے انھیں خلق کیا ہے اور حقیقت میں وجود نہیں رکھتے ہیں۔

اسلامی مآخذ میں سیف کی روایتوں کے نتائج

۱۔ بے بنیاد جنگی منشورات، خطوط اور بے اساس عہد ناموں کا ایک سلسلہ اسلام کے اصلی اور سیاسی خطوط کی فہرست میں درج ہوئے ہیں۔

۲۔ سیف کے ذاتی طور پر جعل کئے گئے اشعار اور قصائد اسلام کے بنیادی ادبیات میں اضافہ ہوئے ہیں۔

۳۔ حمقتین اور ابرق ربذہ نامی افسانوی دوشہروں یا سرزمینوں کا اصلاً کہیں وجود ہی نہیں تھا، پھر بھی اسلامی سرزمینوں کی فہرست میں قرار پائے ہیں اور معجم البلدان اور شہروں کی تشریح سے مربوط کتابوں میں درج ہوکر اسلامی مآخذ میں شامل ہوئے ہیں۔

۴۔ زیاد بن حنظلہ نامی صحابی شاعر کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں تھا پھر بھی وہ پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی فہرست میں قرار پایا ہے اور علم رجال اور اصحاب کی زندگی کے حالات پر مشتمل کتابوں میں درج ہوا ہے۔

۵۔ سیف نے ان روایتوں میں ''سہل بن یوسف'' اور ''عبداللہ بن سعید'' نامی دوراوی خلق کئے ہیں، حتیٰ سہل کا نام علم رجال کی کتابوں میں بھی درج ہوا ہے اور ان کتابوں کو دروغ سے آلودہ کیا ہے۔

۶۔ سیف کی آخری کاری ضرب یہ ہے کہ اس نے ان روایتوں، کمانڈروں لشکر کشیوں اور

گھمسان کی جنگوں کو جعل کر کے ایسا دکھایا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اسلام نے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں پائی تھی اور یہ دین زور وزبردستی اور تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے، اسی لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مختلف عرب قبائل یکے بعد دیگرے ارتداد کی طرف مائل ہوئے اور دوبارہ تلوار کی ضرب اور خونریزی سے اسلام کی طرف پلٹ گئے ہیں۔

افسانہ کے راویوں کا سلسلہ

سیف کی روایتوں کے متن کے لحاظ سے، دوسرے مؤرخین کی روایتوں سے ان کی عدم تطبیق اور اس طرح مآخذ اسلامی میں ان کے بُرے آثار ونتائج کے پیش نظر ضعف وتزلزل کو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

لیکن ان روایتوں کی سند کے ضعف کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ:

''یہ روایتیں جس کتاب میں بھی درج ہوئی ہیں اور جس کسی نے بھی انھیں نقل کیا ہے آخر میں وہ سیف پر منتہی ہوتی ہیں اور ان تمام نقلوں کا سرچشمہ وہی ہے''

اس کا حدیث جعل کرنا اور جھوٹ بولنا بھی اسلام کے تمام دانشوروں اور مؤرخین کے یہاں ثابت ہے بلکہ وہ زندیق اور بے دین ہونے میں معروف ہے ان حالات کے پیش نظر ان روایتوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے اور تاریخ اسلام کے حقائق کے ذریعہ سے کیسے پہچانا جا سکتا ہے نیز دوسروں کو بھی کیسے پہچھوایا جا سکتا ہے؟!

یہ ہے جنگ ابرق اور ''ذی قصہ'' کے بارے میں سیف کے راویوں کا سلسلہ اور ملاحظہ فرمائیں کہ یہ روایتیں کیسے صرف سیف پر ہی منتہی ہوئی ہیں اور کیسے اسی پر ہی ختم ہوتی ہیں۔

بنیاد

سیف نے ان روایتوں کو:

۱۔سہل بن یوسف

۲۔عبداللہ بن سعید

سے نقل کیا ہے کہ دونوں سیف کے جعل کردہ اور اس کی فکر و خیال کے پیداوار ہیں اور اسلام میں ایسے راویوں کا بالکل وجود ہی نہیں ہے۔

شاخیں:

سیف سے:

۱۔طبری نے اپنی تاریخ میں

۲۔استیعاب کے مؤلف نے اصحاب پیغمبر کی تشریح میں

۳۔اسد الغابہ کے مؤلف نے اصحاب پیغمبر کی تشریح میں

۴۔تجرید کے مؤلف نے اصحاب پیغمبر کی تشریح میں

۵۔اصابہ کے مؤلف نے اصحاب پیغمبر کی تشریح میں

۶۔معجم البلدان کے مؤلف نے اصحاب پیغمبر کی تشریح میں

نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس فرق کے ساتھ کہ سیف نے ان تمام روایتوں کو درج کیا ہے لیکن دوسروں نے ان میں سے بعض کو ہی درج کیا ہے۔

اور طبری سے بھی

۷۔ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں

۸۔ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں

۹۔ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں

نقل کیا ہے۔

اور معجم البلدان سے بھی:

''مراصد الاطلاع'' کے مؤلف نے نقل کیا ہے لیکن خلاصہ کے طور پر محقق دانشور توجہ فرمائیں کہ ان تمام نقلوں اور روایتوں کا سرچشمہ کس طرح مشہور زندیق اور کاذب سیف تک پہنچتا ہے اور اس کے ہی سبب سے یہ جعلی روایتیں تاریخ اسلام میں داخل ہوئی ہیں اور اسلامی مآخذ میں اپنا مقام بنایا ہے۔

قبیلۂ طی کے ارتداد کی داستان

کان هذا خبر ردة طی فی روایات سیف

قبیلہ طی کے ارتداد کے بارے میں سیف کی روایتوں کے متون و

اسناد یہ ہیں۔

مؤلف

طبری نے قبیلۂ طی کے ارتداد کی داستان کو سیف کی سات روایتوں کونقل کر کے مندرجہ ذیل تفاوت کے ساتھ اپنی تاریخ میں درج کیا ہے:

ان روایتوں میں سے دو روایتوں میں قبیلۂ ''غطفان''، قبیلۂ ''طی'' اور قبیلۂ ''اسد'' کے ارتداد (اوران کا پیغمبری کا مدعی) ''طلیحہ'' کے گرد جمع ہونے کا افسانہ آیا ہے۔

تیسری روایت میں کہتا ہے کہ قبیلۂ ''اسد'' نے سرزمین سمیراء میں قبیلۂ ''غطفان'' نے مدینہ کے نزدیک اور قبیلۂ ''طی'' نے اپنے کھیتوں میں اجتماع کیا۔

ایک دوسری مفصل روایت میں ان قبیلوں کے ارتداد کی علت بیان کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے ان تین قبیلوں کے افراد مدینہ گئے اور مشہور ومعروف مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہوئے اور تجویز پیش کی کہ ہم نماز پڑھنے کیلئے آمادہ ہیں اس شرط سے کہ ہم سے زکوۃ لینا معاف کیا جائے ابوبکر کے علاوہ تمام مسلمانوں نے ان کی تجویز قبول کی، لیکن ابوبکر نے اسے مسترد کرتے ہوئے کہا: تم لوگ

دوسرے مسلمانوں کے مانند ٹیکس اور اموال کی زکوۃ ادا کرنے میں مجبور ہوا اور ایک دن اور رات سے زیادہ مہلت نہیں ہے لہذا انہوں نے اس فرصت سے استفادہ کر کے اپنے قبائل کی طرف فرار کیا۔

چوتھی روایت میں یوں آیا ہے: جب ابوبکر نے ''طلیحہ'' کے پیروکاروں کو(ابرق ربذہ میں جمع ہوئے تھے)وہاں سے نکال باہر کیا تو ''طلیحہ'' نے قبیلۂ ''طی'' کے دو خاندانوں ''جدیلہ'' اور ''غوث'' کو پیغام بھیجا کہ اس کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور اس کی مدد کریں، ان میں سے بعض بڑی ہی سرعت سے طلیحہ کی طرف روانہ ہو گئے اور حکم دیا کہ باقی لوگ بھی تدریجاً ''طلیحہ'' کی طرف دوڑ پڑیں۔

سیف کہتا ہے: ابوبکر نے خالد کو ''ذی القصہ'' سے ان قبائل کی طرف روانہ کرنے سے پہلے ''عدی بن حاتم'' کو ان کی طرف روانہ کیا اور اس سے کہا کہ تم انھیں نجات دینا، قبل اس کے کہ وہ دوسروں کا لقمہ بن کر ہلاک ہو جائیں، عدی روانہ ہوا اور خالد بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا اور ابوبکر نے خالد کو بھی حکم دیا کہ پہلے قبیلۂ طی کی طرف روانہ ہو جاؤ جو سرزمین ''اکناف'' میں تھے، خالد ان کی طرف روانہ ہوا اور قبیلۂ طی کے باقی افراد خالد کی فوج کے پہنچنے کی وجہ سے طلیحہ کے لشکر سے ملحق نہیں ہو سکے عدی بھی براہ راست ان کے پاس پہنچا اور انھیں اسلام لانے کی دعوت دی، قبیلۂ طی نے عدی کے جواب میں کہا: ہم ''ابو الفصیل''[۱] کی ہرگز بیعت نہیں کریں گے عدی نے انھیں کہا:

۱۔ چونکہ کلمہ ''بکر'' وکلمہ ''فصیل'' دونوں اونٹ کے بچہ کے معنی ہیں اس لئے بعض لوگ ابوبکر کو حقارت وتوہین کی غرض سے ''ابوالفصیل'' یعنی اونٹ کے بچے کا باپ کہتے تھے اور جو اس کا احترام کرتے تھے وہ اسے ''ابوالفحل'' کہتے ہیں اس داستان میں ابوالفصیل اور ابوالفحل ابوبکر ہے۔

خدا کی قسم ایک ایسا لشکر تمہاری طرف آیا ہے کہ تمہاری ناموس کو مباح قرار دے گا تب تم اسے ''ابو الفحل الاکبر'' کہو گے انہوں نے جب عدی کی بات سنی تو خوف وہراس سے دوچار ہوئے اور اس سے کہا: تم اپنے لشکر کی طرف چلے جاؤ اور انھیں ہمارے قبیلہ پر حملہ کرنے سے روک لوتا کہ ہم طلیحہ کے لشکر سے ملحق ہوئے اپنے قبیلہ کے افراد کو اپنی طرف پلٹا دیں گے، اس کے بعد ہم تمہارے لشکر سے ملحق ہو سکتے ہیں اور طلیحہ کی مخالفت کر سکتے ہیں اگر اس کام سے پہلے ''طلیحہ'' سے مخالفت کریں گے، تو وہ اس کی فوج میں موجود ہمارے قبیلہ کے تمام افراد کو نابود کر کے رکھ دے گا، عدی نے جو ابھی ''سُنُخ'' میں تھا، خالد کی طرف لوٹ کر کہا: مجھے تین دن کی مہلت دو تا کہ پانچ سو بہادر سپاہیوں کو تیرے رکاب میں حاضر کر دوں جو ''طلیحہ'' سے جنگ میں تیری نصرت کریں گے اور دشمن کے لشکر کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے یہ کام اس سے بہتر ہے کہ جلد بازی میں ان پر حملہ کرو اور انھیں آتش جہنم میں جلا دو اور اپنے آپ کو انھیں کچلنے میں مشغول کرو۔

خالد نے عدی کی بات مان لی، قبیلہ طے نے اپنے ان افراد کو پیغام بھیجا جو بزاخہ میں طلیحہ کے گرد جمع ہوئے تھے، اور انہیں اپنے پاس بلایا، انہوں نے بھی ایک خاص چالا کی اور فریب دے کر اس بہانے سے اپنے آپ کو طلیحہ سے جدا کیا کہ اپنے قبیلہ کی مدد کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ آئے اگر وہ یہ چالا کی نہ کرتے تو طلیحہ کا لشکر انھیں ہرگز نہ چھوڑتا۔

اس طرح، عدی قبیلۂ غوث کو نجات دیکر انھیں ہلاک ہونے سے بچانے میں کامیاب ہوا جو خاندان طی میں سے تھا اور خود عدی بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔

سیف کہتا ہے: خالد نے فیصلہ کیا کہ قبیلۂ طی کے ایک اور خاندان ''جدیلہ'' کی طرف روانہ ہوجائے عدی نے یہاں پر بھی اس سے مہلت چاہی تا کہ جس طرح قبیلۂ ''غوث'' کونجات دے چکا تھا'' جدیلہ'' کو بھی نجات دے سکے خالد نے یہاں پر بھی عدی کومہلت دیدی اور وہ جدیلہ کی طرف روانہ ہوااورابوبکر کیلئے ان سے بیعت لینے تک ان کے درمیان رہااوران کے اسلام لانے کی خبر خالد کے پاس لے آیا،اس طرح ''عدی'' قبیلۂ طی کے ایک ہزار سوار مرد مسلمان فوج میں شامل کرنے میں کامیاب ہوااورانھیں ہلاکت وبدبختی سے نجات دی۔

یہاں پر یہ کہنا چاہئے کہ عدی،قبیلۂ طی میں ان کیلئے بہترین اور بابرکت ترین فرد تھا۔

یہ تھا سیف کی چوتھی روایت کا خلاصہ، جواس نے قبیلۂ طی کے مرتدوں کے بارے میں نقل کی ہےاورطبری نے بھی اس سے نقل کر کےاپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

سیف اپنی پانچویں روایت میں ''بزاخہ'' میں ''طلیحہ'' کےلشکر کی شکست کی تشریح کرنے کے بعدکہتا ہے،

قبائل اسد،غطفان ، ہوازن اورطی سے کوئی عذرقبول نہیں کیا گیا جب تک کہ وہ ان افرادکو خالد کےحوالہ نہ کردیں جنہوں نے مسلمانوں کواذیتیں پہنچائی تھیں ۔

سیف اپنی چھٹی روایت میں ام زمل کے ارتداد کونقل کرنے کےضمن میں کہتا ہے : قبائل غطفان ، ہوازن ،سلیم اورطی کے وہ افراد جنہوں نےلشکر سے فرار کیا تھا،ام زمل کے گرد جمع ہوئے[1]

۱۔اس روایت کاباقی حصہ ہم ام زمل کی داستان میں نقل کریں گے۔

سیف اپنی ساتویں روایت میں ''بطاح'' کی داستان بیان کرتا ہے اور اس کی ابتداء میں کہتا ہے:

خالد، قبیلۂ ''اسد'' ''غطفان'' ''طی'' اور ''ہوازن'' کے کام کو خاتمہ بخشنے کے بعد ''بطاح'' کی طرف روانہ ہوا۔

یہ تھا قبیلۂ ''طی'' کے ارتداد کی روداد کے بارے میں سیف کی سات روایتوں کا خلاصہ کہ ان سب کو طبری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے

سند کی چھان بین

سیف کی مذکورہ سات روایتوں کی سند کے طور پر درج ذیل راوی ذکر ہوئے ہیں:

اولاً: حبیب بن ربیعہ اسدی کا نام ان روایوں میں آیا ہے جس نے بنی اسد سے مدینہ جا کر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ معاف کرنے کی تجویز پیش کرنے کی داستان ''عمارہ اسدی'' نامی ایک اور راوی سے نقل کیا ہے جبکہ ہم نے ان دو راویوں کا نام سیف کی روایتوں کے علاوہ کسی اور کتاب روایت میں نہیں پایا ہے۔

اس دلیل کی بنا پر ہم سیف کے مذکورہ دو راویوں کو جعلی اور اس کے ذہن کی تخلیق سمجھتے ہیں۔

ثانیاً: ''سہل بن یوسف'' کا نام درج ذیل روایتوں کی سند میں پایا جاتا ہے:

۱۔ ''طلیحہ'' کے گرد قبائل ''اسد''، غطفان'' اور ''طی کے جمع ہونے کی داستان۔

۲۔قبیلۂ طی کا اپنی کھیتوں میں جمع ہونا۔

۳۔قبیلۂ ''طی'' کی ''طلیحہ'' سے ملحق ہونے کی داستان اور یہ کہ عدی بن حاتم نے کس طرح ان کو ''طلیحہ'' کے لشکر سے جدا کیا۔

۴۔ ''طلیحہ'' کی شکست کے بعد باقی مرتدوں کے ''ام زمل'' کے گرد جمع ہونے کی داستان۔

۵۔بطاح کی داستان، کہ خالد بن ولید مرتدوں کو کچلنے کے بعد بطاح کی طرف روانہ ہوا۔

ان تمام روئیدادوں اور روایتوں کو سیف نے ''سہل بن یوسف'' سے نقل کیا ہے، جبکہ حدیث کے راویوں میں ''سہل بن یوسف'' نامی کسی راوی کا کہیں وجود نہیں ہے بلکہ سہل ان راویوں میں سے ہے جنہیں سیف نے اپنے ذہن سے خلق کیا ہے اور اسے روایت نقل کرنے کا منصب سونپا ہے اور اسے تاریخ اسلام کے راویوں میں شامل کیا ہے تا کہ اس کے نام پر جھوٹ گڑھ کر مسلمانوں کے حوالے کر دے۔

یہ تھا قبیلۂ ''طی'' کے ارتداد کی داستان کا خلاصہ، اس متون واسناد کے ساتھ جس کو آپ نے ملاحظہ فرمایا: اور اس کی داستان کو طبری نے سیف کی سات روایتوں سے حاصل کر کے سیف کی داستان سازی کے کارخانہ کا ٹریڈ مارک لگا کر اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور دوسروں نے بھی اس جھوٹ کو طبری سے نقل کر کے اس کو پھیلایا ہے چنانچہ ''الاصابہ'' کا مؤلف ''ثمامہ'' و ''مھلھل'' (سیف کی روایتوں میں دونوں قبیلۂ طی سے منسوب ہیں) چنانچہ وہ ان کے حالات مآخذ کے ذکر کے ساتھ طبری سے نقل کرتا ہے اور ''معجم البلدان'' کے مؤلف ''حموی'' نے بھی ''سنح'' کی تشریح میں

۔جسے سیف نے قبیلۂ طی کے شہروں کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے ۔سیف سے نقل کیا ہے ''مراصد الاطلاع'' کے مؤلف نے بھی لفظ ''سنخ'' کی وضاحت میں اسے حموی سے نقل کیا ہے اسی طرح اس داستان کو ابن اثیر، اور ابن کثیر نے بھی طبری سے نقل کر کے اپنی تاریخ کی کتابوں میں درج کیا ہے۔

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ''طی'' کی داستان

طبری قبیلۂ طی کی روداد کو ابن کلبی سے اور وہ ابومخنف سے یوں نقل کرتا ہے:

قبیلۂ طی کے سپاہیوں کی بنی اسد اور فزارہ سے مڈبھیڑ ہوتی تھی اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے تھے، لیکن ان کے درمیاں جنگ واقع نہیں ہوتی تھی ''قبیلۂ اسد و فزارہ'' کہتے تھے: خدا کی قسم ہم کبھی ابوالفصیل یعنی ابوبکر کی بیعت نہیں کریں گے طی کے سپاہی اس کے جواب میں کہتے تھے خدا کی قسم وہ تمہارے ساتھ ایسی جنگ کرے گا کہ اسے ''ابوالفحل اکبر'' کہنے پر مجبور ہو جاؤ گے....

طبری ابن کلبی سے مزید نقل کرتا ہے کہ جب خالد بن ولید بزاخہ کی طرف روانہ ہوا تو اس نے عکاشہ بن محصن [1] اور ثابت بن اقرم [2] کو لشکر کے پیش رو کی حیثیت سے وہاں بھیجا اور جب وہ اپنی مأموریت کی جگہ کے نزدیک پہنچے تو اتفاق سے طلیحہ اور اس کے بھائی کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہو گئی ـــ

۱۔عکاشہ ایک شخص تھا جو ابو محصن کے نام سے معروف تھا وہ قبیلہ اسد سے تعلق رکھتا تھا اور خاندان عبد شمس کا ہم پیمان تھا عکاشہ نے پیغمبرؐ کے زمانے میں مدینہ ہجرت کی تھی اور اسلام کے تمام جنگوں میں شرکت کی ہے (اسد الغابہ، ج ۳۰۲/۴)

۲۔ثابت اقرم کا بیٹا اور گروہ انصار کا ہم پیان تھا اس نے پیغمبرؐ کے حضور تمام جنگوں میں شرکت کی اور جنگ موتہ میں بھی جعفر بن ابیطالب کے ساتھ شریک تھا کہ جعفر کی شہادت کے بعد اسلام کا پرچم اس کے ہاتھ میں دیدیا گیا لیکن اس نے اسے خالد کے حوالہ کیا اور کہا کہ تم فنون جنگ میں مجھ سے آگاہ تر ہو (الاصابہ، ج ۸۸/۲)

جومسلمانوں کے لشکر کا اندازہ لگانے کیلئے اپنے قبیلہ سے باہر آئے تھے،اوران کے درمیان ایک جنگ واقع ہوئی جس میں عکاشہ اور ثابت، طلیحہ اوراس کے بھائی کے ہاتھوں مارے گئے۔

طلیحہ نے وہاں پر چند اشعار کہے اوران کے ضمن میں یوں کہا:

جب میں نے ان کا قیافہ دیکھا، مجھے اپنے بھائی کی یاد آئی اور میں نے یقین کرلیا کہ اب اپنے بھائی کے خون کا انتقام لے لوں گا اور جب میں نے اپنے بھائی کا انتقام لے لیا،اس شب میں نے ابن اقرم اورعکاشہ غنمی کو خاک وخون میں غلطان کر کے چلا گیا۔

طبری نے ابن کلبی سے نقل کیا ہے کہ: خالد اپنے لشکر کے ہمراہ آرہا تھا اس کے سپاہی ثابت کی زمین پر پڑی لاش پر توجہ کئے بغیر اس کے اوپر سے عبور کر گئے اوراس کا جسد ان کے گھوڑوں کے سموں تلے روندا گیا یہ روداد مسلمانوں کیلئے بہت گراں گزری،اس کے بعد انہوں نے عکاشہ کا جنازہ دیکھا۔ یہاں پر مسلمانوں نے بے ساختہ فریاد بلند کر کے روتے ہوئے کہا کہ: یہ دیکھو مسلمانوں کے دوعظیم شخصیتیں اور بہادر قتل کئے گئے ہیں!

طبری ایک اور روایت میں اضافہ کر کے کہتا ہے: جب خالد نے اپنے لشکر کی چیخ و پکار کی حالت دیکھی تو ان کی تسلی کیلئے کہا، کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک بڑے قبیلہ کے یہاں لے چلوں، جن کی تعداد زیادہ ہے،ان کی شان وشوکت محکم وہ اپنے دین ومذہب میں پایدار ہیں حتی ان میں سے ایک فرد بھی اسلام سے منحرف نہیں ہوا ہے اس کے سپاہیوں نے کہا: یہ کونسا قبیلہ ہے؟ اور کیا بہتر قبیلہ ہے خالد نے کہا،جس قبیلہ کا میں نے تجھے تعارف کرایا ہے، وہ قبیلۂ ''طی'' ہے سپاہیوں کو خالد کی بات

پسند آئی اور انہوں نے اس کیلئے دعا کی اس کے بعد خالد اپنے سپاہیوں کے ہمراہ قبیلہ طی کی طرف لوٹا اور ان کے درمیان پہنچا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق کہ اسے بھی طبری نے نقل کیا ہے: قبیلۂ طی کے معروف شخص ''عدی'' نے خالد کو پیغام بھیجا کہ اپنے لشکر کے ہمراہ اس کے قبیلہ کی طرف آئے اور ان کے درمیان کچھ دیر ٹھہرے تا کہ وہ طی کے قبیلہ والوں کو اطلاع دے اور خالد کے موجودہ لشکر سے ایک اسلحوں سے لیس لشکر تشکیل دے اور اس کے بعد دشمن کی طرف روانہ ہو جائے خالد نے عدی کی تجویز کو قبول کر کے اس پر عمل کیا۔

یہ تھا اس کا ایک خلاصہ جو ہمیں قبیلۂ طی کے بارے میں سیف کے علاوہ دوسروں کے ذریعہ حاصل ہوا ہے اس کا مضمون سیف کی روایتوں سے بالکل مختلف ہے۔

لیکن جو کچھ سیف نے طلیحہ کے ارتداد اور بزاخہ کی جنگ کے بارے میں روایت کی ہے اور حدیثیں گڑھ لی ہیں، دوسرے مؤرخین نے اس کے برعکس لکھا ہے کہ مدینہ کے اطراف میں قبائل میں سے صرف دو قبیلوں نے طلیحہ کی مدد کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرمی کی ہے، ان میں سے ایک خود طلیحہ کا قبیلہ اسد ہے اور دوسرا گروہ فزارہ جو قبیلۂ غطفان کا ایک حصہ ہے اور غطفان بھی قبیلۂ قیس عیلان کی ایک شاخ تھی ان دو قبیلوں کے علاوہ کسی اور قبیلہ کا نام نہیں آیا ہے، جس نے طلیحہ کے گرد جمع ہو کر مسلمانوں سے جنگ کی ہو[1]

۱۔ یہ مطلب ''معجم البلدان'' میں لغت ''بزاخہ'' کے بارے میں ابو عمر شیبانی سے نقل ہوا ہے اور فتوح اعثم کوفی میں بھی اس کا ذکر آیا ہے

☜

مؤرخین مزید کہتے ہیں کہ قبیلہ اسد کی آبادیوں میں ایک آبادی ''بزاخہ'' میں طلیحہ کے سپاہ کا اجتماع واقع ہوا ہے اور خالد بن ولید ''ذی القصہ'' سے قبیلہ فزارہ کے دو ہزار سات سو افراد لے کر ان کی طرف روانہ ہوا اور ان دو سپاہیوں کا اسی بزاخہ میں آمنا سامنا ہوا، اور ان کے درمیان ایک گھمسان کی جنگ چھڑ گئی جب مسلمان طلیحہ کے سپاہیوں کو تہہ تیغ کر رہے تھے، عیینہ طلیحہ کے پاس آیا اور کہا: دیکھا ''ابوالفصیل'' کے سپاہی کیسی خونریزی کر رہے ہیں کیا جبرئیل نے اس سلسلے میں تجھے خبر نہیں دی ہے؟! طلیحہ نے جواب میں کہا: ابھی نہیں....

عیینہ دوبارہ سپاہیوں کے صف میں شامل ہو کر جنگ میں مشغول ہوا اور اس دفعہ اسے سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا اور دوبارہ فرار کر کے طلیحہ کے پاس آ کر پوچھا: جبرئیل کے بارے میں کوئی خبر ہے؟

طلیحہ نے کہا: ابھی تک کوئی خبر نہیں ہے...

عیینہ نے کہا: آخر کب تک ہمیں جبرئیل کا انتظار کرنا چاہئے اب تو دشمن بری طرح ہمارا انتقام لے رہا ہے دوبارہ لشکر کی طرف جا کر جنگ میں مشغول ہوا جب خطرہ اس کے نزدیک پہنچا تو طلیحہ کی طرف بھاگ کر کہا: کیا ابھی تک جبرئیل نے کوئی خبر نہیں دی؟

طلیحہ نے کہا: جی ہاں، جبرئیل نازل ہوئے اور یہ آیہ میرے لئے نازل ہوئی:

☜ اور دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے چنانچہ طبری نے ابن کلبی سے نقل کیا ہے کہ قبیلۂ طی کے سپاہیوں اور قبیلہ اسد اور فزازہ کے درمیان مڈبھیڑ ہوتی تھی۔

''ان لک رحاً کرحا ویوماً لا تنساہ''

''تیرے لئے بھی ایک چکی ہے،محمد کی چکی کے مانند اور ایک دن ہے نا قابل فراموش۔

عیینہ نے کہا: خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں تیرے سامنے نا قابل فراموش ایک دن ہے اس کے بعد اپنے افراد کی طرف مخاطب ہوکر یوں بولا:

اے بنی فزارہ ! یہ شخص دروغگو ہے اور پیغمبر نہیں ہے یہ کہہ کر وہ اس کے لشکر سے بھاگ گیا،اس روداد کے بعد طلیحہ کے لشکر نے مکمل طور پر شکست کھائی اور مسلمان کامیاب ہوئے اور عیینہ کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے لیکن ابوبکر نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ معاف کر کے اسے آزاد کیا دوسری طرف سے جب طلیحہ نے اپنی شکست کا یقین پیدا کیا تو پہلے سے ایسے موقع کیلئے آمادہ رکھے ہوئے ایک گھوڑے پر سوار ہوکر شام کی طرف بھاگ گیا،لیکن مسلمان سپاہیوں نے اسے پکڑ کر مدینہ بھیجا وہ مدینہ میں مسلمان ہوا اور بعد کی جنگوں میں اسلام و مسلمین کے حق میں اچھے خدمات انجام دئے۔

یعقوبی نے اس روداد کو دوسری صورت میں ذکر کیا ہے اور کہتا ہے: طلیحہ شام بھاگ گیا لیکن شام سے عذرخواہی کے طور پر دو شعر ابوبکر کے نام بھیج دئے اور ان دو اشعار کے ضمن میں یوں عذر خواہی کی:

اگر میں توبہ کروں اور اپنے گناہوں سے منہ پھیرلوں تو کیا ابوبکر میری توبہ قبول کریں گے؟...

یعقوبی کہتا ہے: یہ خط جب ابوبکر کو پہنچا تو اس نے اس پر رحم کھا کر اسے مدینہ واپس بلالیا۔

تطبیق اور تحقیق کا نتیجہ

قارئین کرام نے یہاں تک ملاحظہ فرمایا کہ سیف نے اپنے جھوٹ کیلئے مقدمہ سازی کے طور پر قبیلۂ طی کے ارتداد کی داستان کو سات روایتوں کے ذریعہ نقل کیا ہے، اس طرح کہ: پہلی اور دوسری روایت میں قبیلۂ طی کا ارتداد اور ان کا طلیحہ کے گرد اجتماع کرنا بیان کرتا ہے۔

تیسری روایت میں ان کے ارتداد کی علت اور ان کے مدینہ جانے کی روداد کی وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قبیلۂ طی نے چند نمائندوں کو مدینہ بھیجا اور تجویز پیش کی کہ نماز تو پڑھیں گے لیکن انھیں زکوٰۃ ادا کرنے سے معاف قرار دیا جائے اور تمام مسلمانوں نے اس کی تجویز کی تائید کی لیکن ابوبکر نے ان کی تجویز مسترد کر کے انھیں تین دن کی مہلت دی تا کہ غور و فکر کر کے بغاوت اور ارتداد سے ہاتھ کھینچ لیں وہ اس فرصت سے استفادہ کر کے اپنے قبائل کی طرف بھاگ گئے۔

چوتھی روایت میں قبیلۂ طی کے ایک گروہ پر یوں الزام لگاتا ہے کہ وہ طلیحہ کے لشکر سے ملحق ہوئے اور دوسروں کو ملحق ہونے میں حوصلہ افزائی کررہے تھے اس لئے ابوبکر نے خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ طلیحہ کے لشکر سے ملحق ہو اور دوسروں کو بھی ملحق ہونے میں حوصلہ افزائی کررہے تھے اس لئے ابوبکر نے خالد بن ولید کو حکم دیا کہ پہلے قبیلہ طے کی طرف روانہ ہوجائے اور انھیں طلیحہ کے ساتھ ملحق

ہونے سے روکے، سیف اس روایت میں کہتا ہے کہ ابوبکر نے خالد بن ولید کو قبیلہ طی کی طرف روانہ کرنے سے پہلے عدی کو ان کی طرف روانہ کیا جو قبیلہ طی کا ایک مشہور ومعروف اور نیک شخص تھا، تا کہ انھیں ارتداد اور بغاوت سے روک لے اور انھیں اسلام قبول کرنے اور اسلامی حکومت کے سامنے تسلیم ہونے کو کہے، عدی نے خود کو قبیلہ کے پاس پہنچادیا اور انھیں ابوبکر کی بیعت کرنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے جواب میں کہا: ہم ''ابوالفصیل'' اونٹ کے بچے کے باپ (ابوبکر) کی ہرگز بیعت نہیں کریں گے عدی نے کہا: ابوبکر (جسے تم لوگ ابوالفصیل کہتے ہو اور اس کی بیعت سے انکار کرتے ہو) آپ کی ناموس اور آبرو پر ایسا حملہ کرے گا اور تمھیں اسیر بنائے گا کہ اسے ''ابوالفحل اکبر'' کے نام سے یاد کرو گے قبیلہ طی نے جب عدی سے یہ باتیں سنیں تو خوف و وحشت سے دوچار ہوئے اور عدی کے ذریعہ خالد سے مہلت کی درخواست کی تا کہ اپنے افراد کو فریب کاری سے طلیحہ کے سپاہ سے واپس بلاکر خالد سے ملحق کریں خالد نے بھی ان کی درخواست منظور کی۔

پانچویں روایت میں لشکر طلیحہ کی شکست کھانے کی روداد بیان کرتا ہے اور کہتا ہے خالد نے طلیحہ کی شکست کھانے کے بعد قبیلہ اسد اور طی کے کسی فرد کی بیعت قبول نہیں کی مگر یہ کہ جن افراد نے مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں نذر آتش کیا تھا اور ان کی لاشوں کو مثلہ کیا تھا، کو ان کے حوالہ کردیں۔

اور چھٹی روایت میں قبیلہ طی کو ان افراد میں شمار کرتا ہے جنہوں نے جنگ ''بزاخہ'' میں شکست کھانے کے بعد ''ام زمل'' کے گرد اجتماع کیا تھا۔

آخر میں ساتویں روایت میں: قبیلہ طی کو ان لوگوں میں شمار کرتا ہے جنھیں خالد نے ''بطاح''

کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ارتداد سے باز آنے کے لئے آمادکیا تھا۔

جی ہاں! سیف قبیلہ طی کے ارتداد کی داستان اس طرح بیان کرتا ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیوں کہ دوسرے مؤرخین کے لکھنے کے مطابق کہ جن کا ہم نے اس بحث وتحقیق میں ذکر کیا، ''طی'' وہی قبیلہ ہے کہ جس نے نہ صرف طلیحہ کی طرفداری نہیں کی ہے بلکہ طلیحہ کے لشکر کا مقابلہ کرتے تھے اوران سے کہتے تھے کہ ابوبکر تمہارے ساتھ ایسی جنگ کرے گا کہ آپ اسے ابوالفحل کے نام سے پکاریں گے اور یہ وہی قبیلہ ہے کہ اسلام پر ثابت قدم تھا اور افراد کی کثرت اور جنگی طاقت اور استقامت کی وجہ سے خالد بن ولید نے ان کے یہاں پناہ لی تھی اور طلیحہ سے جنگ میں ان سے مدد طلب کی تھی۔

سیف نے اس تحریف اور جھوٹ گڑھنے میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ قبیلہ طی کو مرتد قبائل کی فہرست میں قرار دے اور انہیں ایسے معرفی کرے کہ اسلام کی طرف دوبارہ پلٹنا موت اور اسارت کے ڈر سے تھا نہ عقیدہ وایمان کی وجہ سے، سیف، قبیلۂ طی کے علاوہ کئی دوسرے قبائل کو بھی مرتدوں میں شمار کرتا ہے اور انھیں طلیحہ کے دوست اور سپاہ میں شامل کرتا ہے جبکہ طلیحہ کے لشکر میں قبیلۂ اسد کے چند افراد ـــ جو اس کا اپنا قبیلہ تھا ـــ اور فزارہ کے رئیس عیینہ کی سرپرستی میں بعض افراد کے علاوہ دوسرے قبائل سے کوئی شامل نہیں تھا۔

سیف نے ان افسانوی اور جھوٹ کے پلندوں کو خود جعل کر کے مؤرخیں اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے اختیار میں دیدیا ہے لیکن افسوس اس پر ہے کہ یہ جھوٹ اور افسانے تاریخ کی

کتابوں اسلامی علوم کے مآخذ میں داخل ہوگئے اور آج مسلمانوں میں اشاعت اور رواج پیدا کر چکے ہیں یہاں تک کہ اماکن اور علاقوں کے نام جو سیف نے اپنی روایتوں کے ضمن میں جعل کئے ہیں، معجم البلدان میں درج ہو چکے ہیں اور اشخاص اور اصحاب کے نام جو اس نے خلق کئے ہیں رجال کی کتابوں اور تشریحات اور اصحاب پیغمبر کی زندگی کے حالات پر مشتمل کتابوں میں درج ہو کر حقیقی صورت اختیار کر چکے ہیں۔

حدیث کے راویوں کا سلسلہ

اولا: سیف نے ارتداد قبیلۂ طی کی داستان کو:

۱۔ سہل بن یوسف۔

۲۔ حبیب اسدی۔

۳۔ عمار اسدی۔

سے نقل کیا ہے پانچ روایتوں میں سہل کا نام پایا جاتا ہے اور ایک روایت میں حبیب اور عمارہ کا نام ہے یہ تینوں سیف کے ذہن کی تخلیق ہیں۔

ثانیا: سیف سے:

۱۔ طبری نے ذکر سند کے ساتھ اپنی تاریخ میں۔

۲۔ مؤلف ''اصابہ'' نے ذکر سند کے ساتھ اصحاب کے حالات کی تفصیل میں۔

۳۔معجم البلدان کے مؤلف نے سند کے ذکر کے بغیر اماکن کے حالات کی تفصیل میں۔

درج کیا ہے۔

ثالثاً طبری اور معجم البلدان سے بھی:

۱۔ابن اثیر نے

۲۔ابن کثیر نے اور

۳۔ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ام زمل کے ارتداد کی داستان

ابیدت فیھا بیوتات

اس جنگ میں بہت سے خاندان نابود ہوئے۔

سیف

طبری ''ام زمل'' نامی ایک عورت کے ارتداد کے بارے میں ایک اور مفصل داستان سیف سے نقل کرتا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

ام زمل جس کا نام سلمی تھا، ایک ارجمند اور مقتدر عورت تھی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں شمار ہوتی تھی، وہ عزت و احترام میں اپنی ماں ام فرقہ بنت ربیعہ سے کچھ کم نہ تھی، یہ عورت ابوبکر کے زمانے میں مرتد ہوئی اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف اس نے بغاوت کی، ''جنگ بزاخہ'' اور طلیحہ کے تمام شکست خوردہ اور بھاگے ہوئے سپاہی اس کے گرد جمع ہوئے، اس کے بعد سیف کی خیالی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت سے دوچار ہوکر بھاگے ہوئے قبائل غطفان، ہوازن، سلیم، اسد اور طے کے بچے کچھے سپاہی بھی اس عورت کے لشکر سے ملحق ہوئے اس کے علاوہ مرتد ہوئے قبائل کے تمام فراری اور آوارہ لوگ بھی اس سے جا ملے اور اس طرح اس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک عظیم لشکر منظم کیا، اس

بڑے لشکر کی کمان خود ام زمل نے سنبھالا۔

یہ لشکر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے آمادہ ہوا، جب یہ خبر مسلمانوں کے سپہ سالار خالد بن ولید کو پہنچی تو وہ ام زمل کے لشکر کی طرف روانہ ہوا اور ان کے درمیان ایک شدید جنگ واقع ہوئی اس جنگ میں ام زمل ایک عظیم الجثہ اونٹ پر سوار تھی یہ اونٹ اسے اپنی ماں کی طرف سے وراثت میں ملا تھا، جسے ایک محترم اونٹ مانا جاتا تھا، کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس اونٹ کو معمولی تکلیف پہنچاتا تو اسے اس کے مقابلہ میں سو اونٹ دینا پڑتے تھے، ام زمل ایسے ہی اونٹ پر سوار ہو کر سپاہ کی کمانڈ کر رہی تھی اور اپنی والدہ ام فرقہ کی طرح عجیب اور بے مثال بہادری اور شجاعت کے ساتھ مسلمانوں سے لڑ رہی تھی۔

سیف کہتا ہے:

> اس جنگ میں "خاسی"، "ہاربہ"، اور "غنم" قبیلہ کے بہت سے خاندان نابود ہوئے اور قبیلۂ "کاہل" کے بہت سے افراد قتل ہوئے اور ام زمل کے اونٹ کے اطراف میں کشتوں کے پشتے لگ گئے کہ صرف ام زمل کے اونٹ کے اطراف میں سو سے زائد لاشیں پڑی تھیں، آخر کار یہ جنگ ام زمل کے قتل اور مسلمانوں کی فتحیابی پر ختم ہوئی مسلمانوں کی فتح کی نوید مدینہ بھیجی گئی۔

یہ بھی مرتدوں کی ایک اور جنگ ہے کہ سیف نے اسے مؤرخین کیلئے تحفہ کے طور پر پیش کیا ہے اور کہتا ہے کہ اس جنگ میں قبائل خاسی، ھاربہ اور غنم کے کئی خاندان نابود ہوئے اور قبیلۂ کاہل کے بہت سے افراد قتل ہوئے اور ام زمل کے اونٹ کے اطراف میں بھی مختلف قبائل کے ایک سو افراد قتل

ہوئے۔

یہ تھی سیف کے بقول ام زمل کے ارتداد اور مسلمانوں کے ساتھ اس کی جنگ کا خلاصہ جو بنیادی طور پر جھوٹ اور جعلی ہے اس جنگ کے تمام جزئیات اور تانے بانے کو سیف نے خود گڑھا اور بنا ہے حتی اس جنگ کی سپہ سالار اور سورما، ام زمل نامی عورت بھی سیف کے ذہن کی تخلیق ہے اس کے علاوہ سہل نامی اس داستان کا راوی بھی سیف کے ذہن کی مخلوق ہے، اس کے بعد اس داستان کو سیف سے طبری، حموی اور ابن حجر نے نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، بعد میں دوسرے مؤرخین نے بھی ان تین افراد سے نقل کر کے اسے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس طرح یہ افسانوی اور جھوٹی داستان تاریخ کی کتابوں اور اسلامی متون میں شامل ہوگئی ہے[1]

۱۔ ہم نے کتاب عبداللہ بن سبا کی جلد اول میں فصل ''نباح کلاب الحواب'' اور جلد دوم میں فصل ''رواۃ مختلفون'' میں ''ام زمل'' کے حالات کی تشریح میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

عمان اور مہرہ کے باشندوں کے ارتداد کی داستان

و قتلوا من المشر کین فی المعر کۃ عشرۃ آلاف

اس جنگ میں مسلمانوں نے دس ہزار مشرکین کو قتل کر ڈالا۔

سیف

سیف کی روایت

جیسا کہ طبری سیف سے نقل کرتا ہے، مسلمانوں کا ''دبا'' کے مقام پر مشرکین سے آمنا سامنا ہوا اور ان کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی اس جنگ میں مسلمان فتحیاب ہوئے اور دس ہزار مرتدوں کو قتل کر ڈالا، ان کے بچوں کو اسیر بنایا ان کا مال و منال لوٹ لیا اور آپس میں تقسیم کر دیا، اسیروں میں سے پانچویں حصہ ـــ جن کی تعداد آٹھ سو سے زیادہ تھی ـــ کو اسیروں کے خمس کے عنوان سے ابو بکر کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

سیف کہتا ہے: مسلمانوں نے ''دبا'' کے مشرکین سے جنگ کے بعد ''مہرہ'' کی طرف کوچ کیا تا کہ وہاں کے مشرکین سے لڑیں ''مہرہ'' کے مشرکین دو گروہ میں منقسم تھے اور سرداری کے موضوع پر آپس میں اختلاف و جنگ کرتے تھے، ان میں سے ایک گروہ کی سرپرستی خاندان ''شخرات'' نامی ایک شخص کر رہا تھا یہ گروہ ''جیروت'' میں زندگی گذار رہا تھا اور اس کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ جیروت سے ''نضدون'' تک پھیلے ہوئے تھے، اس کے بعد سیف ''جیروت'' اور نضدون کا تعارف کراتے

ہوئے کہتا ہے: ''جیروت'' اور ''نصد ون'' ''مہرہ'' کے بیابانوں میں سے دو بیابان ہیں۔اس کے بعد اپنی بات کو یوں جاری رکھتا ہے: مسلمان جب ''مہرہ'' پہنچے تو ''شخر یت'' مسلمانوں کے کمانڈر سے ملحق ومتحد ہو کر ان کا ہم پیمان ہو گیا اور اپنے تمام افراد و سپاہیوں کے سمیت مسلمانوں کے لشکر سے ملحق ہوا اور انہوں متحد ہو کر مشرکین کے دوسرے گروہ کی طرف کوچ کیا یہاں پر ''دبا'' کی جنگ سے ایک شدید تر جنگ واقع ہوئی اور آخر کار مشرکین کا سردار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا اور مشرکین کے لشکر کو شکست و ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا اور مسلمانوں کے فوجیوں نے انھیں تہہ تیغ کیا اور حتی الامکان ان کے افراد کا قتل عام کیا، ان کے مال و منال کو غنیمت کے طور پر لوٹ لیا اور ان کا پانچواں حصہ غنائم کے خمس کے طور پر ابوبکر کو بھیج دیا اس جنگ میں مسلمانوں نے اس قدر مشرکین سے جنگی غنائم حاصل کئے کہ ان میں سے صرف ایک قسم عمدہ نسل کے دو ہزار گراں قیمت گھوڑے تھے۔

سیف کہتا ہے: جب یہ پے در پے فتحیابیاں مسلمانوں کو نصیب ہوئیں تو اس علاقہ کے تمام لوگوں میں خوف و وحشت پھیلی اور سب لوگوں نے جان و مال کے خطرہ میں پڑنے کے ڈر سے اسلام قبول کیا، ان جنگوں کے نتیجہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں، ریاضہ، مر، للبان، جیروت، ظہور الشحر، الصبرات، ینعب اور ذات خیم کے باشندے تھے، ان علاقوں کے باشندوں کے مسلمان ہونے کی روداد کو نوید کے طور پر مرکز اسلامی میں ابوبکر کو اطلاع بھیج دی گئی۔

یہ تھا اس داستان کا ایک حصہ جسے سیف نے اپنی کتاب فتوح میں درج کیا ہے اور طبری نے بھی اسے سیف سے نقل کر کے اپنی تاریخ میں ثبت کیا ہے اور دوسرے مؤرخین جیسے ابن اثیر، ابن کثیر

اور ابن خلدون نے طبری سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

حموی نے بھی اس داستان میں ذکر ہوئے شہروں اور علاقوں کے نام سیف سے نقل کر کے شہر اور اماکن کی فہرست میں قرار دے کر سیف کی روایتوں سے ان کیلئے تفصیل وتشریح لکھی ہے مراصد الاطلاع کے مؤلف نے بھی حموی سے نقل کیا ہے ابن حجر نے بھی ''شخر ات'' نامی شخص (جو اس داستان میں آیا ہے) کو سیف سے نقل کر کے اس کی زندگی کے حالات کو ''اصابہ'' میں اصحاب رسولؐ کی فہرست میں درج کیا ہے، اس طرح یہ جھوٹی داستانیں، ان میں ذکر ہوئے اشخاص واماکن کے نام اشخاص کے حالات سے مربوط کتابوں میں درج ہونے کے بعد ''معجم البلدان'' (شہروں اور اماکن سے مربوط کتابوں) آ گئے ہیں، اور آج تک تاریخ اسلام کے حقیقی واقعات کے طور پر مسلمانوں کے اختیار میں قرار پائے ہیں۔

اس داستان کی سند کی چھان بین

سیف نے محکم کاری اور دانشوروں کو اطمینان دلانے کیلئے عمان اور مہرہ کے باشندوں کی افسانوی داستان کو دو اسناد سے نقل کیا ہے ان دو مآخذ میں سے ایک میں ''سہل بن یوسف' کا نام ہے اور دوسری میں ''غصن بن قاسم'' کا نام آیا ہے، ہم نے گزشتہ بحثوں میں کہا ہے کہ یہ دونوں راوی سیف کے جعل کردہ ہیں اور اس قسم کے راویوں کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے....

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایتوں میں عمان اور مہرہ کے باشندوں کی داستان:

قارئین کرام نے یہاں تک عمان اور مہرہ کے باشندوں کے ارتداد کی داستان کو سیف کی زبانی سنا، اب ہم دوسرے معتبر راویوں کی زبانی اسی داستان کو بیان کرتے ہیں تاکہ سیف کی خود غرضیاں واضح اور روشن ہوجائیں۔

کلاعی کتاب ''اکتفاء'' میں اور ابن عثم کوفی کتاب ''فتوح'' میں کہتا ہے: عکرمہ[۱] اپنے لشکر کے ساتھ ''دبا'' کی طرف روانہ ہوا اور اس کے سپاہیوں کا ''دبا'' کے باشندوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا اور ان کے درمیان جنگ ہوئی، مسلمانوں کے حملے سخت اور کاری تھے اور ''دبا'' کے سپاہی ان کے مقابلے میں تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر بھاگ گئے اور اپنے شہر کے آخری نقطہ تک پیچھے ہٹے، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور انھیں تہہ تیغ کیا اور اس جنگ میں ان کے ایک سو سپاہیوں کو قتل کر ڈالا، باقی لوگوں نے قلعوں اور آبادیوں میں پناہ لے لی، مسلمانوں نے انھیں اسی قلعہ میں محاصرہ کر دیا، جب ''دبا'' کے لوگوں نے خود کو محاصرہ میں پایا تو انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال

۱۔ عکرمہ بن ابی جہل قبیلۂ قریش اور خاندان مخزوم سے تھا، اس کی ماں ''ام مجالد'' ہلال بن عامر کے خاندان سے ہے عکرمہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ میں اسے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اور وہ ڈر کے مارے یمن بھاگ گیا تھا اس کے بعد اس کی بیوی ام حکیم (چچیری بہن) اور حارث بن ہشام نے اس کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان حاصل کیا اور اسے مکہ میں پیغمبرؐ کے حضور میں پیش کیا، عکرمہ وہاں پر مسلمان ہوا اس کے بعد اس نے کہا: یا رسول اللہ جتنے پیسے میں نے آج تک آپ کے خلاف صرف کئے ہیں اسی مقدار میں پیسے راہ خدا میں صدقہ دیدوں گا یہ وہی عکرمہ ہے جسے ابوبکر نے مردوں کی جنگ میں کمانڈر مقرر کیا وہ جنگ اجنادین یا یرموک یا جنگ صفر جو شام کی جنگوں میں سے ایک تھی ۱۳ھ میں قتل ہو (اسد الغابہ ۴/ ۶، تاریخ اسلام ذہبی ج ۱/ ۳۸۰)

دئے ،مسلمانوں نے ان کے سرداروں اور کمانڈروں کوقتل کرڈالا اور باقی لوگوں ـــ جن میں تین سو جنگجو اور چار سو عورتیں اور بچے تھے ـــ کو ابو بکر کے پاس بھیج دیا،ابو بکر ان کے مردوں کوقتل کر کے عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہتے تھے عمر نے اسے ایسا کرنے سے روکا اور کہا کہ یہ مسلمان ہیں اور دل سے قسم کھاتے ہیں کہ ہم اسلام سے منحرف نہیں ہوئے ہیں لیکن مال و دولت سے ان کی انتہائی دلچسپی انہیں زکوۃ دینے سے روکتی تھی جس نے انھیں اس انجام تک پہنچادیا ہے۔

اسلئے ابو بکر نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن ان کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی انھیں مدینہ میں نظر بند رکھا گیا یہاں تک عمر کی خلافت کا دور آ گیا اور انھوں نے انھیں آزاد چھوڑ دیا، کلاعی اضافہ کرتا ہے کہ وہ آزاد ہونے کے بعد بصرہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہیں پر رہائش اختیار کی۔

بلاذری ''مہرۃ'' کے باشندوں کے بارے میں کہتا ہے: قبیلۂ مہرۃ بن حیدان کے بعض لوگوں نے اجتماع کیا عکرمہ ان کی طرف روانہ ہوا اور انہوں نے اپنے مال کی زکوۃ اسے ادا کی اس لئے ان کے درمیان کوئی نبرد آزمائی نہیں ہوئی۔

تحقیق و تطبیق کا نتیجہ

سیف کہتا ہے: مسلمانوں نے عمان کے باشندوں کے ساتھ جنگ میں ان کے دس ہزار افراد کو قتل کرڈالا اور ان کے بہت سے لوگوں کو اسیر بنایا جس کے پانچویں حصہ کی تعداد آٹھ سو افراد پر مشتمل تھی جبکہ دوسرے مؤرخین نے ان کے چند سرداروں سمیت کل مقتولین اور اسیروں کی تعداد

صرف آٹھ سوافراد بتائی ہے۔

لیکن، مہرہ کے باشندوں کے بارے میں سیف کہتا ہے کہ وہ دوگرہوں میں منقسم تھے اوران میں سے ایک گروہ نے مسلمانوں سے اتحاد کیا اور دوسرے تمام مشرکوں سے لڑے اور یہ جنگ ''دبا'' کی جنگ سے شدید ترتھی اس جنگ میں مشرکین کا سردار مارا گیا اور مسلمانوں سے جتنا ممکن ہوسکا قتل عام کیا اوران کے مال وثروت کو دلخواہ حدتک لوٹ لیا اس جنگ میں دیگر اموال وغنائم کے علاوہ دو ہزار گراں قیمت اور اچھے نسل کے گھوڑے مسلمانوں کے نصیب ہوئے کہ ان کا پانچواں حصہ ابوبکر کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا گیا، اس قتل و غارت کے بعد اس علاقہ کے لوگ دوبارہ اسلام کے دائرے میں آ گئے۔

جبکہ دوسرے مؤرخین کہتے ہیں مہرہ کے لوگوں کے درمیان ایک چھوٹا سا اجتماع منعقد ہوا تھا جب عکرمہ مہرہ میں داخل ہوا تو مہرہ کے لوگوں نے کسی جنگ کے بغیر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی۔

داستان کا خلاصہ

عمان کے باشندوں کے ارتداد کی داستانوں نے جو تلخ و ناگوار نتائج مسلمانوں کے حوالے کیا وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ شخریت نامی ایک اور جعلی صحابی کا نام اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست میں اضافہ کیا گیا اوراس کی زندگی کے حالات علم رجال کی کتابوں اور اصحاب رسولؐ کے حالات پر

مشتمل مآخذ میں درج کئے گئے ہیں اور انھیں جھوٹ کے ساتھ ممزوج کیا گیا ہے۔

۲۔ اسلامی جغرافیہ کی کتابوں میں آٹھ افسانوی سرزمینوں کو مختلف ناموں کے ساتھ درج کیا گیا ہے اور اس طرح ان کی کتابوں کی قدر و منزلت اور اعتبار کو گرادیا گیا ہے۔

۳۔ اسلام کو تلوار اور خون کا دین معرفی کرنے کے افسانوں میں دو اور افسانوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس طرح دشمنوں کے بہانہ کو تقویت بخشی ہے۔

عمان اور مہرہ کے باشندوں کے ارتداد کے افسانہ کے راویوں کا سلسلہ

اولاً: سیف نے عمان اور مہرہ کے باشندوں کے ارتداد کی روایت کو دو طریقوں سے نقل کیا ہے:

ایک کو سہل بن یوسف سے نقل کیا ہے اور دوسری کو غصن بن قاصم سے نقل کیا ہے لیکن یہ دونوں شخص سیف کے جعلی اور نقلی راوی تھے عالم اسلام میں اصلاً اس قسم کے راویوں کا کہیں وجود ہی نہیں تھا۔

ثانیاً: سیف سے:

۱۔ طبری نے سیف کے استناد سے۔

۲۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں سند کی ذکر کے بغیر۔

۳۔ ابن حجر نے ''اصابہ'' میں سیف کے استناد سے۔

اس کے علاوہ:

۴۔ابن اثیر نے

۵۔ابن کثیر اور

۶۔ابن خلدون نے طبری سے نقل کرکے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

۷۔عبدالمؤمن نے بھی معجم البلدان سے نقل کرکے اسے ''مراصدالاطلاع'' میں درج کیا ہے۔

اہل یمن اور اخابث کا ارتداد

و انما اختلق سیف بن عمر

ان سب کو سیف بن عمر نے بذات خود جعل کیا ہے۔

مؤلف

اہل یمن کا ارتداد

سیف کہتا ہے: ابوبکر کی حکومت کے دوران جب نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والا ''اسود'' ہلاک ہوا، تو اس کے حامیوں کا ایک گروہ ازد، بجیلہ وخثعم کے مختلف قبائل کے افراد پر مشتمل تشکیل پایا اور ''حمیضہ بن نعمان'' کے گرد جمع ہوئے اور صنعا ونجران کے درمیان رفت و آمد کرتے رہے ابوبکر کی طرف سے مقرر کردہ طائف کے حاکم عثمان بن ابی العاص نے عثمان بن ربیعہ کی کمانڈری میں ایک لشکران کی طرف روانہ کیا۔

یہ دولشکر ''شنواء'' نام کی ایک سرزمین پر ایک دوسرے کے مقابلہ میں قرار پائے اور ان کے درمیان ایک گھمسان کی جنگ چھڑ گئی یہ جنگ کفار کی شکست اور انکے تتر بتر ہونے پر ختم ہوئی اور ان کا سردار حمیضہ بھی کسی دور دراز علاقہ کی طرف فرار کر کے روپوش ہو گیا۔

اہل یمن کا دوسرا ارتداد

سیف کہتا ہے: جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ابوبکر نے یمن کے سرداروں اور بزرگوں کے نام ایک خط لکھا اور اس میں انھیں دعوت دی کہ اپنے دین پر پائیداری اور استقامت کے ساتھ باقی رہیں اور ایرانی نسل کے لوگوں ـــ جو ''ابناء'' یعنی فرزندان فارس کے نام سے مشہور تھے ـــ کی نصرت کریں، اور ان کے سردار فیروز کی اطاعت کریں، جب یہ خبر قیس بن عبدیغوث کو پہنچی تو اس نے ظلم وستم، بربریت اور وحشتناک قتل عام کا آغاز کیا۔

اس نے ''ابناء'' کے بزرگوں کو قتل کر ڈالا اور باقی لوگوں کو شہر یمن سے شہر بدر کیا اسود عنسی کے سپاہی (جو یمن کی پہلی جنگ میں شکست کھا کر فرار کر گئے تھے اور پراکندہ حالت میں مسلمانوں سے لڑ رہے تھے) کے نام خفیہ طور پر ایک خط لکھا اور انھیں دعوت دی کہ اس کے ساتھ ملحق ہو کر مسلمانوں کو کچلنے کیلئے ان سے اتحاد کریں، انہوں نے قیس کی دعوت کا مثبت جواب دیا اور اس کی طرف روانہ ہوئے اس سے پہلے کہ وہ قیس تک پہنچتے، قیس نے فیصلہ کیا کہ ''ابناء'' کے سرداروں اور بزرگوں کو مکر و فریب کے ذریعہ قتل کر ڈالے، اس لئے اس نے ان کو ایک ایک کر کے دعوت دی اور یہ دعوت پہلے ''ازویہ'' سے شروع کی اور اسے ایک بہانہ سے اپنے گھر بلایا اور دھوکہ سے قتل کر ڈالا۔

جب ''ابناء'' کے دوسرے سردار اور معروف شخصیتیں قیس کے مقصد سے آگاہ ہوئے تو وہ ڈر کے مارے پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے، قیس نے ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے یمن سے

نکال باہر کر کے ان کے اصلی وطن ایران کی طرف روانہ کیا، بالکل اسی اثناء میں اسود کے باقی بچے فوجی بھی قیس کی دعوت کے مطابق اس کے پاس پہنچے اور ''صنعاء'' میں اسکے لشکر سے ملحق ہو گئے۔ یہاں پر ''صنعاء'' اور اس کے اطراف میں ایک زبردست انقلاب رونما ہوا، ''ابناء'' کے سردار فیروز نے قیس کے لشکر کو کچلنے کیلئے بعض قبائل کی مدد کی درخواست کی اور ایک لشکر کو مسلح و آراستہ کر کے قیس کے سپاہیوں سے نبرد آزما ہوا، یہاں تک اس نے ابناء کی عورتوں اور بچوں کو دشمن سے آزاد کر کے اپنے پاس لے آیا، دوسری بار بھی یہ دو لشکر صنعاء کے نزدیک ایک دوسرے سے متخاصم ہوئے یہاں پر ایک شدید تر جنگ واقع ہوئی اس جنگ میں فیروز کا لشکر کامیاب ہوا اور قیس کی فوج کو سخت شکست دیدی اور خود قیس کو بھی گرفتار کر کے ابوبکر کے پاس بھیج دیا۔

اخابث کا ارتداد

سیف کہتا ہے: تہامہ میں جو پہلی شورش اور بغاوت رونما ہوئی وہ قبیلۂ ''عک'' و ''اشعر'' کے ذریعہ تھی، انہوں نے مرتد ہونے اور بغاوت پر اترنے کے بعد ''اعلاب'' نامی ایک ساحلی جگہ پر اجتماع کیا، ''طاہر بن ابی ہالہ'' ـــ جو اسلامی حکومت کی طرف سے عک و اشعر کا حاکم تھا ـــ مرتد نہ ہوئے قبائل کے چند افراد کے ساتھ ان دو قبائل کے مرتدوں کی طرف روانہ ہوا، اور ''اعلاب'' کی جگہ پر ان سے روبرو ہوا اور ان کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی نتیجہ کے طور پر قبیلہ عک اور ان کے حامیوں نے شکست کھائی اور وہ سب قتل ہو گئے ان کی لاشیں اتنی دیر زمین پر پڑی رہیں کہ وہ سڑ گئیں اور ان کی

بد بو تمام اطراف اور قافلوں کی راہوں تک پھیل گئی یہ فتحیابی مسلمانوں کیلئے ایک عظیم فتح شمار ہوئی ،
چونکہ ابوبکر نے ابی ہالہ کے نام اپنے خط میں ان دو قبیلوں کے باغی اور نافرمان افراد کو اخابث یعنی
خبیث افراد اور ان کی راہ کو ''راہ خبث'' کہا تھا، اسی لئے ان دو قبیلوں کو اس تاریخ کے بعد ''اخابث'' کہا
جاتا ہے اور یہ جنگ بھی ''جنگ اخابث'' اور یہ راستہ بھی ''راہ اخابث'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ان روایتوں کے اسناد کی تحقیق اور ان کا تاریخ کی کتابوں میں درج ہونا:

سیف سے نقل کی گئی ان روایتوں کی سند میں حسب ذیل راوی ذکر ہوئے ہیں:

۱۔ سہل: یہ وہی سہل بن یوسف سلمی ہے جو سیف کی روایتوں کا افسانوی سورما ہے۔

۲۔ مستنیر بن یزید: اس کو سیف نے قبیلۂ نخع سے متعارف کرایا ہے۔

۳۔ عروۃ بن غزیہ: سیف نے اسے قبیلہ دثین سے شمار کیا ہے۔

ہم نے گزشتہ بحثوں میں کہا ہے کہ ان راویوں میں سے کوئی ایک بھی حقیقت میں وجود نہیں
رکھتا تھا اور یہ سب سیف کی ذہن کی تخلیق اور پیداوار ہیں۔

طبری نے بھی ان روایتوں کو سیف سے نقل کر کے اپنی تاریخ میں ۱۱ھ کے حوادث کے ضمن
میں درج کیا ہے، ابن اثیر نے بھی طبری سے نقل کر کے انھیں اپنی تاریخ میں درج کیا ہے، ابن کثیر
نے بھی ان ہی داستانوں کے خلاصہ کو طبری سے نقل کر کے اپنی تاریخ میں ثبت کیا ہے۔

''الاصابہ'' کے مؤلف نے ''ابن ابی ہالہ'' عثمان بن ربیعہ اور حمیضہ بن نعمان کی زندگی کے
حالات کے بارے میں ان ہی داستانوں پر اعتماد کر کے ان کے نام اور کوائف کو سیف کی ان ہی

روایتوں سے استفادہ کر کے ان کے بارے میں اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے بھی تشریح لکھی ہے۔

معجم البلدان میں لفظ ''اعلاب'' و ''اخابث'' کی تشریح کے سلسلے میں یاقوت حموی کا مآخذ بھی سیف کی عبارتیں ہیں، وہ کہتا ہے: ابوبکر نے اس قبیلہ کے افراد اور اطراف سے ان کی طرف آنے والے افراد کو ''اخابث'' کہا ہے، اور یہ گروہ اس تاریخ سے آج تک اخابث کے عنوان سے معروف ہوا ہے اور جس راہ پر وہ چلے ہیں اسے راہ اخابث کہا جاتا ہے

اس عبارت کے خلاصہ کو ابن اثیر اپنی تاریخ میں درج کر کے یوں لکھتا ہے:

ابوبکر نے اس قبیلہ کو ''اخابث'' اور جس راہ پر وہ چلے تھے اسے راہ اخابث نام رکھا اور یہ تمام آج تک ان کیلئے باقی ہے۔

چونکہ معجم البلدان کے مؤلف اور ابن اثیر کے بیان میں بھی یہ جملہ آیا ہے کہ انھیں اخابث کہا گیا ہے اور یہ نام ابھی تک باقی ہے لیکن ان کے بیان میں اس روایت کا مآخذ اور راوی ذکر نہیں ہوا ہے پڑھنے والا گمان کرتا ہے کہ یہ جملہ خود ابن اثیر اور معجم البلدان کے مؤلف کا ہے کہ ان کے زمانے میں اخابث نام کی راہ اور لوگ موجود تھے، اور انہوں نے اس راہ اور ان لوگوں کے نام کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور ان کی تشریح اور تفصیل لکھی ہے، لیکن زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نام نابود ہو کر فراموش ہو گئے ہیں۔

اور یہ ہمارے زمانے میں اس قسم کی جگہوں اور لوگوں کا نام ونشان نہیں ہے جبکہ ابن اثیر

مؤلف معجم البلدان اور نہ طبری کے زمانے میں اس قسم کی راہ یا جگہ یا لوگوں کا روئے زمین پر کہیں وجود تھا اور نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد اور حتی نہ خود سیف کے زمانہ میں اس قسم کی کوئی جگہ یا لوگ موجود تھے بلکہ انھیں سیف بن عمر نے خود جعل کر کے اپنے تمام جعلیات میں اضافہ کیا ہے اور سیف کے بعد آنے والوں نے بھی اس کی عین عبارتوں اور الفاظ کو نقل کیا ہے اور یہی موضوع دوسروں کی غلط فہمی کا سبب بنا ہے۔

سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت

ہم نے مؤرخین میں سیف کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا ہے جس نے اہل یمن کیلئے ارتداد کی دو جنگوں کا ذکر کیا ہو اور کہا ہو کہ کوئی گروہ بنام اخابث تھا اور وہ مرتد ہوا تھا اس سلسلہ میں صرف بلاذری ایک مختصر بات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: قیس پر ''ازویہ'' کے قتل کا الزام لگا تھا اور ابوبکر کو بھی اس روداد کی خبر ملی کہ وہ صنعا میں مقیم ایرانیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا اور ان کے ایک مشہور شخص ''ازویہ'' کو قتل کیا ہے لہذا اس موضوع کرے بارے میں وہ ناراض اور غضبناک ہوا اور صنعا میں اپنے حاکم کو حکم دیا کہ قیس کو گرفتار کر کے مدینہ بھیج دے جب قیس مدینہ میں داخل ہوا تو اس نے ازویہ کے قتل کے بارے میں انکار کیا، ابوبکر نے اسے مجبور کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے پاس جا کر پچاس مرتبہ قسم کھائے کہ وہ ''ازویہ'' کے قتل کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں رکھتا ہے۔

اس نے قسم کھائی اس کے بعد ابوبکر نے اس کی بات مان لی اور اسے آزاد کر کے حکم دیا کہ شام

جا کر رومیوں سے لڑنے والے اسلام کے سپاہیوں کی مدد کرے۔

نتیجہ اور خلاصہ

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤرخین میں سے کسی نے بھی اس فصل میں ذکر ہوئی سیف بن عمر کی داستانوں کے بارے میں نقل نہیں کیا ہے، اور بنیادی طور پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں ''حمیضہ'' اور ''عثمان بن ربیعہ'' نام کے کمانڈروں کا کہیں وجود نہیں تھا تاکہ یمن کے مرتدوں کے ساتھ ان کی جنگ صحیح یا غلط ثابت ہو۔

جس طرح خداوند عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہ کے طاہر بن ابی ہالہ نامی فرزند کو اصلاً خلق نہیں کیا ہے تاکہ اخابث کے مرتدوں سے وہ جنگ کرے اس طرح قطعاً اعلاب اور اخابث نامی کسی جگہ کو بھی روئے زمین پر خلق نہیں کیا ہے تاکہ وہاں پر کوئی جنگ واقع ہو۔

جی ہاں! نہ ایسی کوئی جنگ واقع ہوئی ہے جس کے اوصاف سیف نے بیان کئے ہیں اور نہ کوئی جگہ اس نام و نشان کی موجود تھی اور نہ اس قسم کے کمانڈروں، جنگ کے بہادروں اور ارتداد کا کہیں نام و نشان تھا بلکہ یہ سب اور ان کے جزئیات و کوائف اور سورما سیف بن عمر کے خلق کئے ہوئے ہیں، جس طرح اس نے سہل بن یوسف عروۃ بن غزیہ دثینی اور مستنیر جیسے راویوں کو اپنے ذہن سے خلق کیا ہے اور یہ داستانیں ان سے ہمارے لئے نقل کی ہیں۔

گزشتہ فصلوں کا خلاصہ ونتیجہ

جیسا کہ گزشتہ فصلوں میں بیان ہوا، سیف نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مختلف عرب قبائل کو مرتد اور پیمان شکن کے طور پر معرفی کیا ہے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان زبردست اور شدید خونریزیاں نقل کی ہیں، ان کا نام ''حروب'' یا مرتدوں کی جنگیں رکھا ہے، ہم نے گزشتہ فصلوں میں ان جنگوں کے سلسلہ میں ان مقامات کو نمونہ کے طور پر پیش کیا اور ان کی ایک ایک کر کے تشریح لکھی، ان کا خلاصہ سیف کے کہنے کے مطابق حسب ذیل تھا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اسلام کی سرزمین کفر وارتداد کی طرف مائل ہوگئی۔ تمام عرب قبیلے بجز قبیلۂ قریش اور ثقیف، مرتد ہوئے اور اسلامی حکومت کی اطاعت کرنے سے منکر ہوئے، نتیجہ کے طور پر تمام اسلامی سرزمینوں میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور اکثر لوگوں کو لقمۂ اجل بنا دیا

اس مقدمہ اور راہ ہموار کرنے کے بعد سیف ابوبکر کے نام پر کئی جنگیں نقل کرتا ہے ان جنگوں کا نام جنگ ''ابرق ربذہ'' اور ''ذی القصہ'' رکھتا ہے۔

سرزمین ''ذی القصہ'' میں گیارہ پرچم اور گیارہ کمانڈر خلق کرتا ہے اور ہر کمانڈر کے ہاتھ ایک پرچم دیتا ہے ابوبکر کی طرف سے کمانڈروں کے نام عہد نامے اور مرتد ہوئے قبائل کے نام کئی خطوط تالیف کرتا ہے۔

اس کے بعد ارتداد کے بارے میں کئی دوسری داستانیں جیسے: قبیلۂ طی، ام زمل مر، عمان، یمن ،گروہ اخابث اور قبائل عرب کے نام پر گڑھ لیتا ہے اس کے بعد خونین اور گھمسان کی جنگوں، ان جنگوں میں قتل اور اسیر ہونے والوں کی بڑی تعداد کا ذکر کرتا ہے اپنے کام اور بیان کو استحکام بخشنے کیلئے ان افسانوی جنگوں کے بارے میں اشعار و قصائد بھی گڑھ لیتا ہے۔

یہ ہے سیف کی مرتدوں کے ساتھ واقع ہوئی نو جنگوں کا خلاصہ ہم نے ان جنگوں کے بارے میں گزشتہ بحثوں میں تحقیق و جانچ پڑتال کی اور یہ نتیجہ نکالا کہ سیف نے ان تمام داستانوں، روایتوں، جنگوں، خونین مناظر اور جنگی علاقوں کو بذات خود جعل و خلق کیا ہے اور مرحلۂ اول کے مؤرخوں کے سپرد کیا ہے اس نے اپنے افسانوی منصوبوں کے نفاذ کیلئے بنام حمیضہ اور طاہر اور دسیوں دوسرے سورما خلق کئے ہیں اور زیاد اور حنظلہ نامی شعراء بھی خلق کئے ہیں تا کہ ان حوادث کو شعر کی صورت میں پیش کر کے انھیں زیادہ سے زیادہ قانونی حیثیت و اہمیت بخشے، بعض اماکن اور جگہوں کو جعل کیا ہے اور ان کی نام گزاری بھی کی ہے تا کہ یہ دکھائے کہ یہ افسانوی جنگیں ان خیالی جگہوں پر واقع ہوئی ہیں جیسے: ابرق ربذہ، حمقتین جیروت، ذات خیم ریاضہ، الروضۃ اللبان، مر، نصدون اور ینعب کہ یہ تمام علاقے جعلی ہیں اور اس قسم کے علاقے اور اماکن روئے زمین پر موجود ہی نہیں ہیں، لیکن سیف کیا کرے ہر جنگ و حادثہ کیلئے ایک جگہ اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔

سیف نے اس مقصد کے پیش نظر بعض راویوں کو خلق کیا ہے تا کہ اپنی ان داستانوں اور جعلیات کو ان سے نقل کرے، جیسے: سہل بن یوسف، عروۃ بن غزیہ اور مستنیر و....

دلچسپ بات ہے کہ سیف نے سب سے پہلے ایک بنیاد بنائی ہے تا کہ اپنے تمام جھوٹ اور جعلیات کواس پر قرار دے اس نے اپنی بات کی ابتداء میں کہا ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اسلامی سرزمینوں میں فتنہ کے شعلے بھڑک اٹھے اور تمام عرب قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے۔

سیف، ارتداد وکفر کے الزام سے کسی بھی قبیلہ کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتا ہے، بجز قبیلۂ قریش اور ثقیف کے واضح ہے کہ اس نے ان دو قبیلوں کو بھی اس لئے کافر و مرتد نہیں بنایا ہے تا کہ انھیں دوسرے قبائل سے جنگ کرنے کیلئے بھیج دے ورنہ یکطرفہ جنگ قابل تصور نہیں ہے۔

جو کچھ ہم نے یہاں تک مرتدوں کے بارے میں سیف سے نقل کیا وہ مشتی از خروارے اور سمندر سے ایک قطرہ کے مانند ہے ان نمونوں کو بیان کرنے کا ہمارا مقصد یہ تھا کہ دانشوروں اور محققین کی توجہ ان بے بنیاد مطالب کی طرف مبذول کرائیں کہ سیف نے انھیں جعل کیا ہے اور انھیں نام نہاد معتبر تاریخی کتابوں میں درج کرایا ہے ورنہ اس کی تمام جعلی روایتوں کی تحقیق اور جانچ پڑتال کرنا ایک طولانی کام ہے اور یہ کام ہمیں اپنے مقصد تک پہنچنے میں (اسلام کو پہچاننے کی راہ میں حدیث اور سیرت کی پہچان میں) رکاوٹ بن سکتا ہے ان ہی مختصر نمونوں کا نقل کرنا ہمیں آسانی کے ساتھ دکھاتا ہے کہ سیف نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جزیرۃ العرب اور اسلامی سرزمینوں کے بارے میں ایک ایسا بدنما اور نفرت انگیز چہرے کا خاکہ کھینچا ہے کہ دنیا کے ان علاقوں کے ہر نقطہ سے مرتدوں کا ہجوم نظر آتا ہے اور ہر سمت سے ارتداد کی صدائیں اور دین مخالف نعرے بلند ہوتے سنائی دے رہے ہیں یعنی اسلام نے اپنے پیروؤں میں کس قسم کا اثر نہیں ڈالا تھا اور وہ دوبارہ تلوار کے ذریعہ

اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ اتنے مارے گئے ہیں کہ ان کی سڑی گلی لاشوں کی بدبو سے بیابانوں سے گزرنا مشکل ہو جاتا ہے اور باقی لوگ اسیر بنائے جاتے ہیں اور انھیں قافلہ کی صورت میں مدینہ بھیج دیا جاتا ہے۔

تیرہ صدیوں سے یہ جھوٹ مسلمانوں میں رائج ہے اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہوا ہے، اس طولانی مدت کے دوران نہ صرف یہ کہ دانشوروں میں سے کسی نے ان جھوٹ کے پلندوں کی طرف توجہ نہیں دی ہے بلکہ کھلے دل سے ان اکاذب کا استقبال کیا ہے کیونکہ سیف نے اس جھوٹ کی پوٹ کو ابوبکر کی مدح و ثناء کے دائرے میں قرار دیا ہے اور اسے اس کی تعریف و تمجید سے مزین کیا ہے۔

اب ہم سیف کی ابوبکر کے بارے میں کی گئی مدح وثنا کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن کے سبب اس کی جھوٹی روایتوں کو قبول کیا گیا ہے:

۱۔ سیف اپنی ان افسانوی داستانوں میں کہتا ہے:

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور اسامہ جنگ تبوک کی طرف روانہ ہوا تو تمام اسلامی سرزمینوں کے مختلف علاقوں میں عرب کفر و ارتداد کی طرف مائل ہو گئے اور پیغمبر کے زمانے میں مختلف شہروں میں ماموریت پر بھیجے گئے افراد مدینہ واپس آ گئے یمن، یمامہ اور دوسرے شہروں نیز علاقوں کے لوگوں اور قبیلۂ اسد کے ارتداد کی خبر لے آئے، ابوبکر نے ان سے کہا: صبر کرو تا کہ تمام امراء اور

فرمانرواؤں کے خطوط بھی ہمیں پہنچ جائیں شائد ان کے خطوط تمہارے بیان سے ناگوار تر اور تلخ تر ہوں زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مامورین اور فرمانرواؤں کے خطوط بھی مختلف علاقوں سے مدینہ پہنچ گئے جس طرح ابو بکر نے پیشگوئی کی تھی لوگوں کے ارتداد اور مرتدوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل ہونے کی خبر ان خطوط میں نمایاں تھی ، ابوبکر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشرکین کے ساتھ روا رکھی جانے والی روش کے مطابق ان سرکش اور پیمان شکن لوگوں کی طرف چند افراد کو روانہ کیا تا کہ ان پر قابو پایا جاسکے اور کچھ خطوط بھی ان کے نام لکھے اور ان خطوط کے ضمن میں انھیں دوبارہ اسلام قبول کرنے نیز اسلامی حکومت کو تسلیم کرنے کی دعوت دی،اور سرکشی و بغاوت اور ان کے ارتداد کے برے نتائج سے انھیں متنبہ کیا۔اس کے بعد اسامہ کے رومیوں کی جنگ سے واپس ہونے کا انتظار کیا تا کہ اسے حکومت اسلامی کی نافرمانی کرنے والے ان مرتدوں کی سرکوبی کیلئے بھیج دے۔

۲۔سیف ایک دوسری جگہ پر کہتا ہے:

تمام سرداروں اور فرمانرواوں نے مرتدوں سے ڈر کر مدینہ کی طرف فرار کیا اور مختلف قبائل کے ارتداد کی خبر ابوبکر کو پہنچا دی گئی اور انھیں اس امر سے خبر دار کیا جاتا رہا لیکن وہ اس قدر شجاع اور بہادر تھے کہ ذرہ برابر خوف محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ یہ خبر دیتے ہوئے ایسا لگتا تھا کہ جیسے انھیں نوید دی جا رہی ہو نہ یہ کہ انھیں کسی خطرے

سے آگاہ کیا جارہا ہو اس لئے لوگ ابوبکر کے بارے میں کہتے ہیں کہ "پیغمبر کے علاوہ ہم نے خطرناک اور وسیع جنگوں کے مقابلہ میں ابوبکر سے جری اور بہادر تر کسی کو نہیں دیکھا"

۳۔ سیف مزید کہتا ہے:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دس دن بعد قبیلۂ اسد، غطفان، ھوازن طی اور قضاعہ کے چند افراد مدینہ میں داخل ہوئے اور پیغمبر کے چچا عباس کے علاوہ مدینہ کے مشہور افراد سے ملاقات کی اور انھیں واسطہ قرار دیا تاکہ ابوبکر ان قبائل کے نماز پڑھنے پر اکتفاء کریں اور زکوٰۃ کی ادئیگی سے انھیں سبکدوش قرار دیں۔

امن و امان کے تحفظ کی غرض سے تمام مسلمان ان کی اس تجویز سے اتفاق کر کے ابوبکر کے پاس گئے اور روداد کو ان تک پہنچا دیا اور قبائل کے نمائندوں کی درخواست کو اس خبر کے ساتھ ابوبکر تک پہنچا دیا کہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالاتفاق اس تجویز کی تائید کی ہے ابوبکر نے اس تجویز اور درخواست کو قبول کرنے سے انکار کیا اور قبائل کے نمائندوں کو ابوبکر نے ایک رات اور ایک دن کی مہلت دی تاکہ اپنے حال پر نظر ثانی کر لیں وہ بھی اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے قبائل کی طرف روانہ ہو گئے۔

۴۔ ابوبکر کے ذوالقصہ کی طرف روانہ ہونے کے بارے میں سیف یوں قصیدہ خوانی و مدح سرائی کرتا ہے کہ مسلمان اس سے کہتے تھے:

اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین! خدا کا واسطہ اپنے آپ کو اس طرح خطرہ میں نہ ڈالئے، کیونکہ اگر آپ قتل ہو گئے تو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ بکھر جائے گا آپ کا وجود دشمن کے مقابلہ میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند اور ناقابل شکست ہے لہذا بہتر ہے اپنی جگہ پر کسی اور کو اس جنگ پر روانہ کر دیں اگر وہ مارا گیا تو کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر مقرر کر دیا جائے گا۔

ابوبکر نے کہا:

خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کروں گا اور اپنی جگہ پر کسی دوسرے کا انتخاب نہیں کروں گا مجھے اپنی جان کی قسم! تم مسلمانوں کی نصرت و مدد کرنی چاہئے۔

جی ہاں، سیف اچھی طرح جانتا ہے کہ لقمہ کو کیسے نگلنا چاہئے اور زہریلی غذا میں کونسی چٹنی ملانی چاہئے تا کہ لوگوں کو آسانی کے ساتھ کھلائی جاسکے اسی قسم کے کارنامے اور رنگ آمیزیاں سبب بنی ہیں کہ مسلمانوں کے مشہور علماء اور دانشور سیف کی روایتوں کے دلدادہ بن جائیں اور اسے زندقہ اور جھوٹ سمجھنے کے باوجود دوسرے راویوں اور حدیث نقل کرنے والوں پر اس کو ترجیح دیں اور اس کی روایتوں کو دوسروں کی نسبت زیادہ اہمیت دیگر ترویج کریں اور ابوبکر کی خلافت کے دوران واقع ہوئے حوادث کے بارے میں ہمارے لئے صحیح طور پر عکاسی کرنے والی معتبر روایتوں کو پس پشت ڈال کر فراموش کر دیں۔

جنگ سلاسل یا فتح ابلہ

و هذه القصة خلاف ما يعرفه اهل السيرة

یہ داستان مورخین کے بیان کے برعکس ہے۔

طبری

گزشتہ صفحات میں ہم نے بیان کیا کہ سیف نے اسلام کو ''تلوار اور خون'' کا دین ثابت کرنے کیلئے بہت سی روایتوں اور داستانوں کو جعل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سیف کی روایتیں دو قسم کی ہیں:

ان میں سے ایک حصہ مرتدوں کی جنگوں کے طور پر اور دوسرا حصہ فتوحات اسلامی کے عنوان سے ہے۔

ہم نے گزشتہ فصلوں میں سیف کی ان روایتوں کے نمونے بیان کئے جنہیں اس نے مرتدوں سے خونین اور وحشتناک جنگوں کے بارے میں جعل کیا ہے اس فصل میں ہم اسلامی فتوحات کے بارے میں جعل کی گئی سیف کی روایتوں کو بیان کریں گے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک مستقل اور جداگانہ فصل میں تشریح اور تفصیل پیش کریں گے، لیکن چونکہ دونوں قسم کی روایتیں ایک مقصد کیلئے جعل کی گئی ہیں اور دونوں اسلام کے چہرہ کو جنگ وخوں ریزی اور خونین ثابت کرنے کیلئے ہے، لہذا ہم بھی انھیں ایک ہی حصہ میں بیان کریں گے۔

فتح ابلہ کی داستان

سیف نے جن جنگوں کو فتوحات کے عنوان سے نقل کیا ہے، ان میں ایک جنگ، فتح ابلہ یا جنگ سلاسل کے نام سے مشہور ہے اس جنگ کی روداد کو سیف نے حسب ذیل صورت میں تشریح کی ہے:

ابوبکر نے ایک خط میں خالد بن ولید۔جو ان دنوں یمامہ میں تھا ۔کو لکھا کہ یمامہ کی جنگ کے بعد عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اس سرزمین کے کفار و مشرکین سے جنگ کرو اور ''ابلہ'' ۔جو ان دنوں ایران اور ھند کا بندر شمار ہوتا تھا ۔ تک پیش قدمی کرو۔

خالد نے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے، سرحد ''ابلہ'' میں موجود ایرانی سرحد کے محافظ ہرمز کے نام ایک خط لکھا اس خط کو آزادبہ (یمن کے زباذبیہا کے باپ) کے ہاتھ بھیجا کہ اس کا مضمون یوں تھا۔

خالد بن ولید کی طرف سے عجم کے سرحدی چوکیوں کے کمانڈر ہرمز کے نام!

امابعد اپنی سلامتی کی خاطر اسلام قبول کرنا یا اپنی اور اپنی امت کی طرف سے جزیہ دینا اور اگر ان دو میں سے کسی ایک کو قبول نہ کیا تو اپنی ذات کے علاوہ کسی کی ملامت نہ کرنا، کیونکہ میں ایسے دلاوروں کے ساتھ تیری طرف آرہا ہوں کہ وہ موت کو اس قدر دوست رکھتے ہیں جتنا تم زندگی کو''

سیف کہتا ہے: ہندوستان کی سرحد ایران کی مہم ترین اور مضبوط ترین سرحدوں میں سے ایک تھی اس کے سرحدی محافظ سمندر میں ہندوستانیوں سے نبرآزما ہوتے تھے اور خشکی میں عربوں سے

لڑتے تھےاوراس سرحد کا کمانڈر ہرمز،عربوں کا بدترین اور خطرناک ترین ہمسایہ تھااور تمام عرب اس سے غضبناک تھےاوراس کے ساتھ شدید عداوت اور دشمنی رکھتے تھےاور وہ عربوں میں خباثت وظلم میں ضرب المثل تھا اگر عرب کسی کوانتہائی خبیث یا کافر کہنا چاہتے تھےتو کہتے تھےفلاں ہرمز سے زیادہ خبیث یااس سے زیادہ بدتر ہے'' ہرمزنسبی شرافت اور خاندانی حیثیت سے ایران میں انتہا کو پہنچا تھااور اسی لئے وہ انتہائی گراں قیمت ٹوپی پہنتا تھا،سیف کہتا ہے جوں ہی خالد کا خط ہرمزکوملا،وہ بجائے اس کے کہ اسے مثبت وصلح آمیز جواب لکھتا یا صلح وسازش کی راہ اختیار کرتا،بادشاہ وقت''کسریٰ'' کے بیٹے شیرویہ''اورشیرویہ کے بیٹے'اردشیر'' کے نام ایک خط لکھا اوراس میں انھیں روداداور خالد کے خط کے مضمون سے آگاہ ومطلع کیا اس کے بعد خالد سے مقابلہ کرنے کیلئے ایک لشکر کوآمادہ اور لیس کیا،لشکر کے یمین ویسار کے جناحوں کو بالترتیب قباداورانوشجان کوسونپا یہ دو بھائی تھےاوران کا نسب ایران کے قدیمی بادشاہ اردشیر،شیرویہ تک پہنچتا تھا، انہوں نے لشکر کو جمع اور تیار کرنے کے بعد سپاہیوں کو زنجیروں اور سلاسل سے باندھا تا کہ محاذ جنگ سے کوئی فرار نہ کرسکے [۱] اسی وجہ سے تاریخ میں

۱۔سیف نے جو یہ بات اس داستان میں کہی ہے ایک تعجب خیز و نا قابل یقین بات ہے کیونکہ میدان جنگ میں کوئی سپاہی اپنے آپ کو زنجیروں سے نہیں باندھتا ہے اس لئے کہ اس کومیدان کارزار میں ہلکا ہونا چاہئے اوراس کے ہاتھ پاؤں آزاد ہونے چاہئے تا کہ آسانی کے ساتھ ہرسوحرکت کرسکے اوردشمن کے حملوں کا جواب دے سکے،لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیوں سیف نے اس نکتہ کی طرف توجہ نہیں دی ہے یا عمداً چاہتا ہے کہ اس قسم کے جھوٹ کوگڑھ کر مسلمانوں کا مذاق اڑائے اورانھیں سادہ لوح اور تنگ نظر معرفی کرے اور یہ ثابت کرے کہ طبری جیسے ان کے دانشور کس قدر ہر جھوٹ اور مسخرہ آمیز چیز کونقل کرتے ہیں اور علم وتمدن کے نام سے اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں،تعجب اس بات پر ہے کہ ان تمام جھوٹ کے شاخسانے کومسلمان قبول کرتے ہیں۔

اس جنگ کا نام جنگ سلاسل یعنی سلسلوں اور زنجیروں کی جنگ رکھا گیا ہے۔

سیف اپنی بات کو یوں جاری رکھتا ہے کہ ہرمز سپاہ کو تیار کرنے کے بعد ایک بڑی اور مسلح فوج کے ہمراہ خالد کے لشکر کی طرف روانہ ہوا اور ''کاظمہ'' نامی ایک جگہ پر ایک پانی کے نزدیک پڑاؤ ڈالا اور پانی پر قبضہ جمایا، جب خالد کا لشکر وہاں پہنچا اور دیکھا کہ پانی پر دشمن نے قبضہ جمالیا ہے اس لئے انہوں نے ایک خشک جگہ پر پڑاؤ ڈالا، جب خالد کے سپاہیوں نے پانی کے بارے میں اس سے گفتگو کی تو خالد نے انھیں حکم دیا کہ سامان اتار کر ایک جگہ بیٹھ جائیں، اس کے بعد خالد نے کہا: خدا کی قسم آخر کار یہ پانی ان دو سپاہیوں میں سے صابر اور با استقامت ترین سپاہ کے قبضہ میں آئے گا بس تم لوگ جمنے کی کوشش کرنا اور یہ کہنے کے بعد دشمن کو فرصت اور مہلت دیئے بغیر ان پر حملہ کردیا خداوند عالم نے بھی بادلوں کے ایک ٹکڑے کو انتخاب کیا اور مسلمانوں کے لشکر کے پیچھے پانی برسایا، جس سے مسلمانوں میں جرات اور قوت پیدا ہوئی۔

ہرمز، تن تنہا میدان کارزار میں آیا اور پکارتے ہوئے بولا: تنہا جنگ کرو! تنہا جنگ کرو! خالد کہاں ہے؟! اس طرح ہرمز خالد سے تنہا جنگ کی دعوت دیتا تھا۔ اس نے اپنی فوج کے سرداروں سے طے کیا تھا کہ خالد کو تنہا جنگ میں کھینچ کر اپنے حامیوں کے تعاون سے ایک چالا کی اور فریب سے اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا خالد نے جب ہرمز کی آواز اور تنہا جنگ کی فریاد سنی تو اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور پیدل ہرمز کی طرف بڑھا۔ ہرمز بھی اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور خالد کے مقابلے میں آ کھڑا ہوا دونوں طرف سے تلواریں بلند ہوئیں خالد نے ہرمز کو نیچے گرادیا اس وقت ہرمز کے فریب

کاروں اور حامیوں نے خالد پر حملہ کیا تا کہ اس کو قتل کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنائیں، لیکن اس کے باوجود وہ خالد کو ہرمز کے قتل سے نہ روک سکے، دوسری طرف سے ''قعقاع بن عمرو'' بھی خالد کی مدد کیلئے آگے بڑھا اور فریب کاروں کے منصوبہ کو نقش برآب کر کے رکھ دیا اور انھیں خالد کو قتل ہونے سے بچالیا آخر کار ایرانی فوج نے شکست کھائی اور مسلمانوں نے ان پر فتح پائی اور رات گئے تک سبھی تہہ تیغ کر دیئے گئے۔

سیف ایک دوسری روایت میں کہتا ہے: ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ اس عظیم اور وسیع بیابان میں ایرانیوں کے زنجیر میں جکڑے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ یہاں تک کہتا ہے:

جب اس دن مسلمانوں کی فتحیابی اور ایرانی لشکر کی شکست و ہزیمت پر جنگ ختم ہوئی اور مسلمانوں کا مقصد اس جنگ میں پورا ہوا تو خالد نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا اور بصرہ کے عظیم پل پر پڑاؤ ڈالا اس کے بعد مثنی کو دشمن کی بھاگی فوج کا پیچھا کرنے کیلئے روانہ کیا اور معقل بن مقرن کو بھی ابلہ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ وہاں پر جنگی اسیروں اور دشمن کے اموال کو جمع کرے یہ تھا جنگ ''ذات السلاسل'' کا خلاصہ جو مسلمانوں کے حق میں تمام ہوئی اور ایران کے بادشاہ ہرمز بھی خالد کے ہاتھوں قتل ہوا لیکن ہرمز کے دو سپہ سالار قباد اور انوشجان میدان کارزار سے زندہ نکل کے بھاگنے میں کامیاب ہوئے اور خالد نے جنگ کے خاتمہ پر اس فتح و کامرانی کی نوید کو غنائم جنگی کے خمس اور اس جنگ میں ہاتھ آئے ایک ہاتھی کے ساتھ ''زر بن کلیب'' کے ذریعہ مدینہ بھیج دیا۔ مدینہ میں اس ہاتھی

کو عام لوگوں کے تماشا اور نمائش کیلئے رکھا گیا اور اسے گلی کوچوں میں گھمایا گیا جب کم عقل عورتیں اسے دیکھتی تھیں تو خیال کرتی تھیں کہ یہ ایک مصنوعی مخلوق ہے اور کہتی تھیں: کیا حقیقت میں یہ بھی خدا کی مخلوق ہے؟! ابوبکر نے اس ہاتھی کو دوبارہ خالد کے پاس بھیج دیا اور ہرمز کی ٹوپی کو بھی انعام کے طور پر اسے بخش دیا۔

سند کی جانچ

سیف نے فتح ابلہ کی داستان کو سات روایتوں کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ ان سات روایتوں کی سند میں سیف کے پانچ جعلی راویوں کا نام آیا ہے اس طرح ان میں سے تین راوی: ''محمد بن نویرہ ،مقطع بن ھیثم بکائی اور حنظلہ بن زیاد'' کا نام ایک یا اور ان میں سے دوراوی: عبدالرحمٰن بن سیاہ احمری اور مہلب بن عقبہ کا نام دوبار سیف کی سات روایتوں میں ذکر ہوا ہے۔

یہ ہے داستان فتح ابلہ کی سند اور سیف کے راویوں کا خلاصہ لیکن اس کے بعد اس کی سند اس طرح ہے کہ طبری نے اسے مفصل طور پر اور ذہبی نے خلاصہ کے طور پر لیکن دونوں نے سیف سے نقل کیا ہے، دوسرے معروف مورخین جیسے: ابن اثیر اور ابن کثیر نے اسی داستان کو مفصل طور پر اور ابن خلدون نے خلاصہ کے طور پر طبری سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں آنے والی نسل کیلئے درج کیا ہے اس طرح جعل کی گئی روایتیں تاریخ کی کتابوں اور اسلام کے نام نہاد علمی مآخذ میں درج ہوئی ہیں۔

تطبیق اور موازنہ

اگر ہم سیف کی روایتوں کو دوسرے مؤرخین کی روایتوں سے تطبیق و موازنہ کریں گے تو اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ سیف کی روایتیں اس سلسلہ میں نہ صرف سند کے لحاظ سے خدشہ دار اور باطل ہیں بلکہ متن کے لحاظ سے بھی باطل اور ان کا جعلی ہونا بہت واضح ہے کیونکہ سیف ان روایتوں میں دو الگ داستانوں یعنی داستان فتح ابلہ اور خالد کے ہرمز سے جنگ کی داستان کو آپس میں ملا کر ان دونوں میں تحریف اور رنگ آمیزی کر کے ایک تیسری داستان جعل کی ہے جس کو قارئین کرام نے اس کی مذکورہ سات روایتوں میں ملاحظہ فرمایا اب ذرا ان دو داستانوں کی حقیقت دوسرے مورخین کی روایتوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ فتح ابلہ

طبری نے اپنی تاریخ میں فتح ابلہ کے بارے میں سیف کی سات روایتوں کو ۱۲ھ کے حوادث کے ضمن میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے یہ روایتیں جو فتح ابلہ کے بارے میں سیف سے ہم تک پہنچی ہیں، معتبر مورخین اور صحیح تاریخ کے بیان کے برخلاف ہے کیونکہ فتح ابلہ ۱۴ھ میں خلافت عمر کے دوران عتبہ بن غزوان کے ذریعہ انجام پائی ہے کہ ہم اسے اسی سال کے حوادث کے ضمن میں مفصل طور پر بیان کریں گے۔

بالکل اسی عبارت کو ابن اثیر اور ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ کی کتابوں میں خلاصہ کے طور پر درج کیا ہے۔

طبری نے اپنی کتاب کی اس فصل میں دئے گئے اپنے وعدے کے مطابق فتح ابلہ صحیح اخبار کو اپنی کتاب کی دوسری فصل میں ۱۴ھ کے حوادث کے ضمن میں درج کیا ہے اور ابن اثیر نے بھی اس روش میں اسی کی پیروی کی ہے لیکن دوسری فصل میں فتح ابلہ کے بارے میں سیف کی روایتوں اور داستانوں کا کوئی نام ونشان دکھائی نہیں دیتا ہے بلکہ وہاں پر فتح ابلہ کی داستان کو ابو مخنف کی روایت کے مطابق یوں بیان کیا گیا ہے:

ابی مخنف کی روایت کے مطابق فتح ابلہ

عتبہ بن غزوان تین سو جنگجوؤں کے ہمراہ بصرہ میں داخل ہوا اور خریبہ[۱] نام کی ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا ان دنوں ابلہ (جو چین اور کئی دوسرے ممالک کی بندرگاہ تھی) جس کی حفاظت پانچ سو ایرانی سوار کرتے تھے عتبہ نے تھوڑے سے توقف کے بعد وہاں سے کوچ کیا اور اجانہ کے نزدیک پڑاؤ ڈالا، ابلہ کے باشندے ایک لیس لشکر کے ساتھ شہر سے باہر آگئے عتبہ ان کی طرف روانہ ہوا، اس نے اپنے سپاہیوں میں سے قتادہ وقسامہ نامی دو افراد کو دس سوار فوجیوں کے ساتھ لشکر کے پیچھے مقرر کیا تاکہ مسلمانوں کے لشکر کی دشمن کے اچانک حملہ سے حفاظت کرسکیں اور فرار کرنے والے سپاہیوں کو روک

۱۔ خریبہ ایک قدیمی محل تھا مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے خراب ہو چکا تھا اس لیے اس جگہ کو خریبہ کہتے تھے (معجم البلدان)

پس اس کے بعد ابلہ کے لشکر سے نبرد آزما ہوا اور ان کے ساتھ گھمسان کی جنگ کی یہ جنگ ایک اونٹ کو ذبح کر کے اسکے گوشت کو تقسیم کرنے کی مدت تک جاری رہی خداوند عالم نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی نصیب کی۔ ابلہ کی سپاہ نے شکست کھائی اور اپنے شہر سے بھاگ گئے عتبہ میدان کارزار سے اپنے کیمپ کی طرف واپس آیا ابلہ کے باشندے چند دن اپنے شہر میں رکے رہے خداوند عالم نے ان کے دلوں پر ایسا خوف و ہراس ڈال دیا کہ اس سے زیادہ وہ اپنے شہر میں نہ رک سکے اور فرار کو قرار پر ترجیح دی اور ہلکے بارلے کر فرات کو عبور کر کے چلے گئے اس طرح شہر ابلہ مسلمانوں کیلئے خالی کر دیا مسلمانوں کے سپاہی شہر ابلہ میں داخل ہوئے تھوڑی اجناس، جنگی اسلحہ اور چھ سو درھم نقدان کے ہاتھ آیا کہ ہر سپاہی کو دو درھم ملے اس کے علاوہ چند افراد کو اسیر کر لیا۔

یہ فتح ماہ رجب یا شعبان ۱۴ھ میں انجام پائی عتبہ نے ایک خط کے ذریعہ فتحیابی کی خبر کو عمر کی خدمت میں بھیج دیا جو اس زمانہ میں خلیفہ تھے۔

فتوح البلدان میں بھی فتح ابلہ کو عمر کے زمانے میں عتبہ بن غزوان کی سرکردگی میں روایت کیا گیا ہے۔

۲۔ خالد کے ہرمز کے ساتھ نبرد آزمائی کی داستان

بیہقی نے اس داستان کو اپنی سنن میں یوں بیان کیا ہے: خالد کی ہرمز کے ساتھ ''کاظمہ'' نامی میدان میں مڈبھیڑ ہوئی اور اسے جنگ کی دعوت دی، ہرمز میدان میں آ گیا لیکن خالد نے اسے پہلے

ہی حملہ میں قتل کر ڈالا۔

یاقوت حموی نے بھی معجم البلدان میں ''کاظمہ'' کی وضاحت میں یوں لکھا ہے:

''کاظمہ'' ایک وسیع میدان ہے جو سمندر کے ساحل پر ہے وہاں سے بحرین کے راستے سے بصرہ تک دو دن کا فاصلہ ہے''

گزشتہ مباحث کا نتیجہ

جو کچھ اس فصل میں بیان ہوا سیف کی نقل کے مطابق یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خالد بن ولید یمن کے ''زبابہ'' کے باپ ''آزادبہ'' کے ذریعہ ہرمز کو ایک خط لکھتا ہے جس سرحد پر ہرمز حکومت کرتا تھا وہ ایران کی سب سے بڑی اور اہم ترین سرحدوں میں سے ایک تھی اور اسکے سرحد بان ایران کے طاقتور ترین سرحد بانوں میں سے ہوتے تھے اس کے کمانڈر ''تجربہ'' ترین جنگجو ہوا کرتے تھے جو سمندر کے راستے سے ہندوستان سے نبرد آزما ہوتے تھے اور خشکی کے راستے سے عربوں سے برسر پیکار رہتے تھے، ہرمز جو عربوں کا بدترین ہمسایہ اور خباثت اور بدجنس ہونے میں ضرب المثل تھا بادشاہ وقت ایران شیرویہ اور اس کے بیٹے ولیعہد اردشیر کے نام خط لکھتا ہے اور انھیں مسلمانوں کے ایران کی سرحد کی طرف لشکر کشی کی خبر دیتا ہے اور خود بھی خالد سے مقابلہ کرنے کیلئے ایک لشکر کو تشکیل دیتا ہے اس لشکر کی کمانڈ خاندان سلطنت کے دو آدمیوں کو سونپتا ہے سپاہی بھی فرار سے بچنے کیلئے اپنے آپ کو زنجیروں اور سلاسل سے جکڑ لیتے ہیں، اس کے بعد خالد کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور ''کاظمہ'' نام کی

ایک جگہ پر پڑاوڈالتے ہیں پانی پر قبضہ کرتے ہیں خالد کے سپاہی مجبور ہوکر ایک خشک اور بے آب و گیاہ جگہ پر پڑاوڈالتے ہیں لیکن خداوند عالم ان کیلئے پانی برساتا ہے اورانھیں سیراب کرتا ہے جس طرح جنگ بدر میں خدانے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے بارش نازل کی تھی آخرکار جنگ چھڑ جاتی ہے ہرمز کے لشکر کے سردار خالد کو قتل کرنے کا ایک منصوبہ مرتب کرتے ہیں تاکہ اسے مکروفریب کے ذریعہ قتل کرڈالیں اس مقصد کیلئے ہرمز خالد کو تنہا جنگ کی دعوت دیتا ہے۔

یہ دونوں آپس میں جنگ کرتے ہیں خالد ہرمز کو بغل میں لے لیتا ہے تاکہ اسے زمین پر دے مارے، یہاں پر ہرمز کے حامیوں کو خالد کے قتل کی مناسب فرصت ملتی ہے اوراس پر حملہ کرتے ہیں لیکن خالد دشمن کے حملہ کی پروا کئے بغیر ہرمز کو قتل کرڈالتا ہے اسی اثناء میں قعقاع میدان کارزار میں پہنچ جاتا ہے اورنہایت چالاکی اور چابک دستی سے دشمن کے سپاہیوں کو میدان سے کھدیڑ دیتا ہے اور انھیں خالد کو قتل کرنے کی فرصت نہیں دیتا، اس طرح اس جنگ میں مسلمان فتح پاتے ہیں اورایران کی سب سے بڑی سرحد ابلہ پر قبضہ کرتے ہیں، دشمن کے اموال کو غنیمت کے طور پر حاصل کرتے ہیں اسلامی فوج کا سپہ سالار، خالد غنائم کے پانچویں حصہ کو ابوبکر کے پاس مدینہ بھیجتا ہے کہ ان غنائم میں ایک عظیم الجثہ ہاتھی بھی تھا کہ جسے دیکھ کر مدینہ کی عورتیں خیال کرتی ہیں کہ یہ مصنوعی اور جعلی مخلوق ہے ابوبکر اس ہاتھی کو دوبارہ خالد کے پاس بھیج دیتا ہے۔

یہ سب مطالب جو فتح ابلہ کے بارے میں ذکر ہوئے انھیں صرف سیف نے نقل کیا ہے اس کے علاوہ کسی بھی مورخ نے ان رودادوں اور حوادث میں سے کسی ایک کو نقل نہیں کیا ہے چنانچہ ہم نے

گزشتہ صفحات میں کہا کہ سیف نے یہاں پر دو مستقل داستانوں کو آپس میں ملا کر تحریف اور رنگ آمیزی کے بعد ان سے ایک تیسری داستان جعل کی ہے ان داستانوں میں سے ایک جس سے سیف نے غلط فائدہ اٹھایا ہے وہ فتح ابلہ کی داستان ہے کہ اس کے بارے میں مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ عمر کے زمانے میں واقع ہوئی ہے نہ ابوبکر کے دور میں اس فتح کا سپہ سالار ''عتبہ بن غزوان'' تھا نہ خالد۔

دوسری داستان ''خالد کی ہرمز سے نبرد آزمائی کی'' ہے کہ جس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بصرہ سے دو منزل کی دوری پر رونما ہوا ہے وہاں پر بھی خالد نے ہرمز سے جنگ کی دعوت دی، نہ کہ ہرمز نے خالد سے۔

لیکن سیف ان تمام وقائع اور رودادوں کو جنہیں مؤرخین نے بیان کیا ہے الٹا دکھایا ہے اور ان میں ملاوٹ کر دی ہے۔

تحریف اور الٹ پھیر کرتا اور ان سے دوسری داستانیں بنا کر ان کی جگہ پر ثبت کرتا ہے تا کہ اس طرح تاریخ اسلام کو درہم برہم کر کے واقعات کو نا قابل شناخت بنا کر دگرگوں کر دے۔

حدیث سازی میں سیف کا تخصص اور اس کا ہنر اس وقت زیادہ رونما ہوتا ہے جب اس افسانہ کو سات روایتوں سے نقل کرتا ہے تا کہ کثرت روایات سے اپنے جھوٹ کو محکم اور مضبوط بنا کر حقیقت وقبولیت کی منزل سے قریب کر دے اور اس افسانوی مطلب پر حقیقت کا خول چڑھا دے۔

ان روایتوں کے اسناد میں اپنے پانچ جعلی راویوں کا نام لیتا ہے تا کہ وہ بھی پہچان لئے جائیں اور قانونی حیثیت حاصل کر لیں۔ مختصر یہ کہ دو خطوط یعنی ''خالد کا ہرمز کے نام خط'' اور ہرمز کا ''شیروہ''

اور ''اردشیر'' کے نام خط، سپاہیوں کو زنجیروں اور سلاسل میں جکڑنا، جنگ کا آغاز اور خالد کے شدید حملے، خالد کے قتل کیلئے دشمن کی سازش اس جنگ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افسانوی صحابی قعقاع کا کردار، خالد کے فوجیوں کیلئے بارش کی کرامت کا واقع ہونا، مسلمانوں کی فتحیابی، دشمن کے مال ومنال کا غارت ہونا اور غنائم کے پانچویں حصہ کو ایک عظیم الجثۃ ہاتھی کے ہمراہ مدینہ بھیجنا وغیرہ ان مطالب میں سے کوئی ایک بھی صحیح اور حقائق پر مبنی نہیں ہے اس طرح ''زر'' اور قعقاع نامی اصحاب اور سیف کے اس داستان کے راویوں میں سے کسی ایک کا حقیقت میں وجود نہیں تھا بلکہ یہ سیف ہے جس نے ان سب چیزوں کو جعل کیا ہے اور ان جھوٹ کے پلندوں کا بیج تاریخ اسلام میں بویا ہے کہ آج ہم ان کے تلخ میوؤں کا مزہ چکھ رہے ہیں اور آج اس کا تلخ ترین میوہ افسانوی جنگوں میں ایک اور جنگ کا اضافہ ہے جس کی وجہ سے اسلام کو خون اور تلوار کا دین معرفی کیا گیا ہے یہ ایک سرخ و خونین جنگ ہے جس میں سیف کے کہنے کے مطابق مسلمانوں نے زنجیر میں جکڑے ہوئے دشمنوں پر حملہ کیا اور ان سبھی کو تہہ تیغ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حیرہ میں خالد کی فتوحات

تفرد سیف بذکر ما ذکرناہ

سیف کے علاوہ کسی اور نے ان جنگوں کے بارے

میں نقل نہیں کیا ہے۔

مؤلف

سیف خالد کیلئے کئی جنگیں اور فتوحات نقل کرتا ہے کہ اس کے علاوہ تاریخ نویسوں میں سے کسی اور نے اس قسم کی فتوحات خالد کیلئے نقل نہیں کی ہیں۔

۱۔جنگِ سلاسل یا فتح ابلہ

اس جنگ کے بارے میں گزشتہ فصل میں وضاحت کی گئی ہے۔

۲۔جنگِ مذار

سیف جنگ سلاسل کے بعد ثنی یا مذار نامی ایک دوسری جنگ کے بارے میں نقل کرتا ہے اور اس سلسلہ میں یوں کہتا ہے:

سرزمین ایران کی سرحد کے کمانڈر ہرمز نے ایران کے بادشاہ ''شیرویہ'' اور اس کے بیٹے ''اردشیر'' کے نام ایک خط لکھا، اس خط میں خالد کی ایران کی سرحدوں کی طرف لشکر کشی کے بارے

میں وضاحت کی، اوران سے مدد کی درخواست کی ۔اس کے جواب میں ''قارن بن قریانس'' کی کمانڈ میں ایک لشکر بھیجا گیا۔ جب ''قارن''، ''مذار'' کے مقام پر پہنچا تو اس نے ہرمز کے قتل ہونے کی خبر سنی، مزید غضبناک ہوا ۔ دوسری طرف سے ہرمز کے شکست خوردہ سپاہی ، اہواز ، فارس اور اس کے اطراف کے باشندوں اور کوہ نشینوں کو اس روداد کی اطلاع ملی اور ہر طرف سے قارن کی طرف روانہ ہوئے اور ''مذار'' میں ان کے لشکر سے ملحق ہوئے اور اس طرح ایک عظیم لشکر تشکیل پایا۔ قارن نے مذار پہنچ کر اس جگہ کو اپنا فوجی کیمپ قرار دیا اور وہیں پر اپنی فوج کو منظم ولیس کرنے میں لگ گیا۔

ہرمز کے شکست خوردہ دو کمانڈروں قباد اور انوشجان کو بالترتیب یمین و یسار کا کمانڈر مقرر کیا۔ اس طرح اپنے لشکر کو خالد سے لڑنے کیلئے آمادہ کیا۔ مثنی اور اس کے بھائی معنی نے اس روداد کی خبر آناً فاناً خالد کو پہنچا دی اور اس نے بھی اپنے لشکر کو آراستہ کیا اور قارن کی طرف روانہ ہوا۔ یہ دو لشکر ''مثنی'' نام کی ایک جگہ پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے اور وہیں پر دونوں لشکروں کے درمیان ایک خونین اور گھمسان کی جنگ چھڑ گئی ''ابیض الرکاب'' کے لقب سے مشہور شخص ''معقل بن اعشی'' نے قارن کو قتل کر ڈالا ۔عدی نے قباد کو اور عاصم نے انوشجان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح ایرانی لشکر کے تینوں کمانڈر قتل کئے گئے اور ایرانی سپاہیوں نے شکست و ہزیمت سے دوچار ہو کر فرار کیا۔ مسلمانوں نے انھیں تہہ تیغ کیا اور ان کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا، یہاں تک مقتولین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی اس کے علاوہ ان کی ایک بڑی تعداد دریا میں غرق ہوگئی لیکن بڑے دریا مسلمانوں کیلئے فراریوں کا پیچھا کرنے میں رکاوٹ بن گئے۔

اس طرح جنگ ثنی یا مذار مسلمانوں کے حق میں تمام ہوئی خالد نے جنگی غنائم کو اپنے فوجیوں میں تقسیم کیا اور اس کا خمس مدینہ بھیج دیا اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آنے والا مال غنیمت جنگ سلاسل کے غنائم اور اسراء سے زیادہ تھا۔

۳۔ فتح ولجہ

سیف کہتا ہے: جب جنگِ مذار میں ایرانی سپاہ کی شکست اور قارن کے قتل ہونے کی خبر ایران کے بادشاہ اردشیر کو پہنچی تو اس نے سرزمین سواد کے ''اندرزغر'' نامی ایک شخص کی کمانڈ میں حیرہ سے کسکر اور اطراف کے عربوں اور دیہات کی آبادیوں کے باشندوں کو جمع کر کے ایک لشکر آراستہ کیا اور اسے ''بہمن جاذویہ'' کی کمانڈری میں ایک دوسرے لشکر کی مدد فراہم کر کے تقویت بخشی اور اس کے بعد ان کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اس طرح خالد کی طرف ایرانیوں کی تیسری لشکر کشی کا آغاز ہوا۔ یہ فوج ۱۲ھ کے ماہ صفر میں ''ولجہ'' میں داخل ہوئی۔

سیف کہتا ہے: خالد کو ''اندرزغر'' کے لشکر کے پہنچنے کی خبر ملی اس نے ثنی سے ولجہ کی طرف کوچ کیا اور وہاں پر جنگ ثنی سے شدید تر ایک جنگ چھڑ گئی۔ یہاں تک دونوں لشکروں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔ خالد نے اس جنگ میں دو کمین گاہیں بنائی تھیں اسلام کے سپاہیوں کے ایک گروہ کو ''سعید بن مرہ'' کی کمانڈری میں ان دو کمین گاہوں میں سے ایک میں مخفی رکھا تھا۔ انہوں نے کمین گاہ کے دونوں طرف سے اچانک ایرانیوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کئے اور ان سے سخت انتقام لیا ان کی صفوں کو

تہس نہس کر کے رکھ دیا اور انھیں پیچھے ہٹ کر فرار کرنے پر مجبور کیا۔ خالد نے آگے سے اور دوسروں نے پیچھے سے دشمن کے لشکر کو بیچ میں محاصرہ کر لیا اور ان کا عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ان کی فوج کو ایسے درہم برہم کر دیا کہ کوئی ایک دوسرے کے مارے جانے کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس طرح ایران کے سپہ سالار ''اندرزغر'' کو شکست ملی اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوا اور پیاس کی شدت کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔

خالد نے ایران کے ایک ایسے پہلوان سے جنگ کی جو ہزار افراد کے برابر تھا اور اسے قتل کر ڈالا اس کی لاش سے ٹیک لگا کر اپنے لئے کھانا منگوایا اور اسی حالت میں کھانا کھایا۔

۴۔ فتح الیس

سیف کہتا ہے: جب خالد بن ولید نے جنگِ ولجہ میں قبیلۂ بکر بن وائل کے بعض افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ عرب عیسائی تھے جنھوں نے ایرانیوں کی مدد کی تھی تو ان کے قبیلہ کے لوگ غضبناک ہو گئے اور انہوں نے ایرانیوں کے ساتھ خط و کتابت کی۔ اس کے بعد عبداللہ بن اسود عجلی کی سرکردگی میں ''الیس'' کے مقام پر اجتماع کیا۔ ایران کے پادشاہ اردشیر نے بہمن جاذویہ (جو ایرانیوں کی شکست کے بعد ''قسیاثا'' میں رہائش پذیر ہوا تھا) کے نام ایک خط لکھا اور قبیلۂ بکر بن وائل کے ''الیس'' میں اجتماع کے بارے میں اسے مطلع کیا۔ بہمن جاذویہ نے پہلے ''جابان'' کو الیس کے باغیوں کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ میرے پہنچنے تک جنگ کیلئے اقدام نہ کریں اس کے بعد خود

اردشیر کے پاس گیا تا کہ اقدامات کے بارے میں ذاتی طور پر اس کے ساتھ گفتگو اور صلاح ومشورہ کرے ایرانیوں میں یہ رسم تھی کہ ہر روز ایک شخص کو لوگوں کے نمائندہ کے طور پر بادشاہ کے پاس بھیجتے تھے اور بہمن ان کے نمائندوں میں سے ایک تھا۔ جابان کی مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی اور اس کے ''الیس'' پہنچنے کی خبر جب لوگوں تک پہنچی تو وہ ہر طرف سے اس کی طرف دوڑ پڑے۔ تمام سرحدی نگہبان اور گزشتہ جنگوں کے فراری جو مسلمانوں کے ساتھ دل میں بغض وکینہ رکھے ہوئے تھے جابان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور عبداللہ اسود نے بھی عرب نسل کے عیسائیوں اور قبائل ''عجل''، ''تیم اللات'' اور ''ضبیعہ'' اور حیرہ کے اطراف کے اعراب کو اپنے گرد جمع کیا اور ان کے ہمراہ اس کے لشکر سے جاملا۔

جب خالد کو یہ اطلاع ملی کہ اعراب نے ''عبدالاسود'' کے گرد اجتماع کیا ہے، تو اس نے اپنے لشکر کو آمادہ کیا اور ان کی طرف روانہ ہو گیا۔

خالد کو اس وقت ایرانیوں کی لشکر کشی اور ایرانی سپہ سالار جابان کے الیس پہنچنے کی کوئی اطلاع نہیں تھی وہ صرف ''عبدالاسود'' کو کچلنے کیلئے نکلا تھا۔

ایرانی سپاہی جب ''الیس'' پہنچے تو انہوں نے اپنے کمانڈر جابان سے پوچھا کہ کیا ہم پہلے تیزی کے ساتھ دشمن پر حملہ کریں یا پہلے دسترخوان بچھائیں اور سپاہیوں کو کھانا کھلا دیں؟ تا کہ دشمن یہ خیال کرے کہ ہم قدرتمند ہیں اور ان کی کوئی پروا نہیں کرتے ہیں، اس کے بعد فرصت سے دشمن پر اچانک حملہ کر کے ان سے جنگ کریں۔

جابان نے کہا: اگر مسلمانوں نے تمہارے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کی تو تم بھی ان کے مقابلہ میں بے توجہی کا مظاہرہ کرنا۔ لیکن فوجیوں نے اس کی تجویز سے اختلاف کیا اور دسترخوانوں کو بچھا کر کھانا حاضر کیا اور فوجیوں کو کھانا کھانے کی دعوت دی اور اس طرح سب دسترخوان پر بیٹھ گئے۔

اسی اثناء میں خالد ''الیس'' پہنچا اور ایرانی سپاہیوں کو وہاں پر دسترخوان پر دیکھا۔

اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تمام اسباب زمین پر رکھ کر بجلی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ خالد کے سپاہ کے تابڑتوڑ حملے شروع ہوگئے۔ جابان نے اپنے سپاہیوں سے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ عرب تمہیں فرصت نہیں دیں گے؟! اب اگر کھانا نہ کھا سکتے ہو تو کم از کم اس کھانے کو مسموم کر کے رکھ دو۔ اگر دشمن پر فتح پاؤ گے تو کوئی خاص چیز کو ہاتھ سے نہیں دیا اور اگر شکست کھائی اور یہ کھانا دشمن کے ہاتھ لگ گیا اور انہوں نے اسے کھالیا تو یہی کھانے ان کی ہلاکت کا سبب بن جائیں گے لیکن انہوں نے یہاں پر بھی جابان کے کہنے پر عمل نہیں کیا اور دسترخوان سے اٹھ کر خالد کے لشکر کے حملہ کا جواب دیا۔ دونوں فوجوں میں ایک سخت جنگ چھڑ گئی اور اس جنگ میں مشرکین زیادہ استقامت دکھا رہے تھے۔

خالد نے کہا: خداوندا! تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہیں ان لوگوں پر فتح نصیب کر دے گا تو میں ان میں سے ایک فرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا اور ان کے خون کی ندی بہا دوں گا۔ آخرکار خدا نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی اور خالد کی طرف سے منادی نے فریاد بلند کی: لوگو! دشمن کے افراد کو اسیر بنالو اور انھیں قتل نہ کرو مگر ان لوگوں کو جو اسیر ہونے سے گریز کریں مسلمان دشمن کی طرف بڑھے اور

انھیں جوق در جوق اسیر کرلیا۔ خالد بن ولید نے حکم دیا کہ ندی کے پانی کو بند کرواور کچھ لوگوں کو اس کام پر مأمور کیا کہ اسیروں کا خشک ندی کے کنارے پر سر قلم کریں تا کہ ان کا خون ندی میں جاری ہو جائے اور خالد کی قسم کو عملی جامہ پہنایا جائے یہ سلسلہ تین دن رات تک جاری رہا۔

فتحیابی کے بعد دوسرے دن دشمن کے فراریوں کا بین النھرین تک تعقیب کیا گیا الیس کے تمام اطراف میں اسی حد تک آگے بڑھے اور جس کسی کو پکڑتے تھے اس نہر کے کنارے لاکر اس کا سر قلم کرتے تھے تا کہ ندی میں خون جاری کرسکیں اور خالد کی قسم کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

یہاں پر قعقاع اور دیگر صلح پسند افراد نے خالد سے کہا کہ اگر روئے زمین کے تمام لوگوں کے سر قلم کئے جائیں تب بھی ندی میں خون جاری نہیں ہوگا کیونکہ آدم کے بیٹے کے قتل کے بعد زمین پر خون کا سرد ہونے کے بعد جاری ہونا روکا گیا ہے۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس خون پر پانی بہنے دیا جائے تا کہ وہ پانی خون سے رنگین ہو کر جاری ہو جائے اور اس طرح تیری قسم بھی پوری ہو جائے گی۔

خالد نے پانی کو کھولنے کا حکم دیا اور اس طرح ندی کا پانی خونین رنگ میں تبدیلی ہو کر جاری ہوا اس لئے اس ندی کو آج تک خون کی ندی کہا جاتا ہے اس ندی پر چند پن چکیاں تھیں جو اس خونی پانی سے چلیں اور اٹھارہ ہزار فوجیوں کیلئے گندم پیس کر آٹا بنا دیا۔ الیس میں مقتولین کی تعداد ستر ہزار افراد تھی اور ان میں اکثر ''امغشیا'' کے باشندے تھے۔

۵۔ فتح امغشیا:

سیف کہتا ہے: جب خالد الیس کی جنگ سے فارغ ہوا تو وہ ''امغشیا''[1] کی طرف روانہ ہوا۔ امغیشیا کے باشندوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے فرار کیا خالد جب وہاں پہنچا تو ان لوگوں کو اس کی مہلت نہیں دی کہ اپنی ضروریات زندگی کا ساز وسامان شہر سے باہر لے جائیں۔

''امغیشیا'' کے باشندے عراق کے کھیتوں میں پراکندہ ہوئے خالد نے ''امغیشیا'' کو مسمار کرنے اور جو کچھ وہاں ہے اسے نیست ونابود کرنے کا حکم دیا۔

سیف کہتا ہے: ''امغیشیا'' ایک بڑا شہر تھا۔ حیرہ اور الیس اس کے اطراف کے علاقے شمار ہوتے تھے۔

مسلمانوں کو اس جنگ میں کثرت سے بے مثال جنگی غنائم ہاتھ آئے کہ کسی دوسری جنگ میں انھیں اس قدر جنگی غنائم نہیں ملے تھے۔ ان غنائم میں سے ہر سپاہی کو انعام واکرام کے علاوہ فی کس ایک ہزار پانچ سو دینار کی رقم باضابطہ حصہ میں ملی جب یہ خبر ابوبکر کو پہنچی تو اس نے کہا: اے گروہ قریش! آپ کا شیر، خالد ایران کے بڑے شیر سے نبرد آزما ہوا اور اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا، دنیا کی عورتیں خالد جیسے کو جنم دینے سے عاجز اور بانجھ ہیں۔

۶۔فرات بادقلی کی فتح

سیف کہتا ہے: خالد نے امغیشیا کی فتح کے بعد کشتیوں کے ذریعہ حیرہ کی طرف کوچ کیا۔حیرہ کے سرحدی کمانڈر'' آزادبہ'' کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے خالد سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر آمادہ کیا اور خالد کی فوج کی طرف روانہ ہوا اور ''غربیین'' نامی ایک جگہ پر پڑاؤ ڈال کر اس جگہ کو اپنا فوجی کیمپ قرار دیا اور اپنے بیٹے کو ایک گروہ کے ہمراہ بھیج دیا انہوں نے خالد کی کشتیوں کیلئے دریا کے پانی کا رخ بدل دیا مسلمانوں کی کشتیاں دلدل میں پھنس گئیں۔خالد نے اپنے فوجیوں کو کشتیوں سے نیچے اتارا اور آزادبہ کے بیٹے کی طرف روانہ ہوا اور '' بادقلی'' کے دریا میں ان کا آپس میں آمنا سامنا ہوا اسے تمام فوجیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا اور دریا پر جو باندھ بنایا گیا تھا اسے توڑ دیا اور پانی ندیوں کی طرف جاری ہو گیا اور ان کی کشتیاں تیرنے لگیں اس کے بعد خالد حیرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب'' آزادبہ'' کو خالد کی پہنچنے کی خبر ملی اس نے جنگ کئے بغیر فرار کی۔خالد غربیین میں داخل ہوا۔اور یہاں پر موجود محلوں، عمارتوں اور شہر حیرہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔

سیف کہتا ہے: چونکہ آزادبہ خاندانی نسب اور حیثیت کے لحاظ سے متوسط طبقہ کا شخص تھا اور ایسے افراد کو نصف اشراف کہتے تھے،اس لئے ایک متوسط ٹوپی پہنتا تھا اور اس کی ٹوپی کی قیمت پچاس ہزار دینا تھی۔

سند کی تحقیق

فتوحات کے بارے میں جو داستانیں ہم نے یہاں تک نقل کی ہیں، سیف نے انھیں پندرہ روایتوں پر تقسیم کیا ہے ان روایتوں کی سند میں ''محمد بن عبدربہ بن نویرہ'' نامی ایک راوی چھ بار ذکر ہوا ہے دوسرے راوی ''بحر بن فرات عجلی'' زیاد بن سرجس احمری''، ''عبدالرحمان بن سیاہ احمری'' اور ''مہلب بن عقبہ اسدی'' دوبار اور ایک دوسرا راوی بنام 'غصن بن قاسم'' ایک بار ان روایتوں کی سند میں ذکر ہوا ہے۔

موازنہ اور تطبیق

یہاں تک ہم نے فتح حیرہ سے پہلے تک فتوحات خالد کے بارے میں نقل کی گئی روایتوں کا ایک اجمالی خاکہ بیان کیا لیکن دوسرے مؤرخین اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

خالد نے مذار میں کچھ ایرانیوں کے ساتھ جنگ کی اور بعض تاریخ نویسوں کے نقل کے مطابق خالد نے جنگ مذار کی کمانڈری ''جریر'' کے سپرد کی اور یہ جنگ اسی جریر کے اقدامات اور نگرانی میں انجام پائی اور خود خالد ''کسگر'' کی کی طرف سے ''زندرود'' کی طرف روانہ ہوا اور اس جگہ کو تیر اندازی سے فتح کیا پھر وہاں سے ''درنی'' اور اس کے اطرف روانہ ہوا اور ''درنی'' کے لوگوں کو امان دی اور اسی امان کے نتیجہ میں ''درنی'' اور اس کے اطراف کو کسی جنگ و خونریزی کے بغیر اپنے قبضہ میں لے لیا

پھر ''ہرمزجرذ'' کی طرف روانہ ہوااور وہاں کے لوگوں کو بھی پناہ دی اور اس طرح یہ علاقہ بھی کسی جنگ و خونریزی کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔

وہاں سے ''الیس'' کی طرف روانہ ہوا 'الیس'' کا حاکم اور کمانڈر جابان جب روداد سے آگاہ ہوا تو اس نے ایک لشکر کو آراستہ کیا اور خالد سے جنگ و مقابلہ کرنے کیلئے اپنے کیمپ سے باہر آیا۔ خالد نے بھی اپنے سپاہیوں کے حصہ کو ''مثنی'' کی کمانڈری میں جابان کی طرف روانہ کیا تھا۔ یہ دو لشکر ''نہر خون'' کے نزدیک ایک دوسرے کے مقابل میں پہنچے اور ان کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی۔ جابان کے لشکر نے اس جنگ میں شکست کھائی اور بھاگ گئے۔

اس ندی کے کنارے اس جنگ کے واقع ہونے کی وجہ سے اس ندی کا نام نہر خون پڑا اور یہ ندی اسی نام سے مشہور ہوئی۔

مؤرخین کہتے ہیں: خالد جنگ الیس سے فراغت پانے کے بعد ''حیرہ' کی طرف روانہ ہوا جب وہ ''حیرہ'' کے نزدیک پہنچا تو ''آزاذبہ'' کے سوار بھی اس کی طرف بڑھ گئے یہ دو لشکر ندیوں کے ایک سنگم پر ایک دوسرے کے مقابلہ میں پہنچ گئے اور ان کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی۔

خالد کی سپاہ کے ایک کمانڈر ''مثنی'' نے آزادبہ کے سواروں کو سخت شکست دی۔ جب اہل حیرہ نے مسلمانوں کی اس شجاعت اور کامیابی کا مشاہدہ کیا تو سب نے ہتھیار ڈال دیا اور مسلمانوں کے استقبال کیلئے نکل پڑے ...

اسلامی ثقافت میں سیف کی روایتوں کا ماحصل

فتوحات خالد کے بارے میں یہاں تک تحقیق و جانچ پڑتال سے ہمارے لئے واضح ہوگیا: یہ صرف سیف ہے جس نے ''معقل بن اعشیٰ'' اور ''سعید بن مرہ'' جیسے پہلوانوں کا نام لیا ہے'' الاصابہ'' کے مؤلف نے بھی ان دو اشخاص کی زندگی کے حالات کو اصحاب پیغمبرؐ کے حالات کے ضمن میں درج کیا ہے، لیکن اس نے بھی جو کچھ ان دو خیالی اشخاص کے بارے میں لکھا ہے وہ سب سیف سے اخذ کیا ہے۔

پھر بھی تنہا سیف ہے جس نے '' عاصم'' نامی ایک اور صحابی کا نام لیا ہے اور '' الاصابہ'' کے مؤلف اور دوسرے شرح نویسوں نے بھی اس کے بارے میں حالات کو سیف سے نقل کیا ہے اور اسے پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی فہرست میں قرار دیا ہے۔

پھر بھی تنہا سیف ہے جس نے ''امغیشیا''، ''مثنیٰ'' اور '' قسیاثا'' نامی مقام کا نام لیا ہے اور ''معجم البلدان'' کے مؤلف اور '' مراصد الاطلاع'' کے مؤلف نے ان ناموں کو سیف سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور انھیں اسلامی شہر اور آبادیوں میں شمار کیا ہے۔

نیز تنہا سیف ہے جس نے ''مثنیٰ'' کیلئے ''مغنیٰ'' نامی ایک بھائی خلق کیا ہے، اور اسے تابعین کی فہرست میں قرار دیا ہے۔

نیز تنہا سیف ہے جس نے اپنی روایتوں میں ایرانی لشکر کیلئے '' قارن بن قریانس' اور '' قباد

انوشجان'' نامی دو سرداروں کا نام لیا ہے جبکہ دوسرے مؤرخین ان سرداروں کو نہیں جانتے ہیں اور بنیادی طور پر ان کا کہیں وجود ہی نہیں تھا۔

نیز تنہا سیف ہے جس نے خالد پر انسان کشی، خونریزی، خون کی ندی بہانے اور ''امغیشیا'' کو مسمار کرنے کی قسم کھانے کا الزام لگایا ہے۔

اور تنہا وہی ہے جس نے ''ولجہ'' نامی ایک اور جنگ، دسیوں خونین حوادث اور دوسری خونین جنگوں کے بارے میں اپنے جعلی اور افسانوی راویوں سے داستانیں نقل کر کے انھیں آنے والی نسلوں کیلئے درج کیا ہے۔

یہ سب جھوٹ، افسانے، سیکڑوں تو ہمات اور دوسرے افسانے سیف کے ذہن اور خیال کی پیداوار ہیں جو اسلامی تمدن میں نفوذ کر کے اسلامی مآخذ میں یادگار کے طور پر باقی رہ گئے ہیں۔ جی ہاں! ان تمام روایتوں اور حوادث کو تنہا سیف نے نقل کیا ہے اور طبری نے بھی اسی سے نقل کیا ہے اور بعد والے مؤرخین جیسے: ابن اثیر، ابن کثیر اور ابن خلدون نے انھیں طبری سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ اس طرح یہ جھوٹے اخبار و حوادث، یہ جنگی افسانے یہ خیالی مکان و علاقے، یہ افسانوی اصحاب و راوی اور یہ جعلی سپہ سالار تاریخ کی کتابوں اور مختلف اسلامی مآخذ میں درج ہو کر آج تک مسلمانوں کے درمیان اشاعت پا کر مشہور ہوئے ہیں اور ان سب کا مجموعی طور پر ایک منحوس اور فاسد نتیجہ نکلتا ہے کہ ''اسلام تلوار اور خون کا دین ہے اور تلوار کے زور اور خونریزی کے ذریعہ پھیلا ہے''۔

فتح حیرہ کے بعد والے حوادث

فقتل یوم الفراض مأة الف

مسلمانوں نے جنگ فراض میں ایک لاکھ افراد کا قتل کیا۔

سیف بن عمر

ا۔ جنگ حصید

سیف کہتا ہے: فتح حیرہ کے بعد ـــ جس کی داستان گزشتہ فصل میں بیان ہوئی ـــ ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف دوبارہ بغاوت کی۔ ''ربیعہ'' کے عرب بھی ان کی نصرت کیلئے اٹھے اور سب کے سب ''حصید'' نامی مقام پر جمع ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے بھی قعقاع بن عمرو سے مدد کی درخواست کی۔ قعقاع ان کی مدد کرنے کیلئے آمادہ ہوا اور ایرانیوں اور ربیعہ کے عربوں سے لڑنے کیلئے ''حصید'' کی طرف روانہ ہوا۔ انکے ساتھ سخت جنگ کی۔ اس جنگ میں قعقاع (مسلمانوں) کو فتح، نصیب ہوئی۔

اس جنگ میں کافی تعداد میں ایرانی مارے گئے اور ایرانیوں کا سپہ سالار ''زمہر'' بھی اس جنگ میں قتل ہوا اور اس کا قاتل قعقاع تھا۔ اس جنگ میں ''روزبہ'' بھی قتل ہوا اور اس کا قاتل، قبیلہ ''حارث بن طریف ضبی'' کا ''عصمت بن عبدربہ'' نامی ایک شخص تھا، عصمت گروہ ''بررہ'' میں شمار

ہوتا تھا اور ''بررہ'' ایک ایسے خاندان کو کہتے ہیں، جس کے تمام افراد مدینہ ہجرت کر چکے تھے، اور آنحضرتؐ کو درک کر چکے تھے۔ ''خیرہ'' بھی ایک گروہ کا نام ہے جس کے قبیلہ کے تمام افراد مدینہ ہجرت کر گئے تھے۔

بہر صورت اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ کافی مقدار میں جنگی غنائم آئے اور لشکر حصید کے بچے کھچے افراد ''خنافس'' کی طرف فرار کر گئے۔ جب مسلمان ان کا پیچھا کرتے ہوئے ''خنافس'' میں داخل ہوئے تو ایرانیوں کا سپہ سالار ''مہبوذان'' اپنے لشکر کے ہمراہ ''خنافس'' سے ''مصیخ'' کی طرف بھاگ گیا

جنگ مصیخ

سیف کہتا ہے: ایرانی لشکر اور ان کے سپہ سالار ''بہبوذان'' کے مصیخ کی طرف فرار کرنے کی اطلاع خالد بن ولید کو ملی۔ اس نے اپنے لشکر کے کمانڈر، قعقاع، اعبد بن فدکی اور دوسرے کمانڈروں کے نام ایک خط لکھا اور ان کیلئے ایک رات مقرر کی تا کہ اس رات کو وہ سب مصیخ میں اجتماع کریں۔ مقررہ وقت پر فوجی مصیخ میں جمع ہوئے دشمن کے افراد جو بے خبری کے عالم میں گہری نیند سو رہے تھے تین جانب سے مسلمانوں کے حملوں کا نشانہ بنے۔ مسلمانوں نے دشمن کا ایسا قتل عام کیا کہ مصیخ کے بیابان میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اس بیابان میں جس نقطہ پر نگاہ پڑتی تھی دشمنوں کے جنازے زمین پر بھیڑ بکریوں کی لاشوں کے مانند بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے

۳۔ جنگ ثنی

پھر سیف کہتا ہے: جب مصیخ کے لوگوں نے اس طرح شکست کھائی اور مسلمانوں کے ہاتھوں خفت اٹھائی تو تغلب کے قبائل نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی اور ان سے جنگ کی غرض سے ''ثنی'' اور ''زمیل'' میں جمع ہو گئے خالد بن ولید نے اپنے کمانڈروں کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ ''ثنی'' اور ''زمیل'' کے باشندوں کے ساتھ مصیخ کے لوگوں کا سا سلوک کریں گے لہذا خالد نے اپنے سپاہ کو آمادہ کیا اور رات کی تاریکی میں تین جانب سے ثنی پر دھاوا بول دیا اور سب لوگوں کو تہہ تیغ کر ڈالا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بنایا۔ ثنی میں دشمن کی جمع شدہ فوج میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچ سکا تا کہ روداد کی خبر کو زمیل میں موجود اپنی دوسری سپاہ تک پہنچا سکے۔

۴۔ جنگِ زمیل

اس کے بعد سیف نے روایت کی ہے:

خالد نے ''ثنی'' کے باشندوں کا کام تمام کرنے کے بعد ''زمیل'' کے بے خبر لوگوں کی طرف رخ کیا اور ان پر تین جانب سے شب خون مارا۔ ان کے بہت سے افراد کو ایسے قتل کر ڈالا کہ گزشتہ جنگوں میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے کیونکہ خالد نے قسم کھائی تھی[1] کہ دشمن پر شب خون مار کر ان سب کو نابود کر ڈالے گا مسلمانوں کو اس جنگ میں کافی مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ جنگ کے خاتمہ پر

۱۔ میں نہیں جانتا کہ خالد نے انسانوں کے قتل کی کتنی قسمیں کھائی تھیں؟!

خالد نے ان تمام غنائم کو اپنے سپاہیوں کے درمیان تقسیم کیا اور اس کے خمس کو ابوبکر کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

۵۔ جنگِ فراض

پھر سیف کہتا ہے: خالد ''زمیل'' سے ''فراض'' کی طرف روانہ ہوا تو دوسری طرف سے روم کی حکومت نے مسلمانوں کی خونریز روش سے سخت غضبناک ہو کر ان کی بیخ کنی کیلئے روم کی سرحد پر موجود ایرانی فوجی کیمپوں کی مدد کی اس کے علاوہ عربوں کے مختلف قبائل جیسے ''تغلب'' ''ایاد'' اور ''نمر'' کی بھی مدد کی۔

ان سب نے روم کی حکومت سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی حمایت اور مدد کریں گے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کی اپنی آمادگی کا اظہار کیا اور انہوں نے اپنے فوجیوں کو رومیوں کے اختیار میں دیدیا اس طرح ایک بہت بڑا لشکر جمع ہوا اور روم کے افواج کے ساتھ ملحق ہوا اس طرح ایک عظیم فوج تشکیل پائی۔ اس کے بعد رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک گھمسان اور طولانی جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ بھی رومیوں کی شکست پر ختم ہوئی خالد نے یہاں پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کے بارے میں سختی کریں اور کسی قسم کی نرمی نہ برتیں اس کے نتیجہ میں مسلمان دشمن کے فراری سپاہیوں کو پکڑ کر نیزوں اور برچھیوں کے سائے میں گروہ گروہ کی صورت میں لا کر ایک جگہ جمع کرتے تھے اور اس کے بعد سب کے سر قلم کرتے تھے۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں ایک لاکھ افراد کو قتل

کر کے انھیں خاک وخون میں غلطاں کیا۔

سند کی تحقیق

سیف کی نقل کردہ ان روایتوں میں محمد، مہلب، زید اور غصن بن قاسم نامی چند راوی ملتے ہیں کہ یہ سب سیف کے جعل کردہ راوی ہیں اور اس نام ونشان کے راوی دنیا میں کہیں موجود نہیں تھے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ ان روایتوں کی سند میں ''ظفر بن دھی'' نامی ایک اور راوی نظر آتا ہے کہ وہ بھی سیف کا جعلی صحابی پیغمبرؐ اور نقلی راوی ہے۔

سیف نے ان روایتوں کی سند میں قبیلہ سعد کے ایک شخص اور قبیلۂ کنانہ کے ایک شخص کو راویوں کے طور پر پیش کیا ہے لیکن ان کیلئے نام معین نہیں کئے ہیں تا کہ علم رجال کی کتابوں میں درج ہو کر ان کی سوانح لکھی جاتی۔

ہم ان دو بے نام ونشان راویوں کے حالات پر روشنی ڈالنے سے معذور ہیں۔

تحقیق کا نتیجہ

جو کچھ ہم نے ''حیرہ'' کے بعد خالد کی جنگوں کے بارے میں اس فصل میں بیان کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے:

تنہا سیف ہے جس نے ''جنگ حصید'' کے نام پر ایک جنگ کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں بڑی تعداد میں ایرانیوں کا قتل عام کیا گیا اور اسی طرح ''روز بہ'' اور ''رزمہر'' نامی دو ایرانی کمانڈروں کے قتل کے بارے میں نقل کیا ہے۔

یہ تنہا سیف ہے جس نے ''عصمت بن عبدر بہ ضبی'' نامی ایک صحابی کا نام لیا ہے اور اسے قبیلہ ''بررہ'' میں شمار کیا ہے اور اس کے ضمن میں یہ وضاحت کی ہے کہ ''بررہ'' ہر اس قبیلہ و خاندان کو کہتے ہیں کہ اس کے تمام افراد نے مدینہ ہجرت کی ہو اور ''خیرہ'' بھی کسی خاندان کے اس گروہ کو کہتے ہیں جنہوں نے اپنے قبیلہ سے مدینہ ہجرت کی ہو۔

پھر تنہا یہی سیف ہے جس نے ''مصیخ'' نامی ایک جگہ کا نام لیا ہے اور کہا ہے کہ اس جگہ کے لوگ مسلمانوں سے جنگ میں اس قدر قتل ہوئے کہ مقتولین کے جنازے بھیڑ بکریوں کی لاشوں کے مانند بیابانوں میں بکھرے پڑے تھے۔

پھر تنہا سیف ہے جس نے ''ثنی'' اور وہاں کے تمام باشندوں کے قتل اور نابود ہونے کی بات کی ہے اور اس طرح ''زمیل'' نامی ایک اور جگہ پر بے مثال قتل عام کی تعریف کی ہے۔

یہ تنہا سیف ہے جس نے ''جنگ فراض'' اور اس جنگ میں ایک لاکھ افراد کے قتل ہونے کی خبر ہمارے لئے نقل کی ہے۔

پھر تنہا سیف ہے جس نے نقاط، اماکن، شہروں اور بہت سی آبادیوں کا نام اپنی روایتوں اور داستانوں میں بیان کیا ہے کہ کسی کو ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے یاقوت حموی نے بھی ان

اماکن اور جگھوں کے نام کو سیف سے نقل کر کے واقعی شہروں اور اماکن کی فہرست میں درج کیا ہے اور حموی سے بھی ''مراصد الاطلاع'' کے مؤلف نے انھیں نقل کر کے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

بنیادی طور پر ان داستانوں اور حوادث کو طبری نے سیف سے نقل کیا ہے پھر ابن اثیر اور ابن کثیر نے بھی طبری سے نقل کر کے انھیں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

پھر تنہا سیف ہے جو اپنی ان داستانوں میں پیغمبر کے خاص اصحاب جیسے: اعبد ابن فدکی اور عصمۃ ابن عبداللہ ضبی کا نام لیا ہے کہ سیف کے علاوہ کوئی بھی شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ان نام ونشان کے اصحاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن طبری نے ان سب کو سیف کی داستانوں سے نقل کر کے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اس کے علاوہ ''الاصابہ'' کے مؤلف نے بھی انھیں طبری سے نقل کر کے ان ناموں کو پیغمبرؐ کے واقعی اصحاب کی فہرست میں درج کیا ہے۔

سیف کی روایتوں کا دوسرے مورخین کی روایتوں سے موازنہ

هكذا كانت طبيعة غزوات خالد فی العراق

عراق میں خالد کی جنگیں اس طرح تھیں (نہ اس طرح کہ سیف کہتا ہے)

مؤلف

ہم نے گزشتہ فصل میں فتح حیرہ کے بعد خالد کی جنگوں کے بارے میں سیف کی روایتوں کے ایک خلاصہ کا مطالعہ کیا اور سند کے لحاظ سے ان کے ضعیف ہونے کا بھی مشاہدہ کیا، اب ہم اس سلسلہ میں ان دونکتوں کی طرف اشارہ کریں گے جو ان داستانوں کے ضعیف اور جعلی ہونے کو ثابت کرنے کے سلسلے میں ضروری نظر آتے ہیں:

ا۔ چنانچہ گزشتہ فصل میں ملاحظہ فرمایا کہ سیف جنگ حیرہ کے بعد چند جنگیں نقل کرتا ہے اور ان جنگوں میں مقتولین کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ صرف جنگ فراض میں مسلمانوں کی تلواروں سے ایک لاکھ افراد قتل کیے گئے۔

جبکہ اولاً اس زمانہ میں وہ بھی ان دیہات اور قصبوں میں اتنے لوگوں کا اجتماع ناقابل قبول

ہے اس کے علاوہ اس زمانے کے سرد اسلحہ اور جنگی وسائل سے اتنے لوگوں کا قتل عام کرنا سرسام آور اور نا قابل یقین ہے کیونکہ خود سیف کے کہنے کے مطابق یہ جنگیں عراق میں واقع ہوئی ہیں اور عراق کا علاقہ ان دنوں چھوٹے چھوٹے دیہات پر مشتمل تھا جو پراکندہ حالت میں ندیوں کے کناروں پر آباد تھے ان آبادیوں کے لوگ عرب نسل کے کسان اور بعض جگہوں پر ایرانی رہا کرتے تھے، ان دیہات میں سب سے بڑی آبادی حیرہ تھی کہ عرب بادشاہ اس آبادی میں سکونت کرتے تھے ''بلاذری'' کی نقل کے مطابق جب خالد بن ولید نے عراق کے سب سے بڑے شہر حیرہ کی مردم شماری کی تو ان کی تعداد چھ ہزار تک پہنچ گئی ان پر لازم قرار دیا کہ سالانہ چودہ درہم فی کس، اسلامی حکومت کو بعنوان جزیہ وٹیکس ادا کریں۔

جب ایک مرکزی شہر کی آبادی چھ ہزار ہو تو قریہ اور اس کے دوسرے دیہات کی آبادی کتنی ہونی چاہیے تا کہ مقتولین کی تعداد صرف ایک جنگ میں ایک لاکھ افراد تک پہنچ جائے ؟ اور ایکس خونین جنگیں بھی واقع ہو جائیں۔

۲۔ ان جنگوں کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے لئے (کہ جن سے ان دنوں عراق کے شہروں میں آٹے کی پن چکیاں چلنے لگیں) جب ہم معروف مؤرخ دینوری کے بیان پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب ''اخبار الطّوال'' میں ایسے مطالب بیان کرتا ہے جن سے سیف کی جنگوں اور داستانوں کی بنیاد درہم برہم ہو کر ان کا جعلی اور افسانوی ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

دینوری یوں کہتا ہے:

جب سلطنت، کسریٰ کی بیٹی پوران کو ملی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ ایران ایک شائستہ پادشاہ اور ایک دانا رہبر سے محروم ہے اور وہاں کے لوگ بیچارگی کی وجہ سے ایک عورت کے گھر میں پناہ گزین ہوئے ہیں یہی وجہ تھی کہ اس زمانے کے ڈاکوؤں اور لٹیروں نے اس فرصت سے استفادہ کیا اور قبیلۂ بکر بن وائل کے دو افراد نے ایرانی آبادی والے دیہات کے لوگوں کے مال و ثروت پر ڈاکہ مارا اور جہاں تک ممکن ہو سکا لوٹ کھسوٹ مچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

جب لوگ ان کا پیچھا کرتے تھے تو وہ بیابانوں میں چھپ جاتے تھے اور لوگ انھیں پکڑنے سے عاجز تھے، ان دو افراد میں سے ایک ''مثنیٰ'' تھا جو حیرہ کے اطراف میں ڈاکہ زنی کرتا تھا اور دوسرا ''سوید'' تھا جو ''ابلہ'' کے اطراف میں لوٹ کھسوٹ مچا رہا تھا یہ روداد ابوبکر کی خلافت کے دوران رونما ہوئی، یہاں تک مثنیٰ نے ابوبکر کے نام ایک خط لکھا اور اس خط میں ایرانیوں کی نسبت اپنی طاقت اور ایرانیوں کی کمزوری کے بارے میں انھیں مطلع کیا اور اس سے مدد اور لشکر بھیجنے کی درخواست کی تاکہ ایرانیوں پر حملہ کر سکے اور اس وسیع سرزمین کو مسلمانوں کیلئے فتح کرے۔

ابوبکر نے یہ موضوع خالد بن ولید کو لکھا، جو ان دنوں مرتدوں کی جنگ سے فارغ ہو چکا تھا، اور اسے حکم دیا کہ حیرہ کی طرف روانہ ہو جائے اور مثنیٰ کو اپنے لشکر کے ساتھ ملحق کرے، خالد بھی ابوبکر کے فرمان کے مطابق حیرہ میں داخل ہوا لیکن مثنیٰ نے خالد کے حیرہ میں داخل ہونے پر تنفر کا اظہار کیا،

پھر جب ہم بلاذری کی فتوح کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں پر مشاہدہ کرتے ہیں اس نے

اپنی کتاب میں خالد کی جنگ خاص کر حیرہ کی جنگوں کے بارے میں اس طرح تفصیلات ذکر کئے ہیں کہ ہمارے لئے ان جنگوں کی حقیقت واضح ہوسکتی ہے ہم نے گزشتہ صفحات میں حیرہ کی جنگوں کے بارے میں بلاذری سے نقل کر کے کچھ گوشے بیان کئے ہیں اب ہم اس فصل میں اس کا ایک خلاصہ بیان کریں گے جو اس نے حیرہ کے بعد والی جنگوں کے بارے میں نقل کیا ہے:

بلاذری کہتا ہے:

خالد نے بشیر بن سعد انصاری کو ''بانقیا'' روانہ کیا فرخبنداذ کی کمانڈری میں سپاہ عجم کے ایک گروہ نے اس کا راستہ روک کر اس پر تیراندازی کی، بشیر کے فوجیوں نے بھی اس پر حملہ کیا اور انھیں بری طرح شکست دیکر فرار کرنے پر مجبور یا حتی خود'' فرخبنداذ'' کو بھی قتل کر ڈالا لیکن بشیر اس جنگ میں بری طرح زخمی ہوا اس لئے مجروح حالت میں میدان جنگ سے پیچھے ہٹا اور ''عین التمر'' کے مقام پر زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا

بعض نے کہا ہے کہ ''فرخبنداذ'' کو خود خالد نے قتل کیا اور ''جریر بن عبد ربہ بجلی'' کو ان کی طرف بھیجا، ''صلوبا'' کا بیٹا ''بصبہری'' اس کے پاس آیا اور صلح کی تجویز پیش کی، جریر نے بھی ان کی تجویز قبول کی اور دو ہزار درہم اور ''طلیسان'' کو ان سے لے کر صلح کی[1]

بعض مورخین نے کہا ہے کہ صلوبا کا بیٹا خود خالد کے پاس آیا اور اس کے سامنے صلح کی تجویز

[1] ایسا لگتا ہے کہ یہ دو ہزار درہم اور ''طلیسان'' سالانہ ٹیکس اور جزیہ کے طور پر لیا جاتا تھا

پیش کی، اور بعض نے کہا ہے کہ جنگ حیرہ کے بعد خالد ''فلالج'' میں آیا۔ وہاں پر کچھ عجمی جمع ہوئے تھے اور وہ خالد کو دیکھ کر پراکندہ ہوئے اس لئے خالد کے لشکر کی وہاں پر کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور وہ کسی کو قتل کئے بغیر حیرہ کی طرف واپس لوٹا۔ حیرہ میں خالد کو اطلاع ملی کہ شہر شوشتر میں ''جابان'' نے کچھ لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا ہے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہا ہے اسی لئے مثنی اور حنظلہ بن ربیع کو جابان کی طرف روانہ کیا جب یہ افراد شوشتر پہنچے تو جابان نے ''انبار'' کی طرف فرار کیا اور شوشتر کے لوگوں نے قلعوں میں پناہ لے لی خالد نے جب روداد کو اس صورت میں پایا تو مثنی کو چند سپاہیوں کے ہمراہ بغداد کے قدیمی بازار کی طرف بھیج دیا کہ اسے لوٹ لیں مثنی کے سپاہیوں نے بغداد کے بازار پر حملہ کیا اور سونا، چاندی، اور ہلکی مگر قیمتی اشیاء ان سے غنیمت کے طور پر لے لیں، اس کے بعد ''انبار'' کی طرف رخ کیا، جہاں پر خالد بھی موجود تھا، خالد کے حکم سے انبار کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور اس کے اطراف میں آگ لگا دی انبار کے باشندوں نے جزیہ اور مختصر حقِ صلہ ادا کر کے خالد سے صلح کر لی۔

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ''انبار'' کے لوگوں کی صلح عمر کے زمانے میں جریر سے ہوئی ہے،

خلاصہ یہ کہ مؤرخین کے کہنے کے مطابق عراق میں خالد کی جنگیں اس صورت میں تھیں کہ وہ بعض اوقات چند سوار فوجیوں کو ایک گاؤں میں بھیجتا تھا اور اس گاؤں کے لوگ صلح کی تجویز کے ساتھ جزیہ اور ٹیکس ادا کر کے ان کا استقبال کرتے تھے یا مختصر مقابلہ اور تیر اندازی کے بعد دشمن کو شکست دیتے تھے یا بازار میں دشمن کے اجتماع پر حملہ کر کے انھیں متفرق کر دیتے تھے اور ان کے اموال کو بازار

سے غنیمت کے طور پر لوٹ لیتے تھے اور بعض اوقات ایک شہر یا گاؤں پر حملہ کرتے تھے اور وہاں کے غنڈوں اور طاغوتیوں سے لڑتے تھے یا ان پر حملہ کرتے تھے جو مسلمانوں کے خلاف اسلحہ اٹھائے ہوئے تھے اور ان میں سے بعض بعض کو قتل کرتے تھے اور ضمناً ان واقعات کے دوران بعض افراد کو اسیر بناتے تھے اور غنائم جنگی پر بھی قبضہ کر لیتے تھے۔

البتہ اس قسم کی پراکندہ اور چھوٹی جنگیں خالد کے لشکر کی تعداد سے مطابقت رکھتی ہیں کہ بلاذری خالد کے فوجیوں کی تعداد کے بارے میں کہتا ہے:

خالد بن ولید ۱۳ھ ربیع الاول کے مہینہ میں شام کی طرف روانہ ہوا تا کہ وہاں پر مسلمان فوجیوں کی مدد کرے شام جاتے ہوئے راستے میں عراق میں یہ چھوٹے حملے بھی انجام دئے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کا لشکر سات سو افراد پر مشتمل تھا، اور بعض راویوں نے کہا ہے کہ اس کے چھ سو سپاہی تھے اور بعض دوسروں نے اس کے سپاہی کی تعداد پانچ سو افراد نقل کی ہے۔

واضح ہے کہ آٹھ سو یا پانچ سو افراد پر مشتمل ایک فوج یہ طاقت نہیں رکھتی کہ لاکھوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار سکے جیسا کہ سیف کی روایتوں میں بتایا گیا ہے۔

گزشتہ مباحث کا خلاصہ اور نتیجہ

هدف سيف من وضع هذا التاريخ الاسائة الى الاسلام

اس داستان سازی سے سیف کا مقصد اسلام کو نقصان پہچانا تھا۔

مؤلف

گزشتہ فصلوں میں ہم نے ملاحظہ کیا کہ سیف کی روایتوں کے مطابق خالد بن ولید جنگِ ذات السلاسل میں ایرانی فوجیوں کو جنھوں نے اپنے آپ کو زنجیروں اور سلاسل میں جکڑا تھا، سب افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

''ثنی'' کی جنگ میں ایسا قتل عام کرتا ہے کہ میدان کارزار میں مقتولین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچتی ہے اس کے علاوہ ان کی ایک تعداد پانی میں غرق ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ خالد بن سید ''الیس'' کی جنگ میں قسم کھاتا ہے کہ دشمن کے خون سے ایک نہر جاری کرے اور اس مقصد کیلئے مسلسل تین دن تک سرزمین ''الیس'' کے باشندوں کو پکڑ پکڑ کر لاتا ہے اور ندی کے کنارے ان کا سر قلم کرتا ہے، یہاں تک اس جنگ میں مقتولین کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

اس کے بعد ''امغیشیا'' کو ویران کرتا ہے۔

جنگ حیرہ میں ''آزادبہ'' کے لشکر کو نابود کرتا ہے۔

جنگ ''حصید'' میں قعقاع بن عمرو ایک بڑے اور وحشتناک قتل عام کو انجام دیتا ہے اور ''حصید'' کے باشندے نینداور بے خبری کے عالم میں تین جانب سے مسلمانوں کے حملہ وہجوم کا نشانہ بن جاتے ہیں اور اتنے لوگ مارے جاتے ہیں کہ پورا علاقہ مقتولین کے جنازوں سے بھر جاتا ہے جیسے کہ بھیڑ بکریوں کی لاشیں زمین پر پڑی ہوں۔

سیف کے کہنے کے مطابق وہ پھر ''ثنی'' واپس آتا ہے اور وہاں کے باشندوں پر تین جانب سے حملہ کرتا اور تمام لوگوں کو تہہ تیغ کرتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک آدمی بھی موت اور مسلمانوں کی تلوار سے نجات نہیں پاتا تاکہ اپنے قبائل کو اس روداد کی خبر دیتا۔

سیف کے کہنے کے مطابق مسلمانون نے تین طرف سے ''زمیل'' کے باشندوں پر ایک سخت حملہ کر کے ایک ایسے قتل عام کا بازار گرم کیا کہ گزشتہ جنگوں میں اس کی مثال نہیں ملتی، کیونکہ خالد بن ولید نے اس جنگ میں بھی قسم کھائی تھی کہ ان پر شب خون مار کر ان سب کو نابود کر دے گا۔

پھر خالد حکم دیتا ہے کہ ''فراض'' کے باشندوں پر شکست کے بعد سختی کریں، لہذا مسلمان سوار انھیں گروہ گروہ کی صورت میں پکڑ کر لاتے اور ایک جگہ کر کے سب کے سر قلم کرتے تھے اس جنگ میں مقتولین کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچی۔

یہ ہیں سیف کی وہ فتوحات اور جنگیں جن کے گیت وہ اسلام و مسلمانوں کیلئے گاتا ہے ان المناک واقعات کو سننے کے بعد کس انسان کے رونگٹے کھڑے نہیں ہوں گے؟ کیا مغل، تاتار اور تاریخ کے دیگر لٹیروں اور غارتگروں کے ظلم اور خونریزی کی داستاں اس سے زیاد تھیں کہ ان افسانوی

فتوحات میں ذکر ہوئی ہیں اور اس سلسلہ کی تاریخی روایتوں میں منعکس ہوئی ہیں؟

کیا اسلام کے دشمنوں کو یہ فرصت نہیں ملی ہے کہ ان ہی جعلی تاریخی واقعات کو تاریخی وقائع کے روپ میں شائع کر کے انھیں اسلام کے خلاف ایک حربہ کی صورت میں استعمال کریں اور یہ کہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے؟ کیا ان جعلی حوادث کے مطالعہ کے بعد کوئی شک کر سکتا ہے کہ سیف اسلام کے بارے میں بد نیتی رکھتا تھا؟

کیا سیف کے ان جعلی داستانوں اور جھوٹ گڑھنے میں دانشوروں کے بقول اسکے، کافر و زندیق ہونے کے علاوہ کوئی اور محرک ہو سکتا ہے؟

تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ کیا سیف کے یہ سب جھوٹ اور بہتان امام المؤرخین طبری اور اس کے علامہ ابن اثیر اور اس کے ترجمان ابن کثیر اور مؤرخین کے فلاسفر ابن خلدون اور دسیوں دوسرے تاریخ دان حضرات جیسے: ابن عبدالبر، ابن عساکر، ذہبی اور ابن حجر کیلئے واضح نہیں تھے؟ کہ انہوں نے کسی تحقیق اور جانچ پڑتال کے بغیر انھیں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے؟

قطعی اور یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب حضرات سیف کو بخوبی جانتے تھے اور اس کے کفر و زندقہ اور فاسد و ناپاک عزائم کے بارے میں پوری اطلاع رکھتے تھے، کیونکہ یہی مورخین ہیں جنہوں نے اسے جھوٹ بولنے والا اور افواہ باز معرفی کیا ہے اور اس پر کافر و زندقہ ہونے کا الزام لگایا ہے لیکن اس کے باوجود کیوں انھوں نے اس کی روایتوں کو نقل کر کے شیر و شکر کے مانند انھیں آپس میں ملایا ہے؟ یہ واقعی طور پر تعجب و حیر کا مقام ہے اور اس سلسلہ میں دقت و تفکر انتہائی سرسام آور اور پریشان کن

ہے۔

ہم نے جنگ ''ذات السلاسل'' میں طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون کے بیان کا ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس جنگ کے بارے میں سیف کی روایت اس حقیقت کے خلاف ہے کہ اہل تاریخ و سیرت نے اس سلسلہ میں بیان کیا ہے لہذا یہ سب مؤرخین سیف کے جھوٹے اور زندقہ ہونے کے بارے میں اطلاع رکھتے تھے اور اطلاع و آگاہی کے باوجود اس کی روایتوں پر اعتماد کر کے اس کے جھوٹ نقل کئے ہیں اور وہ اس جھوٹ پر اعتماد کرنے کیلئے بھی محرک رکھتے تھے اور ان کے اسی محرک نے اس عمل کو محکم بنا دیا ہے اس نے اپنے جھوٹ کو ان کے فضائل و مناقب کی تشہیر سے مزین کیا ہے یہی وجہ ہے کہ علماء اور مؤرخین نے ان روداد اور حوادث کے بہتان ہونے کے باوجود ان کی اشاعت میں کوشش کی ہے اور ان کی ترویج میں سعی و کوشش کی ہے۔

مثلاً سیف نے فتوح عراق میں اپنے جھوٹ کو خالد بن ولید کے مناقب کی اشاعت کو پردہ میں چھپا دیا ہے الیس کی جنگ میں شہر امغیشیا کی تخریب کے سلسلے میں اس کے بارے میں یوں ذکر کیا ہے:

''ابوبکر نے کہا: اے گروہ قریش! تمہارے شیر نے کسی دوسرے شیر پر حملہ کیا ہے اور اس کے ہاتھ سے لقمہ کو چھین لیا ہے دنیا کی عورتین خالد جیسے کو جنم دینے سے بے بس اور بانجھ ہیں''

اس کے علاوہ مرتدین کی جنگوں کو بھی ابوبکر کے مناقب سے مزین کیا ہے اور فتوحات شام و ایران میں بھی (کہ اس کے کہنے کے مطابق عمر کے زمانے میں واقع ہوئی ہیں) اسی روش پر عمل کیا ہے۔

دوبارہ عثمان کے زمانے کے حوادث اور جنگ جمل میں بھی اسطرح کی پردہ پوشی سے

استفادہ کیا ہے تمام داستانیں جو حوادث کے بارے میں جعل کی ہیں انھیں صاحب اقتدار، زورآور اور جنگجو اصحاب کے مناقب وفضائل سے مزین کیا ہے یہی وجہ ہے کہ سیف کی روایتوں نے رواج پیدا کیا اور تشہیر ہوئی لیکن اس کے مقابلہ میں تاریخ کی صحیح اور حقائق پر مبنی روایتیں فراموشی کی نذر ہوئی ہیں۔

لیکن، اس نکتہ پر بھی توجہ کرنی چاہئے کہ اگر چہ سیف نے اپنی روایتوں کو صحابہ کے فضائل کے ذریعہ پردہ پوشی کی ہے لیکن حقیقت میں یہ ہے کہ یہ داستانیں نہ صرف اصحاب کیلئے کسی قسم کی فضیلت نہیں بنتی ہیں بلکہ حقیقت میں ان کیلئے ملامت اور مذمت کا باعث ہیں۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان مؤرخین نے کیوں اس نکتہ کی طرف توجہ نہیں کی کہ خالد کے لاکھوں انسانوں کو قتل کرنے اور خون کی ندی بہانے کیلئے ندی کے کنارے ان کا سر قلم کرنے میں خالد کیلئے کونسی فضیلت ہے؟ اس کے علاوہ ویرانیاں نیز شہروں اور آبادیوں کو مسمار کرنے میں خالد کی کوئی تعریف وفضیلت نہیں ہوسکتی، مگر بے عقیدہ افراد اور زندیقوں کے نظریہ کے مطابق کہ زندگی وحیات کو نور کیلئے ایک زندان تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں زندگی کے اس زندان کو منہدم کرنے کیلئے بیشتر تلاش وکوشش کرنی چاہئے تا کہ وہ نور نجات پائے[۱]

بہر حال سیف کے بے مصرف متاع نے تاریخ کے بازار میں اس طرح شہرت پائی ہے کہ ایک طرف سے خود سیف نے زورآور اصحاب کے مناقب سے اسے رنگ آمیزی کی ہے کہ ہر مطلب وداستان جو بظاہر ایسے اصحاب کیلئے ایک فضیلت شمار ہوتی ہے اگر چہ حقیقت میں یہ فضیلت نہیں ہے

۱۔ ملاحظہ ہو موضوع بحث الزندقہ والزنادقہ کتاب ''خمسون ومأۃ صحابی مختلق''

پھر بھی اسے لوگوں میں تشہیر کر کے اسے رواج دیا گیا ہے۔

اس سے بدتر یہ ہے کہ سیف نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا کہ بعض روایتوں اور داستانوں کو جعل کر کے جو بظاہر اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے فضیلت شمار ہوں اور انہی فضائل کے پس پردہ اپنی چاہت کے مطابق اسلام کو ضربہ پہچانے کیلئے ان کی اشاعت کی، بلکہ سیف نے پیغمبر کیلئے ایسے اصحاب بھی خلق کئے ہیں کہ خداوند عالم نے انھیں پیدا نہیں کیا ہے اس کے بعد اپنی مرضی کے مطابق ان کیلئے شرف، کرامت، فتوحات، اشعار اور فضائل و مناقب قلم بند کئے ہیں اس کے، اس کام کا محرک یہ تھا کہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ بعض مسلمان جو کچھ بھی اصحاب کی مدح وثناء اور منقبت وفضیلت میں ہو، اس کا دل کھول کر استقبال کرتے ہیں اور اسے آنکھیں بند کر کے قبول کرنے کیلئے تیار ہیں اس نے بھی اسی عقیدہ پر اعتماد وتکیہ کر کے اسلام کو تخریب اور منہدم کرنے کیلئے جو کچھ مناسب سمجھا اسے جعل کر کے مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ مسلمانوں کے حوالہ کیا ہے، اور یہ سادہ لوح تاریخ دان سیف کی خواہش اور مقصد کی پیروی کر کے گزشتہ تیرہ صدیوں سے اس کے جھوٹ اور بہتانوں کو رواج دینے کی اشاعت کر رہے ہیں الحمد اللہ ہم ان کے منحوس منصوبوں کو ناکام بنا کر تاریخ کے حقیقی چہرے سے توہمات اور باطل کے ضخیم پردوں کو اٹھانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ جو نمونے ہم نے پیش کئے وہ سیف کی تمام روایتوں کی قدر و منزلت جاننے کیلئے کافی ہیں، جو اس نے مسلمانوں کی فتوحات اور مرتدوں سے جنگوں کے بارے میں نقل کی ہیں تاکہ یہ ثابت کرے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے''

اگر ہم صحابہ کے زمانے میں اسلامی فتوحات کے بارے میں سیف کے نقل کیے گئے جعلیات اور بہتانوں میں سے ہر ایک پر الگ الگ تحقیق و جانچ پڑتال کرنا چاہیں تو بحث و تحقیق کا دامن مزید وسیع اور طولانی ہوگا اور موضوع تھکن اور خستگی کا سبب بن جائے گا اسلئے سیف کے برے عزائم کو دکھانے کیلئے کہ جو اسلام کو خون و تلوار کا دین معرفی کرتا ہے، اسی قدر سیف کی جھوٹی جنگوں اور فتوحات پر اکتفاء کرتے ہیں اور اسکے علاوہ محققین کے ذمہ چھوڑ دیتے ہیں ہم اس کتاب کے اگلے حصہ میں سیف کی توہمات پر مشتمل روایتوں پر بحث کریں گے۔

اس حصہ سے مربوط مطالب کے مآخذ

جنگِ ابرق کے مآخذ

۱۔ مرتدین کی جنگوں کا مقدمہ، تاریخ طبری ۱/۱۸۷۱۔۱۸۷۲

۲۔ غطفان کے ارتداد کا سبب، تاریخ طبری ۱/۱۸۱۱۔۱۸۹۴

سیف کی روایتوں کے مطابق جنگِ ابرق کی داستان:

۳۔ تاریخ طبری: ۱/۱۸۷۳۔۱۸۸۵

۴۔ تاریخ ابن اثیر، ۲/۲۳۲۔۲۳۴۔

۵۔ تاریخ ابن کثیر: ۶/۵۱۱۔۵۱۶۔

۶۔ تاریخ ابن خلدون: ۲/۲۷۳۔۵۱۶

۷۔ زیاد بن حنظلہ کے حالات کتاب ''خمسون ومأۃ صحابی مختلق''

۸۔، ۹۔ قبائل حمزۃ بن حزم ولباب بن اثیر کے حالات کی تشریح

۱۰۔ ۱۱۔ ابرق ربذہ کی وضاحت: معجم البلدان ومراصد الاطلاع

داستان ذی القصہ کے مآخذ

الف۔ سیف کی روایت کے مطابق

۱۔ تاریخ طبری ۱/۱۸۸۰۔۱۸۸۵۔

۲۔ تاریخ ابن اثیر ۲/۲۳۲۔۲۳۴

۳۔ تاریخ ابن اثیر: ۶/۵۱۱۔۵۱۶

۴۔ تاریخ ابن خلدون: ۲/۲۷۳۔۲۷۴

۵۔ و ۶۔ محققین کی وضاحت: معجم البلدان، مراصد الاطلاع

ب: داستان ذی القصہ، سیف کے علاوہ دوسروں کی روایت میں:

۱۔ تاریخ طبری: ۱/۱۸۷۰

۲۔ تاریخ یعقوبی/طبع الغری/نجف/۱۳۸۵ھ

۳۔ فتوح البلدان، بلاذری/طبع مصر/السعادہ ۱۹۵۹ء/۱۰۴

۴۔ البدء والتاریخ: ۵/۱۵۷

ارتداد طی کے مآخذ

۱۔ داستان ارتداد طی سیف کی روایتوں میں:

۱۔ طلیحہ کے گرد طی کے لوگوں کا اجتماع کرنے کے بارے میں روایت: طبری ۱/۱۸۷۱

۲۔ طی کے لوگوں کی بغاوت: طبری ۱/۱۸۷۳

۳۔ قبیلۂ طی کی تجویز: تاریخ طبری ۱/۱۸۹۱۔۱۸۹۲

۴۔ عدی قبیلۂ طی کو لشکر طلیحہ سے واپس لایا: تاریخ طبری: ۱/۱۸۸۵۔۱۸۸۷

۵۔ مرتدوں اور قبیلۂ طی سے خالد کا مسلمانوں کے قاتلوں کا مطالبہ: تاریخ طبری: ۱/۱۹۰۰

۶۔ طلیحہ کے فراری سپاہیوں کا ام زمل سے جا ملنا: تاریخ طبری: ۱/۱۹۰۲

۷۔ قبیلۂ طی کی جنگ کے خاتمہ کے بعد خالد کا واپس آنا: تاریخ طبری: ۱/۱۹۲۲

۸۔ قبیلۂ طی کی جنگ کے خاتمہ کے بعد خالد کا واپس آنا: تاریخ ابن اثیر طبع منیریہ: ۲/۲۳۴

۹۔ قبیلۂ طی کی جنگ کے خاتمہ کے بعد خالد کا واپس آنا: تاریخ ابن کثیر: ۴/۳۱۷

۱۰۔ مادہ ''سخ'' اور ''قرودہ'' میں: معجم البلدان

۱۱۔ مادہ ''سخ'' اور ''قرودہ'' میں: مراصد الاطلاع

ب۔ داستان ارتداد طی سیف کے علاوہ دوسروں کی روایتوں میں:

۱۔ قبیلۂ طی کا کیمپ کلبی کی روایت سے: تاریخ طبری: ۱/۱۹۰۰

۲۔ حبال، عکاشہ و ثابت کا قتل، فتوح البلدان: بلاذری، طبع دار النشر: ۱۳۳

۳۔ جنگ بزاخہ و جنگ طلیحہ و اسارت عینیہ: فتوح البلدان بلاذری: ۱۳۴

۴۔ جنگ بزاخہ و جنگ طلیحہ و اسارت عینیہ: تاریخ ابن الخیاط: ۱/۸۷

۵۔ جنگ بزاخہ و جنگ طلیحہ و اسارت عینیہ: فتوح اعثم: ۱۳۔۱۴

۶۔ جنگ بزاخہ و جنگ طلیحہ و اسارت عینیہ: تاریخ طبری: ۱/۱۸۹

۷۔ الفاظ، بزاخہ، قطن، فھر، معجم البلدان انہی موارد کے ذیل میں۔

۸۔ الفاظ، بزاخہ، قطن، فھر، تاریخ اسلام، ذہبی ۱/۳۵۰

۹۔ الفاظ، بزاخہ، قطن، فھر، تاریخ یعقوبی ۲/۱۰۸

۱۰۔الفاظ، بزاخہ، قطن، فہر، البداء والتاریخ ۵/ ۱۵۹

عمان ومہرہ کے باشندوں کے ارتداد کی داستان کے مآخذ

۱۔طبری: ۱/ ۱۹۷۶۔۱۹۸۳

۲۔ابن اثیر: ۲/ ۱۴۲۔۱۴۳۔

۳۔ابن کثیر: ۶/ ۳۲۹۔۳۳۱

۴۔ابن خلدون: ۲/ ۲۹۴۔۲۹۵

۵۔معجم البلدان: الفاظ جیروت، خیثم، ریاض اور روضہ کی تشریح میں۔

۶۔مراصد الاطلاع: الفاظ، صبرات، لبان، مر، نصدون، روضہ کی تشریح میں۔

۷۔فتح البلدان بلاذری: ۱/ ۹۳

۸۔فتوح اعثم: ۱/ ۴۷ و تاریخ الردۃ خلاصہ از کتاب اکتفاء کلاعی: ص ۱۴۷۔۱۵۰ از کر ردۃ اہل دبا

۹۔اسد الغابہ تشریح ''عکرمہ بن ابی جہل''

۱۰۔تاریخ الاسلام، ذہبی، تشریح ''عکرمہ بن ابی جہل''

یمن کے باشندوں اور گروہ اخابث کی ارتداد کے مآخذ

۱۔تاریخ طبری: ۱/ ۱۹۸۰۔۱۹۹۹

۲۔تاریخ ابن اثیر: ۲/ ۱۴۲۔۱۴۳

۳۔تاریخ ابن کثیر: ۶/ ۳۲۹۔۳۳۲

۴۔فتوح البلدان: ۱۲۷

۵۔اصابہ، طاہر، حمیضہ، عثمان بن ربیعہ کے حالات کی تشریح

۶۔معجم البلدان: الفاظ، اعلاب، اخابث کی تشریح میں۔

۷۔مراصد الاطلاع: الفاظ، اعلاب، واخابث کی تشریح میں۔

مرتدوں کی پانچویں جنگ کے مآخذ

۱۔ابوبکر کیلئے فضیلتیں بیان کرنا، تاریخ طبری: ۱/۱۸۷۱۔۱۸۷۲

۲۔مرتدین کی تجویز کو ابوبکر مسترد کرتا ہے: تاریخ طبری: ۱/۱۸۷۳

۳۔لوگ ابوبکر سے درخواست کرتے ہیں کہ خود کو خطرہ میں نہ ڈالیں طبری: ۱/۱۸۷۸

فتح ابلہ کے مآخذ

الف: فتح ابلہ سیف کی روایتوں کے مطابق

۱۔تاریخ طبری: ۱/۲۰۲۰۔۲۰۲۶

۲۔تاریخ ابن اثیر: ۲/۲۰۹۴۔۲۰۹۶

۳۔تاریخ ذہبی: ۱/۳۷۴

۴۔تاریخ ابن کثیر: ۶/۳۴۴

۵۔تاریخ ابن خلدون: ۲/۲۹۶

۶۔اصابہ، لفظ ''زر'' کی تشریح میں۔

ب: فتح ابلہ سیف کے علاوہ دوسروں کی روایتوں کے مطابق

۱۔ تاریخ طبری: ۱/۲۰۱۶۔۲۰۱۹ و ۱/۲۳۷۷، ۲۳۸۲ و ۲۳۸۶ و فتوح البلدان (ص ۴۱۸۔ ۴۲۰) باب فتح کور دجلہ

۲۔ تاریخ ابن اثیر: ۳/۳۷۷۔۳۸۷

۳۔ خالد کی ہرمز سے مقابلہ۔ سنن بیہقی باب النفل بعد الخمس ۶/۳۱۳

حیرہ میں خالد کی فتوحات کے مآخذ

۱۔ تاریخ طبری:

۲۔ تاریخ ابن اثیر، ۲/۲۹۶۔۲۹۸

۳۔ تاریخ ابن کثیر ۳۴۴/ ۳۴۶

۴۔ تاریخ ابن خلدون: ۲۹۷۔۲۹۸

۵۔ فتوح البلدان، بلاذری: ۲۹۶۔۲۹۷

۶۔ اصابہ: ''معقل بن اعشیٰ''، ''سعید بن مرۃ'' اور ''عاصم بن عمرو'' کی تشریح میں۔

۷۔ معجم البلدان: ''قسیاثا'' اور ''ولجہ'' کی شرح میں۔

۸۔ مراصد الاطلاع ''قسیاثا'' اور ''ولجہ'' کی شرح میں۔

حیرہ کے بعد والی فتوحات کے مآخذ

۱۔ تاریخ طبری: ۱/۲۰۶۶۔۲۰۷۵

۲۔تاریخ ابن اثیر:۲/۳۰۱۔۲۰۶

۳۔تاریخ ابن کثیر:۲/۳۵۰۔۳۵۲

۴۔تاریخ ابن خلدون:۲/۲۹۹۔۳۰۲

۵۔فتوح البلدان بلاذری:۲۹۸،۲۹۹اور۱۳۱

۶۔اخبار الطّوال دینوری:۱۱۱

۷۔اصابہ:''عصمت بن عبداللہ''اور''اعبد ابن فدکی'' کی تشریح میں

۸۔معجم البلدان:الفاظ:''مصیخ''،''بنی برشاء''،''ثنی''اور''زمیل'' کی وضاحت میں

۹۔مراصد الاطلاع:الفاظ:''مصیخ''،''بنی برشاء''،''ثنی''اور''زمیل'' کی وضاحت میں

ساتواں حصہ:

سیف کی خرافات پر مشتمل داستانیں

- سیف کے حدیث جعل کرنے کا ایک اور محرک
- مہلک زہر خالد پر اثر نہیں کرتا
- عمر کے بارے میں پیغمبروں کی بشارتیں
- مسلمانوں کے اللہ اکبر کی آواز حمص کے درودیواروں کو گرا دیتی ہے
- دجال، لات مار کر شہر وشوش کو فتح کرے گا
- اسود عنسی کی توہمات بھری داستان
- جواہرات کے صندوق اور عمر کا اعجاز
- خلاصہ ونتیجہ
- اس حصہ سے مربوط مآخذ

سیف کے حدیث جعل کرنے کا ایک اور محرک

و انما یدس الخرافات فی عقائد المسلمین

سیف نے مسلمانوں کے صحیح عقائد میں خرافات کی ملاوٹ کرنا چاہا ہے۔

مؤلف

گزشتہ صفحات میں ہم نے سیف کے ان مقاصد کی وضاحت کی جن کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اس نے افسانہ سازی اور دروغ گوئی سے کام لیا ہے اور ہم نے کہا کہ اس میں اس کے تین مقصد تھے:

۱۔ وہ قبیلۂ عدنان سے منسوب صاحب اقتدار اور بانفوذ اصحاب کا دفاع کرنا چاہتا تھا یا یہ کہ ان کے فضائل و مناقب کی تشہیر کرے خاص کر خاندان عمرو واسید ــــ جو خاندان تمیم اور عدنان کے قبیلے تھے ــــ کی تمجید و تعریف کرے۔

۲۔ وہ نیک اور صالح اصحاب ــــ جو اقتدار اور سیاسی اثر و رسوخ کے مالک نہ تھے اور اسی طرح قبائل قحطان کے مختلف خاندان جو عدنانیوں اور وقت کے صاحب اقتدار کی مخالفت کرتے تھے ــــ کی تنقید و بدگوئی کرے اور انھیں فاسد اور تنگ نظر متعارف کرے۔

۳۔ سیف ان خونین جنگی داستانوں کو گڑھ کر اسلام کو تلوار اور خون کا دین بتانا چاہتا تھا۔

لیکن سیف کی بعض داستانوں میں مذکورہ مقاصد میں سے کوئی ایک مقصد نظر نہیں آتا ہے نہ کسی عدنانی، تمیمی اور صاحب اقتدار صحابی کی مدح وثناء ہے اور نہ ہی کسی نیک وصالح صحابی اور قحطانی کی مذمت وملامت ہے اور نہ اسلام کو تلوار اور خون کا دین دکھانے کی بات ہے، بلکہ اس نے یہاں پر یہ کوشش کی ہے کہ اپنی ان داستانوں اور افسانوں کے ذریعہ اسلام کے پاک و پاکیزہ اور صاف و شفاف دین میں خرافات اور توہمات کی ملاوٹ کرے اور اس طرح مسلمانوں کے اصلی عقائد کو خرافات اور باطل سے ممزوج کر کے ان کے دین کے خوبصورت قیافہ کو بدنما اور مشکوک دکھائے۔

سیف اپنی انہی خرافات پر مشتمل داستانوں اور افسانوں کے ذریعہ اپنے خطرناک منصوبے کو عملی جامہ پہنا کر اپنے کفر وزندقہ کے محرکات کو مثبت جواب دینے میں کامیاب ہوا ہے۔

سیف کے اس قسم کے افسانے دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

ا۔ ان افسانوں کا ایک حصہ خود سیف سے مخصوص ہے کہ اس نے خود انھیں جعل کیا ہے۔

۲۔ ان افسانوں کے دوسرے حصہ کو سیف نے دیگر افراد کے تعاون سے خلق کیا ہے، بہر صورت سیف نے اس مقصد کے پیش نظر بہت سی داستانوں کو گڑھ لیا ہے کہ اگر ہم ان سب کو یہاں پر بیان کریں گے تو اس کتاب کا حجم حد سے زیادہ بڑھ جائے گا اس لئے ہم اس کتاب میں شاہد ونمونہ کے طور پر صرف چند داستانوں کو درج کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، کیونکہ یہی نمونے سیف کی دوسری داستانوں کی طرف راہنمائی کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے نیز اس کی توہمات بھری روایتوں کو پہچاننے اور ان کی قدر ومنزلت جاننے کے بارے میں محققین کیلئے ایک معیار ہوگا۔

مہلک زہر خالد پر اثر نہیں کرتا!

و دس فی خبر الصلح اسطورة تناول خالد سم ساعة

سیف نے صلح حیرہ کی داستان میں مہلک زہر کا افسانہ خود گڑھ کر اضافہ کیا ہے۔

مؤلف

اصل داستان

سیف کی سب سے پہلی خرافات پر مشتمل داستان (جس کا مسلمانوں کے عقاید کے ساتھ براہ راست ربط ہے) خالد پر زہر کا اثر نہ کرنا ہے، کہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

طبری ۱۲ھ کے حوادث کے ضمن میں فتح حیرہ کی روایت کو سیف سے نقل کرتا ہے کہ خالد بن ولید نے حیرہ کے بعض قلعوں کا محاصرہ کیا، عمرو بن عبد المسیح خالد سے گفتگو کرنے کیلئے قلعہ سے باہر آیا ایک تھیلی اس کی کمر میں لٹکی ہوئی تھی جب وہ خالد کے نزدیک پہنچا تو خالد نے اس تھیلی کو اس سے لے لیا جو کچھ اس تھیلی میں تھا اسے اپنی تھیلی میں ڈالا اس کے بعد عمرو سے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟

عمرو نے کہا: مہلک اور خطرناک زہر ہے جو انسان کو اسی وقت ہلاک کرسکتا ہے۔

خالد نے پوچھا: اس زہر کو کس لئے ساتھ لائے ہو؟

عمرو نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ تم ہماری صلح کی تجویز کو قبول نہ کرو گے لہذا میں زہر کو کھا کر خودکشی کر لوں گا، کیونکہ میرے لئے موت اس سے بہتر ہے کہ اپنے قبیلہ والوں کو جنگ کی ناگوار خبر سناؤں۔

خالد بن ولید نے کہا: اگر کسی کی اجل نہ پہنچی ہو تو یہ زہر اسے ہلاک نہیں کر سکتا ہے اس کے بعد خالد نے یہ عبارت پڑھی: " بسم اللہ خیر الاسماء رب الارض و رب السماء الذی لیس یضر مع اسمه داء الرحمن الرحیم" اس کے بعد اپنی ہتھیلی پر موجود زہر کو اپنے ہونٹوں کی طرف لے گیا اس کے اطرافیوں نے اسے زہر کھانے سے روکنا چاہا لیکن اس نے اس سے پہلے ہی زہر کو اپنے منہ میں ڈال کر اسے نگل لیا۔

عمرو نے یہ منظر دیکھ کر کہا اے بزرگ مرد! اور اے گروہ عرب خدا کی قسم آپ ایسے شریف اور آزاد مرد کے ہوتے ہوئے جو چاہو گے، اسے حاصل کرو گے!

طبری اس افسانہ کو نقل کرنے کے بعد خالد اور عمرو کے درمیان واقع ہوئی صلح کی کیفیت کو مفصل بیان کرتا ہے۔

سیف نے اس داستان میں خالد سے گفتگو کا مطالبہ کرنے والے شخص کا نام " عمرو بن عبد المسیح " بتایا ہے اور خالد کے زہر کھانے کے افسانہ کو اس میں اضافہ کیا ہے۔

جبکہ بلاذری نے بھی صلح حیرہ کی روداد کو اپنی فتوح میں درج کیا ہے لیکن خالد سے گفتگو کرنے کا مطالبہ کرنے والے شخص کا نام " عبدالمسیح بن عمرو " بتایا ہے نہ " عمرو بن عبدالمسیح " اور خالد کے زہر کھانے کے افسانہ کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے

دوسری جگہ پر طبری نے اس صلح کی روداد کو عظیم مؤرخ ابن کلبی سے نقل کیا ہے لیکن اس روایت میں خالد کے زہر کھانے کے افسانہ کا وجود نہیں ہے اور خالد سے بحث و گفتگو کرنے والا " عبدالمسیح بن

عمروؔ‘‘ ہے نہ ’’عمرو بن عبدالمسیح‘ جیسا کہ سیف کی روایت میں آیا ہے۔

اس کے علاوہ ’’انساب ابن الکلبی‘‘ اور ’’جمہرۃ انساب العرب‘‘ میں بھی یہ شخص ’’عبدالمسیح بن عمروؔ‘‘ ہے اور اس کے خاندانی کوائف بھی مفصل طور پر بیان ہوئے ہیں

جیسا کہ ملاحظہ فرمایا: سیف نے اس داستان کو گفتگو کرنے والے کے نام میں تحریف وتغیر کر کے نقل کیا ہے طبری نے بھی اس سے نقل کیا ہے اور اس کے بعد والے مؤرخین میں سے ہر ایک نے جیسے: ابن اثیر اور ابن کثیر نے بھی اس داستان کو طبری سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے البتہ ابن کثیر نے خالد کے مہلک زہر کو کھانے کی داستان کو روایت سے حذف کیا ہے۔

داستان کی سند کی چھان بین

سیف کی صلح حیرہ کے بارے میں نقل کی گئی داستان کی سند میں درج ذیل راوی ملتے ہیں:

۱۔ غصن بن قاسم: وہ بھی اس داستان کو قبیلۂ کنانہ کے ایک ناشناس مرد سے نقل کرتا ہے طبری کی نقل کے مطابق غصن بن قسم کا نام سیف کی تیرہ روایتوں کی سند میں آیا ہے چونکہ ہم نے اپنی تحقیق اور بررسی کے دوران اس راوی کا کہیں نام ونشان نہیں پایا، لہذا اسے سیف کے جعلی صحابیوں کی فہرست میں قرار دیا ہے اور جسے اس نے اپنے خیالات میں تخلیق کیا ہے۔

۲۔ کنانہ سے ایک شخص: چونکہ سیف نے اپنے اس افسانوی راوی کا نام معین نہیں کیا ہے لہذا مؤرخین اور راویوں کے حالات پر روشنی ڈالنے والے اس نام کو اپنی کتابوں میں درج نہیں

کر سکتے ہیں۔

۳۔محمد: سیف کی روایتوں کے اسناد میں محمد، محمد بن عبداللہ بن سواد بن نویرہ ہے اور ہم نے معاویہ کے زیاد کو ابوسفیان سے ملانے کی بحث میں کہا ہے کہ اس نام کا کوئی راوی آج تک پہچانا نہیں گیا ہے اس لئے یہ بھی ان راویوں میں سے ہے جنہیں سیف نے خود ہی جعل کیا ہے

نتیجہ

اس بحث و تحقیق سے یہ نتیجہ نکلا کہ:

اولاً: سیف نے خالد سے گفتگو کرنے والے شخص کا نام ''عبدالمسیح بن عمرو'' سے بدل کر ''عمرو بن عبدالمسیح'' ذکر کیا ہے اور اس تحریف شدہ نام کو طبری سے سیف کی سولہ روایتوں میں ذکر کیا ہے جبکہ اس کا نام بلاذری کی فتوح البلدان اور ابن حزم کی جمہرہ میں ابن کلبی سے نقل کر کے ــــ خود طبری نے بھی اسے نقل کیا ہے ــــ عبدالمسیح بن عمرو ذکر ہوا ہے۔

ثانیاً: سیف نے اس صلح کے افسانہ پر خالد کے زہر کھانے کا افسانہ بھی ذکر کیا ہے اس افسانہ کو اس کے علاوہ کسی اور مؤرخ نے ذکر نہیں کیا ہے۔

یہ دروغ سازی کیوں؟

سیف بن عمر نے اس لحاظ سے اس روداد پر اس افسانہ کا اضافہ کیا ہے کہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ لوگ اپنے گزشتہ گان کے بارے میں اس قسم کے فضائل سننے کے شوقین ہوتے ہیں لہذا سیف کیلئے یہ

سنہرا موقع تھا کہ خرافات اور افسانوں کو مسلمانوں کے عقائد میں ممزوج کر کے مسلمانوں کو توہمات اور افسانہ پرست بنادے اور اسلام کو باطل اور خرافات کا دین بتائے۔

اس کام اور اس قسم کے دوسرے کاموں میں اس کا محرک وہی اس کا کفر و زندقہ تھا جو اس کے دل میں پوشیدہ تھا اور علم رجال اور تاریخ کی کتابوں میں بھی اس کی زندقہ کی حیثیت سے توصیف و معرفی کی گئی ہے۔

روایت کے راویوں کا سلسلہ

اولاً: سیف نے خالد کے زہر کھانے کی داستان کو:

۱۔غصن بن قاسم

۲۔محمد بن عبداللہ بن سواد بن نویرہ

۳۔ایک مرد کنانی سے نقل کیا ہے۔

پہلے دو راوی سیف کے جعلی اور نقلی راویوں میں سے ہیں اور تیسرا راوی بھی مجہول غیر معروف ہے اور سیف نے اسے قبیلہ کنانہ کا ایک مرد جانا ہے اور سیف کے بغیر کوئی نہیں جانتا کہ یہ کنانی مرد کون تھا!

ثانیاً: سیف سے بھی مندرجہ ذیل بزرگوں نے اس داستان کو نقل کیا ہے:

۱۔طبری نے سیف سے نقل کیا ہے اور طبری سے:

۲۔ ابن اثیر نے اور

۳۔ ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور اسے اپنی تاریخ کی کتابوں میں درج کیا ہے کہ اس طرح ان تمام نقلوں کا سرچشمہ سیف ہے اور یہ وہی سیف جسے زندقہ کہا گیا ہے۔

حضرت عمر کے بارے میں پیغمبروں کی بشارتیں

البشری اورشلیم علیک الفاروق ینفیک مما فیک

مژدہ ہو تجھے اے اورشلیم کہ عمر تجھے کثافتوں سے پاک کرے گا

گزشتہ پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر

عمرو عاص کی جنگیں

طبری ۱۵ھ میں فتح فلسطین کی روداد کو سیف سے یوں نقل کرتا ہے:

عمر نے ایک خط کے ذریعہ عمرو عاص کو حکم دیا کہ روم کے سپہ سالار ''ارطبون'' سے فلسطین میں جنگ کرے، اس کے بعد سیف کہتا ہے: یہ ارطبون'' حکومت روم کا چالاک، مکار اور بڑے کام کا کمانڈر تھا اس نے فلسطین کے ایک قدیمی شہر ''رملہ'' میں ایک عظیم لشکر تیار کر رکھا تھا اور بیت المقدس میں بھی ایک دوسرا بڑا لشکر آمادہ رکھا تھا۔

عمرو عاص نے ''ارطبون'' کی آمادگی کے بارے میں عمر کو لکھا جب عمرو کا خط خلیفہ کے ہاتھ میں پہنچا تو اس نے کہا: ہم نے ارطبون ''عرب کو ''ارطبون'' روم سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا ہے دیکھئے ان میں سے کون فتح پاتا ہے، سیف اپنی بات کو یوں جاری رکھتا ہے کہ عمرو عاص اپنے لشکر کے ہمراہ روانہ ہوا اور ''اجنادین''[۱] نامی ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا اور کچھ مدت وہاں پر ٹھہرا اس مدت کے دوران

۱۔ اجنادین فلسطین کے اطراف میں ایک جگہ ہے۔

''ارطبون'' کے کام میں اس کے کمزور نقاط سے اطلاع حاصل کرنے کیلئے کئی بار افراد کو ''ارطبون'' کے پاس بھیج دیا تا کہ اس کے معمولی ترین نقطہ ضعف سے مطلع رہے اور بوقتِ ضرورت اس سے استفادہ کرے مجبور ہو کر خود عمرو عاص بھی بعنوان نمائندۂ عمرو عاص ارطبون کے پاس گیا اور نزدیک سے اس سے گفتگو کی اور اس گفتگو کے ضمن میں اپنی چالاکی اور خاص مہارت سے تمام قلعوں اور سپاہ ارطبون پر مسلط راستوں کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کی، لیکن ارطبون اپنی ذہانت سے سمجھ گیا کہ یہ جو عمرو عاص کے نمائندے کی حیثیت سے اس کے پاس آیا ہے، خود عمرو عاص ہے اس لئے حکم دیا کہ کسی کو راستے میں معین کرے تا کہ اسے قتل کردے، عمرو عاص نے جب اپنی چالاکی اور فراست سے ارطبون کے منصوبہ کو سمجھ لیا تو ارطبون کے منصوبہ کو نقش بر آب کرنے کیلئے خود ایک تدبیر سوچی اور ارطبون سے کہا:

تم نے میری بات سنی اور میں نے بھی تیری بات سنی اور تیری بات نے مجھ پر ایک گہرا اثر ڈالا میں ان دس افراد میں سے ایک ہوں جنہیں خلیفہ نے عمرو عاص کے پاس بھیجا ہے تا کہ اس کی مدد اور تعاون کروں میں اس وقت جاؤں گا اور ان نو افراد کو بھی تیرے پاس لے آؤں گا اگر انہوں نے بھی تیری تجویز کو میری طرح قبول کیا تو یقیناً سپہ سالار اور فوجی بھی اسی کی قبول کریں گے اور اگر ان نو افراد نے تیری تجویز کو قبول نہ کیا تو تجھے انھیں امان دینا ہوگا تا کہ وہ محفوظ جگہ پر واپس چلے جائیں۔

ارطبون کو عمرو کی یہ بات پسند آئی اور اس کو قتل کرنے سے عارضی طور پر صرف نظر کیا اور قتل کے مأمور کو راستہ سے ہٹالیا عمرو عاص اس تدبیر اور حکمت عملی سے ارطبون کی مجلس سے باہر آنے میں

کامیاب ہوا، اس وقت ارطبون سمجھ گیا کہ عمرو عاص نے اسے دھوکہ دیا ہے اور تعجب کی حالت میں کہا:

عمرو ایک چالاک آدمی ہے!

اس کے بعد عمرو عاص نے چونکہ اپنے اس معائنہ کے دوران اس سرزمین کے تمام اصلی اور فرضی راستوں کو جان لیا تھا اور ارطبون تک جانے اور اس پر مسلط ہونے کے راستوں کو مکمل طور پر پہچان چکا تھا، اس لئے وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوا اور یہ دونوں لشکر ''اجنادین'' کی جگہ پر ایک دوسرے کے مقابلہ میں پہنچ گئے اور جنگ ''یرموک'' کے مانندان میں ایک گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔

بہت سے افراد مارے گئے ارطبون کی فوج نے مسلمان کے ہاتھوں بری شکست کھائی انہوں نے بیت المقدس تک عقب نشینی کی اور عمرو نے فتحیابی کے ساتھ اجنادین پر قبضہ کیا۔

جن مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تھا، ارطبون کو موقع دیا تا کہ بیت المقدس میں داخل ہو جائے، اس کے بعد مسلمان بیت المقدس کے اطراف سے متفرق ہوئے اور ''اجنادین'' میں عمرو عاص کے پاس چلے آئے۔

بیت المقدس کی فتح کے بارے میں حضرت عمر کی پیشین گوئی۔

ارطبون جو بیت المقدس میں مستقر ہوا تھا نے وہاں سے عمرو عاص کے نام ایک خط لکھا کہ اس کا مضمون یوں تھا: تم اپنی قوم وملت کے درمیان مجھ جیسے ہو اور قوم وملت کے درمیان جو میری حیثیت

ہےتم بھی اسی کے مالک ہواور خدا کی قسم اجنادین کوفتح کرنے کے بعداب فلسطین کےایک کونے کو بھی فتح نہیں کرسکو گے، اپنے آپ پر مغرور نہ ہونا جس راستے سے آئے ہواسی سے واپس چلے جانا ورنہ ایسی شکست سے دوچار ہوجاؤ گے جس کا سامنا تیرے اسلاف کوکرنا پڑا ہے۔

جب یہ خط عمر وعاص کوملا، ایک شخص جو رومی زبان سے آشنا تھاارطبون کے پاس بھیجااوراسے حکم دیا کہ ارطبون کی مجلس میں ایسا ظاہر کرنا کہ رومی زبان سے آشنائی نہیں رکھتے ہوتا کہ ارطبون کی باتوں کوسن کراس کی اطلاع عمر وعاص تک پہنچادو،اس کے بعد ارطبون کے نام حسب ذیل مضمون کا ایک خط لکھا:

مجھے تیرا خط ملا، جی ہاں، جیسا کہ تم نے لکھاہےتم بھی اپنی قوم میں میری طرح عزیز اورمحترم ہو اورایک عظیم شخصیت کے مالک ہواوراگرتم شخصیت اورعظمت میں مجھ سے کم ہوتے تو میری فضیلت و شخصیت کاانکار کرتے، لیکن یقین کرنا کہ میں فلسطین کے شہروں کافاتح ہوں گااور یہ شہر میرے ہاتھوں مسلمانوں کیلئے فتح ہوں گے، میں اس بات پر تیرے فلاں وفلاں وزیروں کوشاہد رکھتا ہوں،تم اس خط کوان کیلئے پڑھنا تاکہ وہ اس بارے میں تجھے اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کریں گے۔

عمر وعاص کا نمائندہ اس کے حکم کے مطابق روانہ ہوااورارطبون کے پاس پہنچااورعمر وعاص کے خط کواس کے چندوزراءاوراطرافیوں کے سامنے دیدیا،وزراءاوراطرافی جب خط کے مضمون سے آگاہ ہوئے تو ہنس کرتعجب سے کہنے لگے:

ارطبون!تمہیں کہاں سے پتا چلا کہ عمر وعاص فلسطین کے شہروں کوفتح نہیں کرسکتا ہےاوروہ

ان شہروں کا فاتح نہیں ہے؟

ارطبون نے کہا: ان شہروں کو ایسا شخص فتح کرسکتا ہے جس کا نام ''عمر'' ہوگا اور وہ نام تین حروف پر مشتمل ہوگا نہ ''عمرو'' جو چار حروف پر مشتمل ہے[1]

اس کے بعد عمرو عاص کا نمائندہ واپس آ گیا اور روداد کے بارے میں اسے مطلع کیا، لہذا عمرو عاص سمجھ گیا کہ فلسطین خلیفہ دوم عمر کے ہاتھوں فتح ہوگا نہ عمرو عاص کے ہاتھوں، اس لئے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا:

میں ایک خطرناک اور کمرتوڑ جنگ میں پھنس گیا ہوں اور ایسے شہروں کے مقابلے میں قرار پایا ہوں جن کی فتح کو خداوند عالم نے آپ کیلئے ذخیرہ کیا ہے، اب میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔

جب یہ خط عمر کو پہنچا تو خلیفہ سمجھ گیا کہ عمرو عاص نے اس موضوع کو بدون اطلاع وآ گاہی نہیں کہا ہے علم الٰہی میں یہ فتوحات عمر کے نام پر ثبت ہوئی ہیں اس لئے وہ اس کی شرکت و دخل اندازی سے آزاد ہوں گی اس لئے عمر نے اپنی فوج کو آمادہ کر کے عمرو عاص کی طرف روانہ ہوا اور جابیہ میں داخل ہوا[1]

۱۔ تاریخ ابن اثیر میں آیا ہے کہ ارطبون نے کہا: فلسطین کو فتح کرنے والا ان صفات کا ایک مرد ہے اس کے بعد ایک ایک کر کے عمر کے اوصاف بیان کئے، جب کہ ابن اثیر صحابہ پیغمبر کے دوران فتوحات کو ہمیشہ تاریخ طبری سے نقل کرتا ہے لیکن تاریخ طبری میں ایسا کوئی مطلب نہیں آیا ہے، گویا ابن اثیر نے یہاں اس پر خود ایک تفصیل کے ساتھ اضافہ کیا ہے۔

عمر تین حروف سے لکھا جاتا ہے لیکن عمرو چار حرف سے لکھا جاتا ہے یعنی اس کے آخر پر واو کا اضافہ ہے جسے نہیں پڑھا جاتا تا کہ ان دو لفظوں میں اشتباہ نہ ہو جائے اس لئے داستان گڑھنے والے کا مقصد یہ ہے کہ ارطبون نے کہا کہ فلسطین کے شہروں کو وہ شخص فتح کرے گا کہ جس کا نام ''عمر'' ہے جو تین حروف سے لکھا جاتا ہے نہ وہ ''عمرو'' جو رسم الخط میں چار حروف لکھا جاتا ہے۔

سیف کہتا ہے: جب عمر شام کی سرزمین میں داخل ہوئے تو شام کے ایک یہودی نے اس کا استقبال کرکے کہا:

اے فاروق! آپ پر درود ہو آپ ہی بیت المقدس کو فتح کرنے والے ہیں خدا کی قسم اس سفر سے واپس نہیں ہوں گے مگر یہ کہ بیت المقدس آپ کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔

سیف کہتا ہے: اس جنگ میں کبھی کبھی بیت المقدس کے لوگ عمرو بن عاص پر غلبہ کرتے تھے اور کبھی عمرو بن عاص ان پر غلبہ حاصل کرتا تھا، لیکن بہر صورت وہ بیت المقدس کو فتح نہ کرسکا اور نہ ''رملہ'' کو عمر بن خطاب نے جابیہ میں پڑاؤ ڈالا تھا، ایک دن اس نے اچانک دیکھا کہ اس کے سپاہیوں نے تلواریں کھینچ لیں اور جنگ کیلئے تیار ہو گئے، عمر نے سوال کیا: کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: کیا دشمن کی فوج اور ان کی بلند کی گئی تلواروں کو نہیں دیکھ رہے ہیں؟ عمر نے جب غور سے دیکھا تو دور سے ایک گروہ کو اس حالت میں آگے بڑھتے ہوئے دیکھا[۱] کہ وہ اپنی تلواروں کو اپنے سروں کے اوپر لہرا رہے تھے اور تلواروں کی چمک آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی تھیں عمر نے اس حالت کو دیکھ کر کہا؛ ڈرو نہیں وہ تم لوگوں پر حملہ کرنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ وہ تم سے امان مانگنے آ رہے ہیں انھیں امان دے دینا، عمر کے فوجیوں نے انھیں امان دیا، پھر دیکھا کہ وہ بیت المقدس کے باشندے ہیں کہ عمر کی پیشنگوئی کے مطابق انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالدئے ہیں اور ان سے امان چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو عمر کی مرضی

۱۔ جابیہ شام کے علاقوں میں ایک علاقہ تھا۔

کے مطابق ہر طرح کی رعایت دے کر صلح کرنے پر حاضر ہیں اور آشتی چاہتے ہیں ان لوگوں نے آگے بڑھ کر عمر سے صلح کی اور عمر سے ایک صلح نامہ حاصل کیا اس صلح نامہ میں بیت المقدس تمام اطراف، رملہ اور اس کی آبادیوں اور دیہاتوں کے سمیت درج تھا اس صلح نامہ میں فلسطین کا علاقہ جو صوبوں پر مشتمل تھا دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا اس کا ایک حصہ بیت المقدس اور دوسرا حصہ ''رملہ'' لکھا گیا تھا۔

سیف کہتا ہے: فلسطین ان دنوں شامات پر مشتمل تھا یعنی آج کے سوریہ، لبنان اور اردن بھی اس میں شامل تھے، پھر اضافہ کرتا ہے: وہ شامی مرد یہودی جس نے پہلے عمر کو بیت المقدس کی فتح کی نوید دی تھی صلح فلسطین میں حاضر تھا، جب اس کو ایک باخبر شخص سمجھا تو عمر نے اس سے ''دجال'' کے بارے میں سوال کیا یہودی نے عمر کو جواب دیا:

دجال بنیامین کے فرزندوں میں سے ہے اور خدا کی قسم آپ عرب اسے باب ''لد''[۱] سے دس ہاتھ کی دوری سے قتل کریں گے۔

سیف کہتا ہے: عمر کے جابیہ میں داخل ہونے کے وقت ارطبون بیت المقدس سے مصر کی طرف بھاگ گیا اور صلح نہ کرنے والے اس کی حامی بھی اس کے ساتھ جا ملے اس کے بعد جب مسلمانوں نے مصر کے لوگوں سے صلح کی تو ارطبون نے وہاں سے روم کی طرف فرار کیا اور مسلمانوں سے لڑنے والے رومی سپاہیوں سے ملحق ہو گیا اور وہیں پر رہا اور موسم گرما کی جنگوں میں لشکر روم کا

۱۔ حموی معجم البلدان میں کہتا ہے 'لد' بیت المقدس کے نزدیک واقع ایک گاؤں کا نام ہے اور ''رملہ'' کو بھی ''لد'' کہتے ہیں۔

کمانڈر بنا اور سپاہ اسلام کے کمانڈروں سے لڑتا تھا، ان جنگوں میں سے ایک میں قبیلہ قیس کے ''ضریس'' نامی ایک شخص سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس کے ساتھ دست بہ دست لڑائی کی، اس جنگ میں ارطبون نے ''ضریس'' کے ہاتھ کو کاٹ ڈالا اور ضریس نے اسے قتل کر ڈالا[۱] ضریس نے وہاں پر یہ اشعار کہے:

اگر ارطبون نے میرے ہاتھ کو کاٹ ڈالا، لیکن بحمد اللہ ابھی بھی اس ہاتھ سے استفادہ کرتا ہوں، کیونکہ میری دو انگلیاں اور ہتھیلی باقی بچی ہے کہ اس سے دشمن کی طرف نیزہ پھینک سکتا ہوں اس دن جب دوسرے خوف و وحشت میں ہیں، اگر ارطبون روم نے میرے ہاتھ کو کاٹ ڈالا ہے اس کے بدلے میں میں نے بھی اس کے بدن کے ٹکڑے کر کے بیابان میں بکھیر دئے ہیں[۲]

زیاد بن حنظلہ نے بھی اس سلسلہ میں یہ اشعار کہے ہیں:

مجھے جنگ روم یاد آتی ہے وہ کافی طولانی رہی اس سال جب ہم رومیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے مجھے یاد ہے یہ جنگ جس دن ہم حجاز میں تھے اور ہمارے اور رومیوں کے درمیان ایک ماہ کا زبردست اور پر مشقت کا فاصلہ تھا اور مجھے یاد آتا ہے وہ دن جب

۱۔ سیف ایک اور روایت میں جسے طبری نے بھی ۲۰ھ کے حوادث میں ذکر کیا ہے یوں کہتا ہے کہ ارطبون فتح مصر میں اسی پہلے حملہ میں لشکر عمرو عاص کے ہاتھوں قتل کیا گیا اور یہ دو روایتیں جو دونوں سیف کی ہیں آپس میں اختلاف رکھتی ہیں اور ایک دوسرے کو جھٹلاتی ہیں اور ''دروغگو را حافظہ نباشد'' کی روداد کو زندہ کرتی ہیں۔

۲۔فان یکن ارطبون الروم افسدها   فان فیها بحمد للّٰه منتفعا

بنانان وجرموز اقیم به   صدر القناة اذا ما آنسو فزعا

و ان یکن ارطبون الروم قطعها   فقد ترکت بها اوصاله قطعاً

ارطبون روم اپنے شہروں کی حمایت کرتا تھا اور مسلمان بہادروں سے وہاں پر لڑتا تھا[1]

ایک حیرت انگیز پیشین گوئی

سیف اپنی سند سے ایک ایسے شخص کے بقول جو فتح بیت المقدس میں حاضر تھا، نقل کرتا ہے کہ جب عمر جابیہ سے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے وہاں پر نماز پڑھی پھر اٹھ کر ایک کوڑے دان کی طرف بڑھے جسے رومیوں نے بنی اسرائیلیوں پر اپنے تسلط کے دوران مسجد بیت المقدس میں بنایا تھا، اس طرح سے کہ وہ مسجد کوڑے کرکٹ کے نیچے چھپ گئی تھی جب بنی اسرائیل اقتدار میں آگئے تو اس کوڑ کرکٹ کے ایک حصہ کو مسجد سے باہر لے گئے، لیکن اس کا ایک حصہ مسلمانوں کے ہاتھوں بیت المقدس کے فتح ہونے تک وہاں پر موجود تھا عمر نے جب بیت المقدس کو آزاد کیا تو اس کوڑے دان کو وہاں پر دیکھ کر لوگوں سے کہا: میں جو کام انجام دوں گا تم لوگ بھی وہی کام انجام دینا، اس کے بعد مسجد کی ایک دیوار کے پاس (جہاں پر یہ کوڑے دان تھا) دوزانو بیٹھ گئے اور اپنی قبا کو پھیلا کر کوڑے دان کی خاک کو اس قبا میں ڈال رہے تھے کہ اس اثناء میں پیچھے سے ''اللہ اکبر'' کی آواز بلند ہوئی چونکہ وہ لوگوں

۱۔

تذکرت حرب الروم لما تطاولت و اذ نحن فی عام کثیر نزاو له
و اذا نحن فی ارض الحجاز و بیننا مسیرة شهر بینهن بلا بلد
و اذارطبون الریم یحمی بلاده یحاوله قرم هناک یساجله

کے امور کے بارے میں کبھی غفلت کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے آپ نے پوچھا: یہ تکبیر کی صدا کیسی ہے جو میں سن رہا ہوں؟ کہا گیا: یہ کعب تھا جس نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے بلند آواز میں تکبیر کہی، عمر نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ جب کعب حاضر ہوا تو اس نے اپنی تکبیر کہنے کا سبب یوں بیان کیا:

اے امیر المومنین! پانچ سو سال پہلے ایک پیغمبرؑ نے، آپ کے اس انجام دئے گئے کارنامے کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی۔

عمر نے کہا؛ وہ کیسے؟

کعب نے کہا: ایک زمانے میں روم کے لشکر نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور بنی اسرائیل کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور مسجد بیت المقدس کو کوڑے کا ڈھیر بنا دیا اس کے بعد بنی اسرائیل فتحیاب ہوئے اور بیت المقدس کی حکومت کو دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، لیکن انہوں نے یہ فرصت پیدا نہ کی کہ اس مسجد کو، اس کوڑے کرکٹ سے پاک کریں، خداوند عالم نے ایک پیغمبر کو بھیجا اور وہ پیغمبر اس کوڑے پر چڑھ کر بیت المقدس کی طرف خطاب کرتا تھا اور یوں کہتا تھا: ''مژدہ ہو تم پر اے اورشلیم فاروق تمہیں اس تمام کوڑے کرکٹ اور کثافت سے پاک کرے گا''

اور ایک دوسری روایت میں یہ جملہ بھی آیا ہے کہ: اے اورشلیم فاروق سپاہ میں میرے حکم سے تیری طرف آئے گا اور رومیوں سے تیرے باشندوں کا انتقام لے گا''

نیرنگ اور چالبازیاں

سیف نے روایتوں میں عمر کے بارے میں انبیاء کی بشارت کو ایک عجیب مہارت اور کاری گری سے جعل کیا ہے اس میں انتہائی دقت اور نفاست سے کام لیا ہے تا کہ مسلمان اس کے ناپاک عزائم سے آگاہ نہ ہوسکیں اور اس سلسلہ میں اس کی تمام روایتوں کو غیر شعوری طور پر قبول کریں اور جن خرافات کو اس نے ان روایتوں میں شامل کیا ہے ان پر توجہ کئے بغیر اعتقاد پیدا کرلیں ہم سیف کی ان خطرناک چالبازیوں اور مکر وفریب پر بیشتر توجہ کیلئے اس کی نقل کی گئی بشارت انبیاء کی داستان کے بارے میں پھر سے جانچ پڑتال اور تحقیق کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا سیف کہتا ہے؟

ا۔ روم کے لشکر کا کمانڈر ارطبون پہلے سے ہی جانتا تھا کہ بیت المقدس اور فلسطین کے دوسرے شہروں کا فاتح ایک شخص ہے جس کا نام عمر ہے جو تین حروف پر مشتمل ہے۔

قارئین اس روداد سے قطعاً یہ سمجھ لیں گے کہ ارطبون نے یہ اطلاع کسی ماہر سے حاصل کی ہوگی اور ان اطلاعات وعلوم کا استاد اور ماہر کون ہے؟

یہ ان لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا ہے جنہوں نے اس اطلاع کو پیغمبروں سے حاصل کیا ہو لہذا عمر کی فتوحات کے بارے میں اس پیشین گوئی اور بشارت کا سراغ انبیاء تک پہنچتا ہے۔

۲۔ سیف اس داستان کی پیروی میں مرد یہودی کی داستان کو بیان کرتا ہے کہ عمر کے استقبال کیلئے آیا ہے اور اسے گراں قدر اور معنی خیز لقب ''فاروق'' سے خطاب کیا ہے اور اسے نوید دی ہے کہ

بیت المقدس کو فتح کرنے والا وہ ہے اس یہودی نے اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے قسم بھی کھائی ہے۔

سیف اس جملہ کو نقل کر کے یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ یہودی چونکہ لقب ''فاروق'' کو قدیم کتابوں میں پیدا کر چکا تھالہذا عمر کو اس لقب سے پکارا اور یہ شخص قدیمی کتابوں کے بارے میں وسیع اطلاعات رکھتا تھالہذ عمر نے اس سے دجال کے بارے میں سوال کیا اور اس نے بھی دجال کے حسب ونسب اور اسے قتل کرنے والوں کے بارے میں اطلاع دی اور حتی اس کے قتل کی جگہ کے بارے میں بھی دقیق طور پر بتایا۔ لہذا عمر کے بارے میں بیان کی گئی یہ بشارت اور فضیلت بھی قدیمی اور خدا کے پیغمبروں کی کتابوں سے لی گئی ہے۔

۳۔ اسکے بعد سیف اپنے جھوٹ کو مستحکم کرنے کیلئے ایک اور داستان کو بیچ میں کھینچ لیتا ہے کہ عمر بیت المقدس کے کوڑے کرکٹ کو اپنی قبا میں جمع کر کے باہر لے گئے اور لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا اسی اثناء میں کعب (دشمن اسلام) کی تکبیر کی صدا بلند ہوتی ہے اور اس کی پیروی میں تمام مسلمان تکبیر بلند کرتے ہیں عمر اسے بلا کر تکبیر کہنے کی علت پوچھتے ہیں۔

یہ سب وہ پیش خیمے ہیں جو سیف کے توسط سے یکے بعد دیگرے عمل میں آئے ہیں ان مقدموں کے بعد کعب کی زبانی خلیفہ کا جواب یوں بیان کیا ہے: ''امیر المؤمنین'' جو کام آپ نے آج انجام دیا اسے آج سے پانچ سو سال پہلے ایک پیغمبر نے انجام دیا ہے''

سیف دوسری بار اپنی جھوٹی داستان کو مضبوط بنانے کیلئے کہتا ہے کہ عمر نے اس بات کے سلسلے میں کعب سے وضاحت چاہی کعب نے اس کے جواب میں کہا؛ رومیوں نے بنی اسرائیلیوں پر غلبہ پایا

اور بیت المقدس پر قبضہ کیا اور بیت المقدس کو خش وخاشاک اور کوڑا کرکٹ سے بھر دیا اور اسے کوڑے کے ڈھیر میں تبدیل کیا خداوند عالم نے ایک پیغمبر کو بھیجا اس نے کوڑے کے ڈھیر پر چڑھ کر بیت المقدس سے مخاطب ہو کر کہا:

''مژدہ ہو تجھے اے اورشلیم! کہ فاروق تجھ پر تسلط جمائے گا اور تجھے اس ناپاکی سے پاک کرے گا''

۴۔ آخر میں سیف اپنی جھوٹی داستان کو ایک دوسری روایت میں خلیفہ کے لشکر کی تعریف و توصیف سے استحکام بخشتا ہے اور کہتا ہے:

اس پیغمبر نے بیت المقدس سے مخاطب ہو کر کہا: فاروق خدا کے فرمانبردار سپاہیوں کے ساتھ تجھ پر مسلط ہوگا اور رومیوں سے تیرے باشندوں کا انتقام لے گا''

جیسا کہ ہم نے سیف کی روایتوں میں پڑھا کہ پہلے ارطبون مسیحی نے خبر دی تھی کہ بیت المقدس کو فتح کرنے والا عمر ہوگا اسکے بعد شام میں ایک یہودی نے بھی عمر کو یہ بشارت دی اور کعب نے بھی اپنے بیان میں ان خبروں سے سرچشمہ کا انکشاف کیا یہ سب گزشتہ پیغمبروں کی بشارتیں اور پیش گوئیاں ہیں۔

لیکن سیف نے داستان کو مستحکم کرنے کیلئے اس بشارت کو چند روایتوں کے ضمن میں بیان کیا ہے اور اس کے ہر زاوئے کو ایک روایت میں سمو دیا ہے اور اس کے درمیان اپنے ناپاک عزائم کو بھی پوشیدہ طور پر بیان کیا ہے۔

کیا ان سب چارلبازیوں اور افسانہ سازیوں اور ان تمام مستحکم کاریوں ومقدمہ سازیوں کے بعدکوئی اس میں شک وشبہہ کرسکتا ہے کہ جس طرح گزشتہ پیغمبروں نے ''احمد'' نامی ایک پیغمبر کے آنے کی بشارت دی ہے اسی طرح ''عمر'' نام کے ایک خلیفہ کے آنے کی بھی بشارت دی ہوگی؟

کیا اس روداد کو امام المؤرخین طبری کے اپنی تاریخ میں نقل کرنے کے بعد کوئی اسے جھٹلانے کی جرات کرسکتا ہے یا اس میں شک وشبہہ کرسکتا ہے؟

سیف کی روایتوں کی سند کی جانچ پڑتال

عمروعاص اور ارطبون کی روداد کے بارے میں سیف کی روایتوں کی سند میں ''ابوعثمان'' کا نام آیا ہے اور ابوعثمان بھی سیف کے کہنے کے مطابق وہی یزید بن اسید غسانی ہے کہ تاریخ طبری اور تاریخ ابن عساکر میں اس کا نام سیف کی دس سے زیادہ روایتوں میں آیا ہے۔

اور ہم اس ابوعثمان کو ان راویوں میں سے جانتے ہیں کہ حقیقت میں جو وجود نہیں رکھتا اور سیف نے اسے جھوٹ گڑھنے کیلئے خلق کیا ہے تا کہ وہ اسے اپنے دروغ سازی کے کارخانے میں معین کرکے ان کے نام پر افسانے جعل کرے ہم نے راویوں کے اس سلسلہ کو اپنی کتاب ''رواۃ مختلقون'' میں پہچنوایا ہے۔

سیف کی ایک دوسری روایت کی سند میں جس میں گزشتہ پیغمبر میں سے ایک پیغمبر اور شلیم کو فاروق کی بشارت دیتا ہے، ایک نامعلوم راوی کا ذکر ہوا ہے کہ خود سیف بھی اسے نہیں جانتا اور کہتا

ہے جو فتح بیت المقدس میں حاضر تھا ہم نہیں جانتے سیف کی نظر میں یہ بے نام ونشان راوی کون تھا اوراس کا کیا نام تھا؟ تا کہ ہم اس کے بارے میں بحث وتحقیق کرتے۔

سیف کی روایتوں کا دوسروں کی روایتوں سے تطبیق وموازنہ

سیف نے جو روایتیں بیت المقدس کی داستان میں بیان کی ہیں وہ مندرجہ ذیل مطالب پر مشتمل ہیں:

۱۔عمرو عاص اور ارطبون کے درمیان واقع ہوئی روداد اور اخبار ہم نے ان رودادوں کو سیف کی روایتوں کے علاوہ اور کسی روایت اور تاریخ میں پیدا نہیں کیا۔

۲۔حضرت عمر کے بارے میں گزشتہ انبیاء کی بشارتیں اور پیشینگوئیاں ہم نے ان بشارتوں کو سیف کے علاوہ کسی مورخ کی تاریخ میں نہیں پایا۔

۳۔فتح بیت المقدس ''ایلیا'' کی خبر، یہ خبر بھی دوسرے مورخین کی روایتوں میں دوسری صورت میں نقل ہوئی ہے کہ جو سیف کی روایت کو جھٹلاتی ہے۔

تاریخ ابن خیاط (وفات ۲۴۰ھ) میں، ابن کلبی سے نقل ہوکر یوں آیا ہے:

مسلمانوں کے سردار ابوعبیدہ نے حلب کے باشندوں سے صلح کی اور انھیں آپ کا صلح نامہ دیا اس کے بعد وہاں سے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا اور اسکے ایک کمانڈر خالد بن ولید جو لشکر کے آگے آگے تھا، بیت المقدس میں داخل ہوا اور اس کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور وہاں کے باشندوں

نے بھی مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور صلح کی درخواست کی۔

ایک دوسری روایت میں بلاذری نے فتوح البلدان میں مذکورہ جملہ کے بعد درج ذیل عبارت کا اضافہ کیا ہے، بیت المقدس کے لوگوں نے کہا: ہم حاضر ہیں کہ جن شرائط پر شام کے لوگوں نے آپ سے صلح کی ہے ان ہی شرائط پر ہم بھی صلح کریں جتنا وہ جزیہ اور ٹیکس کے عنوان سے مسلمانوں کو ادا کرتے تھے ہم بھی اتنا ہی ادا کریں گے لیکن شرط یہ ہے کہ خود عمر اس صلح نامہ پر دستخط کریں اور ایک امان نامہ دیں، ابوعبیدہ نے بیت المقدس کے لوگوں کی تجویز عمر کو لکھی اور وہ بیت المقدس آ گئے، ایک صلح نامہ کا مضمون لکھا گیا، عمر نے اس پر دستخط کئے چند دن بیت المقدس میں توقف کرنے کے بعد دوبارہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

یعقوبی (وفات ۲۹۲ھ) نے اسی مطلب کو خلاصہ کے طور پر لکھا ہے۔

ابن اعثم (وفات ۳۱۴ھ) نے بھی اپنی کتاب فتوح میں اسی روایت کو بیشتر تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

یاقوت حموی (وفات ۶۲۶ھ) نے معجم البلدان میں مادہ ''القدس'' میں اسی مطلب کو خلاصہ کے طور پر درج کیا ہے۔

۴۔ سیف کی ان ہی روایتوں میں جو دوسری داستان ذکر ہوئی ہے وہ شمشیر بازوں اور امان طلب کرنے والوں کی روداد ہے۔

یہ داستان بھی سیف کے علاوہ دوسرے مورخین کی روایتوں میں دوسری صورت میں بیان

ہوئی ہے کہ سیف کے بیان کے ساتھ ساز گار وموافق نہیں ہے''

ابوعبیدہ کتاب ''الاموال'' اور بلاذری ''فتوح البلدان'' میں کہتا ہے: عمر جب شام سے بیت المقدس کی طرف آرہے تھے، ابوعبیدہ نے اس کا استقبال کیا اس وقت مقامی باشندوں کا ایک گروہ جنہیں ''مقلسون'' کہا جاتا تھا، تلواروں اور پھولوں کولیکر عمر کے استقبال کیلئے آگئے عمر نے جب ان کو دیکھا تو بلند آواز میں کہا: انہیں واپس لوٹادو، اور انھیں اس کام سے روکو، ابوعبیدہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ عجمیوں کے عادات ورسومات میں سے ایک ہے (یا اس کے شبیہ جملہ کہا) اس کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا؛ اگر آپ ان کو شمشیر بازی کرنے سے روک لیں گے تو وہ اسے ایک قسم کی پیمان شکنی تصور کریں گے، عمر نے کہا: انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو عمر اور اس کے فرزند ابوعبیدہ کے مطیع ہیں۔

۵۔ اسی طرح جو ایک دوسری داستان سیف کی روایتوں میں آئی ہے وہ عمر کے ہاتھوں بیت المقدس کی صفائی کرنا ہے۔

یہ روداد بھی کتاب ابوعبیدہ کی الاموال میں حسب ذیل آئی ہے:

عمر بن خطاب نے فلسطین کے مقامی باشندوں کو اجرت کے بغیر بیت المقدس کو جھاڑو لگانے پر مقرر کیا کیونکہ بیت المقدس میں کوڑے کرکٹ کا انبار لگا تھا۔

تطبیق اور جہاں بین کا نتیجہ

سیف کی روایتوں کی دوسرے مورخین کی روایتوں سے تطبیق اور موازنہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دوقسم کی روایتیں کئی جہت سے آپس میں اختلاف اور تناقض رکھتی ہیں:

ا۔سیف فتح بیت المقدس کی داستان میں ایسی روداد لکھتا ہے کہ دوسرے مورخین کی روایتوں میں ان کا وجود ہی نہیں ہے اور یہ سیف کی روایتوں کی خصوصیات شمار ہوتی ہیں۔

۲۔سیف کی روایت کے مطابق بیت المقدس میں مسلمانوں کی فوج کا کمانڈر عمرو بن عاص تھا اور دوسروں کی روایت کے مطابق ابوعبیدہ جراح تھا۔

۳۔ دوسروں کی روایت کے مطابق فتح بیت المقدس میں مسلمانوں کے لشکر کا کمانڈر ابوعبیدہ جراح تھا اور عمر صرف صلح نامہ پر دستخط کرنے کیلئے بیت المقدس آئے تھے، اس لئے کہ فلسطین کے باشندوں نے درخواست کی تھی کہ خود خلیفہ صلح نامہ پر دستخط کریں اور ابوعبیدہ نے جو روداد، عمر کیلئے لکھی تھی، اس کے بنا پر وہ بیت المقدس آئے اور صلح نامہ پر دستخط کی اور اس کے بعد واپس مدینہ روانہ ہو گئے لیکن سیف کی روایت کے مطابق اس فتح میں مسلمان فوجیوں کا کمانڈر عمرو بن عاص تھا کہ جس کے مقابلہ میں رومی کمانڈر ''ارطبون'' تھا اور سیف کے کہنے کے مطابق یہ ارطبون چالا کی اور دانائی میں عمرو بن عاص کے مانند تھا، جیسا کہ خلیفہ اور عمرو عاص اور خود ارطبون نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، پھر سیف کہتا ہے کہ ''عمرو عاص'' اور ''ارطبون'' کے درمیان کافی خط و کتابت اور چالبازیاں ردو

بدل ہوتی رہی ہیں اور عمرو عاص ان نیرنگ بازیوں میں ارطبون پر سبقت لے جاتا تھا اور مکر وحیلہ میں اس پر غلبہ پاتا تھا، اس طرح کہ اولاً: عمرو عاص کے نمائندہ کی حیثیت سے ارطبون کے پاس گیا اور اس پر غلبہ پانے کے راستوں کی اطلاعات حاصل کی۔

ثانیاً: جب ارطبون نے اسے قتل کرانے کا منصوبہ بنایا تو عمرو عاص اپنی چالاکی اور فراست سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

ثالثاً: جب ارطبون نے اپنے وزیروں اور کمانڈروں کے سامنے فاتح بیت المقدس کا نام زبان پر لیا اور کہا کہ وہ خلیفہ دوم ''عمر'' ہوں گے تو عمرو عاص قضیہ سے فوری طور پر آگاہ ہوا اور اس کی اطلاع خلیفہ وقت کو دی اور خلیفہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور ایک یہودی عمر کے استقبال کیلئے دوڑا اور اسے یہ بشارت بھی دی کہ بیت المقدس کی فتح اس کے ہاتھوں انجام پائے گی، عمر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیے اور ان سے صلح کی لیکن ارطبون اور اس کے ساتھیوں نے صلح کو قبول نہ کرتے ہوئے مصر کی طرف فرار کیا، مصر کو جب مسلمانوں نے فتح کیا تو ارطبون وہاں سے بھی روم کی طرف بھاگ نکلا اور روم کی فوج کا گرمی کے موسم میں کمانڈر کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا اور قبیلۂ قیس کے ضریس نامی ایک شخص کے ہاتھوں ایک اسلامی جنگ میں قتل ہوا۔

۴۔ شمشیر بازوں کی داستان

اس داستان کو نقل کرنے میں بھی سیف کی روایتیں دوسروں سے اختلاف وتناقض رکھتی ہیں

سیف کی روایت کے مطابق بیت المقدس کے باشندوں نے تلواریں لہراتے ہوئے عمر کا استقبال کیا عمر کے فوجیوں نے ان کے مسلح حالت میں آگے بڑھنے پر خوف کا احساس کیا، عمر نے کہا: ڈرو نہیں یہ امان کی درخواست کرنے کیلئے آرہے ہیں لہذا انھیں امان دینا، بعد میں پتا چلا کہ عمر کی پیشنگوئی صحیح تھی اور وہ حقیقتاً امان کی درخواست کرنے اور صلح نامہ منعقد کرنے کیلئے آئے تھے۔

لیکن سیف کے علاوہ دوسروں کی روایتوں میں یہ شمشیر باز ''اذرعات'' کے لوگ تھے اور انہوں نے پہلے ہی مسلمانوں سے صلح کا پیمان باندھا تھا اور گلدستے لے کر خاص کر اس وقت مظاہرہ کرتے ہوئے عمر کا استقبال کیا تھا سیف نے اس داستان میں یہ دکھایا کہ مسلمان ڈر گئے اور اپنے اسلحہ ہاتھ میں لے لئے اور عمر نے ان کے مقاصد کے بارے میں مسلمانوں کو وضاحت دی جب کہ روداد بالکل اس کے برعکس تھی اور عمر ان کے مقاصد کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور شمشیر بازی اور ان کے حرکات سے ڈر گئے اور ان کے مقاصد کے بارے میں ابوعبیدہ نے عمر کے لئے وضاحت کی۔

۵۔ بیت المقدس کو جھاڑو دینے اور صاف کرنے کی داستان

سیف کی روایتوں کے دوسرے مورخین کی روایتوں سے اختلاف کا ایک اور مسئلہ بیت المقدس کو جھاڑو دینے کی داستان ہے سیف کی روایت کے مطابق عمر نے مسجد کے کوڑے کرکٹ کو اپنے دامن میں جمع کیا اور اپنے سپاہیوں کو بھی حکم دیا کہ اس کام میں اس کی پیروی کریں یہاں پر کعب کے تکبیر کی آواز بلند ہوئی اور اس نے عمر کو خبر دیدی کہ سوسال پہلے ایک پیغمبر نے اور شلیم کو اس حادثہ کی

بشارت دی ہے۔

لیکن دوسروں کی روایت میں یوں آیا ہے کہ عمر نے ''انباط'' کو بیت المقدس میں جھاڑو دینے کا حکم دیا تھا اور ''انباط'' نچلے طبقہ والوں اور مزدوروں کو حکم دیتے تھے اس لحاظ سے عمر نے فلسطین کے فقراء اور مزدوروں کے ایک گروہ کو اجرت کے بغیر مسجد میں جھاڑو دینے پر مقرر کیا تھا اور انھیں کے ذریعہ بیت المقدس کو پاک وصاف کرایا ہے۔

جی ہاں! سیف نے تاریخی واقعات میں اس طرح تحریف کرکے انہیں اپنی پسند کے مطابق پیش کیا ہے اور کبھی کبھی خود دوسری داستانیں بھی جعل کرکے ان میں اضافہ کیا ہے اور اس طرح ان سے اپنے لئے مقاصد حاصل کئے ہیں کہ ذیل میں ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سیف نے جنگ روم اور عمر کے بارے میں بشارت کے عنوان سے روایتیں جعل کرکے جن جھوٹ اور اکاذب کو حقیقت اور تاریخی واقعات کے طور پر اسلامی تمدن اور مآخذ میں درج کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ایک جعلی راوی بنام عثمان

۲۔ روم کے لشکر کیلئے ایک کمانڈر بنام ''ارطبون''

۳۔ ''ضریس قیسی'' اور ''زیاد بن حنظلہ'' نامی دو شاعر و اصحاب

۴۔ فتح بیت المقدس کے مسلمان کمانڈر کے نام میں تحریف کرکے ابوعبیدہ کی جگہ پر عمرو عاص کا نام بتانا اس کے علاوہ اس داستان میں سیف کے توسط سے اور بھی تحریفات اور جعلیات انجام پائے

ہیں اور آنے والی نسلوں کیلئے اسلامی ثقافت میں درج ہوئے ہیں ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سیف کو کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ ایک کمانڈر کا نام بدل کر اس کی جگہ دوسرے کا نام لے لے جبکہ دونوں قحطانی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں اور اس تبدیلی میں خاندانی تعصب اور فخر و مباہات کو خاندان قحطان سے قبیلہ عدناں میں تبدیل کرنے کا موضوع ہی نہیں تھا؟

آخر سیف کے لئے ان تمام خرافات اور بے بنیاد مطالعہ کو تاریخ اسلام میں درج کرنے میں کونسا محرک کارفرما تھا؟

کیا سبب ہے کہ عمر ایک یہودی سے دجال کے بارے میں وضاحت پوچھتے ہیں اور وہ بھی جواب دیتا ہے اور دجال کا ان سے تعارف کراتا ہے۔

ان سوالات کا جواب اسکے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا کہ ہم یہ کہیں کہ سیف کا ان تمام جعل وتحریف کا مقصد اولاً مسلمانوں کی تاریخ میں تشویش وشبہہ پیدا کر کے اسے الٹ پھیر کرنا تھا اور ثانیاً اسلام کے حقیقی عقائد میں جھوٹ اور خرافات داخل کر کے مسلمانوں کو توہم پرست ثابت کرنا تھا۔

افسوس ہے، کہ سیف اپنے ان دونوں مقاصد میں کامیاب ہوا ہے، کیونکہ اس قسم کے بے بنیاد مطالب کو اس نے ''خلیفہ دوم'' کے فضائل ومناقب کے پردے میں جھوٹی اور خرافات روایتوں کو تاریخ اسلام میں داخل کر کے رواج دے دیا ہے۔ اور وہ شائع اور عام ہیں۔ اس طرح امام المورخین طبری نے ان روایتوں کو خود سیف سے نقل کیا ہے اور دوسروں نے بھی اس سے نقل کر کے انھیں کتابوں میں درج کیا ہے: جیسے:

۱۔۲۔ابن اثیر اور ابن کثیر میں سے ہر ایک نے کعب کی داستان کو حذف کر کے ان تمام روایتوں کو طبری سے نقل کیا ہے۔

۳۔ابن خلدون نے بھی اس داستان کے خلاصہ کو ارطبون کے خاتمہ کی روداد اور اس کی پیشین گوئی کو حذف کر کے باقی مطالب کو طبری سے نقل کر کے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

۴۔ابن حجر نے بھی ''اصابہ'' میں قیس کے نام کو اصحاب پیغمبرؐ کی فہرست میں قرار دے کر اس کی زندگی کے حالات لکھنے میں سیف کی کتاب ''فتوح'' پر اعتماد کیا ہے۔

مسلمانوں کے اللہ اکبر کی آواز حمص کے در و دیوار کی گرادیتی ہے

کبر المسلمون فتهافتت دور كثيرة حيطان

حمص میں مسلمانوں کی صدائے تکبیر نے دیوار اور

گھروں کو مسمار کر کے رکھ دیا۔ سیف

فتح حمص کی داستان سیف کی روایت میں:

طبری نے ۱۵ھ کے حوادث کے ضمن میں فتح ''حمص''[۱] کے بارے میں سیف سے تین روایتیں نقل کی ہیں:

پہلی روایت میں کہتا ہے: جب مسلمان ''حمص'' کو فتح کرنے کیلئے اس شہر میں داخل ہوئے تو ''ہرقل''[۲] نے ''حمص'' کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ بھی ایسے دنوں میں مسلمانوں سے لڑیں جب سخت سردی ہو اور شدید برف باری ہو رہی ہو نیز ان سے کہا کہ اگر انہوں نے اس پر عمل کیا تو مسلمانوں میں ایک شخص بھی موسم گرما تک زندہ نہیں بچے گا حمص کے باشندے ہرقل کے حکم کے مطابق سردیوں کے

۱۔ حمص سوریہ کا ایک شہر ہے۔

۲۔ ہرقل ان دنوں سوریہ کے شہروں کا حاکم تھا۔

دنوں میں مسلمانوں سے لڑے تھے۔

دوسری روایت میں ابوالزہراء قشیری سے یوں نقل کیا ہے: حمص کے باشندوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یوں سفارش کی کہ موسم سرما پہنچنے تک اپنے شہروں کا عربوں کے حملوں اور تجاوز کے مقابلہ میں تحفظ اور بچاؤ کریں اور جب موسم سرما پہنچ جائے تو وہ تمہارے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ وہ پا برہنہ ہیں، موسم سرما میں سردی کی وجہ سے ان کے پاؤں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اس کے علاوہ ان کے ہمراہ خوراک بھی مختصر ہے اس لئے وہ اپنی جسمانی طاقت کو بھی ہاتھ سے دیدیں گے لیکن رومیوں کے تصور کے خلاف جب وہ جنگ سے واپس لوٹے تو اسکے برعکس اپنے ہی بعض افراد کے پاؤں کو دیکھا کہ ان کے جوتوں کے اندر زخمی ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہوئے ہیں لیکن مسلمان باوجود اس کے کہ نعلین کے علاوہ کوئی اور چیز ان کے پیروں میں نہ تھی ان میں سے کسی ایک کے پاؤں میں بھی معمولی سا زخم بھی نہیں لگا تھا جب موسم سرما ختم ہوا تو حمص کے باشندوں میں سے ایک بوڑھا اٹھ کھڑا ہوا اور انھیں مسلمانوں سے صلح کرنے کی دعوت دی لیکن لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی ایک اور بوڑھے نے بھی حمص کے باشندوں کیلئے وہی تجویز پیش کی لیکن اس کی تجویز کا بھی لوگوں نے مثبت جواب نہیں دیا۔

سیف نے تیسری روایت میں غسانی اور بلقینی کے بوڑھے مردوں کی ایک جماعت سے نقل کر کے یوں بیان کیا ہے مسلمانوں سے موسم سرما کے بعد شہر حمص کی طرف حملہ کیا اور اچانک ایسی تکبیر کی آواز بلند کی کہ شہر کے لوگوں میں چاروں طرف خوف و وحشت پھیل گئی اور ان کے بدن کانپنے لگے

اور تکبیر کی آواز سے ایک دم شہر کی درو دیوار زمین بوس ہوگئی ۔حمص کے لوگوں نے ان بوڑھوں کے یہاں پناہ لے لی ،جنہوں نے پہلے ہی انھیں مسلمانوں سے صلح کرنے کی تجویز پیش کی تھی ،لیکن اس دفعہ ان بوڑھوں نے اپنی طرف سے ان لوگوں کی نسبت بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا اور انھیں ذلیل وخوار کر کے رکھ دیا۔

سیف کہتا ہے مسلمانوں کی تکبیر کی آواز ایک بار پھر شہر حمص کی فضا میں گونج اٹھی اور اس دفعہ شہر کے بہت سے گھر اور دیوار گر گئے اور لوگوں نے دوبارہ ان بوڑھوں اور قوم کے بزرگوں کے پاس پناہ لے لی اور کہا: کیا تم لوگ نہیں دیکھتے ہو کہ عذاب خدا نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے؟

انہوں نے لوگوں کے جواب میں کہا: تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ مسلمانوں سے خود صلح کی درخواست کرو حمص کے لوگوں نے شہر کے مینار پر چڑھ کر فریاد بلند کی ''صلح ، صلح''، مسلمان چونکہ نہیں جانتے تھے کہ ان پر کیا گزری ہے اور ان پر کیسی ترس و وحشت طاری ہوئی ہے؟لہذا ان کی صلح کی تجویز کو قبول کیا دمشق کے باشندون کے ساتھ صلح کی جو شرائط رکھی تھیں ان ہی شرائط پر حمص کے باشندوں کے ساتھ بھی صلح کی۔

دوسروں کی روایت کے مطابق فتح حمص کی داستان

فتح حمص کی داستان کو سیف نے مذکورہ تین روایتوں کے ضمن میں بیان کیا ہے جس کا آپ نے مطالعہ فرمایا۔ لیکن دوسرے مؤرخین نے اس داستان کو دوسری حالت میں بیان کیا ہے۔ مثلاً بلاذری کہتا ہے:

دمشق کو فتح کرنے کے بعد مسلمان حمص میں آ گئے جب وہ شہر کے نزدیک پہنچے، تو حمص کے باشندوں نے پہلے مسلمانوں سے جنگ کی، لیکن بعد میں اپنے شہر کے اندر داخل ہو کر قلعوں میں پناہ لے لی اور مسلمانوں سے صلح وامان کی درخواست کی۔

بلاذری اضافہ کرتا ہے:

حمص کے حاکم ہرقل کا فرار کرنا ایک طرف سے اور مسلمانوں کی بے مثال قدرت اور پے در پے فتحیابیاں دوسری طرف سے حمص کے باشندوں کے کانوں میں پہنچ گئیں ان کے نتیجہ میں ان کے دل میں عجیب خوف ووحشت پیدا ہو گئی تھی۔

موازنہ اور تحقیق کا نتیجہ

جو کچھ ہمیں سیف کی روایتوں کی دوسرے مورخین کی روایتوں سے تطبیق کے نتیجہ میں حاصل ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کی روایتوں کے مطابق حمص کے باشندوں کے صلح کرنے کا

محرک ان کے حاکم کی فرار اور مسلمانوں کی طاقت کے بارے میں ان کا مطلع ہونا تھا۔

لیکن سیف کے کہنے کے مطابق حمص کے باشندوں کے مسلمانوں سے صلح کرنے کا محرک یہ تھا کہ انہوں نے پورے موسم سرما میں مسلمانوں سے جنگ کی اور سردی کی وجہ سے ان کے پاؤں زخمی ہو ہو کر کٹ گئے اور دوسری طرف سے مسلمانوں کی تکبیر کی آواز سے شہر کے در و دیوار اور گھر زمین بوس ہو گئے ان پر رعب اور وحشت طاری ہوگئی اس کے نتیجہ میں ہتھیار ڈال کر صلح کرنے پر مجبور ہو گئے یہ تھا متن کے لحاظ سے سیف کی روایت میں ضعف، اب ہم سند کے لحاظ سے اس کی تحقیق کرتے ہیں:

سیف کی روایتوں کی سند کے لحاظ سے تحقیق

سیف کی روایتوں کی سند بھی چند زاویوں سے خدشہ دار اور متزلزل ہے کیونکہ

۱۔ سیف نے حمص کے باشندوں کے پاؤں کے کٹ جانے کی داستان ''ابوالزہراء قشیری'' سے نقل کی ہے۔ قشیری کا نام تاریخ طبری میں سیف کی پانچ روایتوں میں ذکر ہوا ہے۔ اور ان ہی روایتوں پر تکیہ کر کے ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں اور ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں قشیری، کو پیغمبر خداؐ کے اصحاب میں سے ایک شمار کیا ہے۔ لیکن ہم نے علم رجال کی کتابوں اور اصحاب رسولؐ کے حالات پر مشتمل کتابوں میں گہرے مطالعہ و تحقیق کے بعد یہ حقیقت کشف کی کہ قشیری نام کا پیغمبر اسلامؐ کا کوئی صحابی وجود نہیں رکھتا ہے اور اسے سیف نے خود جعل کیا ہے۔

۲۔ سیف نے حمص کے گھروں اور دیواروں کے گر جانے کی خبر غسان اور بلقین کے بوڑھوں

سے نقل کی ہے اب ہم کیسے ان بوڑھوں کو پہچان کران کے بارے میں بحث و تحقیق کریں جنہیں سیف نے غسان اور بلقین کے شیوخ سے جعل کیا ہے؟

داستان کے راویوں کا سلسلہ

اولاً: سیف نے داستان حمص کی روایتوں کو:

۱۔ غسان اور بلقین کے بوڑھوں اور

۲۔ ابوالزہراء قشیری

سے نقل کیا ہے چونکہ سیف نے غسان اور بلقین کے بوڑھوں کا نام معین نہیں کیا ہے، لہذا ہمارے لئے مجہول اور نامعلوم ہیں اور ان کی بات نا قابل قبول ہے اور دوسری طرف سے ہم نے کہا کہ قشیری بھی جو ان روایتوں کی سند میں آیا ہے، سیف کا جعلی راوی ہے۔

ثانیاً: سیف سے بھی:

۱۔ طبری نے بھی سیف کی سند سے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے، اور طبری سے:

۲۔ ابن اثیر اور

۳۔ ابن کثیر نے نقل کر کے اپنی تاریخ کی کتابوں میں درج کیا ہے۔

دجال شہر شوش کو فتح کرے گا!

فأتى صاف باب السوس و دقه برجله ...

دجال نے آگے بڑھ کر شہر شوش کے دروازہ پر لات ماری

اور اسے مسلمانوں کیلئے کھول دیا......

سیف

فتحِ شوش کی داستان، سیف کی روایت میں

طبری ۱۷ھ کے حوادث کے ضمن میں سیف سے نقل کرتا ہے کہ مسلمانوں کا کمانڈر "ابو سبرہ"[1] اپنے لشکر کے ساتھ شہر شوش آیا اور اسے محاصرہ کیا مسلمانوں نے شوش کے باشندوں کے ساتھ کئی بار جنگ کی اور ہر بار اہل شوش نے مسلمانوں پر کاری ضرب لگائی راہب اور پادری شہر کے مینار پر چڑھ کر بلند آواز سے بولے:

اے گروہ عرب! جو کچھ ہمیں دانشوروں سے شہر شوش کے بارے میں معلوم ہوا ہے، وہ یہ ہے

۱۔ ابو سبرہ بن ابی رہم عامری قبیلۂ قریش کے ان افراد میں سے ہے جس نے اوائل بعثت میں اسلام قبول کیا ہے اور آنحضرت کی تمام جنگوں میں شرکت کی ہے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد واپس مکہ چلا گیا اور خلافتِ عثمان کے زمانے میں وہیں پر وفات پائی۔

ابو سبرہ کی زندگی کے حالات استیعاب میں الاصابہ کے حاشیہ میں ۸۲/۴، اسد الغابہ ۲۰۷/۵ الاصابہ: ۸۴/۴ اور طبقات ج ۱۹۳/۳ میں خلاصہ کے طور پر اور باب مقیمان مکہ ج ۳۲۲/۵ میں مفصل طور پر آیا ہے۔

کہ شہر، دجال کے بغیر یا ان لوگوں کے علاوہ فتح نہیں ہوگا جن میں دجال موجود نہ ہو۔ اس بنا پر اگر دجال تمہارے درمیان ہے تو جلدی ہی اس شہر کو فتح کرلوگے اور اگر تمہارے درمیان دجال نہیں ہے تو اپنے آپ کو تکلیف میں مت ڈالو کیونکہ یہ کوشش بے نتیجہ ہوگی مسلمانوں نے ان پیشین گوئی کرنے والوں کی باتوں پر کان نہیں دھرا اور ایک بار پھر شوش کے باشندوں سے جنگ و تیراندازی کی۔ راہبوں اور دانشوروں نے ایک بار پھر قلعہ کے مینار پر چڑھ کر مسلمانوں سے مخاطب ہوکر اپنی پہلی باتوں کی تکرار کی اور مسلمانوں پر فریاد بلند کرکے انھیں غضبناک کیا۔

صاف بن صیاد[1] جوان کے درمیان تھا، شہر کے دروازے کے پاس آ گیا اور اپنے دروازہ پر ایک لات مار کر کہا: اے بظار[2] کھل جا۔ اچانک دروازے کی زنجیریں اور قفل ٹوٹ کر گئے، دروازہ کھل گیا اور مسلمان شہر شوش میں داخل ہوگئے! مشرکین نے جب یہ حالت دیکھی تو ڈر کے مارے اپنا اسلحہ زمین پر رکھ دیا اور ''صلح صلح'' کی فریاد بلند کرنے لگے اور مسلمان مکمل طور پر شہر شوش میں داخل ہوگئے اور ان کی درخواست کا مثبت جواب دیا اور ان سے صلح کی۔

۱۔ اہل سنت کے مآخذ میں ذکر ہوئی روایتوں کے ایک حصہ میں یوں آیا ہے: صاف بن صیاد، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں پیدا ہوا اور مدینہ کے لوگ اسے دجال جانتے تھے اور متن میں جو داستان ہم نے بیان کی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی داستان اور اس کا صاف بن صیاد سے معروف ہونا سیف کے دوران مشہور تھا اور اس نے اس معروف داستان سے استفادہ کرکے اسے ایک دوسری داستان سے ممزوج کیا ہے اور ان دو داستانوں سے ایک تیسری داستان جعل کی ہے جیسے کہ کتاب کے متن میں ملاحظہ فرمایا: صاف بن صیاد کے بارے میں صحیح بخاری ۱۶۳/۲ و ۱۷۹/۲ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ ''بظارہ'' مادہ حیوانات کی شرم گاہ کو کہتے ہیں کہ سیف کے کہنے کے مطابق صاف بن صیاد نے شہر شوش کے دروازہ کو اس قبیح اور گندے لفظ سے یاد کیا اور ''بظارہ'' کہا۔

یہ تھا اس افسانہ کا خلاصہ جسے سیف نے فتح شوش کے بارے میں بیان کیا ہے طبری نے بھی اس افسانہ کو سیف سے نقل کیا ہے ابن اثیر اور ابن کثیر نے اسے طبری سے نقل کر کے اپنی تاریخ کی کتابوں میں درج کیا ہے۔

فتح شوش کی داستان دوسروں کی روایت میں:

یہ تھی فتح شوش کی داستان سیف کی روایت کے مطابق لیکن، فتح شوش کے بارے میں دوسرے مؤرخین کی روایتیں یوں ہیں:

خود طبری جو سیف کی روایت نقل کرنے والا ہے، مشہور مورخ، مدائنی سے نقل کرتا ہے: جب ابوموسیٰ اشعری نے شہر شوش کا محاصرہ کیا تو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح جلولا اور پادشاہ جلولا اور یزدجرد کے فرار کرنے کی خبر شوش کے باشندوں تک پہنچی اور وہ اس روداد کے بارے میں سن کر مرعوب ہوئے اور ابوموسیٰ سے امان و صلح کی درخواست کی اس نے بھی ان کی درخواست منظور کر لی اس طرح مسلمانوں اور شوش کے باشندوں کے درمیان صلح کا پیمان منعقد ہوا۔

بلاذری، فتوح البلدان میں کہتا ہے: ابوموسیٰ اشعری نے شوش کے باشندوں سے جنگ کی ان کا محاصرہ کر لیا یہاں تک ان کے پاس موجود پانی اور خوراک ختم ہوگئی اور ہتھیار ڈال کر صلح کرنے پر مجبور ہوئے ابوموسیٰ نے ان جنگجوؤں کو قتل یا اسیر کر دیا کہ جن کے نام صلحنامہ میں ذکر نہیں ہوئے تھے اور ان کا مال غنیمت کے طور پر لوٹ لیا۔

بلاذری کی باتوں کو" دینوری" نے بھی "اخبار الطوال" میں خلاصہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔

ابن خیاط نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ فتح شوش ۱۸ھ میں ابوموسیٰ اشعری کے ذریعہ صلح کے طریقے سے انجام پایا۔

روایت سیف کی سند کے اعتبار سے تحقیق

جس طرح سیف کی روایت کے متن سے اس کا ضعیف اور باطل ہونا ظاہر ہے اور دوسرے مؤرخین کے متن سے سازگار نہیں ہے سند کے لحاظ سے بھی اس کا کمزور اور باطل ہونا بہت واضح ہے کیونکہ:

سیف کی روایت کی سند میں شوش کی فتح کی داستان بیان کرنے والا "محمد" ذکر ہوا ہے ہم نے مکرر کہا ہے کہ یہ "محمد" سیف کے جعلی راویوں میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت کی سند میں چند دوسرے مجہول اور نامعلوم افراد جیسے: "طلحہ" اور "عمر" بھی راوی کے طور پر ذکر ہوئے ہیں کہ علم رجال اور تشریح کی کتابوں میں ان کا نام ونشان نہیں ملا۔ بحث کے طولانی ہونے کے پیش نظر ہم ان افراد کی تحقیق وجانچ پڑتال سے صرف نظر کرتے ہیں۔

تطبیق اور جانچ پڑتال کا نتیجہ

سیف کے کہنے کے مطابق شوش کی فتح کا سبب مسلمانوں کے لشکر میں دجال کی موجودگی تھی کہ جس کے بارے میں راہبوں اور پادریوں نے پہلے ہی پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں کو اس کے

بارے میں مطلع کیا تھا اور یہ پیشین گوئی بھی اس وقت واقع ہوئی جب مسلمان سپاہیوں میں سے دجال باہر آ گیا اور شہر کے دروازہ پر لات مارتے ہوئے کہا: ''کھل جا اے دروازہ جو''بظار'' کے مانند ہو'' دروازہ کی زنجیریں اچانک ٹوٹ کی ڈھیر ہو گئیں قفل بھی ٹوٹ کر گر گئے اور دروازے کھل گئے، مسلمان شہر میں داخل ہوئے شوش کے لوگوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اور صلح کی فریادیں بلند ہوئیں اس جنگ کا سپہ سالار ''ابوسبرۂ'' عدنانی تھا۔

یہ تھا فتح شوش میں مسلمانوں کے سپہ سالار کے نام اور اس فتح کے سبب کے بارے میں سیف کی روایت کا خلاصہ لیکن دوسرے مورخین کہتے ہیں: شوش کی فتح کا سبب جلولا کی فتح اور وہاں کے بادشاہ کے فرار کے بارے میں اہل شوش تک خبر پہنچنا اور شوش کے لوگوں کا پانی اور غذا کا ختم ہونا تھا کہ وہ ان عوامل کی وجہ سے صلح کرنے پر مجبور ہوئے اور امان کی درخواست کی مسلمانوں کے لشکر کا سپہ سالار ابوموسیٰ اشعری تھا جو قبیلۂ قحطان سے تھا، نہ ''ابوسبرہ'' عدنانی۔

اس تطبیق اور جانچ پڑتال سے واضح ہوتا ہے کہ سیف نے اس داستان کو نقل کرنے میں خاندانی تعصب سے کام لیا ہے اور عدنانی قبیلہ کے تعصب کی ندا کا مثبت جواب دے کر فتح شوش کی فضیلت کو ابوموسیٰ قحطانی سے چھین کر ابوسبرۂ عدنانی کے کھاتے میں درج کیا ہے لیکن سیف کو کس محرک نے مجبور کیا ہے مسلمانوں کی شوش کی فتح و پیروزی کی داستان کو ''دجال'' سے نسبت دیدے؟ جبکہ اس انتساب میں نہ اصحاب پیغمبر کیلئے کسی قسم کی ثنا گوئی ہے اور نہ کسی قسم کا خاندانی تعصب ؟

اس امر میں نہ خود سیف کے قبیلہ کیلئے کوئی فخر کی بات ہے اور نہ قبیلۂ عدنان کے بارے میں

کوئی فضیلت، کیونکہ معمولاً سیف اس سلسلہ میں تعصب سے کام لیتا ہے؟

لہذا، اس نسبت و اسناد میں، حقائق میں تحریف اور خرافات گڑھنے میں کونسا محرک ہوسکتا ہے؟

کیا اس سلسلہ میں اس کے زندقہ و کفر۔ جس کا اس پر الزام ہے ۔ کے علاوہ کسی اور محرک کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

جی ہاں! اس نے اپنے کفر و زندقہ کے اقتضاء کے مطابق مسلمانوں کے عقائد کو خرافات سے ممزوج کر کے تاریخ اسلام کو مشوّش اور درہم برہم کرنا چاہا ہے۔

داستان شوش کی روایت کے راویوں کا سلسلہ

اولاً: فتح شوش کی روایتوں کو سیف نے ''محمد'' نامی ایک نقلی اور جعلی راوی اور دو مجہول اور نامعلوم راویوں سے نقل کیا ہے۔

ثانیاً: سیف سے بھی ان روایتوں کو

۱۔ طبری نے اور طبری سے

۲۔ ابن اثیر اور

۳۔ ابن کثیر نے نقل کر کے اپنی تاریخ کی کتابوں میں درج کیا ہے۔

اسود عنسی کی داستان

لایحرف سیف ولا یختلق الا لتحقیق غایة

سیف اپنے ناپاک عزائم کے علاوہ کسی اور چیز کیلئے کسی حقیقت میں تحریف یا کسی داستان کو جعل نہیں کرتا ہے۔

مولف

سیف کے روایت کے مطابق اصل داستان

طبری نے ''اسود عنسی ـــ جس نے یمن میں پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا ـــ کے بارے میں سیف سے کئی روایتیں نقل کی ہیں ہم ان روایتوں کے خلاصہ کو ذیل میں درج کرتے ہیں:

جب اسود عنسی پیغمبری کا دعویٰ کر کے یمن پر مسلط ہوا تو اس نے یمن کے ایرانی بادشاہ ''شہر بن باذان'' کو قتل کیا اور اس کی بیوی کے ساتھ شادی کی یمن میں مقیم ایرانیوں کی سرپرستی کو کمانڈر ''فیروز'' اور آزاد بہ نامی دو ایرانی نسل اشخاص کے ذمہ رکھی اور اپنے تمام فوجیوں کے کمانڈران چیف کے طور پر ''قیس بن عبد یغوث'' کو منصوب کیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے ان تین افراد کے نام خط لکھا اور حکم دیا کہ اسود عنسی سے جنگ کریں اور اسے جنگ یا مکر و فریب کے ذریعہ نابود کریں اور ایرانیوں کو اس کے شر سے نجات دلائیں انہوں نے بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق آپس میں اتحاد کیا

تھا کہ نیرنگ کے ذریعہ اسود کو نابود کریں لیکن اسود کو شیطان نے اسے اس روداد سے آگاہ کردیا لہذا اسود نے قیس کو اپنے پاس بلا کر کہا:

قیس! یہ میرا فرشتہ کیا کہتا ہے؟

قیس نے کہا: کیا کہتا ہے؟

اسود: میرا فرشتہ کہتا ہے تم نے اس قیس کا اتنا احترام کیا ہے اور اسے لشکر کے کمانڈری اور اعلی عہدہ تک ترقی دیدی ہے یہاں تک کہ احترام و شخصیت میں تمہارا ہم پلہ بن گیا اب اس نے تیرے دشمن کے ساتھ ہاتھ ملا کر فیصلہ کیا ہے کہ تیری سلطنت کو نابود کردے اور اس نے اپنے دل میں مکر وحیلہ چھپا رکھا ہے۔

اس کے بعد اسود نے کہا: یہ فرشتہ مجھ سے کہتا ہے: اے اسود! اے اسود! اے بد بخت اے بد بخت! قیس کے سر کو تن سے جدا کردو! ورنہ وہ تجھے قتل کر ڈالے گا اور تیرے سر کو قلم کردے گا۔

قیس نے کہا: تیری جان کی قسم اے اسود! میرے دل میں تیرا مقام اور منزلت اس سے بالاتر ہے کہ تیرے بارے میں برا سوچوں اور تیری نسبت خیانت کروں

اسود: اے مردتم کتنے ظالم ہو کہ میرے فرشتہ کو بھی جھٹلاتے ہو معلوم ہوتا ہے کہ اب اپنے عمل سے پشیمان ہوئے ہو اور جو کچھ مجھے میرے فرشتہ نے خبر دی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ میرے بارے میں بدنیتی سے منصرف ہوئے ہو۔

سیف یہاں پر اسود کے اسی شیطان کو فرشتہ کے نام سے یاد کیا ہے اور روایت کرتا ہے کہ وہ

تمام روداد کے بارے میں اسود کو خبر دیتا تھا۔

سیف کہتا ہے قیس اسود کی مجلس سے اٹھ کے چلا گیا اور اس روداد کو اپنے دوستوں اور ان افراد کے سامنے تفصیلاً بیان کیا جن کے ساتھ اس نے اسود کو قتل کرنے کا منصوبہ مرتب کیا تھا۔

اسود نے دوسری بار قیس کو اپنے پاس بلا کر کہا:

کیا میں نے تجھے تیرے کام کی حقیقت کے بارے میں آگاہ نہیں کیا؟ لیکن تم نے مجھ سے جھوٹ کہا اب پھر فرشتہ مجھ سے کہتا ہے: اے بد بخت اے بد بخت اگر قیس کے ہاتھ کو نہ کاٹو گے تو وہ تیرے سر کو قلم کر کے رکھ دے گا!

قیس نے کہا: میں تجھے ہرگز قتل نہیں کروں گا، تم خدا کے پیغمبر ہو لیکن تم میرے بارے میں جو مصلحت سمجھتے ہو اسے انجام دو کیونکہ ترس و اضطراب کی حالت میں سر قلم ہونا میرے لئے ناگوار ہے حکم دو تا کہ مجھے قتل کر ڈالیں کیونکہ میرے لئے ایک بار مرنا اس سے بہتر ہے کہ ہر روز خوف و ہراس سے مروں اور پھر زندہ ہو جاؤں نیز ذلت کی زندگی سے مرنا بہتر ہے۔

سیف کہتا ہے: اسود کو قیس کی اس بات کا اثر ہوا اور اس کیلئے اس کے دل میں رحم پیدا ہوا اور اسے آزاد کر دیا۔

سیف اضافہ کرتا ہے کہ اسود نے حکم دیا اور ایک سو گائے اور اونٹ حاضر کئے گئے اس کے بعد اس کے سامنے زمین پر ایک سیدھا خط کھینچا اور خود اس خط کے مقابلہ میں کھڑا رہا اور اونٹوں کو اسی خط کے پیچھے رکھا اور اس کے بعد ان اونٹوں کے ہاتھ پاؤں باندھے بغیر انھیں نحر کر دیا۔ لیکن ان اونٹوں

میں سے ایک اونٹ نے بھی اس کے معین کردہ خط سے آگے قدم نہیں بڑھایا اور ان سب نے اسی خط کے پیچھے جان دیدی۔

سیف کہتا ہے: اس دن سے وحشتناک دن نہیں دیکھا گیا کہ ان سب اونٹوں کو جو آزاد تھے ایک ساتھ نحر کردیا گیا اور ان میں سے ایک نے بھی خط سے آگے قدم نہیں بڑھایا بلکہ اس خط کے پیچھے تڑپتے ہوئے جان دیدی۔

سیف دوبارہ اسود کے قتل کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

آخر کار ان تین افراد جنھوں نے اسود کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس کی بیوی کو بھی اپنا ہم نوا بنالیا اور فیصلہ کیا کہ اسکی مدد اور تعاون سے رات کے وقت اسود کو قتل کرڈالیں گے جب وہ اسود کی خواب گاہ میں داخل ہوئے تو فیروز نے اسے قتل کرنے میں پیش قدمی کی اسود کو شیطان نے بیدار کیا اور دشمن کے داخل ہونے کے بارے میں اسے اطلاع دی چونکہ اسود اس وقت گہری نیند میں سویا ہوا تھا اس لئے آسانی کے ساتھ بیدار نہ ہوا۔ لہذا شیطان خود فیروز کو وحشت میں ڈالنے کیلئے اسود کے روپ میں اس سے مخاطب ہوا اور کہا: فیروز تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ جب فیروز نے یہ جملہ سنا تو اس نے اسود کی گردن پر ضرب لگائی اور وہ دم توڑ بیٹھا۔

سیف کہتا ہے: اس کے بعد فیروز کے دوسرے ساتھی داخل ہوئے تا کہ اسود کے سر کو تن سے جدا کریں۔ لیکن اسود کا شیطان اس کے بے جان بدن میں داخل ہوا اور اسے حرکت دیتے ہوئے اس

کے سرکوتن سے جدا کرنے میں رکاوٹ ڈالتا تھاان میں سے دوافراد اسود کی پیٹھ پر سوار ہوئے اور اس کی بیوی نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑ لئے تا کہ وہ حرکت نہ کر سکے شیطان اسکے اندر سے نامفہوم باتیں کرر ہا تھا۔ آخر کار، چوتھے شخص نے اس کے سرکوتن سے جدا کر دیا۔ اس وقت اسود کے اندر سے ایک خوفناک آواز اور نعرہ بلند ہوا جو گائے کی آواز سے مشابہت رکھتا تھا اور اس دن تک ایسی وحشتناک آواز نہیں سنی گئی تھی۔ یہ آواز اس اسود کے شیطان کی تھی جو اس کے اندر سے پکار رہا تھا یہ آواز جب محافظوں کے کانوں تک پہنچی تو وہ کمرے کے دروازے تک آ گئے اور شور وغل کا سبب پوچھا اسود کی بیوی نے کہا: کوئی خاص بات نہیں ہے، پیغمبر پر وحی نازل ہو رہی تھی، وہ ختم ہوگئی۔

یہ تھا اسود عنسی کے افسانہ کا خلاصہ جسے طبری نے سیف کی گیارہ روایتوں کے ضمن میں بیان کیا ہے اور ذہبی نے بھی ان میں سے دو روایتوں کو ''تاریخ الاسلام'' نامی اپنی کتاب میں درج کیا ہے

سند کی تحقیق اور بررسی

طبری نے اسود عنسی کی داستان کو سیف کی گیارہ روایتوں کے ضمن میں نقل کیا ہے ان میں سے دو روایتوں کے راوی کے طور پر سہل بن یوسف کا نام ملتا ہے اور سہل نے بھی عبید بن صخر نامی ایک شخص سے روایت کی ہے۔

ان روایتوں میں سے دو روایتوں کی سند میں ''مستنیر بن یزید'' کا نام آیا ہے کہ اس نے بھی عروق بن غزیہ سے نقل کیا ہے۔

اوران روایتوں میں سے ایک میں خود ''عروق بن غزیہ'' کا نام مستنیر کا نام لئے بغیر ذکر ہوا ہے۔

جو کچھ ہم نے اسود کی داستان کے بارے میں بیان کیا وہ سیف کی روایتوں کا ایک خلاصہ تھا جن کی سند کو مذکورہ چند جعلی راوی تشکیل دے رہے ہیں کہ ہم ان کے حالات پر حسب ذیل روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۔سہل :طبری نے جو روایتیں سیف سے نقل کی ہیں ان میں سے ۳۷ روایتوں میں اس کا نام ملتا ہے سیف نے اسے یوسف سلمی کا بیٹا بتایا ہے قبائل عرب میں سے کئی قبائل کو سلمی کہتے ہیں ہمارے خیال میں یہاں پر سلمی سے سیف کا مقصود وہ شخص ہے جس کا نسب سلمۃ بن سعد خزرجی انصاری تک پہنچتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کوائف کا کوئی بھی راوی جس کا نام سہل ہو اس کے باپ کا نام یوسف اور وہ سلمۃ بن سعد خزرجی یا دیگر قبائل سلمی سے منتسب ہو وجود نہیں رکھتا ہے وہ سیف کا جعل کیا ہوا راوی ہے ہم نے جعلی راویوں کے بارے میں اپنی تالیف کی گئی کتاب '' راویان ساختگی'' میں اس حقیقت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۲۔عبید بن صخر بن لوذان سلمی : یہ دوسرا شخص ہے جس کا اسود کی داستان کی سند میں مشاہدہ ہوتا ہے لیکن وہ بھی ان راویوں میں سے ہے جسے سیف نے اپنے خیال سے جعل کیا ہے اور اسے اصحاب پیغمبرؐ کی فہرست میں قرار دیا ہے ہم نے اس کے حالات پر اپنی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب ''میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۳۔عروۃ بن غزیہ دثینی :عروہ وہ شخص ہے جسے سیف نے قبیلۂ دثین سے متعلق بتایا ہے اس کا نام سیف کی چھ روایتوں میں ذکر ہوا ہے جنہیں طبری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے ان چھ روایتوں میں سے چار کو ضحاک بن فیروز نے نقل کیا ہے۔لیکن ہم نے عروۃ کا نام رجال یا تراجم کی کتابوں میں سے سمعانی وحموی کے نقل کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا۔

سمعانی ''کتاب الانساب'' میں لفظ ''دثینہ'' کے ضمن میں کہتا ہے دثینی ،دثینہ سے منسوب ہے اور ہم گمان کرتے ہیں کہ دثینہ یمن کے گاؤں اور آبادیوں میں سے ہوگا اور عروۃ بن غزہ دثینی بھی ،جو ضحاک بن فیروز سے روایت نقل کرتا ہے اور فتوح سیف بن عمر میں اس کا نام آیا ہے اسی آبادی کے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔

ابن اثیر نے بھی سمعانی کی اسی بات کو خلاصہ کے طور پر ''اللباب'' میں درج کیا ہے[۱] حموی دثینہ کی تشریح میں کہتا ہے: اور عروۃ بن دثینی ، جو ضحاک ابن فیروز سے روایت نقل کرتا ہے اسی دثینہ سے منسوب ہے۔

البتہ سمعانی اور حموی کی روایتوں کے مآخذ وہی سیف کی روایتیں ہیں آخر کار سمعانی نے اس کے مآخذ کو صراحتاً بیان کیا ہے لیکن حموی نے اپنی روایت کے مآخذ کو معین نہیں کیا ہے۔

۴۔مستنیر بن یزید: سیف نے اسے قبیلۂ نخع سے تصور اور خیال کیا ہے کہ اس کا نام طبری کی

۱۔رجال اور تراجم ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں اشخاص کے حالات کی تشریح کی گئی ہو۔

سیف سے نقل کی گئی اٹھارہ روایتوں میں مشاہدہ ہوتا ہے لیکن چونکہ ہم نے اسے سیف کی روایتوں کے علاوہ کہیں اورنہیں دیکھا ہے، لہذا ہم اسے گزشتہ راویوں کی طرح سیف کے جعلی راویوں میں جانتے ہیں۔

تحقیق اور موازنہ

داستان اسود عنسی کی سند کے تزلزل اور ضعف کے بارے میں یہ ایک خلاصہ تھا جسے سیف نے نقل کیا ہے۔ لیکن اس داستان کا متن اور مفہوم کے لحاظ سے ضعیف ہونا اسی صورت میں واضح ہوتا ہے کہ ہم دوسرے تاریخ نویسوں کے نقطۂ نظر پر بھی نگاہ ڈالیں اور اس کے بعد ان دو روایتوں کا آپس میں تطبیق اور موازنہ کریں۔

اب ہم داستان اسود عنسی کے بارے میں مورخین کی روایتیں بیان کرتے ہیں:

بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں اسود عنسی کی داستان کو نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اسود بن کعب بن عوف'' فال گوئی اور پیشین گوئی کرتا تھا نیز پیغمبری کا دعوی بھی کرتا تھا اس کے اپنا قبیلہ عنس تھا، اس کے قبیلہ والے اس کی پیروی کرتے تھے اور دوسرے قبیلوں کے بعض گروہ بھی اس کی طرف رجحان پیدا کر چکے تھے، اسود نے اپنا ''رحمان یمن'' نام رکھا تھا اور ایک تربیت یافتہ گدھا بھی رکھتا تھا کہ جب بھی اسے کہتا تھا: اپنے پروردگار کیلئے سجدہ کر، وہ سجدہ میں جاتا تھا اور جب

اس سے کہتا تھا: گھٹنے ٹیک، وہ گھٹنے ٹیکتا تھا، بعض مورخین نے اسود کو'' ذوالحمار'' کہا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سر پر عمامہ رکھتا تھا۔ بعض مورخین نے کہا ہے کہ اس کا اصلی نام اسود''عبہلہ'' تھا لیکن چونکہ سیاہ چہرہ تھا، اس لئے''اسود'' کے نام سے معروف تھا۔

بلاذری کہتا ہے: اسود صنعا گیا اور اس جگہ پر قبضہ جمالیا اور وہاں کے حاکم (جو پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے حکومت کرتا تھا) کو نکال باہر کیا اور یمن میں مقیم ایران نسل کے لوگوں (جو ابناء[۱]) کہے جاتے تھے کو سخت دباؤ اور جسمانی اذیت کے تحت قرار دیا اور وہاں کے پادشاہ'' باذان'' کی بیوی مرزبانہ'' کے ساتھ شادی کی۔ جب یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آنحضرتؐ نے'' قیس بن ہبیرۃ بن مکشوح مرادی'' کو اسود سے جنگ کرنے پر ماٌمور کیا اور اسے حکم دیا کہ یمن مین مقیم ایرانیوں کی ہمت افزائی اور انہیں اپنی طرف مائل کرے۔

جب قیس یمن پہنچا اسود کے پاس یوں ظاہر کیا کہ اسکا پیرو، ہم عقیدہ اور ہم فکر ہے اسود نے اس کی بات پر یقین کیا اور اس کے صنعا میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہوا، قیس قبیلۂ مذحج، ہمدان اور دوسرے قبائل کے ہمراہ صنعا میں داخل ہوا۔ ایرانیوں کے ایک مشہور شخص فیروز کی حوصلہ افزائی کی خاص کر ایرانیوں کے سرپرست داذویہ کی ہمت افزائی کی۔ ایرانیوں نے بھی قیس کے توسط سے اسلام قبول کیا۔ قیس اور ایرانی آپس میں ہم نوا ہو گئے اور اسود کو قتل کرنے میں اتحاد و اتفاق کرلیا۔ چونکہ اسود

۱۔ چونکہ ابناء، ابن کا جمع یعنی بیٹے ہے اس لئے اعراب یمن میں مقیم ایرانیوں کو ابناء یعنی ایرانیوں کے بیٹے یا ایرانی نسل کہتے تھے۔

کی بیوی پہلے سے اسکے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتی تھی اس لئے قیس اور اس کے ساتھیوں نے مخفی طور پر ایک شخص کو اسکے پاس بھیجا اور اسود کو قتل کرنے میں مدد طلب کی اس نے بھی ان کی نصرت کرنے کا وعدہ کرلیا اور انھیں اسود کے گھر میں منتہی ہونے والے ایک پانی کے راستہ کی راہنمائی کی بعض مورخین کہتے ہیں کہ اسود کے گھر کے دیوار کو سوراخ کیا گیا اور سحر کے وقت اسی جگہ سے اس کی خوابگاہ میں داخل ہوئے اور اسے اپنے بستر ہ میں مست پایا پھر فیروز نے اسے اسی حالت میں قتل کرڈالا اور قیس نے بھی تلوار سے اس کے سر کو تن سے جدا کرڈالا صبح کا وقت تھا کہ شہر کے قلعہ کے اوپر چڑھ کر تکبیر کی آواز بلند کی اور یوں تکبیر کہی:

اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمداً رسول اللہ و ان اسود الکذاب عدو اللہ ...خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں، شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور اسود جھوٹا اور دشمن خدا ہے۔

اسود کے حامی اور پیرو جمع ہوئے قیس نے قلعہ کے اوپر سے اسود کے سر کو ان کی طرف پھینک دیا وہ سب ترس و وحشت سے متفرق ہو گئے ان میں سے صرف معدود چند افراد قلعہ کے اردگرد موجود رہ گئے قیس نے اپنے دوستوں کی مدد سے ان میں سے ایک شخص کے علاوہ (جس نے اسلام قبول کیا تھا) باقی سب کو قتل کرڈالا۔

کتاب ''البدء والتاریخ'' کے مؤلف نے اسود کی داستان کو تقریباً اسی مضمون کے ساتھ اپنی

کتاب (ج ۵/۱۵۴۔۱۵۵) میں درج کیا ہے۔

یعقوبی نے بھی اپنی تاریخ میں اس روداد کو خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے[1]

کلاعی نے اپنی کتاب ''الاکتفاء'' میں داستان کو تقریباً مذکورہ صورت میں درج کیا ہے[2]

تحقیق کا نتیجہ

ہم نے یہاں تک داستان اسود کے بارے میں سیف اور دوسرں کی روایتوں کو بیان کیا اور ان دونوں بیانات کا آپس میں موازنہ و تطبیق کی۔اب ہم مذکورہ دونوں بیانات کے درمیان اختلاف کا خلاصہ اور نتیجہ پیش کرتے ہیں:

۱۔سیف کی روایتوں میں یمن کے پادشاہ ـــ جس کی بیوی سے اسود نے شادی کی ـــ کا نام ''شہر بن باذان'' ذکر ہوا ہے جبکہ دوسرے مؤرخین نے اس کا نام ''باذان'' بتایا ہے۔

۲۔سیف نے قیس کے باپ کا نام عبد یغوث بتایا ہے جبکہ دوسرے مورخین نے اس کا نام ''ھبیرہ بن مکشوح''[3] بتایا ہے۔

۱۔ج ۲/۱۸۰،

۲۔ملاحظہ ہو کتاب الردۃ،ص ۱۵۱ کہ جو کلاعی کی کتاب الاکتفاء سے اقتباس ہے۔

۳۔جمہرہ،ص ۳۸۲ پر ابن حزم کے کہنے کے مطابق قیس،مکشوح کا بیٹا ہے اور مکشوح کا اصلی نام ھبیرہ بن یغوث ہے لہذا اس بنا پر قیس بن مکشوح اور قیس بن ہبیرہ بن عبد یغوث ایک ہی شخص ہے لیکن سیف نے قیس کو عبد یغوث کا بیٹا کہا ہے اور درمیان سے ایک واسطہ کو حذف کیا ہے اور اس کا یہ کام اس کا سبب بنا ہے کہ شخصیات کے حالات کی تشریح لکھنے والے مغالطے کا شکار ہو جائیں اور قیس کے نام پر دو شخص تصور کریں اور اس کیلئے دوبارہ تشریح لکھیں جیسے کتاب اسد الغابہ،۴/۲۶۲ و ۴/۲۲۷ اور الاصابہ، ۵/۷۳)

۳۔ سیف کہتا ہے: اسود نے اپنے لشکر کی کمانڈری، یمن میں موجود قیس کو سونپی اور رسول خداؐ نے قیس جو یمن میں تھا اور یمن میں مقیم ایرانیوں کو ایک خط کے ذریعہ حکم دیا کہ اسود کو قتل کر ڈالیں۔ لیکن دوسرے مورخین نے کہا ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس کو براہ راست اپنی طرف سے اسود سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہاں پر مقیم ایرانیوں کے ساتھ پیار محبت سے پیش آئے اور ان کی ہمت افزائی کرے۔ جب قیس صنعا میں داخل ہونا چاہتا تھا تو اس نے اسود کا پیرو اور حامی ہونے کا اظہار کیا، اسود نے بھی اس پر یقین کر لیا اور قیس کو صنعا میں داخل ہونے کی اجازت دیدی۔

یہ ان تحریفات و تغیرات کا خلاصہ تھا جسے سیف نے اسود کی داستان میں انجام دیا ہے، لیکن وہ چیزیں جو سیف نے اس داستان میں خود اضافہ کی ہیں اور جھوٹ اور افسانے کے طور پر اس داستان میں ضمیمہ کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں کہ کہتا ہے:

ا۔ اسود کا ایک شیطان تھا جو اسے وحی کرتا تھا اور اسے غیب کی اطلاع دیتا تھا اسود اسے اپنا ''فرشتہ'' کہتا تھا۔ اس شیطان نے اسود کو چند بار خبر دی کہ ''یہ قیس، جسے تم نے عزت و احترام میں اپنے برابر پہنچا دیا ہے، عنقریب تمہیں قتل کر ڈالے گا۔

سیف کہتا ہے: اسود نے زمین پر ایک لکیر کھینچی اور اس لکیر کے پیچھے سو اونٹ اور گائے جمع کیں، پھر ان کے سامنے کھڑا ہوا اس کے بعد بغیر اس کے کہ ان حیوانوں کے ہاتھ پاؤں باندھے انھیں نحر کر دیا، جبکہ ان میں سے ایک نے بھی لکیر سے باہر قدم نہیں رکھا۔ اسی حالت میں رکھا تا کہ لکیر کے اس طرف تڑپتے ہوئے جان دیدیں۔

سیف اسود کے اس معجزہ کو روداد کے شاہد کے طور پر اپنے راوی کے ایک دوسرے جملہ سے مستحکم اور مضبوط بناتا ہے کہ: وہ کہتا ہے کہ "میں نے اس سے خطرناک اور وحشتناک ترین دن کبھی نہیں دیکھا تھا"

۳۔ سیف کہتا ہے: جب اسود کے قاتل اس کی خوابگاہ میں داخل ہوئے اور وہ اپنے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا تو اس کا شیطان ــ جسے فرشتہ کہتے تھے ــ اسود کے قاتلوں کو ڈرانے دھمکانے کیلئے اسود کے روپ میں اس کے لہجہ وزبان سے بات کرتا تھا۔

سیف کہتا ہے: وہی شیطان اسود کے قتل ہونے کے بعد اس کے بدن میں داخل ہوا اور اس کے جسم کو ہلا رہا تھا تا کہ اس کے قاتل اس پر کنٹرول کر کے اس کا سر تن سے جدا نہ کر سکیں یہاں پر قاتلوں میں سے دو افراد اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئے اور اس کی بیوی نے اس کے سر کے بال پکڑ لئے اور ایک شخص نے اس کے سر کو تن سے جدا کیا۔ اس دوران شیطان مبہم اور غیر مفہوم باتیں کرتے ہوئے فریاد بلند کر رہا تھا۔ جی ہاں! سیف ان معجزوں اور غیر معمولی واقعات کو اس جھوٹے پیغمبر اسود کیلئے بیان کرتا اور اس طرح اس کی تعریف وتوصیف کرتا ہے۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ ایک جھوٹے پیغمبر کیلئے یہ معجزہ گڑھنے میں سیف کا محرک اور مقصد کیا تھا؟

کیا سیف نے کسی مقصد کے بغیر اس افواہ بازی کو انجام دیا ہے؟ جبکہ ہم جانتے ہیں وہ مقصد کے بغیر کسی بھی حقیقت کو تحریر نہیں کرتا ہے اور مقصد کے بغیر کسی جھوٹ کو نہیں گڑھتا ہے؟

کیا اس معجزہ سازی سے اس کا مقصود یہ تھا کہ اس طرح اسود کیلئے چند فضائل ومناقب جعل

کرے؟ جبکہ اسود عنسی قبیلۂ قحطان سے تعلق رکھتا ہے اور سیف ہمیشہ قبیلہ قحطان کے عیوب ثابت کرتا ہے نہ مناقب۔ اس کے علاوہ سیف نے اپنی روایت کو اسود کی فضیلت کے طور پر بیان نہیں کیا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ اسود شیطان کے زیر اثر تھا اور شیطان اس کے ساتھ گفتگو کرتا تھا لیکن خود اسود اسے فرشتہ کہتا تھا۔

بہر حال یہ شیطان وہی تھا جس نے قیس کی روداد کے بارے میں اسود کو خبر دی، وہی تھا جب اسود اپنے بستر ہ پر گہری نیند سو رہا تھا، اسود کی زبانی باتیں کرتا تھا، اور وہی شیطان تھا جو اسود کے جسم کو ہلا رہا تھا تا کہ اس کے قاتل اس کا سر تن سے جدا نہ کرسکیں یہاں تک چار آدمی آپس میں تعاون کرتے ہیں تا کہ اس کے بدن کی حرکت کو روک لیں پھر اس کا سر تن سے جدا کر سکے ہیں۔

سیف کے ان مجموعی بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جھوٹے پیغمبر کو شیطان عالم غیب کی خبر دیتا تھا اور غیر معمولی و قانون فطرت کے مخالف کام کو اس کی زبان اور سائر اعضاء سے جاری کرتا تھا وہ حقیقت میں شیطان تھا لیکن اسود اسے فرشتہ کہتا تھا اور بہت سے لوگ اس کے ان غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے اس پر ایمان لے آئے تھے۔

یہ وہ مطالب ہیں جنہیں سیف نے خود جعل کر کے اسود کی داستان میں اضافہ کیا ہے، لیکن کس محرک نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا؟ اس کو خدا بہتر جانتا ہے.... ہمیں کیا معلوم؟

شاید سیف کے ان جھوٹ اور اکاذیب جعل کرنے میں اس کا مقصد یہ تھا کہ وحی، ملائکہ، غیب کی خبریں، معجزات کی کیفیت اور درنتیجہ پیغمبروں کے غیر معمولی کارنامے کا مضحکہ کرنا تھا جیسا کہ اس

نے اس افسانہ میں انجام دیا ہے اور انھیں شیطانی حرکت یا کہانت یا جنات اور شیاطین سے ارتباط کے طور پر معرفی کرتا ہے اور اس داستان کو تمام پیغمبروں کے غیبی ارتباط اور فعالیت کے ایک نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہے اس طرح ان تحریفات میں اس کا محرک پیغمبروں کے کام کا مذاق اڑانا ہے اس میں اس کا وہی زندقہ و بے دین ہونا کارفرما تھا۔

شاید وہ اس طرح مسلمانوں کو ان کے عقیدہ میں سست اور متزلزل کرنا چاہتا تھا تا کہ انھیں اس طرح تلقین کرے کہ کیا معلوم اسود کے غیبی کارنامے نیرنگ اور شیطنت پر متکی ہوں اور دوسرے پیغمبروں کے کارنامے فرشتہ و حقیقت پر متکی ہوں؟ شائد دوسرے پیغمبر بھی اسود کے مانند ہوں اور ان کے فرشتے بھی اسود کے فرشتہ کے مانند تھے!

بہر حال، سیف کا مقصد جو بھی ہو، وہ اس کام میں کامیاب ہوا ہے کہ خرافات کو مسلمانوں کے عقائد میں ملاوٹ کر کے اپنے جھوٹ اور جعلیات کو ان کے ذہن میں ڈال دے۔

یہاں تک کہ طبری جیسے مورخین اور نامور مؤلفین نے بھی اس کے جھوٹ اور جعلیات کو مسلمانوں کے درمیان شائع کیا ہے اور صدیاں گزرنے کے بعد بھی کسی نے ان پر توجہ نہیں کی ہے۔

اسود عنسی کی داستان کے راویوں کا سلسلہ

اولاً: سیف نے جس داستان کو اسود عنسی کی داستان کے نام سے جعل کیا ہے، وہ دو حصوں پر مشتمل ہے:

الف) اس کے ایک حصہ میں اصلی داستان میں بعض مطالب تحریف کئے گئے ہیں اس کو سیف نے تحریف اور رنگ آمیزی کر کے ایک نئ صورت دیدی ہے۔

دوسرے حصہ میں ایسے افسانے ہیں کہ سیف نے خود انہیں جعل کیا ہے اور اصل داستان میں ان کا اضافہ کیا ہے۔

اس کے بعد ان سب کو روایتوں اور احادیث کی صورت میں پیش کیا ہے اور ان روایتوں کیلئے اپنے جعلی راویوں کے ذریعہ ایک سند بھی جعل کی ہے اور اسے مکمل اور مضبوط کرنے کے بعد علمائے تاریخ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

سیف نے ان روایتوں کو مندرجہ ذیل راویوں سے نقل کیا ہے:

۱۔سہل بن یوسف سلمی

۲۔عبد بن صخر بن لوذان سلمی انصاری

۳۔عروۃ بن غزیہ دثینی

۴۔مستنیر بن یزید نخعی

ہم نے حدیث اور رجال اور تاریخ کی کتابوں میں تحقیق کرنے کے بعد جان لیا کہ یہ سب افراد سیف کے جعلی راوی ہیں اور حقیقت میں ان کا کہیں وجود ہی نہیں تھا۔

ثانیاً: اسود عنسی کی داستان کی جن روایتوں کو سیف نے اپنے جھوٹے روایوں سے نقل کیا ہے، مندرجہ ذیل مؤرخین نے انھیں ان سے لے کر اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے:

۱۔طبری نے سند کے ذکر کے ساتھ۔

۲۔ذہبی نے ''تاریخ اسلام'' میں سیف تک سند کے ذکر کے ساتھ۔

۳۔ابن اثیر نے ''الکامل'' میں۔

۴۔ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ میں۔

موخر الذکر دو مورخین نے اسود عنسی کی داستان کے بارے میں سیف کی روایتوں کو طبری سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

۵۔سمعانی نے ''انساب'' میں ان روایتوں کے ایک حصہ کو درج کیا ہے۔

۶۔ابن اثیر نے ان روایتوں کو ''لباب'' میں درج کیا ہے لیکن یہاں پر سمعانی سے نقل کرتا اور اس کی سند کو سیف تک پہنچاتا ہے۔

۷۔حموی نے ''معجم البلدان'' میں ان روایتوں کے ایک حصہ کو سند کے بغیر درج کر دیا ہے۔

جواہرات کی ٹوکری اور حضرت عمر کا معجزہ

لست ادری ما ذا قصد واضع هذا الخبر

میں نہیں جانتا کہ اس جھوٹی داستان کو جعل کرنے
والے کا مقصود کیا ہے؟

مولف

ہم نے گزشتہ فصلوں میں کہا کہ سیف کی خرافات پر مشتمل داستانیں دو قسم کی ہیں: ان میں سے ایک حصہ کو سیف نے خود جعل کیا ہے اور اس کا دوسرا حصہ ان جعلی داستانوں پر مشتمل ہے کہ جس میں دوسروں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا ہے۔ ہم نے سیف کی ان داستانوں کے نمونے گزشتہ پانچ فصلوں میں پیش کئے، جنہیں سیف نے خود جعل کیا ہے۔ اب اس فصل میں خرافات پر مشتمل اس کی ان داستانوں کے سلسلہ کو پیش کریں گے جن کے جعل کرنے میں دوسروں نے بھی سیف کا ہاتھ بٹایا ہے پھر یہ داستانیں تاریخ اسلام اور مسلمانوں کے عقائد میں داخل ہوئی ہیں، جیسے مندرجہ ذیل داستان:

سیف کہتا ہے:

خلیفۂ دوم عمر بن خطاب نے ''ساریہ بن زنیم دئلی'' کو ''فسا'' اور ''داراب'' کے شہروں کی طرف روانہ کیا، ساریہ کے سپاہیوں نے ان دو شہروں کے باشندوں کو اپنے

محاصرہ میں لے لیا۔ ایرانیوں نے اطراف واکناف میں خبر دی اور دیہات وقصبوں کے لوگوں سے مدد طلب کی، لوگ ہر طرف سے ان کی طرف مدد کو آ گئے اور اس طرح ایک عظیم فوج جمع ہوگئی اور ساریہ کے سپاہیوں کو اپنے بیچ میں قرار دیا۔ خلیفۂ دوم عمر مدینہ میں نماز جمعہ کے خطبے پڑھنے میں مشغول تھے، وہاں سے جب انھوں نے فسا میں ساریہ کے سپاہیوں کے حالات کا مشاہدہ کیا۔ تو وہیں سے ان کی طرف خطاب کیا: ''یا ساریۃ بن زنیم الجبل، الجبل'' اے ساریہ! پہاڑ کی طرف پناہ لے لو۔ پہاڑ کی طرف، فسا میں مسلمانوں نے مدینہ سے عمر کی آواز سنی ۔ وہ ایک پہاڑ کے کنارے پر پناہ گزیں تھے کہ اگر اس پہاڑ میں پناہ لیتے تو دشمن صرف ایک طرف سے ان پر حملہ کر سکتا تھا۔ مسلمان سپاہیوں نے بھی عمر کی آواز سن کر اسی پہاڑ میں پناہ لے لی اور وہاں سے ایرانیوں پر حملہ کیا اور انھیں شکست دیدی ساریہ نے اس جنگ میں کافی مقدار میں مال غنیمت پر قبضہ کیا کہ ان میں گراں قیمت جواہرات سے بھری ایک ٹوکری بھی تھی۔ ساریہ نے سپاہیوں سے درخواست کی کہ جواہرات بھری یہ ٹوکری خلیفہ کو بخش دیں۔ سپاہیوں نے اس کی موافقت کی ساریہ نے اس ٹوکری کو فتح کی نوید اور خبر کے ساتھ اپنے ایک سپاہی کے ذریعہ عمر کے یہاں بھیج دیا۔ وہ شخص خلیفہ کی مجلس میں اس وقت پہنچا جب دستر خوان بچھا ہوا تھا اور ایک گروہ کو کھانا کھلایا جا رہا تھا۔ ساریہ کا قاصد بھی خلیفہ کے حکم سے ان سے جا ملا، جب انہوں نے کھانا کھا

لیا تو خلیفہ اٹھ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، ساریہ کا قاصد بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا، عمر جب گھر پہنچے تو اس کیلئے دوپہر کا کھانا لایا گیا جو خشک روٹی، روغن زیتون اور نمک پر مشتمل تھا، عمر نے اپنی بیوی ام کلثوم سے کہا:

کیا کھانا کھانے کیلئے ہمارے پاس نہیں آؤ گی؟

ام کلثوم نے کہا: میں آپ کے پاس ایک اجنبی مرد کی آواز سن رہی ہوں۔

عمر نے کہا: جی ہاں، ایک اجنبی مرد میرے پاس بیٹھا ہوا ہے۔

ام کلثوم نے کہا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں مردوں کے پاس آجاؤں، تو میرے لئے بہتر اور مناسب لباس فراہم کریں۔

عمر نے کہا؛ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ ام کلثوم علی کی بیٹی اور عمر کی بیوی ہے؟ ام کلثوم نے کہا: یہ کوئی ایسا فخر نہیں ہے جو مجھے خوشنود یا سیر کرے عمر نے ساریہ کے قاصد سے کہا؛ سامنے آجاؤ اور کھانا کھاؤ، اگر وہ مجھ سے راضی ہوتی تو یہ کھانا اس سے بہتر ہوتا۔

سیف کہتا ہے: دونوں کھانا کھانے میں مشغول ہوئے، جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا: میں آپ کے لشکر کے کمانڈر ساریہ کا قاصد ہوں۔

عمر نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے بہت نزدیک بٹھایا اس کے بعد لشکر کے بارے میں اس سے حالات پوچھے ساریہ کے قاصد نے مسلمانوں کی فتح و کامیابی کی خبر خلیفہ کو سنادی اور جواہرات کی ٹوکری کی روداد سے بھی انھیں آگاہ کیا۔ عمر نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کے ساتھ تند کلامی کرتے

ہوئے بولے: ان جواہرات کو واپس لے جاؤ اور سپاہیوں کے درمیان تقسیم کر دو...

سیف نے ایران کے شہر ''فسا'' اور ''داراب'' کی فتح کی داستان کو دو مختلف سندوں سے نقل کیا ہے ان میں جواہرات کی ٹوکری کی روداد کو ساریہ سے منسوب کیا ہے۔

سیف نے جواہرات کی داستان کو سلمۃ بن قیس شجعی کی کردوں کے ساتھ جنگ میں بھی ذکر کیا ہے لیکن اس روایت میں جواہرات بھیجنے کی داستان کو سلمۃ سے منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ سلمۃ بن قیس نے ان جواہرات کو کردوں سے غنائم کی صورت میں حاصل کر کے عمر کو تحفہ کے طور پر بھیجا ہے۔

دوسری روایت کو طبری نے سیف سے نقل کیا ہے اور طبری سے بھی ابن کثیر نے نقل کر کے اپنی کتاب میں درج کیا ہے فیروز آبادی نے بھی '' قاموس'' میں اور زبیدی نے ''تاج العروس'' میں اسے لغت ''سری'' کی تشریح میں سند کے ذکر کے بغیر درج کیا ہے۔

داستان کے متن کی جانچ پڑتال

یہ تھا سیف کی روایت کے مطالب جنگ ساریہ اور صندوق جواہرات کی داستان کا خلاصہ اس داستان کو دوسرے مؤرخین نے بھی دیگر اسناد کے ساتھ درج کیا ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیا اصل داستان کو سیف نے جعل کیا ہے اور دوسروں نے اس سے اقتباس کر کے سیف کی اسناد کے علاوہ دوسری اسناد اس میں اضافہ کی گئی ہیں یا یہ کہ اصل داستان کو دوسروں نے جعل کیا ہے اور سیف نے ان

سے اقتباس کر کے ان پر بعض اسناد کا اضافہ کیا ہے؟

بہر حال ہم اس داستان کی سند اور اس کے وجود میں آنے کی کیفیت پر تحقیق کرنا نہیں چاہتے اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اس کی تاریخ پیدائش اور اشاعت پر بحث کریں کیونکہ ان دو موضوعات پر بحث و تحقیق انتہائی طولانی اور تھکا دینے والی ہوگی۔

بلکہ ہم اس داستان کو متن کے لحاظ سے تحقیق کرنا چاہتے ہیں جو نکات اس داستان میں بیان ہوئے ہیں ان پر بحث و تحقیق کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ اس داستان کا متن اس کے جھوٹے ہونے کا ایک رسوا کنندہ اور مستحکم شاہد ہے پھر ایسی مضبوط دلیل اور واضح گواہ ہوتے ہوئے دوسرے دلائل کی ضرورت ہی نہیں ہے

ملاحظہ ہو متن داستان:

ا۔اس داستان میں آیا ہے: جب عمر مدینہ میں نماز جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔اچانک ان پر حقیقت کشف ہوئی اور شہر مدینہ سے شہر فسا میں اپنے سپاہیوں کی خطرناک حالت کو مشاہدہ کیا اور ان کی اتنی دوری سے ان کی رہنمائی کی اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی ہدایت کی۔عمر کی آواز سپاہیوں کے کانوں تک پہنچ گئی انہوں نے اس کے حکم کے مطابق پہاڑوں میں پناہ لے لی اور مورچے سنبھالے اور قطعی و حتمی شکست سے بچ گئے اور ایک بڑی فتح و کامیابی حاصل کی۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر پروردگار کی اپنے نیک بندوں سے رسم و روش ایسی تھی تو اس خلیفہ کو "پل

ابوعبید'' کی روداد میں کیوں آگاہ نہیں نہ کیا تا کہ وہ اپنے لشکر کو اس پل سے گزرنے نہ دیتا اور اتنی بڑی شکست سے دوچار ہونے سے بچالیتا۔

کیوں جنگ احد میں خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو آگاہ نہیں کیا کہ جن تیر اندازوں کو محافظت کے لئے مقرر کیا تھا انھیں اپنی ماموریت کی جگہ پہاڑ کے درہ کو خالی کرنے نہ دیتے تا کہ مشرکین کے سپاہی مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر سکتے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو وہ نا قابل تلافی شکست و ہزیمت اٹھانا پڑی اور مسلمانوں کے بہت سے افراد کو تہہ تیغ کیا گیا؟

۲۔ مزید ہم کہتے ہیں کہ جو شخص قاصد کی حیثیت سے عمر کی طرف روانہ ہوا تھا اس نے کس طرح اس فتح و کامرانی کی خبر کو اتنی مدت تک تاخیر میں ڈال دیا اور یہ نوید خلیفہ کو نہ پہنچائی تا کہ کھانا کھانے کی روداد تمام ہوئی اور اس کے بعد پورے راستے میں خلیفہ کے ہمراہ ان کے گھر تک اس سلسلہ میں کچھ کہا اور خلیفہ کے گھر میں بھی لب کشائی نہیں کی یہاں تک دوسری بار کھانا کھانے سے فارغ ہوا اس کے بعد اپنے آپ کو پہچنوایا...

جی ہاں، کیسے اور کیوں اس قاصد نے اتنی اہم خبر کو اس طولانی مدت تک تاخیر دیتا رہا؟ اور اس مدت کے دوران اس کا اونٹ کہاں پر تھا، جس پر جواہرات کی ٹوکری لادی ہوئی تھی؟

۳۔ ہم پوچھتے ہیں: سیف کے کہنے کے مطابق جواہرات کو تحفہ کے طور پر عمر کو بھیجنے والا کمانڈر کون تھا؟

۴۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جنگ کن کے ساتھ تھی، ایرانیوں سے یا کُردوں سے؟ اگر کُردوں

سے تھی تو کس جگہ پر اور کس علاقہ میں تھی؟

۵۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کس طرح خلیفہ نے اپنی بیوی ام کلثوم سے مطالبہ کیا کہ آ کر ایک نا محرم کے ساتھ بیٹھے اور اس کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھائے؟

کیا ام کلثوم نے خلیفہ کی درخواست اس لئے منظور نہیں کی کہ اس کے لباس نئے اور مردوں کی بزم کے مناسب نہیں تھے؟ جبکہ خداوند عالم فرماتا ہے: ''عورتیں یہ حق نہیں رکھتی ہیں کہ اپنی زینت مردوں کو دکھائیں مگر یہ کہ اپنے شوہر یا ماں باپ اور اولاد کو'' کیا مدینہ پیغمبران دنوں مرد و زن کے اختلاط کے لحاظ سے آج کل کے ہمارے شہروں کے مانند تھا اور خلیفہ بھی آج کے زمانے کے مردوں کی طرح تھے کہ اپنی بیوی کو نامحرموں کی محفلوں میں شرکت کی اجازت دیتے اور ان کی بیوی بھی مردوں کی محفلوں میں خودنمائی اور خودآرائی کرتی؟ کیا اس زمانے میں مدینہ منورہ میں کوئی مرد اپنی بیوی سے متعلق اس قسم کا کام نجام دیتا تھا؟

ہم نہیں جانتے اس داستان کو جعل کرنے والے کا مقصد کیا تھا؟ البتہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ اس قسم کی خرافات اور جھوٹ پر مشتمل داستانیں جعل کر کے انھیں مسلمانوں کے اعتقادات میں داخل کرنا چاہتا تھا تا کہ اس طرح مسلمانوں کو ان کے عقائد میں سست اور متزلزل کر سکے منتھی اس نے تاریخ نویسی، سیرت اور اصحاب پیغمبر کے حالات بیان کر کے اپنے اس مقصد کی طرف قدم بڑھایا ہے، کیونکہ اس قسم کی تاریخ اور سیرت جیسے خلیفہ کے زہد وتقوی کی داستان، قدرتمندوں اور صاحبان اقتدار کے فضائل و معجزے سننا اکثر لوگوں کیلئے خوش آئند اور لذت بخش ہے، اور اس طرح اسے قبول

کرنا ان کیلئے آسان ہوتا ہے۔

اس داستان کے بارے میں دانشوروں کا طریقہ کار:

گذشتہ دانشوروں کی کتابوں کے مطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض علماء اس داستان کے جعلی اور جھوٹی ہونے کے بارے میں متوجہ ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے نظریات کو واضح طور پر بیان کر چکے ہیں اب ہم ان میں سے بعض نمونے حسب ذیل بیان کرتے ہیں:

ا۔ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اس داستان کو نقل کیا ہے لیکن خلیفہ کی اپنی بیوی سے ایک اجنبی مرد کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھانے کی گفتگو کی روداد جو ساریہ اور مسلمہ کی خبر میں آئی ہے کو حذف کیا ہے جبکہ داستان کا یہ حصہ اس افسانہ کا شاہکار ہے جو اس داستان کو جعل کرنے والے کا بنیادی مقصد تھا۔

۲۔ابن حزم ''جمہرۃ الانساب'' میں جب بنی الدیل کے شجرہ نسب پر پہنچتا ہے تو کہتا ہے:

''ساریہ بن زنیم''...اور یہ وہی ساریہ ہے جس کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ عمر نے اسے مدینہ سے پکارا اور اس نے ایران کے ''فسا'' میں عمر کی آواز سنی ،لیکن یہ مطلب بہت بعید ہے میری نظر میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے،اور صحت سے کوسوں دور ہے۔

۳۔سیف اس داستان میں کہتا ہے:''جنگ دارابجرد'' میں مسلمانوں کے ہاتھ جواہرات کی ایک ٹوکری ہاتھ آئی ،اسے تحفہ کے طور پر خلیفہ کی خدمت میں بھیجا گیا ،لیکن دوسرے مؤرخین کے بیان

میں یہ داستان دوسری صورت میں ذکر ہوئی ہے۔مثال کے طور پر:

بلاذری ''فتوح البلدان'' میں کہتا ہے: خلیفہ دوم نے، جنگ نہاوند میں جنگی غنائم کی سرپرستی ''سائب بن اقرع'' کو سونپی، اس نے بھی غنائم کو جمع کیا اور انھیں جنگ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں میں تقسیم کیا۔سائب نے نہاوند میں غنائم تقسیم کرنے کے بعد ایک خزانہ پایا۔اس خزانہ میں جواہرات سے بھری دو ٹوکریاں تھیں ان دونوں ٹوکریوں کو غنائم جنگی کے خمس کے ساتھ خلیفہ عمر کے پاس لے گیا، ان کے پیدا ہونے کی تفصیلات خلیفہ کو بتائی، خلیفہ نے کہا: انھیں بازار میں بیچ کر اس کے پیسے محاذ جنگ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں میں تقسیم کردو۔سائب ان جواہرات کو بازار کوفہ میں لے گیا اور عمرو بن حریث کو فروخت کیا اور اس کے پیسے محاذ جنگ میں شرکت کرنے والے سپاہیوں میں تقسیم کیا[1]

اسی روداد کے مانند دینوری نے ''اخبار الطّوال'' میں اور اعثم نے اپنی ''فتوح'' میں نقل کیا ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ سائب نے جنگ نہاوند میں پائے جانے والے جواہرات کی ان دو ٹوکریوں کو ان اموال میں محسوب کیا ہے کہ جو حملہ اور جنگ کے بغیر انہیں حاصل کیا گیا ہو اور یہ غنائم کا جزء نہیں ہے کہ انھیں غنائم کے خمس کے ہمراہ خلیفہ عمر کو بھیجا ہوگا۔لیکن عمر نے اسے غنائم جنگی محسوب کر کے محاذ جنگ میں شرکت کرنے والے سپاہیوں کیلئے واپس بھیج دیا۔لیکن، سیف کہتا ہے کہ یہ جواہرات جنگ فسا میں، جنگ و غلبہ کے دوران مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اور مسلمانوں نے انھیں اپنے کمانڈر کے حکم سے تحفہ کے طور پر خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیا نہ اس صورت میں کہ یہ خلیفہ وقت

سے مخصوص تھے۔

یہ تھا، مؤرخین کی روایتوں کے مطابق جواہرات کے ایک صندوق یا دوصندوقوں کی داستان کا خلاصہ جو سیف کی روایتوں سے کسی قسم کی مطابقت نہیں رکھتا ہے۔

۴۔ سیف کہتا ہے کہ ایک اہم جنگ چھڑ گئی اور مسلمان اس جنگ میں فاتح ہوئے اس وقت مسلمانوں کے لشکر کا کمانڈر ساریۃ بن زنیم تھا۔

لیکن بلاذری ''فتوح البلدان'' میں کہتا ہے کہ اولاً: ''دارابجرد'' میں کوئی جنگ ہی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ جگہ وہاں کے لوگوں کے ہتھیار ڈالنے اور صلح کے ذریعہ فتح ہوئی ہے اور اس کا فاتح بھی عثمان بن ابی العاص ثقفی تھا نہ ساریۃ بن زنیم اور مسلمانوں کے لشکر کا سپہ سالار بھی ابوموسیٰ اشعری تھا نہ ابن زنیم۔

چھان بین اور موازنہ کا نتیجہ

۱۔ ''فسا'' اور ''دارابجرد'' ساریہ کے ہاتھوں فتح نہیں ہوئے ہیں، بلکہ ان دوشہروں کا فاتح عثمان بن ابی العاص تھا۔ اور اس جنگ میں سپہ سالار اعظم ابوموسی اشعری تھا۔

۲۔ جواہرات کے صندوق کو ساریہ یا سلمۂ اشجعی نے خلیفہ کے یہاں نہیں بھیجا ہے، بلکہ اسے جنگ نہاوند میں مسلمانوں کے کمانڈر سائب بن اقرع خلیفہ کے پاس لے گیا ہے۔

۱۔ سائب قبیلہ ثقیف سے ہے وہ ایک نوجوان تھا اپنی والدہ ملیکہ کے ساتھ مدینہ میں پیغمبر خدا کے حضور پہنچا، پیغمبرؐ نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور اس کے حق میں ایک دعا کی، سائب پیغمبرؐ کے بعد اصفہان کا گورنر بنا اور آخر تک وہیں تھا یہاں تک کہ وفات پائی (اسد الغابہ: ، ج۲/ ۲۴۹ والاصابہ، ۲: /۸)

۳۔ جوہرات کے اس صندوق کیلئے سپاہیوں میں سے کسی نے خلیفہ کیلئے درخواست نہیں کی ہے بلکہ یہ ایک خزانہ تھا جو نہاوند میں ہاتھ آیا تھا جسے غنائم جنگ پر مامور سائب نے غنائم کے خمس کے طور پر مدینہ میں خلیفہ کے پاس لے گیا۔ اس لحاظ سے نہ سلمہ نے کسی قاصد کو جواہرات کے ساتھ مدینہ بھیجا ہے اور نہ فتح فسا اور دارابجرد میں ساریہ موجود تھا تاکہ کسی قاصد کو مدینہ بھیجتا اور خلیفہ بھی آرزو کرتا کہ اس کی بیوی ام کلثوم سلمۃ یا ساریہ کے قاصد کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھائے۔

اور اسی طرح اس داستان کے باقی حصہ میں بھی مذکورہ حصہ کی طرح ضعف و جھوٹ کی کمی نہیں ہے اسی لئے بعض مورخین اس داستان کے افسانوی اور جھوٹی ہونے کے بارے میں متوجہ ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک نے اس داستان کے ایک حصہ کو حذف کیا ہے اور ایک دوسرے مؤرخ نے اس کے ایک حصہ کو بعید جان کر اسے نادرست بتایا ہے۔

لیکن جو بھی ہو یہ افسانہ تاریخ، حدیث اور لغت کی کتابوں میں اپنی جڑ مضبوط کر کے آج تک وسیع پیمانے پر پھیل کر شہرت حاصل کر چکا ہے اور اس قسم کے افسانوں کی شہرت اور اشاعت کا محرک یہ تھا کہ اسکو جعل کرنے والے نے داستان سرائی میں عجیب چالا کی اور مہارت سے کام لیا ہے اور جو کچھ جعل کیا ہے اسے خلیفہ کے زہد و فضیلت کو تشہیر کرنے کے لفافے میں بند کر کے اصحاب کی مدح و تعریف کا لباس پہنا کر تاریخ کے بازار میں پیش کیا ہے تاکہ بیہودہ اور متعصب افراد کے لئے پسندیدہ اور خوش آئند ہو اور اسی افراط اور حد سے زیادہ محبت کی وجہ سے ان کی سند کا ضعف اور متن کی کمزوری، حتی قرآن مجید کی صریح آیات کی مخالفت ہونے سے بھی چشم پوشی کر کے دل کھول کر ان کے استقبال

کیلئے آگے بڑھیں اور انھیں اپنی کتابوں میں درج کر کے تاریخ اسلام کے حقیقی حوادث کے طور پر شائع کریں۔

خلاصہ اور نتیجہ..

ہم نے کتاب کے اس حصہ میں سیف کی جھوٹی داستانوں کے کئی نمونوں کے بارے میں بحث و تحقیق کی اور انھیں متن اور سند کے لحاظ سے جانچ پڑتال کر کے دوسرے مورخین کی روایتوں کے ساتھ تطبیق اور موازنہ کیا۔ اس پوری بحث و تحقیق کا نتیجہ حسب ذیل صورت میں حاصل ہوا کہ سیف کی روایتوں کے مطابق:

۱۔ خالد نے مہلک اور خطرناک زہر کو ایک دفعہ نگل لیا، لیکن اس زہر نے خالد پر کسی قسم کا اثر نہیں کیا۔

۲۔ شہر حمص کے مکانات مسلمانوں کی تکبیر کی آواز سے منہدم ہو گئے اور در و دیوار گر کر زمین بوس ہو گئیں۔

۳۔ صاف نامی ایک صحابی ــ جو وہی دجال معروف ہے ــ نے شہر شوش کے قلعہ کے دروازے پر ایک لات ماری اور اس کی زنجیریں اور قفل ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے اور شہر کا دروازہ مسلمانوں کے لئے کھل گیا۔

۴۔ جھوٹے پیغمبر اسود عنسی کا ایک شیطان تھا جو حقیقی پیغمبروں کے فرشتہ کے مانند اسے وحی کرتا تھا اور اسے غیبی اسرار کے بارے میں آگاہ کرتا تھا اور وہ اس کی وجہ سے غیر معمولی کام انجام

دیتا تھا۔

۵۔عمر نے اپنے فوجی سپہ سالار کو جو ایران کے ''دارابجرد'' نامی مقام پر تھا مدینہ سے پکارا اور اس کی جنگی پالیسی کے لحاظ سے راہنمائی کی جو مسلمانوں کی فتحیابی کا سبب بنا۔

۶۔عمر اپنی بیوی کو حکم دیتے ہیں کہ ایک نامحرم اور اجنبی مرد کے ساتھ ہم دستر خوان ہو جائے تو وہ نئے لباس نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے انکار کرتی ہے۔

لیکن یہ سب مطالب جھوٹ اور بے بنیاد ہیں اور افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہیں کہ افسانہ نویس سیف نے انھیں جعل کیا ہے اور اصحاب پیغمبر کی مدح وفضیلت کے عنوان سے مسلمانوں کے اختیار میں پیش کیا ہے اور سادہ لوح ومتعصب افراد جو اس قسم کی جھوٹی داستانوں کو اپنے اسلاف اور ان داستانوں کے سورماؤں کے لئے ایک فضیلت سمجھتے ہیں لہذا انھوں نے حرص وطمع اور انتہائی دلچسپی کے ساتھ سیف سے نقل کر کے ان کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی ہے جبکہ وہ زندیق اور کافر سیف کے خطرناک مقاصد کے بارے میں متوجہ نہیں ہوئے ہیں کہ وہ ان افسانوں کو جعل کر کے خرافات اور جھوٹ کو اسلام کے اصلی عقائد میں شامل کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کو توہم پرست اور تنگ نظر دیکھانا چاہتا ہے تا کہ انھیں بیوقوف اور احمق ثابت کرے، پیغمبروں کی وحی اور ان کے معجزات کا مذاق اڑائے ،لوگوں کو اس قسم کے مسائل کے بارے میں بدظن اور بے تعلق بنا دے، ورنہ وہ اس کے علاوہ کونسا محرک رکھتا تھا جس کے پیش نظر شہر شوش کے دروازہ کے قفل کو توڑنے کے لئے دجال اور اس کے فرمان سے مستند بنائے؟ اور جھوٹے پیغمبری کا دعوی کرنے والے اسود عنسی سے نسبت دے کہ

فرشتہ (شیطان) اسے وحی کرتا اور اسے غیبی اسرار سے آگاہ کرتا تھا، اور وہ اس کے ذریعہ غیر معمولی کام اور معجزے انجام دیتا تھا، اس حالت میں اس جھوٹے پیغمبر جسے شیطان خبر دیتا تھا اور ایک حقیقی پیغمبر جسے فرشتہ خبر دیتا تھا کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیونکہ یہ دونوں خبر لانے والے کو فرشتہ کہتے ہیں اور اپنی اطلاعات کو اسی سے مستند کرتے ہیں۔

اس نے کس مقصد کے پیش نظر عمر کو یہ نسبت دی ہے کہ وہ چاہتا تھا کہ اپنی بیوی کو ایک نامحرم اور اجنبی مرد کے سامنے لاکر اسے دکھائے اس میں اس کے علاوہ کوئی اور علت نہیں تھی کہ وہ مسلمانوں کے عقیدہ کو متزلزل اور مخدوش کرنا چاہتا تھا اور اس طرح دین مخالف مطالب کو ان کے دین و مذہب کے ساتھ ممزوج کرنا چاہتا تھا۔

حیوانوں کے فصیح عربی زبان میں گفتگو کرنے میں اس کا مقصود کیا تھا؟ کہ وہ کہتا ہے: ''بکیر'' نے اپنے معروف گھوڑے ''اطلال'' سے کہا: چھلانگ لگاؤ ندی کے اُس پار اے میرے اطلال! گھوڑے نے فصیح عربی زبان میں کہا؛ سورہ بقرہ کی قسم میں نے چھلانگ لگائی یا کہتا ہے کہ: عاصم نے چرواہے سے گائے کے بارے میں سوال کیا، اس نے جواب دیا: میں نے یہاں پر کوئی گائے نہیں دیکھی کچھار میں موجود گائے نے بولتے ہوئے فصیح عربی زبان میں کہا: خدا کی قسم اس دشمن خدا نے جھوٹ بولا ہے،ہم یہاں پر موجود ہیں''

سیف کا ان افسانوں اور اس قسم کے دسیوں افسانوں کو جعل کرنے میں کیا مقصد تھا کہ اس نے انہیں روایتوں میں بیان کیا ہے اور اس طرح ان کو مسلمانوں کے عقائد میں شامل کیا ہے؟

وہ اس افسانہ سازی سے اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں رکھتا تھا کہ مسلمانوں کے عقائد میں تشویش اور تخریب پیدا کرے اور انھیں توہم پرست اور تنگ نظر ثابت کرے، ان کی عقل ودین پر ڈاکا مارے اور اس تمام راہ میں صرف محرک اس کا کفروزندقہ ہوناتھا۔

سیف نے جعل وتحریف کی اس مقدار پر اکتفانہیں کیا ہے بلکہ اس کے علاوہ تاریخ اسلام کے مختلف حوادث میں بہت سے ناموں میں تغیر وتحریفات کیں اور جعلیات بھر دئے ہیں اور ایک نام کو دوسرے نام میں بدل دیا ہے اس طرح تاریخ کے واضح حقائق کوتاریک اور نامعلوم بنا کے رکھ دیا ہے ان ہی تغیرات اور تبدیلیوں کی وجہ سے گزشتہ کئی صدیوں سے دانشمندوں اور محققین کیلئے یہ حوادث نامفہوم اور نامعلوم بن کر رہ گئے ہیں کہ اس کی صحیح تشخیص دینے میں مغالطہ سے دوچار ہوئے ہیں اور بہت سے اسلامی حقائق ان کیلئے غیر واضح رہے ہیں ہم اس قسم کے تحریفات اور تغییرات کے نمونے آنے والی فصل میں بیان کریں گے۔

اس حصہ سے مربوط مطالب کے مآخذ

۱۔ داستان صلح حیرہ اور خالد کے زہر کھانے کی روداد سے متعلق مآخذ:

۱۔ صلح حیرہ، خالد کا زہر کھانے اور ''عبد المسیح بن عمرو'' کا نام تبدیل ہوکر ''عمرو بن عبد المسیح'' ہونا سیف کی نقل کے مطابق۔

تاریخ طبری: ج ۱ /ص ۲۰۳۹/ ۲۰۴۴۔ ۲۰۴۴، ۲۱۹۷، ۲۲۵۵، ۲۲۵۶ اور ۲۳۸۹،

۲۔ صلح حیرہ، زہر کھانے کی روداد اور نام کی تبدیلی کے بغیر، کلبی کی نقل کے مطابق:

تاریخ طبری: ج ۱ /ص ۲۰۱۹/

۳۔ صلح حیرہ، زہر کھانے کی روداد اور نام کی تبدیلی کے بغیر،

فتوح البلدان بلاذری، ۲۵۲۔

۴و۵۔ صلح حیرہ میں خالد سے گفتگو کرنے والے کا نام ''عبد المسیح بن عمرو'' تھا نہ ''عمرو بن عبد المسیح'' انسان ابن کلبی نسب قحطان کی تشریح میں اور ''جمہرۃ الانساب'' ابن حزم: ۳۵۴۔

۶۔ صلح حیرہ، خالد کے زہر کھانے کے افسانہ کے ساتھ اور نام کی تبدیلی سیف کی نقل کے مطابق:

تاریخ ابن اثیر، طبع منیریہ ۲/ ۲۶۶

۷۔ خالد کے زہر کھانے کا افسانہ، تاریخ ابن کثیر، : ۶/ ۳۴۶،

۲۔عمر کے بارے میں پیغمبر کی بشارتوں کی داستان کے مآخذ

الف: روایات سیف:

۱۔تاریخ طبری:۱/۲۵۸۶،۱۵ھ کے حوادث میں۔

۲۔تاریخ طبری:۱/۲۳۹۷۔۲۴۱۱،۱۵ھ کے حوادث میں۔

۳۔تاریخ ابن اثیر:۲/۳۸۷۔۳۸۹،۱۵ھ کے حوادث میں۔

۴۔تاریخ ابن کثیر:۷/۴۵۔۵۸،۱۵ھ کے حوادث میں۔

۵۔تاریخ ابن خلدون:۲/۳۳۶۔

۶۔اصابہ ابن حجر:۲/۲۰۸

ب: بیت المقدس کے بارے میں دوسروں کی روایتیں:

۱۔تاریخ خلیفہ ابن خیاط:۱/۱۰۵،۱۶ھ کے حوادث میں۔

۲۔فتوح البلدان بلاذری ۱/۱۶۴ حوادث فلسطین کی فصل میں۔

۳۔تاریخ یعقوبی:۲/۱۴۷،دوران عمر کے حوادث میں۔

۴۔فتوح اعثم:۱/۲۸۹۔۲۹۶

۵۔معجم البلدان: تراجم بلدان کے حصہ میں،

ج۔شمشیر بازوں کے بارے میں دوسروں کی روایتیں

۱۔کتاب اموال ابی عبید؛۱۵۳ (فصل اہل صلح کو اپنے مال پر چھوڑنا چاہے)

۲۔فتوح البلدان، بلاذری ۱۶۵ فصل (حوادث فلسطین)

د۔بیت المقدس کی صفائی کے بارے میں دوسروں کی روایتیں:

۱۔کتاب اموال ابی عبید؛۱۴۸ فصل (اہل ذمہ کو مسلمانوں کی طرف سے امان دینا)

۲۔کتاب اموال ابی عبید:۱۵۴ فصل (اہل صلح کو اپنے حال پر چھوڑنا چاہئے)

۳۔داستان شہر حمص کے مآخذ

۱۔داستان شہر حمص کے بارے سیف کی تین روایتیں

تاریخ طبری ۱۵ھ کے حوادث میں ۲۳۹۱/۱

۲۔حمص کے باشندوں کی صلح کی روداد:

فتوح البلدان، بلاذری،:۱۳۷

۳۔حمص کے لوگوں کے پاؤں کٹ جانے کی روداد کے بارے میں قشیری کی روایتیں

تاریخ طبری:۲۱۵۴/۱ و ۲۳۹۱، ۲۳۹۵، ۲۷۹۶، ۲۵۳۳،

۴۔شہر حمص کے درودیوار گر جانے کی داستان:

تاریخ ابن اثیر، طبع منیریہ، ۳۴۱/۲،

۵۔شہر حمص کے درودیوار گر جانے کی روداد

تاریخ ابن کثیر: ۷/ ۵۳

۴۔ داستان فتح شوش کے مآخذ

۱۔ تاریخ طبری: ۱/ ۲۵۶۴۔ ۲۵۶۵

۲۔ تاریخ ابن اثیر، ۲/ ۳۸۶،

۳۔ تاریخ ابن کثیر: ۷/ ۸۸

۴۔ تاریخ طبری: ۱/ ۲۵۶۲۔

۵۔ ابوموسی کی شوش کے باشندوں سے جنگ:

فتوح البلدان بلاذری: ۳۸۶

۶۔ ابوموسی کی شوش کے باشندوں سے جنگ:

اخبار الطّوال، دینوری، ۱۳۲۔

۷۔ شوش کے باشندوں سے ابوموسی کی صلح:

تاریخ ابن خلیفہ: ۱۱۱

ابن صائد ابن صیاد معروف بہ دجال فاتح شوش کا افسانہ درج ذیل مآخذ میں آیا ہے۔

۸۔ صحیح بخاری: ۱/ ۱۶۳، ۲/ ۶۷، ۴/ ۵۳

۹۔ صحیح مسلم: ۸/ ۱۸۹۔ ۱۹۴،

۱۰۔ سنن ابی داؤد: ۲/ ۲۱۸

۱۱۔ سنن ترمذی: ۹۱۱۹

۱۲۔ مسند طیالسی، حدیث: ۸۶۵،

۱۳۔ مسند احمد: ۱/ ۳۰۸، ۴۵۷، و۲/ ۱۴۸، ۱۴۹، و۳/ ۲۶، ۴۳، ۶۶، ۷۹، ۸۲، ۳۶۸، و۴،

۲۸۳، ۴۵/ ۴۹۔۱۴۸،

۵۔ اسود عنسی کی داستان کے مآخذ

۱۔ تاریخ طبری: ۱/ ۱۸۵۳۔۱۸۶۷، ۱۱ھ کے حوادث میں۔

۲۔ تاریخ اسلام، ذہبی، ۱/ ۳۴۲۔۳۴۳،

۳۔ تاریخ ابن اثیر: ۲/ ۲۲۹،

۴۔ تاریخ ابن کثیر: ۶/ ۳۰۷۔۳۱۰،

۵۔ جمہرہ ابن حزم: ۳۸۲،

۶۔ لسان المیزان، ابن حجر: ۳/ ۱۲۲، سہل بن یوسف کے حالات میں۔

۷۔ انساب سمعانی: ۱/ ۲۲۳

۸۔ اصابہ ابن حجر: ۳۱۵۷

۹۔ تاریخ یعقوبی، طبع نجف، ۲/ ۱۰۸،

۱۰۔ البدء والتاریخ: ۵/ ۱۵۴۔

۱۱۔فتوح البلدان بلاذری،طبع سعادت مصر،۱۹۵۹ء/۱۱۳۔۱۱۵۔

۱۲۔معجم البلدان حموی:مادہ ''دثینہ'' میں۔

۶۔جواہرات کی ٹوکری اور اس کے مآخذ

۱۔تاریخ طبری:۱/۲۷۰۰،و۲۷۱۴۔۲۷۲۱

ابن کثیر:۷/۱۳۰۔۱۳۱اور فیروز آبادی نے قاموس میں اور زبیدی نے تاج العروس میں لغت ''سری'' کی تشریح میں

۲۔جمہرہ ابن حزم:۱۷۴۔۲۳۸

۳۔فتوح اعثم،طبع حیدر آباد:۵۹۔۶۲،

۴۔فتوح بلاذری،طبع بیروت ۱۳۷۷ھ،۲/۳۰۲و۳۸۰۔

۵۔تاریخ ابن اثیر،طبع منیریہ،قاہرہ ۱۳۴۹ھ ۲/۲۱و۲۵

۶۔اخبار الطّوال دینوری:طبع اول قاہرہ:۱۳۸

۷۔معجم البلدان،تحت کلمہ''فسا''و''درابجرد''

اسلامی ثقافت میں تحریف ہوئے نام

خالد بن ملجم	بریدہ بن تحسن
معاویہ بن رافع	عبدالمسیح بن عمرو
عمرو بن رفاعہ	شہر بن باذان

خزیمہ بن ثابت　　قیس بن عبد یغوث

سماک بن خرشہ　　عبداللہ بن سبا و حزب سبایان۔

گزشتہ اور آئندہ مباحث پر ایک نظر

سیف نے اپنے تحریف اور مسخ کرنے کے کام کو تاریخ اسلام کے تمام جوانب اور ابعاد میں انجام دیا ہے اور اپنے خطرناک منصوبے کو ہر جہت اور زاوئے سے عملی جامہ پہنایا ہے۔ اسلام کے حقائق کو تہ و بالا کرنے اور ہر چیز کو اس کے خلاف تبدیل کرنے میں اس نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے اور یہ کام انتہائی مہارت اور ایسی ہوشیاری سے انجام دیا ہے کہ دانشوروں اور محققین کیلئے اس کی تحریفات اور تبدیلیوں کی تشخیص دینا انتہائی مشکل اور دشوار بنا دیا ہے۔ جن حقائق کو اس نے مسخ اور الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا ہے ان کا اصلی اور حقیقی قیافہ ابھی بھی دانشوروں اور علماء کیلئے مجہول اور غیر معروف ہے۔

سیف نے اپنی تحریف کے جامع اور وسیع منصوبے کو چند طریقوں سے تاریخ اسلام میں داخل کر دیا ہے:

۱۔ خونین جنگوں کی ایجاد جیسے مرتدین کی جنگیں۔

۲۔ خرافات پر مشتمل افسانے جعل کر کے، مثلاً داستان اسود عنسی

۳۔ افسانوی اشخاص اور اماکن کا جعل کرنا، جیسے طاہر جیسا کمانڈر اور اعلاب جیسی سرزمین

۴۔ احادیث میں ملاوٹ اور انھیں الٹ پھیر کرنا۔

اس نے تاریخ اسلام میں تحریف کر کے اسے حقیقی اور صحیح راہ سے منحرف کر دیا ہے، ہم نے مذکورہ

چہارگانہ تحریفات کی گزشتہ فصلوں میں وضاحت کی ہے اور اس سلسلہ میں قارئین کرام کی خدمت میں کئی نمونے بھی پیش کئے ہیں، اب ہم اس حصہ میں سیف کی تحریف کی پانچویں قسم پر بحث و تحقیق کریں گے:

۵۔سیف نے حدیث کے راویوں، پیغمبر خداؐ کے اصحاب اور وقائع وحوادث کے پہلوانوں کے ناموں کو بدل کر تاریخ کے حقائق کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے اور اس طرح کی تحریفات کے ذریعہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوا ہے۔

سیف ناموں کی تبدیلی کے حصہ میں ـــ کہ اس فصل میں یہی ہمارا موضوع ہے ـــ کبھی معروف اشخاص کے نام کو ایک غیر معروف نام میں تبدیل کرتا ہے، کبھی اشخاص کو اپنی خیالی طاقت سے خلق کرتا ہے، پھر انہیں کسی معروف اور نامور شخص کے نام سے نام گزاری کرتا ہے اور کبھی کسی حدیث میں ذکر ہوئے نام کو نقل کرتا ہے لیکن اسے الٹا اور تبدیل کر کے پیش کرتا ہے باپ کی جگہ پر بیٹے کا نام اور بیٹے کی جگہ پر باپ کا نام رکھتا ہے۔ہم ان تینوں قسم کی تبدیلی کو ایک الگ فصل میں بیان کریں گے اور ان میں سے ہر ایک کیلئے کئی نمونے بھی ذکر کریں گے تا کہ ان نمونوں سے ہر فصل میں سیف کے تمام روایتوں کو پہچاننے کیلئے ایک مضبوط و مستحکم طریقۂ کار معلوم ہو جائے۔

آٹھواں حصہ:

سیف کے ذریعہ اشخاص کے ناموں کی تخلیق اور تبدیلی

- معروف ناموں کو غیر معروف ناموں میں تبدیل کرنا۔
- اصحاب پیغمبرؐ کے ناموں کا ناجائز فائدہ اٹھانا۔
- سیف الٹ پلٹ کرتا ہے۔
- تیسرے حصہ کے مآخذ

معروف ناموں کا غیر معروف ناموں میں تبدیل کرنا

و صحف من اسماء اعلام الاسلام و المسلمین

سیف نے بہت سی معروف اسلامی شخصیتوں کے نام تبدیل کئے ہیں۔

مؤلف

سیف نے بعض احادیث میں اپنے قبیلہ یا خاندان سے تعلق رکھنے والے اپنے محبوب افراد کی مذمت وملامت کا اظہار کیا ہے یا اسی طرح جن افراد کے بارے میں وہ دل میں بغض وعداوت رکھتا تھا ان کی ان احادیث میں مدح وفضیلت کا اظہار کیا ہے، لہذا اس نے اس قسم کی احادیث میں ایسے معروف ونامور اشخاص کے نام کو ایک غیر معروف اور مجہول نام میں تبدیل کر دیا ہے تا کہ اس کے دوستوں کا عیب اور ان کی برائی چھپ جائے یا معروف ونامور اشخاص کی فضیلت ومنزلت پردے میں رہ جائے۔

یہاں پر ہم ان تبدیلیوں کے کئی نمونے پیش کرتے ہیں:

ا۔ خالد بن ملجم

سیف نے امیر المؤمنین علی بن ابیطالب (علیہ السلام) کے قاتل عبد الرحمان بن ملجم کا نام بدل

کر خالد بن ملجم کر دیا ہے، جہاں پر خلیفہ دوم اپنے سپاہیوں کی پریڈ کا مشاہدہ کرنے کی روداد کا ذکر کرتے ہوئے یوں کہتا ہے:

''خلیفہ ایک لشکر کو'' قادسیہ'' روانہ کررہے تھے، لہذا ''صرار''[۱] کے مقام پر اس لشکر کی پریڈ کا اس طرح مشاہدہ کیا کہ سپاہی اس کے سامنے سے گروہ گروہ اور پریڈ کرتے ہوئے گذرتے جارہے تھے، قبیلہ ''سکون''[۲] کا چار سو افراد پر مشتمل گروہ بھی خلیفہ کے سامنے سے گزرا، کہ اچانک خلیفہ کی نظر چند سیاہ فام اور لمبے بال والے جوانوں پر پڑی اور انھوں نے ان سے منہ موڑ لیا، جب وہ دوسری بار خلیفہ کے سامنے سے گزرے تو پھر انھوں نے ان سے منہ موڑ لیا اور یہ روداد تین بار تکرار ہوئی جب ان سے اس روگردانی اور اعراض کے بارے میں سوال کیا گیا۔

انھوں نے جواب میں کہا: میں ان افراد کے بارے میں بدظن ہوں، کیونکہ ان کا چہرہ میرے لئے غیر معروف اور پراسرار لگ رہا ہے اور ان کے بارے میں میرے دل میں عجیب وغریب بغض و عداوت پیدا ہورہی ہے اس کے بعد ان کے بارے میں مکرر ذکر کرتے اور کراہت ونفرت کا اظہار کرتے رہے اور لوگ بھی عمر کے اس قول اور فعل کے بارے میں حیرت اور استعجاب کا اظہار کرتے رہے یہاں تک کہ مستقبل میں اس مطلب کا راز لوگوں پر آشکار ہوا خالد بن ملجم جس نے بعد میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو قتل کیا اور اس کے علاوہ عثمان کے قتل کی حمایت کرنے والے بھی اس گروہ میں موجود تھے''[۳]

۱۔ صرار مدینہ کے نزدیک عراق کے راستہ پر ایک پانی ہے۔
۲۔ سکون خاندان کندہ کا ایک قبیلہ ہے کہ جو قحطان سے محسوب ہوتا ہے ان کا شجرہ نسب سباء بن یشجب تک پہنچتا ہے اور سیف تاریخ اسلام کی تمام برائیاں اور شر وفساد ان کی گردن پر ڈالتا ہے۔
۳۔ تاریخ طبری: ۱/ ۲۲۲۰۔ ۲۲۲۱۔

پھر سیف ۳۵ ھ کے حوادث کے ضمن میں کہتا ہے:

جب سبائیوں کے اکسانے پر مختلف اسلامی شہروں سے عثمان کے پاس شکایتیں پہنچیں تو، اس نے بھی مقامی تحقیقات کیلئے چند اشخاص کو ان شہروں کی طرف روانہ کیا تا کہ حالات کا نزدیک سے جائزہ لے کر خلیفہ کو ان کی اطلاع دیں۔ ان افراد میں عمار یاسر بھی تھے، جنھیں عثمان نے مصر کیلئے مامور کیا تھا بھیجے گئے تمام افراد عمار سے پہلے خلیفہ کے پاس واپس آ کر بولے ہم نے ان شہروں میں کسی بری یا ناخوشگوار چیز کا مشاہدہ نہیں کیا، ان شہروں کے حالات اطمینان بخش ہیں۔ کچھ غیر معروف و خاص لوگ ناراضگی اور شکایت کا اظہار کرتے ہیں نہ عام لوگ اور امراء، ان کے فرمانروا بھی مکمل طور پر لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آتے ہیں لیکن عمار کے مدینہ واپس لوٹنے میں تاخیر ہوئی۔ یہاں تک لوگ ان کے بارے میں فکر مند ہوئے اور انہوں نے گمان کیا کہ انھیں مصر میں قتل کر دیا گیا ہے اسی اثناء میں مصر کے گورنر کا ایک خط مدینہ پہنچا جس میں لکھا تھا، مصر میں ایک پارٹی عمار کو فریب دے کر ان کے اردگرد جمع ہوگئی کہ جن میں عبداللہ بن سوداء اور خالد بن ملجم [1] شامل تھا۔

۳۶ ھ کے حوادث کے ضمن میں کہتا ہے: جنگ جمل کے واقع ہونے سے پہلے، قعقاع بن عمرو [2] نے امیر المومنین علیؑ اور عائشہ، طلحہ وزبیر کے درمیان صلح وصفائی کرانے کیلئے فرد ثالث کا فریضہ نبھانا طرفین نے صلح کرنے کا فیصلہ کیا۔

۱۔ تاریخ طبری: ۱/۲۹۴۴ اور تاریخ ابن اثیر ۳/۱۹۲)

۲۔ قعقاع سیف کا ایک افسانوی اور جعلی سورما ہے، اس نے اسے اپنے خیال میں خلق کیا ہے اس کے بعد اسے پیغمبر خدا کے ایک صحابی کے طور پر پہچنوایا ہے، ہم نے اپنی کتاب ۱۵۰ جعلی اصحاب میں اس کے بارے میں ایک الگ فصل میں وضاحت کی ہے اور جنگ جمل کی روداد کو بھی کتاب ''عائشہ' علی کے زمانے میں'' میں مکمل طور پر بیان کیا ہے

لیکن سبائیوں کا گروہ جیسے: ابن السوداء اور خالد بن ملجم... صلح و آشتی پر راضی نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک خفیہ میٹنگ بلائی اور ایک منصوبہ بنایا تا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کے منصوبہ کو درہم برہم کر کے رکھ دیں اور ان کے درمیان جنگ کے شعلوں کو بھڑکا دیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے اس منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والی صلح کو ایک زبردست خونین جنگ میں تبدیل کر دیا[1]

یہ وہ مطالب ہیں جنہیں سیف نے امیر المؤمنین کے قاتل کے بارے میں نقل کیا ہے اور اسے خالد بن ملجم نام رکھا ہے جب کہ اس کا نام 'عبدالرحمان بن ملجم مرادی'' ہے اور یہ وہی شخص ہے جو فتح مصر میں موجود تھا اور وہاں اپنا گھر بنا چکا تھا، خلیفۂ دوم نے ـــــ اس زمانے میں ـــــ مصر کے گورنر عمر عاص کو اس کے بارے میں یوں لکھا تھا:

''عبدالرحمان بن ملجم کے گھر کو مسجد کے نزدیک قرار دینا تا کہ وہ لوگوں کو قرآن اور دینی مسائل کی تعلیم دے''

پھر جب امیر المؤمنین علیؑ خلافت پر پہنچے، مدینہ کے لوگوں کی بیعت کے بعد، قصبوں کے باشندوں کو بیعت کی دعوت دی[2]

۱۔ تاریخ طبری: ۱/۶ ۳۱۳۶ اور تاریخ ابن اثیر: ۳/ ۱۹۲۔

۲۔ خلفاء کے زمانے میں رسم تھی کہ جو کوئی بھی خلافت پر پہنچتا تھا مرکز کے لوگ اس کی بیعت کرتے تھے اس کے بعد روداد کی صوبوں اور آبادیوں تک اطلاع دی جاتی تھی اور بڑے شہروں کی بعض معروف شخصیتیں وفد کی صورت میں نمائندہ کے طور پر آ کر اپنی اور شہروں کے باشندوں کی طرف سے نئے خلیفہ کی بیعت کرتی تھیں۔

عبدالرحمان بن ملجم نے بھی اسی وقت ان کے پاس آ کران کی طرف دستِ بیعت پھیلایا، لیکن امیر المؤمنین نے اس کی بیعت کو قبول نہیں کیا، وہ دوسری بار آیا تا کہ ان کی بیعت کرے پھر امیر المومنین نے اس کی بیعت قبول نہیں کی یہاں تک تیسری بار اس کی بیعت کو قبول کیا اور کہا:

''کس چیز نے شقی ترین لوگوں کو روکا ہے'' اس کے بعد اپنی داڑھی کو ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا:

''قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں علیؑ کی جان ہے میری یہ داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہوگی''۔

" و الذی نفسی بیده لتخضبن هذه من هذه "[۱]

امیر المؤمنین کی نگاہ جب ابن ملجم پر پڑی تھی تو یہ شعر پڑھ کر گنگنانے لگے:

ارید حیاتـه و یـرید قتلی عذیرک من خلیلک من مراد[۲]

سیف کی روایت کی تحقیق اور بررسی

یہی عبدالرحمان بن ملجم مرادی ہے کہ سیف نے گزشتہ چند روایتوں میں اس کے نام کو تبدیل کر کے خالد بنا دیا ہے۔ اور اس تبدیلی اور تحریف کو اس نے جنگجو اصحاب کے فضائل کی تشہیر کے ضخیم

۱۔ انساب سمعانی: ورقہ ۴۰۱، اور لسانی المیزان: ۳/ ۴۳۹۔

۲۔ الاغانی: ۱۴/ ۳۳، تاریخ ابن اثیر ۳/ ۳۲۶ اور وہ مورخین، جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے قاتل کا نام عبدالرحمان بن ملجم لکھا ہے نہ خالد بن ملجم وہ درج ذیل ہیں: الف) یعقوبی اپنی تاریخ کی ج ۲/ ۲۱۲ اور ۲۱۴ پر۔ ب) ابن سعد، طبقات، ج ۶، ص ۶۱۔ ج) ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص ۲۰۰

پردے کے پیچھے مخفی اور پوشیدہ رکھا ہے تا کہ اپنے جھوٹ کو رواج دینے اور اشاعت کرنے میں بیشتر وسائل وامکانات مہیا کر سکے، اسی مقصود سے سیف:

پہلی روایت میں کہتا ہے: عمر ابن خطاب نے ''صرار'' کے مقام پر اپنے سپاہیوں کی پریڈ کا مشاہدہ کرتے ہوئے خالد بن ملجم سے نفرت وکراہت اور سپاہ میں اس کی موجودگی پر پریشانی کا اظہار کیا، خلیفہ کے اس کام سے لوگ تعجب وحیرت میں پڑے یہاں تک کہ امیر المؤمنین کے قتل کے بعد ان کے بارے میں خلیفہ کی حیرانی اور پریشانی کی علت سمجھ گئے کہ عمر کو ان کے ہاتھوں مستقبل میں انجام پانے والی خیانت کے بارے میں علم تھا۔

دوسری روایت میں کہتا ہے: تیسرے خلیفہ عثمان نے لوگوں سے عادلانہ برتاؤ اور خوش اخلاقی کے پیش نظر، بعض اشخاص کو مأموریت دیدی تا کہ قصبوں میں جا کر ان شکایتوں کی تحقیقات کریں جو انھیں پہنچی تھیں۔ واپسی پر ان انسپکٹروں نے خلیفہ کے گورنروں کے بارے میں لوگوں کی رضامندی اور کسی قسم کی شکایت نہ رکھنے کی رپورٹ کے علاوہ کچھ اور نہیں لایا۔ ان انسپکٹروں میں صرف عمار تھے جو مصر میں مأموریت کے دوران ''ابن السوداء'' اور خالد بن ملجم اور تمام سبائیوں سے مل کر ان کا ہمنوا بنے اور یہی سبائی تھے جو لوگوں کو شکایتیں لکھنے پر اکساتے تھے۔

تیسری روایت میں کہتا ہے: جنگ جمل میں طرفین ــــ جس میں دونوں طرف اصحاب رسولؐ تھے ــــ اور کمانڈروں کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پایا تھا اور جنگ کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن اسکے بعد سبائیوں کی سازش کی وجہ سے، جن میں خالد بن ملجم بھی تھا۔ جنگ کے شعلے دوبارہ بھڑک

اٹھے۔

ظاہر ہے کہ ان تین روایتوں میں سیف نے بہت سارے حقائق میں تبدیلی پیدا کر کے کثرت سے جھوٹ کی ملاوٹ کر دی ہے اور بے شمار جھوٹ گڑھ لیا ہے، کیونکہ نہ خلیفہ دوم اپنی فوج کا پریڈ دیکھنے کیلئے ''صرار'' گئے تھے اور نہ ہی انھوں نے اپنی فراست اور ذہانت سے ابن ملجم سے اظہار تنفر کیا ہے بلکہ اس کے برعکس سیف کے کہنے کے مطابق خلیفہ نے مصر کے گورنر کو سفارش و تاکید کی تھی کہ ابن ملجم کی تجلیل اور احترام کر کے اسکے گھر کو مسجد کے قریب قرار دے تاکہ وہ احکام وقرآن کی تعلیم دینے کی ذمہ داری سنبھالے۔

جی ہاں، یہ امیر المومنین علی علیہ السلام تھے کہ جنھوں نے ابن ملجم کے بارے میں کراہت و نفرت کا اظہار کیا اور اس کی بیعت کو کئی بار مسترد کیا نیز ہمیشہ اس شعر کو پڑھتے رہے: ''ارید حیاته''

اس کے علاوہ نہ خلیفہ سوم عثمان نے کسی کو لوگوں کی شکایتوں کی تحقیقات کیلئے کہیں بھیجا تھا اور نہ جعلی پارٹی سبائیوں کی سازش کا نتیجہ میں لوگوں نے بنی امیہ کے گورنروں کے خلاف کوئی شکایت خلیفہ کو بھیجی تھی اور نہ تحقیق کی غرض سے عمار یاسر کو مصر بھیجنے کی داستان صحیح ہے اور نہ مذکورہ جعلی پارٹی کے ذریعہ اسکے فریب کھانے میں کوئی حقیقت ہے۔

اسکے علاوہ نہ جنگ جمل میں صلح کا کوئی موضوع تھا اور نہ سبائیوں کی سازش کے نتیجہ میں یہ صلح جنگ میں تبدیل ہوئی ہے اور نہ سبائیوں کے نام پر دنیا میں کوئی گروہ وجود میں تھا اور نہ کوئی صحابی رسولؐ بنام قعقاع وجود رکھتا تھا جو جنگ جمل میں سفیر صلح ہوتا۔

اور نہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا قاتل خالد تھا، بلکہ یہ سب سیف کے جعل کردہ افسانے ہیں جو اس نے کفر والحاد کے زیر اثر یہ سب تغیرات اور تحریفات کو جنم دے کر مسلمانوں بالخصوص مورخین کے حوالے کر دیا ہے تا کہ اس طرح اسلام کی صحیح تاریخ کو درہم برہم کر دے اور تاریخی حقائق کو مخفی، مبہم اور پیچیدہ بنا کر رکھ دے اور ان تمام جعلی، تبدیلیوں اور تحریفات میں اول سے آخر تک، صاحب اقتدار اصحاب کی فضیلت تراشی اور مدح گوئی سے پورا پورا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور انھیں اپنے لئے آلۂ کار قرار دیا ہے اور اس طرح اپنے ناپاک عزائم، کو اصحابِ پیغمبر کے دفاع اور ان کے فضائل کی تشہیر کی آڑ میں مسلمانوں تک پہنچا دیا ہے...

معاویہ بن رافع اور عمرو بن رفاعہ

اللھمّ ارکسھما فی الفتنة رکساً

خدایا! معاویہ و عمر او رعاص کو فتنہ و فساد میں غرق فرما!

رسول خداؐ

معروف افراد کے نام تبدیل کر کے دوسرے غیر معروف نام رکھنے کے دو اور نمونے یہ ہیں کہ سیف معاویۃ بن ابی سفیان اور عمرو عاص کی حمایت کیلئے ''ابو برزۂ اسلمی''[1] کی روایت میں ان کے نام بدل کر معاویہ بن رافع اور عمرو بن رفاعہ رکھا ہے روداد کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ابو برزہ اسلمی کہتا ہے: ہم ایک سفر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھے۔ دو افراد کی نغمہ خوانی اور غنا کی آواز آنحضرتؐ کے کانوں تک پہنچی کہ وہ ترانہ گا رہے تھے اور شعر پڑھ رہے

۱۔ ابو برزہ کا نام غضۃ بن عبید ہے، وہ اوائل اسلام میں مسلمان ہوا جنگ خیبر، حنین اور فتح مکہ میں آنحضرتؐ کے حضور میں شرکت کی اور جنگ نہروان و صفین میں حضرت علیؑ کی رکاب میں شرکت کی اس نے بصرہ میں سکونت اختیار کی اس کے بعد جنگ خراسان میں شرکت کی اور ساٹھ (۶۰) یا ستر (۷۰) سال کی عمر میں وہیں پر فوت ہوا، اور جس دن سر مبارک امام حسینؑ یزید کے سامنے لایا گیا ابو برزہ اس مجلس میں حاضر تھا اور یزید جب ایک چھڑی سے امام حسینؑ کے خوبصورت دانتوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا، ابو برزہ نے کھل کر اعتراض کیا اور کہا: یزید: اپنی چھڑی کو ان دانتوں سے اٹھالے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دانتوں کو چوم رہے تھے یزید! قیامت کے دن تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور ان کا شفیع رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے یہ کہکر ابو برزہ مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ طبقات: ۷/۲/۱۰۰، اصابہ: ۳/۵۲۶ تشریح نمبر ۸۷۱۸، تہذیب، ۱۰/۴۴۶ تشریح نمبر ۸۱۵۔

یـزال حـواری تـلـوح عـظـامـه زوی الـحـرب عنـه ان یجن و یقبرا

ترجمہ: میرے اس خیر خواہ دوست کی ہڈیاں نمایاں وظاہر ہیں کیونکہ جنگ

اس کے کفن ودفن میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذرا دیکھئے یہ غنا کی آواز کہاں سے آرہی ہے اور کس کی ہے؟ کہا گیا: یا رسول اللہ! یہ معاویہ اور عمرو عاص ہیں کہ اس طرح گانا گاتے ہیں؛ رسول خداؐ نے دعا کی: خدایا! انھیں فتنہ میں غرق فرما اور انھیں آگ کی طرف کھینچ لے!

اللهم ارکسهما فی الفتنة رکسا و دعهما الی النار دعاً[۱]

سیف نے دیکھا کہ یہ روایتیں معاویہ اور عمرو عاص کی آبروریزی کرتی ہیں اور ان کے اصلی چہرے کو دکھاتی ہیں لہذا اس نے ان میں تحریف کر کے معاویہ وعمرو عاص کے نام بدل کر ان کی جگہ پر معاویہ بن رافع اور عمرو بن رفاعہ لکھ دیا ہے تا کہ اس طرح معاویہ اور عمرو عاص کے چہروں پر ایک نقاب کھینچ سکے اور ان کے نفرین شدہ چہروں کو چھپادے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے بارے میں کی گئی نفرت و بیزاری کو دوسروں کی گردن پر ڈال سکے اسی لئے اس نے مذکورہ روایت کو

۱۔ معاویہ اور عمرو عاص کے بارے میں پیغمبر خداؐ کی نفرین کی حدیث ابو برزہ کی روایت میں جن الفاظ کے ساتھ آئی ہے، انہیں الفاظ میں:

الف۔ احمد بن حنبل اپنی مسند، ۴/۴۲۱ میں درج کیا ہے۔ اس تفاوت کے ساتھ کہ اس نے ان دو کے نام کی جگہ پر فلاں فلاں کا استعمال کیا ہے اور ان کے نام فاش نہیں کئے ہیں، لیکن:

ب۔ نصر بن مزاحم کی کتاب صفین کے ۱۲۹ پر یہ روایت مکمل طور پر نقل کی گئی ہے اور

ج۔ سیوطی نے اللئالی المصنوعہ میں اور ابو یعلی نے اپنی مسند میں نفرین کی روایت کو مکمل طور پر درج کیا ہے۔

اس طرح نقل کیا ہے کہ راوی کہتا ہے:

میں ایک سفر کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھا۔ آنحضرتؐ کے کانوں تک ایک آواز پہنچی میں اس طرف چلا گیا جہاں سے آواز آرہی تھی، میں نے دیکھا کہ معاویہ بن رافع اور عمرو بن رفاعہ ہیں، جو ترانہ لایزال حواری.... گارہے تھے میں نے روداد آنحضرتؐ کی خدمت میں بیان کی۔ پیغمبرؐ نے ان کے بارے میں نفرین کی اور فرمایا: اللھم ارکسھما فی الفتنة رکساً پیغمبر کی یہی نفرین سبب بنی کہ آنحضرتؐ کے سفر سے واپس ہونے سے پہلے عمرو بن رفاعہ اس دنیا سے چلا گیا[1]

ابن قانع اس روایت کو سیف سے نقل کرنے کے بعد کہتا ہے: اس روایت نے مشکل حل کردی ہے اور واضح ہوا کہ پہلی حدیث میں غلطی ہوئی ہے یعنی اصلی حدیث کہ اس حدیث میں ''ابن رفاعہ'' نامی ایک منافق کی جگہ پر ''ابن عاص'' اور ایک دوسرے منافق ''معاویہ بن رافع'' کی جگہ پر ''معاویہ بن ابی سفیان'' درج ہو کر مشتبہ ہوا ہے اس کے بعد کہتا ہے: خدا بہتر جانتا ہے۔

سیف کی روایتوں کی چھان بین:

اس حدیث اور پیغمبر خداؐ کی سیرت کے اس حصہ (جو سیف کی روایت میں ذکر ہوا ہے) کی دقیق تحقیق اور جانچ پڑتال سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف نے دو اشخاص کے نام میں تحریف کی ہے

۱۔ اس روایت کو سیوطی نے اللئالی المصنوعہ: ۱/۴۲۷ میں ابن قانع کی ''معجم الصحابہ'' سے نقل کیا ہے۔

اور دو روایتوں کو بدل دیا ہے اور انھیں آپس میں ملا کر ایک تیسری روایت جعل کی ہے اس کے بعد اس جعلی روایت کیلئے خود ایک سند بھی جعل کی ہے اور ہماری سابق الذکر روایت کے مانند اسے درست کیا ہے۔

سیف کی تحریف کی گئی دو روایتوں میں سے ایک کو ہم نے اس فصل کی ابتداء میں ابو برزہ اسلمی سے نقل کیا ہے۔

لیکن دوسری روایت جس میں سیف نے تبدیلی کر دی ہے، ''رفاعہ بن زید'' کی موت کی روداد ہے کہ اسے ابن ہشام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگ ''بنی المصطلق'' سے واپسی کی روداد کے ضمن میں یوں ذکر کیا ہے:

رسول اکرمؐ لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور حجاز کے بیابانوں سے گزرے یہاں تک حجاز کی آبادیوں میں سے بقیع سے اوپر بقعا نامی ایک آبادی میں پہنچ گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وہاں سے روانہ ہونا چاہتے تھے، ایک تیز ہوا چلی، لوگ ترس و وحشت میں پڑے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: اس طوفان سے نہ ڈرنا کیونکہ یہ ہوا کفار کے ایک بزرگ شخص کی موت کیلئے چلی ہے۔

جب آنحضرتؐ مدینہ میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ اسی دن رفاعہ بن زید بن تابوت فوت ہوا ہے [۱]

۱۔ سیرۃ ابن ہشام. ۳/ ۳۳۶، اور سیرہ ابن ہشام میں اس بارے میں دوسری احادیث بھی ذکر ہوئی ہیں: ۳/ ۱۳۷ و ۱۵۰ و ۱۸۸ و ۱۹۸

جوقبیلۂ قینقاع سے تعلق رکھتا تھااور یہودیوں کا سرداراور منافقین کی پناگاہ تھا۔

سیف پہلی روایت میں ''معاویہ'' کے نام کو''معاویہ بن رافع''اور''عمرو عاص'' کے نام کو ''عمرو بن رفاعہ بن تابوت''میں تبدیل کرتا ہے جس طرح جملہ " سمع رجلین یتغنیان " کو ''سمع صوتا'' میں تحریف کیا ہے اور رفاعہ کی موت کی روداد کو دو صحابیوں کے گانا گانے کی روداد سے ممزوج کیا ہے اوران دو روایتوں کو آپس میں ملا کر اور تغیر و تبدیلی اور فریب کارانہ دخل و تصرف سے ایک اور روایت جعل کی ہے اور اس طرح ''معاویہ بن ابوسفیان''اور''عمرو عاص'' کو نغمہ خوانی اور پیغمبرؐ کی نفرین سے بری کر کے دوسروں پر یہ تہمت لگانے میں کامیاب ہوا ہے کیونکہ اگر ان دو اشخاص کی اصلیت کے بارے میں مسلمان آگاہ ہوتے تو بعض مسلمان آج تک ان کی پیروی نہ کرتے لیکن جو بھی تھا، سیف کی روایت ''ابن قانع'' کیلئے مورد پسند وخوشائند قرار پائی ہے اور اس نے اس کے شبہہ کو دور کیا ہے کیونکہ اس روایت نے اس کی چاہت کی ضمانت مہیا کی ہے اور اس کے اپنے قول کے مطابق مشکل حل ہوئی ہے اور یہ مشکل حدیثِ اول اور معاویہ اور ابن عاص کے بارے میں اعتراض تھا۔

ابن قانع سے جواب طلبی:

یہاں پر مناسب ہے کہ ہم ابن قانع سے سوال کریں اور کہیں:

مان لیا کہ سیف کی یہ روایت آپ کی نظر میں معاویہ اور عمرو عاص سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی نفرین کو دور کرتی ہے اور ان کیلئے مشکلات میں سے ایک مشکل کو برطرف کرتی ہے کیا یہ روایت آپ کو دوسری بہت ساری مشکلات سے دوچار نہیں کرتی ہے؟

کیا اس صورت میں آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ دو منافق ''معاویہ بن رافع'' اور ''عمرو بن رفاعہ''۔ جو سیف کی روایت میں آئے ہیں ۔ کون ہیں؟ اور کہاں تھے؟ اور کیوں ان کا نام سیف کے علاوہ کسی اور کی روایت میں نہیں آیا ہے؟

یا پھر آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ خیالی منافق کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا؟ اور پیغمبر نے اس کے گانے کی آواز سنی؟ لیکن وہ پیغمبر کے سفر سے واپس آنے سے پہلے ہی مدینہ میں فوت ہو گیا؟

جی ہاں! سیف نے ایسی ہی تحریفیں اور تبدیلیاں وجود میں لائی ہیں اور صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس کی تحریفات علماء اور دانشوروں میں رائج ہوئی ہیں ۔ کیونکہ اس نے ان تمام تحریفات اور تبدیلیوں کو صاحب اقتدار اصحاب کے فضائل و مناقب کی تشہیر و اشاعت کے ڈھانچے میں ان کے دوستوں اور طرفداروں کے سامنے پیش کیا ہے اور ان کے یہی حامی اور طرفداران جھوٹ، باطل اور تحریفات کی نشر و اشاعت کا سبب بنے ہیں ۔ جو کچھ ایسے مسائل میں ہمارے نقطہ نظر کے مطابق قابل اہمیت ہے وہ یہ ہے کہ سیف جیسے مجرموں نے حدیث اور سیرت پیغمبرؐ میں اس طرح تحریف کی ہے اور ''ابن قانع'' جیسے دانشوروں نے پوری طاقت سے ان تحریفات کو پیغمبرؐ کی صحیح حدیث اور سیرت کے عنوان سے مسلمانوں میں ترویج کی ہے اور اس کے نتیجہ میں پیغمبرؐ کی صحیح حدیث اور سیرت (جو مجموعاً

پیغمبر خدا کی دو سنت ہیں) مسلمانوں کی پہنچ سے اس حد تک دور رہی ہیں کہ بعض اوقات ان کو فراموش کیا گیا ہے، اور اس کے بعد جو کوئی اس تحریف شدہ سنت سے تمسک پیدا کرتا ہے اس کی تجلیل کی جاتی ہے اور اسے اہل سنت کہتے ہیں یہاں پر اہل بحث و تحقیق دانشوروں پر لازم اور واجب ہے کہ اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لا کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آلودہ حدیث اور سیرت کو ان ناپاکیوں سے پاک و منزہ کریں تا کہ مسلمان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح سنت سے تمسک پیدا کر سکیں۔

اصحابِ پیغمبرؐ کے ناموں کا ناجائز فائدہ اٹھانا

فالتبس علی العلماء مدی العصور

یہ ہے اصحاب کے ایک گروہ کی حقیقت جو دانشوروں کیلئے
صدیوں تک مسلسل غیر معروف رہے ہیں۔

مؤلف

سیف نے اپنی تحریفات میں ناموں کو تبدیل کرنے میں جو دوسرا راستہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے بعض اشخاص کو اپنے ذہن میں خلق کیا ہے، پھر ان افسانوی اشخاص اور اپنے ذہن کی مخلوق کو معروف افراد کے کسی نام سے نام گزاری کی ہے اور حدیث سازی کے موقع پر انھیں مأموریت دی ہے اور ان کے نام پر کثرت سے احادیث اور داستانیں جعل کی ہیں۔ ان ہی ناجائز استفادوں کی وجہ سے مشہور نام، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معروف صحابی و اصحاب سے مربوط حقائق و مطالب صدیوں تک دانشوروں کیلئے مبہم، پیچیدہ اور غیر معروف رہے ہیں۔

سیف نے اپنے خودساختہ اصحاب اور راویوں کیلئے مشہور معروف اصحاب اور راویوں کے ناموں سے کسی نام کا انتخاب کرکے اس پر ان کا لیبل لگا دیا ہے اور اس طرح اس قسم کے بہت سے اصحاب و راوی جعل کئے ہیں ہم اس فصل میں علم و تحقیق کے دلدادوں کیلئے ان کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔خزیمہ بن ثابت

ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گروہ انصار اور خاندان اوس سے خزیمہ بن ثابت نامی ایک صحابی تھا، اس نے ''بدر'' یا ''احد'' کے بعد تمام جنگوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکاب میں شرکت کی ہے۔

پیغمبر اسلام نے ایک واقعہ کی وجہ سے اسے ''ذوالشہادتین'' کا لقب بخشا تھا کہ اس دن کے بعد اس کی شہادت دو افراد کی شہادتوں کے برابر مانی جاتی تھی، یہ روداد اس کے خاندان کیلئے فخر و مباہات کا سبب بن گئی تھی۔ وہ جنگ صفین میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے پرچم کے نیچے لڑتے ہوئے شہید ہوا چونکہ خزیمہ کا امیر المؤمنین کی سپاہ کی صف میں قتل ہونا بنی امیہ کیلئے ننگ وشرم کا سبب تھا اسلئے سیف نے اسی ''خزیمہ بن ثابت'' ذوالشہادتین سے ایک دوسرے ''خزیمہ بن ثابت'' کو خلق کیا ہے، اس کے بعد یوں کہتا ہے: جو خزیمہ جنگ صفین میں علیؑ کے سپاہیوں میں موجود تھا اور قتل ہوا، وہ یہی خزیمہ تھا نہ ''خزیمہ ذوالشہادتین''۔ ذوالشہادتین جنگ صفین سے پہلے عثمان کے زمانے میں فوت ہوا تھا[۱]

۲۔سماک بن خرشہ

انصار کے درمیان ''سماک بن خرشہ'' نام کا ایک صحابی تھا کہ وہ ''ابودجانہ'' کے نام سے مشہور ہوا تھا۔اس نے پیغمبر اسلامؐ کی جنگوں میں گراں قدر خدمات انجام دی تھیں اور جنگ یمامہ میں شہید

۱۔کتاب ایک سو پچاس جعلی اصحاب میں ذوالشہادتین، سماک بن خرشہ، وبرہ بن تحسن کی زندگی کا حالات ملاحظہ ہوں۔

ہوا ہے۔ سیف نے ایک دوسرے صحابی کو" سماک بن خرشہ" کے نام سے خلق کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ "سماک"، "ابو دجانہ" کے نام سے مشہور "سماک" نہیں ہے بلکہ وہ بھی ایک صحابی تھا۔ اس کے بعد اسی جعلی "سماک" سے روایتیں اور داستانیں گڑھ لی ہیں اور بعض جھوٹی اور افسانوی جنگوں میں اسے سپہ سالار کے عنوان سے پیش کیا ہے[1]

۳۔ وبرہ بن یحنس خزاعی:

سیف نے "وبرہ بن یحنس کلبی" نامی معروف صحابی کے مقابلہ میں "وبرہ یحنس"[2] نامی دوسرے صحابی کو خلق کیا ہے۔ البتہ کہا ہے کہ یہ وبرہ قبیلۂ خزاعہ سے ہے نہ قبیلۂ کلب سے[3]

۴۔ سبائی

سیف نے اپنے انسان سازی کے کارخانہ میں صرف انفرادی اور متفرق اشخاص کو خلق و جعل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اس نے بہت سے افراد پر مشتمل ایک گروہ کو بھی خلق کیا ہے اور اس گروہ کا نام "سبئیہ" رکھا ہے۔ اس کے بعد اکثر مفاسد و برائیوں کو انکے سر تھونپا ہے اور تاریخ اسلام میں واقع ہوئی تمام تخریب کاریوں، ویرانیوں اور خطرناک جنگوں و بغاوتوں کا ذمہ دار انہیں کو ٹھہرایا ہے۔

۱۔ کتاب ایک سو پچاس جعلی اصحاب میں خزیمۃ ذوالشہادتین، سماک بن خرشہ، وبرہ بن یحسن کی زندگی کا حالات ملاحظہ ہوں

۲۔ کتاب ایک سو پچاس جعلی اصحاب میں خزیمۃ ذوالشہادتین، سماک بن خرشہ، وبرہ بن یحسن کی زندگی کا حالات ملاحظہ ہوں

۳۔ کتاب ایک سو پچاس جعلی اصحاب میں خزیمۃ ذوالشہادتین، سماک بن خرشہ، وبرہ بن یحسن کی زندگی کا حالات ملاحظہ ہوں

سیف نے اس نام کو اسی ''سبئیہ'' نام سے لیا ہے جو یمن میں چند قبائل کا نام تھا کہ ان کے جد کو ''سبأ بن یشجب'' کہتے تھے[1]

۵۔عبداللہ ابن سبا:

سیف نے اپنی تحریفات کی کاروائیوں کے سلسلہ میں جو سب سے اہم کام انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے ذہن میں ایک پر اسرار اور فتنہ انگیز شخص کو خلق کیا ہے اور اسے ''عبداللہ بن سبا'' نام رکھا ہے، اور اس نام گزاری میں بھی جنگ نہروان میں خوارج کے رئیس و امیر ''عبداللہ بن وہب سبئی'' کے نام سے استفادہ کیا ہے پھر اس کے نام پر بہت سی داستانیں اور وسیع پیمانے پر افسانے گڑھ لئے ہیں کہ تاریخ اسلام میں معروف و مشہور ہیں۔انشاء اللہ اس کتاب کی اگلی فصل میں اس پر مستقل طور پر بحث و گفتگو کریں گے۔[2]

۱۔کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کے چوتھے حصہ میں ''حقیقت ابن سبا وسبئیاں'' ملاحظہ ہوں)

۲۔اس کتاب کے دوسرے حصہ میں ''خالد کے زہر کھانے کی روداد'' ملاحظہ ہو

سیف کی الٹ پھیر

استطاع بکل ذلک ان یشوّہ معالم التاریخ

اس طرح سیف تاریخ اسلام کو پریشان اور تاریک دکھانے

میں کامیاب ہوا ہے

مؤلف

تحریفات میں ناموں کی تبدیلی کے سلسلہ میں تیسرا راستہ جس سے سیف نے استفادہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے تاریخ اسلام کے حقائق کو مبہم و مشتبہ بنانے کیلئے بعض احادیث کے راویوں کے ناموں یا بعض داستانوں کے سورماؤں کے ناموں میں الٹ پھیر کر کے رکھ دیا ہے، بیٹے کی جگہ پر باپ کا نام اور باپ کی جگہ پر بیٹے کا نام رکھا ہے، جیسا کہ صلح حیرہ میں خالد سے گفتگو کرنے والے کا نام ''عبدالمسیح بن عمرو'' تھا، اسے بدل کر ''عمرو بن عبدالمسیح'' یعنی بیٹے کو باپ اور باپ کو بیٹا بنا کے رکھ دیا ہے سیف کے توسط سے ناموں میں اس قسم کی الٹ پھیر اس کی سولہ روایتوں میں مشاہدہ ہوتی ہے جنہیں طبری نے نقل کیا ہے۔

پھر یمن کے ایرانی بادشاہ ''باذان بن شہر' جس کی بیوی سے اسود عنسی نے شادی کی تھی، کے نام بدل کر ''شہر بن باذان'' رکھا ہے اس کے بارے میں ہم نے گزشتہ صفحات میں اسود عنسی کی داستان میں بحث کی ہے۔

سیف نے اس اسود عنسی کی داستان میں ایک اور تحریف انجام دی ہے اور قیس کے باپ ''ہبیرہ بن مکشوح مرادی'' کے نام کو ''عبید یغوث'' میں بدل دیا ہے

سیف نے اس قسم کی الٹ پھیر بہت زیادہ انجام دی ہے کہ ہم نے یہاں پر ''مشتے از خروار'' یعنی کچھ نمونہ کے طور پر چند کی طرف اشارہ کیا تا کہ محققین اور حقیقت کے متلاشی سیف کی تحریفات سے کسی حد تک آشنا ہو جائیں اور معیار اور اجمالی ضابطہ حاصل کریں اور جان لیں کہ سیف کی تحریفات یکساں و یکنوع نہیں تھیں کہ محققین و علماء آسانی و جلدی سے اس کے ناپاک عزائم کے بارے میں مطلع ہو جائیں اور اس کی تخریب کارانہ سرگرمیوں سے آگاہی پیدا کرسکیں۔ اس نے مختلف راہوں اور طریقوں سے تاریخ اسلام میں تخریب کاری و تحریفات انجام دی ہیں اور اس طرح تاریخ اسلام کو تہہ و بالا کر کے تاریخی حقائق و وقائع کو الٹ پھیر کیا اور مذموم صورت میں پیش کیا ہے، روایوں، صحابیوں، غیر صحابیوں اور حوادث و داستانوں کے سورماؤں کے نام بدلنے میں کامیاب ہوا ہے۔

سیف تخریب کاروں، فتنہ انگیزوں شرپسندوں اور راویان حدیث کے مفسد گروہ، جنگوں کے کمانڈر، شعراء اور جنگی رجز خوانوں کی اپنے ذہن سے تخلیق کرنے، افسانوی جنگوں کو وجود میں لانے اور سیاسی کتابیں اور افسانوی خطبے جعل کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

ان تمام تحریفی و تخریبی سرگرمیوں میں محرک اس کا کفر و زندقہ تھا لیکن اس نے اس خطرناک محرک اور اپنے ناپاک عزائم کو اصحاب کی طرفداری میں پردہ پوشی کی ہے اور ان کے مناقب و فضائل کی اشاعت کے لفافے میں مخفی اور مستور کر کے رکھ دیا ہے اس طرح وہ اپنے ان تمام جھوٹ، جعلیات اور

افسانوں کو تاریخ کی نام نہاد معتبر کتابوں میں درج کرا کے مسلمانوں میں رائج کرنے میں کامیاب ہوا ہے اور اس طرح گزشتہ تیرہ صدیوں سے مسلسل انکے بقاء کی ضمانت مہیا کر چکا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ سیف نے تاریخ اسلام کو الٹ پلٹ کرنے اور تحریف کے سلسلے میں جو سب سے اہم ترین سرگرمی انجام دی ہے وہ اس کا گروہ سبیئہ کو جعل کرنا ہے کہ ہم اس کتاب کی آنے والی فصلوں میں اس موضوع پر بحث و تحقیق کریں گے کہ سیف نے ''سبائیوں'' کے گروہ کو کس طرح وجود میں لایا اور ''عبداللہ بن سبا'' کو کسی طرح ''عبداللہ بن سبا بن وھب'' کے مقابلہ میں جعل کیا ہے۔ اور یہ افسانہ کیسے اشاعت اور ارتقاء کے منازل طے کر کے اسلامی مآخذ کی کتابوں میں راہ پیدا کر سکا اور تاریخ کی رفتار کے ساتھ آگے بڑھا اور آج تک تاریخ اسلام میں اپنی جگہ کو محفوظ کر سکا ہے؟!

خاتمہ:

گزشتہ مباحث پر ایک نظر

- مرتدین کی جنگوں پر ایک نظر
- مرتدین کی جنگوں کی جانچ پڑتال
- کندہ کی جنگ
- جنگ کندہ کی تحقیق
- مالک بن نویرہ کی جنگ
- ان جنگوں کا حقیقی محرک
- سیف کی فتوحات پر ایک نظر

مرتدین کی جنگوں پر ایک نظر

یہاں تک ہم نے سیف کی روایتوں کے بارے میں بحث و تحقیق کی اور جو کچھ اس سلسلہ میں گزشتہ بحثوں کے ضمن میں بیان ہوا، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

سیف نے مرتدین کی جنگوں اور بیہودہ اور بے بنیاد فتوحات کے بارے میں داستانیں جعل کر کے اسلام کو ''تلوار اور خون کا دین'' معرفی کیا ہے اور دوست و دشمن کو یہ دکھایا ہے کہ اسلام صرف شمشیر و نیزہ سے پھیل کر ادیان عالم میں اپنے لئے ایک جگہ بنا سکا ہے۔

ہم نے کتاب کی پہلی بحث میں کہا کہ سیف نے اسلام کو ''تلوار اور خون کا دین'' کے عنوان سے پہچنوانے کیلئے اپنے خیال میں مسلمانوں کیلئے بہت سی جنگیں جعل کی ہیں اور انھیں مرتدوں کی جنگوں کا نام دیا ہے۔

سیف نے مرتدوں کی جنگوں کے بارے میں جعل کی گئی روایتوں کے ضمن میں خلاصہ کے طور پر کہا ہے:

قبیلۂ قریش اور ثقیف کے علاوہ تمام عرب قبائل یکبارگی اسلام سے منحرف ہو کر کفر و ارتداد کی طرف مائل ہو گئے اور اسلام سرزمینوں میں فتنہ کی آگ بھڑک اٹھی اسکے بعد سیف مرتد قبائل کے سرزمین ابرق ربذہ پر ان کے اجتماع کی روداد اور ابوبکر کے پاس ان کے چند نمائندے بھیجنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: مرتد قبائل نے اپنے نمائندوں کے توسط سے ابوبکر سے درخواست کی کہ وہ

نماز پڑھ لیں گے لیکن انھیں زکوۃ ادا کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے ابوبکر نے ان کی تجویز کو مسترد کیا اور مدینہ کے لوگوں کو ان قبائل سے لڑنے کیلئے آمادہ کیا۔ اس کے بعد ان قبائل نے مدینہ پر حملہ کیا، خلیفہ کے سپاہیوں نے ان کا جواب دیا اور ان کے خیموں تک انھیں پیچھے ڈھکیل دیا۔ اس طرح مرتدوں سے جنگوں کا آغاز ہوا۔ ابوبکر نے ان کو کچلنے کیلئے تین بار لشکر کشی کی اور مدینہ سے ان کی طرف روانہ ہوا اسکے بعد سیف ان جنگوں کی کیفیت، مرتدوں کے قتل ہونے، خلیفہ کا ان کی زمینوں پر قبضہ جمانے، سرزمین ابرق کی چراگاہوں کے مسلمانوں کے گھوڑوں کیلئے وقف کرنے اور اس کے علاوہ ان افسانوی جنگوں میں رونما ہوئے حوادث کے جزئیات کی مفصل تشریح کرتا ہے لیکن لب لباب یہ ہے کہ اس پوری تشریح و تفصیل کے باوجود ان تمام روداددوں کو نقل کرنے میں سیف منفرد ہے نہ کسی دوسرے مؤرخ نے ان مطالب کو نقل کیا ہے اور نہ ان مطالب میں سے کوئی ایک صحیح و درست ہے۔

سیف ابوبکر کیلئے چوتھی روانگی بھی نقل کرتا ہے کہ ابوبکر مدینہ سے ''ذی القصہ'' کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پر اپنی فوج کو آراستہ کیا اور انھیں گیارہ لشکروں میں تقسیم کیا اور ہر لشکر کیلئے ایک کمانڈر مقرر کیا اور ہر کمانڈر کے ہاتھ میں ایک پرچم دیا تاکہ مرتدوں کے گروہوں سے لڑیں اور وہیں پر ان کمانڈروں کیلئے جنگی منشور اور مرتد قبائل کیلئے خطوط لکھے

سیف نے جو یہ روانگی ابوبکر سے منسوب کی ہے اور اس سفر میں جو روداد اس کیلئے نقل کی ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور اس سلسلہ میں جو بھی نقل کیا ہے خالد کی روانگی کے علاوہ سب اس کے ذہنی جعلیات ہیں جنہیں اس نے مورخین کی خدمت میں پیش کیا ہے اور انہوں نے بھی انھیں مسلمانوں

تک پہنچایا ہے۔

سیف نے ''ام زمل'' نام کی ایک اور ارتداد کی داستان نقل کی ہے اور اس کے بعد اسی عنوان سے ایک جنگ بھی جعل کیا ہے اس جنگ میں بھی عجیب و غریب اور وحشتناک قتل عام حوادث اور بے مثال تباہی دکھائی ہے جب کہ نہ کوئی ''ام زمل'' وجود حقیقی رکھتی تھی کہ مرتد ہوتی اور اس قسم کی جنگ واقع ہوتی اور یہ سب قتل و غارت اور تباہیاں واقع ہوئیں۔

سیف نے ارتداد ''اخابث'' کے نام سے سرزمین ''اعلاب'' میں ایک اور ارتداد کے بارے میں نقل کیا ہے اور کہتا ہے: طاہر نام کا ایک کمانڈر ــ جو خدیجہ کا بیٹا اور پیغمبر کا ربیب تھا ــ مرتدوں سے لڑنے کیلئے ''اخابث'' کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پر ان کا اتنا قتل عام کیا کہ ان کے زمین پر پڑے لاشوں میں بدبو پھیلنے کی وجہ سے چلتے ہوئے قافلے رک گئے۔

جبکہ نہ ''اعلاب'' کے نام پر کوئی سرزمین وجود رکھتی تھی اور نہ اخابث کے نام پر وہاں کے باشندے اور نہ ہی طاہر نامی کوئی صحابی تھا جسے پیغمبر اکرمؐ نے پالا ہو، جو اخابث کے افسانوی لشکر کا کمانڈر بنتا۔

جی ہاں، ان حوادث، رودادوں اور دیگر بہت سے حوادث کی کوئی حقیقت نہیں ہے جنہیں سیف نے مرتدوں کی جنگوں کے بارے میں نقل کیا ہے۔ یہ سب داستانیں بے بنیاد اور جعلی ہیں اور جھوٹ اور افسانہ سے زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن اس کے باوجود سیف اپنی خاص مہارت اور تخصص کی بنا پر حدیث اور تاریخ کو جعل

کر کے پیغمبر کے بعد مسلمانوں کے مرتد ہونے کے بارے میں اپنے جھوٹ اور جعلیات کی اشاعت کرنے میں کامیاب ہوا ہے اور ایسا ظاہر کیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جزیرۃ العرب کے تمام مسلمان اسلام سے منہ موڑ کر مرتد ہوگئے اور انہوں نے طاقت اور تلوار کے ذریعہ دوبارہ اسلام قبول کیا بجا ہے اس بحث کے اختتام پر تاریخ اسلام کے اس حصہ کو بیشتر واضح ہونے کیلئے مرتدوں سے جنگ کے نام پر جعل کی گئی سیف کی جنگوں کے بارے میں ایک مختصر تحقیق کی جائے:

ا۔ان جنگوں کا ایک حصہ کہ بیشتر مرتدوں کی جنگوں کے افسانوں اور داستانوں پر مشتمل ہے ایسی جنگیں ہیں جنہیں حقیقت میں سیف نے اپنی ذہنی طاقت سے جعل کیا ہے اور ان جنگوں کی سورماؤں، کمانڈروں اور جنگجوؤں کو بھی خود سیف نے خلق کیا ہے اس کے علاوہ اس نے اماکن اور جنگیں واقع ہونے کے مقامات کو بھی جعل کر کے مورخین کے اختیار میں دیدیا ہے، جبکہ نہ ان جنگوں کو کوئی بنیاد ہے اور نہ ان کے دیگر کوائف کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ان جنگوں میں ذکر ہوئے اکثر سورما اور کمانڈروں کا کوئی وجود تھا۔ حقیقت میں اس قسم کی جنگیں اسلام میں بالکل وجود میں ہی نہیں آئی ہیں۔

۲۔سیف نے جن جنگوں کو مرتدین کی جنگوں کے نام سے بیان کیا ہے ان کا ایک حصہ وہ جنگیں ہیں جو مسلمان اور کفار کے درمیان خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں واقع ہوئی ہیں، یہ جنگیں مرتدوں سے نہیں تھیں جیسے ''مسیلمہ'' اور ''طلیحہ'' سے مسلمانوں کی جنگ کہ ان دونوں

نے خود پیغمبرؐ کے زمانے میں جھوٹی پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا تھا کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد مسلمانوں نے ان سے جنگ کی اور انھیں شکست دی ہے۔

اگر چہ یہ جنگیں واقعیت رکھتی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم ان افراد کو مرتد کہیں اور ان کے ساتھ جنگ کو مرتدوں کی جنگ کہیں، بلکہ مسلمانوں کی، اس گروہ کے ساتھ جنگ، کفار کے ساتھ جنگ تھی، نہ مرتدوں کے ساتھ۔

۳۔ ان جنگوں کی تیسری قسم جن کے بارے میں سیف نے مرتدوں کی جنگ کہا ہے وہ جنگیں ہیں جو خود مسلمانوں کے درمیان واقع ہوئی ہیں اور یہ داخلی جنگوں کا ایک سلسلہ تھا نہ مسلمانوں کی مرتدوں سے جنگ یہ جنگیں اس صورت میں تھیں کہ عرب مسلمانوں کے بعض قبائل نے ابوبکر کی بیعت کرنے اور اپنے مال کی زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ان کے علاوہ ایک اور گروہ بھی ابوبکر کے مامور حکام اور گورنروں کی بدرفتاری اور بے جا سختی کی وجہ سے زکوٰۃ دینے سے انکار کرتا تھا ابوبکر بھی اس قسم کے ہر گروہ کی طرف ایک لشکر کو روانہ کرتے تھے اور انھیں حکومت کے احکام پر عمل کرنے کیلئے مجبور کرتے تھے یہ جنگیں، ابوبکر کے فرمانرواؤن اور قبائل کندہ کے درمیان واقع ہوئی جنگ کے مانند تھی یہ جنگ ایک جوان اونٹ کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے کہ اعثم کوفی، بلاذری اور حموی نے اس کی روداد کو مفصل طور پر ذکر کیا ہے۔

کندہ کی جنگ

حموی معجم البلدان میں مادہ ''حضر موت'' میں کہتا ہے:

جب مدینہ کے باشندوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ابوبکر کی بیعت کی ابوبکر نے پیغمبرؐ کے مامور ''کندہ'' و ''حضر موت'' کے حاکم ''زیادہ بن لبید بیاضی''[1] کے نام خط لکھا اور اسے پیغمبرؐ کی رحلت اور مدینہ کے لوگوں کی طرف سے پیغمبر کے بعد اس کی بیعت کرنے کی اطلاع دی اور اس کے ضمن میں اسے حکم دیا کہ حضر موت کے باشندوں سے اس کیلئے بیعت لے لے۔

یہ خط جب ''زیاد بن لبید'' کو پہنچا تو وہ لوگوں کے درمیان کھڑا ہوا اور ایک تقریر کی اور انہیں پیغمبر کی وفات کے بارے میں آگاہ کیا اور ابوبکر کی بیعت کرنے کی دعوت دی۔ اشعث بن قیس نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کیا، اور قبیلۂ کندہ کے بعض افراد نے اشعث کی پیروی میں ابوبکر کی بیعت کرنے سے اجتناب کیا، لیکن اسی قبیلہ کندہ کے بہت سے افراد نے ابوبکر کے نمائندہ کی حیثیت سے ''زیاد بن لبید'' کی بیعت کی زیاد اپنے گھر چلا گیا عصر پیغمبر کے مانند صبح سویرے زکوٰۃ دریافت کرنے کیلئے آمادہ ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ: ابوبکر نے زیاد بن لبید اور ابوامیہ مخزومی کے مہاجرین کو لکھا

۱۔ زیاد بن لبید کا لقب و کنیت ابوعبداللہ بن لبید بن سنان تھا وہ قبیلۂ خزرج کے گروہ انصار اور خاندان بیاضی سے ہے پیغمبرؐ نے اپنی زندگی میں حضر موت کی حکومت اسے سونپی تھی، پیغمبر کی رحلت کے بعد ابوبکر نے اسے خط لکھا اور اسے اپنے عہدہ پر برقرار رکھا وہ معاویہ کی خلافت کے دوران فوت ہوا اسد الغابہ: ۲/۲۱۷، جمہرۂ ابن حزم: ۳۵۶

کہ وہ شخص متفقہ طور پر لوگوں سے اس کیلئے بیعت لے لیں اور جو بھی ابوبکر کی بیعت کرنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے،اس کے ساتھ جنگ کریں۔

اعثم اپنی فتوح میں کہتا ہے:بعض لوگ رضا و رغبت کے ساتھ اور بعض جبر و اکراہ سے زیاد کو زکوٰۃ دیتے تھے زیاد بن لبید بھی زکوٰۃ وصول کرنے میں مصروف تھا اور لوگوں پر سختی کر رہا تھا اتفاقاً ایک دن زید بن معاویہ قشیری سے زکات میں حاصل کئے گئے ایک اونٹ پر زکوٰۃ کی علامت لگادی اور دیگر اونٹوں کے گلہ میں جنھیں ہنکا دیا،ابوبکر کے پاس بھیجنا تھا۔

یہ جوان قبیلہ کندہ کے حارثہ بن سراقہ نام کے ایک سردار کے پاس آیا اور کہا:چچیرے بھائی، زیاد بن لبید نے میرا ایک اونٹ لے لیا اور اس پر علامت لگا کر زکوٰۃ میں لئے گئے اونٹوں میں چھوڑ دیا ہے۔اور میں زکوٰۃ دینے سے منکر ہوں لیکن اس اونٹ کو بہت پسند کرتا ہوں اگر مصلحت جانتے ہو تو اس بارے میں زیاد سے گفتگو کرو تا کہ اس اونٹ کو مجھے واپس دیدے اور میں اس کے بدلے میں دوسرا اونٹ دیدوں گا۔

اعثم کہتا ہے:حارثہ بن سراقہ زیاد کے پاس گیا اور کہا:اگر ممکن ہے تو اس جوان پر ایک احسان کرو اور اس کا اونٹ واپس کردو اور اس کے بدلے میں دوسرا اونٹ لے لینا۔

زیاد نے حارثہ کے جواب میں کہا:یہ اونٹ خدا کے حق میں قرار پایا ہے اور اس پر زکوٰۃ کی علامت لگی ہے اور میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ اس کے بدلے میں دوسرا اونٹ قبول کروں۔

بلاذری نے اس داستان کو اس طرح بیان کیا ہے:زیاد بن لبید ایک شدت پسند شخص تھا اس

نے ایک کندی سے ایک اونٹ زکوٰۃ کے طور پر حاصل کیا اس نے کہا کہ اس اونٹ کو مجھے واپس دینا اور اس کی جگہ پر میں دوسرا اونٹ دیدوں گا ابوامیہ نے اس سلسلہ میں انکساری کی لیکن زیاد نے ممانعت اور سختی کی۔

اعثم اس داستان کو یوں جاری رکھتا ہے[1] حارث نے جب اس جوان کی تجویز زیاد کے پاس پہنچائی تو اس نے نہ یہ کہ اس سے منفی جواب سنا بلکہ وہ اس کی تندی اور سخت رویہ کا مشاہدہ کرنے پر بھی مجبور ہوا حتیٰ کہ تنگ آ کر غضبناک حالت میں بولا: ہم کہتے ہیں کہ اس اونٹ کو مہربانی و بزرگواری سے چھوڑ دو، ورنہ ذلیل وخوار ہو کے تو ضرور چھوڑ دو گے زیاد بھی حارثہ کی بات سے غضبناک ہوا اور کہا: میں اس اونٹ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا اور دیکھوں گا کون اسے میرے ہاتھ سے لینے کی جرات کرتا ہے۔

اعثم کہتا ہے: حارثہ نے اس کی یہ بات سن کر ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس مضمون کے چند اشعار پڑھے:

ایک بوڑھا تجھ سے اونٹ کا بچہ لینا چاہتا ہے کہ اس کی پیری کے آثار اس کے رخسار سے واضح ہیں ایک ایسا بوڑھا مرد جس کی داڑھی سفید کرتے کے مانند سفید ہو چکی ہے[2]

۱۔ اعثم کی روایت کی گئی اس داستان کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ الکلاعی نے کتاب الاکتفاء میں درج کیا ہے

۲۔ یمنها شیخ بخدیه الشیب ملمح کما یلمح الثوب

اعثم کہتا ہے: اس کے بعد حارثہ ان اونٹوں کے درمیان آ گیا اور اس اونٹ کو ان میں سے جدا کر کے نکال لایا اور اس کی لگام اس کے مالک کے ہاتھ میں دیدی اور کہا: اپنے اونٹ کو لے چلو اگر اس اونٹ کے بارے میں کسی نے تجھ سے کچھ کہا تو تلوار سے اس کی ناک کاٹ کر رکھ دینا اور اس جملہ کا بھی اضافہ کیا:

''ہم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہ جب وہ زندہ تھے، پیروی و اطاعت کی ہے ان کی رحلت کے بعد اگر ان کے خاندان کا کوئی فرد جانشین ہوتا تو پھر بھی ہم اس کی اطاعت کرتے لیکن پسر ابو قحافہ! خدا کی قسم نہ اس کی اطاعت ہم پر واجب ہے اور نہ ہمارے اوپر کوئی بیعت ہے۔

حارثہ نے یہاں پر بھی چند اشعار اس مضمون کے پڑھے:

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تھے، ہم نے ان کی اطاعت کی لیکن تعجب ان لوگوں پر ہے کہ جو ابوبکر کی بیعت کرتے ہیں[1]

معجم البلدان کے قول کے مطابق اس بارے میں حارثہ کے اشعار اس مضمون کے تھے:

ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وقت پیروی کی جب وہ ہمارے درمیان موجود تھے اے قوم! ہمیں ابوبکر سے کیا کام؟!

کیا ابوبکر اپنے بعد خلافت کو اپنے بیٹے بکر کی وراثت میں چھوڑے گا؟ خدا کی

۱۔ اطعنا رسول اللہ اذ کان بیننا فیا عجبا ممن یطیع ابابکر

قسم ابوبکر کا یہ کام کمر شکن ہوگا[۱]

اعثم کہتا ہے:

جب یہ اشعار زیاد بن لبید نے سنے تو وہ وحشت میں پڑا کہ ایسا نہ ہو کہ زکوۃ میں لئے گئے تمام اونٹ اس سے واپس لے لئے جائیں لہذا راتوں رات بعض دوستوں کے ہمراہ حضر موت سے مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا اور تمام اونٹوں کو اپنے ساتھ لے گیا جب حضر موت سے دو دن کے فاصلہ پر پہنچا تو وہاں سے حارثہ بن سراقہ کے نام ایک خط لکھا اس خط میں چند اشعار بھی تھے ان اشعار میں سے ایک کا مضمون یہ تھا:

ہم راہ خدا میں تمہارے ساتھ لڑیں گے یہاں تک کہ تم ابوبکر کی اطاعت کرو یقین کے ساتھ جان لو کہ خدا کامیاب ہوگا[۲]

اعثم کہتا ہے: کندہ کے قبائل زیاد کے خط کے مضمون سے غضبناک ہوئے اور اشعث بن قیس کے پاس شکایت لے کر آئے اشعث نے کہا: اگر تم لوگ زیاد سے اختلاف نظر رکھتے ہو تو کیوں اپنے مال کی زکات اسے دیتے ہو وہ اسے لے کر جاتا ہے، اور اسکے بعد تمہیں قتل کی دھمکی دیتا ہے؟

۱۔ اطعنا رسول اللہ ما دام وسطنا فیا قوم ما شانی و شان ابی بکر
ایورثھا بکراً اذا کان بعدہ فتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظھر

۲۔ نقاتلھم فی اللہ و اللہ غالب علی امرہ حتی تطیعوا بابکر

اس کے ایک چچیرے بھائی نے اس سے کہا: اشعث ! خدا کی قسم تم نے سچ کہا اور خدا کی قسم ہم قریش کیلئے وہی زرخرید غلام بن گئے ہیں کہ بعض اوقات امیہ[1] کو ہماری طرف بھیجتا ہے اور کبھی زیاد کو ہم پر مسلط کرتا ہے جو ہماری ثروت کو بھی ہم سے ہڑپتا ہے اور ہمیں قتل کرنے کی دھمکی بھی دیتا ہے۔

اشعث نے کہا: اے قبیلۂ کندہ! اگر میری بات قبول کرو تو تمہاری مصلحت اس میں ہے کہ متحد رہو تم لوگوں کی بات ایک ہونی چاہئے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں بیٹھے رہو، اپنی حیثیت اور وجود کا دفاع کرو اور اپنے مال کی زکوٰۃ کسی کو نہ دو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عرب اس حالت کے جاری رہنے پر راضی نہیں ہوں گے کہ وہ ''تیم بن مرہ'' قبیلۂ ابوبکر[2] کی اطاعت کریں اور بنی ہاشم کے سردار جو بطحا کے بزرگ ہیں کو چھوڑ دیں جی، ہاں، صرف بنی ہاشم ہیں جو ریاست کی شائستگی رکھتے ہیں ان کے علاوہ کوئی ہم پر حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

ہم اس مقام کیلئے دوسروں سے سزاوارتر اور مقدم ہیں کیونکہ جس زمانے میں ہم سلطنت اور سرداری کرتے تھے اس وقت روئے زمین پر نہ قریش کی کوئی خبر تھی اور نہ ابطحیوں کی[3]

۱۔ میری نظر میں ابا امیہ ہے نہ امیہ

۲۔ بعض نسخوں میں تیم بن مرہ آیا ہے لیکن ہماری نظر میں وہی صحیح ہے کہ متن میں ملاحظہ ہوا شائد تیم بن مرہ قبیلہ کندہ کا ایک خاندان ہوگا لیکن تیم بن مرہ وہی قبیلۂ ابوبکر ہے چنانچہ شاعر جنگ جمل کی روداد میں کہتا ہے ہم نے شقاوت و بدبختی سے خاندان تیم کی پیروی کی جبکہ وہ چند کنیز و غلاموں کے علاوہ کچھ نہیں ہیں، شاعر کا مقصود یہاں پر اس شعر سے خاندان تیم سے ابوبکر کی بیٹی ہے کہ تفصیلی روداد کو ہم نے کتاب ''عائشہ دوران علی میں'' بیان کیا ہے۔ تیم بن مرہ، جمہرہ: ۱۳۵ میں اس طرح ذکر ہوا ہے کہ ہم نے کہا۔

۳۔ اس کا مقصود سلاطین سبئیہ ہے کہ جو حمیر، قریش اور دوسروں سے قدیم تر تھے۔

اعثم کہتا ہے: زیاد بن لبید، جب زکوٰۃ کے اونٹوں کو حضر موت سے مدینہ لے کر بھاگ رہا تھا، راستے میں ابوبکر کے پاس جانے کے ارادے سے منصرف ہوا اور اونٹوں کو ایک مورد اعتماد شخص کے ذریعہ مدینہ بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ جو روداد واقع ہوئی ہے اس کے بارے میں ابوبکر کو کچھ نہ کہنا اس کے بعد قبائل کندہ کے ایک خاندان ''بنی ذہل بن معاویہ''[۱] کے پاس آیا اور ان سے روداد بیان کی انھیں ابوبکر کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت و پیروی کرنے کی دعوت دی۔

بنی ذہل کا ایک سردار قبیلہ ''حارث بن معاویہ''[۲] نے اس سے مخاطب ہوکر کہا: زیاد! تم ہمیں ایک ایسے شخص کی اطاعت اور پیروی کرنے کی دعوت دیتے ہو کہ نہ ہم سے اس کے بارے میں کوئی عہد و پیمان لیا گیا ہے اور نہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس کی بیعت کرنے کا کوئی حکم دیا ہے اور نہ تمھیں، زیاد نے جواب میں کہا: اے مرد! صحیح کہا تم نے کہ اس کے بارے میں کوئی بیعت اور عہد و پیمان موجود نہیں تھا لیکن ہم نے اسے اس مقام کیلئے انتخاب کیا ہے۔

حارث نے کہا: ذرا یہ بتاؤ، تم لوگوں نے اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مقام سے کیوں محروم کیا ہے؟ جبکہ وہ دوسروں سے سزاوار تر تھے کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: رشتہ دار واعزہ کتاب خدا میں ــ یعنی خدا کے حکم سے ــ ایک دوسرے کی نسبت اولی اور نزدیک تر ہیں۔

زیاد نے کہا: گروہ مہاجر و انصار اپنے کام میں تم سے آگاہ تر ہیں۔

۱۔ بنی ذہل ایک خاندان تھا جو حضر موت میں زندگی کرتا تھا: جزیرۃ العرب ھمدانی / ۸۵

۲۔ حارث بن معاویہ کا نام ونسب ابن حزم کی جمہرہ ۲/ ۴۲۷ میں آیا ہے کہ وہ معاویہ بن ثور کا بیٹا تھا اور قبیلۂ کندہ سے تھا

حارث نے کہا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ تم لوگوں نے اس مقام کے حقداروں کو محروم کر کے رکھ دیا ہے اور انکے بارے میں عداوت وحسد سے کام لیا ہے کیوں کہ میری عقل یہ قبول نہیں کرتی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے چلے جائیں اور لوگوں کیلئے کسی کو معین نہ کریں جس کی یہ لوگ پیروی کریں اے لوگو! ہم سے دور ہو جاؤ کیونکہ ہمیں ایک ایسی راہ کی طرف دعوت دیتے ہو کہ خدا اس پر راضی نہیں ہے۔

اس کے بعد حارث بن معاویہ نے مندرجہ ذیل مضمون کے چند اشعار پڑھے:

جس پیغمبر کی ہم اطاعت کرتے تھے وہ اس دنیا سے چلا گیا

خدا کا درود اس پر ہو اور اپنا کوئی جانشین وخلیفہ معین نہیں کیا؟[۱]

اعثم کہتا ہے: یہاں پر ''عرفجۃ بن عبداللہ'' اٹھا اور کہا: خدا کی قسم حارث صحیح کہتا ہے اس شخص کو نکال باہر کرو، اس کو بھیجنے والا مقام خلافت کیلئے کسی قسم کی لیاقت اور حق نہیں رکھتا ہے اور گروہ مہاجر وانصار دین وامت کے امور میں اظہار نظر کرنے کے معاملہ میں پیغمبر اور ان کے اہل بیتؑ سے شائستہ تر نہیں ہیں.

عاصم کہتا ہے: اس کے بعد قبیلہ کندہ کا ''عدی'' نامی ایک اور شخص اٹھا اور کہا:

لوگو! ''عرفجہ'' کی بات پر توجہ نہ کرو اور اس کے حکم کی اطاعت نہ کرو کیونکہ وہ تمہیں کفر کی دعوت دیتا ہے اور حق کی پیروی کرنے سے روکتا ہے، زیاد کی دعوت کو مثبت جانو اور اس کا جواب دو اور جس چیز پر

۱۔ کان الرسول هو المطاع فقد مضی صلی علیه الله لم یستخلف

یہ شخص صحرا نشین عرب تھا اور پیغمبر کو مدینہ میں درک نہیں کیا تھا لہذا وصی کے تعین کے بارے میں پیغمبر کی احادیث نہیں سنی تھیں۔

مہاجر و انصار راضی ہوئے ہیں تم لوگ بھی اس پر راضی ہو جاؤ کیونکہ وہ اپنے کام میں تم لوگوں سے آگاہ تر ہیں۔

اعثم کہتا ہے: اس شخص کے کئی چچیرے بھائی اپنی جگہ سے اٹھے اور اسے برا بھلا کہا اور گالیوں سے نوازا اور اس کی اتنی شدید پٹائی کی کہ اس کا بدن لہولہان ہو گیا اس کے بعد زیاد پر بھی حملہ بول دیا اور اسے قتل کرنا چاہتے تھے لیکن اس سے منصرف ہوئے اور اسے اس جگہ سے نکال باہر کیا۔

اعثم کہتا ہے: زیاد قبائل کندہ میں سے جس کسی کے پاس بھی جاتا ان کی طرف سے اسے مثبت جواب نہیں ملتا تھا اور اس کی درخواست کو مسترد کر دیا جاتا تھا[1]

زیاد نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور ابو بکر کے پاس جا کر تمام روداد سنا دی اور ایسا ظاہر کیا کہ قبائل کندہ ارتداد کی طرف میلان رکھتے ہیں اور اسلام سے برگشتہ ہیں۔

ابو بکر نے چار ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر آمادہ کیا اور زیاد کی کمانڈری میں حضرموت کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ خبر قبائل کندہ کو پہنچی، تو گویا وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور ''ابضعۃ بن مالک'' جو کندہ کے شاہزادوں میں سے ایک تھا، ان کے درمیان کھڑا ہوا اور یوں بولا: اے گروہ کندہ! ہم نے اپنے خلاف ایک ایسی آگ کے شعلے بلند کئے ہیں کہ گمان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ شعلے جلد بجھ جائیں گے مگر یہ کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور ہم میں سے بہت سے افراد

۱۔ اس بات سے یوں استفادہ ہوتا کہ: زیاد ان قبائل کو اسلام کی دعوت نہیں دیتا تھا کیونکہ وہ مسلمان تھے اور نماز و زکات کا اعتراف کرتے تھے صرف ابو بکر کی خلافت سے انکار کرتے تھے اور اسے زکات دینے سے اجتناب کرتے تھے۔

کو لقمہ اجل بنادیں گے اگر میری بات پر کان دھرو اور میرے نظریہ کو قبول کرو تو یہ بہتر ہے کہ ہمیں گزشتہ کی تلافی کرنا چاہئے اور جو چیز ہاتھ سے گنوا دی ہے اس کا تدارک کرنا چاہئے اور یہ جو آگ ہمارے خلاف شعلہ ور ہوئی ہے اسے اس طرح بجھائیں کہ اور ابوبکر کے پاس ایک خط لکھیں کہ ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنے مال کی زکوۃ اپنی مرضی سے اسے ادا کریں گے اور ہم ان کی پیشوائی اور امامت پر راضی ہیں[۱]

''ابضعہ'' نے اپنی بات کے اختتام پر اس جملہ کا بھی اضافہ کیا: باوجود اس کے کہ میں یہ تجویز تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں نیز تمہاری رای اور نظر سے بھی کوئی اختلاف نہیں رکھتا ہوں لیکن تمہارے کام کا نتیجہ وہی دیکھتا ہوں جو میں نے کہا ہے اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آ رہا ہے۔

اس کے بعد اعثم قبیلۂ کندہ میں اختلاف پیدا ہونے کی کیفیت اور ''اشعث'' کی مخالفت اور اس کے عدم تعاون کی مکمل طور پر تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے:

زیاد نے قبیلۂ کندہ کے ''بنوھند'' نامی ایک خاندان پر اچانک حملہ کر کے انھیں بری طرح شکست دی کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان کی عورتوں، بچوں اور مال و دولت پر تسلط جمایا

۱۔ ہم واضح طور پر مشاہدہ کرتے ہیں کہ تمام جنگیں ابوبکر کی خلافت اور حکومت کے سلسلہ میں تھیں نہ اسلام کیلئے لیکن چونکہ مؤرخین ابوبکر کی خلافت کو باقاعدہ قبول کرتے ہیں اس لئے ان اختلافات کو ارتداد سے منسلک کر کے اسلام سے اختلاف کے طور پر جانتے ہیں لہذا کہتے ہیں ''مسلمانوں نے عورتوں اور بچوں پر ...تسلط جمایا'' اور لشکر ابوبکر کو مسلمان جانتے ہیں اس کے مقابلہ میں ابوبکر کے مخالفوں کو مرتد کہتے ہیں اور یہی نام گزاری آج تک باقی رہی ہے ورنہ نہ کوئی ارتداد تھا اور نہ دین سے خروج کا کہیں وجود تھا۔

اعثم کہتا ہے: زیاد ''بنوھند'' کو شکست دینے کے بعد کندہ کے ''بنو عاقل'' نامی قبیلہ، کی طرف روانہ ہوا اس نے ان پر بھی اچانک اور ان کو اطلاع دیئے بغیر حملہ کیا۔ ''زیاد بن لبید'' کے سپاہی جب بنی عاقل کے نزدیک پہنچے تو قبیلہ کی عورتوں کی فریاد بلند ہوئی تو لوگ زیاد کے لشکر سے لڑنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے قبیلہ کے لوگوں اور سپاہیوں کے درمیان نبرد آزمائی ہوئی اور تھوری مدت کے بعد یہ جنگ قبیلہ والوں کی شکست پر ختم ہوئی انہوں نے گھربار اور بال بچوں کو چھوڑ کے فرار کیا اور وہ سب'' زیاد بن لبید'' کے سپاہیوں کے ہاتھ لگ گئے۔

اسکے بعد وہ قبیلہ'' بنی حجر'' کی طرف روانہ ہوا اور ان پر شب خون مارا۔ بنی حجر کے افراد ان دنوں زبردست اور نامور جنگجو مانے جاتے نیز قبائل کندہ کے بے مثال تیرانداز شمار ہوتے تھے چونکہ زیاد کے حملہ کے بارے میں پہلے سے مطلع نہیں تھے اور ان پر اچانک حملہ کیا گیا تھا اس لئے ایک مختصر جنگ اور مقابلہ کے بعد شکست سے روبرو ہوکر بھاگنے پر مجبور ہوئے زیاد کے سپاہیوں نے ان کے دو سو افراد کو قتل کر ڈالا اور پچاس افراد کو قیدی بنالیا اور قبیلہ کے باقی افراد بھاگ گئے ان کا جو بھی مال و منال تھا مسلمانوں کے ہاتھوں یا بہ عبارت واضح ابوبکر کے سپاہیوں کے ہاتھ لگ گیا زیاد بن لبید'' بنی حجر'' سے جنگ کے بعد قبیلہ'' بنی حمیر'' کی طرف روانہ ہوا۔ اس قبیلہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی کہ اس میں مسلمانوں کے بیس افراد قتل کئے گئے اور قبیلہ کے بھی بیس افراد مارے گئے آخرکار قبیلہ'' بنی حمیر'' نے بھی دوسرے قبیلوں کی طرح شکست کھائی اور بھاگ گئے مسلمانوں نے ان کی عورتوں اور بچوں پر تسلط جمایا۔

زیاد بن لبید کی کمانڈری میں انجام پانے والی ان جنگوں اور خونریزیوں کی خبر اشعث بن قیس کو پہنچی تو انتہائی غضبناک ہوا اور کہا: ''کیا لبید کا بیٹا میرے رشتہ داروں اور میرے چچیرے بھائیوں کو قتل کرے، عورتوں اور بچوں کو اسیر بنائے اور ان کی ثروت کو لوٹ لے اور میں آرام سے بیٹھا رہوں؟!

اس کے بعد اپنے چچازاد بھائیوں کو بلایا اور زیاد کی طرف روانہ ہوا اور شہر ''تریم''[1] کے نزدیک زیاد کے فوجیوں سے نبرد آزما ہوا اور ان کے تین سو افراد کو قتل کر ڈالا۔ زیاد نے شکست کھا کر شہر ''تریم'' میں پناہ لے لی، لہذا اشعث نے وہ تمام مال اور بچے پھر سے اپنے قبضہ میں لے لئے جنہیں زیاد لوٹ چکا تھا اس کے بعد انہیں ان کے مالکوں کو واپس پہنچا دیا۔ اس روداد کے کندہ کے بعد مختلف قبیلے کے بہت سے افراد اشعث کے گرد جمع ہو گئے اور زیاد اور اسکے طرفداروں کا ''تریم'' میں محاصرہ کیا۔ زیاد نے اس روداد کو ایک خط کے ذریعہ ابوبکر تک پہنچا دیا ابوبکر اس روداد سے غمگین اور پریشان ہوئے اور اسکے علاوہ کوئی چارہ نہ پایا کہ اشعث کے نام ایک خط لکھ کر اسے راضی کریں۔ مجبور ہو کر مندرجہ ذیل خط اس کے نام لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بندۂ خدا عبداللہ بن عثمان جانشین رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے اشعث بن قیس اور قبیلۂ کندہ کے تمام ان افراد کے نام جو اس کے ساتھ ہیں، امابعد، خداوند عالم اپنے پیغمبرؐ پر نازل کی گئی کتاب میں فرماتا ہے:

---

[1] ''تریم'' حضرموت کے شہروں میں سے ایک کا نام ہے اور ایک دوسرے شہر کا نام شبام ہے اور دونوں شہر دو قبیلوں کے نام سے منصوب ہیں جو وہاں پر بستے تھے۔

''ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور خبردار اس وقت تک موت کو دعوت مت دو جب تک مسلمان نہ ہو جاؤ''[۱] میں تمہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیتا ہوں اور ارتداد و خدا سے پیمان شکنی سے روکتا ہوں کہ نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرنا تا کہ یہ چیز تمہیں راہ خدا سے گمراہ کرکے ہلاکت و بدبختی کی طرف نہ کھینچ لے۔ اگر اسلام سے منحرف[۲] اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے میں تمہارا محرک میرے نمائندہ زیاد بن لبید کی نامناسب اقدام اور بدسلوکی ہے[۳] تو میں اس کو آپ لوگوں کی سرپرستی سے معزول کرتا ہوں اور جسے تم بھی پسند کرتے ہو میں اسے تمہارے لئے سرپرست قرار دیتا ہوں اور حامل رقعہ کو میں نے حکم دیا ہے کہ اگر تم لوگوں نے اس حق کو قبول کیا تو وہ بھی زیاد کو حکم دے گا کہ وہ تمہارے شہر و وطن کو چھوڑ کر واپس آ جائے اور تم لوگ بھی اپنے کئے پر نادم ہو کر جتنا جلد ممکن ہو توبہ کر لو خداوند عالم ہمیں اور تمہیں اسی راہ پر کامیاب کرے جو اس کی رضا اور خوشنودی کی راہ ہے والسلام[۴]

۱۔﴿یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ و لاتموتن الا و انتم مسلمون﴾ (آل عمران/۱۰۲)

۲۔ میں نہیں جانتا ابوبکر انہیں کس ارتداد کا الزام لگاتے ہیں کہ جبکہ وہ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اسلام کی نبوت کی شہادت دیتے اور مسلمانوں کے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے؟!

۳۔ ابوبکر نے یہاں پر اپنے گورنر کی جارحیت اور ظلم کا اعتراف کیا ہے اور اختلاف کے اسرار کو فاش کیا ہے کہ قبائل عرب کے اختلافات اور بغاوت کا سبب گورنروں کی جارحیت تھی نہ کہ ان کا ارتداد اور اسلام سے انحراف۔

۴۔ فتوح اعثم کی ج۱/ص ۶۸ پر اسی صورت میں آیا ہے اور جو کچھ حسان نے ابوبکر کے نامہ کے ذیل میں لکھا ہے اسے منعکس نہیں کیا ہے شائد اس سلسلہ میں چند اشعار بھی تھے فتوح کے مؤلف کے نقل کرنے سے رہ گئے ہیں۔

جب ابوبکر کا خط اشعث کو ملا اور اس نے اس کو پڑھ لیا تو، اس نے قاصد سے کہا: تیرا رئیس ابوبکر ہماری مخالفت کے سبب ہم پر کفر وارتداد کا الزام لگاتا ہے، لیکن اپنے نمائندے کو کافر نہیں جانتا ہے جس نے ہمارے مسلمان رشتہ داروں اور چچیرے بھائیوں کو قتل کیا ہے؟

قاصد نے کہا: جی ہاں، اشعث، تیرا کفر ثابت ہے کیونکہ تم نے مسلمانوں کے گروہ سے اختلاف کیا ہے[۱]

قاصد نے جب یہ جملہ کہا تو اشعث کے چچیرے بھائیوں میں ایک جوان نے اٹھ کر اس پر حملہ کیا اور اسکے فرق سر پر تلوار لگا کر اسے وہیں پر قتل کر ڈالا۔

اشعث نے اس جوان سے کہا: احسنت! آفرین ہو تم پر، ایک جھگڑالو کو خاموش کر دیا اور ایک دخل در معقولات کرنے والے کو فوری جواب دیا۔

ابوقرۂ کندی اس روداد سے غضبناک ہوا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا: اشعث! نہیں، خدا کی قسم تم نے جو کام انجام دیا ہے، ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ترے ساتھ اس بات پر موافق نہیں ہے اور تعاون نہیں کرے گا کیونکہ تم نے ایک ایسے قاصد کو قتل کیا ہے جو کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا تھا جب کہ تم اس پر جارحیت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے تھے ابوقرہ نے کہا اور اپنے قبیلہ کے افراد کے ساتھ اشعث کے گروہ سے اٹھ کر اپنے قبیلہ کے مرکز کی طرف چلا گیا۔

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر کے ماموراشعث اور اس کے افراد کے ساتھ اتحاد و یکجہتی ہمدردی ایجاد کرنے کے بجائے اشعث اور اس کے افراد کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔

اس کے بعد ابوسمر کندی اٹھا اور بولا: اشعث! تم ایک بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو، کیونکہ تم نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کرڈالا ہے ہم ان سے لڑتے ہیں جو ہم سے جنگ کرتے ہیں لیکن قاصد اور حامل خط کو قتل کرنا صحیح اور مناسب نہیں تھا۔

اشعث نے کہا؛ تم لوگ اپنے فیصلہ میں جلد بازی نہ کرو، اولاً اس قاصد نے ہم سب لوگوں پر کفر وارتداد کا الزام لگایا۔

ثانیاً اگر چہ میں اس کے قتل سے ناراض نہ ہوا لیکن بہرحال میں نے اس کے قتل کا حکم بھی تو نہیں دیا تھا!

اس کے بعد ایک اور شخص اٹھا اور بولا: اشعث! ہم سمجھتے تھے کہ تم اس نامناسب کام کے سلسلہ میں ہمارے لئے کوئی قابل قبول و اطمینان بخش عذر پیش کر کے ہمیں لاجواب کرو گے، لیکن تم نے ہمارے جواب میں ایک ایسی بات کہی جو ہم میں سے بیشتر افراد کی تم سے نفرت و بیزاری کا سبب بنا، خدا کی قسم اگر تم دانا اور عقلمند ہوتے تو اس نامناسب کام کو انجام پانے سے روکتے اور اس بے گناہ قاصد کی نسبت جارحیت اور ظلم کے مرتکب نہیں ہوتے اور اسے قتل نہیں کرواتے۔

ایک اور شخص نے کہا: لوگو! اس ظالم سے دوری اختیار کرو تا کہ خدا جان لے کہ تم اس کے ظلم و جارحیت سے راضی نہ تھے۔

اس روداد کے بعد اشعث کے دوست واحباب اس کے گرد سے متفرق ہو گئے اور دو ہزار افراد کے علاوہ اس کے پاس کوئی نہ رہا۔

زیاد نے ابوبکر کو ایک خط لکھا اور اس کے قاصد کے قتل ہونے کی خبر سے اسے مطلع کیا اور اس کے ضمن میں لکھا: میں اپنے احباب کے ساتھ فی الحال شہر ''تریم'' میں سخت محاصرہ اور برے حالات میں بسر کر رہا ہوں۔

ابوبکر نے قبیلۂ کندہ کے بارے میں مشورہ کیا۔ ابوایوب انصاری، نے کہا: فی الحال ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے اور اپنی پادشاہی اور ریاست میں مغرور ہیں اگر بیشتر سپاہ جمع کرنے کا فیصلہ کریں تو وہ یہ کام کر سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس سال تم اپنی فوج کو وہاں سے واپس بلا لو اور ان کے اموال کی زکوٰۃ سے صرف نظر کرو۔ اس صورت میں مجھے امید ہے کہ وہ اپنی مرضی سے حق کی طرف پلٹ آئیں گے اور اگلے سال سے اپنی مرضی اور خوشی سے زکوٰۃ ادا کریں گے۔

ابوبکر نے کہا: ابوایوب! خدا کی قسم جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر متعین فرمایا ہے، اگر اس میں سے اونٹ کے پاؤں کا ایک حلقہ بھی کم دینے میں انکار کریں گے تو میں ان کے ساتھ جنگ کروں گا[1] یہاں تک کہ بغاوت اور نافرمانی سے ہاتھ کھینچ لیں گے اور ذلیل وخوار ہو کر حق کو تسلیم کریں گے۔

۱۔ اس جملہ میں ابوبکر کا اشعث کے افراد سے اختلاف کا راز واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر چاہتا تھا وہ اسی طرح زکوٰۃ دیتے رہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے ورنہ بات ہرگز اسلام اور زکوٰۃ کے فریضہ کو قبول کرنے کے بارے میں نہیں تھی۔

اس کے بعد ابوبکر نے عکرمۃ بن ابی جہل[۱] کو ایک خط میں لکھا کہ وہ اہل مکہ کے ایک گروہ اور اس کے ہمنواؤں کے ساتھ زیاد بن لبید کی طرف روانہ ہوجائے اور راستے میں عرب قبائل میں سے جو بھی قبیلہ ملے انہیں اشعث کے خلاف لڑنے پر مشتعل کرے۔

ابوبکر کے حکم سے عکرمہ قریش اور ان کے ہم پیمانوں کے دو ہزار سواروں کے ہمراہ زیاد کی طرف روانہ ہوا یہاں تک کہ نجران میں داخل ہوا اس وقت ''جریر بن عبداللہ بجلی'' اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ نجران میں سکونت پذیر تھا اور خاندان بجلی کی سرداری اس کے ہاتھ میں تھی عکرمہ نے جریر کو اشعث سے جنگ کی دعوت دی لیکن جریر نے ان کا تعاون کرنے سے انکار کیا عکرمہ وہاں سے ''مأرب'' کی طرف روانہ ہوا جب ''دبا'' کے باشندوں کو عکرمہ کے ''مارب'' پہنچنے کی خبر ملی تو وہ عکرمہ کی روانگی سے غضبناک ہوئے اور کہا: ہم عکرمہ کو اس کے لئے نہیں چھوڑیں گے کہ قبیلہ کندہ اور غیر کندہ کے ہمارے چچیرے بھائیوں پر حملہ کرے اور انھیں قتل کر ڈالے ''دبا'' کے باشندوں نے اسی غرض سے ابوبکر کی طرف سے ان پر مأمور نمائندہ ''حذیفہ بن محصن'' کو اپنے شہر سے نکال باہر کیا، حذیفہ نے عکرمہ کے یہاں پناہ لے لی اور ''دبا'' کے باشندوں کی بغاوت کے بارے میں ابوبکر کو اطلاع دی ۔ابوبکر اس واقعہ سے غضبناک ہوئے اور عکرمہ کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا:

۱۔عکرمہ، جس کا لقب ابوعثمان بن ابوجہل بن ہشام تھا وہ قبیلہ قریش کے خاندان مخزوم سے تھا اس کی والدہ مجالا نامی قبیلہ ہلال کی ایک عورت تھی، عکرمہ کے باپ ابوجہل کا اصلی نام عمرو تھا عکرمہ بھی اپنے باپ ابوجہل کی طرح ایام جاہلیت میں رسول اللہ کے جانی دشمنوں میں شمار ہوتا تھا اور فتح مکہ کے کچھ دنوں بعد اسلام قبول کیا اور جنگ جمل میں مارا گیا اسد الغابہ ۲/۴ ۔۷۔

امابعد، میں نے پہلے خط میں حکم دیا تھا کہ حضرموت کی طرف روانہ ہونا لیکن جب میرا یہ خط تجھے ملے تو اپنا راستہ بدل کر ''دبا'' کی طرف روانہ ہوجاؤ اور وہاں کے لوگوں سے ایسا برتاؤ کرو جس کے وہ شائستہ ہوں اور اس فرمان کو عملی جامہ پہنانے میں کسی قسم کی تاخیر اور کوتاہی نہ کرنا اور جب ''دبا'' کی مأموریت سے فارغ ہوجاؤ تو وہاں کے باشندوں کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو اس کے بعد زیاد بن لبید کی طرف روانہ ہوجاؤ امید رکھتا ہوں خداوند عالم سرزمین حضرموت کی فتح تیرے ہاتھوں نصیب کرے **و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

عکرمہ اسی حکم کے مطابق ''دبا'' کی طرف روانہ ہوا اور وہاں کے باشندوں سے جنگ کی، اور انہیں اپنے محاصرہ میں لے لیا چونکہ دبا کے باشندے اس محاصرہ میں مشکلات سے دوچار ہوئے تو اپنے گزشتہ حاکم حذیفہ کو پیغام بھیجا اور اس سے صلح کی درخواست کی اور کہا کہ وہ زکوۃ کو ادا کریں گے اور حذیفہ سے بھی محبت کر کے اس کے احکام کی اطاعت کریں گے حذیفہ نے دبا کے باشندوں کے نمائندہ کو اس پیغام کے ساتھ واپس بھیجا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح کا معاہدہ منعقد نہیں ہوگا مگر مندرجہ ذیل شرائط پر:

۱۔ اقرار و اعتراف کرو کہ تم باطل پر ہو اور ہم حق پر ہیں۔

۲۔ اعتراف کرو کہ تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں اور ہمارے مقتولین بہشت میں[۱]

۱۔ کیا خداوند عالم قیامت کے دن جو کچھ ابوبکر کے گماشتے کہیں گے اسی پر عملی جامہ پہنائے گا؟ ہم یہاں پر ایک بار پھر ابوبکر کے مامورین کی سختی اور تندی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۳۔ تمہارے ہتھیار ڈالنے کے بعد ہم اپنی مرضی کے مطابق تمہارے ساتھ برتاؤ کریں گے نہ تمہاری رائے اور مرضی کے مطابق۔

''دبا'' کے باشندوں نے مجبور ہو کر یہ شرائط مان لئے۔ حذیفہ نے بیشتر اطمینان کیلئے پیغام بھیجا کہ اگر تم لوگوں نے واقعاً ہماری تجویز کو مان لیا ہے تو اسلحہ کے بغیر شہر سے باہر آنا۔ انہوں نے بھی حاکم شہر کے اطمینان کیلئے اس کے حکم پر عمل کیا اور غیر مسلح صورت میں شہر سے باہر آ گئے تا کہ صلح کا معاہدہ منعقد ہو جائے۔

لیکن عکرمہ نے اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شہر کے قلعہ پر قبضہ جمایا اور وہاں کے اشراف اور بزرگوں کے کھلے عام سر قلم کئے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا اور ان کی ثروت کو غنیمت کے طور پر لوٹ لیا اور باقی لوگوں کو اسیر بنا کر ابوبکر کے پاس بھیج دیا۔

ابوبکر نے فیصلہ کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور انکے بچوں کو سپاہیوں کے درمیان غلاموں کی حیثیت سے تقسیم کر دیا جائے۔ عمر ابوبکر کے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ بنے اور کہا: اے پیغمبر کے جانشین! یہ لوگ دین اسلام پر باقی ہیں کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ دل سے قسم کھاتے ہیں کہ اسلام سے منحرف نہیں ہوئے ہیں۔

ابوبکر عمر کے کہنے پر ان کو قتل کرنے سے منصرف ہو گئے اور انھیں مدینہ کے جیل میں ڈال دیا یہاں تک وہ دنیا سے گزر گئے اور جب ابوبکر کے بعد حکومت کی باگ ڈور عمر کے ہاتھ آئی تو اپ نے انھیں جیل سے آزاد کر دیا۔

عکرمہ ''دبا'' کو فتح کرنے کے بعد ''زیاد'' کی مدد کیلئے حضر موت کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب یہ خبر اشعث کو پہنچی تو اس نے ''نجیر'' کے قلعہ میں پناہ لے لی۔ اپنے دوست واحباب کی عورتیں اور بچے بھی وہیں پر جمع کر لئے اسکے بعد عکرمہ اور اس کے درمیان کئی جنگیں واقع ہوئیں جب اس روداد کی خبر قبیلۂ کندہ اور ان افراد کو ملی جو ابو بکر کے قاصد کو قتل کرنے پر اشعث سے اختلاف کر کے اس سے جدا ہوئے تھے، انہوں نے آپس میں کہا کہ اب جب کہ ہمارے بھائی قلعہ ''نجیر'' میں محاصرے میں پھنسے ہیں تو یہ ہمارے لئے ایک بڑی ننگ اور شرم کی بات ہے کہ انھیں دشمن کے حوالے کر کے خود نعمت و آسائش میں بسر کریں، آیئے ہم ان کی طرف دوڑتے ہیں اور انہیں نجات دینے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح قبیلۂ کندہ کے جنگ سے پیچھے بھاگنے والے لوگ دوبارہ زیاد کی فوج سے لڑنے کیلئے روانہ ہوئے زیاد کو جب انکی روانگی کی خبر ملی تو اس نے بے بسی اور پریشانی کا اظہار کیا عکرمہ نے اس سے کہا کہ مصلحت اس میں ہے کہ تم اسی جگہ پر رہنا اور محاصرہ میں پھنسے لوگوں کو محاصرہ توڑنے کی اجازت نہ دینا اور میں چند لوگوں کے ساتھ ان لوگوں کی طرف چلا جاؤں گا جو ہماری طرف آرہے ہیں اور انھیں آگے بڑھنے سے روک لوں گا۔

زیاد نے کہا: اچھی رائے ہے، لیکن اگر خدا نے تجھے کامیابی عطا کی تو تلوار کو نیام میں نہیں رکھنا یہاں تک انکے آخری فرد کو نہ قتل کر دو[1]

۱۔ خلیفہ کے گماشتے ایک دوسرے کو اسی طرح کی سفارش کرتے تھے کہ مسلمانوں کے مخالفین میں سے کسی کو زندہ نہ رکھنا۔

عکرمہ نے کہا: جہاں تک ممکن ہو سکے اس راہ میں کوشش کروں گا اس کے بعد روانہ ہوا یہاں تک ان لوگوں میں پہنچا اور ان کے درمیان جنگ واقع ہوئی۔ عکرمہ اور اس کے دوستوں نے اس جنگ میں شکست کھائی جب رات ہوگئی تو جنگ کے شعلے بجھ گئے لیکن دوسرے دن کی صبح کو دونوں فوجیں دوبارہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے قرار پائیں اور اس روز عصر تک گھمسان کی جنگ جاری رہی۔

دوسری طرف سے اشعث بن قیس جو محاصرے میں تھا، ان روداد کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور چونکہ اس قلعہ کا محاصرہ جاری رہا بھوک اور پیاس نے اشعث اور اس کے ساتھیوں کو تنگ اور مجبور کر دیا اشعث نے زیاد کو پیغام بھیجا کہ خود اسے، اس کے خاندان اور اس کے دوستوں میں سے دس افراد کو امان دیدے۔ زیاد نے اس تجویز کی موافقت کی اور ان کے درمیان ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ محاصرہ میں پھنسے لوگوں نے خیال کیا کہ اشعث نے یہ امان نامہ سب لوگوں کیلئے حاصل کیا ہے اور تمام محاصرہ شدہ لوگ اس امان نامے میں شامل ہیں، لہذا وہ خاموش رہے اور اس عہد نامہ کی مخالفت نہیں کی۔ زیاد نے بھی ایک خط کے ذریعہ اس امان نامہ کی روداد عکرمہ کو بھیج دی۔ عکرمہ نے ان لوگوں سے ۔ جو اس سے لڑتے تھے۔ کہا: لوگو! ہم سے کس لئے جنگ کرتے ہیں؟

عکرمہ نے کہا: یہ دیکھ لو! تمہارے سردار نے امان کی درخواست کی ہے۔ یہ کہا اور خط کو ان کی طرف پھینک دیا۔ جب انہوں نے خط کو پڑھ لیا اور خط کے مضمون یعنی یہ کہ اشعث نے زیاد سے امان کی درخواست کی ہے سے مطلع ہوئے تو کہا: عکرمہ اب ہماری تیرے ساتھ کوئی جنگ ہی نہیں ہے، تم سلامت چلے جاؤ اور وہ بھی اشعث کو گالیاں سناتے ہوئے عکرمہ کی جنگ سے واپس چلے گئے۔

عکرمہ جب ان قبائل کی جنگ سے مطمئن ہوا تو اپنے دوستوں سے کہا: جتنا جلد ممکن ہو سکے زیاد کی طرف روانہ ہو جاؤ، کیونکہ اشعث نے امان کی درخواست کی ہے اور اگر زیاد اور اس کے ساتھی قلعہ کو فتح کریں اور وہاں کی ثروت کو غنیمت کے طور پر لے جائیں تو شائد تمہیں اس میں شریک قرار نہ دیں کیونکہ وہ قلع فتح کرنے میں تم لوگوں پر سبقت حاصل کریں گے۔

عکرمہ اور اس کے دوست جب قلعۂ ''نجیر'' کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ابھی اشعث قلعہ سے باہر نہیں آیا ہے اور اپنے اور اپنے دوستوں کیلئے ایک مضبوط عہد نامہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ زیاد نے عکرمہ سے سوال کیا کہ: قبائل کندہ کے ساتھ تم نے کیا کیا؟

عکرمہ نے کہا: تمہاری نظر میں مجھے ان کے ساتھ کیا کرنا چاہئے تھا خدا کی قسم میں نے قبائل کندہ کے لوگوں کو ایسا مرد پایا جو طاقت ور، جنگجو اور موت کا مقابلہ میں صابر و شاکر تھے۔ میں نے ان کے ساتھ جنگ کی لیکن آخر کار معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے طاقتور اور قوی تر ہیں۔ اس کے علاوہ تیرا خط مجھے پہنچا اور میں نے دیکھا کہ اشعث نے امان کی درخواست کی ہے اور جنگ ختم ہوئی ہے اس لئے میں بھی اشعث کے امدادی فوجیوں سے جنگ ترک کر کے تیری طرف روانہ ہو گیا ہوں۔

زیاد نے کہا: عکرمہ! نہیں! خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا، وہ ایک بہانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تم ایک ڈرپوک شخص ہو اور تیرا بزدل ہونا ہی سبب بنا ہے کہ تم جنگ سے فرار کر گئے ہو اور ہماری طرف آگئے ہو، کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ قبائل کندہ پر ایسی تلوار چلانا کہ ان میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچ سکے؟ اب تم اپنے دوستوں کے ہمراہ اس خوف میں واپس آئے ہو کہ کہیں مال

غنیمت ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ اس پر خدا کی لعنت ہو جو آج کے بعد تجھے بہادر کہے۔ عکرمہ، زیاد کی باتوں سے غضبناک ہوا اور کہا: زیاد! خدا کی قسم اگر وہ تیرے ساتھ جنگ کرتے تو تم انھیں ایسے شیر پاتے جو اپنے تیز دانتوں اور اپنے مضبوط اور وحشی پنجوں کو تیز کر کے اپنے بچوں کے ہمراہ اٹھتے ہیں اور بہادرانہ طور پر بہادروں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، اس وقت تم آرزو کرتے کہ وہ تم سے دست بردار ہو کر دوسری طرف رخ کرتے۔ اسکے علاوہ تم خود ایک خشک، سخت، بہت بڑے ظالم، غاصب، بزدل اور مال و ثروت کے بارے میں دوسروں سے حریص تر ہو۔ یہ تم تھے جس نے یہ سب شورشیں برپا کیا ہے۔ یہ تم تھے جس نے ان لوگوں سے جنگ کی ہے اور وہ بھی ایک اونٹ کیلئے، جی ہاں، صرف ایک اونٹ کیلئے اپنے اور ان قبائل کے درمیان اتنی جنگیں اور خونریزیاں برپا کی ہیں اور اگر میں اور میرے فوجی تیری نصرت کیلئے نہ آتے تو سمجھ لیتے تجھے کیسے یہ لوگ تہ تیغ کر کے طوق و زنجیر میں جکڑتے ہیں۔

اس کے بعد عکرمہ نے اپنے ساتھیوں کی طرف خطاب کیا اور انھیں حکم دیا کہ روانہ ہو جائیں لیکن زیاد نے عکرمہ سے معافی مانگی۔ عکرمہ نے بھی اس کی معافی قبول کی اور اس کی نصرت اور مدد کرنے میں وفادار رہا۔ اس کے بعد اشعث اپنے خاندان، بنی اعمام کے بزرگوں اور اپنے چچیرے بھائیوں اور ان کے خاندان اور مال و منال کے ساتھ قلعہ سے باہر آیا۔ چونکہ اشعث نے صرف اپنے رشتہ داروں اور اعزہ کیلئے امان طلب کی تھی اور اس کا اپنا نام اس امان نامہ میں ذکر نہیں ہوا تھا، لہذا زیاد نے کہا: اشعث! تم نے اپنے لئے امان نہیں چاہی ہے۔ خدا کی قسم اب میں تجھے قتل کر دوں گا۔

اشعث نے کہا: میں نے اپنے رشتہ داروں کیلئے امان کی درخواست کی تھی مناسب نہیں تھا کہ اس میں اپنا نام بھی لکھدوں، لیکن، یہ جوتم نے کہا کہ: مجھے قتل کرڈالو گے، خدا کی قسم اگر مجھے قتل کردو گے تو یمن کے تمام لوگ تیرے اور تیرے سردار ابوبکر کے خلاف شورش و بغاوت کریں گے اور وہ بغاوت ایک بے مثال بغاوت ہوگی۔

زیاد، اشعث کی باتوں پر توجہ کئے بغیر قلعہ میں داخل ہوا اور اشعث کے ایک ایک سپاہی کو پکڑ کر سر قلم کررہا تھا، انہوں نے کہا: زیاد! ہم نے اس لئے دروازہ تیرے لئے کھولا ہے کہ تم نے ہمیں امان دی تھی، اب تم کس حیثیت سے ہمیں قتل کررہے ہو؟ امان دینا کہاں اور یہ قتل کرنا کہاں؟

زیاد نے کہا: اشعث نے تم لوگوں سے جھوٹ کہا ہے، کیونکہ عہد نامہ میں اس کے گھرانے کے افراد اور اس کے رشتہ داروں میں سے دس افراد کے علاوہ کسی کا نام نہیں آیا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں نے کچھ نہیں کہا اور سمجھ گئے کہ یہ اشعث ہے جس نے انھیں موت کے حوالے کیا ہے۔

جس وقت زیاد قلعہ کے لوگوں کے سر قلم کررہا تھا، اسی اثناء میں ابوبکر کی طرف سے اسے مندرجہ ذیل مضمون کا ایک خط ملا:

> مجھے خبر ملی ہے کہ اشعث نے امان کی درخواست کی ہے اور میرے حکم کی اطاعت کی ہے تو اسے میرے پاس بھیج دو اور کندہ کے بزرگوں میں سے کسی کو قتل نہ کرنا۔

زیاد نے کہا: اگر یہ خط مجھ پہلے ملتا تو ان میں سے ایک کو بھی قتل نہیں کرتا اس کے بعد باقی افراد

کو جمع کیا ان کی تعداد اسی (۸۰) تھی انھیں زنجیروں میں جکڑ کر ابوبکر کے پاس بھیج دیا۔

قبیلۂ کندہ کے افراد جب مدینہ میں داخل ہوئے اور ابوبکر کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو ابوبکر نے اشعث سے کہا:

شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں تم پر مسلط کیا۔

اشعث نے کہا؛ جی ہاں، میری جان کی قسم تم مجھ پر مسلط ہو گئے ہو جبکہ میں اسی چیز کا مرتکب ہوا ہوں جس کا گذشتہ دوسرے لوگ بھی مرتکب ہوئے تھے وہ یہ کہ تیرے حاکم زیاد بن لبید نے ہمارے اعزہ اور رشتہ داروں کو بے گناہ اور ظلم و ستم سے قتل کیا اور میرے خاندان اور رشتہ داروں کے ساتھ وہی کیا جسے تم خود جانتے ہو۔

عمر اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین! یہ اشعث مسلمان تھا، پیغمبر پر ایمان لایا تھا اور قرآن پڑھتا تھا، بیت اللہ کی زیارت کی تھی اس کے بعد اپنے دین سے منحرف ہو گیا اور اپنے طریقہ کو بدل ڈالا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ پیغمبرؐ نے حکم دیا ہے جو بھی اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔ اب خدا نے بھی تجھے قدرت عطا کی ہے لہذا اس کو قتل کرنا کیونکہ اس کا خون حلال و مباح ہے۔

اشعث اٹھا اور عمر کے جواب میں ابوبکر سے مخاطب ہوا: اے پیغمبر کے جانشین! میں نہ تو اپنے دین سے منحرف ہوا ہوں اور نہ ہی اپنے مالک کو زکوٰۃ دینے میں بخل سے کام لیا ہے۔ لیکن تیرے نمائندہ زیاد بن لبید نے میرے رشتہ داروں اور اعزہ پر ظلم کیا اور ان میں سے بے گناہ افراد کو قتل کیا میں

اس کے اس کام سے پریشان تھا اور اس کا انتقام لینے کیلئے اٹھا تھا اور اس سے جنگ ومقابلہ کیا۔ یہ تھی وہ روداد جوگزری اب میں حاضر ہوں تاوان اور پیسے ادا کر کے اپنے آپ کو اور ان شاہزادوں اور یمن سے لائے گئے اسیروں کو نجات دلاؤں اور زندگی بھر تیرا حامی ومددگار رہوں اور تم اپنی بہن ام فروہ کو میرے عقد میں دے دو تا کہ میں تیرے لئے بہترین داماد بنوں۔

ابوبکر نے کہا: میں نے تیری درخواست منظور کی، اس کے بعد اپنی بہن کو اشعث کے عقد میں دیدیا اور اسے بذل وبخشش سے بھی نوازا اس دن کے بعد اشعث ابوبکر کے دربار میں بہترین مقام و حیثیت کا مالک ہوگیا۔

یہاں پر جنگ کندہ کی روداد اختتام کو پہنچی، اب ہم اس جنگ کے اسباب اور نتائج پر بحث کرتے ہیں۔

جنگ کندہ کی جانچ پڑتال

یہ تھی وہ جنگیں جو قبائل کندہ اور ابوبکر کے سپاہیوں کے درمیان واقع ہوئیں تمام مؤرخین اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ یہ سب جنگیں صرف ایک اونٹ کے سبب واقع ہوئی ہیں اس اونٹ کا مالک اسے بہت چاہتا تھا۔ اور ابوبکر کے نمائندہ زیاد بن لبید سے درخواست کی کہ اس اونٹ کے بدلے میں اس سے دوسرا اونٹ قبول کرے، لیکن زیاد نہیں مانا۔ اس جوان نے اپنے قبیلہ کے ایک سردار کو واسطہ قرار دیا، پھر بھی زیاد نے قبول نہیں کیا یہاں تک یہ معمولی روداد ایک بڑی، خونین، اور تباہ کن جنگ میں تبدیل ہوئی۔

لیکن اکثر مورخین نے اس روداد کی تفصیلات اور جزئیات لکھنے سے اجتناب کیا ہے تاکہ یہ امر بزرگ اصحاب پر تنقید اور اعتراض کا سبب نہ بنے صرف اعثم کوفی نے کسی حد تک اس کے جزئیات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہم نے اس سے نقل کیا۔

تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مؤرخین نے ''زیاد بن لبید'' کی ظالمانہ روش (جو اس جنگ میں واضح ہے) اور اس کے فضائل میں شمار کیا ہے اور اس کی تجلیل کی ہے کہ وہ ایک قوی اور پختہ ارادے کا مرد اور زکوۃ حاصل کرنے میں بہت سخت تھا جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کی سختی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اس سلسلے میں اپنے والی اور حکام کو نرمی سے پیش آنے کی سفارش فرماتے رہے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ''معاذ بن جبل'' کو یمن کیلئے مامور کیا

تو اپنے فرمان کے ضمن میں یوں فرمایا:

''معاذ! تم ان لوگوں کی طرف جارہے ہو جو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں خدا اور اس کے دین کا انکار نہیں کرتے ہیں تم مصمم اردہ سے خدا کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے بارے میں دعوت دینا اگر انہوں نے تیری دعوت کو قبول کی تو ان سے کہنا کہ خداوند عالم نے تم لوگوں پر روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض اور واجب کی ہے۔ اگر انہوں نے نماز کو بھی قبول کیا تو اسکے بعد کہنا کہ خداوند عالم نے زکوۃ بھی تم لوگوں پر واجب کی ہے کہ جو دولتمندوں سے حاصل کی جاتی ہے اور فقراء و حاجتمندوں کو دی جاتی ہے اگر اس حکم کو بھی قبول کرلیں تو ان سے بہترین اموال لینے سے پرہیز کرنا ''فایاک و کرائم اموالھم'' اور مظلوموں کی نفرین سے ڈرنا کیونکہ خداوند عالم مظلوموں کی نفرین کو جلدی قبول کرتا ہے ''اتق دعوۃ المظلوم''

یہ حدیث صحیح بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مالک اور ابن حنبل جیسے مآخذ میں درج ہے۔

ابن حجر فتح الباری میں جملۂ فایاک و کرائم اموالھم کی تشریح میں کہتا ہے کرائم، کریمہ کی جمع ہے کریمہ ہر نفیس اور پسندیدہ چیز کو کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم میں لوگوں سے ایسی چیزیں لینے سے منع فرمایا ہے جو مالک کی پسندیدہ اور قابل توجہ ہوں۔ اس حکم کا راز یہ ہے زکوۃ غمخواری اور اقتصادی زخموں پر مرہم پٹی لگانے کیلئے ہے اور یہ کام مال داروں کے ساتھ ظلم وستم

اور ناانصافی کرنے اوران کے جذبات مجروح کرنے سے انجام نہیں پا سکتا۔

اور جملۂ ''اتق دعوۃ المظلوم '' کی تشریح میں کہتا ہے: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملہ کے ذریعہ فرماتے ہیں: کسی پر ظلم وستم کرنے سے ڈرنا، ایسا نہ ہو کہ کوئی مظلوم تجھے نفرین کرے۔ اس کے بعد کہتا ہے: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ جملہ لوگوں سے گراں قیمت اوران کے پسندیدا اموال لینے کے ضمن میں فرمایا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ فرمانا چاہتے ہیں: لوگوں سے ان کے پسندیدہ اموال لینا ان پر ظلم ہے اس لئے اس سے قطعاً پرہیز کرنا چاہئے۔

یہ تھا زکوٰۃ کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم کہ اسے کس طرح حاصل کرنا چاہئے اور کن کے درمیان تقسیم کرنا چاہئے خلیفہ کے گماشتوں کا عمل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کے بالکل برعکس تھا کیونکہ وہ ان قبائل کے مال کو زکوٰۃ کیلئے وصول کرتے تھے نہ اس لئے کہ اسے حاجتمندوں اور فقراء میں تقسیم کریں، بلکہ اس لئے وصول کرتے تھے کہ اسے خلیفہ کے پاس بھیج دیں، انہوں نے اپنے اس عمل سے پیغمبر اسلامؐ کے فرمائشات کی مخالفت کی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی ہے مظلوموں اور بے سہاروں کی نفرین کی پروانہیں کی لوگوں کے من پسندی اموال کو ان سے زبردستی لیتے تھے اونٹ کے ایک بچہ کیلئے ایک بڑی اور خونین جنگ لڑ کر زمانہ جاہلیت کی جنگ ''بسوس'' کو بری الذمہ کردیا ہے۔

لیکن ان سب چیزوں سے بالاتر، خدا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے والے مسلمانوں پر کفر وارتداد کا الزام لگایا کہ مورخین بھی آج تک اس بڑی اور ناقابل عفو افتراء پردازی

کے جرم میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

مالک بن نویرہ کی جنگ

مالک بن نویرہ کی ایک اور جنگ ہے جس سے عرب قبائل کا ابوبکر کی حکومت کے ساتھ اختلاف کا سبب معلوم ہوتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کا اعتراض اس وقت کے طرز حکومت پر تھا نہ یہ کہ وہ اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہوئے تھے۔

اعثم کوفی نے ''مالک بن نویرہ کی جنگ'' کی یوں تشریح کی ہے:

خالد بن ولید نے عرب قبائل کو کچلنے کیلئے ایک بڑے لشکر کو جمع کیا اور سرزمین بنی تمیم کی طرف آگے بڑھا اور وہاں پر اپنا کیمپ لگا دیا۔ وہیں پر اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ کو ایک طرف روانہ کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو مالک بن نویرہ کی طرف روانہ کیا اس وقت مالک بن نویرہ اپنی بیوی اور چند رشتہ داروں کے ہمراہ ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اچانک خود کو اور اپنے افراد کو کچھ سواروں کے درمیان پایا کہ انہوں نے ہر طرف سے انہیں گھیر لیا تھا۔ اس طرح خالد کے سپاہیوں نے مالک کے ساتھیوں کا محاصرہ کیا اور اسے اس کی خوبصورت بیوی کے ساتھ قیدی بنا لیا نیز ان کے علاوہ ان کے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں کو بھی اسیر بنایا، اسکے بعد انھیں خالد کے پاس لے آئے اور ان سب کو اس کے سامنے کھڑا

کر دیا۔

خالد نے بغیر کسی سوال و پوچھ تاچھ، تحقیق اور جواب گوئی کے حکم دیا کہ مالک کے تمام اعزہ واقارب کو قتل کر دیا جائے انہوں نے فریاد بلند کی کہ ہم مسلمان ہیں، کیوں ہمارے قتل کا حکم جاری کرتے ہو اور کس کی اجازت سے ہمیں قتل کرتے ہو؟

خالد نے کہا: خدا کی قسم میں تم سب کو قتل کر ڈالوں گا۔

ان میں سے ایک بوڑھے نے کہا: کیا ابوبکر نے تمہیں رو بہ قبلہ نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے منع نہیں کیا ہے؟

خالد نے کہا؛ جی ہاں ابوبکر نے ہمیں ایسے افراد کو قتل کرنے سے منع کیا ہے لیکن تم لوگوں نے کبھی نماز نہیں پڑھی ہے۔

اعثم کہتا ہے: اسی اثناء میں ابوقتادہ اپنی جگہ سے اٹھا اور خالد سے مخاطب ہو کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہیں ان لوگوں پر تجاوز کرنے کا حق نہیں ہے۔

خالد نے کہا: کیوں؟

ابوقتادہ نے کہا؛ کیونکہ میں نے خود اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ جب ہمارے سپاہیوں نے ان پر حملہ کیا اور ان کی نظر ہمارے فوجیوں پر پڑی انہوں نے سوال کیا کہ تم کون ہو؟ ہم نے جواب میں کہا کہ ہم مسلمان ہیں، اس کے بعد انہوں نے کہا: ہم بھی مسلمان ہیں اس کے بعد ہم نے اذان کہی اور نماز پڑھی انہوں نے بھی ہماری صف میں کھڑے ہو کر ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔

خالد نے کہا؛ ابوقتادہ! صحیح کہتے ہو، اگرچہ انہوں نے تم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی ہے لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے لہذا انھیں قتل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

اعثم کہتا ہے: ایک بوڑھا ان میں سے اٹھا اس نے کچھ باتیں کہیں، لیکن خالد نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور ان سب کا ایک ایک کرکے سر قلم کر ڈالا۔

اعثم کہتا ہے: ابوقتادہ نے اس دن قسم کھائی کہ اس کے بعد وہ کبھی بھی ایسی جنگ میں شرکت نہیں کرے گا جس کا کمانڈر خالد ہوگا۔

اعثم اپنی بات کو یہاں جاری رکھتا ہے کہ: خالد نے مالک بن نویرہ کے افراد کو قتل کرنے کے بعد اسے اپنے پاس بلایا اور اس کے قتل کا بھی حکم جاری کیا۔ مالک نے کہا؛ کیا مجھے قتل کرو گے جبکہ میں ایک مسلمان ہوں اور رو بہ قبلہ نماز پڑھتا ہوں؟

خالد نے کہا: اگر تم مسلمان ہوتے تو زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کرتے، اور اپنے رشتہ داروں اور قبیلہ کے لوگوں کو بھی زکوٰۃ نہ دینے پر مجبور کرتے خدا کی قسم تم پھر سے اپنے قبیلہ میں جانے کا حق نہیں رکھتے ہو اپنے وطن کا پانی نہیں پیو گے اور میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔

اعثم کہتا ہے: اسی اثناء میں مالک بن نویرہ نے اپنی بیوی پر ایک نظر ڈالی اور کہا: خالد! کیا اس عورت کیلئے مجھے قتل کرتے ہو؟

خالد نے کہا: میں تجھے خدا کے حکم سے قتل کرتا ہوں کیونکہ تم اسلام سے منحرف ہوئے ہو اور زکوٰۃ کے اونٹوں کو رم کر چکے ہو اور اپنے رشتہ داروں اور اعزہ کو زکوٰۃ دینے سے روکا ہے۔

خالد نے یہ کہتے ہوئے مالک کے سرکو تن سے جدا کیا مورخین کہتے ہیں کہ خالد بن ولید نے مالک کوقتل کرنے کے بعداس کی بیوی سے شادی کی اوراس کے ساتھ ہمبستری کی یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تمام علمائے تاریخ کا اتفاق ہے۔

ان جنگوں کا اصل محرک

جو کچھ ہم نے بیان کیااس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابو بکر کے سپاہیوں نے بعض ایسے مسلمانوں سے جنگ کی ہے جنھوں نے نہ تلوار اٹھائی تھی اور نہ دوسرے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی، بلکہ بارہا اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی صف میں نماز بھی پڑھی تھی۔

جی ہاں، ابو بکر کے سپاہیوں نے ایسے ہی افراد کے ساتھ جنگ کی ہے، انھیں اسیر بنایا، زکوۃ ادانہ کرنے کے الزام میں انکا سر قلم کیا ہے، کم از کم ان سے زکوۃ کا مطالبہ کرتے تا کہ دیکھتے کہ کیا وہ زکوۃ ادا کرنے سے منکر بھی ہیں یا نہیں۔

حقیقت میں ان جنگوں کے واقع ہونے میں کچھ اور ہی اسباب اور علل ہیں اور دوسرے اغراض اور مقاصد ہیں نہ انکا ارتداد سے کوئی ربط ہے اور نہ زکوۃ ادانہ کرنے سے کوئی تعلق ہے۔ چنانچہ مالک بن نویرہ خالد بن ولید کو صراحتاً الزام لگاتے ہیں کہ وہ ان کی بیوی کے لئے اسے قتل کر رہا ہے اور خالد کا اس کے بعد والا طرز عمل بھی مالک کی بات کی تائید وتصدیق کرتا ہے۔

کیا اس قسم کی جنگوں کو اسلام کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا ہے اور انھیں مرتد افراد اور اسلام کے

دشمنوں سے جنگ کہا جاسکتا ہے؟ کیا یہ جنگیں حقیقت میں مالک کی بیوی یا تیز رفتار اونٹ کیلئے نہیں تھیں؟... اور یا ان کے ابوبکر کی بیعت کرنے میں تأمل اور ان کی حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے اجتناب کی وجہ سے واقع ہوئی ہیں؟

جو بات یقینی اور مسلم ہے وہ یہ ہے کہ ان جنگوں میں اسلامی مقاصد نہیں تھے اور یہ اسلام کیلئے انجام نہیں پائی ہیں ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ اس کے باوجود کیسے ان جنگوں کو مرتد لوگوں سے جنگوں کا نام دیا گیا ہے! اور اصحاب کے زمانے سے آج تک اسی جعلی نام سے مشہور و معروف ہیں۔ یہ سب غیر حقیقی بیانات، بے بنیاد اور خطرناک نام گزاریاں اور اسی قسم کی دسیوں منحوس اور تاریک تحریفات سیف کے توسط سے تاریخ اسلام میں وجود میں آئی ہیں۔

سیف کی فتوحات پر ایک نظر

سیف بن عمر نے بہت سی جنگوں کو مرتدین کی جنگوں کے نام سے جعل کیا ہے، اور بعض غیر اسلامی جنگوں کو بھی دین اسلام کے کھاتے میں ڈال کر انھیں بھی مرتدین کی جنگوں میں شمار کیا ہے۔ یہ جنگی روایتیں اور افسانے اسلام و مسلمانوں کو گوناگوں نقصانات پہنچانے کے علاوہ اسلام کے چہرہ کو مسخ کر کے شرمناک صورت میں پیش کرتی ہیں اور اسکے علاوہ اسلام کی دشمنی اور کینہ رکھنے والوں کیلئے مضبوط دستاویز فراہم کرتی ہیں، کہتے ہیں:

''اسلام نے مسلمانوں کے دل میں جگہ نہیں پائی تھی۔ جزیرۃ العرب کے مختلف قبائل جو اسلام قبول کر چکے تھے پیغمبر کی وفات کے بعد ہی گروہ گروہ اسلام سے منحرف ہو گئے اور دوسری بار تلوار اور نیزے کے بل بوتے پر پھر سے اسلام لائے''

اسی طرح اسلامی فتوحات کے بارے میں بھی سیف کی روایتیں جھوٹ سے بھری ہیں اور مرتدین کی افسانوی جنگوں کے انھیں مقاصد کی پیروی کرتی ہیں ان کے بارے میں کتاب کے دوسرے حصہ میں مرتدین کی جنگوں کے ساتھ ان پر بھی بحث ہوئی ہے۔ ان میں ایسا دکھایا گیا ہے کہ اسلامی فوج نے جزیرۃ العرب کے قبائل اور ملتوں کے لوگوں میں سے لاکھوں افراد کو تہہ تیغ کیا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ ترس و وحشت سے تسلیم ہو کر اسلام کے فرمانبردار بنے۔

جبکہ یہ سب مطالب بے بنیاد اور حقائق کے خلاف ہیں، کیونکہ سیف نے جن لوگوں کو اپنی

روایتوں میں ذکر کیا ہے نہ یہ کہ وہ مخالف اسلام نہ تھے بلکہ مسلسل مسلمانوں کے فائدہ میں کوشش اور سرگرمی دکھاتے رہے ہیں اور غیر اسلامی حکومتوں کا تختہ الٹنے کے بارے میں ان کا تعاون کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی رومیوں سے جنگ میں حمص اور شام کے تمام شہروں کے باشندوں نے مسلمانوں کی نصرت کی کہ جس کو معروف مؤرخ بلاذری نے ان کی روداد کو مفصل طور پر درج کیا ہے اور یوں لکھتا ہے۔

ہرقل نے شام کے لوگوں کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے آراستہ کیا اور جنگ ''یرموک'' کے لئے آمادہ ہوئے جب اس روداد کی خبر مسلمانوں کو پہنچی تو انہوں نے حمص کے لوگوں سے وصول کیا گیا ٹیکس انھیں واپس کیا اور کہا ہم تمہاری مدد اور دفاع کرنے سے معذور ہیں اور تمہارے امور کو تم پر ہی چھوڑتے ہیں۔

حمص کے باشندوں نے کہا: آپ لوگوں کی عادلانہ اور منصفانہ حکومت ہمارے لئے ہرقل کی ظالمانہ حکومت سے بہتر ہے ہم حاضر ہیں تا کہ آپ کے کارندوں، نمائندوں اور مسلمانوں کی مدد کریں اور ہرقل کے سپاہیوں کو شہر حمص سے نکال باہر کریں۔ دوسری طرف حمص کے یہودی بھی اٹھے اور کہا کہ قسم ہے توریت موسی کی ہرقل کے سپاہی اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں مگر یہ کہ ہمارے افراد ختم ہو جائیں اور ہم ان کے مقابلے میں عاجز و ناتواں ہو جائیں اس وجہ سے انہوں نے ہرقل کے سپاہیوں کیلئے شہر حمص کے دروازے بند کئے اور شہر کے بچاؤ کی ذمہ داری خود سنبھال لی اس طرح دوسرے شہروں کے ان یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اسی طرز عمل کو اختیار کیا اور مسلمانوں کی مدد (جو

صلح کے ذریعہ مغلوب ہوئے تھے) کی۔

بلاذری کہتا ہے: جب روم کی فوج نے شکست کھائی اور مسلمان خوش ہوئے تو اس شہر کے دروازوں کو مسلمانوں کیلئے کھولا گیا اور انہوں نے اپنے ''مقلسین''[۱] کو اسلام کے سپاہیوں کے استقبال کیلئے بھیجا جو جشن و شادامانی کی وجہ سے ناچتے گاتے تھے اور ایک خاص احترام کے ساتھ مسلمانوں کا استقبال کیا کرتے تھے اور اپنی رضا و رغبت سے اپنے مال کا ٹیکس اسلامی حکومت کو ادا کیا۔

اس طرح عراق کے مختلف شہروں کے سرداروں اور گاؤں کے چوہدریوں نے بھی اسلامی فوج کا تعاون کیا اور ان کی مدد کی، چنانچہ حموی کہتا ہے:

مقامی سردار اور چوہدری مسلمانوں کیلئے خیر خواہی کرتے تھے اور ایرانیوں کے اسرار و رموز ان پر فاش کرتے تھے اور ایرانی سپاہیوں پر تسلط جمانے کے راز سے انھیں آگاہ کرتے تھے، مسلمانوں کو تحفے و تحائف پیش کرتے تھے مسلمانوں کی آسائش کیلئے بازار تشکیل دیتے تھے [۲] یہاں تک کہتا ہے:

اسلام کے سپاہی ''سعد'' کی کمانڈری میں ایران کے پادشاہ یزجرد سے نبرد آزما ہونے کیلئے مدائن کی طرف جا رہے تھے ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں پانی کو عبور کرنے کے راستہ سے آگاہ نہیں تھے۔ لہذا وہ وہاں پر رک گئے مقامی لوگوں نے ان کی

۱۔ مقلسین فن کاروں کا ایک گروہ تھا جو دف بجانے، عورتوں کے دائرے، رقص کرتے ہوئے حکام اور فرمانرواؤں کے استقبال کیلئے جاتے تھے۔

۲۔ پرانے زمانے میں یہ رسم تھی کہ ہر شہر کے لوگ جب کسی لشکر کے اس شہر میں داخل ہونے پر راضی ہوتے تھے تو لشکر کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے بازار تشکیل دیتے تھے۔

نصرت کی اور انھیں صیادین کے گاؤں کے نزدیک عبور کا راستہ دکھانے میں راہنمائی کی سعد کے سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کے ساتھ وہیں سے دریا کو عبور کیا اس کے بعد مدائن پر حملہ کیا ۔ یزجرد نے جب یہ حالات دیکھے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمانوں نے مقامی لوگوں کی حمایت اور راہنمائی کے نتیجہ میں ایک عظیم فتح پائی ۔

ایک محقق ان روشن دلائل اور صحیح تاریخی نصوص سے واضح طور پر سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح امتوں اور ملتوں نے اپنے فرمانرواؤں اور حکام کے مقابلہ میں مسلمانوں کا استقبال کیا ہے اور ان کا تعاون کیا ہے؟

ان ہی دلائل اور تاریخ کے معتبر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور دوسری ملتوں کے درمیان قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ مسلمانوں کی جنگیں ایسے حکام اور فرمانرواؤں کے خلاف واقع ہوئی ہیں جو ملتوں اور لوگوں پر مسلط تھے اور زبردستی ان پر حکومت کرتے تھے مسلمان جب اس قسم کی مطلق العنان اور جابر حکومتوں کے خلاف جنگ کرتے تھے تو لوگ مسلمانوں کی مدد کرتے تھے اور ان کی فتحیابی پر استقبال کرتے اور مسلمانوں کی حکومت کو ان جابر اور ظالم حکمرانوں کی حکومت پر ترجیح دیتے تھے ۔

یہ تھا مسلمانوں کی جنگوں کا قیافہ جو تاریخ کے صحیح نصوص اور روایتوں کی تحقیق کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن افسوس ہے کہ سیف کے بعد اکثر تاریخی منابع ومآخذ نے ان حقائق کو پس پشت ڈال کر سیف کی روایتوں کی طرف رجوع کیا ہے اور سیف کی جھوٹی روایتوں سے استناد کرنے کے نتیجہ

میں اسلام کی جنگوں کو خونین اور وحشت ناک دکھایا ہے اور ان پر افسانوی وحشتناک جنگوں کا بھی اضافہ کیا ہے کیونکہ پڑھنے والا سیف کی روایتوں میں یوں پڑھتا ہے کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد مسلمانوں نے بہت سی خونین اور خطرناک جنگیں لڑی ہیں اور بہت سے انسانوں کا قتل عام کیا ہے متعدد شہروں کو ویران اور مسمار کیا ہے لیکن یہ سب باتیں ان حقائق کے خلاف ہیں جو تاریخ کے صحیح اور معتبر نصوص سے حاصل ہوتی ہیں۔

سیف فتح عراق کے بارے میں کہتا ہے: ''جنگ ذات السلاسل'' میں مسلمانوں نے ایرانی سپاہیوں کا قتل عام کیا اور انہیں بالکل ہی نابود کر کے رکھدیا جیسے کہ کوئی جنگ ہی واقع نہ ہوئی ہو۔

سیف نے ''ثنی''، ''مذار''، ''ولجہ''، ''الیس'' اور ''امغیشیا'' نام کی دوسری جنگیں بھی نقل کی ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک واقع نہیں ہوئی ہے اصلاً ''امغیشیا'' نام کا کوئی شہر ہی روئے زمین پر وجود نہیں رکھتا تھا جس کے بارے میں سیف نے کہا ہے کہ اسلام کے سپاہیوں کے ہاتھوں ویران ہوا ہے۔اس طرح سیف کی روایتوں میں ''مقر'' اور ''فم فرات بادقلی'' نام کی جنگوں کا بھی ذکر آیا ہے کہ اصلاً واقع نہیں ہوئی ہیں اس کے علاوہ سیف کی دوسری جنگیں جو اس کی کتاب فتوح میں ایرانیوں کے ساتھ جنگوں کے عنوان سے درج کی گئی ہیں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ سب سیف نے خود جعل کی ہیں اس سلسلہ میں جو کچھ اس نے کہا ہے جھوٹ اور جعلی تھا، خاص کر جو اس نے ان جنگوں میں لاکھوں غیر عرب کے قتل عام ہونے کے بارے میں لکھا ہے وہ اس کے جھوٹ اور افتراء کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ان روایتوں کا نتیجہ

بہر حال سیف کی روایتوں کی اشاعت کا نتیجہ یہ ہو کہ لوگوں میں خاص کر اسلام کے دشمنوں میں یہ مشہور ہو جائے کہ اسلام خونریزی، نیزہ اور تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور یہی سیف کی روایتیں سبب بنی ہیں کہ مستشرقین اور مغربی اسلام شناس اسلام کو تلوار اور زور و زبردستی کا دین بتاتے ہیں، مثال کے طور پر

ا۔گلدزیہر[1] صراحت اور قطعی طور پر کہتا ہے:

''ہم اپنے سامنے اسلامی حکومت کے قلمرو میں وسیع نقاط کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ عرب سرزمینوں سے آگے بڑھے ہیں اور یہ سب تلوار اور نیزہ کے زور پر حاصل کئے گئے ہیں''

نیز فرمانرواؤں کے بارے میں کہتا ہے:

''یہ دنیا پرست فرمانروا اپنی پوری ہمت اور توجہ ایسے قوانین کو مستحکم و نافذ کرنے پر متمرکز کرتے تھے کہ حکومت کے اختیارات کو تقویت بخشیں اور ان کی

ا۔گلدزیہر اسرائیلی ہے ۱۸۵۰ء میں ''ھنگاریا'' میں پیدا ہوا اس نے یورپ کے مشرق شناسی کے معروف ترین مدرسوں میں تعلیم حاصل کی ہے اس کے بعد ایک سیاسی ماٗموریت پر شام اور وہاں سے فلسطین اور پھر مصر گیا اور الازہر یونیورسٹی کے اساتذہ سے عربی زبان سیکھی اس کے بعد ان سے پوری آمادگی کے ساتھ مشرق شناسی کی ماٗموریت سنبھال لی اور ۱۹۲۷ء میں فوت ہوا اس کے خاندان نے اس کے مرنے کے بعد شہر قدس میں اس کی لائبریری ''کتابخانہ عمومی صہیونی'' کو بیچ ڈالا۔

کتاب المستشر قون تالیف نجیب طبع دوم طبع دائرۃ المعارف ۱۹۴۷ھ ص ۱۹۶ پر بھی کہتا ہے'' گلدزیہر اسلام کیساتھ ایک شدید عداوت رکھتا تھا اس کی تالیفات اسلام اور مسلمانوں کیلئے خطرناک و نقصان دہ ہیں (الفکر الاسلامی) طبع پنجم، طبع بیروت، چاپخانہ دار الفکر، ص ۵۴

حکومت کو جو مختلف سرزمینوں میں تلوار اور عرب نسل پرستی کی بنیاد پر برقرار کر چکے تھے

کو مضبوط اور پائیدار بنا دیں''

۲۔''بلدیدورورگیل'' نامی ایک اور اسلام شناس اس سلسلہ میں کہتا ہے:

''اسلام تلوار کے زور اور عورتوں کی شرکت سے پھیلا ہے''

۳۔ یہ مطلب یورپیوں میں رواج پیدا کر گیا ہے حتیٰ ان کی ادبیات میں بھی شامل ہو گیا ہے چنانچہ ''جربویل''، ''مصطفیٰ'' نامی ڈرامہ میں ایک مسلمان وزیر کی زبانی جو اپنے پادشاہ سے کہتا ہے:

''ہمارے شجاع بہادر پیغمبر کی مدد، تلوار اور نیزہ سے کی گئی ہے''

۴۔''جون درایدٰ'' اپنے ''دون سباستیان'' نامی ڈرامہ میں یوں کہتا ہے: ''سپاہ اسلام کے ایک کمانڈر نے محمد کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرنے کیلئے حکم دیا کہ عیسائیوں کا بھیڑ بکریوں کی طرح سر تن سے جدا کر کے ان کے پیغمبر کے پاس ہدیہ کے طور پر بھیج دیں''

''حصارودس'' نامی ایک اور ڈرامہ میں ایک مسلمان کی زبانی لکھتا ہے:

کیا خوب انجام دیا ہمارے بہادر پیغمبر نے کہ: سستی، تساہلی اور ہزیمت کو حرام اور منع قرار دیا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ تلوار اور نیزے کے ذریعہ اپنی حکومت کو تمام دنیا میں پھیلا دیں۔

۵۔فلیپ حتی[۱] اپنی کتاب ''تاریخ العرب'' میں کہتا ہے:

۱۔فلیپ حتی عیسائی اور اصل میں لبنانی ہے، بعد میں امریکا کی نیشنلٹی اختیار کی وہ برنسٹن یونیورسٹی امریکہ میں شرق شناسی تدریس کرتا تھا اور امریکہ کی وزارت خارجہ میں مشرق وسطی کے امور کا غیر رسمی مشاور تھا وہ اسلام و مسلمانوں کا ایک سخت دشمن شمار ہوتا تھا الفکر الاسلامی ص ۵۵۴۔۵۵۵

''جہاد جو اسلام کے منصوبوں میں سے ایک ہے وہی کمزور شکست خوردہ ملتوں کی لوٹ مار، غارت گری اور انھیں بے چارہ اور نابود کرنا ہے کہ ایک قوم اور طاقتور ملت کا ضعیف اور کمزور ملتوں پر تسلط جما کر انھیں مختلف طبقات میں تقسیم کریں اور ان میں سے ایک گروہ مثل غیر عرب مسلمانوں کو نو آبادیوں میں تبدیل کر کے نچلے طبقہ میں قرار دے کر انھیں اپنا نوکر بنالیں''۔[1]

۱۔ رسالۃ الاسلام۔

سیف کے خرافات پر مشتمل افسانوں پر ایک نظر

سیف کی جعلیات اور الٹ پلٹ کا صرف اسی پر خلاصہ نہیں ہوتا ہے کہ جن کو ہم نے یہاں تک بیان کیا ہے، بلکہ جس طرح ہم نے کتاب کے دوسرے حصہ میں پڑھا، سیف نے اپنی روایتوں میں بہت سے افسانوں کی بھی اشاعت کی ہے اور انھیں افسانوں کے ذریعہ خرافات اور جھوٹ جعل کئے ہیں، جیسے:

● - خالد کا زہر کھانے اور اس پر اس کا اثر نہ ہونے کا افسانہ۔

● - مسلمانوں کی تکبیر کی آواز سے حمص کے گھروں کا گر جانے کا افسانہ

● - دجال کا شہر کے دروازہ پر لات مار کر شوش کی فتح کا افسانہ

● - اسود عنسی کے شیطان اور اس کے معجزات اور غیب گوئی کا افسانہ کہ وہ اسے فرشتہ کہتا تھا

● - جواہرات کی ٹوکری اور خلیفہ کے زہد و تقویٰ کا افسانہ

● - عمر کی اپنی بیوی سے ایک نامحرم کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے سلسلہ میں گفتگو کا افسانہ۔

● - عمر کا مدینہ سے شہر ''فسا'' میں موجود اپنے سپاہیوں کو آواز دینے کا افسانہ

● - ''بکیر'' نامی گھوڑے کی گفتگو کا افسانہ

● - عاصم بن عمرو کے ساتھ گائے کی گفتگو کا افسانہ و....

سیف کے تغیرات پر ایک نظر

ہم نے کتاب کے تیسرے حصہ میں بتایا کہ سیف نے تاریخ اسلام کو الٹ پلٹ کرنے اور تاریخی حقائق کو مجہول اور غیر معروف بنانے کی غرض سے بعض حوادث کے پہلوانوں کے ناموں میں گونا گون صورت میں تغیرات ایجاد کئے ہیں معروف اشخاص کے ناموں کو غیر معروف افراد کے ناموں میں تبدیل کیا ہے، جیسے:

عبدالمسیح بن عمرو کے نام کو عمرو بن عبدالمسیح میں،

معاویہ بن ابی سفیان کے نام کو معاویہ بن رافع میں،

عمرو بن عاص کے نام کو عمرو بن رفاعہ میں اور عبدالرحمان بن ملجم کے نام کو خالد بن ملجم میں تبدیل کیا ہے۔

سیف نے بعض اوقات اسی مقصد کے پیش نظر دنیا میں وجود نہ رکھنے والے بعض افراد کو اپنے زور خیال سے خلق کر کے اپنے ان افسانوں میں معروف و مشہور افراد کے ناموں پر نام گزاری کی ہے، جیسے:

خزیمہ بن ثابت انصاری غیر ذو الشہادتین کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معروف صحابی " خزیمۃ بن ثابت" معروف بہ ذو الشہادتین کے مقابلہ میں خلق کیا ہے۔

افسانوی، سماک بن خرشہ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معروف صحابی " سماک بن خرشہ"

معروف بہ ''ابودجانہ'' کے مقابلہ میں خلق کیا ہےاورجعلی وبرة بن یحنس خزاعی ''کوپیغمبرؐ کے معروف صحابی وبرة بن یحنس کلبی'' کے مقابلہ میں خلق کیا ہے۔

اس کے علاوہ سیف نے اپنے خیال میں جعلی اسماء کی کثیر تعداد پیش کردی ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اپنے جعلی افراد اور اماکن کو ان سے نام گزاری کر کے اپنے افسانوں میں انھیں استعمال کرے۔

سیف کے افسانوی افراد واشخاص کے کئی گروہ ہیں:

۱۔ان میں سے بعض کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے طور پر پہچنوایا گیا ہے، جیسے:

اسود بن قطبہ، اعبد بن فدکی، حمیضة بن نعمان، ثمامہ بن اوس بن لام طائی، شخریت طاہر بن ابی ہالہ، عاصم بن عمرو اسیدی، عثمان بن ربیعہ ثقفی، عصمة بن عبداللہ، قعقاع بن عمرو بن مالک عمری، نافع بن اسود تمیمی، مہلہل بن زید بن لام طائی۔

۲۔سیف کے بعض جعلی افراد، صحابی ہونے کے علاوہ راوی بھی معروف ہیں، جیسے: ظفر بن دہی، عبید بن صخر بن لوذان انصاری سلمی، ابوزہراء قشیری۔

۳۔سیف کے بعض افسانوی افراد کو صحابی ہونے کے علاوہ شاعر کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے، جیسے: زیاد بن حنظلہ تمیمی، ضریس قیسی خطیل بن اوس۔

۴۔سیف نے اپنے جعلی افراد میں سے ایک گروہ کو غیر صحابی راویوں کے طور پر پہچنوایا ہے، جیسے: بحر فرات عجلی، حبیب بن ربیعہ اسدی، حنظلہ بن زیاد بن حنظلہ، زیاد بن سرجس احمری، سہل بن

یوسف بن سہل بن انصار سلمی، عبدالرحمان بن سیاہ احمری، عبداللہ بن سعید انصاری بن ثابت بن جزع انصاری، عروۃ بن عرفجہ دثینی، عمارۃ بن فلان اسدی، غصن بن قاسم کنانی، محمد بن نویرۃ بن عبداللہ، مستنیر بن یزید، مقطع بن ہیثم بکایی، مہلب بن عقبہ، یزید بن اسید غسانی۔

۵۔ سیف نے اپنے جعلی حوادث کے افسانوی اشخاص وسورماؤں کے مذکورہ چند گروہوں کے علاوہ، اس قسم کے افسانوی حوادث کیلئے کئی جگہیں اور اماکن بھی جعل کئے ہیں اور ان کی جعلی نام گزاری کی ہے جبکہ ان ناموں کی جگہیں روئے زمین پر کہیں وجود ہی نہیں رکھتی تھیں اور نہ اس وقت ان کا کہیں وجود ہے، جیسے: ابرق ربذہ، اخابث، اعلاب، جبروت، حمقتین، ریاضۃ الروضات، ذات الخیم، شہرطی میں سخ، صبرات، ظہور الشحر، لبان، مر، نصدون وینعب۔

۶۔ سیف نے ان سب کے علاوہ ایرانی فوج کے چند کمانڈر بھی جعل کئے ہیں جیسے:

اندرزغر، انوشجان، بہمن داذویہ، قارن بن قریانس، قباذ اور اس کے علاوہ بہت سے دوسرے افراد۔

۷۔ سیف نے بعض رومی کمانڈر بھی جعل کئے ہیں، جیسے: ارطبون، روم کا مکار اور چالاک کمانڈر۔

تاریخ اسلام میں سیف کے جعلیات اور تغیرات کے یہ چند نمونے تھے اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں سیف کا ایک اور جعلی کام، عبداللہ بن سبا کا افسانہ خلق کرنا اور اس کی نام گزاری ہے کیونکہ تاریخ عرب میں قحطانیوں میں ایک قبیلہ کا نام ''سبائی'' تھا کہ حقیقت میں وہ یمن میں رہائش پذیر تھے،

ان میں سے ایک شخص کا نام عبداللہ بن وہب سبائی تھا جو بعد میں خوارج کا سردار بنا اور نہروان کی جنگ میں امیرالمؤمنین علی علیہ السلام سے جنگ کی اور اسی جنگ میں مارا گیا۔ سیف نے اس نام سے ایک بڑا افسانہ گڑھ کر اسلام میں ایک مذہبی فرقہ جعل کیا ہے اور ''سبائیین'' کا لفظ اس فرقہ کا نام رکھا۔

اصل میں یہ ایک قحطانی قبیلہ کا نام تھا اس افسانوی فرقہ کیلئے سیف نے ایک رئیس بھی جعل کیا ہے اور عبداللہ بن وہب سبائی رئیس خوارج کا نام بدل کر اس فرقہ کے جعلی رئیس کا نام عبداللہ بن سبا رکھا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض نیک اور پاک اصحاب کو بھی اس فرقہ سے منسوب کیا ہے۔ سیف نے اپنے اس جعلی افسانہ کے ذریعہ تاریخ کے چہرہ اور راہ کو حقیقت میں بدل کر رکھ دیا ہے۔

چونکہ یہ بحث خود ایک مفصل داستان ہے اور ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، لہذا ہم اس موضع کو اس کتاب کی اگلی جلد کیلئے مخصوص رکھتے ہیں اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں سے گزارش ہے کہ اس موضوع کی طرف رجوع کریں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہاں پر سیف کی جنگوں، فتوحات، خرافات اور تحریفات کے موضوع کو ختم کرتے ہیں۔

مرتضی عسکری

شب سہ شنبہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ ق

داستان کندہ کے مآخذ

۱۔فتوح اعثم:۱/۵۶۔۸۷

۲۔فتوح بلاذری: ۱۲۰۔۱۲۴، خاندان بنی ولیقہ اور اشعث کے ارتداد کی فصل میں۔

۳۔معجم البلدان: مادۂ نجیر: ۲/۷۶۲۔۷۶۴، مادۂ حضر موت میں: ۲/۲۸۴۔۲۸۷

گراں قیمت اموال لینے کی ممانعت کے بارے میں حدیث:

۱۔صحیح بخاری: فصل صدقات میں: ۱/۱۸۱،

۲۔صحیح بخاری: حکم اموال گراں قیمت: ۱/۱۷۶

۳۔فتح الباری: ۴/۶۵۔۹۹

۴۔مسند احمد: ۱/۲۳۳

۵۔سنن پنجگانہ، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور موطأ مالک احکام زکوۃ میں۔

۶۔طبقات ابن سعد: ج۴/ق۲/۷۶

۷۔کنز العمال: حدیث ۱۱۱۹۴ احادیث زکوۃ سے۔

۸۔قصۂ مالک بن نویرہ فتوح اعثم میں: ۱/۲۰/۲۳

۹۔حمص کے لوگوں کا مسلمانوں کی مدد کرنا: فتح بلاذری: حدیث ۳۶۷ فصل فتح حمص/۱۶۲

۱۰۔عراق کے دیہاتیوں کا مسلمانوں کی مدد کرنا: معجم البلدان: ۴/۳۲۳ مادہ کوفہ

۱۱۔گلدزیہر کا بیان: العقیدہ والشریعہ: ۴۳۔۴۸

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : "انی تارک فیکم الثقلین، کتاب اللہ، وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا ابدا وانهما لن یفترقا حتّیٰ یردا علیّ الحوض".

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انھیں اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں"۔

(صحیح مسلم: ۷/۱۲۲، سنن دارمی: ۲/۴۳۲، مسند احمد: ج ۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹.

۴/۳۶۶و۳۷۱ ۵/۱۸۲، اور۱۸۹، مستدرک حاکم: ۳/۱۰۹، ۱۴۸، ۵۳۳. وغیرہ.)

عبداللہ بن سبا

اور

دوسرے تاریخی افسانے

تیسری جلد

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ....﴾

یہودیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو کلماتِ الٰہیہ کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں.....

فہرست

نواں حصہ

دوسری فصل:

تیسری فصل:

چوتھی فصل:

پانچویں فصل:

نواں حصہ:

عبداللہ بن سبا اور سبائیوں

کی

داستان کی تحقیق

پہلی فصل

عبداللہ بن سبا حدیث ورجال کی کتابوں میں

- عبداللہ بن سبا کے بارے میں کشی کی روایتیں۔
- عبداللہ بن سبا سے متعلق روایتوں میں تناقض
- مرتدوں کو جلانے کی روایتیں۔
- مرتدوں کو جلانے کی روایتوں کی تحقیق
- جلانے کی روایتوں کے بارے میں مزید تحقیق
- شیعوں کی کتابوں میں مرتدوں کو جلانے کی روایتوں کا معیار
- مرتدوں کو جلانے کی روایتوں کا حقیقی پہلو
- مباحث کا خلاصہ اور نتیجہ
- اس حصہ کے مآخذ

کشی کی روایتیں

و من رجال الکشی انتشرت ھذہ الروایات فی کتب الشیعہ

یہ روایتیں، صرف رجالِ کشی سے شیعہ کتابوں میں آ گئی ہیں۔

مؤلف

اس کتاب کی پہلی جلد کی ابتدا میں ہم نے عبداللہ بن سبا کے افسانہ کا خلاصہ بیان کیا اور کہا:
سیف کی دروغ بافی کی بنیاد پر، اس افسانہ کا ہیرو یعنی ''عبداللہ بن سبا'' یمن کے یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، جو ریاکاری اور زور وزبردستی اور اسلامی ممالک میں شورشیں اور فتنہ انگیزیاں کرنے نیز مسلمانوں میں اختلاف وافتراق کو بڑھاوا دینے کیلئے یمن سے اسلامی ممالک کے بڑے شہروں کا سفر کیا اور اسلام کا اظہار کر کے اس نے مسلمانوں میں وصی، رجعت اور عثمان کی غصبیت کا عقیدہ پھیلایا ،اور ان عقائد کو ایجاد کر کے اسلامی شہروں میں بڑے پیمانے پر فتنے اور اختلافات برپا کئے یہاں تک کہ عثمان کے قتل اور جنگ جمل کا سبب بنا۔

یہ تھا عبداللہ بن سبا کے افسانہ کا خلاصہ، جسے سیف بن عمر نے جعل کر کے مسلمانوں اور اسلامی تمدن کے مآخذ میں اس کی اشاعت کی ہے۔

ہم نے افسانہ عبداللہ ابن سبا کی تشریح اور اس پر دقیق بحث وتحقیق کو سیف کی تمام جعلیات و

تخلیقات پر بحث وتحقیق کے بعد چھوڑ دیا ہے۔خود عبداللہ بن سبا کے بارے میں حدیث، رجال اور تاریخ کی کتابوں میں درج باتوں کو اختتامی بحثوں میں بیان کریں گے۔لیکن عبداللہ بن سبا کی شخصیت کے بارے میں جو کثرت سے سوالات ہم سے کئے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں جو پے در پے ہم سے اس کے بارے میں ہمارا عقید پوچھا گیا ہے، اس امر کا سبب بنا کہ بحث کے اس حصہ کو وقت سے پہلے شروع کریں تا کہ منظور نظر مباحث کا ایک حصہ واضح ہونے کے ضمن میں ان سوالات کا جواب بھی دیا جا سکے اور عبداللہ بن سبا کے بارے میں ہمارا عقیدہ بھی واضح اور روشن ہو جائے۔

اسی لئے ہم پہلے حدیث اور رجال کی کتابوں میں عبداللہ بن سبا کے قیافہ کی تحقیق کرتے ہیں اور آخر میں اس کے بارے میں اپنا نظریہ بیان کریں گے:

۱۔امام محمد باقر علیہ السلام سے کشی کی روایت:

کشی امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ عبداللہ بن سبا نبوت کا دعوی کرتا تھا اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام الوہیت اور خدائی مقام کے مالک ہیں۔

جب یہ خبر امیر المؤمنین علیہ السلام کو پہنچی، تو انہوں نے ابن سبا کو طلب کیا اور اس بارے میں اس سے سوال کیا، ابن سبا نے اپنے اس عقیدہ کا فوراً اعتراف کیا اور کہا: جی ہاں آپ وہی خدا ہیں! اور اضافہ کیا کہ میرے دل میں یہی الہام ہوا ہے کہ آپ خدا ہیں اور میں آپ کا پیغمبر ہوں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہو تم پر! شیطان نے تجھ پر اثر کیا ہے، اور تیرا مذاق

اڑایا ہے تیری ماں تیری سوگوار بنے اس بیان اور فاسد عقیدہ سے دست بردار ہو جاؤ اور توبہ کرو!

ابن سبا اپنی بات پر اصرار کرتا رہا تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے اسے جیل میں ڈال دیا اور اسے تین دن کی مہلت دی تا کہ توبہ کرے، لیکن اس نے توبہ نہیں کی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے بھی اسے مقررہ مہلت کے بعد نذر آتش کیا اور فرمایا: اس پر شیطان مسلط ہو گیا ہے اور اس نے یہ عقیدہ اسے تلقین کیا ہے۔

۲۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے کشی کی روایت:

کشی ہشام بن سالم سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا: میں نے امام صادق علیہ السلام سے ــ جبکہ وہ اپنے اصحاب کے ساتھ عبداللہ بن سبا کے عقیدہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ــ سنا کہ وہ فرماتے تھے، جب ابن سبا نے علی علیہ السلام کی الوہیت کے بارے میں اپنا عقیدہ ظاہر کیا، تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس سے چاہا کہ وہ اپنے عقیدہ سے دست بردار ہو جائے اور توبہ کرے۔ لیکن اس نے توبہ نہیں کی پھر امیر المومنین علیہ السلام نے اسے آگ میں ڈال کر جلا دیا۔

۳۔امام صادق علیہ السلام سے کشی کی ایک اور روایت:

کشی ابان بن عثمان سے نقل کرتا ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ فرماتے تھے: خدا لعنت کرے عبداللہ بن سبا پر کہ وہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی ربوبیت اور الوہیت کا قائل تھا، جبکہ خدا کی قسم آنحضرت علیہ السلام خدا کے ایک مطیع اور فرمانبردار بندہ کے علاوہ کچھ نہیں تھے۔ افسوس ہے ان پر جو ہم پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ بعض لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں اور ہمارے لئے ایسے اوصاف کے قائل ہیں کہ ہم خود اپنے لئے ان چیزوں کے قائل نہیں ہیں۔ اس قسم کے اوصاف جو خدا سے مخصوص ہیں ہم سے مربوط نہیں ہیں۔ خدا کی قسم ہم ایسے افراد سے بیزار ہیں۔

۴۔امام سجاد علیہ السلام سے کشی کی روایت:

کشی امام سجاد علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: خدا ان پر لعنت کرے جو ہماری طرف جھوٹی نسبت دیتے ہیں جب مجھے عبداللہ بن سبا یاد آتا ہے تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس نے ایک بڑی چیز کی دعویٰ کیا تھا، خدا اس پر لعنت کرے۔ یہ کیا عقیدہ تھا جس کا اس نے اظہار کیا؟! خدا کی قسم علی ابن ابیطالب علیہ السلام خدا کے صالح بندہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی تھے وہ خدا کے حضور صرف خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی رو سے عالی ترین مقام پر پہنچے تھے۔ جس طرح صرف خداوند عالم کی اطاعت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی

ترین مقام پر فائز ہوئے تھے۔

۵۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے کشی کی روایت

کشی امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم ایک سچے اور راست گو خاندان ہیں اور کبھی بھی ایسے کذاب اور جھوٹے افراد سے خوشحال نہیں ہیں جو ہم پر جھوٹ باندتے ہیں یہ جھوٹے لوگ ہم پر جھوٹ کی نسبت دیکر ہماری صحیح بات کو لوگوں کی نظروں میں بے اعتبار بناتے ہیں اس کے بعد امام علیہ السلام نے اضافہ کیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے سچے تھے، لیکن مسیلمہ نے ان پر کئی جھوٹ کی نسبت دی۔ امیر المؤمنین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے سچے تھے، لیکن عبداللہ بن سبا نے ان پر جھوٹ کی نسبت دی اور اس برے کام سے ان کی سچی بات کو جھوٹ کی صورت میں پیش کر کے انہیں بے اعتبار بناتا ہے۔ عبداللہ بن سبا وہ تھا جس نے خداوند عالم پر بھی جھوٹ کی نسبت دی ہے (اس کے بعد امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اباعبداللہ الحسین بن علی علیہ السلام بھی مختار کے جال میں پھنس گئے تھے)[1]

۱۔ حدیث کا آخر جملہ اضافہ ہے جو کتاب اختیار رجال کشی میں اس حدیث کے ذیل میں مقلاص بن ابی خطاب کی ص ۳۰۵ کی تشریح میں آیا ہے۔

عبداللہ بن سبا کے بارے میں کشی کی وضاحت

کشی مذکوہ پنجگانہ روایتوں کونقل کرنے کے بعد کہتا ہے: بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سباایک یہودی تھا، اس کے بعداس نے اسلام قبول کیااورعلی علیہ السلام کے اصحاب میں شامل ہوگیا وہ جس طرح یہودی ہونے کے دوران یوشع نون کے بارے میں غلوآمیزعقیدہ رکھتا تھا کہ جو حضرت موسیٰ کے وصی ہیں اسی طرح اسلام کی طرف مائل ہونے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد علی علیہ السلام کے بارے میں بھی اس غلو وافراط میں مبتلا ہوگیا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی امامت اوران کی خلافت کا عقیدہ لوگوں کی زبانوں پر جاری کیا اور حضرت علیہ السلام کے دشمنوں سے بیزاری اور دوری اختیار کی۔ حضرتؑ کے مخالفوں کے ساتھ سخت مخالفت کی اوران کی تکفیر کی۔ اسی لئے شیعوں کے مخالفین کہتے ہیں: تشیع کا سرچشمہ درحقیقت یہودیت ہے۔

ان روایتوں کی جانچ پڑتال

کشی نے عبداللہ بن سبا کی وضاحت میں جو روایتیں نقل کی ہیں وہ ان روایتوں کا خلاصہ جنہیں عبداللہ بن سبا کے بارے میں سیف نے نقل کیا ہے اورطبری نے بھی اس سے نقل کیا ہے اور دوسروں نے طبری سے نقل کیا ہے ہم نے کتاب کی پہلی جلد میں اس کی تحقیق کی ہے۔لیکن ، مذکورہ

پنجگانہ روایتیں، جنہیں کشی نے نقل کیا ہے ہم ان کے مضمون کو کشی سے پہلے یا اس کے زمانے میں ''ملل ونحل'' اور ادیان اور عقائد کی شناخت کے بارے میں لکھی گئی کتابوں سے حاصل کرتے ہیں۔

کشی ابن بابویہ (وفات ۳۶۹ھ) کا ہم عصر تھا، اس کی روایتوں کا مضمون کتاب ''المقالات'' تالیف سعد بن عبداللہ اشعری (وفات ۳۰۱ھ)، کتاب ''فرق الشیعہ'' تالیف نوبختی (وفات ۳۱۰ھ) اور ''مقالات الاسلامیین'' تالیف علی ابن اسماعیل (وفات ۳۳۰ھ) میں نقل ہوا ہے۔ یہ سب مؤلفین کشی اور ابن بابویہ سے پہلے تھے، فرق صرف اتنا ہے کہ انہوں نے ان روایتوں کو ایک ہی روش اور سیاق میں سند کے بغیر نقل کیا ہے، لیکن رجال کشی میں یہ روایتیں مختلف صورتوں میں اور سند کے ساتھ نقل ہوئی ہیں انشاءاللہ ہم ان پر آنے والی فصل میں تحقیق کریں گے۔

یہ روایتیں ''معرفة الناقلین'' نامی رجال کشی سے شیعوں کی دوسری کتابوں میں درج ہو کر منتشر ہوئی ہیں۔ کیونکہ شیخ طوسی وفات ۴۶۰ھ) نے اسی رجال کشی کو خلاصہ کر کے اس کا نام ''اختیار معرفة الرجال'' رکھا ہے اور یہی کتاب آج رائج اور معروف اور ہماری دسترس میں ہے۔

اس کے علاوہ احمد بن طاؤس (وفات ۶۷۳ھ) نے اپنی کتاب ''حل الاشکال'' ۶۴۴ھ) میں تالیف کی ہے، اس نے اس کتاب میں مندرجہ ذیل پانچ کتابوں کی عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے:

۱۔ رجال شیخ طوسی۔

۲۔ فہرست شیخ طوسی۔

۳۔ اختیار رجال کشی، تالیف شیخ طوسی

۴۔ رجال نجاشی (وفات ۴۵۰ ھ) اور

۵۔ کتاب ''الضعفاء'' جو ابن غضائری (وفات ۴۰۰ ھ) سے منسوب ہے، ابن طاؤس کے بعد، ان کے دو شاگردوں نے اس کی پیروی کی اور ان کے استاد نے جو کچھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے، انہوں نے بھی اسی کو من وعن اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے ان دو میں سے ایک علامہ حلی (وفات ۷۲۶ ھ) ہیں جنہوں نے اپنی رجال کی کتاب ''خلاصۃ الاقوال'' میں اور دوسرے ابن داؤد ہے جنہوں نے (۷۰۷ ھ) میں تالیف کی گئی اپنی رجال کی کتاب میں درج کیا ہے ان کے بعد مرحوم شیخ حسن بن زین الدین عاملی (وفات ۱۰۱۱ ھ) نے ''اختیار رجال کشی'' کو ابن طاؤس کی کتاب ''حل الاشکال'' سے الگ کر کے اس کا نام ''تحریر طاؤس'' رکھا ہے، قہپائی نے ۱۰۱۶ ھ) میں تالیف کی گئی اپنی کتاب ''مجمع الرجال'' میں مذکورہ پنجگانہ کتابوں کو اکٹھا کر کے اپنی کتاب میں ان کتابوں کی من و عن عبارتوں کو نقل کیا ہے۔

اس طرح یہ کتابیں شیعہ دانشوروں میں رجال وحدیث کے راویوں کے بارے میں بحث و تحقیق کے منابع و مآخذ قرار پائی ہیں اور رجال شناسی میں شیعوں کے مباحث، صرف انہی کتابوں پر منحصر ہیں۔ ان کتابوں کے مؤلفین نے مطالب کو ایک دوسرے سے نقل کر کے ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل کر دیا ہے۔

بعد میں آنے والے علماء حدیث اور رجال نے بھی اسی روش کو جاری رکھا ہے، جیسے:

الف) تفرشی: جو علمائے رجال میں سے ایک ہیں نے ۱۰۱۵ھ) میں تالیف کی گئی اپنی کتاب ''نقد الرجال'' میں ''ابن سبا'' کے حالات کی تشریح میں کشی کی روایتوں میں سے ایک کو نقل کیا ہے اور علامت ''کش'' سے اسے مشخص کیا ہے۔

ب) اردبیلی: اس نے ۱۱۰۰ھ میں تکمیل کو پہنچائی گئی اپنی تالیف ''جامع الرواۃ'' میں عبداللہ بن سبا کے حالات کی تشریح کو کشی اور ان سے نقل کیا ہے جنہوں نے کشی سے لیا ہے اور اسے علامت ''کش'' سے مشخص کیا ہے۔

ان کے علاوہ علم رجال کے دوسرے دانشوروں نے بھی اسی روش کی تقلید کرتے ہوئے رجال کشی اور ان کے تابعین کو اپنا منبع و مآخذ قرار دیا۔

علمائے حدیث:

ج) علمائے حدیث میں سے علامہ مجلسی (وفات ۱۱۱۰ھ) نے کشی کی پنجگانہ روایتوں کو اسی بیان و وضاحت کے ساتھ ـــ جسے آخر میں ذکر کیا ہے ـــ اپنی اہم ترین کتاب ''بحار الانوار'' میں نقل کیا ہے۔

د) شیخ محمد بن حسن حر عاملی (وفات ۱۱۰۴ھ) جو اکابر علمائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں، نے اپنی کتاب ''تفصیل الوسائل'' میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں کشی کی پہلی اور دوسری روایت نقل

کی ہے۔

ھ)ابن شہر آشوب (وفات ۵۵۸ھ) نے بھی اپنی کتاب ''مناقب'' میں کشی کی پہلی روایت کو اس کے مآخذ کی طرف کسی قسم کا اشارہ کئے بغیر نقل کیا ہے۔

بات کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ہم عبداللہ بن سبا کے بارے میں شیعہ کتابوں میں ذکر کی گئی روایتوں کے بارے میں تحقیق کے دوران اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب روایتیں کتاب رجال کشی سے نقل کی گئی ہیں اور درج ذیل منابع نے بھی ان روایتوں کو اسی سے نقل کیا ہے:

۱۔''اختیار رجال کشی''	تالیف	شیخ طوسی (وفات ۴۶۰ھ)
۲۔''بحار الانوار''	تالیف	مجلسی (وفات ۱۱۱۱ھ)
۳۔''وسائل''	تالیف	شیخ حر عاملی (وفات ۱۱۰۴ھ)
۴۔''جامع الرواۃ''	تالیف	اردبیلی (وفات ۱۱۰۰ھ)
۵۔''مجمع الرجال''	تالیف	قہپائی (وفات ۱۰۱۶ھ)
۶۔''نقد الرجال''	تالیف	تفرشی (وفات ۱۰۱۵ھ)
۷۔''تحریر طاؤس''	تالیف	شیخ حسن عاملی (وفات ۱۰۱۱ھ)
۸۔''الخلاصہ''	تالیف	علامہ حلی (وفات ۷۲۶ھ)

۹۔ ''رجال'' تالیف ابن داؤد (وفات ۷۰۷ھ)

۱۰۔ ''حل الاشکال'' تالیف احمد بن طاؤس (وفات ۶۷۳ھ)

۱۱۔ ''مناقب'' تالیف ابن شہر آشوب (وفات ۵۸۸ھ)

رجال کشی اور اس کی روایتوں کی جانچ پڑتال

روی الکشی عن الضعفاء کثیراً و فی رجاله اغلاط کثیرة

کشی غیر قابل اعتماد افراد سے بہت روایتیں نقل کرتا ہے اور اس کی کتاب

رجال غلطیوں سے بھری پڑی ہے

نجاشی

جبکہ ہمارے لئے یہ واضح ہو گیا کہ شیعوں کی حدیث اور رجال کی تمام کتابوں نے عبداللہ بن سبا کی غلو کی داستان کو کسی کی معروف کتاب ''معرفۃ الناقلین'' سے نقل کیا ہے، تو اب ہمیں مذکورہ کتاب اور اس کی روایتوں کی جانچ پڑتال پر توجہ دینی چاہئے۔

ا۔ کتاب ''معرفۃ الناقلین'' کا مؤلف

اس کتاب کا مؤلف، ابوعمر محمد بن عمرو بن عبدالعزیز کشی ہے، نجاشی نے اس کے بارے میں کہا ہے: کشی ایک مؤثق اور قابل اعتماد شخص ہے لیکن اس نے کثرت سے ضعیف اور نا قابل اعتماد افراد

سے روایت نقل کیا ہے مزید کہتا ہے کشی عیاشی کا شاگرد تھا لہذا اس نے بعض مطالب اسی سے سیکھے ہیں اور عیاشی کے حالات کی تشریح میں یوں کہتا ہے: وہ ضعیف اور نا قابل اعتماد افراد سے زیادہ نقل کرتا ہے: نیز عقیدہ و مذہب کے لحاظ سے ابتداء میں مکتب تسنن کا پیرو تھا اور اہل سنت کی احادیث کو زیادہ سن چکا تھا، لہذا اس نے ایسی احادیث زیادہ نقل کی ہیں۔

۲۔ معرفۃ الناقلین یا رجال کشی

رجال کشی ''**معرفة الناقلين عن الائمة المعصومين**'' کے نام سے تھی۔ شیخ طوسی نے اسکا خلاصہ کیا ہے اور اس کا ''اختیار رجال الکشی'' نام رکھا ہے۔ یہ کتاب آج تک دانشوروں کی دسترس میں ہے۔

نجاشی نے کشی کی کتاب کے بارے میں کہا ہے: علم رجال میں کشی کی ایک کتاب ہے اس کتاب میں بہت زیادہ مطالب ہیں، جن میں بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں۔

نجاشی نے کشی کے بارے میں کہا ہے: وہ ضعیف اور نا قابل اعتماد افراد سے نقل کرتا ہے۔

مرحوم محدث نوری کتاب ''مستدرک الوسائل'' کے خاتمہ کے فائدہ سوم میں، شیخ طوسی کی ''اختیار رجال الکشی'' کے بارے میں کہتے ہیں: ''بعض قرائن سے ہمارے لئے واضح ہوا ہے کہ اس کتاب میں بھی بعض علماء، مؤلفین اور ناسخوں نے کچھ تصرفات اور تغیرات انجام دئے ہیں''[۱]

۱۔ مستدرک (۵۳۰/۳) مرحوم نوری اس بیان کے بعد اپنی بات کیلئے کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔

قاموس الرجال کے مؤلف نے کہا ہے: ''رجال کشی کا کوئی صحیح نسخہ کسی کے پاس نہیں پہنچا ہے حتی شیخ طوسی اور نجاشی کو بھی''۔ نجاشی نے اس بارہ میں کہا ہے'' رجال کشی میں بہت ساری غلطیاں ہیں''

اسکے بعد'' قاموس'' کے مؤلف کہتے ہیں: رجال کشی میں اس قدر تحریف ہے کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے اس کتاب میں تحریف نہ ہوئے مطالب معدود چند اور انگشت شمار ہیں جیسے: ''احمد بن عائذ''،''احمد بن فضل''، ''اسامہ بن حفص''، ''اسماعیل بن فضل''، ''اشاعثہ''، ''حسین بن منذر''،''درست بن ابی منصور''، ''ابو جریر قمی''، ''عبدالواحد بن مختار''،''علی بن حدید''، ''علی بن وھبان''، ''عمر بن عبدالعزیز زحل''،''عنبسہ بن بجاد''، اور''منذر بن قابوس'' کی تشریح۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

''میں نے ان چند ناموں کے حالات کی تشریح میں کوئی تحریف نہیں پائی اگر چہ احتمال ہے کہ ان میں بھی تحریف کی گئی ہے ان ناموں کے علاوہ میں نے کتاب کی تمام تشریحوں میں تحریفات مشاہدہ کی ہے اور تمام تحریفات کی اس کے مقام پر بحث وتحقیق کی ہے''

اس کتاب میں بہت کم ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جو تحریف وتغیرات سے پاک وصاف ہوں، یہاں تک کہ کتب کے بہت سے عنوان بھی تحریف ہوئے ہیں کسی شخص سے متعلق روایت کو کسی دوسرے شخص کے حالات میں بیان کیا گیا ہے ایک طبقہ کے راویوں کو دوسرے طبقہ میں درج کیا ہے۔

ابوبصیر لیث مرادی کی روایت کو غلطی سے ابوبصیر یحییٰ اسدی کی تشریح میں ذکر کیا ہے۔

ابوبصیر یحییٰ کی روایت کو اشتباہ سے ''علباء اسدی'' کے سلسلے میں درج کیا ہے اور ابوبصیر عبداللہ فرزند محمد اسدی کے بارے میں بھی غلطی کا شکا ہوا ہے۔

عبداللہ بن عباس کی تشریح کے سلسلہ میں پہلی روایت کو حزیمہ کی تشریح میں اس تشریح سے پہلے نقل کیا ہے۔

علی بن یقطین کی تشریح کے آخر میں ایک روایت اور ابتداء میں ایک اور روایت کو حذف کیا ہے۔

ابوالخطاب کی تشریح میں ۲۳ روایتیں نقل کی ہیں کہ جن کا ابوالخطاب سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قہپائی نے اپنی کتاب میں ابوالخطاب کی تشریح میں ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد انھیں کاٹ دیا ہے۔

حمیری کہ جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے صحابی تھے کو امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔

لوط بن یحییٰ کو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحاب میں درج کیا ہے جبکہ لوط امام باقر علیہ السلام یا امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا اور اس کا دادا امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔

شیخ طوسی نے اس کتاب کے ایک حصہ کو اس میں موجود تمام تحریفات، تغیرات اور اشتباہات کے ساتھ انتخاب کیا ہے اور ان کے ابواب کے عنوان کو حذف کیا ہے...

قہپائی نے اس کتاب کی بعض خرابیوں کو صحیح کرنا چاہا ہے لیکن اس کے برعکس اس کتاب کی خرابیوں میں اضافہ ہی کر دیا ہے اور باطل کا م انجام دیا ہے۔

ان سب تحریفات کے باوجود کہ کتاب کشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کتاب کے مطالب پر کسی بھی طرح کا اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ مطلب کے صحیح ہونے کے سلسلہ میں کتاب کشی کے علاوہ کسی کتاب میں دلیل موجود ہو۔

اس بنا پر متاخرین دانشوروں نے کتاب کشی پر اعتماد کر کے متفق القول کہا ہے کہ: ''ابان بن عثمان'' فرقہ ناوسیہ سے ہے جیسا کہ رجال کشی میں ایسا ہی ذکر ہوا ہے ان علماء کا رجال کشی پر یہ اعتماد بے جا تھا اور احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ اس کتاب میں تحریف ہوا ہے اور یہ جملہ درحقیقت **کان من القادسیہ** تھا یعنی ابان اہل قادسیہ تھا۔

اصل کتاب کشی کے علاوہ ''اختیار رجال کشی'' شیخ طوسی کا خلاصہ ہے اور شیخ کے بعد آج تک یہ کتاب دانشوروں کے پاس موجود ہے اس کتاب میں اصل کتاب رجال کشی میں موجود تحریفات کے علاوہ، شیخ یا اسکے بعد والے علماء نے بھی اس میں بعض تبدیلیاں کی ہیں اس سبب سے اس کے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسے: قہپائی کا نسخہ جو موجودہ طبع شدہ نسخوں سے اختلاف رکھتا ہے، گویا قہپائی

کے نسخہ میں کتاب کا حاشیہ متن میں داخل کیا گیا ہے۔

جو کچھ علامہ حلی نے 'خلاصۃ الاقوال'' میں کشی سے نقل کیا ہے، اس میں بھی تحریفات ہیں، لیکن کم ہیں۔

جو کچھ اس کتاب سے نقل کر کے ابن داؤد کی رجال میں آیا ہے، اس کی تحریفات بے شمار ہیں اور خود ابن داؤد کی کتاب رجال متاخرین دانشوروں کی کتابوں میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو کتاب کشی گزشتہ دانشورں کی کتابوں میں رکھتی تھی[1]

اس دانشور کے محققانہ بیان کے صحیح ہونے کی حقیقت کتاب رجال کشی کی طرف رجوع کرنے سے واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اسکے علاوہ اس کتاب کی اصل کے بارے میں بحث کرنا چاہیں، تو ایک مستقل کتاب تالیف ہوگی کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور موجودہ نسخہ کی جانچ پڑتال کے بارے میں ہم اتنے ہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۳۔ گزشتہ پانچ روایتیں

الف) علماء نے ان روایتوں پر اعتماد نہیں کیا ہے: گزشتہ پانچ روایتوں کو شیخ کلینی (وفات ۳۲۹ھ) نے اپنی کتاب ''کافی'' میں درج نہیں کیا ہے۔

اس طرح شیخ صدوق (وفات ۳۸۱ھ) نے اپنی کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ'' میں اور شیخ

۱۔ مذکورہ مطالب کو کتاب قاموس الرجال طبع مصطفوی تہران ۱۳۷۹ھ (ج ۱/۴۲۔۴۸) سے خلاصہ کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔

طوسی ۔۔ جوخود ہی کتاب اختیار رجال کشی کے مؤلف تھے۔اپنی کتاب ''تہذیب'' اور ''استبصار'' میں ان روایتوں کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے اور یہ مطلب خود اسکی دلیل ہے کہ یہ بزگواران روایتوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے، خاص کر پہلی اور دوسری روایت کونقل کرتے تھے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے عبداللہ بن سبا کو مرتد ہونے کے جرم میں نذر آتش کیا ہے اس طرح فقہاء نے آج تک مرتد کے حکم کے بارے میں ان دو روایتوں کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے۔

ب) تناقض کا اشکال: شیعہ کتابوں میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں دواور روایتیں موجود ہیں جو کشی کی ان پانچ روایتوں سے تناقض رکھتی ہیں ان دو روایتوں کا مفہوم ان پانچ روایتوں کے مضمون کو مکمل طور پر جھٹلاتا ہے۔

پہلی روایت: کتاب ''من لایحضرہ الفقیہ''، ''خصال''، ''تہذیب''، ''حدائق''، ''وسائل'' اور ''وافی'' میں نقل ہوئی ہے اور وہ روایت یہ ہے:

امام صادق علیہ السلام اپنے باپ امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین نے فرمایا: جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو، اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور خدا سے دعا و مناجات کرو، ابن سبا نے جب امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس بیان کو سنا، تو اعتراض کیا اور کہا: اے امیر المؤمنین! کیا خداوند عالم ہر جگہ موجود نہیں ہے؟

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں خداوند متعال ہر جگہ موجود ہے ابن سبا نے کہا: پھر کیوں حالت دعا میں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے جائیں؟ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید میں اس آیت کو نہیں پڑھا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿و فی السماء رزقکم وما توعدون﴾

تمہارا رزق اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے آسمان پر ہے پس رزق کیلئے اپنی جگہ سے درخواست کرنی چاہئے اور رزق وہیں پر ہے جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور وہ آسمان ہے[۱]

شیخ طوسی کی امالی میں یہ روایت اس طرح نقل ہوئی ہے کہ: ایک دن ''مسیّب بن نجبہ''[۲] نے عبداللہ بن سبا کا گریبان پکڑ لیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس لایا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا ہوا ہے؟ مسیّب نے کہا: یہ شخص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جھوٹ کی نسبت دیتا ہے؟ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا کہتا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے اس قدر سنا کہ امیر المومنین نے فرمایا: ھیھات! ھیھات! ''بعید ہے! بعید ہے!'' لیکن ایک مرد جو تندرفتار اونٹ پر سوار ہے اور اونٹ پر کجاوہ بندھا ہوا تمہارے درمیان آئے گا حج و عمرہ کی خاک کو

۱۔ خدا کی طرف دل سے توجہ کرتے وقت جسم بھی ایک خاص جہت میں ہونا چاہیے وہ بھی ایک خاص کیفیت میں تا کہ روحانی وفکری توجہ زیادہ ہو جائے یہ جہت اور کیفیت بھی خدا کی طرف سے معین ہونی چاہئے۔

۲۔ مسیب، علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا، اور ''جنگ عین الوردہ'' کے توبہ کرنے والوں کا کمانڈر تھا جنہوں نے حضرت سید الشہداء کی خونخواہی کی راہ میں بغاوت کی تھی (جمہرۃ ابن حزم /۲۵۸) وہ اسی جنگ میں ۶۵ ھ میں قتل ہوا (سفینۃ البحار ج ۱/۶۷۷) ترمذی نے اس سے حدیث نقل کی ہے (التقریب ۲/۲۵۰)

ابھی پاک نہ کیا ہوگا تم لوگ اسے قتل کرڈالو گے (اس شخص سے علی کا مقصود ان کے فرزند حسین بن علی علیہ السلام تھے)

غیبت نعمانی میں یہ روایت مسیّب بن نجبہ سے یوں نقل ہوئی ہے کہ: ایک شخص ''ابن سوداء'' نامی ایک مرد کے ہمراہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا: یا امیر المؤمنین! یہ مرد ''ابن سوداء'' خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ نسبت دیتا ہے اور آپ کو بھی اپنے جھوٹ کیلئے گواہ بناتا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ''لقد اعرض و اطول'' بکواس کی بات ہے کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا، لشکر غضب کے بارے میں کہتا ہے، کہ امام نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، جی ہاں، لشکر غضب ایک ایسا گروہ ہے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا...

یہ تھیں دو روایتیں جن کا مضمون کشی کی پنجگانہ روایتوں سے مخالف اور تناقض رکھتا ہے کیونکہ پنجگانہ روایتیں دلالت کرتی ہیں کہ ابن سبا الوہیت و بشری خدائی ــــ جو شکل وصورت اور جسم رکھتا تھا، انتقال مکانی کرتا رہتا ہے، کبھی حاضر ہوتا تھا اور کبھی غائب ــــ کا قائل تھا، جبکہ یہاں پر پہلی روایت دلالت کرتی ہے کہ ابن سبا خدا کو منزہ اور اس سے بلند تر جانتا تھا کہ اجسام کی طرح کسی مکان میں موجود ہو اور کسی دوسرے مکان میں نہ ہو۔

اور دوسری روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ابن سبا یا ابن سوداء نے پیشن گوئی کی ہے اور یہ پیشن گوئی مسیّب کی نظر میں (یا دوسرے شخص کی نظر میں) عجیب اور نا قابل یقین ہے اور اسے خدا اور

رسول کی طرف ایک قسم کے جھوٹ کی نسبت دینا تصور کیا ہے، لہذا اسے امام کے حضور میں لایا جاتا ہے لیکن امام علیہ السلام اس پیشن گوئی کی تائید فرماتے ہیں اوراس کو آزاد کرنے کا حکم جاری کرتے ہیں جبکہ اس قسم کا شخص کبھی بشر کی الوہیت کا قائل نہیں ہوسکتا ہے اوراس عقیدہ پر اس قدر اصرار اور ہٹ دھرمی کی یہاں تک کہ اسے نذر آتش کیا جاتا ہے۔

مرتد کوجلانے کی روایتیں

انی اذا بصرت امراً منکراً اوقدت ناری

ودعوت قنبراً.

جب میں سماج میں کسی برے کام کا مشاہدہ کرتا ہوں تو اپنی

آگ جلاتا ہوں اور اپنی نصرت کے لئے قنبر کو بلاتا ہوں۔

ہم نے گزشتہ فصلوں میں بتایا کہ کشی کی جن پانچ روایتوں میں عبداللہ بن سبا کا نام آیا ہے وہ چند پہلو سے خدشہ دار اور نا قابل قبول ہیں۔ ان کے ضعف کا ایک پہلو وہی تناقض ہے جو یہ روایتیں چند دوسری روایتوں کے ساتھ رکھتی ہیں، کیونکہ کشی کی پنجگانہ روایتیں، علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کا موضوع، انکی الوہیت کا اعتقاد، اور داستان احراق اور ان پر عبداللہ بن سبا کو جلانے کی نسبت دیتی ہیں، لیکن روایتوں کا ایک دوسرا سلسلہ ان رودادوں کو دوسرے افراد کے بارے میں نقل کرتی ہیں چنانچہ:

ا۔ کشی مزید کہتا ہے:

جب امیر المؤمنین علیہ السلام اپنی بیوی (ام عمرو عنزیہ) کے گھر میں تھے۔ حضرت کا غلام، قنبر آیا اور عرض کیا یا امیر المؤمنین علیہ السلام! دس افراد گھر کے باہر کھڑے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ ان کے خدا ہیں۔

امام نے فرمایا: انہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دیدو۔

کہتا ہے جب یہ دس آدمی داخل ہوئے تو حضرت نے سوال کیا: میرے بارے میں تمہارا عقیدہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا: ''ہم معتقد ہیں کہ آپ ہمارے پروردگار ہیں اور یہ آپ ہی ہیں جس نے ہمیں خلق کیا ہے اور ہمارا رزق آپ کے ہاتھ میں ہے''

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہو تم پر! اس عقیدہ کو نہ اپناؤ، کیونکہ میں بھی تمہاری طرح ایک مخلوق ہوں۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ سے باز نہیں آئے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہو تم پر! میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے! افسوس ہو تم پر توبہ کرو اور اس باطل عقیدہ سے دست بردار ہو جاؤ!

انہوں نے کہا: ہم اپنے عقیدہ اور بیان سے دست بردار نہیں ہوں گے اور آپ ہمارے خدا ہیں، ہمیں خلق کیا ہے اور ہمیں رزق دیتے ہیں۔

اس وقت امام نے قنبر کو حکم دیا تا کہ چند مزدوروں کو لائے، قنبر گئے اور امام کے حکم کے مطابق

دومزدوروں کو بیل وزنبیل کے ہمراہ لائے۔امام نے حکم دیا کہ یہ دومزدورزمین کھودیں۔جب ایک لمبا گڑھا تیار ہوا تو حکم دیا کہ لکڑی اور آگ لائیں۔تمام لکڑیوں کو گڑھے میں ڈال کر آگ لگادی گئی شعلے بھڑکنے لگے اس کے بعد علی علیہ السلام نے ان دس افراد سے۔۔۔ جو ان کی الوہیت کے قائل تھے۔دوسری بار فرمایا: افسوس ہو تم پر! اپنی بات سے دست بردار ہو جاؤ، اس کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان میں سے بعض کو آگ میں ڈال دیا یہاں تک کہ دوسری بار باقی لوگوں کو بھی آگ میں ڈال دیا۔اس کے بعد مندرجہ ذیل مضمون کا ایک شعر پڑھا:

''جب میں کسی گناہ یا برے کام کو دیکھتا ہوں، آگ جلا کر قنبر کو بلاتا ہوں''[۱]

کشی نے اس روایت کو ''مقلاص'' کی زندگی کے حالات میں مفصل طور پر اور ''قنبر'' کی زندگی کے حالات میں خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے۔مجلسی نے بھی اسی روایت کو کشی سے نقل کر کے ''بحار الانوار'' میں درج کیا ہے۔

۲۔دوبارہ کشی، کلینی، صدوق، فیض، شیخ حر عاملی اور مجلسی نے نقل کیا ہے: ایک شخص نے امام باقر اور امام صادق علیہما السلام سے نقل کیا ہے: جب امیر المؤمنین علیہ السلام بصرہ کی جنگ سے فارغ ہوئے تو ستر افراد ''زط'' سیاہ فام حضرت کی خدمت میں آئے اور انھیں سلام کیا۔اس کے بعد اپنی زبان میں ان سے گفتگو کرنے لگے۔

۱۔انی اذا بصرت امراً منکراً او قدت ناری و دعوت قنبراً

امیر المؤمنین نے بھی ان کی ہی زبان میں انھیں جواب دیا۔ اس کے بعد فرمایا جو کچھ تم میرے بارے میں تصور کرتے ہو میں وہ نہیں ہوں بلکہ میں بھی تمہاری طرح بندہ اور خدا کی مخلوق ہوں۔ لیکن انہوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا: آپ خدا ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: اگر اپنی باتوں سے پیچھے نہیں ہٹتے اور خدا کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے اور میرے بارے میں رکھنے والے عقیدہ سے دست بردار نہیں ہوتے ہو تو میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا، چونکہ انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کیا اور اپنے باطل عقیدہ سے دست بردار نہیں ہوئے، لہذا امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ کئی کنویں کھودے جائیں اور ان کنوؤں کو زمین کے نیچے سے سوراخ کر کے آپس میں ملا دیا جائے اس کے بعد حکم دیا کہ ان افراد کو ان کنوؤں میں ڈال کر اوپر سے انھیں بند کر دو۔ صرف ایک کنویں کا منہ کھلا ہوا تھا اس میں آگ جلا دی گئی اور اس آگ میں دھواں کنوؤں کے آپس میں رابطہ دینے کے سوراخوں سے ہر کنویں میں پہنچا اور اسی دھویں کی وجہ سے یہ سب لوگ مر گئے!

اس واقعہ کو بزرگ علماء نے ایک گمنام ''شخص'' سے نقل کیا ہے کہ جس کا کوئی نام ونشان نہیں ہے اور ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص جس نے امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے، کون ہے؟ کہاں اور کب زندگی کرتا تھا، اور کیا بنیادی طور پر اس قسم کا کوئی راوی حقیقت میں وجود رکھتا ہے یا نہیں؟!

اس داستان کو ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب ''مناقب'' میں اس طرح نقل کیا ہے کہ: جنگ بصرہ کے بعد ستر افراد سیاہ فام امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی زبان میں بات کی اور ان کا سجدہ کیا۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: افسوس ہو تم پر! یہ کام نہ کرو، کیوں کہ میں بھی تمہاری طرح ایک مخلوق کے علاوہ کچھ نہیں ہوں۔ لیکن وہ اپنی بات پر مصر رہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر میرے بارے میں اپنے اس عقیدہ سے دست بردار ہو کر خدا کی طرف نہیں پلٹے تو میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ راوی کہتا ہے: جب وہ اپنے عقیدہ سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے حکم دیا کہ زمین کی کھدائی کر کے چند گڑھے تیار کئے جائیں اور ان میں آگ جلا دی جائے۔ حضرت علیہ السلام کے غلام قنبر ان کو ایک ایک کر کے آگ میں ڈالتے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام اس وقت اس مضمون کے اشعار پڑھ رہے تھے۔

جب میں گناہ اور کسی برے کام کو دیکھتا ہوں تو ایک آگ روشن کرتا ہوں اور قنبر کو بلاتا ہوں!

اس کے بعد گڑھوں پر گڑھے کھودتا ہوں اور قنبر میرے حکم سے گنہگاروں کو ان میں ڈالتا ہے[1]

اس روداد کو مرحوم مجلسی نے بھی ''بحار الانوار'' میں اور نوری نے 'مستدرک'' میں کتاب ''مناقب'' سے نقل کیا ہے۔

۱۔ انی اذا بصرت امرا منکراً او قدت ناری و دعوت قنبراً

ثم احتفرت حفراً فحفراً و قنبر یحطم حطماً منکراً

۳۔مرحوم کلینیؒ اور شیخ طوسیؒ نے درج ذیل روایت کوامام صادق علیہ السلام سے یوں نقل کیا ہے:

کچھ لوگ امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس آئے اور اس طرح سلام کیا: ''**السلام علیک یا ربنا**'' سلام ہوآپ پراے ہمارے پروردگار!!

امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان سے کہا: اس خطرناک عقیدہ سے دست بردار ہوکر توبہ کرو۔ لیکن انہوں نے اپنے عقیدہ پراصرار کیا امیر المؤمنین علیہ السلام نے حکم دیا کہ دوگڑھے ایک دوسرے سے متصل کھود کر ایک سوراخ کے ذریعہ ان دونوں گڑھوں کو آپس میں ملایا جائے جب ان کے توبہ سے ناامید ہوئے تو انھیں ایک گڑھے میں ڈال کر دوسرے میں آگ لگادی یہاں تک کہ وہ مرگئے۔

۴۔شیخ طوسی اور شیخ صدوق نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے: ایک شخص امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوااور کوفہ میں مقیم دومسلمانوں کے بارے میں شہادت دی کہ اس نے دیکھا ہے کہ یہ دوشخص بت کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اوران کی پوجا کرتے ہیں۔حضرت علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہوتم پر! شاید تم نے غلط فہمی کی ہو۔اس کے بعد کسی دوسرے کو بھیجا تا کہ ان دوافراد کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے اور نزدیک سے مشاہدہ کرے۔حضرت علیہ السلام کے ایلچی نے وہی رپورٹ دی جو پہلے شخص نے دی تھی۔امیر المؤمنین علیہ السلام نے انھیں اپنے پاس بلایا اور کہا: اپنے اس عقیدہ سے دست بردار ہوجاؤ! لیکن انہوں نے اپنی بت پرستی پراصرار کیا لہذا

حضرت علیہ السلام کے حکم سے ایک گڑھا کھودا گیا اور اس میں آگ لگادی گئی اور ان دو افراد کو آگ میں ڈالدیا گیا۔

۵۔ ذہبی نقل کرتا ہے کہ کچھ لوگ امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگے: آپ وہ ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہو تم پر! میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے پروردگار ہیں! حضرت نے فرمایا: اپنے اس عقیدہ سے توبہ کرو! لیکن انہوں نے توبہ نہیں کی اور اپنے باطل عقیدہ پر ہٹ دھرمی کرتے ہوئے باقی رہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان کا سر قلم کیا۔ اس کے بعد ایک گڑھا کھودا گیا اور قنبر سے فرمایا: قنبر لکڑی کے چند گٹھر لے آؤ، اس کے بعد ان کے جسموں کو نذر آتش کیا۔ پھر اس مضمون کا ایک شعر پڑھا:

''جب بھی میں کسی برے کام کو دیکھتا ہوں، آگ کو شعلہ ور کر کے قنبر کو بلاتا ہوں''

٦۔ ابن ابی الحدید ابو العباس سے نقل کرتا ہے کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام مطلع ہوئے کہ کچھ لوگ شیطان کے دھوکہ میں آ کر ''حضرت کی محبت میں غلو'' کر کے حد سے تجاوز کرتے ہیں، خدا اور اس کے پیغمبر کے لائے ہوئے کے بارے میں کفر کرتے ہوئے حضرتؑ کو خدا جانتے اور ان کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ایسے اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ان کے خالق اور رزق دینے والے ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اس خطرناک عقیدہ سے دست بردار ہو جاؤ اور توبہ کرو

لیکن انہوں نے اپنے عقیدہ پر اصرار کیا۔حضرت علیہ السلام نے جب ان کی ہٹ دھرمی دیکھی تو ایک گڑھا کھودااوراس میں ڈال کرآگ اوردھویں سے انھیں جسمانی اذیت پہنچائی اورڈرایادھمکایا۔

لیکن جتنا ان پرزیادہ دباؤڈالا گیا،ان کے باطل عقیدہ کے بارے میں ان کی ہٹ دھرمی بھی تیزتر ہوگئی،جب ان کی ایسی حالت دیکھی تو ان سب کوآگ کے شعلوں میں جلادیا گیا۔اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

''دیکھا کس طرح میں نے گڑھے کھودے''اس کے بعد وہی شعر پڑھے جوگزشتہ صفحات میں بیان کئے گئے ہیں۔

اس داستان کونقل کرنے کے بعد ابن ابی الحدید کہتا ہے ہمارے علماء۔مکتب خلفاء کے پیرو۔ نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے:جب امیر المؤمنین نے اس گروہ کو نذرآتش کیا تو انہوں نے فریاد بلند کی:اب ہمارے لئے ثابت ہوا کہ آپ ہمارے خدا ہیں،آپ کا چچیرا بھائی جوآپ کا فرستادہ تھا کہتا تھا:آگ کے خدا کے سواکوئی بھی آگ کے ذریعہ عذاب نہیں کرتا[۱]

۷۔احمد بن حنبل عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اسلام سے منحرف کچھ لوگوں کو نذرآتش کرکے ہلاک کردیا یہ روئداد جب ابن عباس نے سنی تو اس نے کہا:اگران کا

۱۔شرح نہج البلاغہ ج۱/۲۲۵۔

اختیار میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ان کو ہرگز نذر آتش نہ کرتا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''کسی کو عذاب خدا سے عذاب نہ کرنا'' میں انھیں قتل کر ڈالتا۔

جب ابن عباس کی یہ باتیں امیر المؤمنین علیہ السلام تک پہنچیں تو انہوں نے فرمایا: وہ، یعنی ابن عباس نقطہ چینی کرنے میں ماہر ہے'' ویح ابن عم ابن عباس انه لغواص علی الهنات''.

ایک دوسری روایت کے مطابق جب ابن عباس کا بیان امیر المؤمنین علیہ السلام تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا: ابن عباس نے صحیح کہا ہے۔

اس داستان کو شیخ طوسی نے ''مبسوط'' میں یوں درج کیا ہے کہ: نقل کیا گیا ہے کہ ایک گروہ نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے کہا: آپ خدا ہیں۔ حضرت نے ایک آگ روشن کی اوران سب کو نذر آتش کر دیا۔ ابن عباس نے کہا؛ اگر میں علی علیہ السلام کی جگہ پر ہوتا تو انھیں تلوار سے قتل کرتا کیوں کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے: ''کسی کو عذاب خدا سے عذاب نہ کرنا'' جو بھی اپنا دین بدلے اسے قتل کرنا! امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس سلسلہ میں اپنا مشہور شعر پڑھا ہے[1] شیخ طوسی نے یہاں پر روایت کی سند کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن احمد بن حنبل کے ساتھ روایت میں اس کی سند کو خارجی مذہب عکرمہ تک پہنچایا ہے!

مرحوم کلینی نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کہ چند افراد جو ماہ رمضان میں روزہ نہیں رکھتے تھے، حضرت علیہ السلام کے پاس لائے گئے

حضرت نے ان سے پوچھا: کیا تم لوگوں نے افطار کی نیت سے کھانا کھایا ہے؟

- جی ہاں۔

- کیا تم دین یہود کے پیرو ہو؟

- نہیں۔

- دین مسیح کے پیرو ہو؟

- نہیں۔

- پس تم کس دین کے پیرو ہو کہ اسلام کے ساتھ مخالفت کرتے ہو اور روزہ کو علی الاعلان توڑتے ہو؟

- ہم مسلمان ہیں۔

- یقیناً مسافر تھے، اس لئے روزہ نہیں رکھا ہے؟

- نہیں۔

- پس یقیناً کسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے ہم مطلع نہیں ہیں تم خود جانتے ہو کیونکہ انسان اپنے بارے میں دوسروں سے آگاہ تر ہے کیونکہ خدا نے فرمایا: **الانسان علی نفسہ بصیرۃ ۔**

- ہم کسی بیماری یا تکلیف میں مبتلا نہیں ہیں۔

اس کے بعد امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: یہاں پر امیر المؤمنین علیہ السلام نے ہنس کر

فرمایا: پس تم لوگ خدا کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کرتے ہو؟

- ہم خدا کی وحدانیت کا اعتراف کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں لیکن محمد کو نہیں پہچانتے۔

- وہ رسول اور خدا کے پیغمبر ہیں۔

- ہم انھیں نبی کی حیثیت سے نہیں پہچانتے بلکہ اسے ایک بیابانی عرب جانتے ہیں کہ جس نے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی ہے۔

- تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرنا ہوگا ورنہ میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا!

- ہم ہرگز اعتراف نہیں کریں گے خواہ ہمیں قتل کر دیا جائے۔

اس کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے مأمورین کو حکم دے کر کہا انھیں شہر سے باہر لے جاؤ پھر وہاں پر دو گڑھے ایک دوسرے سے نزدیک کھودو۔

پھر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تمہیں ان گڑھوں میں سے ایک میں ڈال دوں گا اور دوسرے گڑھے میں آگ جلا دوں گا اور تمہیں اس کے دھویں کے ذریعہ مار ڈالوں گا۔

انہوں نے علی علیہ السلام کے جواب میں کہا: جو چاہتے ہو انجام دو، اور ہمارے بارے میں جو بھی حکم دینا چاہتے ہو اسے جاری کرو۔ اس کے علاوہ اس دنیا میں آپ کے ہاتھوں اور کوئی کام انجام نہیں پا سکتا ہے فانما تقضی هذه الحیاة الدنیا ۔ حضرتؑ نے انھیں آرام سے ان دو گڑھوں میں سے ایک میں ڈالا، اسکے بعد حکم دیا کہ دوسرے کنویں میں آگ جلا دیں۔ اس کے بعد مکرر انھیں

اس سلسلے میں آواز دی کہ کیا کہتے ہو؟ وہ ہر بار جواب میں کہتے تھے: جو چاہتے ہو انجام دو اور ان کا یہ جواب تکرار ہو رہا تھا، یہاں تک کہ سب مر گئے۔

راوی کہتا ہے کہ اس داستان کی خبر کاروانوں نے مختلف شہروں میں پہنچا دی اور تمام جگہوں پر بہترین طریقے سے اہم حادثہ کی صورت میں نقل کرتے تھے اور لوگ بھی اس موضوع کو ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اس واقعہ کے بعد ایک دن مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کہ مدینہ کے یہودیوں میں سے ایک شخص (جس کے اسلاف اور خود اس یہودی کے علمی مقام اور حیثیت کا سارے یہودی اعتراف کرتے تھے) اپنے کاروان کے چند افراد کے ہمراہ حضرت علیہ السلام سے ملاقات کرنے کیلئے کوفہ میں داخل ہوا اور مسجد کوفہ کے نزدیک پہنچا اور اپنے اونٹوں کو بٹھا دیا اور مسجد کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا اور ایک شخص کو امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس بھیج دیا کہ ہم یہودیوں کا ایک گروہ، حجاز سے آیا ہے اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے کیا آپ مسجد سے باہر آئیں گے یا ہم خود مسجد میں داخل ہو جائیں؟

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت علیہ السلام ان کی طرف یہ جملہ کہتے ہوئے آئے: جلدی ہی اسلام قبول کریں گے اور بیعت کریں گے۔

اس کے بعد علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟

ان کے سردار نے کہا: اے فرزند ابوطالب! یہ کون سی بدعت ہے کہ جو آپ نے دین محمد میں ایجاد کی ہے؟

علی علیہ السلام نے کہا: کونسی بدعت؟

رئیس نے کہا: حجاز کے لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو کہ جو خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں لیکن محمد ﷺ کی نبوت کا اعتراف نہ کرتے دھویں کے ذریعہ مار ڈالا ہے!

علی علیہ السلام: تجھے قسم دیتا ہوں ان نو معجزات کی جو طور سینا پر موسیٰ کو دے گئے ہیں اور پنجگانہ کنیتوں اور صاحب سرِ ادیان کیلئے، کیا نہیں جانتے ہو کہ موسیٰ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں کو یوشع بن نون کے پاس لایا گیا جو خدا کی وحدانیت کا اعتراف کرتے تھے لیکن موسیٰ کی نبوت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ یوشع بن نون نے انھیں دھویں کے ذریعہ قتل کیا؟!

سردار: جی ہاں، ایسا ہی تھا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ موسیٰ کے محرم راز ہیں۔

اس کے بعد یہودی نے اپنے آستین سے ایک کتاب نکالی اور امیر المؤمنین علیہ السلام کے ہاتھ میں دی۔

حضرت علیہ السلام نے کتاب کھولی اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد روئے یہودی نے کہا: اے ابن ابیطالب آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ آپ نے جو اس خط پر نظر ڈالی کیا آپ اس مطلب کو

سمجھ گئے؟ جبکہ یہ خط سریانی زبان میں لکھا گیا ہے اور آپ کی زبان عربی ہے؟

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، اس خط میں میرا نام لکھا ہے۔

یہودی نے کہا: ذرا بتائیے تا کہ میں جان لوں کہ سریانی زبان میں آپ کا نام کیا ہے؟ اور اس خط میں اس نام کو مجھے دکھائیے!

امیر المؤمنین علیہ السلام نے کہا: سریانی زبان میں میرا نام ''الیا'' ہے اس کے بعد اس یہودی کو اس خط میں لفظ دکھایا۔

اس کے بعد یہودی نے اسلام قبول کیا اور شہادتین کو زبان پر جاری کیا اور علی علیہ السلام کی بیعت کی پھر مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہوا یہاں پر امیر المؤمنین نے حمد وثنا اور خدا کا شکر بجالانے کے بعد کہا:

> ''شکر خدا کا کہ اس کے نزدیک میں فراموش نہیں ہوا تھا، شکر اس خدا کا جس نے اپنے نزدیک میرا نام ابرار اور نیکوں کاروں کے صحیفہ میں درج کیا ہے اور شکر اس خدا کا جو صاحب جلال وعظمت ہے''

ابن ابی الحدید نے اس روداد کو دوسری صورت میں نقل کیا ہے کہ علم وتحقیق کے دلدادہ حضرات شرح نہج البلاغہ ج ۱/ ۴۲۵ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

۹۔ ہم ان روایتوں کچھ دوسری روایت کے ساتھ ختم کرتے ہیں جسکا باطل اور خرافات پر مشتمل

ہوناواضح اورعیاں ہے:

اس روایت کوابن شاذان نے کتاب ''فضائل'' میں درج کیا ہےاوران سے مجلسی نے نقل کر کے بحاالانوار میں درج کیا ہےاس کےعلاوہ اسےعلامہ نوری نے بھی'عیون المعجز ات'' سے نقل کر کے''مستدرک''میں درج کیا ہے:

امیر المؤمنین علیہ السلام ، کسریٰ کے مخصوص منجم کے ہمراہ کسری کے محل میں داخل ہوئے امیرالمؤمنین علیہ السلام کی نظرایک کونے میں ایک بوسیدہ کھوپڑی پر پڑی حکم دیاایک طشت لایا جائے اس میں پانی ڈال کرکھوپڑی کواس میں رکھا گیا پھراس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے کھوپڑی تجھے خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں تو بتا کہ میں کون ہوں؟ اورتم کون ہو؟ کھوپڑی گویا ہوئی اور فصیح زبان میں جواب دیا: آپ امیرالمؤمنین علیہ السلام اورسیداوصیاء ہیں! لیکن، میں بندۂ خدااورکنیز خدا کا بیٹا نوشیروان ہوں؟

''ساباط'' کے چند باشندے،امیرالمؤمنین علیہ السلام کے پاس تھےاورانہوں نے اس روداد کا عینی مشاہدہ کیاوہ اپنی آبادی اورقبیلہ کی طرف روانہ ہوئے اور جو کچھ اس کھوپڑی کے بارے میں دیکھا تھالوگوں میں بیان کیا یہ روداد ان کے درمیان اختلاف کا سبب بنی اور ہر گروہ نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے بارے میں ایک قسم کے عقیدہ کا اظہار کیا۔ کچھ لوگ حضرت علیہ السلام کے بارے میں اسی چیز کے معتقد ہوئے جس کے عیسائی حضرت عیسیٰ کے بارے میں معتقد تھےاورعبداللہ بن سبا

اوراس کے پیروؤں کا جیسا عقیدہ اختیار کیا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحاب نے اس بارے میں حضرت علی علیہ السلام سے عرض کی : اگر لوگوں کو اسی اختلاف وافتراق کی حالت میں رکھو گے تو دوسرے لوگ بھی کفرو بے دینی میں گرفتار ہوں گے جب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے یہ باتیں سنیں تو فرمایا: آپ کے خیال میں ان لوگوں سے کیسا برتاؤ کیا جانا چاہئے؟ عرض کیا مصلحت اس میں ہے کہ جس طرح عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروؤں کو جلادیا گیا ہے۔ان لوگوں کو بھی نذر آتش کیجئے۔ اس کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام نے انھیں اپنے پاس بلایا اوران سے سوال کیا کہ: تمہارے اس باطل عقیدہ کا محرک کیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہم نے اس بوسیدہ کھوپڑی کی آپ کے ساتھ گفتگو کو سنا، چونکہ اس قسم کا غیر معمولی کام خدا کے علاوہ اور کسی کیلئے ممکن نہیں ہے لہذا ہم آپ کے بارے میں اس طرح معتقد ہوئے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: اس باطل عقیدہ سے دست بردار ہوجاؤ اور خدا کی طرف لوٹ کر توبہ کرو، انہوں نے کہا: ہم اپنے اعتقاد کو نہیں چھوڑیں گے آپ ہمارے بارے میں جو چاہیں کریں۔ علی علیہ السلام جب ان کے توبہ کے بارے میں ناامید ہوئے تو حکم دیا تا کہ آگ کو آمادہ کریں اس کے بعد سب کو اس آگ میں جلادیا۔ اسکے بعد ان جلی ہوئی ہڈیوں کو ٹنے کے بعد ہوا میں بکھیرنے کا حکم دیا۔ حضرت کے حکم کے مطابق جلی ہوئی تمام ہڈیوں کو چور کرنے کے بعد ہوا میں بکھیر دیا گیا۔ اس روداد کے تین دن بعد ''ساباط'' کے باشندے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

اے امیرالمؤمنین علیہ السلام ! دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال رکھو، کیوں کہ جنہیں آپ نے جلا دیا تھا وہ صحیح وسالم بدن کے ساتھ اپنے گھروں کولوٹے ہیں، کیا آپ نے ان لوگوں کو نذر آتش نہیں کیا تھا اوران کی ہڈیاں ہوا میں نہیں بکھیریں تھیں؟ امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، میں نے ان افراد کوجلا کر نابود کردیا،لیکن خداوند عالم نے انھیں زندہ کیا۔

یہاں پر''ساباط'' کے باشندے حیرت وتعجب کے ساتھ اپنی آبادی کی طرف لوٹے۔

ایک اورروایت کے مطابق امیرالمؤمنین علیہ السلام نے انھیں نذر آتش نہیں کیا۔لیکن ان میں سے کچھ لوگ بھاگ گئے اور مختلف شہروں میں منتشر ہوئے اور کہا: اگرعلی ابن ابیطالب مقام ربوبیت کے مالک نہ ہوتے تو ہمیں نہ جلاتے۔

یہ مرتدین کے احراق سے مربوط روایتوں کا ایک حصہ تھا کہ ہم نے اسے یہاں پردرج کیا۔ گزشتہ فصلوں میں بیان کی گئی عبداللہ بن سبا کی روایتوں کی جانچ پڑتال، تطبیق اور تحقیق انشاءاللہ اگلی فصل میں کریں گے۔

روایات احراق مرتد کی بحث و تحقیق

ان احداً من فقهاء المسلمین لم یعتقد هذه الروایات

علمائے شیعہ وسنی میں سے کسی ایک نے بھی احراق مرتد کی روایتوں پر عمل نہیں کیا ہے

مؤلف

جو کچھ گزشتہ فصلوں میں بیان ہوا وہ عبداللہ بن سبا اس کے نذر آتش کرنے اور اس سلسلہ میں حدیث و رجال کی شیعہ وسنی کتابوں سے نقل کی گئی مختلف اور متناقض روایتوں کا ایک خلاصہ تھا۔

لیکن تعجب کی بات ہے کہ اسلامی دانشوروں اور فقہاء، خواہ شیعہ ہوں یا سنی ان میں سے کسی ایک نے بھی ان روایتوں کے مضمون پر اعتماد نہیں کیا ہے اور شخص مرتد کو جلانے کا فتوی نہیں دیا ہے بلکہ شیعہ وسنی تمام فقہاء نے ان روایتوں کے مقابلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدی سے نقل کی گئی روایتوں پر استناد کر کے مرتد کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے نہ جلانے کا۔

اب ہم یہاں پر مرتدوں کے بارے میں حکم کے سلسلے میں شیعہ وسنی علماء کا نظریہ بیان کریں

گے اوراس کے بعدان روایات کے بارے میں بحث وتحقیق کا نتیجہ پیش کریں گے۔

اہل سنت علماء کی نظر میں مرتد کا حکم

ابو یوسف کتاب ''الخراج'' میں مرتد کے حکم کے بارے میں کہتا ہے:

اسلام سے کفر کی طرف میلان پیدا کرنے والے اور کافر افراد جو ظاہراً اسلام لانے کے بعد پھر سے اپنے کفر کی طرف پلٹ گئے ہوں اوراسی طرح یہودی وعیسائی وزرتشتی اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ اپنے پہلے مذہب اور آئین کی طرف پلٹ گئے ہوں ایسے افراد کے حکم کے بارے میں اسلامی علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض کہتے ہیں: اس قسم کے افراد کوتوبہ کر کے دوبارہ اسلام میں آنے کی دعوت دی جانی چاہیئے اوراگر انہوں نے قبول نہ کیا تو قتل کر دیا جائے بعض دوسرے کہتے ہیں: ایسے افراد کیلئے توبہ کی تجویز ضروری نہیں ہے بلکہ جوں ہی مرتد ہو جائیں اوراسلام سے منہ موڑیں، انہیں قتل کیا جائے۔

اس کے بعد ابو یوسف طرفین کی دلیل کو جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی گئی احادیث پر مبنی ہیں بیان کرتا ہے اور مرتد کو قابل توبہ جاننے والوں کے دلائل کے ضمن میں عمر بن خطاب کا حکم نقل کرتا ہے کہ جب اسے فتح ''تستر'' میں خبر دی گئی کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص مشرک ہو گیا ہے اوراسے گرفتار کیا گیا ہے عمر نے کہا: تم لوگوں نے اسے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: ہم

نے اسے قتل کر دیا عمر نے مسلمانوں کے اس عمل پر اعتراض کیا اور کہا: اسے پہلے ایک گھر میں قیدی بنانا چاہئے تھا اور تین دن تک اسے کھانا پانی دیتے، اور اس مدت کے دوران اسے توبہ کرنے کی تجویز پیش کرتے اگر وہ اسے قبول کر کے دوبارہ اسلام کے دامن میں آجاتا تو اسے معاف کرتے اور اگر قبول نہ کرتا تو اسے قتل کر ڈالتے۔

ابو یوسف اس نظریہ کی تائید میں کہ پہلے مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرنا چاہئے ایک داستان بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ایک دن ''معاذ''، ابوموسی کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے کوئی بیٹھا ہوا ہے اس سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ ابوموسی نے کہا: یہ ایک یہودی ہے جس نے اسلام قبول کیا تھا لیکن دوبارہ یہودیت کی طرف پلٹے ہوئے ابھی دو مہینے گزر رہے ہیں کہ ہم اسے توبہ کے ساتھ اسلام کو قبول کرنے کی پیش کش کر رہے ہیں لیکن اس نے ابھی تک ہماری تجویز قبول نہیں کی ہے معاذ نے کہا: میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ خدا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس کا سر قلم نہ کروں۔

اس کے بعد ابو یوسف کہتا ہے: بہترین حکم اور نظریہ جو ہم نے اس بارے میں سنا (بہترین حکم کو خدا جانتا ہے) کہ مرتدوں سے، پہلے توبہ طلب کی جاتی ہے اگر قبول نہ کیا تو پھر سر قلم کرتے ہیں۔

یہ نظریہ مشہور احادیث اور بعض فقہاء کے عقیدہ کا مضمون ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے۔

ابو یوسف اضافہ کرتا ہے: لیکن عورتیں جو اسلام سے منحرف ہوتی ہیں، قتل نہیں کی جائیں گی، بلکہ انھیں جیل بھیجنا چاہئے اور انھیں اسلام کی دعوت دینی چاہئے اور قبول نہ کرنے کی صورت میں مجبور کیا جانا چاہئے۔

ابو یوسف کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام علمائے اہل سنت کا اس مطلب پر اتفاق ہے کہ شخص مرتد کی حد قتل ہے اس نے قتل کی کیفیت کو بھی بیان کیا ہے کہ اس کا سر قلم کیا جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں علماء کے درمیان صرف اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا یہ حد اور مرتد کا قتل کیا جانا توبہ کا مطالبہ کرنے سے پہلے انجام دیا جائے یا توبہ کا مطالبہ کرنے کے بعد اسے توبہ قبول نہ کرنے کی صورت میں۔

ابن رشد ''بدایۃ المجتہد'' میں ''حکم مرتد'' کے باب میں کہتا ہے علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر مرتد کو جنگ سے پہلے پکڑ لیا جائے تو اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق قتل کیا جانا چاہئے فرمایا ہے: ہر وہ مسلمان جو اپنا دین بدلے اسے قتل کیا جانا چاہئے''

یہ تھا مرتد کے بارے میں علمائے اہل سنت کا نظریہ

شیعہ علماء کی نظر میں مرتد کا حکم

مرتد کے بارے میں شیعہ علماء کا عقیدہ ایک حدیث کا مضمون ہے جسے مرحوم کلینی، صدوق اور شیخ طوسی نے امام صادق علیہ السلام سے اور انہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے: مرتد کی

بیوی کو اس سے جدا کرنا چاہئے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حرام ہے تین دن تک اس سے توبہ کی درخواست کی جائے گی اگر اس مدت میں اس نے توبہ نہیں کی تو چوتھے دن قتل کیا جائے گا۔

''من لا یحضرہ الفقیہ''میں مذکورہ حدیث کے ضمن میں یہ جملہ بھی آیا ہے اگر صحیح اور سالم عقل رکھتا ہو۔

امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا: مرتد سے توبہ کی درخواست کی جانی چاہئے اگر اس نے توبہ نہ کی تو اسے قتل کرنا چاہئے لیکن اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس سے بھی توبہ کی درخواست کی جاتی ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور اسلام کی طرف دوبارہ نہ پلٹے تو اسے عمر بھر قید کی سزا دی جاتی ہے اور زندان میں بھی اس سے سختی کی جاتی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ ایک شخص مسلمان ماں باپ سے پیدا ہوا ہے، اس کے بعد اسلام سے منحرف ہو کر کفر والحاد کی طرف مائل ہو گیا تو کیا اس قسم کے شخص سے توبہ کی درخواست کی جائے گی؟ یا توبہ کی درخواست کے بغیر اسے قتل کیا جائے گا؟

امام نے جواب میں لکھا '' و یقتل'' یعنی توبہ کی درخواست کئے بغیر قتل کیا جائے گا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کے ایک گورنر نے ان سے سوال کیا کہ: میں نے کئی مسلمانوں کو دیکھا کہ اسلام سے منحرف ہو کر کافر ہو گئے ہیں اور عیسائیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ کافر ہو گیا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے جواب میں لکھا: ہر مسلمان مرتد جو فطرت اسلام میں پیدا ہوا ہے، یعنی

مسلمان ماں باپ سے پیدا ہوا ہے پھر اس کے بعد کافر ہو گیا تو توبہ کی درخواست کے بغیر اس کا سر قلم کرنا چاہیئے، لیکن جو مسلمان فطرت اسلام میں پیدا نہیں ہوا ہے (مسلمان ماں باپ سے پیدا نہیں ہوا ہے) اگر مرتد ہوا تو پہلے اس سے توبہ کی درخواست کرنا چاہیئے، اگر اس نے توبہ نہ کی تو اس کا سر قلم کرنا لیکن، عیسائیوں کا عقیدہ کافروں سے بدتر ہے ان سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر کے مصر سے سورج اور چاند کو پوجا کرنے والے ملحدوں اور اسلام سے منحرف ہوئے لوگوں کے بارے میں کئے گئے ایک سوال کے جواب میں یوں لکھا: جو اسلام کا دعوی کرتے تھے پھر اسلام سے منحرف ہوئے ہیں، انھیں قتل کرنا اور دوسرے عقاید کے ماننے والوں کو آزاد چھوڑ دینا وہ جس کی چاہیں پرستش کریں۔ گزشتہ روایتوں میں ائمہ سے روایت ہوئی ہے کہ مرتد کی حد قتل ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ملتا ہے کہ امیر المومنین نے مرتد کے بارے میں قتل کا نفاذ فرمایا ہے چنانچہ، کلینی امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: ایک مرتد کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔ حضرت علیہ السلام نے اس شخص کا سر قلم کیا عرض کیا گیا یا امیر المؤمنین اس شخص کی بہت بڑی دولت وثروت ہے یہ دولت کس کو دی جانی چاہیئے؟ حضرت علیہ السلام نے فرمایا: اس کی ثروت اس کی بیوی اور بچوں اور وارثوں میں تقسیم ہوگی۔

پھر نقل ہوا ہے ایک بوڑھا اسلام سے منحرف ہو کر عیسائی بنا امیر المومنین علیہ السلام نے اس

سے فرمایا: کیا اسلام سے منحرف ہو گئے ہو؟ اس نے جواب میں کہا: ہاں، فرمایا شاید اس ارتداد میں تمہارا کوئی مادی مقصد ہو اور بعد میں پھر سے اسلام کی طرف چلے آؤ؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: شاید کسی لڑکی سے عشق و محبت کی وجہ سے اسلام سے منحرف ہو گئے ہو اور اس کے ساتھ شادی کرنے کے بعد پھر سے اسلام کی طرف واپس آ جاؤ گے؟ عرض کیا: نہیں امام نے فرمایا: بہرصورت اب توبہ کر کے اسلام کی طرف واپس آ جا اس نے کہا: میں اسلام کو قبول نہیں کرتا ہوں۔ یہاں پر امام نے اسے قتل کر ڈالا[۱]

یہ ان روایتوں کا ایک حصہ تھا جو مرتد کی حد و مجازات کے بارے میں نقل کی گئی ہیں اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی بہت سے روایتیں موجود ہیں۔

بحث کا نتیجہ

جو کچھ مرتد کی حد کے بارے میں بیان ہوا اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مرتد کے حد کے بارے میں تمام علمائے شیعہ و سنی کا عمل و بیان اور اس بارے میں نقل کی گئی روایتیں احراق مرتد کی روایتوں کی بالکل برعکس تھیں اور ان میں یہ بات واضح ہے کہ مرتد کی حد، قتل ہے نہ جلانا۔

اس کے علاوہ یہ روایتیں واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ امام علیہ السلام نے مرتد کے بارے میں قتل کو عملاً نافذ کیا ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ عربی لغت میں ''قتل'' کسی شخص کو تلوار، نیزہ، پتھر، لکڑی اور زہر جیسے کسی آلہ سے مار ڈالنا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ''حرق'' آگ میں جلانا ہے اور

۱۔ المبسوط: شیخ طوسی، کتاب مرتد۔

''صلب'' پھانسی کے پھندے پر لٹکانا ہے۔

جو کچھ ہم نے اس فصل میں کہا وہ احراق سے مربوط روایتوں کا ایک ضعف تھا انشاء اللہ اگلی فصل میں مزید تحقیق کر کے دوسرے ضعیف نقطوں کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

مرتدین کے جلانے کے بارے میں روایتوں کی مزید تحقیق

کیف خفیت تلک الحوادث الخطیرة علی المؤرّخین

اتنی اہمیت کے باوجود یہ حوادث مورخین سے کیسے پوشیدہ رہے ہیں

مؤلف

ضروری ہے کہ ان روایتوں کے بارے میں کہ جو کہتی ہیں امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے دین کے مطابق ارتداد کے جرم میں چند افراد کو نذر آتش کیا تو ہمیں اس سلسلے میں کچھ توقف کے ساتھ ان کے مضمون میں غور وفکر نیز ان کے مطالب کے جانچ پڑتال کریں اور سوال کریں:

پانچویں روایت میں جو کہتا ہے: ''حسین بن علی علیہ السلام بھی مختار کے جال میں پھنس گئے تھے، اور مختار انھیں عملی طور پر جھٹلاتے تھے''!

حسین ابن علی علیہ السلام کس وقت مختار کے جال میں گرفتار ہوئے تھے؟ جبکہ حضرت (علیہ السلام) مختار کے انقلاب سے پہلے شہید ہو چکے تھے اس کے علاوہ کیا مختار کا امام حسین علیہ السلام کے

قاتلوں کو قتل کرنا اور ان کا انتقام لینا حضرت کیلئے ابتلاء و مصیبت محسوب ہوسکتا ہے؟ یا مختار کا امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہچانا حضرت کو جھٹلانے کے مترادف ہوسکتا ہے؟!

کیا اس حدیث کو جعل کرنے والوں کا مقصد امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کی حمایت و مدد کرنا نہیں تھا؟!

اس کے علاوہ اسی روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے امیر المؤمنین علیہ السلام کو جھٹلانے کیلئے عملی طور پر کوشش کی ہے او وہ حضرت کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے۔ عبداللہ بن سبا کا کونسا عمل یا عقیدہ علی علیہ السلام کو جھٹلانے کے مترادف ہوسکتا ہے؟ کیا کسی نے عبد اللہ بن سبا سے یہ روایت کی ہے کہ اس نے کہا ہوگا: ''خود علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے میں اس کی پوجا کروں'' تا کہ عبداللہ بن سبا کا عقیدہ اور طریقہ کار امیر المؤمنین علیہ السلام کی نسبت افترا ہو اور انھیں سوءظن اور دوسروں کے جھٹلانے کا سبب قرار دے۔

آٹھویں روایت میں آیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اپنی بیوی ام عمرو عنزویہ کے پاس بیٹھے تھے۔ امام علیہ السلام کی یہ بیوی جس کا نام ''ام عمرو عنزیہ'' ہے کون ہے؟ اور کیوں اس راوی کے بغیر کسی اور نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کیلئے اس بیوی کا کہیں ذکر تک نہیں کیا ہے؟

اسکے علاوہ کیا امیر المومنین علیہ السلام نے ان افراد کو دھویں کے ذریعہ قتل کیا ہے؟ چنانچہ ان روایتوں میں سے بعض میں آیا ہے کہ حضرتؑ نے کئی کنویں کھدوائے اور سوراخوں کے ذریعہ ان کو

آپس میں متصل کرایااوران تمام افراد کوان کنوؤں میں ڈال دیااوراوپر سے ان کومضبوطی سے بند کرادیا صرف ایک کنویں کو کھلا رکھا جس میں کوئی نہیں تھا پھراس میں آگ جلادی ، اس کنویں کا دھواں دوسرے کنوؤں میں پہنچااوروہ سب افراداس دھویں کی وجہ سے دم گھٹ کرنابود ہوئے۔

یا یہ کہ دھویں سے انھیں قتل نہیں کیا ہے بلکہ پہلے ان کے سرقلم کئے ہیں اس کے بعدان کے اجساد کونذرآتش کیا ہے؟

یا زمین میں گڑھے کھدوائے ہیں اوران گڑھوں میں لکڑی جمع کر کے اس میں آگ لگادی ہےاور جب لکڑی انگاروں میں بدل گئی تو قنبر کوحکم دیا کہ ان افراد کوایک ایک کر کے اٹھا کراس آگ میں ڈال دےاوراس طرح سب کوجلادیا ہے؟

کیا تنہا ابن سبا تھا جس نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا تھا اوران کی الوہیت کا معتقد ہوا تھااور حضرت علیہ السلام نے اسے جلادیا ہے؟

یا یہ کہ یہ افراددس تھےاوران سب دس افراد کوجلادیا ہے؟

یا یہ کہ وہ ستر افراد تھےاور حضرتؑ نے ان سب ستر افراد کونذرآتش کیا؟

یا یہ کہ علی علیہ السلام نے اس عمل کومکرر انجام دیا ہے کہ ایک بارصرف ایک شخص کہ وہی عبداللہ بن سباتھا،کوجلادیااوردوسری دفعہ دس افراد کواسکے بعدستر افراد کواورآخرکار چوتھی باردوافراد کوجلادیا ہے؟!

کیا حضرت علیہ السلام نے صرف ان افراد کونذرآتش کیا ہے جواس کی الوہیت اورخدائی کے

معتقد تھے یا بت پرست ہوئے دو افراد کو بھی جلا دیا ہے؟ جن افراد کو امیر المؤمنین علیہ السلام نے جلایا تھا کیا یہ واقعہ بصرہ میں جنگ جمل کے بعد رونما ہوا یا جس طرح نویں روایت میں آیا ہے کہ اس کام کو کسرہ میں اس وقت انجام دیا جب حضرت کو اپنی بیوی ''ام عمرو عنزیہ'' کے گھر میں اطلاع دی گئی جیسا کہ آٹھویں روایت میں بھی آیا ہے؟!

کیا یہ مطلب صحیح ہے کہ جب مرتدوں کو جلانے کی خبر ابن عباس کو پہنچی تو انھوں نے کہا: اگر ان کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں انھیں نذر آتش نہیں کرتا بلکہ انھیں قتل کر ڈالتا، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی کو عذاب خدا کے ذریعہ سزا نہ دینا اور اگر کوئی مسلمان اسلام سے منحرف ہو جائے تو اسے قتل کرنا'' اور جب امام علیہ السلام نے ابن عباس کے بیان کو سنا تو فرمایا: افسوس ہو ام الفضل کے بیٹے پر کہ نکتہ چینی کرنے میں ماہر ہے''

کیا امام اس عمل کے نامناسب ہونے سے بے خبر تھے اور ابن عباس نے انھیں متوجہ کیا؟!

یا کہ ان روایتوں کو جعل[1] کیا گیا ہے تا کہ امیر المومنین علی علیہ لسلام کی روش کو خلیفہ اول کی روش کے برابر دکھائیں اور اس طرح جن چیزوں کے بارے میں خلیفہ اول پر اعتراض ہوا ہے ان میں اسے تنہا نہ رہنے دیں اور لوگوں کو نذر آتش کرنے کے جرم میں علی علیہ السلام جیسے کو بھی ان کا شریک کار بنا

۱۔ زندیقیوں میں ایسے افراد بھی تھے جو اپنے اساتذہ کو دھوکہ دے کر ان کی کتابوں میں بعض مطالب کو حدیث کی صورت میں اضافہ کرتے تھے اور یہ استاد اس کی طرف توجہ کئے بغیر اس خیال سے اس حدیث کو نقل کرتا تھا کہ وہ اس کی اپنی ہے۔ ہم نے اس مطلب کی وضاحت میں اپنی کتاب ''خمسون ومأۃ صحابی مختلق'' کے مقدمہ کے فصل زنادقہ میں ص ۳۷ طبع بغداد میں توضیح دی ہے، آئندہ اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

دیں اور اس طرح خلیفہ اول کے عمل کو ایک جائز اور معمولی عمل دکھلائیں، کیونکہ "فجائیہ سلمی"[۱] اور ایک دوسرا گروہ خلیفہ اول کے حکم سے جلائے گئے تھے اور وہ اس منفی عمل اور سیاست کی وجہ سے موردِ تنقید قرار پاتے تھے!

انہوں نے ان روایتوں کو جعل کر کے روش امیر المؤمنین علیہ السلام کو خالد بن ولید کی جیسی روش معرفی کر کے یہ کہنا چاہا ہے کہ: اگر چہ خالد بن ولید نے چند مسلمانوں کو زکوۃ ادا کرنے سے انکار کرنے کے جرم میں جلا دیا ہے[۲] لیکن یہ عمل صرف اس سے مخصوص نہیں ہے تا کہ اس پر اعتراض

۱۔ "فجائیہ سلمی" وہی ایاس بن عبداللہ ابن عبد یا الیل سلمی ہے کہ اس نے ابوبکر سے چند جنگجو افراد اور اسلحہ بطور مدد حاصل کیا تھا تا کہ مرتدوں سے جنگ کرے لیکن مرتدوں سے جنگ کے بجائے بے گناہ لوگوں کا قتل و غارت کیا اپنی راہ میں ایک بے گناہ عورت کو بھی قتل کیا اسے ابوبکر کے حکم سے پکڑا گیا اس کے بعد ابوبکر نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے اور اس کے بعد فجائیہ کو زندہ آگ میں ڈالا گیا۔ یہی علت تھی کہ ابوبکر اپنی زندگی کے آخری لحات میں کہتا تھا: میں اپنی زندگی میں تین کام کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں فکر مند نہیں ہوں کاش ان کاموں کو میں نے انجام نہ دیا ہوتا یہاں تک کہتا تھا میں فجائیہ سلمی کو نذر آتش کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ اسے قتل کرنا چاہتا تھا یا جلاوطن کرنا چاہتا تھا اس سلسلہ میں اس کتاب کی جلد اول فصل تحصن درخانہ ملاحظہ ہو۔

۲۔ محبّ الدین طبری نے الریاض النضرۃ: ۱/۱۱۱ میں درج کیا ہے کہ قبیلۂ بنی سلیم کے کچھ لوگ اسلام سے منحرف ہوئے ابوبکر نے خالد بن ولید کو ان کی طرف روانہ کیا خالد نے ان میں سے بعض مردوں کو گوسفند خانے میں جمع کر کے انھیں آگ لگادی عمر ابن خطاب نے اس سلسلہ میں ابوبکر سے اعتراض کیا اور کہا: تم نے ایک ایسے شخص کو ان لوگوں کی طرف روانہ کیا ہے کہ لوگوں کو خدا سے مخصوص عذاب سے سزا دیتا ہے اہل سنت علماء نے ابوبکر کے جلانے کے موضوع اور اس کے دفاع میں بہت سے مطالب بیان کئے ہیں۔ مثلاً فاضل قوشجی شرح تجرید میں کہتا ہے ابوبکر کا فجائیہ کو نذر آتش کرنا ان کی اجتہادی غلطی تھی اور مجتہدوں کیلئے اجتہاد میں غلطیاں کثرت سے پیش آتی ہیں فاضل قوشجی ابوبکر کے دفاع میں اپنی بات کو یوں جاری رکھتا ہے یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہماری بحث سے مربوط احادیث کے مطابق ہو یہ کہتے ہیں کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے بہت سے افراد کو نذر آتش کیا ہے ایک جہت سے اس سے اہم تر ہیں جو ابوبکر کے بارے میں نقل ہوئی ہیں اور دوسری جہت سے ابوبکر کے دفاع اور عذر کی بہترین راہ ہے کیونکہ ان روایتوں کے مضمون کے مطابق امیر المؤمنین علیہ السلام نے بھی ان افراد کو نذر آتش کرنے میں اجتہاد کیا ہے اور اس اجتہاد میں غلطی ہوگئی ہے اور اس روش کی بھی عبداللہ ابن عباس اور دوسرے تمام افراد کی طرف سے انکار ہوا ہے، لیکن خود علی اور خالد بن ولید کی نظر میں صحیح تھا فتح الباری ۶/۴۹۱) کتاب الجہاد (باب لایعذب بعذاب اللہ) کی طرف رجوع کیا جائے۔

کیا جائے ، کیونکہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے بھی دوسری وجوہ کی بنا پر چند افراد کو جلا کر نابود کیا ہے۔

کیا باوجود اس کے کہ امام صراحتاً فرماتے ہیں کہ مرتد کی سزا قتل ہے ، عملاً اس حد کو نافذ نہیں کرتے اور مرتدوں کے ایک گروہ کو واقعاً جلا دیتے ہیں؟!

لیکن جس شعر کو امام سے نسبت دی گئی ہے:

لما رایت الامر امراً منکراً اوقدت ناری و دعوت قنبراً

کیا امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس شعر کو ان حوادث کی مناسبت سے جس صورت میں نقل ہوا ہے، کہا ہے، یا کہ ان اشعار کو جنگ صفین میں ایک قصیدہ کے ضمن میں یوں کہا ہے:

یا عجباً لقد سمعت منکراً کذباً علی اللہ یشیب الشعراً

یہاں تک فرماتے ہیں:

انی اذا الموت دنا و حضرا شمّرت ثوبی و دعوت قنبراً

لما رأیت الموت موتاً احمراً عبات همدان و عبوا حمیراً

جب موت کا وقت نزدیک پہنچا تو اپنے لباس کو جمع کیا اور خود کو موت کیلئے آمادہ کر لیا اور قنبر کو بلایا۔ جی ہاں ، اب سرخ موت کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔قبیلہ ہمدان کی صف آرائی کرتا ہوں اور معاویہ بھی قبیلۂ حمیر کی"

ان تمام اشکالات اور اعتراضات، جو احراق مرتدوں کی روایتوں میں موجود ہیں کے باوجود پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ پر باقی ہے کہ کیا عبداللہ بن سبا علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتا تھا اور ان کی الوہیت کا قائل تھا، جیسا کہ گزشتہ روایتوں میں آیا ہے؟! یا یہ کہ وہ خدا کے منزہ ہونے اور تقدس کے بارے میں غلو کرتا تھا۔

(اگر اس سلسلہ میں یہ تعبیر صحیح ہو) جیسا کہ چھٹی حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سبا دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی مخالفت کرتا تھا اور اس عمل کو پروردگار سے دعا کرتے وقت ایک نامناسب عمل جانتا تھا، حتی امام بھی جب اس سلسلہ میں اس کی راہنمائی کرتے ہوئے وضاحت فرماتے ہیں، تو پھر بھی وہ امام کی وضاحت کو قبول نہیں کرتا ہے اور اظہار کرتا ہے کہ چونکہ خداوند عالم ہر جگہ موجود ہے اور کوئی خاص مکان نہیں رکھتا ہے لہذا معنی نہیں رکھتا کہ ہم دعا کے وقت آسمان کی طرف اپنے ہاتھ بلند کریں کیونکہ یہ عمل خدا کو ایک خاص جگہ اور طرف میں جاننے اور اس کیلئے خاص مکان کے قائل ہونے کے برابر ہے اور یہ عقیدہ توحید سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔

کیا اس عبداللہ بن سبا نے مسئلہ توحید میں غلو اور افراط کا راستہ اپنایا ہے یا علی علیہ السلام کی الوہیت کا قائل ہو کر تفریط کی راہ پر چلا ہے؟!

کیا امام نے عبداللہ بن سبا کو عقیدہ میں انحراف کی وجہ سے نذر آتش کیا ہے؟ یا یہ کہ اس نے عقیدہ میں انحراف نہیں کیا تھا بلکہ غیب کی خبر دیتا تھا اور اسی سبب سے اسے امام کے پاس لے آئے تھے

اورامام نے اس کی پیشین گوئی اور کہانت کی تائید کر کے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے؟!

ان تمام سوالات اور جوابات کے باوجود بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا عبداللہ بن سبا بنیادی طور پر (زط) اور ہندی تھا یا عرب نسل تھا؟

اگر وہ ہندی نسل سے تھا تو اس کا اور اس کے باپ کا نام کیسے چار عربی لفظ سے تشکیل پایا ہے: (عبد)، (اللہ) اور ابن، (سبا) اگر وہ عرب نسل سے تھا، تو کیا قدیم زمانے اور جاہلیت کے زمانہ سے امام علیہ السلام کے زمانہ تک کہیں یہ سننے میں آیا ہے کہ کسی عرب نے اپنے ہم عصر کسی انسان کو اپنا خدا جان کر اس کی الوہیت کا قائل ہوا ہو؟!!

دوسری مشکل یہ ہے کہ انسان کی پرستش کی عادت وروش اور ایک شخص معاصر کے الوہیت کا اعتقاد، قدیم تہذیب وتمدن والی قوموں، جیسے: روم، ایران اور اسی طرح جاپان اور چین میں پایا جا سکتا ہے، لیکن اسی زمانہ کے جزیرہ نما عرب کا غیر متمدن ایک صحرا نشین عرب، جو دوسرے انسان کے سامنے تواضع اور انکساری دکھانے کیلئے آمادہ نہ تھا، اس کا کسی انسان کی پرستش کیلئے آمادہ ہونا دور کی بات تھی، جی ہاں صحرا نشین بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور جن وملائکہ کی الوہیت کے معتقد ہوتے ہیں لیکن کبھی آمادہ نہیں ہوتے کہ اپنے ہم جنس بشر کے سامنے احترام بجالائیں اور سجدہ کریں اور اپنے جیسے کسی شخص کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

ان تمام اعتراضات سے قطع نظر پھر بھی یہ مشکل باقی ہے کہ: جو انسان کسی دوسرے انسان کی

بندگی اور عبودیت کو قبول کرتا ہے، اور کسی شخص کے سامنے اپنے آپ کو حقیر بنا تا ہے اس عبودیت و بندگی اور اس خصوع وخشوع میں اس کا مقصد یا مادی و دنیوی ہے کہ اس صورت میں اپنے اس عقیدہ و بیان میں اس قدر ہٹ دھرمی اور اصرار نہیں کرسکتا ہے کہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے کیونکہ مرنے کے بعد مادی اور دنیوی مقاصد کو پانا معنی نہیں رکھتا ہے ان حالات کے پیش نظر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کا شخص کسی بھی قیمت پر اپنی بات سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ اسے زندہ آگ میں جلادیا جائے اور وہ تمام مادی جہتوں کو ہاتھ سے گنوادے؟

یا یہ کہ حقیقت میں وہ واقعی طور پر اس عبودیت وبندگی کا قائل ہے اس صورت میں یہ کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ انسان اپنے معبود سے کہے کہ تو میرا پروردگار ہے، تو نے مجھے خلق کیا ہے، اور تو مجھے رزق دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس کا معبود اس کی تمام باتوں کو جھٹلادے اور اس کے عقیدہ کے بارے میں اظہار بیزاری وتنفر کرے لیکن پھر بھی یہ شخص اس کے بارے میں اپنے ایمان وعقیدہ سے دست بردار نہ ہو؟!!

کیا ایک عقلمند انسان ایسے مطالب کی تصدیق کرسکتا ہے؟ کیا اس قسم کے مطالب کی صدائے بازگشت یہ نہیں ہوسکتی کہ ایسا شخص اپنے معبود سے کہتا ہے: اے میرے پروردگار! اے میرے معبود! تم اپنی الوہیت کا انکار کرکے غلطی کے مرتکب ہورہے ہو، اپنی خدائی کا انکار کرکے اشتباہ کررہے ہو صحیح راستہ سے منحرف ہورہے ہو!! تم خدا ہو، لیکن تم خود نہیں جانتے ہو! اور آخر کار تم خدا ہو اگر چہ خود اس

مقام کو قبول بھی نہ کرو گے!!

کون عاقل اس قسم کے مطلب کی تصدیق کر سکتا ہے؟ اور کیا تاریخ بشریت میں اس قسم کی مثال پائی جاتی ہے؟!

جی ہاں، ممکن ہے کچھ لوگ کسی شخص کی الوہیت کے معتقد ہو جائیں اور وہ شخص اس نسبت سے راضی نہ ہوا اور وہ خود اس مقام کا منکر ہو لیکن ایک شخص کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ کہ اس زندگی کے خاتمہ اور مرنے کے بعد ممکن ہے نہ اس کی زندگی میں جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم اور خود علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں ان کی حیات کے بعد ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔

لیکن کسی شخص کی الوہیت کے بارے میں اس کی زندگی میں عقیدہ رکھنا جبکہ وہ شخص اس عقیدہ اور بات سے راضی نہ ہو اور اسے جھٹلاتا ہو، اپنے ماننے والوں کی ملامت و مذمت کرتا ہو، اس قسم کی روداد نہ آج تک واقع ہوئی ہے اور نہ آئندہ واقع ہوگی۔

آخری اعتراض

اس سلسلہ میں آخری اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ اہم حوادث، حقیقت اور بنیادی طور پر صحیح ہوتے تو معروف مورخین سے کیوں مخفی رہتے؟ مشہور ترین اور مثالی مورخین میں سے چند ایک کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں ان حوادث کے بارے میں کسی قسم کا اشارہ نہیں کیا ہے اور ان افراد کے جلائے جانے کے بارے میں معمولی ساذکر تک نہیں کیا ہے، جیسے:

۱۔ ابن خیاط وفات ۲۴۰ھ

۲۔یعقوبی وفات ۲۸۴ھ

۳۔طبری، وفات ۳۱۰ھ

۴۔مسعودی، وفات ۳۳۶ھ

۵۔ابن اثیر، وفات ۶۳۰ھ

۶۔ابن کثیر، وفات ۷۴۴ھ

۷۔ابن خلدون، وفات ۸۰۸ھ

حقیقت میں اس مقدمہ اور جواب طلبی کے سلسلے میں مرتدین کو جلانے سے مربوط روایتوں کو نقل کرنے والوں اور ان کے حامیوں سے وضاحت طلب کی جاتی ہے کہ: اتنی اہمیت کے باوجود یہ حوادث کیوں ان مؤرخین سے مخفی رہے ہیں اور انہوں نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں انکے بارے میں اس کی قسم کا اشارہ کیوں نہیں کیا؟! جب کہ ان تمام مؤرخین نے ''فجائیہ سلمی'' کو نذر آتش کرنے کی روداد کو کسی قسم کے اختلاف کے بغیر اپنی کتابوں میں تشریح اور تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

گزشتہ فصل میں جو کچھ بیان ہوا اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ: عبداللہ بن سبا سے مربوط روایتیں اور احراق مرتدین کے بارے میں روایتیں ۔۔۔ جو مختلف عناوین سے نقل ہوئی ہیں اور ہم نے بھی ان کے ایک حصہ کو گزشتہ فصل میں درج کیا ۔۔۔ مضبوط اور صحیح بنیاد کی حامل نہیں ہیں اور یہ سب روایتیں خود غرضوں کے افکار کی جعل کی ہوئی ہیں لیکن یہاں پر یہ سوال باقی رہتا ہے کہ یہ جعلی روایتیں کیسے شیعہ کتابوں میں آگئیں؟ ہم اگلی فصل میں اس کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

شیعوں کی کتابوں میں احراقِ مرتدین کی روایتوں کی پیدائش

و کان لاصحاب الائمة آلاف من الکتب فی مختلف العلوم

و غیرا نها قد فقدت

ہمارے ائمہ کے شاگردوں نے مختلف علوم میں ہزاروں کتابیں لکھی تھیں،

افسوس کہ ہماری دسترس میں نہیں ہیں۔ مؤلف

گزشتہ فصل میں بحث یہاں تک پہنچی کہ عبداللہ بن سبا اور احراق مرتدین کے بارے میں روایتیں علم و تحقیق کے لحاظ سے جعلی ہیں اور مضبوط اور صحیح بنیاد کی حامل نہیں ہیں۔ اس بحث کے سلسلہ میں ہم مجبور ہیں کہ اس حقیقت کی تحقیق کریں کہ یہ جعلی روایتیں کس طرح شیعوں کی کتابوں میں داخل ہوکر معتبر روایتوں کی فہرست میں قرار پائی ہیں۔

نابودشدہ کتابیں اور اصول:

مکتب اہل بیت علیہم السلام کے شاگردوں نے مختلف علوم میں متعدد اور متنوع کتابیں تدوین

وتالیف کی تھیں ان تالیفات کے ایک حصہ کو''اصول'' کہا جاتا تھا، کہتے ہیں ان ''اصلوں'' کی تعداد چار سو تک پہنچی تھی۔

یہ اصول دست بہ دست چوتھی ہجری میں شیعہ علماء اور دانشوروں تک پہنچی تھیں اور مرحوم کلینی نے اپنی عظیم روائی کتاب یعنی'' کافی'' میں ان اصلوں سے بہت زیادہ احادیث نقل کی ہیں۔

اس کے علاوہ مرحوم'' صدوق'' نے اپنی کتاب'' من لا یحضرہ الفیقہ'' کوان ہی اصلوں کی فقہی احادیث سے تدوین اور تالیف کی ہے۔

اسی طرح مرحوم شیخ طوسی نے اپنی دو اہم ومعروف کتابوں'' استبصار'' اور'' التہذیب'' کو ان ہی'' اصلوں'' سے تالیف کیا ہے اس کے علاوہ اس زمانے کے دیگر علماء نے بھی اپنی کتابوں کو مذکورہ ''اصلوں'' کی بنیاد پر تدوین کیا ہے اور احادیث کا چہارگانہ مجموعہ، یعنی: کافی، من لا یحضرہ الفقیہ، استبصار، اور تہذیب اس زمانے سے آج تک فقہائے شیعہ کیلئے فقہی احکام کے لحاظ سے مرجع ومآخذ قرار پایا ہے۔

رجال میں بھی چار کتابیں اسی زمانے کے علماء کی آج تک باقی بچی ہیں کہ بعد کے علماء کی تالیفات کیلئے مرجع ومآخذ قرار پاتی ہیں یہ چار کتابیں عبارت ہیں:'' اختیار رجال کشی''،'' رجال' اور ''فہرست'' کہ یہ تین کتابیں مرحوم شیخ طوسی کی تالیف ہیں اور چوتھی کتاب'' فہرست نجاشی'' ہے۔

اصحاب ائمہ نے مذکورہ اصول چہارگانہ کے علاوہ مختلف علوم میں ہزاروں جلد متنوع کتابیں

تالیف کی تھی، جیسے ''اخبار اوائل'' کی تالیفات، اخبار فرزندان آدم واصحاب کہف وقوم عادو...

اس کے علاوہ ''اخبار جاہلیت'' کے بارے میں چند تالیفات مانند کتاب ''الخیل''''السیوف''، ''الاصنام''، ایام العرب، انساب العرب، نواقل القبائل''[۱] اور ''منافرات القبائل''[۲] تھیں۔

اس کے علاوہ اصحاب ائمہ، شہروں، زمینوں، پہاڑوں، اور دریاؤں کے اخبار کے بارے میں کئی کتابیں تالیف کر چکے تھے علاوہ بر این طلوع اسلام کے نزدیک صدیوں کے عربوں میں رونما ہوئے حوادث کے بارے میں اخبار پر مشتمل کتابیں تالیف کی گئی ہیں جیسے: عہدناموں کی خبریں، ایام جاہلیت میں عربوں میں واقع ہوئی گوناگوں ازدواج کی رودادیں یہاں تک عصر اسلام میں رونما ہوئے حوادث واخبار جیسے: روداد سقیفہ، مرتدین، جنگ جمل، صفین، حادثہ کربلا، خروج مختار، توابین اوران سے پہلے اوران کے بعد رونما ہونے والے واقعات۔

اصحاب ائمہ نے ان وقائع وحوادث اوران کے مانند واقعات اور مختلف ومتنوع علوم کے بارے میں ہزاروں جلد کتابیں تالیف وتدوین کی ہیں لیکن افسوس کہ زمانہ کے گزرنے اور مختلف علل، عوامل اور محرکات کی وجہ سے یہ کتابیں نابود ہوگئی ہیں اور آج ان کتابوں اوران کے مؤلفین کے نام

۱۔ نواقل ان افراد اور گروہوں کو کہتے تھے کہ جواپنا نسب ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں منتقل وملتمس کرتے تھے اوراس تاریخ کے بعد دوسرے قبیلہ سے منسوب ہوتے تھے علمائے انساب نے اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھی ہیں اوران قبائل کی تعداد کوان کتابوں میں درج کیا ہے ان کتابوں کو''نواقل'' کہتے ہیں۔

۲۔ منافرات، ایک دوسرے سے دوری اختیار کرنے کے معنی میں ہے کہ بعض قبائل ایک دوسرے سے دووری اختیار کرتے تھے اورایک دوسرے کی تنقید میں بیانات یا اشعار کہتے تھے یاایک خاص قسم کی کاروائیاں کرتے تھے ان بیانات وکاروائیوں کو'منافرات' کہتے ہیں۔

کے علاوہ جنہیں بعض فہرستوں جیسے نجاشی، شیخ طوسی اور الذریعہ میں درج کیا گیا ہے ان کے بارے میں کچھ باقی نہیں بچا ہے۔

شیعوں کے ابتدائی متون اور اصلوں کے نابود ہونے کے اسباب

مکتب اہل بیت علیہم السلام کے ماننے والوں کی مختلف علوم میں تالیف کی گئی کتابوں کے نابود ہونے کے دو اسباب اور محرکات تھے:

۱۔ پہلا سبب: وہ خوف و ڈر تھا جو مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پیرو اور شیعہ علما پوری تاریخ میں وقت کے حاکموں سے رکھتے تھے۔ ان حکام کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کے پیرو اور شیعہ علماء ہر وقت خوف و ہراس میں ہوا کرتے تھے، حتی انھیں قتل کیا جاتا تھا، اور ان کے کتب خانوں کو ہزاروں کتابوں سمیت نذر آتش کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بغداد کے اہم اور عظیم کتاب خانہ ''بین السورین'' کے بارے میں یہ نفرت انگیز عمل انجام دیا گیا۔

اس کتاب خانہ کے بارے میں حموی کہتا ہے: کتابخانہ ''بین السورین'' کی کتابیں تمام دنیا کے کتب خانوں کی کتابوں میں بہترین کتابیں تھیں، کیونکہ یہ کتابیں مورد اعتماد مؤلفین، مذہب کے پیشواؤں اور بزرگوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اس کتاب خانہ کا اہم حصہ ''اصلوں'' اور ان کی تحریرات پر مشتمل تھا ۴۴۷ھ میں خاندان سلجوقی کے طغرل بیگ پادشاہ کے بغداد میں داخل ہونے پر ''محلۂ کرخ'' کو آگ لگادی گئی اور یہ تمام کتابیں بھی اس آتش سوزی میں لقمہ حریق ہوئیں۔

جی ہاں، اس قسم کے حوادث اور فتنوں کے نتیجہ میں شیعوں کے اس قدر آثار و کتابیں نابود ہوئی ہیں کہ ان کی تعداد کے بارے میں خدا کے علاوہ کوئی علم نہیں رکھتا۔

۲۔ان بنیادی آثار اور کتابوں کے نابود ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ شیعہ علماء اور دانشوروں نے اپنی پوری توجہ کو صرف ان علوم کی تعلیم و تربیت کے مختلف ابعاد پر متمرکز کیا تھا جو فقہ اسلامی کے احکام شرعی کو حاصل کرنے کے بارے میں استنباط کے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس طرح انہوں نے دیگر روایات اور متون کا اہتمام نہیں کیا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ علماء نے گزشتہ زمانے سے آج تک آیاتِ احکام اور فقہی روایتوں کی بحث و تحقیق میں خاص توجہ مبذول کی ہے اور اس قسم کی آیات اور احادیث کے مختلف ابعاد پر ایسی دقیق بحث و تحقیق کی ہے کہ تھوڑی سی توجہ کرنے سے ہر محقق اطمینان اور یقین پیدا کرسکتا ہے۔گزشتہ کئی صدیوں کے دوران شیعہ علماء کی طرف سے فقہی روایتوں کو دی گئی ان ہی غیر معمولی اہمیت اور گہری بحث و تحقیق کے نتیجہ میں تمام احکام اسلام سالم اور صحیح صورت میں آج ہم تک پہنچے ہیں۔

لیکن افسوس کہ جب ہم گزشتہ صدیوں کے دوران احکام کی روایتوں اور ان کے منابع کے بارے میں دی گئی خاص توجہ اور اہمیت کا سیرت ،تاریخ تفسیر، آداب اسلامی اور تمام علوم اسلامی کے بارے میں انجام دئے گئے ان علماء کے عمل کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ایک خطرناک کوتاہی بھی برتی گئی ہے۔

معارف اسلام کی کتابوں میں جھوٹ کی اشاعت کا سبب

شیعہ علماء کی طرف سے احکام کے علاوہ روایتوں کو کم اہمیت دینے کے نتیجہ میں دو نقصانات ہوئے ہیں:

اولاً: معارف اسلامی کے بارے میں مختلف موضوعات پر تالیف کئے گئے پیروان اہل بیت علیہم السلام کے اصلی متون، ترک کئے جانے کے نتیجہ میں مفقود ہو چکے ہیں۔

ثانیاً: احکام کے علاوہ دوسرے مآخذ کی طرف رجوع کرنے میں کوتاہی برتنے کی وجہ سے ان کتابوں میں حیرت انگیز جعلیات اور افسانے درج کئے گئے ہیں۔

نتیجہ کے طور پر جب بعض مواقع پر شیعہ علماء تاریخ، سیرت، تفسیر، شہروں کی آشنائی اور دوسرے فنون کے سلسلہ میں روایتوں کی طرف رجوع کرتے تھے، تو اسی کوتاہی کی وجہ سے نہ صرف ایسے مسائل میں بحث و تحقیق نہیں کرتے تھے بلکہ بعض اوقات تاریخ طبری[1] کعب الاحبار اور وہب بن منبہ[2] جیسے افراد کی روایتیں نقل کرنے میں اعتماد کر کے ملل و نحل کے مؤلفوں کے بیانات کی پیروی کی ہے جنہوں نے اپنی کتابوں کو عام اور بازاری منقولات اور بیانات کی بنیاد پر تالیف کیا ہے۔ اس طرح زندیقیوں، جھوٹے اور بے دین افراد کی روایتوں کے ایک حصہ ـــ جو تاریخ طبری جیسی کتابوں میں

۱۔ ہم نے اس کتاب کے گزشتہ حصوں میں طبری کے منقولات کی قدر و منزلت کو واضح کر دیا ہے۔

۲۔ اس بحث کی تفصیل و تشریح مؤلف کی دوسری تالیف ''عن تاریخ الحدیث'' میں آئی ہے امید ہے کہ کتاب جلد ہی طبع ہو کر منظر عام پر آئے گی۔

اشاعت پا چکی ہیں نے شیعوں کی تالیفات اور تاریخ کی کتابوں میں بھی راہ پیدا کی ہے[1]

اسرائیلیات کا ایک حصہ بھی ــ جو کعب الاحبار جیسوں سے نقل ہوا ہے ــ بعض سنی تفاسیر سے شیعوں کی تفاسیر میں داخل ہوگیا ہے اور نتیجہ کے طور پر شیعوں کی غیر فقہی موضوعات پر تالیف کی گئی کتابوں میں خرافات پر مشتمل افسانے اور بے بنیاد داستانیں بھی درج کی گئی ہیں۔

ان سب بلاؤں اور مصیبتوں کی علت شیعہ علماء و دانشوروں کی اس قسم کے علوم سے مربوط روایتوں کے منابع و مآخذ میں مذکورہ غفلت اور بے توجہی ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک ایسے طریقہ کار کو اپنایا ہے جو انکے احکام کی روایتوں کے بارے میں اپنائے گئے طریقہ کار کے بالکل برعکس ہے۔ جی ہاں! انہوں نے احکام کی روایتوں میں صحیح کو غیر صحیح سے تشخیص دینے میں عمیق دقت اور غیر معمولی تحقیق سے کام لیا ہے اور ایسے قواعد مشخص کئے ہیں کہ ایک روایت کے دوسری روایت سے تعارض یا کسی حدیث کے قرآن مجید سے تعارض کے وقت ان قواعد سے استفادہ کیا جاتا ہے اور ایسے طریقے دکھائے ہیں کہ حدیث کے مجمل و مبین اور عام و خاص کے مقابلہ میں اس طریقے سے استفادہ کیا جانا چاہئے اور اس کے علاوہ علم اصول فقہ میں وسیع تحقیق و قواعد سے بحث کی گئی ہے۔

لیکن سیرت اور تاریخ وغیرہ میں جعلیات کو حقائق سے جدا کرنے کیلئے کوئی بھی اصول اور قاعدے معین نہیں کئے گئے ہے نیز اس سلسلہ میں کسی قسم کی جانچ پڑتال کو ضروری نہیں سمجھی گئی ہے، اور

۱۔ مثلاً شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ''الجمل'' میں کتاب ابومخنف سے نقل کرتے ہیں کہ سیف بن عمر کہتا ہے: عثمان کے قتل ہونے کے بعد مدینہ پانچ دن تک امیر و سلطان سے محروم رہا اور مدینہ کے لوگ کسی کے پیچھے دوڑتے تھے کہ ان کا مثبت جواب دے اور امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے۔ طبری نے اسی روایت کو اس متن اور سند کے ساتھ اپنی تاریخ میں (ج ۱/ ۳۰۷۳) لایا ہے۔)

غیر فقہی روایتوں میں جو یہ غفلت اور بے توجہی برتی گئی ہے اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تشریحات کی بعض کتابوں جیسے رجال کشی اور ''مقالات اشعری'' میں بعض غلط اور بے بنیاد روایتیں منتشر ہو کر بعد کی صدیوں کے دانشوروں کی روایتوں میں آ گئی ہیں۔

مثال کے طور پر مغیرۃ بن سعید کی تشریح میں کشی، یونس سے نقل کرتا ہے کہ ہشام بن حکم کہتا تھا:

> میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ فرماتے تھے: مغیرہ بن سعید عملی طور پر بعض جھوٹے مطالب کو میرے والد سے نسبت دیتا تھا...اور انھیں انکے اصحاب کی روایتوں میں قرار دیتا تھا تا کہ ان کے مضمون کو شیعوں میں منتشر کریں۔

یونس کہتا ہے: میں عراق میں داخل ہوا اور وہاں پر امام باقر علیہ السلام کے بہت سے اصحاب کو دیکھا۔ اور ان سے کئی احادیث سنی اور میں نے ان کی کتابوں کی نسخہ براداری کی۔ اس کے بعد اپنے نسخوں کو حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا امام علیہ السلام نے اصحاب امام صادق علیہ السلام کی کتابوں سے نسخہ برداری کی گئی بہت سے روایتوں کو اعتبار سے گرا دیا...[۱]

نتیجہ:

اس قسم کی روایتیں صحیح ہوں یا غلط، البتہ یہ حقیقت واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ غلط اور جعلی روایتیں متون کی کتابوں میں جیسے رجال کشی وغیرہ میں داخل ہوئی ہیں کیونکہ اگر یہ روایتیں صحیح ہوں تو

۱۔ اس حدیث کو ہم نے مختصر کیا ہے

ایسی کتابوں میں غلط روایتوں کی موجودگی کی خبر دیتی ہیں اور اگر غلط ہوں تو، وہ خود جعلی اور غلط روایتیں ہیں جو ''رجال کشی' میں داخل ہوئی ہیں اور کشی نے غلطی سے صحیح ہونے کے گمان کے باوجود اپنی کتاب میں نقل کیا ہے پس دونوں صورتوں میں ان روایتوں کی موجودگی ،جنہیں ہم نے یہاں پر رجال کشی سے نقل کیا ہے ان کتابوں کے مطالب کے درمیان پائی جاتی ہیں بے بنیاد اور بے اساس ہیں اور اس پر قطعی دلیل بھی موجود ہے۔

خلاصہ:

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ :عبداللہ بن سبا اور مرتدوں کے احراق سے مربوط روایتیں، جو ہماری بحث و گفتگو کا موضوع ہیں ،اسی قسم کی ہیں، کہ شیعوں کے صحیح اور ابتدائی متون کے نابود ہونے کی وجہ سے گزشتہ صفحات میں وضاحت کی گئی راہوں سے شیعوں کی کتابوں اور مآخذ میں پہنچ گئی ہیں اور شیعہ علماء کی غیر فقہی روایتوں کے بارے میں غفلت کی وجہ سے یہ کام انجام پایا ہے اور چونکہ ان مطالب کے بارے میں بحث و تحقیق نہیں ہوئی ہے اس لئے صحیح روایتوں کو جعلیات اور جھوٹ سے جدا نہیں کیا گیا ہے ،نتیجہ کے طور پر یہ جعلی اور جھوٹی روایتیں شیعہ کتابوں اور مآخذ میں موجود ہیں اور صدیاں گزرنے کے بعد دوسری کتابوں میں بھی منتقل ہوئی ہے۔

احراق مرتد کی داستان کے حقیقی پہلو

من الجائز ان یحرق الامام جثة مرتد خشیة ان

یتخذ قبره وثناً

امام کے لئے جائز ہے کہ مرتد کی لاش کو جلادیں تا کہ اس

کے پیرو اس کی قبر کا احترام نہ کریں

مؤلف

ہم نے گزشتہ فصلوں میں احراق مرتد سے مربوط روایتوں کو بیان کیا اور ان پر بحث و تحقیق کی۔ ان کے ضعیف اور بے بنیاد ہونے کے ابعاد کو واضح کیا اور کہا کہ ان روایتوں کی بنیاد مضبوط نہیں ہوسکتی ہے اور یہ صحیح اور حقیقی نہیں ہوسکتی ہیں بلکہ یہ ایک افسانہ ہے جو مختلف اغراض و مقاصد کی وجہ سے جعل کیا گیا ہے۔

اگر کوئی صدر اسلام میں جزیرۃ العرب کے اجتماعی حالات کا مطالعہ و تحقیق کرے، تو وہ واضح طور پر اس حقیقت کو محسوس کرلے گا کہ، اسلام نے اس علاقہ میں توحید اور یکتا پرستی کیلئے جو خاص نفوذ اور طاقت پیدا کی تھی، بت پرستی نیز، کلی طور پر ہر نوع مخلوق کی پرستش اور غیر خالق کے سامنے تسلیم

ہونے کے خلاف جو مسلسل کوشش کی تھی کہ جس کے نتیجہ میں یہ گنجائش وفرصت باقی نہ رہ گئی تھی کہ ایک انسان پھر سے بت پرست ہو جائے یا کسی بشر کی الوہیت کا معتقد بن جائے اجتماع نقیضین، محال اور ناممکن جیسے ان خاص شرائط میں اس روداد (پرستش مخلوق) کی کوئی فرد عاقل تائید نہیں کرسکتا ہے۔

لیکن یہ ممکن تھا کہ کوئی زندیق اور منکر خدا ہو اور اسے بصرہ سے اسلامی مملکت کے حدود میں لایا جائے۔ کیوں کہ زندیق اور پروردگار کے منکر، قبل از اسلام وجود میں آئے تھے، اس قسم کے افراد بصرہ کے پڑوس کے علاقوں میں ــــ جو بعد میں مسلمانوں کے ذریعہ فتح ہوا ــــ موجود تھے۔ اس بنا پر بعید نہیں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں ان میں سے کچھ لوگ بصرہ میں داخل ہوکر مسلمانوں سے ان کے روابط کے نتیجہ میں ان کے کفر والحاد کا پتہ چلا ہو اور انھیں حضرت کی خدمت میں لایا گیا ہوگا۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی ان کے خلاف اسلام کا حکم نافذ کر کے انھیں قتل کیا ہوگا۔

پھر بھی ــــ جیسا کہ بعض زیر بحث روایتوں میں آیا ہے ــــ ممکن ہے ایک شخص عیسائی اسلام کو قبول کرے اس کے بعد دوبارہ عیسائیت کی طرف پلٹ جائے اور اسلام سے خارج ہو جائے اور اسے علی علیہ السلام کے حضور لایا جائے اور حضرت علیہ السلام اس کے خلاف اسلام کا حکم نافذ فرمائیں۔

جی ہاں، جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ سب صحیح ہوسکتا ہے لیکن حضرت علی علیہ السلام کے توسط سے انھیں نذر آتش کرنا اور جلانا صحیح اور واقعی نہیں ہوسکتا ہے یہ ایک روشن ضمیر اور آگاہ محقق کیلئے قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ قضیہ کے مذہبی پہلو سے قطع نظر ہرگز امیر المؤمنین علیہ السلام جیسے نامدار کے لئے

ان شرائط و حالات میں ایک انسان کو زندہ جلانا مطابقت نہیں رکھتا ہے خاص کر جبکہ اس سے پہلے ابوبکر نے ''فجاءَۃ سلمی'' کو نذر آتش کر کے مسلمانوں کی مخالفت مول لی تھی اور خود خلیفہ نے بھی اس عمل پر اظہار ندامت اور پشیمانی کی تھی۔ ان حالات کے پیش نظر معنی نہیں رکھتا ہے کہ امیر المؤمنینؑ ایک انسان یا کئی انسانوں کو نذر آتش کر کے عام مسلمانوں کی مخالفت مول لیں (جیسا کہ گزشتہ بعض روایتوں میں آیا ہے) اس سلسلہ میں اس حد تک قبول اور یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیہ السلام ایک مرتد پر حد نافذ کرنے کے بعد، اس احتمال اور ڈر سے کہ کہیں اس کے پیرو بت کے مانند اس کی قبر کی پوجا نہ کریں اور آنے والی نسلوں کیلئے فساد کا سبب نہ بنے، لہذا حضرت نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا ہو۔ یہ تھا، زیر بحث داستان کے واقعی پہلوؤں کے بارے میں ہمارے نظریہ وعقیدہ کا خلاصہ اور وہ تھے اس داستان کے افسانوی اور جھوٹے پہلو جو گزشتہ فصلوں میں بیان ہوئے اگر کوئی ہماری بیان کردہ بات پر مطمئن نہ ہو سکے اور اس داستان کے صحیح ہونے میں اسی حد تک اکتفا کرے اور ان روایتوں کے مضمون کو ہمارے بیان کے علاوہ قبول کرے تو اسے چاہئے ہمارے دوش بہ دوش آئے اور کتاب کے اگلے حصہ میں بھی ہمارے ساتھ سفر کرے اور ملل ونحل کی کتابوں میں عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے بارے میں دانشوروں کا نظریہ سنے۔ اس کے بعد اس موضوع کے بارے میں بیشتر آگاہی کے ساتھ فیصلہ کرے اور ہم بھی آگے بڑھنے کیلئے اپنے پروردگا سے مدد چاہتے ہیں۔

مباحث کا خلاصہ اور نتیجہ

ان الزنادقة كانت تدس في كتب الشيوخ

زندیقی، اساتذہ کی کتابوں میں اپنی طرف سے حدیث اور روایتیں وارد کرتے تھے۔

مؤلف

علی علیہ السلام نے کن لوگوں کو جلایا؟

گزشتہ فصلوں میں ہم نے عبداللہ ابن سبا اور مرتد افراد کے احراق کے بارے میں روایتوں کی مکمل طور پر تحقیق اور جانچ پڑتال کی ان کے جعلی ہونے ، یہ روایتیں کیسے شیعوں کی کتابوں میں داخل ہوئیں اور آج تک اپنے وجود کو حفظ کر سکیں اور یہ روایتیں کس حد تک صحیح ہو سکتی ہیں ، ایسے مسائل تھے جن پر ہم نے گزشتہ فصلوں میں تحقیق کی اب ہم اس فصل میں بھی گزشتہ مطالب کے خاتمہ اور نتیجہ گیری کے عنوان سے کہتے ہیں:

روایاتِ احراق اس امر کی حکایت کرتی ہیں کہ علی علیہ السلام نے ان کے بارے میں غلو کرنے

والوں اوران کی الوہیت کے قائل افراد کونذر آتش کیا ہے لیکن ان روایتوں کے مقابلے میں ایک دوسری روایت بھی موجود ہے جو کہتی ہے:

امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان لوگوں کو جلایا جوملحد وزندیق تھے نہ غالی چنانچہ امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے: کچھ زنادقہ اور ملحدوں کو بصرہ سے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا علی علیہ السلام نے انھیں اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا....

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ چند کافروں کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا اور حضرت نے انھیں جلادیا۔ ابن حجر فتح الباری میں نقل کرتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے زندیقیوں کونذر آتش کردیا یعنی مرتدوں کو..

احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا ہے: بعض زندیقیوں کو امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس لایا گیا کہ ان کے ہمراہ کچھ کتابیں بھی تھیں امیر المؤمنین علیہ السلام کے حکم سے آگ تیار کی گئی اس کے بعد انھیں ان کی کتابوں کے ہمراہ جلادیا گیا۔

اس عمل کا محرک کیا تھا؟

اس قسم کی ضد ونقیض روایتیں سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ جلانے کی روداد میں ایک حقیقت موجود تھی کہ حسبِ ذیل جیسی بعض روایتیں اس کی وضاحت کرتی ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے اپنے والد امام باقر علیہ السلام اور انہوں نے امام سجاد علیہ السلام سے نقل کیا ہے: ایک شخص امیر المومنین علیہ السلام کے پاس لایا گیا جو پہلے عیسائی تھا بعد میں مسلمان ہوا اس کے بعد دوبارہ عیسائیت کی طرف چلا گیا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے حکم دیا کہ **اعرضوا علیه الهوان ثلاثة ایام** (اسے تین دن مہلت دو اور اسے ذلت کی حالت میں رکھو) اور ان تین دنوں کی مدت تک حضرت علیہ السلام اسے اپنے پاس سے کھانا بھیجتے تھے، چوتھے دن زندان سے اپنے پاس بلایا اور اسے اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ اسلام قبول کرنے پر حاضر نہیں ہوا امام نے اسے (مسجد کے صحن میں قتل کر دیا۔ عیسائی جمع ہوئے اور حضرت سے درخواست کی کہ ایک لاکھ درہم کے ساتھ مقتول کی لاش کو ان کے حوالہ کر دیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے قبول نہیں کیا اور حکم دیا کہ اس کے جسد کو نذر آتش کر دیا جائے اس کے بعد فرمایا: میں ہرگز ان کا اس امر میں تعاون نہیں کروں گا کہ شیطان جنھیں حکم دیتا ہو۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے اس جملہ کا بھی اضافہ کیا: میں ان میں سے نہیں ہوں جو کافر کو جسد بیچ ڈالتے ہیں۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ امام علیہ السلام نے مرتدوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے اجساد کو نذر آتش کر دیا۔

بہر حال جو روایتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان سے امیر المؤمنین علیہ السلام کے طریقہ کار کا راز ان افراد کے بے روح اجساد کو جلانے کی علت واضح ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے:

اولاً: جو لوگ علی علیہ السلام کے حکم سے جلائے گئے ہیں، ملحد یا مرتد تھے، نہ غلو کرنے والے افراد۔

ثانیاً: ان کو قتل کرنے کے بعد انکے بے جان بدن جلائے گئے ہیں نہ قتل کرنے سے پہلے انھیں ارتداد کی حد کے طور پر جلایا گیا ہے۔

ثالثاً: علی علیہ السلام کے اس عمل کا محرک اس امر کو روکنا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ملحد و مرتد افراد کی قبریں ان کے حامیوں اور طرفداروں کی طرف سے مورد احترام قرار پائیں اور بصورت بت ان کی پوجا کی جائے۔ پھر بھی ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ پھیلانے والوں نے ان روایتوں میں تحریف کر کے انھیں افسانوں کی صورت میں پیش کیا ہے کہ عقل جسے قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔

دو متضاد قیافے

عبداللہ بن سبا کے بارے میں شیعہ کتابوں میں نقل ہوئی روایتیں دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہیں عبداللہ بن سبا ان دو قسم کی روایتوں میں دو مختلف قیافوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے: ایک جگہ پر ایک ایسے قیافہ میں رونما ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کی الوہیت اور خدائی کا قائل ہوا ہے اور دوسری جگہ پر ایک ایسے شخص کے قیافہ میں ظاہر ہوا ہے جس نے پروردگار کے منزہ اور مقدس ہونے کے بارے میں غلو کیا ہے۔

اورخوارج کے مانند جوخوداس کے گمان میں حریم قدس ربوبیت کے بارے میں سزاوارنہیں

ہےاس سے انکار کرتا ہے۔

یہ دوقسم کی روایتیں ایک دوسرے کی متناقض اور مخالف ہیں اوران کی ایک قسم دوسری قسم کو جھٹلاتی ہےان روایتوں کی پہلی قسم صرف رجال کشی اوراس سے نقل کی گئی کتابوں میں ملتی ہیں ہم نے گزشتہ صفحات میں رجال کشی اوراس کتاب کی حیثیت کے بارے میں علماء کی رائے اوران کا عقیدہ نقل کیا ہےاب ہم عبدُاللہ بن سبا کے بارے میں اس کےان دومتضاد قیافوں کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں:

عبداللہ بن سبا کے بارے میں ہمارا آخری نظریہ:

عبداللہ بن سبا قیافہ اول میں: اس سلسلہ میں ہمارے نظریے اورعقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کا شخص یا قیافہ کبھی وجودنہیں رکھتا تھا ان روایتوں کے حصہ میں ذکر ہوئے قید وشرط و خصوصیات کے ساتھ عبداللہ بن سبانامی کسی شخص کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ مسموم افکار نے اس قسم کی شخصیت کوخلق کیا ہےاورمرموز وظالم ہاتھوں نے اس افسانہ کوتاریخ اسلام میں جعل کیا ہےاور بعد میں لوگوں نےنقل کرکے اسے پرورش و وسعت بخشی ہے یہاں تک اس نے ایک تاریخی حقیقت کی صورت اختیار کرلی ہےاورنا قابل انکارحقیقت کے روپ میں منتشر ہوا ہے جس مؤلف نے بھی اس افسانہ کواپنی کتاب میں درج کیا ہےاس نے انھیں دومآ خذیعنی افکارمسموم اورعوام کے افواہ سے نقل

کیا ہے۔

عبداللہ ابن سبا قیافہ دوم میں : انشاء اللہ اگلی فصل میں اس سلسلہ میں حقیقت کے رخ سے پردہ اٹھا کر بیشتر وضاحت کریں گے

غالیوں کی احادیث کی تحقیق کا خلاصہ:

جو کچھ ہم نے کہا وہ ان احادیث ورروایتوں کے بارے میں تھا جن میں عبداللہ بن سبا کا نام آیا ہے لیکن، وہ احادیث جو غالیوں کے بارے میں ہیں اوران میں عبداللہ بن سبا کا نام نہیں آیا ہے ان میں سے ایک رجال کشی میں ہےاوروہ وہی آٹھویں حدیث ہے کہ کہتا ہے: امام اپنی بیوی (ام عمرو عنزیہ) کے گھر میں تھے کہ کئی غالیوں کوانکی خدمت میں لایا گیا۔

اس روایت کے ضعف وجعلی ہونے میں اتنا ہی کافی ہے کہ اس سے پہلے بھی ہم نے کہا کہ کسی رجال شناس، حالات کی شرح لکھنے والے، کسی مؤرخ وحدیث شناس نے امیرالمؤمنین کیلئے قبیلۂ ''عنزیہ'' کی ''ام عمرو'' نامی بیوی نہیں ذکر کیا ہے تا کہ غالیوں کواس وقت لایا جاتا جب حضرت اپنی اس بیوی کے پاس تھے!!

ان روایتوں میں سے ایک اورروایت ایک مرد سے نقل کی گئی ہے کہ اس مرد کا نام ذکر نہیں ہوا ہےاور درحقیقت اس روایت کا راوی اور ناقل معلوم نہیں ہے تا کہ اس کے اعتبار یا عدم اعتبار اور صحیح یا غلط ہونے کے سلسلے میں گفتگو کی جا سکے۔ اس کے علاوہ خود یہ روایتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف

ہیں اور ایک کا مضمون دوسرے کے مضمون کو ایسے جھٹلاتا ہے کہ تھوڑی سی توجہ اور دقت کرنے سے ان کے مضمون کا بے بنیاد اور باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ ان روایتوں کا مجموعی مضمون ان روایتوں سے تناقض و اختلاف رکھتا ہے جو مرتد کی سزا اور حد قتل کو معین کرتی ہیں نہ ان کے جلانے اور نذر آتش کرنے کو۔

اس سے بالاتر یہ ہے کہ اگر یہ روایتیں اور یہ تاریخی حوادث اس اہمیت کے ساتھ حقیقت ہوتے تو مشہور و معروف مورخین سے کیسے مخفی رہ گئے ہیں اور انہوں نے ان کے بارے میں کسی قسم کا اشارہ تک نہیں کیا ہے جبکہ ان سب نے ابوبکر کی طرف سے ''فجائیہ سلمی'' کو نذر آتش کرنے کے حکم کے بارے میں نقل کیا ہے۔

شیعوں کی کتابوں میں ابن سبا اور غالیوں کی احادیث کی پیدائش کا خلاصہ

جو کچھ ہم نے گزشتہ صفحات اور سطروں میں بیان کیا اس سے واضح اور قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا اور غالیوں کے بارے میں روایتیں جو ہمارے بحث و گفتگو کا موضوع تھیں، کلی طور پر جعلی اور جھوٹی روایتیں ہیں کہ جو ہماری کتابوں میں داخل ہوئی ہیں اور ہماری صحیح روایتوں سے ممزوج ہو چکی ہیں اور ان جھوٹی روایتوں کی پیدائش اور ان کے شیعوں کی کتابوں میں وارد ہونے کے بارے میں ہم نے اس سے پہلے اشارہ کیا ہے کہ غیر متدین افراد نے اساتذہ اور شیخ کی کتابوں میں جعلی رایتوں کو بعض اوقات مخلوط کیا ہے اور انھیں قابل اعتماد کتابوں کے ذریعہ اپنے چھوٹے اور بے بنیاد

مطالب کولوگوں کے درمیان منتشر کیا ہے اور دوسری جانب سے شیعہ علماء اور دانشوروں نے فقہ اور احکام کے علاوہ دیگر موضوعات سے مربوط روایتوں کی طرف خاص توجہ نہیں دی ہے اور اس قسم کی روایتوں کی بحث وتحقیق نہیں کی ہے اور دوسری طرف سے فتنوں اور بغاوتوں کی وجہ سے اور سیرت تاریخ،تشریح اور علوم وفنون اور علمی آثار میں عدم توجہ کی وجہ سے ان کے نابود ہونے کے نتیجہ میں اصلی کتابوں کی جگہ نا قابل اعتماد مطالب آگئے ہیں۔

یہ تھا،رجال واحادیث کی کتابوں میں عبداللہ بن سبا کا قیافہ اوراس کے بارے میں روایتوں کا خلاصہ،کتاب کے اگلے حصہ میں ہم ادیان وعقائد(ملل ونحل) میں اس کے قیافہ کا مشاہدہ کریں گے۔

حصۂ اول کے مآخذ

۱۔اختیار رجال کشی: (ص۱۰۶۔۱۰۸) عبداللہ بن سبا کے بارے میں کشی کی پنجگانہ روایتیں۔

۲۔مصفی المقال: ترجمۂ رجال کشی: ص۳۷۵۔

۳۔حاشیۂ الذریعہ :۲۸۸/۴

۴۔الذریعہ:۳۸۵/۳

۵۔بحار الانوار: طبع کمپانی ۲۴۹/۷۔۲۵۱ باب نفی الغلو فی النبی والائمہ

۶۔وسائل:۴۵۶/۳۔باب حکم الغلاۃ والقدریہ

۷۔مناقب:۲۶۴/۱ باب الرد علی الغلاۃ والقدریہ

۸۔رجال نجاشی:ص۲۸۸

۹۔مصفی المقال: شرح حال حائری

۱۰۔رجال نجاشی:۲۷۰

۱۱۔من لایحضرہ الفقیہ : بطور مرسل از امیر المؤمنین علیہ السلام ۲۱۳/۱۴ ، خصال، ص ۶۲۸

حدیث ۴۰۰/تہذیب ۳۲۲/۲ حدیث ۱۷۱، وسائل نقل از من لایحضرہ الفقیہ وتہذیب وعلل باب ۱۲۸ از

ابواب تعقیب ۴۸۱ وافی در باب فضل تعقیب ۵/۱۱۸، وحدائق ۸/۵۱۱

۱۲۔ بحار: طبع کمپانی ۱۹/۶۳۵ شیخ طوسی کی امالی کی نقل کے مطابق اور ابن حجر نے بھی 'لسان المیزان' میں عبداللہ بن سبا کے حالات کی تشریح میں، میسب کی بات تک (وہ کہتا ہے خدا و پیغمبر سے جھوٹ کی نسبت دیتا تھا) اور بقیہ مطلب کو ناقص چھوڑا ہے۔

۱۳۔ غیبت نعمانی: ص ۱۶۷۔۱۶۸ باب ذکر جیش الغضب

۱۴۔ اختیار معرفۃ الرجال: ص ۳۰۷۔ ۳۰۸ حدیث ۵۵۶ اور ص ۲۷ پر حدیث ۱۲۷ خلاصہ کے طور پر۔

۱۵۔ اختیار معرفۃ الرجال: ۱۰۹ و کافی ۷/۲۵۹۔ ۲۶۰ حدیث ۲۳ باب مرتد، من لایحضرہ الفقیہ ۳/۹۰، ووافی: ۹/۷ باب حد مرتد، بحار ۷/۲۵۰ باب نفی الغلو وحکم قتال کے باب میں رجال کشی میں آیا ہے۔

۱۶۔ کافی: باب حد المرتد، ۷/۲۵۷ اور حدیث ۱۸ و تہذیب ۱/۱۳۸ و استبصار ۴/۲۵۴

۱۷۔ مناقب ابن شہر آشوب: ۱/۲۶۵، و بحار طبع کمپانی: ۷/۲۴۹، و مستدرک وسائل ۳/۲۴۴۔

۱۸۔ من لایحضرہ الفقیہ: ۳/۹۱، تہذیب ۱۰/۱۴۰ حدیث ۱۳ باب حد مرتد

۱۹۔ تاریخ اسلام، ذہبی: ۲/۲۰۲

۲۰۔ مسند احمد حنبل: ۱/۲۱۷ و ۲۸۲ حدیث ۲۵۵۲ و سنن ابی داؤد ۲/۲۲۱ حدیث اول از باب

''حکم من ارتداد'' کتاب حدود

۲۱۔ سیرۃ اعلام النبلاء ذہبی، ابن عباس کی شرح میں ۲۳۲/۳

۲۲۔ صحیح ترمذی: ۲۴۳/۶ باب حکم الغلاۃ والقدریہ اس نے کتاب عیون المعجزات سے نقل کیا ہے۔

۲۴۔ مستدرک وسائل الشیعہ: ۲۴۴/۳ فضائل ابن شاذان سے نقل کیا ہے۔

۲۵۔ بدایۃ المجتھد: ۲۹۵/۲، صحیح بخاری: ۱۱۵/۲، کتاب الجہاد باب لایعذب بعذاب اللہ و ۱۳۰/۱۴ از صحیح بخاری باب استتابۃ المرتدین وسنن ابن ماجہ: ۸۴۸/۲ حدیث ۲۵۳۵ باب المرتد من دینہ از کتاب حدود وسنن ترمذی: ۲۴۲/۶ میں بھی آیا ہے۔

۲۶۔ کافی: ۲۵۸/۷ حدیث ۱۷ باب حد مرتد، تہذیب ۱۳۸/۱۰، ۱۳۸/۱۰، حدیث ۱۷ باب حد مرتد واستبصار: ۲۵۵/۴ حدیث ۶۔

۲۷۔ من لایحضرہ الفقیہ: ۵۴۸/۳

۲۸۔ کافی: ۲۵۶/۷ حدیث ۳/ باب حد مرتد، تہذیب: ۱۳۷/۱۰ حدیث ۴/ باب حد مرتد، استبصار ۲۵۳/۴ حدیث ۴ باب حد مرتد، وافی ۷۰/۱۹ ابواب حد مرتد۔

۲۹۔ کافی ۲۵۶/۷ باب حد المرتد، تہذیب ۱۳۹/۱۰، حدیث ۱۰ استبصار: ۲۵۴/۴ ووافی ۷۰/۹

۳۰۔ من لایحضرہ الفقیہ ۹۱/۳، تہذیب ۱۳۹/۱۰، حدیث ۱۱

باب حد مرتد، وافی ۹/ ۷۰

۳۱۔ کافی: ۷/ ۲۵۸ ح ۵ باب حد مرتد وصفحہ ۲۵۷ ح ۶ خلاصہ کے طور پر، وافی ۹/ ۷۰

۳۲ صفین طبع مصر: ۴۳

۳۳۔ التعریف: تالیف وحید بہبانی (وفات ۱۲۵۹) الذریعہ ۲/ ۱۲۶ سے نقل کرکے۔

۳۴۔ معجم البلدان: تحت لغت ''بین السورین'' یہ کتاب شیخ طوسی کے ہاتھ میں تھی، انھوں نے فتنہ وحادثہ کے بعد نجف مہاجرت کی اور وہاں کے حوزہ علمیہ کا ادارہ کیا جو آج تک برقرار ہے۔

۳۵۔ یہ دو روایتیں اختیار معرفۃ الرجال ص ۲۲۴۔ ۲۲۵ نمبر ۴۰۱ و ۴۰۲ میں آئی ہیں۔

۳۶۔ مستدرک وسائل الشیعہ: ۳/ ۲۴۳ نے دعائم الاسلام وجعفریات سے نقل کیا ہے۔

۳۷۔ صحیح بخاری: ۴/ ۱۳۰ باب حکم المرتد، کتاب استتابۃ المرتدین۔

۳۸۔ فتح الباری: ۶/ ۴۹۱ حدیث لایعذب بعذاب اللہ کی شرح میں۔

۳۹۔ فتح الباری: ۶/ ۴۹۲، مسند احمد ۱/ ۲۸۲ نمبر ۲۵۵۱ مسند احمد ۱/ ۳۲۲ پر درج ہوا ہے۔

۴۰۔ مستدرک وسائل: ۳/ ۲۴۳ حدیث ۲ باب ''ان المرتد یستتاب بثلاثۃ ایام'' جعفریات سے نقل کیا ہے۔

۴۱۔ مستدرک وسائل: ۳/ ۲۴۳ حدیث ۴/ باب ''حکم الزندیق والناصب'' دعائم الاسلام سے نقل کیا ہے۔

۴۲۔ ہماری کتاب ''خمسون ماۃ صحابی مختلق''، فصل ''زندقہ'' میں مقدماتی اور ابتدائی بحث کی طرف رجوع کیا جائے۔

دوسری فصل

عبداللہ بن سبا، ملل اور فرق کی نشاندہی کرنے والی کتابوں میں

- عبداللہ بن سبا اور ابن سودا ملل وفرق کی کتابوں میں۔
- ملل وفرق کی کتابوں میں سبائیوں کے گروہ۔
- ابن سبا، ابن سودا اور سبیہ کے بارے میں بغدادی کا بیان۔
- ابن سبا و سبیہ کے بارے میں شہرستانی اور اسکے تابعین کا بیان۔
- عبداللہ بن سبا کے بارے میں ادیان وعقاید کے علماء کا نظریہ۔
- عبداللہ بن سبا کے بارے میں ہمارا نظریہ۔
- نسناس کا افسانہ۔
- نسناس کی پیدائش اور اس کے معنی کے بارے میں نظریات۔
- مباحث کا خلاصہ ونظریہ۔
- اس حصہ کے مآخذ۔

عبداللہ بن سبا و ابن سودا ملل اور فرق کی نشاندہی کرنے والی کتابوں میں

یرسلون الکلام علی عواھنه

ادیان کی بیوگرافی پر مشتمل کتابیں لکھنے والے سخن کی لگام قلم کے حوالے کرتے ہیں اور کسی قید و شرط کے پابند نہیں ہیں۔

مؤلف

ہم نے اس کتاب کی پہلی جلد کے حصہ "پیدائش عبداللہ بن سبا" میں مؤرخین کے نظر میں عبداللہ بن سبا کے افسانہ کا ایک خلاصہ پیش کیا گزشتہ حصہ میں بھی ان اخبار و روایتوں کو بیان کر کے بحث و تحقیق کی جن میں عبداللہ بن سبا کا نام آیا ہے۔

ہم نے اس فصل میں جو کچھ ملل و فرق کی نشاندہی کرنے والی کتابوں میں عبداللہ بن سباء، ابن سوداء اور سبیہ کے بارے میں بیان کرنے کے بعد ان مطالب کو گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران

اسلامی کتابوں اور مآخذ میں نقل ہوئے ان کے مشابہ افسانوں سے تطبیق وموازنہ کیا ہے اس کے بعد گزشتہ کئی صدیوں کے دوران ان تین الفاظ کے معنی ومفہوم میں ایجاد شدہ تغیر وتبدیلیوں کے بارے میں بھی ایک بحث وتحقیق کر کے اس فصل کو اختتام تک پہنچایا ہے۔

علمائے ادیان کا بیان

سعد بن عبداللہ اشعری قمی (وفات ۳۰۱ھ) اپنی کتاب ''المقالات والفرق'' میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں کہتا ہے:

''وہ پہلا شخص ہے جس نے کھلم کھلا ابوبکر، عمر، عثمان، اور اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تنقید کی اور ان کے خلاف زبان کھولی اور ان سے بیزاری کا اظہار کیا اس نے دعوی کیا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اسے یہ طریقہ کار اپنانے کا حکم دیا اور کہا کہ اس راہ میں کسی قسم کی سہل انگاری اور تقیہ سے کام نہ لے اور سستی نہ دکھائے جب یہ خبر علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو پہنچی تو انہوں نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر ان کے پاس حاضر کیا جائے جب اسے ان کے پاس لایا گیا تو روداد کے بارے میں اس سے سوال کیا اور اس کے اپنائے گئے طریقہ کار اور دعوی کے بارے میں اس سے وضاحت طلب کی، جب ابن سبا نے اپنے کئے ہوئے اعمال کا اعتراف کیا تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت ہر طرف سے حضرت علی علیہ السلام پر اعتراض کی صدائیں بلند ہوئیں کہ اے امیر المؤمنین! کیا اس شخص کو قتل کر رہے ہیں جو لوگوں کو آپ اور آپ کے خاندان کے ساتھ محبت اور

آپ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی اور مخالفت کی دعوت دیتا ہے؟ جس کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے اس کے قتل سے چشم پوشی کی اور اسے مدائن میں جلاوطن کر دیا''

اس کے بعد اشعری کہتا ہے:

''اور بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا اس کے بعد اس نے اسلام قبول کیا اور علی علیہ السلام کے دوستداروں میں شامل ہو گیا وہ اپنے یہودی ہونے کے دوران حضرت موسیٰ کے وصی ''یوشع بن نون'' کے بارے میں شدید اور سخت عقیدہ رکھتا تھا[۱]

اشعری اپنی بات کو یوں جاری رکھتا ہے: ''جب علی علیہ السلام کی وفات کی خبر مدائن میں عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں نے سنی تو انہوں نے مخبر سے مخاطب ہو کر کہا: اے دشمن خدا! تم جھوٹ بولتے ہو کہ علی علیہ السلام وفات کر گئے۔ خدا کی قسم اگر ان کی کھوپڑی کو ایک تھیلی میں رکھ کر ہمارے پاس لے آؤ اور ستر (۷۰) آدمی عادل ان کی موت کی شہادت دیں تب بھی ہم تیری بات کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ علی علیہ السلام نہیں مریں گے نہ ہی مارے جائیں گے۔ جی ہاں! وہ اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک کہ تمام عرب اور پوری دنیا پر حکومت نہ کریں''۔

۱۔ اشعری سے وہی اشعری مقصود ہے کہ مؤرخین نے سیف بن عمر (وفات ۱۷۰ھ) سے لیا ہے اور ہم نے اس مطلب کو اسی کتاب کی جلد اول کے اوائل میں تحقیق کی ہے۔

عبداللہ بن سبا اور اس کے ماننے والے فوراً کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے مرکبوں کو علیؑ کے گھر کے باہر کھڑا کر دیا اس کے بعد حضرتؑ کے گھر کے دروازے پر ایسے کھڑے رہے جیسے ان کے زندہ ہونے پر اطمینان رکھتے ہوں اور ان کے حضور حاضر ہونے والے ہوں اور اس کے بعد داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ علی علیہ السلام کے اصحاب اور اولاد میں سے جو اس گھر میں موجود تھے، نے ان افراد کے جواب میں کہا؛ سبحان اللہ! کیا تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ امیر المؤمنین مارے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں بلکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ مارے نہیں جائیں گے اور طبیعی موت بھی نہیں مریں گے یہاں تک وہ اپنی منطق و دلیل سے تمام عربوں کو متاثر کر کے اپنی تلوار اور تازیانوں سے ان پر مسلط ہوں گے وہ اس وقت ہماری گفتگو کو سن رہے ہیں اور ہمارے دلوں کے راز اور گھروں کے اسرار سے واقف ہیں اور تاریکی میں صیقل کی گئی تلوار کے مانند چمکتے ہیں''

اسکے بعد اشعری کہتا ہے: ''یہ ہے ''سبیئہ'' کا عقیدہ اور مذہب اور یہ ہے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں ''حرثیہ'' کا عقیدہ ''حرثیہ'' عبداللہ بن حرث کندی کے پیرو ہیں۔ وہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں معتقد تھے کہ وہ کائنات کے خدا ہیں اپنی مخلوق سے ناراض ہو کر ان سے غائب ہو گئے ہیں اور مستقبل میں ظہور کریں گے...''

ابن ابی الحدید بھی شرح نہج البلاغہ (۱/۴۲۵) میں اشعری کی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہتا ہے:

''اصحاب مقالات نے نقل کیا ہے کہ...''

اشعری نے اپنی کتاب میں ''سبیئہ'' کے بارے میں اس طرح داستان سرائی کی ہے، قبل اس کے کہ اپنی بات کے حق میں کوئی دلیل پیش کرے اور اپنے افسانہ کیلئے کسی منبع وما آخذ کا ذکر کرے۔

نجاشی، اشعری کے حالات کی تشریح میں کہتا ہے:

''اس نے اہل سنت سے کثرت سے منقولات اور روایتیں اخذ کی ہیں اور روایات اور احادیث کو حاصل کرنے کی غرض سے اس نے سفر کئے ہیں اور اہل سنت کے بزرگوں سے ملاقاتیں کی ہیں...''

بہر حال اشعری نے اپنی کتاب مقالات میں ابن سبا کے بارے میں جو کچھ درج کیا ہے اسکے بارے میں کوئی ما آخذ و دلیل پیش نہیں کیا ہے۔

اسی طرح مختلف اقوام و ملل کے ملل ونحل کے عقائد وادیان کے بارے میں کتاب لکھنے والوں کی عادت و روش یہ رہی ہے کہ وہ اپنی گفتگو کی باگ ڈور کو آزاد چھوڑ کر قلم کے حوالے کر دیتے ہیں اور اپنی بات کے سلسلہ میں سند وما آخذ کے بارے میں کسی قسم کی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے ہیں ما آخذ اور دلیل کے لحاظ سے اپنے آپ کو کسی قید وشرط کا پابند نہیں سمجھتے ہیں اپنے آپ کو کسی بھی منطق وقواعد کا پابند نہیں جانتے ہیں چنانچہ ملاحظہ فرمایا: اشعری نے ایک اور گروہ کو ''حربیہ'' یا ''حرثیہ''

کے نام سے عبداللہ بن حرث کندی سے منسوب کر کے گروہ سبئیہ میں اضافہ کیا ہے۔

ابن حزم عبداللہ بن حرث کے بارے میں کہتا ہے:

حارثیہ جو رافضیوں کا ایک گروہ ہے اس کے افراد اس سے منسوب ہیں وہ ایک غالی و کافر شخص تھا اس نے اپنے ماننے والوں کے لیے دن رات کے دوران پندرہ رکعت کی سترہ نمازیں واجب قرار دی تھیں اس کے بعد توبہ کر کے اس نے خوارج کے عقیدہ ''صفریہ'' کو اختیار کیا''۔

نوبختی (وفات ۳۱۰ھ) نے بھی اپنی کتاب ''فرق الشیعہ'' میں اشعری کی اسی بات کو درج کیا ہے کہ جسے ہم نے پہلے نقل کیا۔ البتہ اشعری کے بیان کے آخری دو حصے ذکر نہیں کئے ہیں جس میں وہ کہتا ہے: امام کی رحلت کی خبر کی تحقیق کیلئے سبائی ان کے گھر کے دروازے پر گئے'' اس کے علاوہ اپنی بات کا مآخذ جو کہ ''مقالات اشعری'' ہے، کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔

علی ابن اسماعیل (وفات ۳۳۰ھ) اپنی کتاب ''مقالات اسلامیین'' میں کہتا ہے:

''سبائیوں کا گروہ، عبداللہ بن سبا کے ماننے والے ہیں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق علی ابن ابیطالب علیہ السلام فوت نہیں ہوئے ہیں، اور وہ قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں واپس آئیں گے اور ظلم و بے انصافی سے پُر، کرہ ارض کو اس طرح، عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے لبریز ہو گی اور نقل کیا گیا ہے کہ ابن سبا نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے کہا: تم وہی ہو

(انت انت)''

علی بن اسماعیل اضافہ کرتا ہے کہ سبائیوں کا گروہ، رجعت کا معتقد ہے اور ''سید حمیری'' سے نقل ہوا ہے کہ اس نے اپنا معروف شعر اسی عقیدہ کے مطابق کہا ہے، جہاں پر کہتا ہے:

الی یوم یؤوب الناس فیه الی دنیاهم قبل الحساب

میں اس دن کے انتظار میں ہوں کہ لوگ اس دن پھر سے ان دنیا میں واپس آئیں گے، اس سے قبل کہ حساب اور قیامت کا دن آئے

اس کے بعد کہتا ہے:

''یہ لوگ جب رعد و برق کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں:

''السلام علیک یا امیر المؤمنین !''

ملل ونحل کی کتابوں میں سبائیوں کے فرقے

وهولاء كلهم احزاب الكفر

سبائی، سب اہل کفر کے گروہوں میں سے ہیں۔

علمائے ادیان

ابوالحسن ملطی (وفات ۳۷۷ھ) اپنی کتاب ''التنبہ والرد'' کی فصل ''رافضی اوران کے عقاید''

میں کہتا ہے:

''سبائیوں اور رافضیوں کا پہلا گروہ، غلو کرنے والا اور انتہا پسند گروہ ہے

بعض اوقات انتہا پسند رافضی سبائیوں کے علاوہ بھی ہوتے ہیں انتہا پسند اور غلو کرنے

والے سبائی، عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں کہ انہوں نے علی علیہ السلام سے کہا: تم وہی

ہو! علی علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا: میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا: وہی

خدا اور پروردگار! علی علیہ السلام نے ان سے توبہ کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے توبہ قبول

کرنے سے انکار کیا۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ایک بڑی آگ آمادہ

کی اور انھیں اس میں ڈال کر جلا دیا، اوران کو جلاتے ہوئے یہ رجز پڑھتے تھے:

لما رایت الامر امراً منکراً اججت ناری و دعوت قنبراً

جب میں کسی برے کام کا مشاہدہ کرتا تو آگ کو جلا کر قنبر کو بلاتا تھا...تا آخر ابیات

ابوالحسن ملطی اس کے بعد کہتا ہے:

اس گروہ کے آج تک کچھ لوگ باقی بچے ہیں کہ یہ لوگ زیادہ تر قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں:

﴿اِنَّ علَینا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَهُ فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِع قُرْآنَهُ﴾[1]

یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسے جمع کریں اور پڑھوائیں، پھر جب ہم پڑھا دیں تو آپ اس کی تلاوت کو دھرائیں۔

اور یہ گروہ معتقد ہے کہ علی ان ابیطالب علیہ السلام نہیں مرے ہیں اور انھیں موت نہیں آسکتی ہے اور وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور کہتے ہیں: جب علی علیہ السلام کی رحلت کی خبر ان کو ملی تو انہوں نے کہا: علی علیہ السلام نہیں مریں گے، اگر اس کے مغز کو ستر تھیلوں میں بھی ہمارے پاس لاؤ گے، تب بھی ہم ان کی موت کی تصدیق نہیں کریں گے! جب ان کی بات کو حسن ابن علی علیہ السلام کے پاس نقل کیا گیا تو انہوں نے کہا: اگر ہمارے والد نہیں مرے ہیں تو ہم نے کیوں ان کی وراثت تقسیم کی اور ان کی بیویوں نے کیوں شادی کی؟

۱۔ سورۂ قیامت: آیت ۱۷ اور ۱۸۔

ابوالحسن ملطی مزید کہتا ہے:

''سبائیوں کا دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نہیں مرے ہیں بلکہ وہ بادلوں کے ایک ٹکڑے میں قرار پائے ہیں لہذا جب وہ بادلوں کے ایک صاف وسفید اورنورانی ٹکڑے کو رعد و برق[۱] کی حالت میں دیکھتے ہیں، تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس ابر کے ٹکڑے کے مقابلہ میں کھڑے ہوکر دعا وتضرع میں مشغول ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: اس وقت علی ابن ابیطالب علیہ السلام بادلوں میں ہمارے سامنے سے گزرے!''

ابوالحسن ملطی اضافہ کرتا ہے:

''سبائیوں کا تیسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: علی علیہ السلام مرگئے ہیں لیکن قیامت کے دن سے پہلے مبعوث اور زندہ ہوں گے، اور تمام اہل قبور ان کے ساتھ زندہ ہوں گے تا کہ وہ دجال کے ساتھ جنگ کریں گے اس کے بعد شہر و گاؤں میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف برپا کریں گے اور اس گروہ کے لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام خدا ہیں اور رجعت پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں''

ابوالحسن ملطی اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

۱۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنیادی طور پر سفید، صاف اور روشن بادل رعد و برق ایجاد نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ سیاہ بادل ہے جو رعد و برق پیدا کرتا ہے

''سبائیوں کے چوتھے گروہ کے لوگ محمد بن علی (محمد حنفیہ) کی امامت کے معتقد ہیں اور کہتے ہیں: وہ رضوی نامی پہاڑ میں ایک غار میں زندگی گذار رہے ہیں ایک اژدھا اور ایک شیر ان کی حفاظت کر رہا ہے، وہ وہی ''صاحب الزمان'' ہیں جو ایک دن ظہور کریں گے اور دجال کو قتل موت کے گھاٹ اتاریں گے! اور لوگوں کو ضلالت اور گمراہی سے ہدایت کی طرف لے جائیں گے اور روئے زمین کو مفاسد سے پاک کریں گے''

ابوالحسن ملطی اپنی بات کے اس حصہ کے اختتام پر کہتا ہے:

''سبائیوں کے یہ چاروں گروہ ''بداء'' کے معتقد ہیں! اور کہتے ہیں: خدا کیلئے کاموں میں بداء حاصل ہوتا ہے یہ گروہ توحید اور خدا شناسی کے بارے میں اور بھی باطل بیانات اور عقائد رکھتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو یہ اجازت نہیں دے سکتا ہوں کہ خدا کے بارے میں ان کے ان ناشائستہ عقائد کو اس کتاب میں وضاحت کروں اور نہ یہ طاقت رکھتا ہوں کہ خدا کے بارے میں ایسی باتوں کو زبان پر لاؤں مختصر یہ کہ یہ سب گروہ اور پارٹیاں کفر کے فرقے ہیں...''

ابوالحسن ملطی اسی کتاب کے باب '' **ذکر الروافض و اجناسهم و مذاهبهم** '' میں سبائیوں کے بارے میں دوبارہ بحث و گفتگو کرتا ہے اور اس دفعہ ''ابو عاصم'' سے یوں نقل کرتا ہے کہ:

''عقیدہ کے لحاظ سے رافضی پندرہ گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں اور یہ پندرہ گروہ خدا کی طرف سے اختلاف اور پراگندگی کے عذاب میں مبتلا ہوکر اور مزید بہت سے گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم ہوگئے ہیں:

اول) ان میں سے ایک گروہ خدا کے مقابلے میں علی ابن ابیطالب کی الوہیت اور خدائی کے قائل ہے''۔ یہاں تک کہتا ہے''ان ہی میں سے عبداللہ بن سبا تھا جو یمن کے شہر صنعا کا رہنے والا تھا اور علی علیہ السلام نے اسے ساباط جلاوطن کیا....''

دوم) ان میں سے دوسرا گروہ جسے ''سبیئہ'' کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ: علی علیہ السلام نبوت میں پیغمبر کے شریک و سہیم ہیں، پیغمبر اپنی زندگی میں مقدم تھے اور جب وہ دنیا سے رحلت کر گئے تو علیؑ ان کی نبوت کے وارث بن گئے اور ان پر وحی نازل ہوتی تھی جبرئیل ان کیلئے پیغام لے کر آتے تھے۔ اس کے بعد کہتا ہے: یہ دشمن خدا ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء تھے اور ان کے بعد نبوت رسالت وجود نہیں رکھتی ہے۔

سوم) ان کے ایک دوسرے گروہ کو ''منصوریہ'' کہتے ہیں وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ علیؑ نہیں مرے ہیں بلکہ بادلوں میں زندگی گذار رہے ہیں...''

اس طرح رافضیوں کے پندرہ گروہوں کو اپنے خیال وزعم میں معین کرکے ان کے عقائد کی وضاحت کرتا ہے۔

ابن سبا، ابن سودا اور سبائیوں کے بارے میں

عبدالقاہر بغدادی کا بیان

و هذه الطائفة تزعم ان المهدی المنتظر هو علیّ

گروہ سبئیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مہدی منتظر وہی علی ہے۔

بغدادی

عبدالقاہر بغدادی (وفات ۴۲۹ھ) اپنی کتاب ''الفرق بین الفرق'' کے فصل ''عقیدہ سبئیہ اور اس گروہ کے خارج از اسلام ہونے کی شرح کے باب'' میں کہتا ہے:

''گروہ سبئیہ اسی عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں کہ جنہوں نے علی ابن ابیطالب علیہ کے بارے میں غلو کیا ہے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کے بعد اس کی الوہیت و خدائی کے معتقد ہوئے اور کوفہ کے بعض لوگوں کو اپنے عقیدہ کی طرف دعوت دی۔ جب اس گروہ کی خبر علی علیہ السلام کو پہنچی، تو انکے حکم سے ان

میں سے بعض لوگوں کو دو گڑھوں میں ڈال کر جلا دیا گیا، حتیٰ بعض شعراء نے اس روداد کے بارے میں درج ذیل اشعار بھی کہے ہیں:

لترم بی الحوادث حیث شاءَ ت اذا لم ترم بی فی الحفرتین

''حوادث اور واقعات ہمیں جہاں بھی چاہیں ڈال دیں صرف ان دو گڑھوں میں نہ ڈالیں''

چونکہ علی علیہ السلام اس گروہ کے باقی افراد کو جلانے کے سلسلے میں اپنے ماننے والوں کی مخالفت اور بغاوت سے ڈر گئے، اس لئے ابن سبا کو مدائن کے ساباط میں جلاوطن کیا۔ جب علی علیہ السلام مارے گئے تو ابن سبا نے یوں اپنے عقیدہ کا اظہار کیا: جو مارا گیا ہے وہ علی علیہ السلام نہیں بلکہ شیطان تھا جو علیؑ کے روپ میں ظاہر ہوا تھا اور خود کو لوگوں کے سامنے مقتول جیسا ظاہر کیا، اس لئے کہ علی علیہ السلام حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان کی طرف بلا لئے گئے ہیں۔

اس کے بعد عبدالقاہر کہتا ہے:

اس گروکا عقیدہ، جس طرح یہود و نصاریٰ قتل حضرت عیسیٰ کے موضوع کے بارے میں ایک جھوٹا اور خلاف واقع دعویٰ کرتے ہیں، ناصبی اور خوارج نے بھی علی علیہ السلام کے قتل کے موضوع پر ایک جھوٹے اور بے بنیاد دعویٰ کا اظہار کیا ہے۔

جس طرح یہود و نصاریٰ نے ایک مصلوب شخص کو دیکھا اور اسے غلطی سے عیسیٰ تصور کر گئے اسی طرح علیؑ کے طرفداروں نے بھی ایک مقتول کو علی کی صورت میں دیکھا اور خیال کیا کہ وہ خود علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں، جب کہ علیؑ آسمان پر بلا لئے گئے ہیں اور مستقبل میں پھر سے زمین پر اتریں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے''

عبدالقاہر کہتا ہے:

''گروہ سبئیہ میں سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ علیؑ بادلوں میں ہیں۔ رعد کی آواز وہی علیؑ کی آواز ہے۔ آسمانی بجلی کا کڑکنا ان کا نورانی تازیانہ ہے جب کبھی بھی یہ لوگ رعد کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں: **علیک السلام یا امیر المؤمنین!**

عامر بن شراحیل شعبی[1] سے نقل کیا گیا ہے کہ ابن سبا سے کہا گیا:

۱۔ عامر بن شراحیل کی کنیت ابو عمر تھی وہ قبیلۂ ہمدان سے تعلق رکھتا ہے اور شعبی کے نام سے معروف ہے (اور حمیری وکوفی) وہ عمر کی خلافت کے دوسرے حصہ کے وسط میں پیدا ہوا ہے اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں فوت ہو چکا ہے اس نے بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جیسے امیر المؤمنین علیہ السلام سے احادیث نقل کی ہیں، جبکہ علمائے رجال واضح طور پر کہتے ہیں کہ اس نے جن اصحاب سے احادیث نقل کی ہیں، انھیں بچپن میں دیکھا ہے اور ان سے کوئی حدیث ہی نہیں سنی ہے (تہذیب التہذیب ۵/۶۵۔۶۹) علمائے رجال کی یہ بات شعبی کے احادیث کے ضعیف ہونے کی ایک محکم اور واضح دلیل ہے خاص طور پر شعبی کے احادیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں دوسرے قرائن یہ ہیں کہ وہ ۱۰۹ھ میں فوت ہوا ہے اور بغدادی ۴۲۹ھ میں فوت ہوا ہے اس طرح ان دو افراد کے درمیان آپس میں تین سو سال کا فاصلہ ہے زمانے کے اتنے فاصلہ کے باوجود بغدادی کس طرح شعبی سے روایت نقل کرتا ہے اگر اس کی نقل بالواسطہ تھی تو یہ واسطے کون ہیں؟ کیوں ان کا نام نہیں لیا گیا ہے؟)

علی علیہ السلام مارے گئے ،اس نے جواب میں کہا:

اگران کے مغز کوایک تھیلی میں ہمارے لئے لاوگے پھر بھی ہم تمہاری بات کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ وہ نہیں مریں گے یہاں تک آسمان سے اتر کر پوی روئے زمین پر سلطنت کریں گے''

عبدالقاہر کہتا ہے:

''یہ گروہ تصور کرتا ہے کہ ''مھدی منتظر'' وہی علی ابن ابیطالب ہیں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے اسحاق بن سوید عدوی [۱] نے اس گروہ کے عقائد کے بارے میں درج ذیل اشعار کہے ہیں:

میں گروہ خواج سے بیزاری چاہتا ہوں اوران میں سے نہیں ہوں، نہ گروہ غزال سے ہوں اور نہ ابن باب کے طرفداروں میں سے، اور نہ ہی اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں کہ جب وہ علیؑ کو یاد کرتے ہیں تو سلام کا جواب بادل کو دیتے ہیں لیکن میں دل وجان سے برحق پیغمبر اور ابوبکر کو دوست رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ یہی راستہ درست اور حق ہے۔

اس الفت ودوستی کی بنا پر قیامت کے دن بہترین اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں [۲]۔

۱۔ اسحاق بن سوید عدوی تمیمی بصری کی موت ۱۳۱ھ میں طاعون کی بیماری کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کی مذمت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں ان سے الفت نہیں رکھتا ہوں۔

۲. برئت من الخوارج لست منهم من الغزال منهم و ابن باب
ومن قوم اذا ذكروا عليا يردون السلام على السحاب
و لكنى احب بكل قلبى واعلم ان ذاک من الصواب
رسول الله و الصديق حقا به ارجو غداً حسن الثواب

یہاں پر عبداللہ بن سبااور گروہ سبئیہ کے بارے میں بغدادی کی گفتگو اختتام کو پہنچی، اب وہ عبد اللہ بن سودا کے بارے میں اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہےاوراس کے بارے میں یوں کہتا ہے:

عبداللہ بن سودا نے سبئیہ گروہ کی ان کے عقیدہ میں مدد کی ہے اوران کا ہم خیال رہا۔ وہ بنیادی طور پر حیرہ کے یہودیوں میں سے تھا لیکن کوفہ کے لوگوں میں مقام وریاست حاصل کرنے کیلئے ظاہراً اسلام لایا تھا اور کہتا تھا: میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ ہر پیغمبر کا ایک خلیفہ اور وصی ہےاور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی علی علیہ السلام ہیں...''

بغدادی کہتا ہے:

جب علی علیہ السلام کے شیعوں نے ابن سودا کی یہ بات سنی تو انہوں نے علیؑ سے کہا کہ وہ آپ کے دوستداروں اور محبت کرنے والوں میں ہے لہذا علی کے پاس ابن سوداد کا مقام بڑھ گیا اور وہ ہمیشہ اسے اپنے منبر کے نیچے اور صدر مجلس میں جگہ دیتے تھے، لیکن جب علیؑ نے بعد میں اس کے غلو آمیز مطالب سنے تو اس کے قتل کا فیصلہ کیا، لیکن ابن عباس نے علی کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا اورانھیں آ گاہ کیا کہ کیا شام کے لوگوں سے جنگ کرنا چاہتے ہیں آپ کو اس نازک موقع پر لوگوں کی حمایت کی ضرورت ہےاور مزید سپاہ وافراد درکار ہیں اگر ایسے سخت موقع پر ابن سودا کو قتل کر ڈالیں گے، تو آپ کے اصحاب وطرفدار مخالفت کریں گے اور آپ ان کی

حمایت سے محروم ہو جائیں گے علی نے ابن عباس کی یہ تجویز قبول کی اور اپنے دوستداروں کی مخالفت کے ڈر سے ابن سوداء کے قتل سے صرف نظر کیا، اور اسے مدائن میں جلا وطن کر دیا لیکن علیؑ کے قتل کئے جانے کے بعد بعض لوگ ابن سودا کی باتوں کے فریب میں آگئے کیونکہ وہ لوگوں کو اس قسم کے مطالب سے منحرف کرتا اور کہتا تھا خدا کی قسم مسجد کوفہ کے وسط میں علی کیلئے دو چشمے جاری ہوں گے ان میں سے ایک سے شہد اور دوسرے سے تیل جاری ہوگا اور شیعیان علیؑ اس سے استفادہ کریں گے

اس کے بعد بغدادی کہتا ہے:

''اہل سنت کے دانشور اور محققین معتقد ہیں کہ اگر چہ ابن سودا ظاہراً اسلام قبول کر چکا تھا لیکن علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے بارے میں اپنی تاویل و تفسیروں سے مسلمانوں کے عقیدہ کو فاش کر کے ان میں اختلاف پیدا کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ مسلمان علی علیہ السلام کے بارے میں اسی اعتقاد کے قائل ہو جائیں جس کے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قائل تھے[1]

۱۔ یہ مطالب سیف کی عبداللہ بن سبا کے بارے میں روایت کا مفہوم ہے کہ بغدادی نے انھیں مشوش اور درہم برہم صورت میں نقل کیا ہے اور خیال کیا ہے کہ ابن سودا علاوہ بر ابن سبا کوئی دوسرا شخص ہے اور یہ دو شخص جدا ہیں اور ابن سودا حیرہ کے یہودیوں میں سے تھا جبکہ سیف نے ابن سبا کو یمن کے صنعا علاقہ کا دکھایا ہے اور اسے ابن سوداء کے طور پر نشاندہی کی ہے۔ کتاب مختصر الفرق کے ناشر فلیب حتی عیسائی نے بغدادی کی اس بات کا مذاق اڑادیا ہے اور اسے اس کے فاسد مقصد کے نزدیک دیکھتا ہے اس کتاب کے حاشیہ میں لکھتا ہے: یہ روداد اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گونا گون اسلامی فرقے وجود میں لانے میں یہودی مؤثر تھے اس کے بعد کہتا ہے: بغدادی کی سبئیہ کے بارے میں کی گئی بحث مکمل ترین ودقیق ترین بحث ہے جو اس بارے میں عربی کتابوں میں آئی ہے۔

اس کے بعد بغدادی کہتا ہے:

مرموز ابن سودا نے مسلمانوں میں بغاوت ، اختلاف وفساد اور ان کے عقائد وافکار میں انحراف پیدا کرنے کیلئے مختلف اسلامی ممالک کا سفر کیا جب اس نے دیگر گروہوں کی نسبت رافضیوں کو کفر وگمراہی اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے میں زیادہ مائل پایا تو انھیں عقیدۂ سبئیہ کی تعلیم وتربیت دی اس طریقے سے اس عقیدہ کی ترویج کی اور اسے مسلمانوں میں پھیلایا''

مختار کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بغدادی کہتا ہے:

''سبیئہ جو غالیوں اور رافضیوں کا ایک گروہ ہے اس نے مختار کو فریب دیا اور ان سے کہا تم زمانے کی حجت ہو، اس فریبکارانہ بات سے اسے مجبور کیا تا کہ نبوت کا دعوی کریں انھوں نے بھی اپنے خاص اصحاب کے درمیان خود کو پیغمبر متعارف کیا''

بغدادی لفظ ''ناووسیہ'' کی تشریح میں کہتا ہے:

''اور سبئیہ کا ایک گروہ ''ناووسیہ'' سے ملحق ہوا وہ سب یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جعفر (ان کا مقصود امام صادق علیہ السلام ہیں) جمیع دینی علوم وفنون اعم از شرعیات وعقلیات کے عالم ہیں....''

یہ تھے بغدادی کے گروہ ''سبئیہ'' کے بارے میں اپنی کتاب ''الفرق'' میں درج کئے گئے تار

پوداس گروہ کے عقائد وافکار کے بارے میں دیکھے گئے اس کے خواب اور اس کیلئے جعل کئے گئے اس کے عقائد اس کے بعد اس خیالی اور جعلی گروہ کی گردن پر یہ باطل اور بے بنیاد عقائد وافکار ڈالنے کیلئے اس نے دادسخن دیا ہے اور ان خرافات پر مشتمل عقائد کو مسترد کرنے کیلئے ایک افسانہ پیش کر کے اس کی مفصل تشریح کی ہے۔

حقیقت میں اس سلسلہ میں بغدادی کی حالت اس شخص کی سی ہے جو تاریکی میں ایک سایہ کا تخیل اپنے ذہن میں ایجاد کرنیکے بعد تلوار کھینچ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔

عبدالقاہر بغدادی کے بعد، ابوالمظفر اسفرائینی (وفات ۴۷۱ھ) آیا اور جو کچھ بغدادی نے گروہ سبیہ کے بارے میں نقل کیا تھا، اس نے اسے خلاصہ کے طور پر اپنی کتاب ''التبصیر'' میں نقل کیا ہے۔

پھر بغدادی کے اسی بیان کو سید شریف جرجانی (وفات ۸۱۶ھ) نے اپنی کتاب ''التعریفات'' میں خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے۔

فرید وجدی (وفات ۱۳۷۳ھ) نے بھی اپنے ''دائرۃ المعارف'' میں لغت ''عبداللہ بن سبا'' کے سلسلے میں بغدادی کی باتوں کو من وعن اور انھیں الفاظ میں کسی قسم کی کمی بیشی کے بغیر نقل کیا ہے۔

ابن حزم (وفات ۴۵۴ھ) اپنی کتاب ''الفصل فی الملل والاھواء والنحل'' میں کہتا ہے:

''غالیوں کا پہلا فرقہ جو غیر خدا کی الوہیت اور خدائی کا قائل ہوا ہے عبداللہ

ابن سبا حمیری (خدا کی لعنت اس پر ہو) کے ماننے والے ہیں اس گروہ کے افراد علی ابن ابیطالب کے پاس آئے اور آپ کی خدمت میں عرض کیا: تم وہی ہو۔

انھوں نے پوچھا: ''وہی'' سے تمہارا مقصود کون ہے؟ انہوں نے کہا: تم خدا ہو'' یہ بات علیؑ کیلئے سخت گراں گزری اور حکم دیا کہ آگ روشن کی جائے اور ان سب کو اس میں جلا دیا جائے اس گروہ کے افراد جب آگ میں ڈال دئے جاتے تھے تو وہ علیؑ کے بارے میں کہتے تھے، اب ہمارے لئے مسلم ہو گیا کہ وہ وہی خدا ہے کیونکہ خدا کے علاوہ کوئی لوگوں کو آگ سے معذب نہیں کرتا ہے اسی وقت علی ابن ابیطالب نے یہ اشعار پڑھے:

لما رایت الامر امراً منكراً أججت ناری ودعوت قنبراً

''جب میں لوگوں میں کسی برے کام کو دیکھتا ہوں تو ایک آگ روشن کرتا ہوں اور قنبر کو اپنی مدد کیلئے بلاتا ہوں''

ابن حزم فرقۂ کیسانیہ کے عقائد کے بارے میں کہتا ہے:

''بعض امامیہ رافضی جو''ممطورہ'' کے نام سے معروف ہیں موسی بن جعفر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ نہیں مرے بلکہ زندہ ہیں اور وہ نہیں مریں گے یہاں تک کہ ظلم و ناانصافی سے پر دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

اس کے بعد کہتا ہے:

''گروہ'' ناووسیہ کے بعض افراد امام موسیٰ کاظم کے والد یعنی ''جعفر ابن محمدؑ'' کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور ان میں سے بعض دوسرے افراد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بھائی اسماعیل بن جعفر کے بارے میں اسی عقیدہ کے قائل ہیں'

اس کے بعد کہتا ہے:

''سبیہ جو عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیرو ہیں علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں بھی اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ وہ بادلوں میں ہے، یہاں تک کہتا ہے:

جب علی کے قتل ہونے کی خبر عبداللہ بن سبا کو پہنچی تو اس نے کہا: اگر ان کے سر کے مغز کو بھی میرے سامنے لاؤ گے پھر بھی ان کی موت کے بارے میں یقین نہیں کروں گا...

ابوسعید نشوان حمیری (وفات ۵۷۳ھ) اپنی کتاب ''الحور العین'' میں کہتا ہے:

''سبیہ وہی عبداللہ بن سبا اور اس کے عقائد کے پیرو ہیں''

اس کے بعد ان کے عقائد کو بیان کرنے کے ضمن میں امیر المؤمنین کی موت سے انکار کرنے کی روداد کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''جب ابن سبا کا عقیدہ ابن عباس کے پاس بیان کیا گیا تو انہوں نے کہا: اگر علیؑ

نہیں مرے ہوتے تو ہم ان کی بیویوں کی شادی نہ کرتے اوران کی میراث کو

وارثوں میں تقسیم نہیں کرتے''[۱]

۱۔ الحور العین: ص ۱۵۶

ابن سبا اور سبئیہ کے بارے میں شہرستانی اور اس کے ماننے والوں کا بیان

و اما السبئیة فهم یزعمون ان علیاً لم یمت و انه فی السحاب

سبائی معتقد ہیں کہ علی نہیں مرے ہیں اور وہ بادلوں میں ہیں

صاحب البدء والتاریخ

شہرستانی (وفات ۵۴۸ھ) اپنی ''ملل ونحل'' میں ابن سبا اور سبائیوں کے بارے میں محدثین اور مؤرخین کے بیانات کو خلاصہ کے طور پر درج کرنے کے بعد یوں کہتا ہے:

''عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی امامت کو واجب جانا، اور یہی غالیوں کے دیگر گروہوں کیلئے اس عقیدہ کا سرچشمہ بنا کہ علیؑ نہیں مریں گے اور وہ زندہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں: خداوند عالم کے ایک حصہ نے

اس کے وجود میں حلول کیا ہے اور کوئی ان پر برتری حاصل نہیں کر سکتا وہ بادلوں میں ہیں اور ایک دن زمین پر آئیں گے۔

یہاں تک کہتا ہے:

''ابن سبا یہی عقیدہ خود علیؑ کی زندگی میں بھی رکھتا تھا، لیکن اس نے اس وقت اظہار کیا جب علی کو قتل کر دیا گیا، اس وقت بعض افراد بھی اس کے گرد جمع ہو کر اس کے ہم عقیدہ ہو گئے، یہ وہ پہلا گروہ ہے جو علیؑ اور ان کی اولاد میں امامت کے محدود و منحصر ہونے کا قائل ہے اور غیبت اور رجعت کا معتقد ہوا ہے اس کے علاوہ اس بات کا بھی معتقد ہوا کہ خداوند عالم کا ایک حصہ تناسخ کے ذریعہ علی کے بعد والے ائمہ میں حلول کر چکا ہے اصحاب اور یاران پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی جانتے تھے اس لئے وہ ابن سبا کے عقیدہ کے مخالف تھے، لیکن وہ علی علیہ السلام کے بارے میں اس مطلب کو اس لئے کہتے تھے کہ جب علی علیہ السلام نے خانۂ خدا کی بے حرمتی کرنے کے جرم میں حرم میں ایک شخص کی آنکھ نکالی تھی یہ واقعہ جب خلیفہ دوم عمر کے پاس نقل کیا گیا تو عمر نے جواب میں یہ جملہ کہا: ''میں اس خدا کے ہاتھ کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جس نے حرم خدا میں کسی کو اندھا کیا ہو؟

دیکھا آپ نے کہ عمر نے اپنے اس کلام میں خدا کے ایک حصہ کے علی علیہ السلام کے پیکر میں حلول کرنے کا اعتراف کیا ہے اور ان کے بارے میں خدا کا نام لیا ہے[1]

یہ تھا ان افراد کے نظریات و بیانات کا خلاصہ جنہوں نے ''ملل ونحل'' کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں دوسری کتابوں کے مؤلفین بھی ان کے طریقہ کار پر چل کر بیہودہ اور بے بنیاد مطالب کو گڑھ کر اس باطل امور میں ان کے قدم بقدم رہے ہیں، مثلاً البدء والتاریخ کا مؤلف کہتا ہے:

لیکن ''سبئیہ'' جسے کبھی ''طیارہ'' بھی کہتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ ہرگز موت ان کی طرف آنے والی نہیں ہے اور وہ نہیں مریں گے حقیقت میں ان کی موت اندھیری رات کے آخری حصہ میں پرواز کرنا ہے اس کے علاوہ یہ لوگ معتقد ہیں کہ علی ابن ابیطالب نہیں مرے ہیں بلکہ بادلوں میں موجود ہیں لہذا جب رعد کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں علی غضبناک ہوگئے ہیں''۔

اس کے علاوہ کہتا ہے:

''گروہ طیارہ کے بعض افراد معتقد ہیں کہ روح القدس جس طرح عیسیٰ میں موجود تھا اسی طرح پیغمبر اسلام میں بھی موجود تھا اور ان کے بعد علی ابن ابیطالب علیہ السلام میں منتقل ہوگیا علی سے ان کے

۱۔اس نقل کی بنا پر عمر اولین شخص ہے جس نے علی کے بارے میں غلو کیا ہے اور اس عقیدہ کی بنیاد ڈالی ہے اسی طرح وہ پہلے شخص تھے جس نے عقیدۂ رجعت کو اس وقت اظہار کیا جب رسول خدا نے رحلت فرمائی تھی جب اس نے کہا: خدا کی قسم پیغمبر نہیں مرے ہیں اور واپس لوٹیں گے...اسی کتاب کی جلد اول حصہ سقیفہ ملاحظہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ شہرستانی بھی اپنی نقلیات میں تمام علمائے ادیان اور ملل ونحل کے مولفین کے مانند بعض مطالب کو لوگوں سے سنتا ہے اور انھیں بنیادی مطالب اور سو فیصد واقعی صورت میں اپنی کتاب میں درج کرتا ہے بغیر اس کے کہ اپنی نقلیات کی سند کے بارے میں کسی قسم کی تحقیق و بحث کرے ہم ان مطالب کے بارے میں اگلے صفحات میں بیشتر وضاحت پیش کریں گے۔

فرزند حسن اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے باقی اماموں میں منتقل ہوتا رہا سبیئہ کے مختلف گروہ ارواح کے تناسخ اور رجعت کے قائل ہیں اور سبیئہ کے ایک گروہ کے افراد اعتقاد رکھتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام خدا سے منشعب شدہ نور ہیں اور وہ خدا کے اجزاء میں سے ایک جزو ہیں اس عقیدہ کے رکھنے والوں کو ''حلاجیہ''[1] کہتے ہیں ابوطالب صوفی بھی یہی اعتقاد رکھتا تھا اور اس نے انھیں باطل عقائد کے مطابق درج ذیل اشعار کہے ہیں:

- قریب ہے کہ وہ...ہوگا
- اگر کوئی ربوبیت نہ ہوتی تو وہ بھی نہ ہوتا
- کیا نیک آنکھیں غیبت کیلئے فکر مند ہیں (چشم براہ ہیں) یہ آنکھیں پلک و مژگان والی آنکھیں جیسی نہیں ہیں۔
- خدا سے متصل آنکھیں نور قدسی رکھتی ہیں، جو خدا چاہے گا وہی ہوگا نہ ہی خیال کی گنجائش ہے اور نہ چالاکی کا کوئی محل۔

وہ سایوں کے مانند ہیں جس دن مبعوث ہوں گے لیکن نہ سورج کے سایہ کے مانند اور نہ گھر کے سایہ کے مانند[2]

۱۔ حلاجیہ حسین بن منصور حلاج سے منسوب ہیں حسین بن حلاج ایک جادوگر اور شعبدہ باز تھا شہروں میں پھرتا تھا ہر شہر میں ایک قسم کے عمل اور مسلک کو رائج کرتا تھا اور خود کو اس کا طرفدار بتاتا تھا۔ مثلاً معتزلیوں میں معتزلی، شیعوں میں شیعہ اور اہل سنت میں خود کو سنی بتاتا تھا۔

۲۔

كادوا يكونون ...	لو لا ربوبية لم تكن
فيالها أعينا بالغيب ناظرة	ليست كاعين ذات الماق و الجفن
انوار قدس لها بالله متصل	كما شاء بلا وهم و لا فطن
وهم الاظلة والاشباح ان بعثوا	لا ظل كالظل من فيئى و لا سكن

ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن سبا کے حالات کی تشریح میں سیف کی نقل کی گئی روایت (اوران روایتوں کے علاوہ کہ جن کے بعض مضامین ہم نے اس کتاب کی پہلی جلد[1] اور بعض کو گزشتہ صفحات میں درج کیا ہے) مزید چھ روایتیں حسب ذیل نقل کی ہیں:

۱۔ ابوطفیل سے نقل ہوا ہے:

'میں نے مسیّب بن نجبہ کو دیکھا کہ ابن سودا کے لباس کو پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے علی ابن ابیطالب کے پاس ___ جب وہ منبر پر تھے ___ لے آیا علی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ مسیّب نے کہا: یہ شخص ابن سودا خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ کی نسبت لگاتا ہے''

۲۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ علی ان ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے اس خبیث سیاہ چہرہ سے کیا کام ہے؟ آپ کی مراد ابن سبا تھا جو ابوبکر او عمر کے بارے میں برا بھلا کہتا تھا۔

۳۔ اور ایک روایت میں آیا ہے:

مسیّب نے کہا: میں نے علی ابن ابیطالب کو منبر پر دیکھا کہ ابن سودا کے بارے میں فرمارہے ہیں:

۱۔ ج/۱ فصل پیدائش افسانہ عبداللہ بن سبا

''کون ہے جو اس سیاہ فام (جو خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ کی نسبت دیتا ہے) خدا اس کو مجھ سے دور کرے۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ بعض لوگ اس کی خوانخواہی میں شورش برپا کریں گے جس طرح نہروان کے لوگوں کی خونخواہی میں بغاوت کی گئی تھی تو میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیتا''

۴۔ایک دوسری روایت میں مسیّب کہتا ہے:

میں نے علی ابن ابیطالب سے سنا کہ ''عبداللہ بن سبا'' کی طرف مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے افسوس ہو تم پر! خدا کی قسم پیغمبر خدا نے مجھ سے کوئی ایسا مطلب نہیں بیان کیا ہے جو میں نے لوگوں سے مخفی رکھا ہو''

۵۔ایک دوسری روایت میں مسیّب کہتا ہے:

''علی ابن ابیطالب کو خبر ملی کہ ابن سودا ابوبکر اور عمر کی بدگوئی کرتا ہے۔ علی علیہ السلام نے اسے اپنے پاس بلایا اور تلوار طلب کی تا کہ اسے قتل کر ڈالیں۔ یا یہ کہ جب یہ خبر انھیں پہنچی انھوں نے فیصلہ کیا کہ اسے قتل کر ڈالیں۔ لیکن اس کے بارے میں کچھ گفتگو ہوئی اور یہ گفتگو حضرت کو اس فیصلہ سے منصرف ہونے کا سبب بنی، لیکن فرمایا کہ جس شہر میں، میں رہتا ہوں اس میں ابن سبا کو نہیں رہنا چاہئے اس لئے اسے مدائن جلا وطن کر دیا۔

۶۔ابن عساکر کہتا ہے:

''ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام نے اپنے آباء واجداد سے اور انہوں نے جابر سے نقل کیا ہے کہ: جب لوگوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کی، حضرت نے ایک تقریر کی، اس وقت عبداللہ بن سبا اٹھا اور حضرت سے عرض کی: تم'' دابة الارض'' ہو۔علی علیہ السلام نے فرمایا؛ خدا سے ڈرو! ابن سبا نے کہا: تم پروردگا ہو اور لوگوں کو رزق دینے والے ہو، تم ہی نے ان لوگوں کو خلق کیا ہے اور انھیں رزق دیتے ہو۔علی (علیہ السلام) نے حکم دیا کہ اسے قتل کردیا جائے، لیکن رافضیوں نے اجتماع کیا اور کہا؛ یا علی! اسے قتل نہ کریں بلکہ اسے ساباط مدائن جلاوطن کردیں کیونکہ اگر اسے مدینہ میں قتل کرڈالیں گے تو اس کے دوست اور پیرو ہمارے خلاف بغاوت کریں گے یہی سبب بنا کہ علی علیہ السلام اس کو قتل کرنے سے منصرف ہوگئے اور اسے ساباط جلاوطن کردیا، کہ وہاں پر'' قرامطہ'' اور رافضیوں کے چند گروہ زندگی گذار رہے تھے، جابر کہتا ہے: اس کے بعد گیارہ افراد پر مشتمل سبائیوں کا ایک گروہ اٹھا اور علی علیہ السلام کی الوہیت اور خدائی کے بارے میں ابن سبا کی باتوں کو دھرایا، علی علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

اپنے عقیدہ سے دست بردار ہوجاؤ اور توبہ کرو کہ میں پروردگا وخالق نہیں ہوں بلکہ

میں علی ابن ابیطالب ہوں تم میرے ماں باپ کو جانتے ہو اور میں محمد کا چچیرا بھائی ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم اس عقیدہ سے دست بردار نہیں ہوں گے تم جو چاہتے ہو، ہمارے بارے میں انجام دو اور ہمارے حق میں جو بھی فیصلہ کرنا چاہتے ہو کرو لہٰذا علی علیہ السلام نے ان لوگوں کو جلا دیا اور ان کی گیارہ قبریں صحرا میں مشہور و معروف ہیں۔

اس کے بعد جابر کہتا ہے: اس گروہ کے بعض دوسرے افراد نے اپنے عقائد کا ہمارے سامنے اظہار نہیں کیا تھا، اس روداد کے بعد انہوں نے کہا: کہ علی ہی خدا ہیں اور اپنے عقیدہ اور گفتار پر ابن عباس کی باتوں سے استناد کرتے تھے کہ انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا تھا: خدا کے علاوہ کوئی آگ کے ذریعہ عذاب نہیں کرے گا۔

جابر کہتا ہے: جب ابن عباس نے ان کے اس استدلال کو سنا، تو کہا: اس لحاظ سے تمہیں ابوبکر کی بھی پرستش کرنا چاہئے اور ان کی الوہیت کے بھی قائل ہونا چاہئے، کیونکہ انھوں نے بھی چند افراد کو آگ کے ذریعہ سزا دی ہے۔

عبداللہ بن سبا کے بارے میں ادیان وعقائد کے علماء کا نظریہ

عبدالله بن سبا من غلاة الزنادقة ضال و مضل

عبداللہ بن سبا انتہا پسند زندیقیوں میں سے ہے اور وہ گمراہ کنندہ ہے

ذہبی

متقدمین کا نظریہ:

ہم نے عبداللہ بن سبا، سبئیہ اور ابن سودا کے بارے میں ادیان اور عقائد کی کتابوں کے بعض متقدم مؤلفین کے بیانات اور نظریات کو گزشتہ فصول میں ذکر کیا اب ہم ان میں سے بعض دوسروں کے نظریات اس فصل میں ذکر کریں گے اس کے بعد اس سلسلہ میں متاخرین کے نظریات بیان کریں گے۔

ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) اپنی کتاب ''میزان الاعتدال'' میں عبداللہ بن سبا کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

''وہ زندیقی اور ملحد غالیوں میں سے تھا۔ وہ ایک گمراہ اور گمراہ کنندہ شخص تھا۔ میرے خیال میں علی علیہ السلام نے اسے جلا دیا ہے'' اس کے بعد کہتا ہے: جوز جانی نے عبد اللہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ خیال کرتا تھا موجودہ قرآن اصلی قرآن کا نواں حصہ ہے اور پورے قرآن کو صرف علی علیہ السلام جانتے ہیں اور انھیں کے پاس ہے عبداللہ بن سبا اس طرح علی ابن ابیطالب کی نسبت اظہار دلچسپی کرتا تھا لیکن علی علیہ السلام اسے اپنے سے دور کرتے تھے''[1]

ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) بھی اپنی کتاب ''لسان المیزان'' میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں ذہبی کے اسی بیان اور ابن عساکر کے پہلے والے بعض نقلیات کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے:

''امام نے ابن سبا کو کہا: خدا کی قسم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کوئی ایسا مطلب نہیں بتایا ہے کہ میں نے

۱۔ جوز جانی وہی ابراہیم بن یعقوب بن اسحق سعدی ہے اس کی کنیت ابو اسحاق تھی نواحی بلخ میں جوز جان میں پیدا ہوا ہے بہت سے شہروں اور ممالک کا سفر کیا ہے دمشق میں رہائش پذیر تھا حدیث نقل کرتا تھا ''الجرح والتعدیل''، ''الضعفاء'' اور ''المترجم'' اس کی تالیفات ہیں۔

ذہبی اپنی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' میں اس کے حالات کی تشریح میں کہتا ہے: جوز جانی علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں انحرافی عقیدہ رکھتا تھا مزید کہتا ہے: وہ علی علیہ السلام کے خلاف بدگوئی کرتا تھا۔

''معجم البلدان'' میں لفظ جوز جان میں آیا ہے کہ جوز جانی نے کسی سے چاہا کہ اس کیلئے ایک مرغ ذبح کرے اس شخص نے نہیں مانا جوز جانی نے کہا: میں تعجب کرتا ہوں کہ لوگ ایک مرغ کو ذبح کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے ہیں جبکہ علی ابن ابیطالب نے تنہا ایک جنگ میں ستر ہزار افراد کو قتل کیا جوز جانی ۲۵۹ھ میں فوت ہوا ہے) (تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ۵۶۹، تاریخ ابن عساکر و تاریخ ابن کثیر ۱۱/۳۱ ملاحظہ ہو)

اسے لوگوں سے مخفی رکھا ہو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے: قیامت سے پہلے، تیس افراد کذاب اور جھوٹے پیدا ہوں گے اس کے بعد فرمایا:

ابن سبا تم ان تیس افراد میں سے ایک ہو گے۔

ابن حجر مزید کہتا ہے:

''سوید بن غفلہ، علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی خلافت کے دوران، ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں نے بعض لوگوں کو دیکھا جن میں عبداللہ بن سبا بھی موجود تھا، وہ ابوبکر اور عمر پر سخت تنقید کرتے تھے اور انھیں برا بھلا کہتے تھے اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ بھی ان دو خلیفہ کے بارے میں باطن میں بدگمان ہیں''

ابن حجر اضافہ کرتا ہے:

''عبداللہ بن سبا پہلا شخص تھا جس نے خلیفہ اول و دوم کے خلاف تنقید اور بدگوئی کا آغاز کیا اور اظہار کرتا تھا کہ علی بن ابی طالب ان دو خلیفہ کے بارے میں بدگمان تھے اور اپنے دل میں ان کے بارے میں عداوت رکھتا ہے۔ جب علی نے اس سلسلہ میں عبداللہ بن سبا کے اظہارات کو سنا، کہا: مجھے اس خبیث سیاہ چہرے سے کیا کام ہے؟ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اگر ان دو افراد کے بارے میں میرے دل میں کسی قسم کی عداوت ہو، اس کے بعد ابن سبا کو اپنے پاس بلایا اور اسے مدائن جلاوطن کر دیا اور

فرمایا: اسے قطعاً میرے ساتھ ایک شہر میں زندگی نہیں کرنی چاہئے اس کے بعد لوگوں کے حضور میں منبر پر گئے اور ابن سبا کی روداد اور خلیفہ اول و دوم کی ثنا بیان کی۔ اپنے بیانات کے اختتام پر فرمایا: اگر میں نے کسی سے سنا کہ وہ مجھے ان دو خلیفہ پر ترجیح دیتا ہے اور ان سے مجھے برتر جانتا ہے تو میں اس پر افترا گوئی کی حد جاری کروں گا اس کے بعد کہتا ہے:

''عبداللہ بن سبا کے بارے میں روایتیں اور روداد تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس سے کوئی روایت نقل نہیں ہوئی ہے اس کے ماننے والے ''سبائیوں'' کے نام سے مشہور تھے جو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی الوہیت کے معتقد تھے علی علیہ السلام نے انھیں آگ میں ڈال کر جلا دیا اور انھیں نابود کردیا۔[1]

ا۔ مؤلف کہتا ہے: اس داستان کو جعل کرنے والا، شاید امام کے ان خطبوں کو فراموش کر گیا ہے جو امام نے ان دو افراد کے اعتراض اور شکایت کے موقع پر جاری کیا تھا۔ جیسے حضرت کا خطبہ شقشقیہ جو نہج البلاغہ کا تیسرا خطبہ ہے۔

''خدا کی قسم فرزند ابوقحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیل کا ہوتا ہے میں وہ کوہ بلند ہوں جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گرتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلوتہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں کہ جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جد و جہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے مجھے اسی اندھیرے پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا لہذا میں نے صبر کیا حالانکہ میری آنکھوں میں خس و خاشاک اور گلے میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کیلئے استوار کرتا گیا بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا اس نے خلافت کو ایک سخت اور ناہموار جگہ پر رکھ دیا کہ جس کی جراحتیں کاری تھیں اور اس کا چھونا خشن تھا جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا ہے۔

مقریزی (وفات ۸۴۸ھ) اپنی کتاب ''خطط'' کی فصل ''ذکر الحال فی عقائد اهل الاسلام'' میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں کہتا ہے: ''اس نے علی ابن ابیطالب کے زمانے میں بغاوت کی اور یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مسلمانوں کی امامت اور پیشوائی کیلئے معین فرمایا اور پیغمبرؐ کے واضح فرمان کے مطابق آپ کے بعد علیؑ آپ کے وصی، جانشین اور امت کے پیشوا ہیں اس کے علاوہ یہ قید بھی ایجاد کیا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام و رسول خداؐ اپنی وفات کے بعد رجعت فرمائیں گے یعنی دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے ان کے عقیدہ کے مطابق علی ابن ابیطالب نہیں مرے ہیں بلکہ وہ زندہ اور بادلوں میں ہیں اور خداوند عالم کا ایک جز ان میں حلول کر چکا ہے[۱]

مقریزی اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے یہاں تک کہتا ہے:

''اس ابن سبا سے غالیوں اور رافضیوں کے کئی گروہ وجود میں آئے ہیں کہ وہ سب

☜ جیسے کہ کوئی سرکش اونٹ پر سوار کہ مہار کھینچتا ہے تو اس کی ناک کا درمیانی حصہ شگافتہ ہو جاتا ہے جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہلاکتوں میں پڑ جائے گا۔ خدا کی قسم! لوگ کجروی، سرکشی، متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے، میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا...

دوسری جگہ بھی ان فرمائشات کے مانند بیان فرمایا ہے۔

۱۔ تعجب کا مقام ہے کہ مقریزی اپنی بات میں تناقض کا شکار ہوا ہے اپنے گذشتہ بیان پر توجہ کئے بغیر مقریزی کہتا ہے: ابن سبا کے عقیدہ کے مطابق علی علیہ السلام اپنی وفات کے بعد رجعت کریں گے اس کے بعد بلا فاصلہ کہتا ہے ابن سبا معتقد ہے کہ علی علیہ السلام نہیں مرے ہیں اور ابھی زندہ ہیں۔

امر امامت میں'' توقف'' کے قائل ہیں کہتے ہیں : مقام امامت معین افراد کیلئے

مخصوص اور منحصر ہے اور ان کے علاوہ کوئی اور اس مقام پر فائز نہیں ہوسکتا ہے۔

رافضیوں نے رجعت کے عقیدہ کو اسی ابن سبا سے حاصل کیا ہے اور کہا ہے: امام مرنے کے بعد رجعت یعنی دوبارہ دنیا میں آئیں گے یہ عقیدہ وہی عقیدہ ہے کہ امامیہ ابھی بھی ''صاحب سرداب'' کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حقیقت میں یہ تناسخ ارواح کے علاوہ کوئی اور عقیدہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ رافضیوں نے حلول کا عقیدہ بھی اسی عبداللہ بن سبا سے حاصل کیا ہے اور کہا ہے: خدا کا ایک جزو علی علیہ السلام کے بعد آنے والے ائمہ میں حلول کر گیا ہے اور یہ لوگ اسی وجہ سے مقام امامت کے حقدار ہیں، جس طرح حضرت آدمؑ ملائکہ کے سجدہ کے حقدار تھے۔

مصر میں خلفائے فاطمیین کے بیانات اور دعوی بھی اسی اعتقاد کی بنیاد پر تھے جس کا خاکہ اسی عبداللہ بن سبا نے کھینچا تھا۔

مقریزی اپنی بات کو یوں جاری رکھتا ہے:''ابن سبا یہودی ہے جس نے عثمان کے تاریخی فتنہ وبغاوت کو برپا کر کے عثمان کے قتل کا سبب بنا''

مقریزی ابن سبا اور اس کے عالم اسلام اور مسلمانوں کے عقائد میں ایجاد کردہ مفاسد کی نشاندہی کے بعد گروہ ''سبیہ'' کا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے:

'' پانچواں گروہ بھی ''سبئیہ'' ہی سے ہے اور وہ عبداللہ بن سبا کے ماننے

والے ہیں کہ اس نے علی ابن ابیطالب کے سامنے واضح اور کھلم کھلا کہا تھا کہ "تم خدا ہو....."

متاخرین کا نظریہ

یہاں تک ہم نے ابن سبا اور گروہ سبیئہ کے بارے میں عقائد وادیان کے دانشوروں، مؤرخین اور ادیان کی کتابیں لکھنے والے مؤلفین کے نظریات بیان کئے اور ہم نے مشاہدہ کیا کہ ان علماء کی یہ کوشش رہی ہے کہ ان اقوال اور نظریات کو دورہ اول کے راویوں سے متصل و مربوط کریں اور ان سے نقل قول کریں اور من وعن انہیں مطالب کو بعد والے مؤلفین اور متاخرین نے آ کر تکرار کی ہے اور بحث وتحقیق کے بغیر اپنے پیشروؤں کی باتوں کو اپنی کتابوں میں ثبت کردیا ہے، جیسے:

۱۔ ابن ابی الحدید (وفات ۶۵۵ھ) شرح خطبہ ۱۲۷ از شرح نہج البلاغہ۔

۲۔ ابن کثیر (وفا ۷۷۴ھ) نے اپنی تاریخ میں۔

۳۔ بستانی (وفات ۱۳۰۰ھ) نے بھی جو کچھ عبداللہ بن سبا کے بارے میں اسی لفظ کے ضمن میں اپنے دائرۃ المعارف میں درج کیا ہے اسے مقریزی اور ابن کثیر سے نقل کیا ہے۔

۴۔ دوسروں، جیسے ابن خلدون نے بھی اس روش پر عمل کیا ہے اور مطالب کو تحقیق کئے بغیر اپنے پیشواؤں سے نقل کیا ہے بہرحال اس قسم کے مولفین نے بعض اوقات سیف کے بیانات کو بالواسطہ نقل کرکے اس کی پیروی کی ہے اور کبھی اس قسم کے مطالب نقل کرنے والوں کی پیروی کی ہے

اور ان مطالب کو ان سے نقل کر کے دوسروں تک پہنچایا ہے اس قسم کے افراد بہت ہیں مانند مقریزی کہ وہ اپنے مطالب کو سیف کی روایتوں اور ''ملل ونحل'' کی کتابیں لکھنے والے مؤلفین سے نقل کرتا ہے اور بستانی ''ملل ونحل'' کے مؤلفین کے بیانات کو اسی مقریزی اور سیف کی روایتوں کو ابن کثیر سے نقل کرتا ہے اور تمام مؤلفین نے بھی اس روش کی پیروی کی ہے۔

عبداللہ بن سبا کے بارے میں ہمارا نظریہ

انهم تنافسوا فی تکثیر عدد الفرق فی الاسلام

ادیان کی کتابیں لکھنے والے مؤلفین نے اسلامی فرقوں کی تعداد بڑھانے میں مقابلہ کیا ہے۔

انهم یدونون کل ما یدور علی السنة اهل عصرهم

ادیان کی کتابیں لکھنے والوں نے اپنے وقت کے کوچہ و بازار کے لوگوں کے عامیانہ مطالب کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے

مؤلف

یہ تھا عبداللہ بن سبا، سبیئہ اور اس سے مربوط روایتوں کے بارے میں قدیم و جدید علمائے ادیان، عقائد اور مؤرخین کا نظریہ جو گزشتہ پنجگانہ فصلوں میں بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں ہمارا

نظریہ یہ ہے کہ ان بیانات اور نظریات میں سے کوئی ایک بھی مضبوط اور پائیدار نہیں ہے کیونکہ ان کی بنیاد بحث وتحقیق پر نہیں رکھی گئی ہے کیوں کہ اصل میں عبداللہ بن سبا سے مربوط روایتیں سیف بن عمر سے نقل کی گئی ہیں ہم نے اس کتاب کی ابتداء میں اور کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' میں سیف کی روایتوں اور نقلیات کی حیثیت کو واضح کر دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ ایک خیالی اور جھوٹا افسانہ ساز شخص تھا کہ اس کی روایتیں اور نقلیات افسانوی بنیادوں پر استوار ہیں۔

ملل و مذہبی فرقوں سے متعلق کتابوں کے مؤلف

انہوں نے بھی مذاہب اور اسلامی فرقوں کی کثرت اور تعداد کو بڑھانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا ہے اور مختلف گروہوں کی تعداد زیادہ دکھانے میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کی ہے اسلام میں گوناگوں فرقے اور گروہ وجود میں لائے ہیں اور ان کی نامگذاری بھی کرتے ہیں تا کہ وہ اس راہ سے جدت کا مظاہر کریں اور جدید مذاہب کے انکشاف میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کریں اس محرک کے سبب مجہول اور گمنام تو کبھی خیالی افسانوی اور ایسے فرقے اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے ہیں جس کا حقیقت میں کہیں وجود ہی نہیں ہے جیسے: ناووسیہ، طیارہ، ممطورہ، سبئیہ، غرابیہ، معلومیہ و مجہولیہ[۱] وغیرہ۔

اسکے بعد ان مؤلفین نے ان ناشناختہ یا جعلی فرقوں اور گروہوں کے نظریات اور عقائد کے

۱۔ مقریزی نے ''خطط'' میں ان دونوں کا نام لیا ہے۔

بارے میں مفصل طور پر روشنی ڈالی ہے ہر مؤلف نے اس بارے میں دوسرے مؤلف پر سبقت لینے کی سرتوڑ کوشش کی ہے اور ہر ایک نے تلاش کی ہے کہ اس سلسلہ میں جالب تر مطالب اور عجیب و غریب عقائد ان مصروف گروھوں سے منسوب کریں۔

یہ مؤلفین اور مصنفین اس خودنمائی، فضل فروشی اور غیر واقعی مطالب لکھنے اور مسلمانوں کی طرف گوناگوں باطل عقائد کی تہمت لگانے میں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ایک بڑے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اگر یہ طے پا جائے کہ ہم کسی دن اسلام کے مختلف فرقوں کے بارے میں کوئی کتاب لکھیں تو ہم مذکورہ گروہوں میں 'موجدین'' کے نام سے ایک اور گروہ کا اضافہ کریں گے۔ اس کے بعد اس فرقہ کی یوں نشاندہی کریں گے''موجدیہ'' اسلام میں صاحبان ملل ونحل اور عقائد ونظریات پر کتابیں لکھنے والے مؤلفین کا وہ گروہ ہے جن کا کام مسلمانوں میں نئے نئے فرقے ایجاد کرنا ہے ان کو'' موجدیہ'' اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام میں فرقے ایجاد کرنے کا کمال رکھتے ہیں اور جن فرقوں کو وہ جعل کرتے ہیں ان کی عجیب وغریب نامگذاری بھی کرتے ہیں۔

اس کے بعد جعل کئے گئے فرقوں کے لئے افسانوں اور خرافات پر مشتمل عقائد بھی جعل کرتے ہیں۔

ہمارے اس دعوی کی بہترین دلیل اور گویا ترین شاہد وہی مطالب ہیں جو شہرستانی کی ''ملل و

نحل'' بغدادی کی الفرق بین الفرق'' اور ابن حزم کی ''الفصل'' کے مختلف ابواب اور فصلوں میں درج ہوئے ہیں اگر ہم ان کی اچھی طرح تحقیق کریں تو مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کتابوں کی بنیاد علم، تحقیق اور حقیقت گوئی پر نہیں رکھی گئی ہے اور مختلف فرقوں اور گروہوں کو نقل کرنے اور ان کے عقائد و نظریات بیان کرنے میں ان کتابوں کے اکثر مطالب حقیقت نہیں رکھتے اور ان کے بیشتر نقلیات بے بنیاد اور خودساختہ ہیں۔

محرکات

ہماری نظر میں ان مؤلفین کی اس تباہ کن اور علم و تحقیق کی مخالف روش انتخاب کرنے میں درج ذیل دو عامل میں سے کوئی ایک ہوسکتا ہے:

اول: جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے ادیان و مذاہب کی کتابیں لکھنے والے مذکورہ مؤلفین نے ان بے بنیاد مطالب، بیہودہ عقائد اور ان افسانوی اور نامعلوم فرقوں کو فضیلت اور سبقت حاصل کرنے کیلئے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ اپنی جدت پسندی اور ندرت بیانی کرسکیں اور اس کے ساتھ ہی اپنے علم وفضیلت کے مقام کو دوسروں سے برتر، معلومات کو زیادہ وسیع تر اپنی تالیف کردہ کتابوں کو دوسروں کی کتابوں سے تازہ تر اور ہماری اصطلاح میں تحقیقی تر اور جدید تر اور عجیب تر مطالب والی کتابیں دکھائیں اور اس طرح اسلامی گروہوں کے انکشاف میں دوسروں سے سبقت حاصل کرلیں۔

دوم: اگر ہم ان مؤلفین کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور یہ نہ کہیں کہ وہ اپنی تالیفات میں بد نیتی ندرت جوئی، برتری طلبی اور جدت پسندی رکھتے تھے کم از کم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان مؤلفین نے اپنی کتابوں کے مطالب کو اپنے زمانے کے لوگوں کی افواہوں اور گلی کوچوں کے عامیانہ مطالب سے لے کر تالیف کیا ہے۔

اور خرافات پر مشتمل تمام وہ افسانے ان کے زمانے کے لوگوں کے درمیان رائج اور دست بہ دست نقل ہوئے تھے کو جمع کر کے اپنی تالیفات میں بھر دیا ہے اس لحاظ سے ان کتابوں کو ان مؤلفین کے زمانے کے عامیانہ افکار کی عکاسی کرنے والا آئینہ کہا جا سکتا ہے اور ان کتابوں سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان مؤلفین کے زمانے میں عام لوگ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے بارے میں بے بنیاد تصورات رکھتے تھے، جیسا کہ ہم اپنے زمانے میں ان چیزوں کا کثرت سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً بعض شیعہ عوام سنی بھائیوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ایک دم ہوتی ہے اور وہ اس دم کو اپنے لباس کے نیچے چھپا کے رکھتے ہیں اور اہل سنت کے عوام بھی شیعوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک دم رکھتے ہیں۔

اس لحاظ سے اگر کسی دن ہم بھی ملل و نحل، عقائد اور نظریات پر کوئی کتاب لکھنا چاہیں تو اسمیں مذکورہ مؤلفین کے طریقہ کار کی پیروی کرنا چاہیں تو ہمیں ان مؤلفین کی کتابوں میں درج کئے گئے گونا گون فرقوں میں ایک اور فرقے کا اضافہ کرنا چاہئے، اور کہنا چاہئے کہ: ایک اور فرقہ جو مسلمانوں

میں موجود ہے اس کا نام فرقہ ''ذنبیہ'' ہے اور اس فرقہ کے افراد بعض حیوانات کے مانند صاحب دم ہیں اور اس دم کو اپنے لباس کے نیچے مخفی رکھتے ہیں!!

افسانۂ نسناس[1]

هيهات لن يخطى القدر من القضاء اين المفرّ ؟

تقدیر کا تیر خطا کر کے کتنا دور چلا گیا قضا سے بچنے کی کوئی راہ فرار نہیں ہے

نسناس

جیسا کہ ہم نے گزشتہ فصل میں اشارہ کیا کہ ملل ونحل اور ادیان وعقائد کی کتابیں لکھنے والے مؤلفین کسی دلیل، سند اور ماخذ کے ذکر کرنے کی ضرورت کا احساس کئے بغیر ہر جھوٹے مطلب اور افسانے کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور اگر بعضوں نے سند و ماخذ کا ذکر کیا بھی ہے تو وہ سند و مآخذ صحیح نہیں ہیں کیونکہ افسانوں کیلئے سند جعل کرنا بذات خود ایک دلچسپ کارنامہ ہے جو اس افسانہ کے صحیح یا غلط ہونے پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا ہے اگر گزشتہ روایتوں کا آپس میں موجود

۱۔ انسان صورت بندر۔

تناقض اور ان کے مضمون و متون کا من گڑھت اور نا قابل قبول ہونا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ان کی نشاندہی کی گئی۔ ان کے جعلی اور جھوٹ ہونے کو ثابت کرنے میں کافی نہ ہوں اور انھیں بے اعتبار نہ کر سکیں تو ہم آنے والی فصل میں گزشتہ روایتوں کے مانند چند دوسری جھوٹی روایتوں کو نقل کریں گے جو مسلسل اور متصل سند کے ساتھ صاحب خبر تک پہنچتی ہیں تا کہ اسی قسم کی افسانوی روایتوں کی سندوں کی قدر و قیمت بیشتر واضح ہو سکے، اور معلوم ہو جائے کہ ان روایتوں کا ظاہر طور پر مستند ہونا ان کے صحیح اور حقیقی ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ بہت سی جعلی اور افسانوی روایتیں مسلسل سند کے ساتھ اصلی ناقل تک پہنچتی ہیں لیکن ہرگز صحیح اور واقعی نہیں ہوتیں۔

افسانۂ نسناس کی باسند روایتیں

اب ہم ان روایتوں کا ایک حصہ اس فصل میں ذکر کرتے ہیں جو سند کے ساتھ نقل ہوئی ہیں لیکن پھر بھی صحیح اور واقعی نہیں ہیں اس کے بعد والی فصلوں میں ان پر بحث و تحقیق کریں گے نتیجہ کے طور پر اس حقیقت تک پہنچ جائیں گے کہ صرف سند نقل کرنا روایت کے صحیح اور اصلح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

۱۔ مسعودی، عبداللہ بن سعد بن کثیر بن عفیر مصری سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ یعقوب بن حارث بن نجم سے اور وہ شبیب بن شیبۂ تمیمی سے نقل کرتا ہے کہ: میں ''شحر''[۱] میں اس علاقہ کے

۱۔ شحر، بحر الہند کے ساحل پر یمن کی طرف ایک علاقہ ہے (معجم البلدان)

رئیس وسر پرست کا مہمان تھا، گفتگو کے ضمن میں ''نسناس'' کی بات چھڑ گئی میزبان نے اپنے خدمت گذاروں کو حکم دیا کہ اس کیلئے ایک ''نسناس'' شکار کریں۔ جب میں دوبارہ اس کے گھر لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ خدمت گذار ایک نسناس کو پکڑ لائے ہیں نسناس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا: تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں میرے حال پر رحم کرنا میرے دل میں بھی اس کیلئے ہمدردی پیدا ہوئی، میں نے اپنے میزبان کے نوکروں سے کہا کہ اس نسناس کو آزاد کردو تا کہ چلا جائے انہوں نے میری درخواست پر نسناس کو آزاد کردیا۔ جب کھانے کیلئے دستر خوان بچھا، میزبان نے سوال کیا کیا نسناس کو شکار نہیں کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: کیوں نہیں؟

لیکن تیرے مہمان نے اسے آزاد کردیا، اس نے کہا: لہذا تیار رہنا کل نسناس کو شکار کرنے کیلئے جائیں گے دوسرے دن صبح سویرے ہم شکار گاہ کی طرف روانہ ہوئے اچانک ایک نسناس پیدا ہوا اور اچھل کود کر رہا تھا، اسکا چہرہ اور پیر انسان کے چہرہ اور پیر جیسا تھا، اس کی ٹھڈی پر چند بال تھے اور سینہ پر پستان کے مانند کوئی چیز نمودار تھی دو کتے اس کا پیچھا کر رہے تھے اور وہ کتوں سے مخاطب ہو کر درج ذیل اشعار پڑھ رہا تھا:

افسوس ہے مجھ پر! روزگار نے مجھ پر غم واندوہ ڈال دیا ہے۔

اے کتوں! ذرا میرا پیچھا کرنے سے رک جاؤ اور میری بات کو سن کر یقین کرو۔

اگر مجھ پر نیند طاری نہ ہوتی تو تم مجھے ہرگز پکڑ نہیں سکتے تھے، یا مر جاتے یا مجھ سے دور ہو جاتے

میں کمزور اور ڈرپوک نہیں ہوں اور ایسا نہیں ہوں جو خوف و ہراس کی وجہ سے دشمن سے پیچھے ہٹتا ہے۔

لیکن یہ تقدیر الٰہی ہے کہ طاقتور اور سلطان کو بھی ذلیل و خوار کر دیتا ہے[۱]

شبیب کہتا ہے کہ آخر کار ان دو کتوں نے نسناس کے پاس پہنچ کر اسے پکڑ لیا۔

۲۔ حموی معجم البلدان میں اس داستان کو شبیب سے نقل کر کے بیشتر تفصیل سے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شبیب نے کہا:

''میں شحر'' میں خاندان ''مہر'' کے ایک شخص کے گھر میں داخل ہوا یہ اس علاقہ کا رئیس اور محترم شخص تھا میں کئی روز اس کا مہمان تھا اور ہر موضوع پر بات کرتا تھا اس اثناء میں میں نے اس سے نسناس اور اس کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا اور اس نے کہا: جی ہاں نسناس اس علاقہ میں ہے اور ہم اسکا شکار کرتے ہیں اور اس کا گوشت

۱۔ الویل لی مما بہ دھانی دھری من الھموم و الاخزان
قفا قلیلاً ایھا الکلبان استمعا قولی و صدقانی
انکما حین تحاربانی الفیتما حضرا عنانی
لو لا سباتی ما ملکتمانی حتیٰ تموتا او تفارقانی
لست بخوار و لا جبان و لابنکس رعش الجنان
لکن قضاء الملک الرحمان یذل ذا القوۃ و السلطان

کھاتے ہیں مزید کہا: نسناس ایک ایسا حیوان ہے جس کے ایک ہاتھ اور ایک پیر ہیں اور اس کے تمام اعضا یعنی کان، آنکھ ایک سے زیادہ نہیں ہیں اور اس کا نصف چہرہ ہوتا ہے۔

شبیب کہتا ہے: خدا کی قسم دل چاہتا ہے کہ اس حیوان کو نزدیک سے دیکھ لوں، اس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ایک نسناس کا شکار کریں۔ میں نے دوسرے دن دیکھا کہ اس کے نوکروں نے اس حیوان کو پکڑ لیا جس کا چہرہ انسان کے جیسا تھا، لیکن نہ پورا چہرہ بلکہ نصف چہرہ اس کے ایک ہاتھ تھا وہ بھی اس کے سینہ پر لٹکا ہوا تھا اسی طرح اس کا پیر بھی ایک ہی تھا جب نسناس نے مجھے دیکھا تو کہا؛ میں خدا کی اور تیری پناہ چاہتا ہوں میں نے نوکروں سے کہا کہ اسے آزاد کر دو انہوں نے میرے جواب میں کہا: اے مرد! یہ نسناس تجھے فریب نہ دے کیونکہ یہ ہماری غذا ہے لیکن میرے اصرار اور تاکید کے نتیجہ میں انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ اور نسناس بھاگ گیا اور طوفان کی طرح چلا گیا اور ہماری آنکھوں سے غائب ہو گیا جب دوپہر کے کھانے کا وقت آیا اور دسترخوان بچھایا گیا تو میزبان نے اپنے نوکروں سے سوال کیا: کیا میں نے کل تمہیں نہیں کہا تھا کہ ایک نسناس کا شکار کرنا؟ انہوں نے کہا: ہم نے ایک کو شکار کیا تھا لیکن تیرے مہمان نے اسے آزاد کر دیا میزبان نے ہنس کر کہا: لگتا ہے کہ نسناس نے تجھے فریب دیا ہے کہ تم نے اسے آزاد کیا ہے اس کے بعد نوکروں کو حکم دیا کہ کل کیلئے ایک نسناس کا شکار کریں شبیب کہتا ہے: میں نے کہا اجازت دو گے کہ میں بھی تیرے

غلاموں کے ہمراہ شکارگاہ جاؤں اور نسناس کوشکار کرنے میں ان کی مدد کروں؟ اس نے کہا: کوئی مشکل نہیں ہے، ہم شکاری کتوں کے ہمراہ شکارگاہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات کے آخری حصہ میں ایک بڑے جنگل میں پہنچے، اچانک ایک آواز سنی جیسا کہ کوئی فریاد بلند کررہا تھا: اے ابومجمر! صبح ہوچکی ہے، رات نے اپنا دامن سمیٹ لیا ہے، شکاری سر پر پہونچ چکا ہے لہذا جلدی سے اپنے آپ کو کسی پناہ گاہ میں پہنچادو![1]

دوسرے نے جواب میں کہا: **كلي و لا تراعي** ''کھاؤ اور ناراض مت ہو''

راوی کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ ''ابومجمر'' کو دو کتوں نے محاصرہ کیا ہے اور وہ یہ اشعار پڑھ رہا ہے: **الويل لي مما دهاني** ..تا آخر اشعار (کہ گزشتہ روایت میں ملاحظہ فرمایا)

شبیب کہتا ہے: آخرکار وہ دو کتے ''ابومجمر'' کے نزدیک پہنچے اور اسے پکڑ لیا۔ جب دوپہر کا وقت آیا نوکروں نے اسی ابومجمر کا کباب بنا کر میزبان کے دسترخوان پر رکھا۔

۳۔ پھر یہی حموی، حسام بن قدامہ اور وہ اپنے باپ سے اور وہ بھی اپنے باپ سے نقل کرتا ہے: میرا ایک بھائی تھا، اس کا سرمایہ ختم ہوا تو وہ تنگ دست ہوگیا۔ سرزمین ''شحر'' میں ہمارے چند چچیرے بھائی تھے۔ میرا بھائی اس امید سے کہ چچیرے بھائی اس کی کوئی مالی مدد کریں گے ''شحر'' کی طرف روانہ ہوا۔ چچیرے بھائیوں نے اس کی آمد کو غنیمت سمجھ کر اس کا استقبال کیا اور اس کی مہمان

۱۔ **يا ابا مجمر! ان الصبح قد اسفر ، و الليل قد ادبر و القنيص قد حضر فعليک بالوزر .**

نوازی اور خاطر تواضع کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی ۔ایک دن اسے کہا کہ اگر ہمارے ساتھ شکار گاہ آ جاؤ گے تو تیرے لئے یہ سیر و سیاحت نشاط و شادمانی کا سبب ہوگی ۔مہمان نے کہا اگر مصلحت سمجھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور ان کے ساتھ شکار گاہ کی طرف روانہ ہوا یہاں تک ایک بڑے جنگل میں پہنچے اسے ایک جگہ پر ٹھہرا کر خود شکار کرنے کیلئے جنگل میں داخل ہوئے ۔وہ مہمان کہتا ہے: میں ایک کنارے پر بیٹھا تھا کہ اچانک دیکھا کہ ایک عجیب الخلقہ مخلوق جنگل سے باہر آئی ظاہری طور پر یہ مخلوق انسان سے شباہت رکھتی تھی اس کے ایک ہاتھ اور ایک پیر تھا اور ایک آنکھ اور نصف ریش یہ جانور فریاد بلند کر رہا تھا: الغوث ! الغوث! الطريق الطريق عافاک الله (مدد ! مدد! راستہ چھوڑو! راستہ چھوڑو! خدا تجھے سلامت رکھے)

داستان کا راوی کہتا ہے: میں اسکے قیافہ اور ہیکل کو دیکھ کر ڈر گیا اور بھاگ کھڑا ہوا اور متوجہ نہیں ہوا کہ یہ عجیب مخلوق وہی شکار جس کے بارے میں میرے میزبان نے گفتگو کی تھی ، وہ جانور جب اچھلتے کودتے ہوئے میرے نزدیک سے گزر رہا تھا تو درج ذیل مضمون کے اشعار پڑھ رہا تھا۔

صیاد کی صبح ہوئی شکاری کتوں کے ہمراہ شکار پر نکل پڑے ہیں آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے نجات کا راستہ ہے۔

لیکن موت سے کہاں فرار کیا جا سکتا ہے؟ مجھے خوف دلایا جاتا اگر اس خوف دلانے میں کوئی فائدہ ہوتا!

مقدر کے تیر کا خطا ہونا بعید ہے تقدیر سے بھاگنا ممکن نہیں[۱]

جب وہ مجھ سے دور چلا گیا، تو فوراً میرے رفقاء جنگل سے باہر آ گئے اور مجھ سے کہا: ہمارا شکار کہاں گیا جسے ہم نے تیری طرف کوچ کیا تھا؟ میں نے جواب میں کہا: میں نے کوئی شکار نہیں دیکھا، لیکن ایک عجیب الخلقۃ اور حیرت انگیز انسان کو دیکھا کہ جنگل سے باہر آیا اور تیزی کے ساتھ بھاگ گیا۔ میں نے اس کے قیافہ کے بارے میں تفصیلات بتاتی تو انہوں نے ہنس کر کہا: ہمارے شکار کو تم نے کھو دیا ہے میں نے کہا؛ سبحان اللہ کیا تم لوگ آدم خور ہو؟ جس کو تم اپنا شکار بتاتے ہو وہ تو آدم زاد تھا باتیں کرتا تھا اور شعر پڑھتا تھا۔ انہوں نے جواب میں کہا: بھائی! جس دن سے تم ہمارے گھر میں داخل ہوئے ہو صرف اسی کا گوشت کھاتے ہو، کبھی کباب کی صورت میں تو کبھی شوربے دار گوشت کی صورت میں ۔ میں نے کہا: افسوس ہو تم پر! کیا ان کا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور حلال ہے؟ انہوں نے کہا؛ جی ہاں چونکہ یہ پیٹ والے ہیں اور جگالی بھی کرتے ہیں لہذا ان کا گوشت حلال ہے۔

۴۔ پھر سے حموی ''ذغفل'' نسابہ[۲] سے اور وہ ایک عرب شخص سے نقل کرتا ہے کہ میں چند

۱۔ غدا القنیص فابتکر باکلب وقت السحر
لک النجا وقت الذکر ووزر و لا وزر
این من الموت المفر ؟ حذّرت لو یغنی الحزر
هیهات لن یخطی القدر من القضاء این المفر؟!

۲۔ ذغفل، حنظلہ بن زید کا بیٹا ہے ابن ندیم کہتا ہے: ذغفل کا اصل نام حجر ہے اور ذغفل اس کا لقب ہے اس نے عصر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو درک کیا ہے لیکن اس کا صحابی ہونا علماء تراجم کے یہاں اختلافی مسئلہ ہے قول صحیح یہ ہے کہ اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی ہونے کا افتخار ملا ہے معاویہ کی خلافت کے دوران اس کے پاس گیا معاویہ نے اس سے ادبیات، انساب عرب اور علم نجوم کے

لوگو کے ہمراہ ''عالج'' کے صحرا میں چل رہے تھے کہ اتفاق سے ہم راستہ بھول گئے یہاں تک سمندر کے ایک ساحل پر واقع جنگل میں پہنچ گئے اچانک دیکھا کہ اس جنگل سے ایک بلند قامت بوڑھا باہر آیا۔ اس کے سر وصورت انسان کے مانند تھے لیکن بوڑھا تھا ایک ہی آنکھ رکھتا تھا اور تمام اعضاء ایک سے زیادہ نہ تھے جب اس نے ہمیں دیکھا تو بڑی تیزی سے تیز رفتار گھوڑے سے بھی تیز تر رفتار میں بھاگ گیا، اسی حالت میں اس مضمون چند اشعار بھی پڑھتا جارہا تھا:

خارجی مذہب والوں کے ظلم سے تیزی کے ساتھ فرار کررہا ہوں چونکہ بھاگنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔

میں جوانی میں بڑا طاقتور اور چالاک تھا لیکن آج کمزور اور ضعیف ہوگیا ہوں[۱]

۵۔ پھر حموی کہتا ہے: یمن کے لوگوں کی روایتوں میں آیا ہے کہ کچھ لوگ نسناس کے شکار کیلئے گئے لشکر گاہ میں انہوں نے تین نسناسوں کو دیکھا ان میں سے ایک کو شکار کیا۔ باقی دو نسناس درختوں کی پیچھے چھپ گئے اور شکاری انھیں ڈھونڈ نہ سکے۔ ایک شکار جس نے نسناس کا شکار کیا تھا نے

بارے میں چند سوال کئے اس کی معلومات کی وسعت اسے بہت پسند آئی حکم دیا تا کہ اس کے بیٹے کو علم انساب، نجوم، اور ادبیات سکھائے، دغفل جنگ ازارقہ میں ۶۰ھ سے پہلے دولاب فارس میں ڈوب گیا۔ فہرست ابن ندیم ۱۳۱، والمجر ۴۷۸، اسدالغابہ ۱۳۲/۲ اصابہ ۱/۴۶۴ نمبر ۲۳۹۹ اور تقریب التہذیب ۲۳۶/۱ رجوع کیا جائے۔

۱۔ فررت من جود الشراة شدا اذ لم اجد من القرار بدا
قد كنت دهراً فى شبابى جلدا فها انا اليوم ضعيف جدا

کہا: خدا کی قسم جسے ہم نے شکار کیا ہے بہت ہی چاق اور سرخ خون والا ہے جب اسکی آواز کو درختوں میں چھپے نسناسیوں نے سنی تو انمیں سے ایک نے بلند آواز میں کہا: چونکہ اس نے "صرو"[۱] کے دانے زیادہ کھائے تھے لہذا چاق ہوا ہے جب شکاریوں نے اس کی آواز سنی اس کی طرف دوڑے اور اسے بھی پکڑ لیا۔ ایک شکاری نے۔ جس نے اس نسان کا سر کاٹا تھا۔ کہا:

خاموشی اور سکوت کتنی اچھی چیز ہے؟ اگر یہ نسناس زبان نہ کھولتا ہم اس کی مخفی گاہ کو پیدا نہیں کر سکتے اور اسے پکڑ نہیں سکتے تھے اسی اثناء میں درختوں کے بیچ میں تیسرے نسناس کی آواز بھی بلند ہوئی اور اس نے کہا: دیکھئے میں خاموش بیٹھا ہوں اور زبان نہیں کھولتا ہوں۔ جب اس کی آواز کو شکاریوں نے سنا تو اسے بھی پکڑ لیا اس طرح تینوں نسناسوں کو پکڑ کر ذبح کیا اور ان کا گوشت کھالیا۔

یہ تھا ان روایتوں کا ایک حصہ جنہیں سند کے ساتھ نسناس کے بارے میں نقل کیا گیا ہے اگلی فصل میں اور بھی کئی روایتیں نسناس کے وجود کے بارے میں نقل کر کے ان پر بحث و تحقیق کریں گے۔

۱۔ صرو ایک گھاس ہے جس میں سبز اور چھوٹے دانے ہوتے ہیں۔

نسناس کے پائے جانے اور اسکے معنی کے بارے میں نظریات

انّ حیّاً من قوم عاد عصوا رسولهم فمسخهم الله نسناساً

قوم عاد کے ایک گروہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی تو خدا نے انھیں نسناس کی صورت میں مسخ کر دیا۔ (بعض لغات کی کتابیں)

ہم نے گزشتہ فصل میں نسناس کے بارے میں کئی روایتیں نقل کیں۔ اب ہم اس فصل میں نسناس کے وجود اور تعارف کے بارے میں کئی دوسری روایتیں نقل کریں گے اور اس کے بعد ان روایتوں پر بحث و تحقیق کریں گے۔

۱۔ حموی نے احمد بن محمد ہمدانی[1] کی کتاب سے نسناس کے وجود کے بارے میں یوں نقل کیا ہے:

''آدم'' کی بیٹی ''وبار'' ہر سال صنعا میں ''شحر'' اور ''تخوم'' کے درمیان واقع ایک وسیع اور سرسبز

۱۔ احمد بن محمد بن اسحاق، معروف بہ ابن الفقیہ ہمدانی صاحب ایک کتاب ہے جو ملکوں اور شہروں کی شناسائی پر ہے اور یہ کتاب دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے اس کی وفات ۳۴۰ھ میں واقع ہوئی ہے فہرست ابن ندیم ۲۱۹ اور ھدیۃ العارفین۔

شاداب محل میں کچھ مدت گزاری تھی چونکہ یہ علاقہ روئے زمین پر پر برکت ترین، سرسبز وشاداب ترین علاقہ تھا اور دنیا کے دوسرے حصوں کی نسبت یہاں پر بیشتر درخت، باغات، میوہ اور پانی جیسی نعمتیں تھیں، اس لئے تمام علاقوں سے مختلف قبائل وہاں جا کر جمع ہوتے تھے بہت سی زمینیں آباد کی گئیں تھی اور ان کی ثروت دن بہ دن بڑھتی جارہی تھی، اس لئے ان لوگوں نے تدریجاً عیاشی اور خوش گزرانی کے لئے اپنا ٹھکانا بنالیا تھا اور کفر والحاد کی طرف مائل ہوگئے تھے اور طغیانی و بغاوت پر اتر آئے تھے خداوند عالم نے بھی ان کی اس نافرمانی اور بغاوت کے نتیجہ میں ان کی تخلیق وقیافہ کو مسخ کر کے انھیں نسناس کی صورت میں تبدیل کردیا تا کہ ان کے زن ومرد نصف سروصورت اور ایک آنکھ ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ والے ہوجائیں، وہ اس قیافہ و ہیکل کی حالت میں سمندر کے کنارے نیزاروں (جھاڑیوں) میں پھرتے تھے اومویشیوں کی طرح چرا کرتے تھے۔

۲۔ طبری نسناس کے نسب کو ابن اسحاق سے یوں نقل کرتا ہے:

'امیم بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد صحرائے ''عالج'' میں ''وبار'' کے مقام پر رہائش پذیر تھے۔ نسل کی افزائش کی وجہ سے ان کی آبادی کافی حد تک بڑھ گئی اور وہ ثروت مند ہوگئے اس کے بعد ایک گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونے کی وجہ سے خدا کی طرف سے ان پر بلا نازل ہوئی کہ اس بلا کے نتیجے میں وہ سب ہلاک ہوگئے صرف ان میں سے معدود چند افراد باقی بچے لیکن وہ دوسری صورت میں مسخ ہوئے کہ اس

وقت نسناس کے نام سے مشہور ہیں۔

۳۔ پھر سے طبری ابن کلبی[۱] سے نقل کرتا ہے: ''ابرھۃ بن رائش بن قیس صفی بن سبا بن یشجب کے بیٹے یمن کے پادشاہ نے ملک مغرب کی انتہا پر ایک جنگ لڑی اور اس جنگ میں اس نے فتح پائی ایک بڑی ثروت کو غنیمت کے طور پر حاصل کیا ان غنائم کو نسناسوں کے ساتھ لے آیا۔ وہ وحشتناک قیافہ رکھتے تھے لوگوں نے وحشت میں پڑ کر پادشاہ کو ''ذوالاذاعر'' نام رکھا یعنی رعب و وحشت والے

۴۔ کراع[۲] کہتا ہے :

نسناس نون پر زبر یا زیر سے ـــ نقل ہوا ہے کہ ـــ وحشی حیوانوں میں سے ایک حیوان ہے کہ اسے شکار کرتے ہیں اور اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کا قیافہ انسانوں کا سا ہے اور انسانوں کی طرح گفتگو کرتے ہیں البتہ ایک آنکھ، ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ رکھتے ہیں۔

۵۔ ازھری[۳] نسناس کی یوں نشان دہی کرتا ہے:

۱۔ ابن کلبی: ہشام بن محمد کلبی نسابہ کے نام سے معروف ہے ۲۰۴ھف یا ۲۰۶ھ میں وفات پائی ہے۔

۲۔ کراع النمل: وہی ابوالحسن علی بن حسن ہنائی عضدی مصری ہے کہ چھوٹے قد کی وجہ سے ''کراع النمل'' سے معروف تھا۔ لغت عرب میں وسیع معلومات رکھتا تھا اور صاحب تالیفات بھی تھا اس نے ۳۰۹ھ کے بعد وفات پائی ہے اس کی زندگی کے حالات کے بارے میں ارشادالاریب حموی (۱۱۲۵) اور انباء الرواہ القفطی (۲۴۰/۲ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔ ازہری: ابومنصور محمد بن احمد بن ازہر علمائے لغت میں سے ہے کہتے ہیں لغت عربی کو جمع کرنے کیلئے اس نے تمام عرب نشین علاقوں کا سفر کیا ہے۔ ۳۷۰ میں وفات پائی ہے اس کی زندگی کے حالات اللباب ۳۸/۱ میں آئے ہیں۔

''نسناس ایک مخلوق ہے جو قیافہ اور ہیکل کے لحاظ سے انسان جیسے ہیں لیکن جنس بشر سے نہیں ہیں بعض خصوصیات میں انسان سے مشابہ ہیں اور بعض دوسرے خصوصیات میں انسان سے مشابہ نہیں ہیں۔

۶۔ جوہری[1] صحاح اللغۃ میں یوں کہتا ہے: نسناس ایک قسم کی مخلوق ہے جو ایک ٹانگ پر چلتے اور اچھل کود کرتے ہیں۔

۷۔ زبیدی نے ''ابی الدقیش''[2] سے ''التاریخ'' میں یوں نقل کیا ہے کہ نسناس سام بن سام کی اولاد تھے جو قوم عاد وثمود تھے لیکن نسناس عقل نہیں رکھتے ہیں اور ساحل ھند کے نیزاروں (جھاڑیوں) میں زندگی گذارتے ہیں عرب اور صحرانشین انھیں شکار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں نسناس عربی زبان میں بات کرتے ہیں نسل کی نسل بڑھاتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں، اپنے بچوں کے نام عربی میں رکھتے ہیں۔

۱۔ جوہری: ابونصر اسماعیل بن حماد ہے ان کی نسب بلاد ترک کے فاراب سے ہے اس نے عراق اور حجاز کے سفر کئے ہیں تمام علاقوں کا دورہ کیا ہے اس کے بعد نیشابور آیا ہے اور اسی شہر میں سکونت کی ہے لکڑی سے دو تختوں کو پروں کے مانند بنا کر انھیں آپس میں ایک رسی سے باندھا اور چھت پر جا کر آواز بلند کی لوگو! میں نے ایک ایسی چیز بنائی ہے جو بے مثال ہے ابھی میں ان دو پروں کے ذریعہ پرواز کروں گا نیشابور کے لوگ تماشا دیکھنے کیلئے جمع ہوئے اس نے اپنے دونوں پروں کو ہلا کر فضا میں چھلانگ لگا دی لیکن ان مصنوعی دو پروں نے اس کی کوئی یاری نہیں کی بلکہ وہ چھت سے زمین پر گر کر مرگیا۔ یہ روئداد ۳۴۳ھ میں واقع ہوئی۔ معجم الادباء ۲۰/۲۶۹) لسان المیزان ۱۰/۴۰۰) کی طرف رجوع فرمائیں۔)

۲۔ ابوالدقیش: قنانی غنوی ہے کہ اس کے حالات کی شرح میں فہرست ابن ندیم طبع مصر ص ۷۰ میں آیا ہے۔

۸۔ مسعودی کہتا ہے: نسناس ایک سے زیادہ آنکھ نہیں رکھتے۔ کبھی پانی سے باہر آتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اور اگر کسی انسان کو پاتے ہیں تو اسے قتل کرڈالتے ہیں۔

۹۔ نہایۃ اللغۃ''، ''لسان المیزان''، ''قاموس'' اور ''التاج'' نامی لغت کی معتبر و قابل اعتماد چار کتابوں کے مؤلفیں نے لغت ''نسناس'' کے ضمن میں اس روایت کو نقل کیا ہے کہ: قوم عاد کے ایک قبیلہ نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی تو خداوند عالم نے انھیں مسخ کر کے نسناس کی صورت میں تبدیل کر دیا کہ وہ ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ رکھتے ہیں اور وہ انسان کا نصف بدن رکھتے ہیں راستہ چلتے وقت پرندوں کی طرح اچھل کود کرتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت بھی حیوانوں کی طرح چرتے ہیں۔

۱۰۔ قاموس اور شرح قاموس التاج میں آیا ہے: کبھی کہتے ہیں کہ نسناس کی وہ نسل نابود ہو چکی ہے جو قوم عاد سے مسخ ہوئی تھی۔

کیونکہ دانشوروں نے تحقیق کی ہے کہ مسخ شدہ انسان تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا ہے لیکن اس قسم کے نسناس ـــ جنہیں بعض جگہوں پر عجیب قیافہ اور خلق میں دیکھا گیا ہے ـــ کوئی اور مخلوق ہے اور شاید نسناس تین مختلف نسل ہیں: ناس، نسناسی، اور نسانس نوع آخر کی مؤنث اور جنس مادہ ہے!

۱۱۔ پھر سے ''التاریخ'' میں ''عباب'' سے نقل کرتا ہے کہ نسل نسناس نسل نسناس سے عزیز تر و شریف تر ہے پھر ابوہریرہ سے نسناس کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس عجیب نسل سے

گروہ ''ناس'' نابود ہو گئے ہیں لیکن گروہ ''نسناس'' باقی ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔

۱۲۔ سیوطی سے نقل ہوا ہے کہ اس نے نسناس کے بارے میں یوں نظریہ پیش کیا ہے:

''لیکن وہ معروف حیوان جسے لوگ نسناس کہتے ہیں ان میں سے ایک نوع بندر کی نسل ہے اور وہ پانی میں زندگی نہیں کر سکتے یہ حرام گوشت ہیں لیکن ان حیوانوں کی دوسری نوع جو دریائی ہیں اور پانی میں زندگی بسر کرتے ہیں، ان کا گوشت حلال ہونے میں دو احتمال ہے ''رویانی''[۱] اور بعض دوسرے دانشور کہتے ہیں: ان کا گوشت حلال اور خوردنی ہے۔

۱۳۔ شیخ ابو حامد غزالی[۲] سے نقل ہوا ہے کہ نسناس کا گوشت حلال نہیں ہے کیونکہ وہ خلقت انسان کی ایک مخلوق ہے۔

۱۴۔ مسعودی 'مروج الذہب'' میں نقل کرتا ہے:

''متوکل نے اپنی خلافت کے آغاز میں حنین بن اسحاق[۳] سے کہا کہ چند افراد کو ''نسناس'' اور

۱۔ رویانی رویان سے منسوب ہے اور رویان طبرستان کے پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا شہر ہے حموی نے رویان کی تشریح میں کہا ہے رویان ایک شہر ہے علماء اور دانشوروں کا ایک گروہ اسی شہر سے منسوب ہے جیسے: ابولمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل بن محمد رویانی طبری جو قاضی اور مذہب شافعی کے پیشواؤں میں سے ایک ہے اور اس شخص نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں علم فقہ میں بھی ایک بڑی کتاب ''البحر'' تصنیف کی ہے سخت تعصب کی وجہ سے ۵۰۰ھ یا ۵۰۱ھ میں مسجد جامع آمل میں اسے قتل کیا گیا۔

۲۔ ابو حامد: محمد بن محمد بن محمد غزالی ہے ایک گاؤں سے منسوب ہے جس کا نام غزالہ ہے یا یہ کہ منسوب بہ غزل ہے وہ ایک فلاسفر اور صوفی مسلک شخص ہے اس نے حجۃ الاسلام کا لقب پایا ہے دوسو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں اور مختلف شہروں جیسے: نیشابور، بغداد، حجاز، شام اور مصر کے سفر کئے ہیں اور وہاں سے اپنے شہر طابران واپس آیا ہے اور وہیں پر ۵۰۵ھ میں وفات پائی ہے۔

۳۔ حنین بن اسحاق کا باپ اہل حیرہ عراق تھا بغداد کے علماء کا رئیس تھا اس کی کنیت ابوزید اور لقب عبادی تھا ۲۶۰ھ میں اس نے وفات پائی (وفیات الاعیان)۔

''عربد''[۱] لانے کیلئے یتار کرے۔ کئی لوگ گئے، لیکن انہوں نے جتنی بھی کوشش اور کاروائی کی صرف دو نسناس کو متوکل کی حکومت کے مرکز ''سر من رای'' تک صحیح وسالم پہنچا سکے۔

اس کے بعد مسعودی کہتا ہے:

''ہم نے اس روداد کی تفصیل اور تشریح اپنی کتاب ''اخبار الزمان'' میں درج کی ہے، اور وہاں پر اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ان لوگوں کو ''عربد'' لانے کیلئے ''یمامہ اور نسناس'' لانے کیلئے ''شحر'' بھیجا گیا تھا۔

یہ تھیں افسانۂ نسناس اور اس کے پائے جانے کے بارے میں روایتیں جو نام نہاد معتبر اسلامی کتابوں میں درج کی گئی ہیں اور یہ روایتیں سند اور راویوں کے سلسلہ کے ساتھ اصلی ناقل تک پہنچی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ تمام روایتیں جھوٹ اور افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ ان کی اسناد اور راویوں کا سلسلہ بھی جھوٹ کو مضبوط اور مستحکم کرنے کیلئے جعل کیا گیا ہے اگلی فصل میں یہ حقیقت اور بھی واضح ہوگی۔

۱۔ ''عربد'' سانپ جیسا ایک حیوان ہے لیکن نہ ڈنک مارتا ہے اور نہ کسی قسم کی تکلیف پہنچاتا ہے۔

بحث کا خلاصہ اور نتیجہ

افسانہ نسناس کے اسناد

ہم نے گزشتہ دو فصلوں میں نسناس کے وجود اور پیدائش کے بارے میں نقل کی گئی روایتوں کو انکے اسناد اور راویوں کے سلسلہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دیکھا کہ یہ روایتیں ایسے افراد سے نقل کی گئی ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے نسناس کو دیکھا ہے اور اپنے کانوں سے ان کی گفتگو واشعار اور ان کا قسم کھانا سنا ہے اسے دیکھا ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ اور ایک آنکھ اور نصف صورت کے باوجود بظاہر شبیہ انسان طوفان کے مانند تیز رفتار گھوڑے سے بھی تیز تر دوڑتے تھے۔

ان دو روایتوں کو ایسے افراد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نسناس کا شکار کرنے اور اس کا گوشت کباب اور شوربہ دار گوشت کی صورت میں کھانے میں شرکت کی ہے۔

ایسے افراد سے بھی روایت کی ہے کہ اس کے گوشت کے حلال ہونے میں اشکال کیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ نسناس انسان کی ایک قسم ہے اور گفتگو و شعر کہتا ہے اس لئے حرام ہے اس کے مقابلہ میں

بعض دوسرے افراد نے کہا ہے کہ نسناس کا گوشت حلال ہے کیونکہ وہ پیٹ رکھتا ہے اور حیوانوں کے مانند جگالی کرتا ہے۔

ان روایتوں کو ایسے افراد نے نقل کیا ہے کہ خود انہوں نے خلیفہ عباسی متوکل کو دیکھا ہے کہ اس نے اپنے زمانے کے بعض حکماء کو بھیجا کہ اس کیلئے ''عربد'' اور ''نسناس'' شکار کر کے لائیں اور ان کے توسط سے دو عدد نسناس سامراء پہنچے ہیں۔

ایسے افراد سے ان روایتوں کو نقل کیا گیا ہے کہ وہ خود نسناس شناس ہیں اور انہوں نے نسناس کے شجرہ نسب کے بارے میں تحقیق کی ہے اور اپنا نظریہ پیش کیا ہے اور ان کا شجرۂ نسب بھی مرتب کیا ہے اور اس طرح نسناس کی نسل حضرت نوح تک پہنچتی ہے وہ امیم بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد ہیں جب بغاوت کر کے معصیت و گناہ میں حد سے زیادہ مبتلا ہوئے تو خداوند عالم نے انھیں مسخ کیا ہے۔

ان تمام مسلسل اور باسند روایتوں کو علم تاریخ کے بزرگوں، علم رجال کے دانشوروں اور علم انسان کے اساتذہ نے نقل کیا ہے، جیسے:

۱۔ عظیم ترین اور قدیمی ترین عرب نسب شناس ابن اسحاق (وفات ۶۸ھ)

۲۔ مغازی اور تاریخ کے دانشوروں کا پیشوا ابن اسحاق (وفات ۱۵۱ھ)

۳۔ نسب شناسوں کا امام و پیشوا: ابن کلبی (وفات ۲۰۴ھ)

۴۔مؤرخین کے امام وپیشوا:طبری (وفات ۳۱۰ھ)

۴۔جغرافیہ دانوں کے پیش قدم:ابن فقیہ ھمدانی (وفات ۳۴۰ھ)

۶۔تاریخ نویسوں کے علامہ:مسعودی (وفات ۳۴۶ھ)

۷۔علم بلدان کے عظیم دانشور:حموی (وفات ۶۲۶ھ)

۸۔مختلف علم کے علامہ واستاد:ابن اثیر (وفات ۶۳۰ھ)

جی ہاں ہم نے گزشتہ صفحات میں جتنے بھی مطالب نسناس کے بارے میں بیان کئے ہیں ان کو مذکورہ، تاریخ، لغت، اور دیگر علوم میں مہارت اور تخصص رکھنے والے علماء نے اپنی کتابوں اور تالیفات میں نقل کیا ہے۔

تعجب کی حد یہ ہے کہ کبھی اس افسانہ کو حدیث کی صورت میں نقل کیا گیا ہے اور اس کی سند کو معصوم تک پہنچادیا ہے: نسناس قوم عاد سے تھے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی تو خدا نے انھیں مسخ کر دیا کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک ہاتھ، ایک ٹانگ اور نصف بدن ہے اور پرندوں کی طرح اچھل کود کرتے ہیں اور مویشیوں کی طرح چرتے ہیں۔

پھر روایت کی ہے کہ نسناس قوم عاد سے ہیں۔بحر ہند کے ساحل پر نیزاروں میں زندگی کرتے ہیں اور ان کی گفتگو عربی زبان میں ہے۔

اپنی نسل بھی بڑھاتے ہی شعر بھی کہتے ہیں اپنی اولاد کیلئے عربی ناموں سے استفادہ کرتے

ہیں۔

اس کے بعد ان علماء نے نسناس کے گوشت کے حلال ہونے میں اختلاف کیا ہے بعض نے اس کے حلال ہونے کا حکم دیا ہے اور بعض دوسروں نے اسے حرام قرار دیا ہے لیکن جلال الدین سیوطی تفصیل کے قائل ہوئے ہیں اور صحرا کے نسناسوں کو حرام گوشت لیکن سمندری نسناسوں کو حلال گوشت جانا ہے۔

یہ عقائد و نظریات اور یہ روایتیں اور نقلیات بزرگ علماء اور دانشوروں کی ہیں کہ ان میں سے بعض کے نام ہم نے بیان کئے ہیں اور بعض دوسروں کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ کراع، ''التاج'' کی نقل کے مطابق: وفات ۳۰۹ھ

۲۔ ازہری: تھذیب کے مطابق: وفات ۳۷۰ھ

۳۔ جوہری: صحاح کے مطابق: وفات ۳۹۳ھ

۴۔ رویانی: ''التاج'' کے مطابق: وفات ۵۰۲ھ

۵۔ غزالی: ''التاج'' کے مطابق: وفات ۵۰۵ھ

۶۔ ابن اثیر: نہایۃ اللغۃ کے مطابق: وفات ۶۰۶ھ

۷۔ ابن منظور: لسان العرب کے مطابق: وفات ۷۱۱ھ

۸۔ فیروز آبادی: قاموس کے مطابق: وفات ۸۱۸ھ

۹۔ سیوطی: التاج کے مطابق: وفات ۹۱۱ھ

۱۰۔ زبیدی: تاج العروس کے مطابق: وفات ۱۲۰۵ھ

۱۱۔ فرید وجدی دائرۃ المعارف کے مطابق: وفات ۱۳۷۳ھ

افسانۂ سبئیہ اور نسناس کا موازنہ

کیا مختلف علوم کے علماء و دانشوروں کے نسناس کے بارے میں ان سب مسلسل اور باسند روایتوں کا اپنی کتابوں اور تالیفات میں درج کرنے اور محققین کی اس قدر دلچسپ تحقیقات اور زیادہ سے زیادہ تاکید کے بعد بھی کوئی شخص نسناس کی موجودگی حتی ان کے نر و مادہ اور ان کی شکل و قیافہ کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہہ کرسکتا ہے؟!

کیا کوئی ''نسناس''، ''عنقاء''، ''سعلات البر'' اور ''دریائی انسان''[1] جیسی مخلوقات کے بارے

۱۔ عنقاء: کہا گیا ہے کہ عنقاء مغرب میں ایک پرندہ ہے جس کے ہر طرف چار پر ہیں اور اس کی صورت انسان جیسی ہے اس کا ہر عضو کسی نہ کسی پرندہ کے مانند ہے اور اس کے علاوہ مختلف حیوانوں سے بھی شباہت رکھتا ہے کبھی انسانوں کو شکار کرتا ہے ابن کثیر ۱۳/۸۵، مسعودی مروج الذہب ۲/۲۱۲ نے عنقاء کے بارے میں مفصل و مشروح روایت کی سند کے سلسلہ کے ساتھ نقل کیا ہے ''سعلات'' عرب دیو کی مادہ کو ''سعلات'' کہتے ہیں (تاج العروس ۸/۱۵) صحرا نشین عرب خیالی کرتے تھے کہ سعلات اور غول (دیو) دو زندہ مخلوق ہیں کہ بیابانوں میں زندگی گزارتے ہیں اور ان دونوں کے بارے میں بہت سے اشعار اور حکایتیں بھی نقل کی گئی ہیں مروج الذہب (۲/ ۱۳۴۔۱۳۷/ باب ذکر اقاویل العرب فی الغیلان) یہیں پر مسعودی عمر ابن خطاب سے نقل کرتا ہے کہ اس نے شام کی طرف اپنے ایک سفر میں ایک بیابان میں ایک جن کو دیکھا تو اس نے چاہا اس طرح اس کو بھی فریب دے جس طرح وہ لوگوں کو فریب دیتا ہے لیکن عمر نے اسے فرصت نہیں دی اور تلوار سے اسے قتل کیا۔

انسانی دریائی: عربوں اور غیر عربوں میں انسان دریائی کے بارے میں داستانیں اور افسانے نقل ہوئے ہیں زبان زد عام وخاص ہیں۔

میں شک کرسکتا ہے جبکہ ان کے نام ان کی داستانیں اور ان کے واقعات باسند اور مرسل طور پر علماء کی کتابوں میں وافر تعداد میں درج ہو چکی ہیں؟

علماء اور دانشوروں کی طرف سے ''ناووسیہ''، ''غرابیہ''، ''ممطورہ'' ''طیارہ'' اور سبئیہ'' کے بارے میں اس قدر مطالب نقل کرنے کے بعد کیا کوئی شخص مسلمانوں میں ان گروہوں اور فرقوں کی موجودگی کے بارے میں شک وشبہ کرسکتا ہے؟ جی ہاں، ہم دیکھتے ہیں کہ گروہ سبیئہ اور نسناس کے بارے میں جو افسانے نقل ہوئے ہیں باوجود اس کے کہ علماء اور دانشوروں نے انھیں صدیوں تک سنا اور سلسلہ راویوں کے ساتھ نقل کیا ہے آپس میں کافی حد تک شباہت رکھتے ہیں ہماری نظر میں صرف مطالعہ اور ان دو افسانوں کے طرز وطریقہ پر دقت کرنے سے ان کا باطل اور خرافات پر مشتمل ہونے کو ہر فرد عاقل اور روشن فکر کیلئے ثابت کیا جاسکتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ افسانہ سبیئہ میں موجود اختلافات وتناقض کو جو افسانہ نسناس میں موجود نہیں ہیں اضافہ کیا جائے کہ خود یہ تناقص واختلاف سبب بنے گا کہ یہ روایتیں ایک دوسرے کے اعتبار کو گرادیں گی اور اس طرح ان روایتوں پر کسی قسم کا اعتبار باقی نہیں رہے گا اور ان کی تحقیق وبحث کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

اگر طے ہو کہ گروہ سبیہ، ابن سوداء اور ابن سبا کے بارے میں بیشتر وضاحت پیش کریں اور طول تاریخ میں ان کے تحولات پر بحث وتحقیق کریں تو کتاب کی مستقل حصہ کی ضرورت ہے۔

یہاں پر اس کتاب کے اس حصہ کو اختتام تک پہنچاتے ہیں اور دوسرے ضروری مطالب کو

اگلے حصہ پر چھوڑتے ہیں ہم اس دینی اور علمی فریضہ کو انجام دینے میں خداوند عالم سے مدد چاہتے ہیں۔

دوسرے حصے کے مآخذ

۱۔اشعری: سعد بن عبداللہ کتاب ''المقالات والفرق'' ۲۰۔۲۱ میں

۲۔نوبختی: کتاب ''فرق الشیعہ'' ۲۲۔۲۳ میں

۳۔اشعری: علی ابن اسماعیل، کتاب ''مقالات اسلامیین'' ۱/۸۵

۴۔ملطی: کتاب ''التنبیہ والرد'' ۲۵۔۲۶ و۱۴۸

۵۔بغدادی: کتاب ''الفرق'' ۱۴۳

۶۔بغدادی: کتاب الفرق ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۸اور ۳۹ اور کتاب ''اختصار الفرق'' تالیف عبدالرزاق ۱۲۳، ۱۴۲، ۲۲، ۲۵، ۵۷

۷۔ابن حزم: کتاب ''الفصل''، طبع محمد علی صبیح ۴/۱۴۲ اور طبع التمدن ۴/۱۸۶ اور ۴/۱۳۸

۸۔البداء والتاریخ ۵/۱۲۹۔۱۳۰

۹۔ذہبی: کتاب ''میزان الاعتدال'' شرح حال عبداللہ بن سبا، نمبر ۴۳۴۲

۱۰۔ابن حجر کتاب ''لسان المیزان'' ۳/۲۸۹ شرح حال نمبر ۱۲۲۵۔

۱۱۔ مقریزی: کتاب ''الخطط'' روافض کے نو گروہوں میں سے پانچویں گروہ میں ۱۸۲/۴ و ۴/ ۱۸۵۔

۱۲۔ ابن خلدون: مقدمہ میں ۱۹۸ طبع بیروت میں کہتا ہے: فرقہ امامیہ میں بھی جو گروہ وجود میں آئے ہیں جو غالی اور انتہا پسند ہیں انہوں نے ائمہ کے بارے میں غلو کیا ہے اور دین اور عقل کے حدود سے تجاوز کر گئے ہیں اور ان کی الوہیت اور ربوبیت کے قائل ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس سلسلے میں مبہم اور پیچیدہ بات کرتے ہیں جس سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس گروہ کے عقیدہ کے مطابق ائمہ بشر ہیں اور خدا کی صفات کے حامل ہیں یا یہ کہ خدا خود ہی ان کے وجود میں حلول کر گیا ہے دوسرے احتمال کے بناء پر وہ حلول کے قائل ہیں جس طرح عیسائی حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں قائل تھے جبکہ علی ابن ابیطالب نے ان کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھنے والوں کو جلا دیا ہے۔

۱۳۔ مسعودی: ۲۰۸/۲۔۲۱۰

۱۴۔ معجم البلدان: لفظ ''شحر'' کی تشریح میں۔

۱۵۔ معجم البلدان: لفظ ''وبار'' کی تشریح میں: ۸۹۹/۱۴۔۹۰۰

۱۶۔ معجم البلدان: لفظ ''وبار'' کی تشریح میں

۱۷۔ معجم البلدان: لفظ ''وبار'' کی تشریح میں، مسعودی نے بھی اسی مطلب کو مختصر تفاوت کے ساتھ 'مروج الذہب'' ۲۰۸/۲۔۲۱۰ درج کیا ہے۔

۱۸۔ معجم البلدان: لفظ ''شحر'' کی تشریح میں اس کا خلاصہ ''مختصر البلدان'' ابن فقیہ ۳۸ میں آیا ہے۔

۱۹۔ ''طبری'' ۱/۲۱۴، ''ابن اثیر'' ۱/۵۸

۲۰۔ طبری ۱/۴۴۱۔۴۴۲

۲۱۔ لسان العرب ابن منظور و تاج العروس زبیدی لفظ نسناس کی تشریح میں۔

۲۲۔ لسان لعرب ابن منظور و قاموس فیروز آبادی، لفظ نسناس کی تشریح میں

۲۳۔ نہایۃ اللغۃ: ابن اثیر

۲۴۔ مروج الذہب، ۱/۲۲۲

۲۵۔ مروج الذہب، ۲/۲۱۱ اس نے اسی جگہ پر نسناس سے مربوط روایتوں کو نقل کیا ہے پھر اس مخلوق کے وجود کے بارے میں شک وشبہہ کیا ہے۔

تیسری فصل

عبداللہ بن سبا اور سبائی کون ہیں؟

- سبا اور سبئی کا اصلی معنی
- لغت میں تحریف
- مغیرہ کے دوران حجر بن عدی کا قیام
- حجر ابن عدی کی گرفتاری
- حجر اور اُن کے ساتھیوں کا قتل
- حجر کے قتل ہو جانے کا دلوں پر اثر
- حجر کی روداد کا خلاصہ
- لفظ سبئی میں تحریف کا محرک
- لفظ سبئی میں تحریف کا سلسلہ
- افسانہ سیف میں سبیئہ کا معنی
- عبداللہ بن سبا کون ہے؟
- ابن سودا کون ہے؟
- اس حصہ کے مآخذ

سبا و سبئی کا اصلی معنی

لسبأ بن يشجب بن يعرب سليل قحطان قريع العرب

سبا بن یشجب بن یعرب نسل قحطان اور عرب کا منتخب شدہ ہے۔

انساب سمعانی

کتاب کے اس حصہ میں بحث کے عناوین

ابن سبا اور سبئیہ کے بارے میں جو تمام افسانے ہم نے گزشتہ فصلوں میں نقل کئے اور اس کے بارے میں جو روایتیں حدیث اور رجال کی کتابوں میں درج ہوئی ہیں وہ سب کی سب درج ذیل تین ناموں کیلئے جعل کی گئی ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن سبا

عبداللہ بن سودا

۳۔ سبئیہ و سبائیہ

حقیقت کو روشن کرنے کیلئے ہم مجبور ہیں کہ جہاں تک ہمیں فرصت اجازت دے مذکورہ عناوین میں سے ہر ایک کے بارے میں الگ الگ بحث و تحقیق کریں۔

سبئی کا معنی:

''سبائیہ'' و''سبیہ'' دو لفظ ہیں کہ از لحاظ لفظ و معنی ''یمانیہ'' و''یمنیہ'' کے مانند ہیں۔

سمعانی (وفات ۵۶۲ھ) اپنی انساب میں مادہ ''السبئی'' میں اس لفظ کی وضاحت میں کہتا ہے: ''سبئی'' سین مہملہ پر فتحہ اور باء نقطہ دار سے ''سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان'' سے منسوب ہے۔

ابوبکر حازمی ہمدانی (وفات ۵۸۴ھ) کتاب ''عجالۃ المبتدی'' میں مادہ ''سبئی'' میں کہتا ہے: ''سبئی'' سبا سے منسوب ہے کہ اس کا نام عامر بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے۔

اس کتاب کے ایک نسخہ میں آیا ہے کہ سبئی کے نسب کے بارے میں درج ذیل اشعار بھی کہے گئے ہیں:

لسبأ بن یشجب بن یعرب سلیل قحطان قریع العرب

نسب خیر مرسل نبینا عشرة الازد الاشعرینا

و حمیرا و مذحجا و کنده انما رسادسا لهم فی العدة

و قد تیامنوا من اشام له غسان لخم جذام عاملة[1]

ترمذی نے اپنی سنن میں، سورۂ سبا کی تفسیر میں اور اسی طرح ابوداؤد نے اپنی سنن میں کتاب ''الحروف'' میں بیان کیا ہے کہ: ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا ''سبا'' کیا ہے؟ کسی محلّہ کا نام ہے؟ یا کسی عورت کا نام ہے؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: سبا، نہ کسی محلّہ یا مخصوص جگہ کا نام ہے اور نہ کسی عورت کا نام بلکہ سبا ایک شخص تھا جس کی طرف سے عربوں کے دس قبیلے منسوب ہیں ان میں سے چھ خاندان عبارت ہیں: اشعری، ازد، حمیر، مذحج، انمار، اور کندہ جنہوں نے دائیں طرف سفر کیا ہے اور دوسرے چار خاندان جنہوں نے شام کی طرف سفر کیا عبارت ہیں: لخم، جذام، غسان اور عاملہ''

کتاب لساب العرب میں لفظ سبا کے بارے میں آیا ہے: ''سبا' ایک شخص کا نام ہے جس سے یمن کے تمام قبائل منسوب ہیں...''

یاقوت حموی نے ''معجم البلدان'' میں لغت ''سبا'' کے بارے میں کہا ہے: ''سبا'' س اور ب پر فتح اور ہمزہ یا الف ممدودہ کے ساتھ یمن میں ایک علاقہ کا نام ہے کہ اس علاقہ کا مرکزی شہر ''مأرب'' ہے مزید اضافہ کرتا ہے:

۱۔ بہترین پیغمبروں کو عرب کے دس قبیلوں سے نسبت دی گئی ہے کہ ان میں سے سبا بن یشجب بن یعرب ہے جو قبیلہ قحطان سے ہے اور عربوں کا سردار ہے اور فرمایا ہے کہ ان میں سے چھ قبیلے دائیں طرف سفر پر چلے گئے وہ عبارت ہیں ازد، اشعری، حمیر مذحج، کندہ، انمار، اور دوسرے چار قبیلے شام کی طرف چلے گئے کہ عبارت ہیں غسان لخم، جذام اور عاملہ۔

اس علاقے کو اس لئے سبا کہا گیا ہے کہ وہاں پر سبا بن یشجب کی اولا د سکونت کرتی تھی''

ابن حزم (وفات ۴۵۶) اپنی کتاب ''جمھرۃ الانساب'' میں جہاں پر یمانیہ کے نسب کی تشریح کرتا ہے، کہتا ہے: تمام یمانیوں کی نسل قحطان کی فرزندوں تک پہنچتی ہے اس کے بعد ''سبا'' کے مختلف خاندانوں کا نام لیتا ہے اوران خاندانوں میں سے ایک کی تشریح میں کہتا ہے وہ سبائی ہیں اور سبائی کے علاوہ اس خاندان کیلئے کوئی دوسری نسبت نہیں دی گئی ہے۔

ابن خلدون (وفات ۸۰۸ھ) اپنے مقدمہ میں کہتا ہے: رہا اہل یمن، تو سبا کی اولاد اور نسل سے ہیں اور جب عربوں کے طبقۂ دوم کی بات آ گئی تو مزید کہتا ہے: یہ طبقہ عربوں میں یمنی اور سبائی کے نام سے معروف ہے قبائل قحطان کے شام اور عراق کی طرف کوچ کرنے کے بعد انہیں یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ بیان ہوا وہ ان لوگوں کے حالات کی تشریح تھی جو قبائل سبا سے تھے اور یمن سے ہجرت کر کے عراق میں سکونت اختیار کر گئے ہیں قبائل سبا کے چار گروہوں نے بھی شام میں سکونت اختیار کی اور دوسرے چھ گروہ اپنے اصلی وطن یمن ہی میں رہے''

ابن خلدون مزید کہتا ہے: انصار سبا کی نسل سے ہیں خزاعہ، اوس اور خزرج بھی وہی نسل ہیں،

ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) المشتبہ میں سبا کے بارے میں کہتا ہے: سبائی مصر میں ایک ہے ہیں ان ہی میں سے کئی افراد ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں عبداللہ بن ھبیرہ معروف بہ ابوہبیرہ...

ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) اپنی کتاب ''تبصرۃ المتنبہ'' میں لفظ سبا کے بارے میں کہتا ''سبا''

ایک قبیلہ کا باپ ہے اور ''سبئی'' کی شرح میں کہتا ہے: ''سبا'' ایک قبیلہ کا نام ہے اس قبیلہ سے عبداللہ بن ھبیرہ سبائی معروف بہ ابو ہبیرہ ہے۔

ابن ماکولا (وفات ۴۷۵ھ) 'الاکمال'[۱]

میں کہتا ہے: سبئی ایک قبیلہ سے منسوب ہے اسکے بہت سے افراد ہیں اور وہ مصر میں آباد ہیں۔

سبئی راوی:

قبیلۂ سبا اور ''سبیٔہ'' کے معنی کو بیشتر پہچانے کیلئے ہم یہاں پر راویوں کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہیں جنہیں علمائے حدیث اور تاریخ نے سبا بن یشجب سے منسوب کیا ہے اور اسی لئے انھیں سبئی کہتے ہیں:

۱۔ عبداللہ بن ھبیرہ: یہ قبیلۂ سبا کے راویوں میں سے ایک معروف راوی ہے علمائے حدیث اور رجال نے اس کے نسب کی اپنی کتابوں میں نشان دہی کی ہے چنانچہ: ابن ماکولا وسمعانی اپنی انساب میں لفظ ''سبا'' کی تشریح میں سبا بن یشجب سے منسوب سبئی نام کے بعض حدیث کے راویوں کا نام لیتے ہوئے کہتے ہیں: سبیء راویوں میں سے من جملہ عبداللہ بن ھبیرہ سبائی ہے۔

ابن قیسرانی: محمد بن طاہر بن علی مقدسی (وفات ۵۰۷ھ) نے بھی اسی ابو ہبیرہ کے حالات کے بارے میں اپنی کتاب ''الجمع بین رجال الصحیحین'' میں درج کیا اور جہاں پر ''صحیح مسلم''

۱۔ کتاب اکمال میں راویوں کو ہر قبیلہ کے لغت میں تعارف کراتے ہیں۔

کے راویوں کے حالات پر روشنی ڈالتا ہے عبداللہ کے نام پر پہنچ کراس کے بارے میں کہتا ہے: عبداللہ ابن ھبیرہ سبائی مصری نے ابوتمیم سے حدیث نقل کی ہے۔

''تہذیب التہذیب'' میں بھی اسی عبداللہ اوراس کے تمام اساتذہ اورشاگردوں کا بھی مفصل طور پر ذکر کیا ہے۔

ابن حجر اسی کتاب میں کہتا ہے: علم حدیث کے علماء نے عبداللہ بن ھبیرہ کی توثیق اور تائید کی ہے تمام علماء اس موضوع پر اتفاق نظر رکھتے ہیں اوراس کے بعد کہتے ہیں: ابن ہبیرہ کی پیدائش عام الجماعۃ یعنی ۴۰ھ میں اور وفات ۱۲۰ میں واقع ہوئی ہے۔

نیز ابن حجر تقریب التہذیب میں کہتا ہے عبداللہ بن ہبیرہ بن اسد سبائی حضرمی مصر کے لوگوں میں سے تھا وہ علمائے حدیث کی نظر میں طبقہ سوم کے راویوں میں باوثوق اور قابل اعتماد شخص ہے اس نے ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی ہے۔

ان دو کتابوں میں ''تہذیب التہذیب'' اور''تقریب التہذیب'' میں عبداللہ بن ہبیرہ سبائی ان راویوں میں شمار ہوا ہے جن سے صحاح کے مولفین، سنن مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حدیث روایت کی ہے اور احمد حنبل نے اپنی مسند کے باب مسند ابونضرۂ غفاری میں اس سے حدیث نقل کیا ہے۔

۲۔عمارۃ بن شبیب سبئی: وہ سبئی راویوں میں سے ایک اور راوی ہے جس کا نام استیعاب،

اسد الغابہ، اور اصابہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی فہرست میں ذکر ہوا ہے۔

استیعاب کا مولف کہتا ہے: عمارۃ بن شبیب سبائی اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شمار کیا گیا ہے اور ابوعبدالرحمان جبلی نے اس سے حدیث نقل کیا ہے۔

اسد الغابہ میں بھی عمارۃ بن شبیب کے بارے میں یہی مطالب لکھے گئے ہیں اور اس کے بعد اضافہ کیا گیا ہے: اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل کیا ہے۔ صاحب اسد الغابہ اس سلسلہ میں بات کو اس بیان پر ختم کرتے ہیں کہ: سبیء جو ''س'' بدون نقطہ اور ایک نقطہ والے ''ب'' سے لکھا جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں جو سبا سے منسوب ہو۔

صاحب ''الاصابہ'' عمارۃ ابن شبیب کے حالات کی تشریح میں کہتا ہے: وہ ۵۰ھ میں فوت ہوا ہے۔

معروف کتاب صحیح بخاری کے مؤلف امام بخاری نے بھی اس کے حالات کی تشریح اور تفصیل اپنی رجال کی کتاب 'تاریخ الکبیر'' میں درج کی ہے اور اس کے بعد اس سے ایک روایت نقل کر کے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس خصوصی حدیث کو ضعیف شمار کیا ہے۔

ابن حجر بھی اسی عمارۃ بن شبیب سبئی کو کتاب ''تہذیب التہذیب'' اور ''تقریب التہذیب'' میں درج کرتے ہوئے کہتا ہے: ترمذی و نسائی نے اپنی سنن میں اس سے حدیث نقل کی ہے۔

۳۔ ابورشد بن حنش سبئی: یہ سبئی راویوں میں سے ایک اور راوی ہے کہ مسلم نے اپنی صحیح میں

اور نسائی و ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس سے حدیث نقل کی ہے چونکہ ابن حجر نے بھی اس کے نام کو کتاب ''تہذیب التہذیب'' اور ''تقریب التہذیب'' میں درج کیا ہے اور اسکے بارے میں اور ایک دوسرے سبئی راوی کے بارے میں کہتا ہے: عمرو بن حنظلہ سبئی وابورشد بن صنعانی صنعا، یمن کے رہنے والے تھے اور باوثوق اور قابل اعتماد ہیں۔

ذہبی نے بھی انہیں مطالب کو اپنی تاریخ میں درج کرتے ہوئے اضافہ کیا ہے کہ اس نے مغرب زمین کی جنگ میں شرکت کی اور افریقہ میں سکونت اختیار کی اور اسی وجہ سے اس کے بیشتر دوست اور شاگرد اہل مصر ہیں اس نے افریقہ میں ۱۰۰ھ میں محاذ جنگ پر رحلت کی۔

ابن حکم اپنی کتاب ''فتوح افریقہ'' میں کہتا ہے: جب مسلمانوں نے ''سردانیہ'' کو اپنے قبضہ میں لیا، تو جنگی غنائم سے متعلق بہت ظلم کیا اور واپسی پر جب کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی کے ڈوبنے کی وجہ سے سب دریا میں غرق ہو گئے صرف ابوعبدالرحمان جبلی اور حنش بن عبداللہ سبئی بچ گئے کیونکہ ان دو افراد نے غنائم جنگی سے متعلق ظلم میں شرکت نہیں کی تھی۔

۴۔ ابوعثمان حبشانی: ۱۲۶ھ میں فوت ہوا ہے۔

۵۔ ازہر بن عبداللہ سبئی: ۲۰۵ھ میں مصر میں فوت ہوا۔

۶۔ اسد بن عبدالرحمان سبئی اندلسی: وہ علاقہ ''بیرہ'' کا قاضی تھا یہ شخص ۱۵۰ھ کے بعد بھی زندہ تھا۔

۷۔جبلہ ابن زہیر سبئی: یہ یمن کا رہنے والا تھا۔

۸۔سلیمان بن بکار سبئی: وہ بھی اہل یمن تھا۔

۹۔سعد سبئی: ابن حجر ''اصابہ'' میں اس کے حالات کی تشریح میں کہتا ہے: واقدی اسے ان لوگوں میں سے جانتا ہے جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسلام قبول کیا۔

یہ تھے راویوں اور حدیث کے ناقلوں کے چند افراد کہ جن کو سمعانی اور ابن ماکو نے لفظ ''سبائی'' کے بارے میں چند دیگر سبئی کے ساتھ ان کے حالات لکھے ہیں اور ان کی اساتذہ اور شاگردوں کا تعارف کرایا ہے۔اگر کوئی شخص رجال اور حدیث کی کتابوں میں بیشتر تحقیق کرے تو مزید بہت سے راویوں کو پیدا کرے گا جو قبلۂ قحطان سے منسوب ہونے کی وجہ سے سبئی کہے جاتے ہیں۔

نتیجہ کے طور پر یہ راوی اور دسیوں دیگر راوی سبا بن یشجب بن یعرب قحطان سے منسوب ہونے کی وجہ سے سبئی کہے جاتے ہیں اور اسی نسب سے،معروف ہوئے ہیں علمائے حدیث ورجال نے ان کی روایتوں اور نام کو اسی عنوان اور نسبت سے اپنی کتابوں میں درج کرکے ان کے اساتذہ اور شاگرودوں کے بارے میں مفصل تشریح لکھی ہے اور یہ سبئی راوی دوسری صدی کے وسط تک اکثر اسلامی ملکوں اور شہروں میں موجود تھے اور وہیں پر زندگی گذارتے تھے اور اسی عنوان اور نسبت سے پہچانے جاتے تھے یہ بذات خود لفظ سبئی وسبئیہ کے اصلی اور صحیح معنی کی علامت ہے اور یہ اس بات کی ایک اور دلیل ہے کہ یہ لفظ تمام علماء اور مؤلفین کے نزدیک دوسری صدی ہجری کے وسط تک قبیلہ کی

نسبت پر دلالت کرتا تھا نہ کسی مذہبی فرقہ کے وجود پر جو بعد میں جعل کیا گیا ہے۔

یہ سبئی راوی علمائے حدیث کی نظر میں ایسے معروف و شناختہ شدہ اور قابل اطمینان ہیں کہ حدیث کی صحاح، سنن اور سند و دیگر صاحبان مآخذ و حدیث کے معتبر کتابوں کے مؤلفین نے بغیر کسی شک شبہ، کے ان سے احادیث نقل کی ہیں جبکہ یہی علماء اس زمانے میں شیعہ راویوں کی روایتوں اور حدیثوں کو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے شیعہ ہونے کے جرم میں سختی سے رد کیا کرتے تھے اور اس قسم کے راویوں کو ضعیف اور نا قابل اعتبار جانتے تھے اور اپنی کتابوں میں شیعہ راویوں سے ایک بھی حدیث نقل نہیں کرتے تھے اس زمانے میں اس سبئی راویوں سے بغیر کسی رکاوٹ کے روایتیں اور احادیث نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کرتے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سبئیہ ان کے زمانے اور نظر میں قبیلگی نسبت کے علاوہ کسی اور معنی و مفہوم کی ضمانت پیش نہیں کرتا تھا اور یہ لفظ کسی بھی فرقہ و مذہبی گروہ پر دلالت نہیں کرتا تھا کہ جس کی وجہ سے ان سے احادیث قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش آئے اور ان علماء کی نظر میں ان سے نقل احادیث اعتبار کے درجہ سے گر جائے بلکہ یہ مفہوم بعد والے زمانے میں وجود میں آیا ہے چنانچہ خدا کی مدد سے ہم اگلے حصہ میں ''تحریف سبئیہ'' کے عنوان سے اس حقیقت سے پردہ اٹھائیں گے۔

سبا اور سبائی کے معنی میں تحریف

ان السبئية دلت على الانتساب الى الفرقة المذهبية

بعد قرون

سبئیہ جو ایک قبیلہ کا نام تھا، کئی صدیوں کے بعد تحریف ہو کے ایک

نئے افسانوی مذہب میں تبدیل ہو گیا ہے

مؤلف

سبئی قبیلے

جیسا کہ ہم نے گزشتہ فصل میں اشارہ کیا کہ گہری تحقیق اور جانچ پڑتال سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''سبئی'' حقیقت میں قحطان کے قبیلوں کا انتساب ہے کہ یہ قبیلے یمن میں سکونت کرتے تھے لیکن بعد میں بعض علل وعوامل کی وجہ سے جن کی تفصیل ہم اگلے صفحات میں پیش کریں گے یہ لفظ تحریف ہو کر ایک نئے مذہب سے منسوب ہوا اور اسی تحریف اور نئے استعمال کے نتیجہ میں اسلام میں ایک نیا اور

افسانوی مذہب پیدا ہوا ہے کہ حقیقت میں اس قسم کا کوئی مذہب مسلمانوں میں وجودنہیں رکھتا تھا۔

اس سلسلہ میں بیشتر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تغیر وتحول اور یہ تحریف اور الفاظ کا ناجائز فائدہ ان ادوار سے مربوط ہے جس میں سبئی قبیلے یعنی قحطانیوں نے۔۔۔ جو شیعان علی علیہ السلام کہے جائے تھے۔کوفہ میں اجتماع کر کے جنگ جمل وصفین اور دوسری جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کی نصرت کی،جن کے سردار حسب ذیل تھے:

۱۔عمار بن یاسر قبیلۂ عنس سبائی سے تھے۔

۲۔مالک اشتر اور کمیل بن زیاد اوران کے قبیلہ کے افراد دونوں ہی قبیلۂ نخ وسبائی سے تھے

۳۔حجر بن عدی کندی اوران کے قبیلہ کے افراداوران کے دوست واحباب جوان کے ساتھ تھےسبائی تھے۔

۴۔عدی بن حاتم طائی اوران کے قبیلہ کے افرادسبائی تھے۔

۵۔قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی کہ قبائل سبائی کے خاندانوں میں سے تھےاور دوسرے لوگ جوقبیلۂ خزرج سے ان کے ساتھ تھےسبائی تھے۔

۶۔خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین اور حنیف کے بیٹے سہل وعثمان سب سبائیوں میں سے تھے اسی طرح قبیلہ اوس کے افراد جوان کے ساتھ تھےسبائی تھے۔

۷۔عبداللہ بدیل،عمرو بن حمق،سلیمان بن صرد اور انکے قبیلہ کے افراد وہ سب خزاعی سبائی

تھے۔

جی ہاں، یہ لوگ اوران کے قبیلوں کے دوسرے دسیوں ہزار افراد قبیلہ سبائی سے منسوب ہیں، یہ لوگ خاندان امیہ کے سخت مخالف تھے عثمان کے دوران سے لیکر امیوں کی حکومت کے آخری دن تک یہ لوگ علی علیہ السلام اوران کے خاندان کے دوستدار تھے ان لوگوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک حضرت علی علیہ السلام اوران کے خاندان کی حمایت اور طرفداری کی، اوراسی راہ میں اپنی جان بھی نچھاور کرڈالی۔

لفظ سبئی میں تحریف کا آغاز

جیسا کہ ہم نے وضاحت کی کہ علی علیہ السلام کے اکثر چاہنے والے اور شیعہ، قحطانی تھے اور یہ قحطانی ''سبا'' سے منسوب تھے۔اسی نسب کی وجہ سے علی علیہ السلام کے دشمن پہلے دن سے زیاد بن ابیہ کی کوفہ میں حکومت کے زمانہ تک نسبت کو ایک قسم کی برائی اور شرم ناک نسبت کے عنوان سے پیش کرتے تھے اور لفظ ''سبئی'' جو اس نسبت کی دلالت کرتا تھا سرزنش وملامت کے وقت شیعہ علی کی جگہ پر حضرت علی علیہ السلام تمام پیرو وشیعوں کو ''سبا'' سے نسبت دیتے تھے۔اس طرح اس لفظ کو اپنے اصلی معنی سے دور کرکے ایک دوسرے معنی میں استعمال کرتے تھے۔

مندرجہ ذیل خط میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ زیاد بن ابیہ نے جو خط کوفہ سے معاویہ کو لکھا ہے ایسے افراد کے بارے میں یہی لقب اور عنوان استعمال کیا ہے جو کبھی سبئی نہیں تھے حقیقت میں یہ

پہلا موقع تھا کہ لفظ ''سبئی'' اپنے اصلی معنی ۔ جو یمن میں ایک قبیلہ کا نام تھا ۔ سے تحریف ہوا اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے تمام دوستداروں اور طرفداروں کیلئے استعمال ہونے لگا حقیقت میں یہ روداد اس لفظ میں تحریف کا آغاز ہے ملاحظہ ہو اس خط کا متن:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا معاویہ امیر المؤمنین کے نام: اما بعد! خداوند عالم نے امیر المؤمنین معاویہ پر احسان فرمایا اور اس کے دشمنوں کو کچل کے رکھ دیا اور جو اس کی مخالفت کرتے تھے انھیں بد بخت اور مغلوب کر دیا، ان ''ترابیہ'' اور ''سبائیہ'' میں سے چند باغی و سرکشی افراد حجر بن عدی کی سرکردگی میں امیر المؤمنیں کی مخالف پر اتر آئے ہیں اور مسلمانوں کی صف سے جدا ہو کر ہمارے خلاف جنگ و نبرد آزمائی کا پرچم بلند کر دیا، لیکن خداوند عالم نے ہمیں ان پر کامیاب اور مسلط کر دیا کوفہ کے اشراف و بزرگ اس سرزمیں خیر افراد اور متدین و نیکوکار لوگ جنہوں نے ان کے فتنہ و بغاوت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ان کی کفر آمیز باتوں کو سنا تھا، کو میں نے بلا کر ان سے شہادت طلب کی، انہوں نے ان کے خلاف شہادت اور گواہی دی ۔ اب میں اس گروہ کے افراد کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں بھیج رہا ہوں شہر کے جس متدین اور قابل اعتماد گواہوں نے ان کے خلاف شہادت دی ہے میں نے ان کے

دستخط کواس خط کے آخر میں ثبت کیا ہے''

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس خط میں زیاد نے حجراوراُن اس کے ساتھیوں کوترابیہ وسبائیہ نام سے یاد کیا ہےاوران کے ہمشہر یوں سے انکے خلاف شہادت طلب کی ہے لھذا اُن میں سے کئی افراد نے شہادت دیکر زیاد کی رضامندی اورخوشنودی حاصل کی ہے ان کی اس شہادت کے مطابق ایک شہادت نامہ بھی مرتب کر کے معاویہ کے پاس بھیجا گیا ہے۔

طبری کی روایت کے مطابق شہادت نامہ کا متن

طبری نے زیاد کی طرف سے ریکارڈ اورشہادت نامہ مرتب کرنے کے بارے میں یوں ذکر کیا ہے:

زیاد بن ابیہ نے حجراوران کے ساتھیوں کوزیرنظر رکھاان میں سے بارہ افرد کوگرفتار کر کے جیل بھیج دیااس کے بعد قبائل کے سرداروں اورقوم کے بزرگوں کودعوت دی اوران سے کہا کہ جوکچھ تم لوگوں نے حجر کے بارے میں دیکھا ان دنوں کوفہ میں اہل مدینہ کا سردار ''عمر بن حریث'' تمیم اور ہمدان کے سردار'' خالد بن عرفہ'' اور'' قیس بن ولید بن عبد بن شمس بن سفیرہ'' ربیعہ اور کندہ کا سردار ابو بردۃ ابن ابی موسیٰ اشعری تھاوہ اس کے علاوہ قبیلۂ'' مذحج واسد'' کا بھی سردار تھا۔

ان چارافراد نے ابن زیاد کی درخواست پرحسب ذیل شہادت دی:

''ہم شہادت دیتے ہیں کہ حجر بن عدی کئی افراد کواپنے گرد جمع کر کے خلیفہ

(معاویہ) کے خلاف کھلم کھلا دشنام اور بدگوی کرتا ہے لوگوں کو اس کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دیتا ہے نیز دعویٰ کرتا ہے کہ خاندان ابوطالب کے علاوہ کسی میں خلافت کی صلاحیت نہیں ہے اس نے شہر کوفہ میں بغاوت کر کے امیر المؤمنین (معاویہ) کے گورنر کو وہاں سے نکال باہر کیا ہے وہ ابوتراب (علی علیہ السلام) کی ستائش کرتا ہے اور کھلم کھلا اس پر درود بھیجتا ہے اور اس کے مخالفوں اور دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہ افراد جن کو پکڑ کر جیل بھیج دیا گیا ہے وہ سب حجر کے اکابر اصحاب میں ہیں اور اس کے ساتھ ہم فکر و ہم عقیدہ ہیں''

طبری کہتا ہے:

''زیاد نے شہادت نامہ اور گواہوں کے نام پر ایک نظر ڈال کر کہا: میں گمان نہیں کرتا ہوں کہ یہ شہادت نامہ میری مرضی کے مطابق فیصلہ کن اور مؤثر ہوگا میں چاہتا ہوں کہ گواہوں کی تعداد ان چار افراد سے بیشتر ہو اور اس کے متن میں بھی کچھ تبدیلیاں کی جائیں۔

اس کے بعد طبری ایک دوسرے شہادت نامہ کو نقل کرتا ہے جسے زیاد نے خود مرتب کر کے دستخط کرنے کیلئے گواہوں کے ہاتھ میں دیا تھا اس کا متن حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابو بردۃ ابن موسیٰ، اس مطلب کی گواہی دیتا ہے اور اپنی گواہی پر خدا کو شاہد قرار دیتا ہے کہ حجر بن عدی نے خلیفہ کی اطاعت و پیروی کرنے سے انکار کیا ہے اور اس نے مسلمانوں کی جماعت سے دوری اختیار کی ہے وہ کھلم کھلا خلیفہ پر لعنت بھیجتا ہے کئی لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے کھلم کھلا معاویہ کے ساتھ عہد شکنی اور اس کو خلافت سے معزول کرنے کیلئے دعوت دیتا ہے اور انھیں جنگ و بغاوت پر اکساتا ہے اس طرح خداوند عالم سے ایک بڑے کفر کا مرتکب ہوا ہے[1]

زیاد نے اس شہادت نامہ کو مرتب کرنے کے بعد کہا: تم سب کو اسی طرح شہادت دینی چاہئے خدا کی قسم میں کوشش کروں گا کہ اس احمق (حجر) کا سر قلم کیا جائے۔

اس لئے چار قبیلوں کے سرداروں نے اپنی شہادت بدل دی اور ابو بردۃ کے شہادت نامہ کے مانند ایک دوسرا شہادت نامہ مرتب کیا۔ اس کے بعد زیاد نے لوگوں کو دعوت دی اور حکم دیا کہ تم لوگوں کو بھی ان چار افرد کی طرح شہادت دینا چاہئے. اس کے بعد طبری کہتا ہے:

۱۔ ابوموسی کے بیٹے کے یہاں پر کفر سے مراد معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار اور معاویہ کو خلافت سے معزول کرنا ہے اس کے مانند، حجاج کا بیان ہے جو اس نے ابن زبیر کے بارے میں اس کے قتل کے بعد اپنے خطبہ کے ضمن میں کہا؛ لوگو! عبداللہ بن زبیر پہلے اس امت کے نیک لوگوں میں سے تھا یہاں تک کہ خلافت کا خواہشمند ہوا اور خلافت کے عہدہ داروں سے نبرد آزما ہوا اور حرم خدا میں کفر و الحاد کا راستہ اختیار کیا خداوند عالم نے بھی عذاب آتش کا مزہ اسے چکھا دیا (تاریخ ابن کثیر ۳۳۱/۸) پھر حجاج نے ابن زبیر کی ماں سے مخاطب ہو کر کہا؛ تمہارا بیٹا خانہ خدا میں کفر و الحاد کا مرتکب ہوا ہے (تاریخ اسلام ذہبی ۱۳۶/۳) یہ بالکل واضح ہے کہ حرم الٰہی سے ابن زبیر کے کفر و الحاد سے حجاج کا مقصد اس کی بنی امیہ کی منحوس خلافت سے مخالفت ہے۔

زیاد نے کہا یہاں پر: پہلے قریش کے افراد سے شہادت لو، اور پہلے ان لوگوں کا نام لکھنا کہ ہمارے نزدیک (معاویہ) عقیدہ کے لحاظ سے سالم اور خاندان امیہ کے ساتھ دوستی میں مستحکم اور معروف ہیں ۔زیاد کے حکم کے مطابق ستر افراد کی گواہی کو حجر اور اُن کے اصحاب کے خلاف ثبت کیا گیا۔

اس کے بعد طبری چند گواہوں کے نام ذکر کرتا ہے جو عبارت ہیں: عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، شبث بن ربعی اور زحر بن قیس۔

طبری مزید کہتا ہے:

شداد ابن منذر بن حارث معروف بہ ''ابن بزیعہ'' جسے اُس کی ماں سے نسبت دیا جاتا تھا، نے بھی اس شہادت نامہ پر دستخط کی ۔تو زیاد نے کہا: کیا اس کا کوئی باپ نہ تھا جس کی طرف اس کی نسبت دی جاتی ؟

اسے گواہوں کی فہرست سے حذف کردو انہوں نے کہا: یا امیر! اس کا ایک بھائی ہے جس کا نام حصین بن منذر ہے اور باپ سے نسبت رکھتا ہے زیاد نے کہا: شداد کو بھی اس کے باپ سے نسبت دو اور کہو شداد بن منذر تو پھر کیوں اسے ابن بزیعہ کہتے ہو؟ یہ روداد جب ابن بزیعہ کے کانوں تک پہنچی تو وہ ناراض ہوا اور بے ساختہ بولا : امان ہو! زنا زادہ سے افسوس ہو! اس پر کیا اس کی ماں سمیہ اس کے باپ سے زیادہ معروف نہیں تھی؟ خدا کی قسم اسے اپنی ماں کی شہرت اور باپ سے نامعلوم ہونے کی وجہ

سے ہمیشہ اس کی ماں سے نسبت دی جاتی تھی اور وہ ابن سمیہ سے معروف تھا۔

شہادت نامہ کا جھٹلانا

پھر سے طبری کہتا ہے:

''شہادت نامہ میں موجود ناموں اور دستخطوں میں ایک شریح بن حارث اور دوسرا شریح بن ھانی تھا لیکن ان دونوں نے اپنے دستخط کو جھٹلایا۔ شریح بن حارث کہتا ہے: زیاد نے حجر کے بارے میں مجھ سے سوال کیا میں نے اسے کہا: حجر ایسا شخص ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور راتوں کو پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔

لیکن، شریح بن ہانی کہتا ہے: جب میں نے سنا کہ حجر بن عدی کے خلاف میرے جعلی دستخط کئے گئے ہیں اور میری شہادت بھی ثبت کی گئی ہے تو میں نے اس شہادت نامہ کو جھٹلایا اور اسے جعل کرنے والوں کی مذمت کی، شریح بن ہانی نے معاویہ کے نام ذاتی طور پر ایک خط بھی لکھا اور اسے وائل بن حجر کے توسط سے اس کے پاس بھیجا اور اس خط کا مضمون یہ تھا:

''معاویہ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ زیاد نے حجر کے خلاف اپنے خط میں میرے دستخط بھی ثبت کئے ہیں، لیکن یہ شہادت اور دستخط جعلی ہیں، حجر کے بارے میں میری صریح شہادت یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہے امر بمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہے، اسکی جان و مال محترم اور اسے قتل کرنا حرام ہے اب تم جانو چاہے اسے قتل کرو یا آزاد''

جب معاویہ نے شریح کے خط کو پڑھا تو اس نے کہا: شریح نے اس خط کے ذریعہ اس شہادت سے اپنے آپ کو الگ کیا ہے اس کے علاوہ ابن زیاد نے جن افراد کا نام شہادت نامہ میں لکھا تھا ان میں سری بن وقاص حارثی بھی تھا، لیکن اس کو اس شہادت کے بارے میں علم نہیں تھا۔

مغیرہ کے دوران حجر ابن عدی کا قیام

كان حجر من اعيان الصحابة يكثرالامر
بالمعروف و النهى عن ال منكر .

حجر بن عدی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بزرگ
صحابیوں میں سے تھے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کثرت سے کرتے تھے۔

مؤرخین

گزشتہ فصل میں حجر اور ان کے ساتھیوں کی بات چلی ہم نے کہا کہ زیاد بن ابیہ کی ان کے ساتھ گتھم گتھا ہوئی، زیاد نے انھیں گروہ کو ''ترابیہ وسبیئہ'' کا نام دیا اور ان کے خلاف مقدمہ چلایا ان کے خلاف کئی لوگوں سے شہادت لی اور آخرکار افسوسناک اور دلخراش صورت میں انھیں قتل کر ڈالا۔

اب ہم اس فصل میں حجر ابن عدی کا تعارف کرائیں گے کہ وہ کون ہیں؟ اور ان کے سبئی ہونے کا سرچشمہ کہاں سے ہے؟ زیاد بن ابیہ نے انھیں کیوں اور کیسے سبئی بتاتا ہے؟

حجر کون ہیں؟

حجر بن عدی بن معاویہ، قبائل سبا بن یشجب کے خاندان معاویۃ بن کندہ سے تعلق رکھتے تھے رجال اور تشریح کی کتابوں، جیسے: ''طبقات ابن سعد''، ''اسد الغابہ'' اور ''اصابہ'' میں ان کے بارے میں یوں آیا ہے:

حجر اور اس کے بھائی ھانی مدینہ میں داخل ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور دین اسلام قبول کیا حجر نے جنگ ''قادسیہ''[۱] میں شرکت کی اور ''مرج عذرا''[۲] انہی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

ابن سعد طبقات میں کہتا ہے:

''حجر اُن لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے دوران جاہلیت واسلام دونوں دیکھا ہے وہ ایک مؤثق اور قابل اعتماد شخص تھے حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور سے حدیث نقل نہیں کرتے تھے''

حاکم، مستدرک میں کہتا ہے:

''حجر، پیغمبر اسلام کے اصحاب میں سے ایک شائستہ صحابی تھے، ان کا سالانہ وظیفہ دو ہزار پانچ

۱۔ قادسیہ مسلمانوں کی ایرانیوں کے ساتھ ایک جنگ ہے یہ جنگ خلافت عمر میں سعد بن ابی وقاص کی سپہ سالاری میں عراق میں واقع ہوئی۔
۲۔ مرج عذرا دمشق کے نزدیک ایک بڑی آبادی تھی۔

سوتھا وہ اصحاب میں ایک عادل اور تارک دنیا شخص تھے''۔

صاحب استیعاب کہتا ہے:

''حجر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے وہ ایک ایسا شخص تھا جس کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی تھی وہ اصحاب کے درمیان ''مستجاب الدعوہ'' کے نام سے مشہور ہو چکے تھے''

صاحب اسد الغابہ کہتا ہے:

''حجر اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان معروف، باشخصیت اور با فضیلت اصحاب میں سے تھے یہ جنگِ صفین میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی رکاب میں قبیلۂ کندہ کا پرچم انہی کے ہاتھ میں تھا جنگ نہروان میں بھی میسرہ کی کمانڈ انہی کے ہاتھ میں تھی جنگ جمل میں بھی انھوں نے شرکت کی ہے حجر، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔

اس کے بعد صاحب اسد الغابہ اضافہ کرتا ہے:

''وہ حجر خیر کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔

سیر اعلام النبلاء میں آیا ہے:

''حجر، ایک انتہائی شریف اور بزرگوار شخص تھے اپنے قبیلہ میں انتہائی بااثر اور قابل اطاعت فرد تھے امر بمعروف اور نہی عن المنکر کے موضوع کو کافی اہمیت دیتے تھے اور

اسے شجاعت، شہامت اور کسی قسم کے خوف و ہراس کے بغیر نافذ کرتے تھے۔ نہی عن المنکر میں تمام مسلمانوں سے پیش قدم تھے علی علیہ السلام کے نیک اور جانثار شیعوں میں شمار ہوتے تھے جنگ صفین میں علی علیہ السلام کے کمانڈروں میں سے ایک تھے اپنے زمانہ کے صالح اور شائستہ اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔

ذہبی کی 'تاریخ اسلام'' میں آیا ہے:

حجر، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور ''وفادت''[1] کے افتخار سے سرفراز تھے وہ مدینہ آئے، اپنی مرضی سے اسلام کی تعلیمات کا نزدیک اور دقت سے مشاہدہ کیا، اپنی فکر و تشخیص سے اسے پسند کیا اور اسے رضا کارانہ طور پر قبول کیا وہ پاک زاہد افراد میں سے ایک تھے ہمیشہ باطہارت اور باوضو رہا کرتے تھے امر بمعروف اور نہی عن المنکر پر دوسروں سے زیادہ عمل پیرا تھے''

ابن کثیر اپنی تاریخ میں کہتا ہے:

''حجر بن عدی اسلام قبول کرنے کیلئے مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ زاہد اور پرہیز گار ترین بندگان خدا میں سے تھے، اور برأ وبو الدتی کا مصداق اور شاہکار تھے۔ وہ کثیر الصلوٰۃ اور کثیر الصوم تھے ان کا وضو کبھی باطل نہیں ہوتا تھا مگر یہ کہ وہ فوراً وضو کرتے تھے اور جب بھی وضو کرتے

۱۔ وفادت: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کیلئے مدینہ میں داخل ہوتا تھا اور اپنی مرضی و تشخیص سے اسلام کو قبول کرتا تھا سے ''وفادت'' کہتے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ عمل ایک ممتاز اور بلند افتخار مانا جاتا تھا۔

تھے اس کے بعد کوئی نماز بجا لاتے تھے"

اصابہ میں آیا ہے:

"حجر، علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے اصحاب اور شیعوں میں سے تھے، ان کا علی علیہ السلام سے چولی دامن کا ساتھ تھا ابوذر کی وفات کے وقت ربذہ میں ان کے سرہانے موجود تھے"

صاحب اصابہ نے کہا ہے:

"جس وقت حجر کو شام لے جایا جارہا تھا انھیں غسل جنابت کے لئے پانی کی ضرورت پڑی اپنے مأمور سے کہا: میرے پینے کے پانی کے کل کے حصہ کو مجھے اس وقت دیدو تا کہ طہارت کرلوں (غسل کرلوں) مأمور نے کہا: ڈرتا ہوں کل پیاس سے مرجاؤ گے اور معاویہ ہمیں سرزنش کر کے سزا دے گا۔

صاحب اصابہ کا کہنا ہے: جب مأمور نے پانی دینے سے انکار کیا تو حجر نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی اس کے بعد بادل کا ایک ٹکڑا سر پر نمودار ہوا اور اتنی بارش ہوئی کہ اس سے ان کی حاجت پوری ہوگئی اس کے ساتھیوں نے جب یہ روداد دیکھی تو کہا: حجر! تم تو "مستجاب الدعوۃ" ہو، تمھاری دعا اس طرح بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی ہے لہذا خداوند عالم سے دعا کرو تا کہ ہمیں ظالموں سے نجات دے حجر نے کہا: "اَللّٰھم خر لنا" پروردگارا! جو کچھ ہمارے لئے مصلحت ہو وہی عطا کر، کیونکہ ہم تیری

چاہت کے خواہاں ہیں۔

یہ تھے حجر اور ان کی شخصیت نیز ان کے سبائی ہونی کی داستان

مغیرہ کے خلاف حجر کا قیام

طبری ۵۱ ھ کے حوادث کی پہلی فصل اور حجر اور اُن کے ساتھیوں کی روداد کی فصل میں یوں نقل کرتا ہے:

جب ۴۱ ھ کے ماہ جمادی میں معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کے گورنر کے طور پر انتخاب کرنا چاہا تو اسے اپنے پاس بلایا اور کہا: مغیرہ! میں چاہتا تھا بہت سے مطالب کے بارے میں تجھے یاد دہانی کراؤں اور متعدد وصیتیں کروں لیکن اب ان باتوں کو نظر انداز کرتا ہوں کیونکہ تیری بصیرت اور کارکردگی پر کافی اعتماد و اطمینان رکھتا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ جس میں ہماری رضا مندی ہو اور جس چیز سے ہماری حکومت ترقی کرے گی اور رعیت کے امور کی مصلحت وابستہ ہو، اسے ہی انجام دو گے اور اس کے مطابق عمل کرو گے، لیکن اس کے باوجود ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنے پر مجبور ہوں کہ جسے ہمیشہ پیش نظر رکھنا اور اسے میری اہم ترین وصیت سمجھ کر اس کی انجام دہی میں کسی قسم کی غفلت اور لاپروائی سے کام نہ لینا اور وہ یہ ہے کہ کسی وقت علی کی بدگوئی کرنے اور انھیں برا بھلا کہنے سے دست بردار نہ ہونا اور عثمان کی

تعریف وتوصیف میں کوتاہی نہ کرنا،علی کے ماننے والوں کی عیب جوئی کرنے اوران پراعتراض کرنے ،اس کے شیعوں کی باتوں پرتوجہ نہ دینے اورعثمان کے تابعین سے پیار ومحبت سے پیش آنے نیز ان کے تقاضوں اور مطالبات پر توجہ دینے کو اپنے پروگرام کا حصہ قرار دینا۔

مغیرہ نے معاویہ کے جواب میں کہا: میں اپنے کام میں تجربہ کاراور تربیت یافتہ ہوں تم سے پہلے دوسروں کی طرف سے بھی مختلف عہدوں پر فائز رہ چکا ہوں میں نے ان کے لئے بھی شائستہ خدمات انجام دی ہیں اور مجموعی طور پر گذشتگان میں سے کسی نے بھی میرے کام کے سلسلہ میں میری سرزنش اور ملامت نہیں کی ہے کیونکہ جو بھی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی جاتی ہے اس کوانجام دینے میں توقع سے زیادہ تلاش اورکوشش کرتا ہوں،اب تم بھی میراامتحان لوگےاور دیکھ لوگے کہ میں اس امتحان میں پاس ہوکرستائش اور تجلیل کا مستحق بن جاتا ہوں یا فیل ہوکر سرزنش اور ملامت کا حقدار۔

معاویہ: جانتا ہوں تیری سرگرمی اور کارکردگی ہماری خوشنودی کا باعث ہوگی۔

اس کے بعد طبری کہتا ہے: ''مغیرہ،معاویہ کی طرف سے سات سال سے زیادہ عرصہ تک گورنری کے عہدہ پر فائز رہا۔اس مدت میں اس نے ریاست اور حکمرانی کی بہترین روش کواپنایا لوگوں کی مصلحت، بہبودی اور آسائش کا خیال رکھتا تھا،لیکن اس مدت میں معاویہ کے حکم کے مطابق ہر چیز سے بیشتر اس نکتہ پر خاص توجہ

دیتا تھااور ہر موضوع سے بیشتر اس میں سعی وکوشش کرتا تھا کہ علی علیہ السلام کی مذمت کرنے اور ان کی بدگوئی کرنے میں کوتاہی نہ کرے عثمان کے قاتلوں پرلعنت بھیجنے میں ایک لمحہ بھی غفلت نہ کرے عثمان کیلئے دعا کرنے میں ان کیلئے طلب رحمت و مغفرت کرنے میں ان کی اوران کے دوستوں کی تعریف وتمجید کرنے میں کسی قسم کا بخل نہ کرے ۔ جب حجر بن عدی مغیرہ کی علی علیہ السلام کے بارے میں اس سخت سرزنش اورلعنت ونفرین کو سنتے تھےتو کہتے تھے۔خداوند عالم تجھ پرلعنت اورسرزنش کرے نہ کہ علی علیہ السلام اوراُن کے ماننے والوں پر۔

ایک دن مغیرہ تقریر کررہا تھا اورشعلہ بیانی کے ساتھ بولتے بولتے علی علیہ السلام اوران کے دوستداروں کی بدگوئی کرنے لگااورعثان کی تعریف وتمجید میں مصروف ہوگیا حجر بن عدی لوگوں کے درمیان سے اٹھ کرکھڑے ہوگئے اور بلندآواز میں بولے کہ خداحکم دیتا ہے کہ انصاف کی رعایت کرو، سچی گواہی دو، میں شہادت دیتا ہوکہ جس کی تم سرزنش اور بدگوئی کررہے ہووہ فضیلت کا مستحق ہےاور جس کی تم تعریف وتمجید کرتے ہووہ مذمت اورسرزنش کیلئے سزاوارتر ہے۔

مغیرہ نے جب حجر کا بیان سنا تو بولا: اے حجر! جب تک میں تیرا فرمانروا ہوں تم آسائش میں ہو[1]

---

۱. یا حجر لقد رمی بسھمک اذ کنت انا الوالی علیک

اے حجر افسوس ہے تم پر حاکم ـــ معاویہ ـــ کے خشم سے ڈرو، اس کی طاقت اور غضب سے چشم پوشی نہ کرو کیونکہ سلطان کے خشم کی آگ کبھی تم جیسے بہت سے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر نگل جاتی ہے۔

اس طرح مغیرہ بعض اوقات حجر کو ڈراتا اور دھمکاتا تھا اور سختی اور سزا کے بارے میں انھیں تہدید کرتا تھا اور کبھی کبھی اغماض اور چشم پوشی سے پیش آتا تھا یہاں تک کہ مغیرہ کی حکمرانی کے آخری ایام آ پہنچے پھر سے ایک دن مغیرہ نے اپنی تقریر کے دوران علی علیہ السلام اور عثمان کے بارے میں زبان کھولی اور یوں کہا؛ خداوندا! عثمان بن عفان پر اپنی رحمت نازل کرے اور اسے بخش دے اور اس کے نیک اعمال کی بہترین جزا دے کیونکہ اس نے تیری کتاب پر عمل کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کی اور ہماری پراکندگی کو اتحاد و اتفاق میں تبدیل کیا اور ہمارے خون کی حفاظت کی اور خود مظلوم اور بے گناہ مارے گئے پروردگارا! تو اسے، اس کے ماننے والوں، دوستوں اور خونخواہوں کو بخش دے۔

مغیرہ نے اپنی تقریر کے اختتام پر عثمان کے قاتلوں پر لعنت بھیجی یہاں پر حجر اٹھ کھڑے ہوئے اور مغیرہ پر ایسی فریاد بلند کی کہ مسجد کے اندر اور باہر موجود سب لوگوں نے ان کی آواز سن لی، انھوں نے مغیرہ سے مخاطب ہو کر چیختے پکارتے ہوئے کہا؛ تم اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے سے نہیں سمجھتے ہو کہ کس کے ساتھ الجھ رہے ہو اور جھگڑا کر رہے ہو؟ اے مرد! حکم دے تا کہ بیت المال سے میرا وظیفہ مجھے دیا جائے کیوں کہ تیرے حکم سے میرا حق مجھ سے روکا گیا ہے۔ جبکہ تجھے یہ اختیار نہیں ہے اور ہمارے

ساتھ تم نے ظلم کیا ہے۔سابق گورنرایسانہیں کرتے تھے اوراس قسم کی جرات وجسارت نہیں کرتے تھے ۔تم نے اب حد سے زیادہ تجاوز کیا ہے اور یہاں تک پہنچے ہو کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی مذمت اور سرزنش کرتے ہواور ظالموں کی مدح وثنا کرتے ہو!!

حجر کے مقابل میں مغیرہ کی سیاست

طبری کہتا ہے:

جب حجر کی بات یہاں تک پہنچی تو مسجد میں دوتہائی لوگ کھڑے ہو گئے اور ایک آواز میں کہا: جی ہاں ،صحیح ہے مغیرہ! خدا کی قسم حجر سچ کہتا ہے اور حق کا دفاع کر رہا ہے تیری یہ باتیں ہمارے لئے کوئی فائدہ نہیں رکھتی ہیں، حکم دوتا کہ ہمارے حصہ کو بیت المال سے ادا کریں اور یہیں پر ہمارا حق دیدیں لوگوں نے مغیرہ کو ایسی باتیں بہت سنائیں اور شور وغل بر پا ہو گیا مغیرہ منبر سے نیچے اترا اور اپنے گھر چلا گیا اس کے طرفدار اجازت حاصل کر کے اس کے پاس گئے اور اس سے کہا: مغیرہ! تم کیوں اس شخص کو اجازت دیتے ہو کہ یہ تیرے سامنے تیری حکومت کے بارے اس طرح گستاخانہ باتیں کرتا ہے؟ تم نے اپنی اس روش کی وجہ سے اپنے لئے مشکل مول لی ہے اول یہ کہ: اپنی فرمانروائی کو کمزور کر دیا ہے دوسرے یہ کہ معاویہ کی سرزنش اور غضب میں اپنے آپ کو مبتلا کر دیا ہے، کیونکہ اگر آج کی روئداد کی رپورٹ معاویہ تک پہنچے تو

تیرے لئے معاویہ کی طرف سے حجر کی بے احترامی سے بدتر جسارت و سرزنش ہوگی''

طبری کہتا ہے:

مغیرہ نے ان کے جواب میں کہا: میں نے اپنی سیاست اور نرم رویہ سے اسے موت کے نزدیک پہنچادیا ہے کیونکہ عنقریب ہی ایک نیا گورنر اس شہر میں آنے والا ہے۔ حجر اس کے ساتھ بھی میرے جیسا سلوک کرے گا جس بے حیائی کا اس نے آج مظاہرہ کیا اور آپ نے بھی دیکھا، اس گورنر کے سامنے بھی وہ اس کی تکرار کرے گا اور وہ پہلے ہی مرحلہ میں حجر کو گرفتار کرکے بدترین صورت میں اسے قتل کر ڈالے گا اور اب میری عمر آخر کو پہنچ رہی ہے اور ضعف و سستی سے دوچار ہوں میں نہیں چاہتا ہوں اس شہر میں دہشت گردی کا آغاز میری وجہ سے ہوجائے اور میرے ہاتھ اہل کوفہ کے نیک ترین اور متدین ترین شخصیتوں کے خون سے رنگین ہوجائیں اور ان کا خون بہایا جائے اور وہ اس طرح فیض سعادت کو پہنچیں اور میرے نصیب شقاوت و بدبختی ہوجائے اور معاویہ اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ ریاست و عزت کا مالک بن جائے اور مغیرہ آخرت کی ذلت و بدبختی میں مبتلا ہوجائے بطور کلی فی الحال میری روش یہ ہے کہ جو بھی میرے ساتھ ہے مجھ سے نیکی کرے میں اس کی نیکی کا اجر اسے دوں گا اور جو کوئی میرے ساتھ مخالفت اور دشمنی کرے اسے معاف کرکے اُس کے حال پر چھوڑ دوں گا، بربادہ حلیم اور خاموش طبع افراد کی ستائش کروں گا۔ بے عقل، نادان اور نکتہ چینی کرنے والوں کو نصیحت کروں گا تا کہ جس دن موت میرے اور ان کے درمیان جدائی و دوری ایجاد کرے، اور اس

صورت میں جس دن کوفہ کے لوگ میرے بعد نئے گورنر کی سخت روش کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت میرے طریقہ کار کی ستائش کریں گے اور مجھے نیکی کے ساتھ یاد کریں گے۔

زیاد بن ابیہ کے دوران حجر کا قیام

ویل امک یا حجر سقط العشاء بک علی سرحان

افسوس ہو تیری ماں کی حالت پر اے حجر! کہ تم بھیڑیے کا لقمہ بن گئے

زیاد بن ابیہ

حجر سے زیاد کی گفتگو

مغیرہ ۴۱ھ سے ۵۱ھ تک کوفہ کا گورنر تھا، اس نے ۵۱ھ میں وفات پائی، اس تاریخ کے بعد بصرے اور کوفہ کی فرمانروائی زیاد بن ابی سفیان کو سونپی گئی زیاد کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور دارالامارہ میں داخل ہوا۔

ابن سعد کی ''طبقات'' اور ذہبی کی ''سیر اعلام النبلاء'' میں آیا ہے:

''جب زیاد بن ابیہ گورنر کی حیثیت سے کوفہ میں پہنچا اس نے حجر بن عدی کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا: حجر! کیا تم جانتے ہو کہ میں تجھے دوسروں سے بہتر پہچانتا ہوں

جیسا کہ تم جانتے ہو کہ میں اور تم دونوں ایک دن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے محبّ اور دوستدار تھے لیکن آج حالات بدل گئے ہیں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کوئی ایسا کام انجام نہ دینا کہ تیرے خون کا ایک قطرہ میرے ہاتھ پر گر جائے، چنانچہ اگر مسئلہ یہاں تک پہنچا تو میں تم سب کا خون بہادوں گا حجر! اپنی زبان پر کنٹرول کرنا اور اپنے گھر کے ایک کونے میں بیٹھنا کہ ایسی صورت میں تیری جگہ یہ تخت حکمرانی ہوگی اور تیری تمام ضروریات پوری ہوں گی۔

حجر، تجھے تیری جان کیلئے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اپنا خیال رکھنا میں تیری جلد بازی سے باخبر ہوں اے ابوعبدالرحمان[1] ان ذلیل، بدمعاش، جاہل اور نادان لوگوں سے دور رہنا ایسا نہ ہو کہ لوگ تیری فکر کو بدل ڈالیں اور تیرے عقیدہ کو منحرف کرڈالیں اگر تم اس کے علاوہ کچھ ثابت ہوئے اور بیوقوفوں کی راہ پر چلے تو تم نے میری نظر میں اپنے مقام کو پست وحقیر بنادیا اور اپنی حیثیت کو گرادیا ہے حجر! جان لو کہ اس صورت میں آسانی کے ساتھ تم سے دست بردار نہیں ہوں گا اور تجھے سزا دینے میں کسی بھی جسمانی اذیت سے دریغ نہیں کروں گا۔

حجر نے زیاد بن ابیہ کے جواب میں اس مختصر جملہ پر اکتفا کیا: تیری بات کو میں سمجھ گیا اور

۱۔ عربی زبان میں اگر کسی کا احترام کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کنیت سے خطاب کرتے ہیں۔

تیرے پوشیدہ مقاصد سے بھی آ گاہ ہوااس کے بعد اپنے گھر چلے گئے گورنر کی طرف سے حجر کو بلانے کی خبران کے دوستوں اور شیعیان امیر المؤمنین علیہ السلام کو پہنچی، وہ اسکے گھر گئے اور انھیں بلایا اور گفتگو کی علت پوچھی حجر نے زیاد کی باتوں سے انھیں آ گاہ کیا۔اس کے دوستوں نے کہا: زیاد کی باتیں تیرے لئے اصلاح وخیر خواہی کا پہلونہیں رکھتی ہیں۔

زیاد بن ابیہ کے خلاف حجر کی بغاوت

اس طرح شیعہ حجر کے گھر آمد ورفت کرتے تھے اور ان کی ہمت افزائی کرتے تھے کہ تم ہمارے رئیس وسرپرست ہو، دیگر لوگوں کی نسبت تمہیں زیاد کی اس ناشائستہ حرکتوں اور طریقہ کار کا زیادہ انکار کرنا چاہئے اور علی علیہ السلام کے خلاف اس کے لعن کے مقابلہ میں کھڑا ہونا چاہئے جب حجر مسجد کی طرف جاتے تو شیعیان علیؑ بھی ان کے ساتھ مسجد جاتے تھے یہاں تک کہ زیاد بصرہ چلا گیا اور عمروابن حریث کو اپنی جگہ پر جانشین مقرر کیا عمرو نے ایک شخص کو حجر کے پاس بھیجا تا کہ پوچھے کہ اس اجتماع کا سبب کیا تھا؟ اور کیوں یہ لوگ تیرے گرد جمع ہوئے تھے جبکہ تم نے امیر کے ساتھ عہد وپیمان باندھا ہے اور اس سے مدد کا وعدہ کیا ہے۔

حجر نے عمرو بن حریث کے قاصد کو کہا: کیا تم خودنہیں جانتے ہو کہ کیا کرتے ہو؟ دور ہو جاؤ!
عمرو بن حریث نے حجر کی باتوں کے بارے میں زیاد بن ابیہ کو من وعن رپورٹ دی اور یہ جملہ بھی اضافہ کیا کہ: اگر کوفہ کی ضرورت رکھتے ہو تو فوراً خود کو کوفہ پہنچاؤ۔

زیاد عمرو کے خط کو پڑھنے کے بعد فوراً کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور شہر میں داخل ہو گیا۔

طبری روایت کرتا ہے: زیاد پہلے دارالامارہ میں داخل ہوا اس کے بعد ریشمی قبا زیب تن کئے ہوئے سبز عبا شانوں پر رکھ کر سر کے بالوں کو کنگھی کر کے مسجد کی طرف روانہ ہوا اور منبر پر گیا، اس وقت حجر اپنے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد کے ہمراہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے، زیاد نے حمد و ثنا کے بعد کہا: سرکشی اور گمراہی کا انجام خطرناک ہے یہ چونکہ آرام و آسائش میں زندگی کرتے تھے اس لئے سرکش ہوئے ہیں اور اطمینان حاصل کر کے میرے مقابلہ میں جسارت کی ہے خدا کی قسم! اگر اپنی گمراہی سے دست بردار نہیں ہوئے اور سیدھے راستے پر نہ آئے تو میں تمہارے درد کا علاج جانتا ہوں اگر میں کوفہ کے علاقہ کو حجر کے حملات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور اسے عبرتناک سزا نہ دے سکا تو میری کوئی قدر ومنزل نہیں ہے افسوس ہو تیری ماں کی حالت پر اے حجر! کہ تم بھیڑیے کا لقمہ ہو گئے۔

طبری مزید نقل کرتا ہے: زیاد بن ابیہ نے ایک دن ایک لمبی چوڑی تقریر کی اور نماز میں تاخیر کی حجر بن عدی نے زبان کھولی اور کہا: زیاد! نماز کا خیال رکھنا، نماز کا وقت گزر گیا لیکن زیاد بن ابیہ نے اس کی باتوں کی طرف توجہ نہیں کی اور اپنی تقریر جاری رکھی پھر سے حجر نے بلند آواز نماز! نماز! زیاد نے پھر بھی اپنی تقریر کو جاری رکھا جب حجر کو وقت نماز کے گزر جانے کا خوف ہوا تو اس نے مسجد میں موجود کنکریوں سے دونوں مٹھیاں بھر کر پھینکا اور خود نماز کیلئے کھڑے ہو گئے لوگ بھی ان کے ساتھ نماز کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے جب زیاد نے اس حالت کا مشاہد کیا تو فوراً منبر سے اتر کر نماز کیلئے کھڑا

ہوگیا لوگوں نے بھی اس کے ساتھ نماز ادا کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد معاویہ کے نام ایک خط کے ضمن میں حجر کے حالات بھی منعکس کئے اور بہت سے دوسرے مطالب بھی اس کے خلاف لکھے۔

معاویہ نے زیاد کے خط کے جواب میں لکھا: اس کی گردن میں ایک بھاری زنجیر باندھ کر میرے پاس بھیج دو۔

استیعاب کا مؤلف اس داستان کو اس صورت میں بیان کرتا ہے جب معاویہ نے زید کو عراق اور اس کے نواحی علاقوں کی گورنری سونپی تو زیاد نے اس علاقہ میں برے سلوک اور سختی کا آغاز کیا اس وجہ سے حجر نے اس کی اطاعت کرنے سے انکار کیا لیکن معاویہ کی حکمرانی کی نافرمانی نہیں کی علی علیہ السلام کے شیعوں اور ان کے پیروں میں سے بعض لوگوں نے زیاد کو معزول کرنے کے سلسلہ میں حجر کی حمایت کی اور ان کی پیروی کی ایک دن حجر نے زیاد کی طرف سے نماز میں تاخیر کرنے کی وجہ سے زیاد کی طرف پتھر پھینکے۔

''اسد الغابہ'' اور''الاصابہ'' کے مؤلفین نے بھی اس مطلب کی تائید کی ہے۔

طبری اس روداد کو ایک دوسری روایت میں یوں نقل کرتا ہے:

زیاد نے اپنی پولیس کو یہ آڈر جاری کیا کہ وہ حجر کو گرفتار کرکے اسکے پاس لے آئیں، پولیس کے افراد جب حجر کے پاس پہنچے تو حجر کے ساتھیوں نے ان سے کہا: حجر، کبھی زیاد کے پاس نہیں جائیں گے ہم زیاد کیلئے کسی بھی قسم کے احترام کے قائل

نہیں ہیں۔ پولیس کے افسر نے دوسری بار چند مأ مورین کو بھیج دیا تا کہ حجر کو پکڑ کر اس کے پاس لے آئیں جب یہ مأ مورین حجر کے نزدیک پہنچے تو حجر کے ساتھیوں نے گالیوں اور بدگوئی سے ان کا جواب دیا۔

حجر کے ساتھیوں کا متفرق ہونا:

زیاد نے کوفہ کے بزرگوں اور اشراف کو اپنے پاس بلایا اور غضبناک حالت میں ان سے مخاطب ہوکر بولا: اے کوفہ کے لوگو! ایک ہاتھ سے سر پھاڑتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے مرہم پٹی باندھتے ہو تمہارے جسم میرے ساتھ اور دل حجر، پاگل اور سراپا شر وفساد کے ساتھ ہیں تم لوگ میرے ساتھ ہو لیکن تمہارے بھائی، بیٹے اور قبیلہ کے افراد حجر کے ساتھ ہیں یہ میرے ساتھ حیلہ اور فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ خدا کی قسم یا تم لوگ فوراً اس سے دوری اور بیزاری اختیار کرو ورنہ ایک ایسی قوم کو تمہارے شہر میں بھیج دوں گا جو کہ تم کو سیدھا کر کے رکھ دیں گے۔

جب زیاد کی بات یہاں تک پہنچی تو حضار مجلس اٹھ کر کھڑے ہوئے اور کہا: ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں کہ آپکے احکام کی پیروی کرنے اور امیرالمؤمنین (معاویہ) اور قرآن کی اطاعت کرنے کے علاوہ کوئی اور خیال نہیں رکھتے حجر کے بارے میں جو بھی آپ کا حکم ہو ہم اطاعت کرنے کے لئے حاضر ہیں آپ مطمئن رہیں۔

زیاد نے کہا: پس تم میں سے ہر ایک شخص اٹھے گا اور اپنے بھائی، فرزندں ورشتہ داروں اور قبیلہ

کے لوگوں کو حجر کے گرد سے اپنی طرف بلائے اور تم میں سے ہر شخص حتیٰ الامکان یہ کوشش کرے کہ حجر کے ساتھی متفرق ہو جائیں۔

کوفہ کے سرداروں نے زیاد کے حکم پر عمل کیا اور حجر کے گرد جمع ہوئے اکثر لوگوں کو متفرق کر دیا جب زیاد نے دیکھا کہ حجر کے اکثر ساتھی متفرق ہو گئے ہیں تو اس نے اپنے پولیس افسر کو حکم دیا کہ حجر کے پاس جائے اگر اس نے بات مانی اور اطاعت کی تو اپنے ساتھ میرے پاس لے آؤ ورنہ اپنے سپاہیوں کو حکم دے کہ بازار میں موجود لکڑی کے کھمبوں کو اکھاڑ کر ان پر حملہ کریں اور حجر کو میرے پاس لائیں اور جو بھی اس راہ میں رکاوٹ بنے اس کی پٹائی کریں۔

پولیس افسر نے اپنے افراد کو حکم دیا کہ بازار کے لکڑیوں کے کھمبوں کو اکھاڑ کر حملہ کریں زیاد کی پولیس کے سپاہیوں نے ایسا ہی کیا اور ڈنڈوں کے ساتھ حجر کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔

عمیر بن یزدی کندی جو خاندان ھند سے تعلق رکھتا تھا اور ''ابوالعمرطہ'' کے نام سے مشہور تھا، نے کہا؛ اے حجر! تیرے ساتھیوں میں میرے سوا کسی کے پاس تلوار نہیں ہے اور ایک شخص تو کچھ کر ہی نہیں سکتا ہے حجر نے کہا: اب میں کیا کروں مصلحت کیا ہے؟ عمیر نے کہا؛ تمہیں یہاں سے فوراً چلے جانا چاہئے اور اپنے قبیلہ کے افراد کے پاس پہنچنا چاہئے تاکہ وہ تیری حمایت اور نصرت کریں۔

اس وقت زیاد منبر پر چڑھ کر کھڑا مشاہدہ کر رہا تھا کہ پولیس کے افراد ڈنڈوں سے حجر کے افرد پر حملہ کر رہے تھے حمراء[1] میں سے بکر بن عبیہ عمودی نامی ایک شخص نے جو حجر کے ساتھیوں میں

۱۔ حمراء، ایک لقب تھا خلافت کے دربار میں موجود عربوں نے اس لقب کو ایرانیوں کیلئے رکھا تھا۔

سے تھا عمرو بن حمق[۱] کے سر پر زور سے ایک ضرب لگائی وہ زمین پر گر گیا لیکن قبیلہ ازد کے دو افراد نے اسے اٹھا کر اس کے قبیلہ کے ایک شخص کے گھر لے گئے عمرو کچھ دن اس گھر میں مخفی رہا اور ٹھیک ہونے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔

طبری کہتا ہے: اس حملہ کے بعد حجر کے ساتھی مسجد کے کندہ نامی دروازے کی طرف جمع ہوئے اس اثناء میں ایک پولیس والے نے عبداللہ بن خلیفہ طائی پر ایک ڈنڈہ مارا وہ زمین پر گر گیا اور پولیس والا یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

قد علمت یوم الھیاج خلتی   انی اذا فئتی تولت
و کثرت عداتھا او قلت   انی قتّال غداۃ بلت

۱۔ طبری عبداللہ بن عوف سے نقل کرتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مصعب کے قتل ہونے کے ایک سال بعد کوفہ میں داخل ہوا اتفاقاً راستہ میں ایک احمری شخص کو دیکھا جس دن عمر بن حمق زخمی ہوا تھا اس دن سے اسے نہیں دیکھا تھا اور تصور نہیں کرتا تھا کہ اگر کبھی عمرو کے مارنے والے کو دیکھ لوں تو اسے پہچان سکوں لیکن چونکہ میں نے اس کو دیکھا تھا تو احتمال دیا کہ یہ عمرو کا مارنے والا ہونا چاہئے میں نے سوچا کہ اگر موضوع کو سوال کی صورت میں پیش کروں تو ممکن ہے بالکل انکار کرے۔ اس لئے میں نے مسئلہ کو اس طرح پیش کیا: میں نے تمہیں اس روز کے بعد آج تک نہیں دیکھا جب تم نے عمرو پر حملہ کر کے اس کے سر کو زخمی کر دیا تھا، اس نے جواب میں کہا: تیری آنکھیں کتنی تیز بین اور تیری نظر کتنی رسا ہے۔ جی ہاں جو کام اس دن مجھ سے سرزد ہوا، اس کے بارے میں آج تک پشیمان ہوں کیونکہ عمرو ایک لائق اور شائستہ شخص تھا جب میرا گمان یقین میں بدل گیا تو میں نے اس سے کہا: خدا کی قسم جب تک نہ تجھ سے عمرو کا انتقام لے لوں تم سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ اس نے مجھ سے التماس اور درخواست کی کہ اسے معاف کردوں لیکن میں نے اس کی بات کی طرف توجہ نہیں کی۔ میرا ایک غلام جو ایرانی اور اصفہانی تھا، اس کے ہاتھ میں ایک بھاری برچھی تھی، اس نے اس سے لے لیا اور پوری زور سے اس شخص کے سر پر دے مارا کہ وہ زمین پر گر گیا اور اسی حال میں چھوڑ کر میں چلا گیا۔ لیکن بعد میں اس کا زخم ٹھیک ہو گیا تھا کہ ایک بار پھر اس سے ملاقات ہوئی ہر بار جب وہ مجھے دیکھتا تھا تو کہتا تھا: میرے اور تیرے درمیان خدا فیصلہ کرے گا۔ اور میں بھی اس کے جواب میں کہتا تھا: خدا تیرے اور عمرو بن حمق کے درمیان فیصلہ کرے۔

میرے دوست جانتے ہیں اگر میدان کارزار میں میرا ہم رزم گروہ بھاگ جائے اور ہمارے دشمن زیادہ ہوں میں اس کمی کے باوجود ایسا قتل عام کروں گا کہ دوسرے فرار کر جائیں گے۔

حجر مخفی ہوجاتے ہیں:

اس کے بعد حجر کے ساتھی مسجد کے ان دروازوں سے باہر نکلے جن کا نام کندہ تھا حجر گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے گھر کی طرف چلے گئے پھر بھی اس کے بعض ساتھیوں نے اس کے گھر میں اجتماع کیا، جو قبیلۂ کندہ کے افراد کی نسبت کم تھے اسی جگہ پر حجر کے سامنے زیاد کے مأمورین اور حجر کے ساتھیوں کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی حجر نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر کہا: افسوس ہے تم پر! کیا کرر ہے ہو؟ جنگ نہ کرو اور متفرق ہوجاؤ۔ میں بعض کوچوں میں سے گزر کر قبیلہ بنی حرب کی طرف جاتا ہوں اس کے بعد حجر اسی طرف روانہ ہوگئے اور سلیم بن یزدنامی بنی حرب کے ایک شخص کے گھر میں داخل ہوئے زیاد کے مأمور اور پولیس جو حجر کا پیچھا کرر ہے تھے نے اس گھر کو تحت نظر رکھا اور اسے اپنے محاصرہ میں قرار دیا سلیم نے جب اپنے گھر کو زیاد کے مأمورین کے محاصرہ میں پایا تو اس نے اپنی تلوار کھینچ لی تا کہ زیاد کے مأمورین سے جنگ کرے اس کی بیٹیوں کے رونے کی آواز بلند ہوئی حجر نے پوچھا: سلیم! تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس نے جواب میں کہا: میں ان لوگوں سے درخواست کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ سے دست بردار ہوکر چلے جائیں، اور اگر انہوں نے میری بات قبول نہ کی تو جب تک میرے ہاتھ میں یہ تلوار ہے ان سے لڑوں گا اور تمہارا دفاع کروں گا حجر نے کہا: لا ابا

لغیر ک ـ تیرے علاوہ بن باپ کا ہے میں نے تیری بیٹیوں کیلئے کیا مصیبت پیدا کی ہے! سلیم نے کہا: نہ ان کا رزق میرے ہاتھ میں ہے اور نہ میں ان کا محافظ ہوں ان کا رزق اور ان کی حفاظت اس خدا کے ہاتھ میں ہے جو ہمیشہ زندہ ہے اور مرگ و زوال اس کے لئے ہرگز نہیں ہے میں کسی بھی قیمت پر اس ذلت کو برداشت نہیں کروں گا کہ وہ میرے گھر میں داخل ہو کر میرے مہمان اور جاگزین شخص کو گرفتار کریں اور جب تک میں زندہ ہوں اور تلوار میرے ہاتھ میں ہے ہرگز اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ تجھے میرے گھر میں گرفتار کیا جائے اور تجھے اسیر کر کے زنجیروں میں جکڑا جائے مگر یہ کہ مجھے تیرے سامنے قتل کیا جائے اسکے بعد جو چاہیں کریں حجر نے کہا: سلیم! تیرے اس گھر میں کوئی سوراخ یا کہیں پست دیوار نہیں ہے؟ تا کہ میں راستہ سے خود کو باہر پہنچا دوں؟ شاید خداوند عالم مجھے ان افراد کے شر سے اور تجھے جنگ و قتل سے نجات دے؟ کیونکہ جب وہ مجھے تیرے پاس نہ پائیں گے تو تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچائیں گے سلیم نے کہا؛ کیوں، یہ ایک سوراخ ہے یہاں سے نکل کر بنی عنبر اور دیگر قبیلوں کے یہاں پہنچ سکتے ہو جو تیرے رشتہ دار ہیں حجر سلیم کے گھر سے چلے گئے اور کوچوں کے پیچ و خم سے گزر کر قبیلۂ نخ کے یہاں پہنچ گئے اور اشتر کے بھائی عبداللہ بن حارث کے گھر میں داخل ہوئے حارث نے حجر کا استقبال کیا اور ان کی مہماں نوازی اور حمایت کی ذمہ داری لے لی جو عبداللہ کے گھر میں تھا ایک دن اسے اطلاع ملی کہ زیاد کی پولیس اسے قبیلہ نخ میں ڈھونڈ رہی ہے اور اس کا پیچھا کر رہی ہے اس کی سیاہ فام کنیز نے پولیس والوں کو یہ اطلاع دی تھی حجر قبیلۂ نخ میں ہے جب پولیس

والے اس سے مطلع ہوئے تو حجر عبداللہ کے گھر سے بھیس بدل کر رات کو نکل گئے اور خود عبداللہ بھی سوار ہوکر اس کے ساتھ نکلا یہاں تک ربیعہ بن ناجد ازدی کے گھرے میں داخل ہو گئے ایک دن اور رات وہاں پر ٹھہرے اس طرح سپاہی کافی تلاش کے باوجود حجر کو گرفتار نہ کر سکے اور ناامیدی کے ساتھ زیاد کی طرف واپس لوٹے پھر زیاد بن ابیہ نے حجر کو گرفتار کرنے کیلئے ایک دوسری راہ کا انتخاب کیا اور اس طرح حجر بن عدی کو گرفتار کیا گیا اگلی فصل میں داستان کا باقی حصہ بیان کریں گے۔

حجر بن عدی کی گرفتاری

والله لا حرصنّ علی قطع خیط رقبة

خدا کی قسم کوشش کرتا ہوں کہ اس کی گردن کی رگ کو

کاٹ دوں

زیاد بن ابیہ

جیسا کہ ہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ زیاد کے مأمور حجر کو گرفتار نہ کرسکے اور ناامیدی کی حالت میں واپس آئے زیاد نے روداد کو جب اس حالت میں دیکھا تو حجر کی گرفتار کیلئے دوسری راہ اختیار کی اور وہ یہ کہ: محمد بن اشعث کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا: اے ابو میثاء! حجر جہاں بھی ہو اسے تمہیں تلاش کرنا ہوگا اور اسے تلاش کر کے میرے حوالہ کرنا، ورنہ خدا کی قسم تیرے تمام درختوں کو کاٹ دوں گا، تیرے گھر کو مسمار کردوں گا اور تجھے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالوں گا۔

ابن اشعث نے کہا: امیر! مجھے مہلت چاہئے۔ زیاد نے کہا: اس کام کو انجام دینے کیلئے تجھے تین دن کی مہلت دیتا ہوں اگر تین دنوں کے اندر حجر کو لاسکے تو نجات پاؤ گے ورنہ اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرنا اس کے بعد حکم دیا محمد بن اشعث ــ جس کا رنگ اڑ گیا تھا اور حالت بگڑ گئی تھی ــ کو گھسیٹتے

ہوئے زندان کی طرف لے گئے۔ حجر بن یزید کندی نے جب محمد کو اس حالت میں دیکھا تو زیاد کے پاس آ کر کہا؛ امیر! میں محمد کیلئے ضمانت دیتا ہوں اسے آزاد کردو تا کہ حجر کو تلاش کرے کیونکہ اگر اسے زندان میں ڈالنے کے بجائے آزاد چھوڑ دو تا کہ پورے انہاک اور لگن کے ساتھ اس کام کو انجام دے۔ زیاد نے کہا: کیا تم اس کی ضمانت دو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں، زیاد نے کہا: اے ابن یزید: باوجود اس کے کہ تم میرے نزدیک بلند مقام ومنزلت کے حامل ہو اگر محمد بن اشعث ہمارے چنگل سے فرار کر گیا تو تجھے موت کے حوالہ کر کے نابود کر دوں گا۔

حجر بن یزید نے کہا: محمد ہرگز مجھے ضمانت میں پھنسا کر فرار نہیں کرے گا اس کے بعد زیاد نے محمد کو آزاد کرنے کا حکم دیا پھر زیاد نے قیس بن یزید کو اپنے پاس بلایا جو جیل میں تھا اور اسے کہا؛ قیس! میں جانتا ہوں کہ حجر کے رکاب میں تیرا جنگ کرنا خاندانی تعصب کی بناء پر تھا نہ عقیدہ اور ہم فکری کی وجہ سے میں نے تیری اس خطا اور گناہ کو بخش دیا اور تجھے عفو کیا کیونکہ میں نے جنگ جمل میں معاویہ کے رکاب میں تیری حسن رائے اور جانفشانی کے بارے میں سنا ہے لیکن تجھے آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ اپنے بھائی عمیر کو میرے پاس حاضر نہ کرو گے۔ قیس نے جواب دیا: انشاء اللہ جتنا جلد ممکن ہو سکا اسے تیرے حضور میں پیش کروں گا زیاد نے کہا: کوئی تیری ضمانت کرے تا کہ تجھے آزاد کر دوں قیس نے کہا: یہی حجر بن یزید میرا ضامن ہے حجر بن یزید نے کہا: جی ہاں، میں قیس کی ضمانت دیتا ہو، اس شرط پر کہ امیر، ہمارے عمیر کو امان دیدے اور اس کی طرف سے ان کی جان و مال پر کوئی نقصان نہ

پہنچے زیاد نے کہا: میں نے عمیر کو امان دی۔

قیس اور حجر گئے اور عمیر کو زخمی بدن اور خون آلود حال میں زیاد کے پاس لے آئے اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن پر ایک بھاری زنجیر ڈالی دیں زنجیر ڈال کر زیاد کے حکم کے مطابق بعض مأمورین زنجیر کو پکڑ کر اسے دیوار کی بلندی تک کھینچتے اور پھر زنجیر کو چھوڑ دیتے تھے کہ وہ زور سے زمین پر گرتا تھا دوبارہ اسے دیوار کی بلندی تک کھینچتے تھے اور زمین پر چھوڑتے تھے حجر بن یزید نے اعتراض کرتے ہوئے کہ؛ اے امیر: کیا تم نے اسے امان نہیں دیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں میں نے اس کے مال و جان کو امان دی ہے نہ اس کے بدن کو۔ میں نہ خون بہاتا ہوں اور نہ اس کے مال سے کچھ لیتا ہوں، حجر نے کہا: وہ تو تیرے اس عمل سے مرنے کے قریب ہو جائے گا

اس کے بعد حاضرین بزم میں سے یمنی جماعت نے اُٹھ کر زیاد سے گفتگو کی اور عمیر کی آزادی کی درخواست کی۔ زیاد نے کہا: اگر تم لوگ اس کی ضمانت کرو گے اور وعدہ کرو گے کہ اگر اس نے پھر سے ہماری سیاست اور حکومت کے خلافت کوئی کاروائی کی تو تم لوگ تو خود اسے گرفتار کر کے ہمارے حوالہ کرو گے تو میں اسے آزاد کر دوں گا۔ انہوں نے کہا: جی ہاں، اس تعہد و ضمانت کو قبول کرتے ہیں۔ زیاد نے عمیر کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

حجر کا مخفی گاہ سے باہر آنا:

ایک شب و روز تک، حجر بن عدی، ربیعہ ازدی کے گھر میں پناہ گزین رہے اسی جگہ پر حجر مطلع

ہوئے کہ زیاد نے محمد بن اشعث سے تعہد لیا ہے کہ حجر کو اس کے حوالہ کردے گا ورنہ اس کی ثروت پر قبضہ، گھر کو مسمار اور خود اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا حجر نے یہ خبر سننے کے بعد محمد بن اشعث کو پیغام بھیجا کہ تیرے بارے میں اس ظالم اور ستم گر کی باتوں کو میں نے سنا، لیکن پریشان نہ ہونا کیونکہ میں خود تیرے پاس آجاؤں گا لیکن تم بھی اپنے قبیلہ کے افراد کو جمع کرنا اور ان کے ہمراہ زیاد کے پاس جانا اور اس سے میرے لئے امان کی درخواست کرنا تا کہ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے اور مجھے معاویہ کے پاس بھیج دے تا کہ میرے بارے میں خود وہ فیصلہ کرے۔ جب یہ خبر محمد بن اشعث کو پہنچی تو وہ اٹھ کر حجر بن یزید، جریر بن عبداللہ اور مالک اشتر کے بھتیجے عبداللہ بن حارث کے گھر گیا اور ان سب کو اپنے ساتھ لے کر زیاد کے پاس گیا اور اس کے ساتھ حجر بن عدی کے بارے میں گفتگو کی اور حجر کو امان دینے اور اسے معاویہ کے پاس بھیجنے کی درخواست کی۔ زیاد نے ان کی درخواست منظور کی اور حجر ابن عدی کو امان دی۔

انہوں نے بھی حجر بن عدی کو اطلاع دیدی کہ زیاد نے تیری درخواست منظور کر لی ہے اور تجھے امان دیا ہے اب تم اپنی مخفی گاہ سے باہر آسکتے ہو، اور زیاد سے ملاقات کر سکتے ہو حجر بن عدی بھی ربیعہ کے گھر سے باہر آگئے اور دارالامارہ میں گئے حجر پر زیاد کی نظر پڑتے ہی زیاد نے کہا:

مرحبا ہو تم پر اے عبدالرحمان، جنگ کے دنوں میں جنگ و خونریزی اور صلح و آرام کے دنوں میں بھی جنگ و خونریزی؟ **علی اھلھا تجنی براقش**[1] حجر نے زیاد کے جواب میں کہا: میں نے

۱۔ کہتے ہیں ایک عرب قبیلہ کے کتے کا نام 'براقش' تھا، ایک رات کو اس کتے نے گھوڑوں کے چلنے کی آواز سنی اور بھونکا۔ گھوڑوں پر چڑھے

نہ اطاعت سے انکار کیا ہے اور نہ جماعت سے دوری اختیار کی ہے بلکہ میں اپنی سابقہ بیعت ۔ معاویہ ۔ پر قائم ہوں ۔

زیاد نے کہا: ھیہات، ھیہات، ! بعید ہے اے حجر! تم ایک ہاتھ سے تھپڑ مارتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے نوازش کرتے ہو تم چاہتے ہو کہ جب ہم تم پر کامیاب ہوں تو اس وقت تجھ سے راضی ہو جائیں! خدا کی قسم نہیں!

حجر نے کہا: کیا تم نے مجھے امان نہیں دی ہے تاکہ معاویہ کے پاس جاؤں اور جس طرح وہ چاہے میرے ساتھ برتاؤ کرے؟

زیاد نے کہا: کیوں نہیں، میں نے ہی تجھے امان دی ہے اس کے بعد مأمورین کی طرف رخ کر کے بولا: اسے زندان لے جاؤ جب حجر زندان کی طرف روانہ ہوئے زیاد نے کہا:

خدا کی قسم اگر اسے امان نہ دیا ہوتا تو یہیں پر اس کا سر قلم کر دیتا اور خدا کی قسم آرزو رکھتا ہوں کہ اس کا انتقام لے کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر کے رکھدوں ۔ حجر نے بھی زندان کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز میں کہا: خدایا! تو شاہد رہنا میں اپنی بیعت اور عہد و پیمان پر باقی ہوں میں نے اسے نہیں توڑا ہے اور نہ اسے توڑنے کا ارادہ رکھتا ہوں! لوگو! سن لو!

اس وقت اس سرد ہوا میں حجر کے سر پر صرف ایک ٹوپی تھی، اسے دس دن کیلئے جیل بھیج دیا گیا۔

☜ ڈاکو سوار تھے اس کتے کی آواز پر اس قبیلہ کے گھر شناسائی کر کے اس پر شب خون مارا اور تمام ثروت کو لے بھاگے اس روز کے بعد عربوں میں یہ جملہ ضرب المثل بنا ہے: " علی اھلھا جنت براقش " یہ ضرب المثل اس وقت کہتے ہیں جب کوئی خود اپنے کام پر یا قبیلہ پر ظلم کرتا ہے براقش کتے نے اپنے ہی مالک پر ظلم کیا۔

حجر کے ساتھیوں کی گرفتاری

اس مدت کے دوران زیاد نے حجر کے ساتھیوں کو پکڑنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد جو حجر کے خاص ساتھی تھے نے کوفہ سے فرار کیا اور عراق کے موصل پہنچے اور وہاں پر ایک پہاڑ کے درمیان مخفی ہو گئے اور ایک جگہ کو اپنے لئے پناہ گاہ قرار دیا ، جب علاقہ کے چودھری کو اطلاع ملی کہ دو نا شناس افراد پہاڑوں میں ایک غار میں مخفی ہوئے ہیں وہ ان کے بارے میں شک میں پڑ گیا اور چند لوگوں کے ہمراہ انکی طرف بڑھا ، جب کوہ کے دامن پر پہنچے تو وہ دونوں پہاڑ کے درمیان سے باہر نکلے عمر بن حمق سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے بہت تھک چکا تھا اور اب اس میں فرار کی ہمت باقی نہیں رہی تھی اس لئے اس نے فرار اور مقابلہ کرنے پر ہتھیار ڈالنے کو ہی ترجیح دیا لیکن رفاعہ عمر کے لحاظ سے جوان اور جسم کے لحاظ سے قوی اور طاقتور تھا وہ گھوڑے پر سوار ہوا تا کہ عمرو بن حمق کا دفاع کرے اور اسے گرفتار ہونے سے بچالے عمرو نے اسے کہا: رفاعہ! تیری جنگ اور مقابلہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگر ہو سکے تو اپنے آپ کو ہلاکت سے بچالو اور اپنی جان کا تحفظ کرلو رفاعہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی صف کو توڑ کر بھاگنے اور اپنے آپ کو نجات دینے میں کامیاب ہو گیا لیکن عمرو بن حمق پکڑا گیا اس سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب میں کہا: میں وہ ہوں ، اگر مجھے آزاد کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر قتل کرو گے تو تمہارے لئے گراں تمام ہوگا اس نے صرف اسی جملہ پر اکتفا کیا اور اپنا تعارف کرانے سے اجتناب کیا لہذا اسے موصل کے حاکم عبدالرحمان بن عبد

اللہ ثقفی معروف بہ ابن ام حکم ۔ معاویہ کے بھانجے ۔ کے پاس بھیجا عبدالرحمان نے عمرو کو پہچان لیا اس نے معاویہ کو ایک خط میں اس کے فرار کرنے اور پکڑے جانے کی روئداد لکھی اور اس کے بارے میں اپنا وظیفہ دریافت کیا۔

معاویہ نے خط کے جواب میں لکھا: عمرو بن حمق نے اپنے اعتراف کے مطابق عثمان کے بدن پر برچھی کے نو ضربیں لگائیں ہم اس سے تجاوز کرنا نہیں چاہتے لہذا جس طرح اس نے عثمان کے بدن پر نو ضرب لگائی ہیں اسی طرح تم بھی اس کے بدن پر برچھی سے نو ضرب لگاؤ۔

عبدالرحمان نے عمرو کے بارے میں معاویہ کے حکم پر عمل کیا پہلی یا دوسری بار جب اس کے بدن پر برچھی کی ضرب لگائی گئی تو اس نے جان دیدی۔

عمرو بن حمق کون ہے؟

عمرو بن حمق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صحابی رسولؐ بننے کی سعادت حاصل کی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کثیر تعداد میں احادیث یاد کیں جب عمرو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک گلاس پانی پیش کیا آنحضرتؐ نے اس کیلئے یوں دعا کی:

خدایا: اسے جوانی سے بہرہ مند فرما: **اللھم امتعہ بشبابہ**''

لہذا اسی (۸۰) سال کی عمر میں بھی اُن کے چہرے پر جوانی کا نشاط نمایاں تھا، حتی اس کے سر و

صورت کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔

وہ ان افراد میں سے ہیں جنہوں نے عثمان کے خلاف بغاوت میں شرکت کی عمرو بن حمق عثمان کے مظالم سے مقابلہ کرنے کیلئے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ان چار افراد میں سے ایک ہیں جو عثمان کے گھر میں داخل ہوئے۔[1] وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے نزدیک ترین اصحاب میں سے تھے علی علیہ السلام کی تمام جنگوں جنگ جمل، صفین اور نہروان میں علی کی رکاب میں شرکت کی ہے زیاد بن ابیہ سے ڈر کے مارے کوفہ سے بھاگ کر موصل فرار کر گئے موصل کے حاکم نے معاویہ کے حکم سے ان کا سر قلم کر کے معاویہ کے پاس بھیجدیا۔

مؤرخین نے کہا ہے: اسلام میں جو پہلا سر شہر بہ شہر لے جایا گیا عمرو بن حمق کا کٹا ہوا سر تھا۔

جب اس کے سر کو معاویہ کے پاس لایا گیا اس نے حکم دیا اس کے سر کو اس کی بیوی (آمنہ بنت شرید)۔۔جو معاویہ کے حکم سے ایک مدت سے شام کے زندان میں تھی۔۔کے پاس لے جائیں عمرو کے کٹے ہوئے سر کو زندان میں اسکی بیوی کی آغوش میں پھینک دیا گیا آمنہ اپنے شوہر کا کٹا سر دیکھ کر مضطرب اور وحشت زدہ ہوئی اس کے بعد کٹے ہوئے سر کو آغوش میں لے کر اپنے ہاتھ کو اپنے شوہر

---

[1] ۔عثمان کے قتل میں کن لوگوں نے براہ راست اقدام کیا اسکے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں محمد ابن ابی بکر نے ہاتھ میں لئے ہوئے نیزہ سے ضرب لگائی اور اسے قتل کیا لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ محمد بن ابوبکر اسکے گھر میں داخل ہوئے لیکن سودان بن حمران نامی ایک شخص نے اسے قتل کیا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر عثمان کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا جس پر عثمان نے کہا: ایک ایسے ریش کو کھینچ رہے ہو کہ تیرا باپ اس کا احترام کرتا تھا اور تیرا باپ تیرے اس کام سے راضی نہیں ہوگا محمد نے جب عثمان کا یہ جذباتی کلام سنا تو چھوڑ کر اس گھر کے سے باہر نکل گئے۔

کی پیشانی پر رکھا اسکے ہونٹوں کو چوما اور پھر کہا: ''ایک طولانی مدت تک اس نے مجھ سے جدا کر دیا اور آج اس کا کٹا سر میرے لئے تحفہ کے طور پر لائے ہو آفرین ہو اس تحفہ پر، مرحبا اس ہدیہ پر[۱] عمرو بن حمق ۵۰ھ میں شہید ہوئے[۲]

۱۔غیر قالیۃ و مقلیۃ

۲۔ہم نے عمرو بن حمق کی زندگی کے حالات کو''استیعاب''، اسد الغابہ اور اصابہ سے نقل کیا ہے لیکن اس کے کٹے سر کو اس کی بیوی کے پاس بھیجنے کی روایت کو صرف اسد الغابہ سے نقل کیا ہے۔

حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا قتل

اللّٰھم انما نستعدیک علی امتنا ....

خداوندا! ہم اپنی ملت سے، کوفہ شام کے بظاہر ان

مسلمانوں سے تیری بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں!

حجر ابن عدی

طبری کہتا ہے: زیاد بن ابیہ نے حجر ابن عدی کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کی زبردست کوشش کی ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طرف فرار کرتا رہا جہاں کہیں بھی ان میں سے کسی کو پایا گرفتار کر لیتا تھا۔

صیفی کی گرفتاری

طبری کہتا ہے: قیس بن عباد شیبانی، زیاد کے پاس گیا اور کہا: ہمارے قبیلہ میں صیفی بن فسیل نامی خاندان ہمام کا ایک شخص ہے وہ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں ایک بزرگ شخصیت، وہ تیرے

شدید مخالفوں میں سے ہے، زیاد نے ایک مامور کو بھیجا اور صیفی کو لایا گیا زیاد نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: اے دشمن خدا! ابوتراب کے بارے میں تیرا عقیدہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں ابوتراب کو نہیں جانتا ہوں زیاد نے کہا: تم اسے اچھی طرح جانتے ہو! صیفی نے کہا: نہیں، میں ابوتراب کو نہیں جانتا ہوں! زیاد نے کہا: کیا تم علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو نہیں جانتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ زیاد نے کہا: وہی تو ابوتراب ہیں! صیفی نے کہا: نہیں، وہ ابوالحسن اور ابوالحسین ہیں۔ زیاد کی پلیس افسر نے صیفی کو دھمکی دیتے ہوئے کہا: کہ امیر کہتا ہے وہ ابوتراب ہیں اور تم کہتے ہو نہیں؟ صیفی نے کہا: اگر امیر جھوٹ کہے تو کیا مجھے بھی اس کے جھوٹ کی تائید کرنی چاہئے اور اسکے باطل اور بے بنیاد مطالب پر گواہی دوں؟! زیاد نے کہا: صیفی! یہ بھی ایک دوسرا گناہ ہے۔ حکم دیا ایک عصا لائیں، اس کے بعد صیفی سے مخاطب ہو کر بولا: تم علی علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صیفی نے کہا: بہترین بات جو ایک بندۂ خدا کیلئے زبان پر جاری کر سکتا ہوں وہی علی علیہ السلام کے بارے میں کہوں گا زیاد نے حکم دیا کہ عصا سے اس کی گردن پر اس قدر ماریں تا کہ زمین پر گر جائے۔ ظالموں نے ایسا ہی کیا۔ زیاد نے کہا: اسے چھوڑ دو اس کے بعد سوال کیا: اب بتاؤ علی علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صیفی نے کہا: خدا کی قسم اگر مجھے چاقو سے ٹکڑے ٹکڑے کر دو تو علی علیہ السلام کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ نہیں سُن پاؤ گے۔ زیاد نے کہا: علیؑ پر لعنت کرو ورنہ تیرا سر قلم کر دوں گا۔ صیفی نے کہا: خدا کی قسم اگر میرے سر کو تن سے جدا کر دو گے تب بھی میری زبان پر علی علیہ السلام پر لعنت جاری نہیں ہوگی اب

اگر چاہتے ہوتو میرا سر قلم کردو کہ میں راہ خدا میں خوشنود ہوں لیکن تمہارا انجام بدبختی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

زیاد نے کہا: بعد میں اس کا سر قلم کرنا۔ اس کے بعد کہا: اس کو زنجیروں میں جکڑ کر زندان بھیجدو۔

عبداللہ بن خلیفہ کی گرفتاری:

اسکے بعد زیاد نے بکیر بن حمران احمری کو اس کے چند ساتھیوں کے ہمراہ حکم دیا کہ عبداللہ بن خلیفہ ــ جو قبیلہ طی سے تھا ــ کو گرفتار کریں، عبداللہ بن خلیفہ وہ شخص تھا جس نے حجر بن عدی کی بغاوت میں اس کا تعاون کیا تھا۔ بکیر اور اس کے ساتھی عبداللہ بن خلیفہ کو ڈھونڈنے نکلے اور اسے عدی بن حاتم کی مسجد میں پایا اسے وہاں سے باہر لائے چونکہ وہ اسے زیاد کے پاس لے جانا چاہتے تھے۔ عبداللہ چونکہ ایک باعزت باوقار شخص تھے اس لئے انھوں نے زیاد کے پاس جانے سے انکار کیا نتیجہ کے طور پر اس کے اور مأمورین کے درمیان جھڑپ ہوئی مأمورین نے اس کے سر پر ضرب لگائی اور لکڑی اور پتھر سے انھیں زخمی کر دیا یہاں تک کہ وہ زمین پر گر گئے۔ اس کی بہن ''میثاء'' نے قبیلہ طی کے افراد کی طرف فریاد بلند کرتے ہوئے کہا: اے قبیلۂ طی! کیا ابن خلیفہ جو تمہاری زبان، نیزہ وسنان ہے دشمن کے ہاتھ میں دیدوگے؟! جب ''میثاء'' کی آواز بلند ہوئی ابن زیاد کا مأمور احمری (غیر عرب) ڈر گیا کہ کہیں اس کی گرفتاری اس کے قبیلہ کے افراد کے مشتعل ہونے کا سبب نہ بنے اور اس کے قبیلہ کے

افراداس کی مدد کیلئے اٹھ کھڑے ہو جائیں اور اسے قتل کر ڈالیں لہذا اس نے ابن خلیفہ کو اپنے حال پر چھوڑ کر فرار کر گیا۔ قبیلۂ طی کی چند عورتیں جمع ہوئیں اور ابن خلیفہ کو ایک گھر میں لے گئیں احمری بھی زیاد کے پاس پہنچا اور کہا: قبیلۂ طی کے لوگ میرے خلاف جمع ہوئے ہیں چونکہ میرے ہمراہ ان سے مقابلہ کرنے کیلئے مناسب تعداد میں افراد نہیں تھے اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔

زیاد نے کسی کو قبیلہ طی کے سردار عدی بن حاتم طائی کے پاس بھیج دیا جو مسجد میں تھا اسے گرفتار کر کے کہا تمہیں عبداللہ ابن خلیفہ کو جو تمہارے قبیلہ کا ہے۔ ہمارے یہاں پیش کرنا چاہئے عدی نے کہا؛ جسے ان لوگوں نے قتل کیا ہے اسے میں کیسے تیرے پاس پیش کروں گا؟ زیاد نے کہا: اسے لانا پڑے گا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مر گیا ہے یا زندہ ہے عدی نے دوبارہ کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں وہ کہاں اور کس حالت میں ہے؟ زیاد نے حکم دیا کہ عدی بن حاتم کو جیل بھیج دیا جائے عدی کی گرفتاری پر کوفہ کے لوگوں میں بے چینی پھیلی خاص کر قبائل ''یمنی'' قبیلہ ''مضر'' اور ربیعہ نے شدید ردعمل کا اظہار کیا ان قبائل کے سردار زیاد کے پاس آگئے اور عدی کے بارے میں اس سے گفتگو کی اور اس کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

دوسری طرف سے خود عبداللہ بن خلیفہ نے عدی کو پیغام بھیجا اگر چاہتے ہو تو مخفی گاہ سے باہر آجاؤ اور میں تیری مدد کرنے کیلیے حاضر ہوں۔

عدی نے جواب میں کہا: خدا کی قسم اگر تم میرے پیروں کے نیچے بھی مخفی ہو گے تو میں قدم نہیں

اٹھاؤں گا یہاں تک کہ تیرا تحفظ کروں گا خلاصہ یہ کہ ان قبائل کے سرداروں کی سرگرمیاں کے نتیجہ میں زیاد عدی کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا اسے زندان سے بلا کر کہا: عدی! میں تجھے آزاد کرتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ عبداللہ بن خلیفہ کو کوفہ سے جلاوطن کر کے طی کے پہاڑوں میں بھیج دیا جائے۔

عدی نے اس شرط کو قبول کیا اور عبداللہ کو پیغام بھیج دیا تا کہ شہر کوفہ سے چلا جائے جب ایک مدت کے بعد زیاد کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں اس سے تیرے بارے میں گفتگو کروں گا اور تیری مکمل آزادی کیلئے راہ ہموار کروں گا۔ اس پیغام کے مطابق عبداللہ باہر آئے اور پھر سے اپنی آزادی حاصل کی۔

کریم بن عفیف کی گرفتاری

کریم بن عفیف، قبلہ ''خثعم'' کا وہ شخص تھا جسے زیاد بن ابیہ نے حجر بن عدی سے تعاون کے الزام میں گرفتار کیا زیاد نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: میں کریم بن عفیف ہوں۔ زیاد نے کہا؛ افسوس ہے تم پر! تیرا اور تیرے باپ کا نام کتنا اچھا ہے؟ لیکن تیرا عمل و کردار کتنا بدنما ہے؟! ابن عفیف نے کہا: زیاد ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہے کہ تم پہچان لئے گئے، یہ کہنا اس کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے زیاد بھی اس کی طرح علی علیہ السلام کے دوستداروں میں تھا۔

گرفتار کیئے گئے لوگوں کی تعداد

زیاد بن ابیہ نے حجر کے ساتھیوں کو ہر طرف سے پکڑ کر جیل میں بھیج دیا یہاں تک کہ ان کی

تعداد دو ہزار افراد تک پہنچ گئی۔اس کے بعد ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے ۔ قبائل کے سرداروں اور کوفہ کے محلوں کے بزرگوں کو جمع کیا ان کے ذریعہ حجر اوران کے ساتھیوں کے خلاف مقدمہ اور شہادت نامہ مرتب کر کے انھیں شام روانہ کیا، ان کے پیچھے مزید دو افراد کو روانہ کیا کہ مجموعاً چودہ افراد ہو گئے۔

یہ چودہ افراد ''جبانۂ عرزم'' نامی ایک قبرستان کے نزدیک پہنچے اس قبرستان کے نزدیک ''قبیصۃ بن ضبیعہ'' نامی ایک گرفتار شدہ شخص کا گھر تھا۔قبیصہ نے اپنی بیٹیوں کو دیکھا جو مکان کی چھت سے اس کو دیکھ رہیں تھیں اور سرد آہیں بھرتی اور دلخراش صورت میں آنسو بہاتی ہوئی اسے رخصت کر رہیں تھیں۔

قبیصہ نے بھی اپنے گھر اور بچوں پر ایک نظر ڈالی اور مأمورین سے درخواست کی کہ اسے اجازت دیدیں تا کہ اپنی بیٹیوں کو کچھ وصیت کرے جب وہ بیٹیوں کے نزدیک پہنچا تو انتہائی گریہ و زاری کی حالت میں ایک دوسرے سے ملے چند لحہ رکنے کے بعد بولا: میری بیٹیو! ذرا سکون میں آجاؤ۔ جب وہ کچھ دیر کیلئے سکون میں آگئیں قبیصہ نے کہا: میری بیٹیو! خدا سے ڈرو اور صبر وشکیبائی کو اپنا طریقہ بنانا میں جس راہ پر جارہا ہوں خداوند عالم سے دو نیکیوں میں سے ایک کی امید رکھتا ہوں یا شہید ہو جاؤں گا کہ میرے لئے شہادت خوشبختی ہے یا صحیح وسالم تمہارے درمیان واپس آجاؤں گا بہر صورت تمہیں رزق دینے والا اور سرپرست وہی خدا ہے جو ہمیشہ زندہ ہے اور موت وزوال اس کیلئے

نہیں ہے امید رکھتا ہوں کہ وہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔

قبیصہ جب اپنی بیٹیوں سے آخری دیدار کر کے واپس آ رہا تھا اپنے رشتہ داروں سے ملا۔ وہ اسکے سلامتی کیلئے دعا کر رہے تھے لیکن انہوں نے اس کی آزادی کیلئے کسی قسم کی کوشش نہیں کی قبیصہ نے کہا؛ میرے نزدیک گرفتاری کا خطرہ ہلاکت و بدبختی کے مساوی ہے میری قوم: مدد کرے یا نہ کرے ان کیلئے ہلاکت و بدبختی کا مشاہدہ کر رہا ہوں؟ قبیصہ ان سے تعاون کی امید رکھتا تھا لیکن انہوں نے اس کام میں پہلوتہی کی۔

گرفتار ہوئے افراد کی راستے میں عبداللہ بن جعفی سے ملاقات ہوئی، عبداللہ نے ان کو دیکھ کر کہا؛ کیا دس آدمی نہیں ہیں جو میری مدد کرتے تاکہ ان چودہ افراد کو ان ظالموں سے چھٹکارا دلاتا؟ اس کے بعد کہا: کیا پانچ افراد بھی نہیں ہیں جو میری مدد کرتے تاکہ ان مظلوموں کو ان ظالموں سے نجات دلاتا لیکن کسی ایک نے بھی عبداللہ کو مثبت جواب نہیں دیا اور اس کی نصرت کیلئے نہیں اٹھا اس کیلئے افسوس اور غم واندوہ کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔

حجر اور اسکے ساتھیوں کیلئے آخری حکم

ان چودہ افراد کو شہر دمشق سے بارہ میل کی دوری پر ''مرج عذرا'' نامی ایک جگہ پر پہنچا دیا گیا اور وہیں پر انھیں جیل میں ڈال دیا گیا، جب زیاد کا نمائندہ دمشق میں معاویہ سے ملنے جا رہا تھا حجر بن عدی ــــ جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا ــــ اٹھا اور بولا: یہ ہمارا پیغام بھی معاویہ کو پہچانا کہ ہمارا خون بہانا

مناسب اور جائز نہیں ہے کیونکہ معاویہ نے ہمارے ساتھ صلح کی ہے[۱]

معاویہ سے کہدو: ہمارا خون بہانے میں جلد بازی نہ کرے۔ اس بارے میں بیشتر غور وفکر اور وقت سے کام لے جب معاویہ کی مجلس میں ان چودہ افراد کی حالت بیان ہوئی، حضار میں سے چند افراد نے کئی افراد کی شفاعت کی اور معاویہ نے ان میں سے چھ افراد کی آزادی کا حکم دیا اور باقی آٹھ افراد کے قتل کا حکم دیا۔

غروب کے وقت معاویہ کے مأمور حکم کو نافذ کرنے کیلئے ''مرج عذرا'' پہنچے۔ حجر کے ساتھیوں میں سے خثعمی مأمورین کا مشاہدہ کرر ہا تھا ان میں سے ایک کو دیکھا کہ ایک آنکھ سے کانا ہے خثعمی نے کہا: میں ایسا فال دیکھتا ہوں کہ ہم میں سے آدھے آزاد ہوں گے اور آدھے قتل کئے جائیں گے۔

اسیروں میں سے ایک اور شخص سعد بن عمران نے اس حالت میں کہا: پروردگارا! مجھے ان لوگوں میں قرار دینا کہ جو ان کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہونے سے نجات پائیں گے یعنی انکے ہاتھوں شربت شہادت پلادے اس حالت میں کہ تم مجھ سے راضی ہو اس کے بعد کہا: ایک طویل مدت سے اپنے آپ کو شہادت کیلئے پیش کرتا تھا لیکن آج تک خدا نہیں چاہتا تھا۔

حجر اور اس کے ساتھیوں کی آزادی کی شرط

معاویہ کے مأمورین نے حجر اور اس کے ساتھیوں سے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو علی

۱۔ حجر کی مراد امام حسنؑ اور اہل کوفہ کی معاویہ کے ساتھ صلح تھی۔

علیہ السلام سے بیزاری کا اعلان کرنے اوران پرلعنت بھیجنے کی تجویز پیش کریں اگراس پرعمل کروگےتو تمہیں آزاد کردیں گے ورنہ تم لوگوں کوقتل کرڈالیں گے۔

اس کے علاوہ اضافہ کیا کہ امیر المؤمنین (معاویہ) کہتا ہے آپ لوگوں کے ہم وطنوں کی شہادت اور گواہی پر آپ لوگوں کا خون بہانا حلال و جائز ہے اس کے باوجود وہ تمہیں عفو کرنے اور تمہیں قتل کرنے سے منصرف ہونے کیلئے آمادہ ہے اس شرط پر کہ اس شخص (علی ابن ابیطالب) سے بیزاری کا اعلان کروگے تا کہ ہم تمہیں آزاد کردیں گے۔

انہوں نے جواب میں کہا: خدا کی قسم ہم یہ کام ہرگز نہیں کریں گے۔

آخری حکم کا نفاذ اورالمناک قتل

معاویہ کے جلادوں نے جب دیکھا کہ علی علیہ السلام کے عاشق ان کی محبت کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں اوران کی محبت میں صادق اور پائیدار ہیں تو ان کیلئے قبر کھودنے کا حکم دیدیا۔قبریں آمادہ ہوئیں اور کفن حاضر کئے گئے۔ان لوگوں نے وہ رات، صبح تک نماز و عبارت میں گزاری جب سورج چڑھا، معاویہ کے جلادوں نے حجر اوراس کے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر کہا: ہم نے گزشتہ رات دیکھا کہ تم لوگوں نے نمازیں طولانی رکوع وسجود بجالائے اور صبح تک عبادت اور راز و نیاز میں مشغول رہے، بتاؤ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ عثمان کے بارے میں تم لوگوں کا عقیدہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا: ہمارے عقیدہ کے مطابق عثمان پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں پرظلم کا دروازہ

کھولا اور باطل راہ پر چل کے بے انصافی کا مظاہرہ کیا ہے۔

جلادوں نے کہا: امیر المؤمنین (معاویہ) تمہیں اچھی طرح سے جانتا تھا، اس لئے اس نے تم لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اس کے بعد اپنی گزشتہ بات کی تکرار کی کہ کیا علی علیہ السلام سے بیزاری کا اعلان کرتے ہو۔

حجر اور اس کے ساتھیوں نے جواب دیا: ہم انھیں دوست رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جو علی علیہ السلام سے بیزاری کرتے ہیں وہاں پر ماٴ مور نے ان افراد میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ لیا تا کہ انھیں قتل کریں۔ قبیصہ کے ہاتھ کو ''ابوشریف بدّی'' نے پکڑ لیا تا کہ اسے قتل کر ڈالے قبیصہ نے کہا: اے ابوشریف! تیرے اور میرے قبیلہ کے درمیان کسی قسم کی سابقہ دشمنی و عداوت نہیں ہے بلکہ ان دو قبیلوں کے درمیاں ہمیشہ امن و مصالحت رہی اور ہم ایک دوسرے کے شر و گزند سے محفوظ تھے تمہیں میرا قاتل نہیں ہونا چاہئے اس ذمہ داری کو کسی دوسرے کے سپرد کر دو تا کہ ان دو قبیلوں میں فتنہ پیدا نہ ہو ابوشریف نے کہا: ''صلہ رحم تیرے نامہ اعمال میں ثبت ہو'' اس کے بعد قبیصہ کو چھوڑ کر خضری کو پکڑ لیا اور اسے قتل کر ڈالا قبیصہ بھی ایک شخص قضاعی کے ہاتھوں قتل ہوا۔

حجر بن عدی کا قتل یا ایک بڑا تاریخی جرم!

جب حجر بن عدی کے قتل کی باری آئی تو انھوں نے کہا: مجھے اتنی فرصت دو تا کہ وضو کر لوں انہوں نے کہا: تم وضو کرنے میں آزاد ہو حجر نے وضو کرنے کے بعد کہا: اجازت دو گے کہ دو رکعت نماز

پڑھ لوں؟ کیوں کہ خدا کی قسم میں نے زندگی بھر میں جب کبھی وضو کیا ہے اس کے بعد ضرور دو رکعت نماز پڑھی ہے انہوں نے کہا: نماز بھی پڑھ لو۔ حجر نے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد کہا: خدا کی قسم میں نے زندگی بھر میں اس دو رکعت نماز سے مختصر کوئی نماز نہیں پڑھی ہے اگر یہ احتمال نہ دیتا کہ تم لوگ کہنے لگو گے کہ موت سے ڈر کر طولانی نماز پڑھ رہا ہے تو میں اس نماز کو طولانی تر بجالاتا۔ اسکے بعد آسمان کی طرف رخ کر کے بولے: پروردگارا! میں تیری بارگاہ میں اپنی ملت وامت واہل کوفہ وشام کی شکایت کر لے آیا ہوں کہ کوفیوں نے ہمارے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے اور شامی ہمیں قتل کر رہے ہیں اس کے بعد مأمورین کی طرف مخاطب ہو کر کہا: تم لوگ جو ہمیں اس نقطہ پر قتل کرنا چاہتے ہو خدا کی قسم میں پہلا مسلمان تھا جس نے اس نقطہ پر قدم رکھا اور میں پہلا مسلمان تھا (جس نے مشاہدہ کیا کہ) اس علاقہ کے مقامی کتوں نے اس پر بھونکا اور میں ہی تھا جس نے اس علاقہ کو تم مسلمانوں کے فائدہ میں فتح کر کے اسے عیسائیوں کے چنگل سے آزاد کیا تھا۔

جب ''ھدبۃ بن فیاض'' معروف بہ ''اعور'' نیام سے کھینچی ہوئی تلوار ہاتھ میں لئے آگے بڑھے تو اس منظر کو دیکھ کو حجر لرزاٹھے اعور نے کہا: تم فکر کرتے ہو کہ موت سے نہیں ڈرتے ہو؟ اگر موت سے نجات پانا چاہتے ہو اور آزاد ہونا چاہتے ہو تو ابھی ابھی علی علیہ السلام سے بیزاری کا اعلان کرو!

حجر نے جواب دیا کیوں ناراض نہ ہوں اور موت سے نہ ڈروں؟ کون ہے جو موت اور تلوار سے نہ ڈرے؟ اس وقت میں اپنے سامنے آمادہ قبر، کفن حاضر اور نیام سے کھینچی ہوئی تلوار دیکھ رہا ہوں

اورلرزرہاہوں لیکن خدا کی قسم ان سب ناراضگیوں اورخوف ولرزش کے باوجوداپنی آزادی اورنجات کیلئے ہرگزایسا کوئی لفظ زبان پر جاری نہیں کروں گا جوخدا کوغضبناک بنادے۔

جب حجر کی بات یہاں تک پہنچی تو اعور نے اس کا سرقلم کردیا اوردوسرے مأمورین میں سے ہرایک نے حجر کے ساتھیوں میں سے ایک کوقتل کرڈالا اورمقتولین کی تعداد چھ تک پہنچ گئی۔

حجر کے دواور ساتھی

عبد الرحمان بن حسان عنزی اور کریم بن عفیف خثعمی نے معاویہ کے مأمورین سے درخواست کی کہ:''ہمیں معاویہ کے پاس بھیجنا تا کہ اس کے سامنے علی علیہ السلام کے بارے میں جو وہ چاہتے ہیں زبان سے بیان کریں۔''

مأمورین نے ان دوافراد کے پیغام کومعاویہ کے پاس پہنچادیا معاویہ نے حکم دیا کہ ان دو افرادکومیرے پاس بھیجدو جب عبدالرحمان اور کریم بن عفیف معاویہ کے محل میں داخل ہوئے اور اسکے روبروقرار پائے توخثعمی نے کہا: معاویہ! خدا سے ڈروکیونکہ تم بھی اس دارفانی سے ایک نہ ایک دن جاؤگے اورابدی دنیامیں منتقل ہوجاؤگے اورعدالت الٰہی کی کچہری میں ہمارا بے گناہ خون بہانے کے جرم میں مسؤل ہوگےاورتمہارامؤاخذہ ہوگا!

معاویہ نے پوچھا: خثعمی !علی علیہ السلام کے بارے میں تیراعقیدہ کیاہے؟

خثعمی نے جواب دیا: علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جس

کے بارے میں تم اعتقاد رکھتے ہو۔

معاویہ نے کہا: کیا تم علی علیہ السلام کے دین ومذہب سے بیزاری کا اعلان کرتے ہو؟ خثعمی نے خاموشی اختیار کی اوراس کے جواب دینے سے اجتناب کیا یہاں پر خثعمی کے ایک چچیرا بھائی۔ جو معاویہ کا صحابی تھا۔ نے فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اٹھ کر معاویہ سے درخواست کی کہ خثعمی کو قتل کرنے سے معاف کرو معاویہ نے اس کی درخواست منظور کی اور خثعمی کو ایک مہینہ قید میں رکھنے کے بعد اس شرط پر اسے آزاد کیا کہ جب تک زندہ ہے شہر کوفہ میں قدم نہیں رکھے گا۔

اس کے بعد معاویہ نے عبدالرحمان عنزی کی طرف رخ کر کے کہا: خبر دار اے قبیلۂ ربیعہ کے بھائی! تم علی علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

عبدالرحمان نے جواب دیا: معاویہ! اس مطلب کو چھوڑ دو، اگر اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو تو تیرے فائدے میں ہے۔

معاویہ نے کہا: خدا کی قسم تجھے اُس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ تم اس موضوع کے بارے میں اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں کرو گے۔

عبدالرحمان نے جواب دیا: عثمان وہ پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے دروازہ کھولا اور حق کے دروازہ ان پر بند کر دیا۔

معاویہ نے کہا: عبدالرحمان! یہ کہہ کر تم نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا ہے۔

عبدالرحمان نے کہا؛ معاویہ! میں نے تجھے موت کے حوالہ کردیا ہے اس کے بعد اپنی قوم کو پکار کر کہا: کہاں ہو قبیلۂ ربیعہ۔

معاویہ نے حکم دیا کہ عبدالرحمان کو کوفہ میں زیاد کے پاس لے جائیں اور زیاد کے نام اس مضمون کا ایک خط بھی لکھا: یہ شخص عنزی بدترین شخص ہے جسے تم نے میرے پاس بھیجا ہے تم اسے ایسی شدید سزا دینا جس کا وہ سزاوار ہے اور اسے عبرتناک حالت میں قتل کردینا۔

جب اسے کوفہ میں داخل کیا گیا زیاد نے اسے ''قس ناطف'' بھیج دیا اور وہاں پر اس کو زندہ درگور کردیا گیا[1]

طبری کہتا ہے: جب عنزی اور خثعمی کو معاویہ کے پاس لے جارہے تھے تو عنزی نے حجر سے مخاطب ہوکر کہا: اے حجر! خدا تجھے رحمت کرے، کیونکہ تم مسلمانوں کے بہترین بھائی اور اسلام کے بہترین یاور ہو۔

خثعمی نے بھی خداحافظی کے وقت حجر کو یہ جملہ کہا: حجر! رحمت خدا سے تم دور و محروم نہیں رہ سکتے کیونکہ تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔

اس کے بعد حجر نے اپنی نظروں سے ان دو ساتھیوں کو رخصت کرتے ہوئے کہا؛ یہ موت ہے جو دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔

۱۔ جو کچھ ہم نے یہاں تک حجر اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں درج کیا ہے، طبری سے نقل کیا ہے اور اس کے مآخذ کو براہ راست ذکر کیا ہے۔

حجر کے قتل کا دلوں پر عمیق اثر

یا معاویة ! اما خشیت اللہ فی قتل حجر و اصحابه ؟!

اے معاویہ! حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے میں خدا سے نہیں ڈرے؟!

عائشہ

کتاب استیعاب میں حجر کی زندگی کے حالات پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے: ''جب عائشہ، حجر اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں زیاد کی سازشوں اور ان کے خلاف مقدمہ مرتب کرنے کے بارے میں مطلع ہوئیں تو عبدالرحمان حارث بن ھشام کے ذریعہ معاویہ کو یہ پیغام بھیجا:

معاویہ! حجر اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا!

عبدالرحمان جس وقت شام پہنچا حجر اور اسکے پانچ ساتھی قتل ہو چکے تھے عائشہ کے ایلچی، عبدالرحمان نے معاویہ سے کہا: معاویہ! تم نے حجر اور اس کے ساتھیوں کے کام میں ابوسفیان کے حلم و بردباری کو کیسے بھلا دیا؟ کیوں ان کو جیل میں نہ رکھا تا کہ اپنی طبیعی موت سے یا طاعون جیسی کسی بیماری سے مر جاتے، معاویہ نے کہا: جب تم جیسے لوگ میری قوم سے دور ہو گئے! عبدالرحمان نے کہا: خدا کی قسم اس کے بعد عرب تجھے صبور نہیں جانیں گے۔ معاویہ نے کہا: میں کیا کروں؟ زیاد نے ان

کے بارے میں شدت اور سختی کی اور لکھا کہ اگر انھیں چھوڑ دو گے تو وہ فتنہ وفساد پھیلائیں گے اور ایک بھیانک اور نا قابل تلافی بغاوت وافتراتفری پھیلا دیں گے

مزید روایت کی ہے کہ عائشہ اس بارے میں کہتی تھیں۔

اگر کوفہ کے لوگوں میں شجاع غیرتمند اور جان نثار افراد موجود ہوتے تو معاویہ اس قسم کی جرات نہیں کرسکتا تھا کہ حجر اور اسکے ساتھیوں کو کوفہ کے لوگوں کے سامنے گرفتار کرا کے شام میں قتل کر ڈالے لیکن جگر خوار ماں کا بیٹا جانتا تھا کہ شجاع اور غیرت مند مرد چلے گئے ہیں اور ان کی جگہ پر کمزور دل اور بیکار لوگ بیٹھے ہیں۔

خدا کی قسم! حجر اور اس کے ساتھی شجاعت، اپنے عقیدہ کے تحفظ اور دانشمندی کے لحاظ سے عرب کے سردار تھے اس کے بعد عائشہ نے لبید کے دو شعر پڑھے، جن کا مضمون حسب ذیل ہے: وہ چلے گئے جن کی حمایت کے سایہ میں زندگی آرام بخش تھی اور میں ایسے پسماندگان کے درمیان رہی ہوں جو خارش والے بیماروں کی کھال کے مانند ہیں۔ کہ ان سے دوری اختیار کرنی چاہئے۔ نہ انکا کوئی فائدہ ہے اور نہ ان سے کسی قسم کی خیر و نیکی کی امید ہے۔ کہنے والے کی عیب جوئی کرتے ہیں اگر چہ اس نے ناروا بات بھی نہ کہی گئی ہو؟[1]

طبری کہتا ہے:

۱۔ ذهب الذين يعاش في اكنافهم وبقيت في خلف كجلد الاجرب

لا ينفعون و لا يرجى خيرهم وعياب قائلهم و ان لم يشغب

معاویہ سفر حج پر مدینہ میں داخل ہوا عائشہ سے اجازت چاہی تا کہ ان کے گھر میں آئے عائشہ نے اجازت دی۔ جب معاویہ گھر میں داخل ہوکر بیٹھا، عائشہ نے کہا: معاویہ! کیا تم خود کو امان میں محسوس کرتے ہو؟! گمان نہیں کرتے ہو میں نے کسی کو مامور کیا ہوگا کہ میرے بھائی محمد ابن بی بکر کے خون کا انتقام میں تمہیں یہیں پر قتل کردے؟!

معاویہ نے کہا نہیں، ہرگز ایسا نہیں کروگی کیوں کہ میں ایک ایسے گھر میں داخل ہوا ہوں کہ جو امن وامان کا گھر ہے۔

اس کے بعد عائشہ نے کہا: معاویہ! کیا تم حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے میں خدا سے نہیں ڈرے؟!

معاویہ نے جواب میں کہا: انھیں ان افراد نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی ہے۔

مسند احمد حنبل میں آیا ہے کہ معاویہ نے عائشہ کے جواب میں کہا: ایسا نہیں کریں گی کیونکہ میں امن وامان کے گھر میں ہوں اور میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: ایمان دہشت گردی کیلئے رکاوٹ ہے۔ اس کے بعد کہا: عائشہ! ان چیزوں کو چھوڑیں، مجھے اپنے مطالبات پورے کرنے میں کیسا پاتی ہیں؟!

عائشہ: اچھے ہو۔

معاویہ نے کہا: اس لحاظ سے مقتولین کے بارے میں ہمیں چھوڑ دیں تا کہ خدا کے پاس ان سے ملاقات کروں۔

استیعاب میں کہتا ہے: ربیع بن زیاد حارثی ــ جو ایک فاضل و جلیل القدر شخصیت اور خراسان میں معاویہ کا گورنر تھا ــ نے جب حجر اور اس کے ساتھیوں کے قتل ہونے کی خبر سنائی تو وہ وہیں پر بارگاہ الٰہی میں دعا کی اور کہا: خداوندا! اگر ربیع تیری بارگاہ میں کسی قسم کی خیر ونیکی کا سزاوار ہے تو فوری طور پر اسے اپنے پاس بلا لے اس دعا کے بعد ربیع اس مجلس سے نہ اٹھا اور وہیں پر رحمت حق سے جاملا۔

معاویہ کی موت جب نزدیک آ گئی تو وہ خفیف آواز میں اس جملہ کی تکرار کر رہا تھا: ''اے حجر! میرا مستقبل کا دن تیرے سبب سے طولانی ہوگا''

یہ تھی حجر ابن عدی اور اس کے ساتھیوں کی داستان، اور وہ تھی اسکے سبائی ہونے کی داستان، انشاءاللہ اگلی فصلوں میں اس سلسلے میں بیشتر وضاحت اور دقیق تر بحث وتحقیق کریں گے۔

حجر کی داستان کا خلاصہ

یومی منک یا حجر طویل

اے حجر! میرا آنے والا دن تیرے سبب طولانی ہوگا۔

معاویہ

حجر اور اس کے ساتھی۔ جن کی داستان گزشتہ فصلوں میں گزری۔ امت اسلامیہ کے زاہد اور پرہیز گار افراد تھے۔ وہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تابعین[1] میں فاضل اور نیک اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے مغیرۃ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ جیسے سرکش اور ظالم گورنروں کی طرف سے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے خلاف منبر پر لعنت بھیجنے پر کھلم کھلا اعتراض کیا اس کے علاوہ ان کی نماز میں لاپروائی اور وقتِ نماز میں تاخیر پر اعتراض کرتے تھے اور امر بمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے، انہوں نے اپنی اس سرگرمی کو جاری رکھا، یہاں تک کہ وقت کے حاکم ان کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، انھیں قیدی بنا کر ان کے خلاف کیس مرتب کیا گیا اور ان کے خلاف جھوٹی اور ناحق گواہی نامہ مرتب کیا گیا، اس پر دستخط لئے گئے اس کے بعد انھیں زنجیروں میں جکڑ کر شہر بہ شہر پھرا کر شام پہنچا دیا گیا۔ وہاں پر ان کے بارے میں حکم جاری کیا گیا کہ امام المتقین علی علیہ السلام پر لعنت

بھیجیں، اوران سے بیزاری کا اعلان کریں اوران کے خلاف بدگوئی کریں لیکن انہوں نے امام، وصی و برادر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوراولین مسلمان پرلعنت بھیجنے سے انکار کیا اوران کے دین سے دوری اختیار کرنے سے اجتناب کیا کیونکہ ان کا دین وہی دین اسلام ہے اوران کے دین سے دوری اختیار کرنا ارتداد کے مرتکب ہونے اوراسلام سے دوری اختیار کرنے کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی

جب انہوں نے علی علیہ السلام سے بیزاری نہیں کی اوران کے دین سے دوری اختیار نہیں کی توان کے سامنے ان کیلئے قبریں کھودی گئیں اور کفن حاضر کئے گئے۔

یہ گروہ صبح تک نماز و مناجات الٰہی میں مشغول رہا صبح ہونے پر دوبارہ انھیں تجویز پیش کی گئی کہ دوراستوں میں سے ایک کا انتخاب کریں، یا علی پرلعنت بھیجیں اوراس کے دین سے دوری اختیار کریں یا قتل ہونا گوارا کریں، لیکن انہوں نے ایک کے بعد ایک نے دل کھول کے موت کا استقبال کیا اوراس طرح ذلت بھری زندگی ـــ جس میں علی علیہ السلام پرلعنت بھیجنا اوران سے دوری اختیار کرنا تھا ـــ پر قتل ہونے کو ترجیح دی۔

ان میں سے ایک شخص کا سر قلم کرکے اس کے کٹے ہوئے سر کو شہر شہر پھرا کر، اس کی بیوی کی آغوش میں ڈالدیا گیا جو ولائے علی علیہ السلام کے جرم میں زندان میں تھی، اس طرح اس بے پناہ عورت کو وحشت زدہ کرکے مرعوب کرنا چاہا ایک دوسرے شخص کو علی علیہ السلام کی محبت کے جرم میں زندہ دفن کیا گیا!!

مسلمانوں کے معزز اور بزرگ شخصیتوں کے بارے میں بنی امیہ کے مجرموں کے ظلم و جرائم اتنے وسیع اور زیادہ تھے کہ عائشہ بھی معاویہ کو پیغام بھیجنے پر مجبور ہوئی اور یہ پیغام اسے بھیجا:

معاویہ! حجر اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں خدا سے ڈرو! اس کے بعد عائشہ حجر کا یوں تعارف کراتی ہیں اور کہتی ہیں: خدا کی قسم! حجر اور اس کے ساتھی عربوں کے سر برآوردہ سردار تھے اور عبید کے مندرجہ ذیل اشعار کو گواہی کے طور پر پیش کرتی ہیں:

ذهب الذين يعاش في اكنافهم وبقيت في خلف كجلد الاجرب

وہ چلے گئے جن کی حمایت کے سایہ میں زندگی آرام بخش تھی اور میں ایسے پسماندگان کے درمیان رہی ہوں جو خارش والی بیماروں کے کھال کے مانند ہیں جن سے دوری اختیار کرنی چاہئے۔

وہ دوسرا عبداللہ ابن عمر ہے کہ جب اس دلخراش داستان کی خبر اسکے کے کانوں تک پہنچی ہے تو کھلے بازار میں ایک جگہ کھڑا ہو کر بے ساختہ چیختے ہوئے روتا ہے ادھر زیاد حارثی، اور جلیل القدر، صاحب فضیلت و شہرت شخص، حجر اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بنی امیہ کے جرائم کی خبر سنتے ہی موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے اور خدا سے موت کی آرزو و درخواست کرتا ہے اور خداوند عالم بھی اس کی دعا کو مستجاب کرتا ہے اور اسے اس ذلت آمیز زندگی سے نجات دیتا ہے خود معاویہ بھی مرتے وقت اس کی آواز اس کے گلے میں پھنس جاتی ہے اور جان کنی کے عالم میں کہتا ہے:

''اے حجر! قیامت میں میرا دن تیرے سبب طولانی ہوگا''

یہی افراد جوراہ حق میں ظلم وستم کوروکنے کیلئے جہادکرتے ہوئے قتل ہوئے اوران کے قتل نے تمام مسلمانوں ــ دوست ودشمن ــ کومتاثرکرکے رکھ دیا''سبیئہ'' کہے جاتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں یہ پہلاموقع تھاکہ کسی حکومتی عہدہ دارکی طرف سے نام''سبئی'' مسلمانوں کے خلفیہ معاویہ کے نام زیادبن ابیہ کے خط میں باقاعدہ طورپرلکھا گیاہے وہ ایک سرکاری خط میں ان افرادکو''سبئیہ'' کہتاہے ورنہ لفظ''سبئیہ'' سے اس کی مراداہل یمن کے قبائل سبیئہ اورانکے ہم پیمان ہیں نہ صرف قبائل سبئی سے منسوب افراد۔

قابل غوربات یہ ہے کہ زیادبن ابیہ کاکونسامحرک تھاجس کی وجہ سے اُس نے اس اصطلاح کو ان کے بارے میں استعمال کیاہے؟!اوران سب کانام سبئیہ رکھاہے جبکہ وہ سب قبائل سبئیہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

ہماری نظرمیں زیادبن ابیہ کے اس کام کاسرچشمہ ایک نفسیاتی اورداخلی عقیدہ ہے کہ اگلی فصل میں زیادکےنسب پربحث وتحقیق سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی۔

لفظ سبئی میں زیاد کی تحریف کا محرک

دفعت عقدةُ النقص زياداً ان يعير القبال السبئية!

زیاد بن ابیہ کو احساس کم تری نے مجبور کیا تھا کہ لفظ سبئیہ کو علیؑ کے دوستداروں کی سرزنش کے عنوان سے استعمال کرے۔

مؤلف

زیاد بن ابیہ کا شجرۂ نسب

زیاد کی ماں کا نام "سمیہ" تھا۔ سمیہ پہلے ایران کے دیہاتوں کے ایک کسان کی کنیز تھی اس نے اس کنیز کو حارث بن کلدۂ ثقفی کو بخش دیا۔ حارث ــــ جو عرب کا مشہور طبیب اور قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھتا تھا اور طائف میں سکونت کرتا تھا ــــ نے اپنی کنیز "سمیہ" کی شادی "عبید" نامی اپنے غلام سے رچائی یہ غلام اہل روم تھا زیاد ان ہی دنوں عبید رومی کے گھر میں "سمیہ" سے پیدا ہوا اور اسے ابن عبید

کہا جاتا تھا بعد میں جب زیاد بڑا ہوگیا اور اسے کہیں روزگار ملا تو اس نے اپنے ماں اور باپ کو خرید کر آزاد کیا۔

اس کے بعد ایک زمانہ گزر گیا اور ایک دور ختم ہوگیا اور وقت کے خلیفہ معاویہ کی سیاست نے تقاضا کیا کہ زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان سے ملحق کرے اور اسے اپنا بھائی بنائے اس طرح کل کا زیاد بن عبید آج کا زیاد بن ابوسفیان ہوجائے لیکن عبید کا بیٹا کیسے ابوسفیان کا بیٹا اور معاویہ کا بھائی ہوگا اور ابوسفیان کے خاندان سے ملحق ہوگا؟

اس مشکل کو اس طرح حل کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ: ابوسفیان نے دوران جاہلیت میں زیاد کی ماں، عبید رومی کی بیوی ''سمیہ'' سے زنا کیا تو زیاد اسی زنا اور خلاف شرع عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔

ابومریم سلولی، شراب فروش نے بھی معاویہ، زیاد اور قوم کے سرداروں کے سامنے اس موضوع کے بارے میں شہادت دی اور کہا ایک دن ابوسیفان میرے پاس آیا اور ایک فاحشہ عورت کا مجھ سے مطالبہ کیا میں نے کہا ''سمیہ'' کے علاوہ کوئی اور عورت فی الحال نہیں ہے ابوسفیان نے کہا چارہ نہیں ہے اسی کو لاؤ اگر چہ وہ ایک کثیف عورت ہے اور اس سے بدبو آتی ہے میں نے سمیہ کو ابوسفیان کے پاس پیش کیا انہوں نے خلوت کی اس کے بعد سمیہ ابوسفیان کے ہمراہ اسی حالت میں باہر آگئی کہ منی کے قطرات اس سے ٹپک رہے تھے!! جب ابومریم کی بات یہاں تک پہنچی تو زیاد نے کہا: ابومریم! مھلاً!

خاموش ہوجاؤ تجھے گواہی دینے کیلئے بلایا گیا ہے نہ فحاشی اور بدگوئی کیلئے''۔

اس طرح معاویہ زیاد بن ابیہ کو اپنے شجرہ نسب سے ملا کر اسے قریش، قبیلۂ بنی امیہ اور مسلمانوں کے خلیفہ خاندان سے تعارف کرانے میں کامیاب ہوا یہ روداد نیک مسلمانوں کیلئے انتہائی گراں گزری اور انہوں نے قبول نہیں کیا ہے کہ معاویہ کی اس سازش سے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا قبول کریں اور انہوں نے کہا ہے: معاویہ نے اپنے اس عمل سے حکم اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو مسترد کر کے ان کے حکم کی نافرمانی کی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''فرزند اپنے باپ سے ہے اور زنا کرنے والے کو سنگسار کیا جاتا ہے''،''**الولد للفراش و للعاھر الحجر**'': ''یعنی زنا کرنے والے کو سنگسار کرنا چاہئے نتیجہ کے طور پر اسکے بعد مسلمانوں کا ایک گروہ زیاد کو''زیاد بن ابیہ'' کہنے لگا یعنی اپنے باپ کا بیٹا اور ایک دوسرا گروہ اسے''زیاد بن ابو سفیان'' اور بعض لوگ گوشہ وکنار میں دربار خلافت کے آنکھ اور کان سے دور''زیاد بن عبید'' کہتے تھے۔

بعض مسلمانوں نے معاویہ اور زیاد کے دور اقتدار میں خود ان سے اعتراض کر کے ان کے اس شرمناک عمل کی مذمت کی ہے بعض شعراء نے بھی اس بارے میں تند اور برے اشعار کہے ہیں اور اس عمل کا اپنے اشعار میں مذاق اڑایا ہے جیسے عبدالرحمان بن حکم نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے:

پیغام پہنچادو حرب کے بیٹے معاویہ کو ایک حسب ونسب والے شخص کی طرف سے۔ خود

عبدالرحمان ہے۔ کہ اگر تجھے کہا جائے کہ تیرا باپ عفت والا تھا تو تم غضبناک ہوتے ہو؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس نے سمیہ سے زنا کیا ہے تو خوشحال ہوتے ہو؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ زیاد سے تیری رشتہ داری ہاتھی کی گدھے کے بچے کے ساتھ قرابت کے مانند ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ سمیہ نے زیاد کو جنم دیا ہے جبکہ ابوسفیان نے سمیہ کو ننگے سر نہیں دیکھا ہے یہ اس بات کا کنایہ ہے کہ سمیہ ابوسفیان کی بیوی نہیں تھی تا کہ اپنے دوپٹے کو اس کے سامنے اٹھا لیتی[۱]

یہ خبر جب معاویہ کو پہنچی تو اس نے قسم کھائی کہ عبدالرحمان سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک کہ نہ یزید اس سے راضی ہو جائے عبدالرحمان نے زیاد کی طرف سفر کیا اس کی رضا مندی کو چند اشعار ذیل کے ذریعہ حاصل کیا۔

تم ''زیاد'' ہو خاندان حرب میں محبوب ترین فرد ہو میرے پاس درمیانی انگلی کے مانند ہو میں اس کی قرابت پر خوشحال اور شاد ہوں کر کہ خدا نے اسے ہمارے لئے بھیجا ہے اور میں نے کہا وہ غم میں ہمارا بھائی ہے اور ہمارا قابل اعتماد ہے اس زمانہ میں خدا کی مدد سے ہمارے لئے چچا اور بھتیجا ہے زیاد نے معاویہ کو اس کے بارے میں رضایت نامہ لکھا معاویہ نے جب عبدالرحمان کے اشعار سنے، عبدالرحمان سے کہا: تیرا دوسرا شعر پہلے سے بدتر ہے لیکن تم نے اسے فریب دیا ہے او وہ نہیں سمجھا[۲]

۱۔ عبدالرحمان نے اپنے شعر میں توریہ سے کام لیا ہے توریہ علم بلاغت میں یہ ہے کہ لفظ کا ظاہر میں کچھ اور معنی ہوتا ہے اور باطن میں مراد کچھ اور ہوتی ہے کہ بدون توجہ و دقت یہ معنی معلوم نہیں ہوتا بولنے والے کا مقصد پوشیدہ معنی ہوتا ہے چنانچہ اس شعر میں ''زیاد'' بنی امیہ کا منہ بولا بیٹا ہے یہ معنی اس لفظ کا ظاہری معنی ہے لیکن شاعر نے یہاں پر توریہ کیا ہے اور زیاد سے خاندان ابوسفیان میں زیادہ (اضافی) ہونے کا معنی لیا ہے۔

۲۔ اغانی میں عبدالرحمان کی تشریح ملاحظہ ہو (طبع بیروت ۲۶۶/۱۳)

اس قسم کے اشعار، بیانات اور لوگوں کے اعتراضات اور تنقیدیں اس امر کا سبب بنی ہیں کہ ''زیاد بن ابیہ'' کے ضمیر میں ایک خطرناک احساس کمتری پیدا ہو جائے اسی احساس کمتری کی وجہ سے وہ کبھی شعوری اور کبھی لاشعوری طور پر مجبور ہو کر اپنے آپ کو قریش کے خاندان بنی امیہ سے منسوب کرنے میں افراط کرتا تھا اس خاندان کا اور اسکے ساتھ منسوب اور ہم پیمانوں کے مقام کو بلند کرنے کیلیے مبالغہ اور افراط سے کام لیتا تھا تا کہ اس خاندان کے مخالفین یعنی قبائل قحطان ـــ جو بنام سبائیہ مشہور تھے ـــ اور ان قبائل کے ہم پیمانوں سے سخت مخالفت کرے، اور ان سے مقابلہ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے میں اپنے سے زیادہ قبائل قریش کی خودنمائی کرے تا کہ اس طرح اس کا قریشی ہونا بھی ثابت ہو جائے۔ اس زمانے میں قبائل کے ہم پیمان قبائل یمن ربیعہ تھے اور ان دو سلسلہ کی اس ہم پیمانی کا سبب تاریخ سے یوں معلوم ہوتا ہے۔

دو قبیلوں کے اتحاد کے پیمان کا سبب

قبائل ربیعہ کے افراد یمنی سبئی قبائل کی مانند علی علیہ السلام کے شیعوں اور ناصروں میں تھے ان دو قبیلوں نے جنگ جمل اور دوسری جنگوں میں علی علیہ السلام کی نصرت اور مدد میں اپنی شجاعتوں کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کیا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان دو قبیلوں کے درمیان درج ذیل عہد نامہ لکھ کر اتحاد و یکجہتی کے پیمان کی تاکید فرمائی ہے۔

عہد نامہ

درج ذیل پیان پر قبائل یمن کے شہر نشین اور صحرا نشین اور قبائل ربیعہ کے شہر نشین اور صحرا نشین نے اجماع و اتفاق کیا ہے کہ دونوں قبیلوں کے افراد کتاب خدا پر ایمان و اعتقاد رکھیں گے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں گے اور اس پر عمل کرنے کا حکم کریں گے اور ان کی بات کو قبول کریں گے جو انھیں قرآن پر عمل کرنے کی دعوت دیں گے کسی بھی قیمت پر قرآن مجید کو نہیں چھوڑ دیں گے کسی بھی چیز کو قرآن مجید کی جگہ پر قبول نہیں کریں گے ان دو قبیلوں کے افراد پر ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی مدد و پشت پناہی کریں جو اس نظام العمل کی مخالفت کریں گے اور انھیں ترک کریں گے ان کے خلاف بھی متحد ہو کر ایک دوسرے کی نصرت کریں گے۔

اس پیان کو آپسی رنجش اور اختلاف نیز ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے بہانے اور سب وشتم کی بناء پر نہیں توڑیں گے دونوں گروہوں کے تمام افراد حاضر و غائب دانشور، عقلمند اور عام لوگ اس پیان کے مطابق متعہد اور ملتزم ہیں اور اس عہد نامہ پر عمل کرنے کیلئے اپنے خدا سے محکم عہد و پیان باندھا ہے اور خدا کے پیان کے بارے میں جواب طلبی ہوگی (عہد نامہ کو لکھنے والے علی ابن ابیطالب علیہ السلام)

امیر المؤمنین کے ہاتھوں تنظیم و مرتب ہوئے اس عہد نامہ کے بعد قبیلۂ ربیعہ، قبائل سبائیہ یمن میں شمار ہوئے قبائل سبائیہ جو عراق اور اس سے وابستہ سرزمینوں میں زندگی گذارتے ہیں اور

دونوں قبیلے ایک قبیلہ کی صورت میں تشکیل پائے اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں متحد ہوتے تھے اس پیمان کے بعد مختلف اور گوناگوں حوادث میں ربیعہ کا نام قبائل یمن کے ساتھ کہ عراق میں تھے، دکھائی دیتے ہیں اسی لئے تاریخ میں انھیں گاہی قبائل یمن کہتے ہیں اور اس لفظ سے قبائل سبائیہ اور ان کے ہم پیماں کو مراد لیتے ہیں اور کبھی دونوں قبیلوں کے نام ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں قبائل یمن اور ان کے ہم پیمان ربیعہ وغیر ربیعہ۔[۱]

عقدے کھل جاتے ہیں

زیاد بن ابیہ کی احساس کمتری اور اس کی قریش خاص کر خاندن امیہ کی بے حد وحساب حمایت اور ان کے مخالفوں سے عداوت کے محرک کی حقیت معلوم ہونے اور اسی طرح ربیعہ اور سبائیوں کے عہد و پیمان کے عیاں ہونے کے بعد ہمارے لئے واضح ہو جاتا ہے کہ:

زیاد۔۔۔ ابوسفیان کا ناجائز فرزند اور خاندان امیہ سے وابستہ ۔۔۔ میں پائی جانے والی احساس کمتری اسے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ قبائل سبائیہ کی۔ علی علیہ السلام سے ان کی خاص محبت اور عام طور سے قریش اور بالخصوص خاندن امیہ سے ان کی عداوت کی بنا پر۔۔۔ سرزنش اور عیب جوئی کرے اور اس زمانے کے سماج میں سبائیہ لقب کو مذمت و بدگوئی کے عنوان سے پیش کرے اور اسے ایک

۱۔ تاریخ ابن اثیر (۵/۳۱۵) کی طرف رجوع کریں۔

مبتذل وشرم ناک لقب کے طور پر قبائل سبائیہ کے علاوہ ان کے ہم پیمان دوسرے قبائل پر بھی لگائے اس طرح تمام وہ افراد جو علی علیہ السلام کی طرفداری اور خانداں بنی امیہ کی مخالفت میں سبائیوں کے ساتھ تعاون اور ہم فکری رکھتے تھے ان سب پر سبئیہ کا لیبل لگادے۔

اس کام کو عربی زبان میں ''تغلیب'' کہتے ہیں اور یہ عربی اصطلاحات میں کافی استعمال ہوتا ہے، مثلاً ''شمس وقمر'' سے کبھی تغلیب کے طور پر ''قمرین''، یعنی دو چاند، اور کبھی ''شمسین''، یعنی دو سورج تعبیر کرتے ہیں۔ زیاد بن ابیہ نے بھی عربی الفاظ میں رائج اسی تغلیب کو لفظ ''سبئیہ'' میں استعمال کیا ہے اس کا اس لفظ ''سبئیہ'' میں تغلیب وتصرف سے اسکے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں تھا کہ وہ اس لفظ کے معنی کو وسعت بخش کر یمنیوں کے مختلف قبائل اور دوسرے قبائل کے افراد جو ان کے ساتھ ہم پیمان تھے اور اتحاد و یکجہتی رکھتے تھے کو ایک ناشائستہ مقصد رکھنے والی ملت و جماعت کے عنوان سے پہچنوائے اس کے ضمن میں اس کے نسب کی ایک اجتماعی سرزنش بھی انجام دے اور اپنے اندر پائی جانے والی احساس کم تری کی آگ ___ جو غیر شعوری طور پر اس میں بھڑکی تھی ___ کو بجھادے۔

ہماری اس بات کا گواہ وہی جھوٹ اور بے بنیاد شہادت نامہ ہے جو اس نے ان افراد کی دشمنی میں اور انہیں قتل و نابود کرنے کیلئے تنظیم و مرتب کیا اس طرح اس نے اپنے خیال میں بہت سے جرائم اور ناقابل عفو گناہوں کو اس شہادت نامہ میں انکی گردن پر ڈالدیا جہاں تک ممکن ہوسکا ہے ان کے

خلاف برا بھلا کہنے میں کوتاہی نہیں کی ہے یہاں تک کہ ان کے جرائم کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے اوران کی جانوں کوخطرہ میں ڈالنے کیلئے معاویہ کولکھا کہ: یہ افراد خلیفہ کے خلاف کھلم کھلا بدگوئی کرتے ہیں اورلوگوں کواس سے جنگ کرنے کیلئے اکساتے ہیں (اظهروا شتم الخليفة و دعوا الى حربه)

ان کے عقائد و افکار بیان کرتے ہوئے اس جملہ کولکھا کہ:'' یہ لوگ خلافت کو خاندان ابوطالب سے مخصوص جانتے ہیں ابوتراب کو (علی علیہ السلام) عثمان کے خون میں معذوراور بے گناہ جانتے ہیں اوراس پر درود بھیجتے ہیں'' چونکہ یہ شہادت نامہ اس کی انتقام جوئی اوراحساس کم تری کی آرزو کو پورانہیں کرتا تھا اسلئے ایک دوسرا شہادت نامہ مرتب کیا اوراس میں ان افراد کے جرائم اس صورت میں بیان کئے تھے:'' یہ لوگ خلیفہ کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں، اس لحاظ سے مسلمانوں کی جماعت سے جدا ہوئے ہیں اورلوگوں کوخلیفہ سے جنگ کرنے پراکساتے ہیں انہوں نے اسی مقصد سے کئی لوگوں کواپنے گرد جمع کررکھا ہے اوراپنی بیعت کوتوڑ کر امیرالمؤمنین (معاویہ) کوخلافت سے معزول کیا ہے''

بنی امیہ کے منہ بولے اس بیٹے کے عقیدہ کے مطابق یہ گواہ معاویہ کوخلافت سے معزول کرنے کی وجہ سے کفر وارتداد میں چلے گئے ہیں زیاد بن ابیہ نے اس شہادت نامہ میں ان کے خلاف ہرطرح کی نسبت دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے اوران افراد کے عقیدہ میں انحراف ظاہر کرکے

اسلام سے خارج ہوتے دکھایا ہے اس سلسلہ میں اسکی دلیل صرف یہ تھی کہ انہوں نے معاویہ کو خلافت سے معزول کیا ہے

تحقیق کا نتیجہ

ان تاریخی حوادث ؛ کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہی زیاد بن ابیہ امیر المؤمنین کے زمانے میں ابتداء ہی سے ان کے شیعوں سے مکمل رابطہ رکھتا تھا حضرت کے بعد بھی کوفہ کے شیعوں کا حاکم بنا اور علی علیہ السلام کے تمام شیعوں کو بخوبی جانتا تھا اور ان کے عقائد وافکار سے مکمل آشنائی رکھتا تھا زیاد بن ابیہ نے قسم کھائی کہ حجر ابن عدی سے انتقام لے کر اس کی زندگی کا خاتمہ کردے اس روداد کا زمانہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ یعنی حکومت امیر المومنین کے دس سال بعد تھا زیاد بن ابیہ ابتداء سے شیعوں سے قربت اور نزدیکی کے باوجود حاکم اور امیر بننے کے بعد ان کا جانی دشمن تھا۔

اگر یہی زیاد بن ابیہ جانتا کہ کوفہ میں علی علیہ السلام کے شیعوں میں بعض ایسے افراد موجود ہیں جو علی علیہ السلام کے بارے میں الوہیت اور خدائی کے قائل ہیں یا دوسرے ایسے عقائد کے قائل ہیں جن کا سیف کی روایتوں میں ذکر ہوا ہے اور ملل ونحل کے دانشوروں نے انھیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو وہ خود ان سے خبردار ہوتا اور حجر اور ان کے ساتھیوں کا خون بہانے کیلئے اس کے لئے بہترین بہانہ پیدا ہوجاتا جبکہ اس نے ان کے خلاف جرم ثابت کرنے میں انواع واقسام کے جھوٹ اور تہمت لگانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی تو ان باطل عقائد اور خرافت پر مشتمل بیانات کے اس زمانہ کے

معاشرہ میں موجودہونے کا پوراپورا فائدہ اٹھاتا اوران عقائد کوحجراوراسکے ساتھیوں سے منسوب کرنے میں کوتاہی نہ کرتا بلکہ ان نسبتوں کواپنے مقصد تک پہنچنے کی راہ میں بہترین وسیلہ قرار دیتا۔

اس کے علاوہ یہی عقائداور باتیں خود معاویہ کیلئے بھی ان کی خونریزیوں کی توجیہ کیلئے بہترین وسیلہ قرار پاتیں اوران تہمتوں سے اپنے اعمال پر بہترین صورت میں پردہ ڈال سکتا تھااوران افراد کا خون بہانے میں یوں بہانہ تراشی اورتوجیہ کرتا: ''چونکہ یہ لوگ سبئیہ تھےاورخلاف اسلام عقائد جیسے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھےلہذا ان کوقتل کرنا واجب ہے''

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خود معاویہ اوراس کے آلہ کارزیاد نے ان لوگوں کواس عقیدہ کے بارے میں متہم نہیں کیا ہےاوراس قسم کی نسبت ان کونہیں دی ہے۔

لہذا یہ تاریخی حقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانے میں یہ عقائداور باتیں مسلمانوں میں بالکل وجودنہیں رکھتی تھیں اس زمانے میں اس قسم کے مذہبی گروہ کوان خصوصیات وعقائد کے ساتھ کہ ملل ونحل کے علماء نے چندصدیوں کے بعداپنی کتابوں میں درج کیا ہے،کوئی نہیں جانتا تھا حقیقت میں اس زمانے میں اس قسم کے کسی مذہبی گروہ کاروئے زمین پر بالکل ہی وجودنہیں تھا بلکہ اس زمانے میں لفظ''سبائی'' کا ایسا معنی ومفہوم ہی نہیں تھا اور پہلی بار جس شخص نے اس لفظ میں تحریف ایجاد کی اوراسے وسعت دیدی اورتمام دوستداران علی علیہ السلام کے بارے میں اسے استعمال کیا، وہ وہی زیاد بن ابیہ ہے جس نے حجراوران کے ساتھیوں کے خلاف ترتیب دئے گئے شہادت نامہ میں اس لفظ کو پہلی بارتحریف کرکے درج کیا اس کے بعد دوسروں نے زیاد کے اس غلط اورسیاسی استعمال کا

ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے جعل کیے گئے اور بے بنیاد مذاہب کے ماننے والوں کیلیے اس لفظ کا استعمال کیا ہے اس موضوع کے بارے میں اگلی فصل میں بیشتر وضاحت کی جائے گی۔

لغت ''سبئی'' میں تحریف کا جائزہ

هذه النصوص تدل علی ان السبئية کانت نبزاً بالالقاب

تاریخ کی یہ صریح عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ لفظ ''سبئیہ'' تحریف ہونے کے بعد چند لوگوں کی سرزنش کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔

مؤلف

اس سے قبل گزشتہ فصلوں میں ہم نے بیان کیا کہ لفظ 'سبائی'' پہلے قبائل یمن کا نام تھا بعد میں سیاسی وجوہات کی بناء پر تحریف کر کے ایک دوسرے معنی میں بدل دیا گیا اور علی علیہ السلام کے شیعوں اور ان کے تمام دوستوں کی سرزنش اور ملامت کے طور پر استعمال کیا گیا یہ تحریف مندرجہ ذیل چند مراحل میں انجام پائی ہے۔

ا۔ زیاد کے دوران

لفظ ''سبئی'' میں پہلی تحریف زیاد کے دوران اسی کے توسط سے اس وقت انجام پائی جب اس

نے حجراوران کے ساتھیوں کے خلاف شہادت نامہ لکھا ہم نے گزشتہ فصلوں میں اس روداد کی اس کے نفسیاتی اورسیاسی علل ومحرکات کے پیش نظر تشریح کی۔

۲۔مختار کے دوران

مختار نے ابراہیم بن اشتر ہمدانی سبائی کی سرکردگی میں قبائل سبئیہ کی مدداورحمایت سے کوفہ پر قبضہ کیااورحسین بن علی علیہ السلام کے بعض قاتلوں کو، جیسے: عمر بن سعد قرشی ،شمر بن ذی الجوشن صبائی، حرملہ بن کاہل اسدی ،منقذ بن مرہ عبدی اور کئی دیگر افراد، جوسب کے سب قبائل عدنان سے تھےکو کیفرکردار تک پہنچا کرقتل کردیا۔

مختاراوراس کا سرکردہ حامی ابراہیم یہ دونوں ہی ان افراد کے ساتھ اس عنوان و دلیل سے لڑتے تھے کہ وہ پیغمبر کے نواسے کے قاتل تھے اوراسی بات سے ان کے خلاف تبلیغ کرتے تھے اور لوگوں کوان کےخلاف اکساتے تھے۔

لیکن اس دور کے بعد ایک دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے کہ اس دور میں مختار کے دشمن اس کے خلاف بغاوت کر کے تلوار، تبلیغ اور جھوٹی افواہوں کے ذریعہ اس کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور بے بنیاد مطالب کے ذریعہ اس پر تہمت لگاتے ہیں اورلوگوں کواس کے خلاف شورش پر اکساتے ہیں اور اس کے طرفداروں کونابود کرتے ہیں۔

مختار پر تہمت لگاتے ہیں کہ وہ مقام نبوت اونزول وحی کا مدعی ہے !اس کے ماننے والے اور

ساتھیوں کو ''سبئیہ'' کہتے ہیں ان کا مقصود یہ تھا کہ مختار کے ساتھی اہل یمن اور قبائل سبا سے تھے جنہوں نے مختار اور اس کے طرز عمل پر ایمان لا کر اس کی جھوٹی دعوت اور دعویٰ کو قبول کیا ہے۔

طبری نے اس روداد کو اس طرح نقل کیا ہے۔

''شبث بن ربعی''[1] نے مختار کے لشکر کے ساتھ لڑتے ہوئے اس میں سپاہیوں کے دو سپاہی حسان بن یخدج، اور سعر بن ابی سعر حنفی اور خلید کہ جو آزاد کردہ حسان بن یخدج تھا، کو اسیر بنایا شبث نے خلید سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: حسان بن یخدج ذھلی کا آزاد کردہ خلید ہوں۔

شبث نے کہا: اے متکاء[2] کے بیٹے! کوفہ کے گھور پر نمک چھڑکی ہوئی مچھیاں بیچنے کو ترک کر کے باغیوں سے جا ملے ہو؟ کیا تجھے آزاد کرنے والوں کی جزا یہی تھی کہ تلوار اٹھا کر ان کے خلاف بغاوت کرو گے اور ان کے سر تن سے جدا کرو گے؟ اس کے بعد شبت نے حکم دیا کہ اس کی اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیں اور اسی لحہ اسے قتل کر دیا گیا۔

پھر شبث نے سعد حنفی کے چہرہ پر نظر ڈالی اور اسے پہچان کر کہا: کیا تم خاندان حنفیہ سے ہو؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ شبث نے کہا: افسوس ہو تم پر! ان سبائیوں کی پیروی کرنے اور ان سے ملحق ہونے میں تیرا مقصد کیا تھا؟ بے شک کتنے تنگ نظر ہو تم اس کے بعد حکم دیا اور اسے آزاد کیا گیا۔

۱۔ جب اس تمیمی عورت ''سجاح'' نے نبوت کا دعویٰ کیا تو شبث اس پر فریفتہ ہوا اور اس کا ساتھی بنا بعض مورخین نے کہا ہے کہ شبث اسی سجاح کا مؤذن تھا اس کے بعد ابن زیاد کے لشکر سے جا ملا جو حسین ابن علی علیہ السلام سے جنگ کر رہے تھے اور انہیں قتل کیا (جمہرۃ انساب العرب: ۲۲۷)

۲۔ متکاء: یعنی بڑے شکم والی عورت اور وہ عورت جو اپنے پیشاب پر کنٹرول نہ کر سکتی ہو۔

جیسا کہ ہم نے کہا کہ یہ گفتگو صراحت سے اس مطلب کو واضح کرتی ہے کہ تعبیر ''سبئیہ'' صرف قبائل ''سبائیہ'' کی متابعت و پیروی کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا اور اس تعبیر کے علاوہ کسی اور معنی و مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا تھا کیونکہ شبث بن ربیعہ قبیلۂ تمیم کے خاندان یربوع سے تھا اور سعر بن ابی سعر بھی قبیلۂ بکر کے خاندان حنفیہ بن لجیم سے تھا اور دونوں قبیلے عدنان سے منسوب تھے۔ شبث بن ربعی نے باوجود اس کے کہ سعر عدنانی ہے لیکن مختار کے پیرو یمنی سبائیوں کی پیروی کرنے کی وجہ سے ان کی سرزنش اور ملامت کرتا ہے اور اسے بھی سرزنش کے عنوان سے سبئیہ کہتا ہے:

مختار کی شکست کھانے کے بعد ان کے دشمنوں اور مخالفین ـ جو قبیلۂ عدنان سے تھے ـ نے حکومت کی باگ وڈور سنبھالی اور لوگوں پر مسلط ہوگئے عراق کے تمام شہروں میں سرگرم ہوئے اور اپنی حکومت اور تسلط کو مضبوط کردیا، لیکن اس کے باوجود اپنے دشمنوں اور ان کی فکروں کو بالکل سے نابود نہیں کرسکے جو قبائل سبئیہ سے تھے وہ اکثر علی علیہ السلام کے شیعہ اور ان کے دوستدار تھے بلکہ انہوں نے کبھی سپاہ توابین کے نام پر سلیمان بن صرد خزاعی کی سرکردگی میں مختار سے پہلے بغاوت کی، اور کبھی علویوں کے پرچم تلے مختار کے بعد اپنے مخالفین سے جنگ کی۔

ان مبارزوں کا سرچشمہ بیشتر اہل کوفہ تھے اور اس کے بعد قدرت کے مطابق اطراف میں پھیلتے تھے یہ نبرد آزمائی آشکار و پنہان صورت میں ان دو گروہوں میں دوسری صدی ہجری کے اوائل تک جاری رہی اس زمانہ میں تیسری بار لفظ ''سبئیہ'' ایک سرکاری سند میں درج ہوا ہے، اور اس سند کو

طبری نے اپنی تاریخ میں یوں درج کیا ہے۔

۳۔ سفاح کے دوران

جب سب سے پہلے عباسی خلیفہ کے طور پر ''ابوالعباس سفاح'' کی کوفہ میں خلافت کے عنوان سے بیعت کی گئی تو اس نے منبر پر چڑھ کر اپنی تقریر میں یوں کہا:

خداوند عالم نے ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری کی خصوصیت عطا کی ہے اور ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد کے صلب سے پیدا کیا ہے اس کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی چند روایات کی تلاوت کی پھر کہا: خداوند عالم نے ہمارے خاندان کی بزرگی اور فضیلت کو لوگوں میں اعلان فرمایا ہے ہماری محبت، دوستی اور حقوق کو ان پر واجب قرار دیا ہے ہمارے احترام و عزت میں جنگی غنائم میں سے بیشتر حصہ کو ہمارے خاندان کیلئے مخصوص فرمایا ہے خداوند عالم فضل عظیم کا مالک ہے لیکن گمراہ سبائی گمان کرتے ہیں کہ ہمارے خاندان کے علاوہ کوئی اور خاندان ریاست و قیادت کیلئے سزاوار تر ہے ان کے چہرے کالے ہوں! کیوں اور کیسے دوسرے افراد اس مقام کیلئے ہم سے زیادہ سزاوار ہوسکتے ہیں؟ لوگو! کیا ایسا نہیں ہے کہ خداوند عالم نے ہمارے خاندان کے توسط سے اپنے بندوں کو ضلالت و گمراہی کی راہ سے سعادت و ہدایت کی طرف

رہبری کی ہے؟ اور ہمارے توسط سے ان کو جہالت اور ظلم سے نور روشنی کی طرف
لاکر ہلاکت و بدبختی سے نجات دی ہے؟ اور ہمارے خاندان کے ذریعہ ہی خداوند
عالم نے حق کو ظاہر اور باطل کو نابود کیا ہے؟

سفاح کی تقریر کی تحقیق

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''ابو العباس سفاح'' کیوں اپنی پہلی تقریر کو اسکے بقول گروہ ''سبائی'' پرحملہ سے شروع کرتا ہے اور اپنے افتتاحی بیان کو ان پر یورش اور تنقید سے آغاز کرتا ہے؟!

ہم اس سوال کا جواب طبری کے بیان سے حاصل کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی تاریخ میں ۱۳۲ھ کے حوادث کے ضمن میں ایک مطلب کو بیان کرتا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

جب ابو مسلم کے سپاہی عراق پہنچے اور بنی امیہ کے لشکر پر فتح پائی تو پھر کوفہ کی طرف رخ کیا اور ابوسلمہ حفص بن سلیمان جوان دنوں ''وزیر آل محمد'' کے عنوان سے معروف تھا اور ان کی سیاسی بغاوت کی رہبری کرتا تھا، کی بیعت کی۔ ابوسلمہ پہلے سفاح کے بڑے بھائی ابراہیم بن محمد کی طرف لوگوں کو دعوت کرتا تھا اور لوگوں سے اس کیلئے بیعت لیتا تھا جب ابراہیم مروان کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کے مرنے کی خبر ابوسلمہ کو پہنچی تو وہ خلافت کو خاندان بنی عباس سے خاندان علی ابن ابیطالب کی طرف لوٹانے

لگا اس خاندان کے کسی فرد کیلئے بیعت لینا چاہتا تھا جبکہ ابراہیم بن محمد نے جو مروان کے ہاتھوں قتل ہوا تھا اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کو وصیت کی تھی اور اسے اپنا جانشین اور خلیفہ قرار دیا تھا۔ لہذا ابوالعباس نے اپنے بھائی ابراہیم بن محمد کے قتل کے بعد بیعت لینے کیلئے اپنے خاندان کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوا لیکن ابوسلمہ اس کے کوفہ میں داخل ہونے میں رکاوٹ بن گیا اور وہ مجبور ہوا ابوسلمہ کے زیر نظر کوفہ سے باہر ٹھہرے اور اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے اور ابوالعباس اپنے خاندان کے ساتھ کوفہ سے باہر حبس اور زندان کی حالت میں گذارتا رہا اس مدت کے دوران ابو سلمہ اس کی حالت کو لشکر کے سرداروں سے مخفی رکھتا تھا جو ابراہیم کی وصیت کے مطابق اس کی بیعت کرنے کیلئے آمادہ تھے لشکر کا سردار ابوالعباس کے بارے میں ابوسلمہ سے سوال کرتا تھا تو وہ جواب میں کہتا تھا: جلد بازی نہ کرنا کیونکہ ابھی شہر ''واسط''[۱] فتح نہیں ہوا ہے اور وہ ابھی بنی امیہ کے طرفداروں کے قبضہ ہے اسی بہانہ سے ابو العباس کی حالت بتانے سے پہلو تہی کر رہا تھا یہاں تک آخر کار لشکر کے سرداروں نے ابوالعباس کی رہائش گاہ کے بارے میں اطلاع حاصل کی اور ابوسلمہ کو مطلع کئے بغیر اسکے پاس گئے۔ خلافت کے عنوان سے اس کی بیعت کی اور اسے جیل سے نکال کر باہر لائے اور سب سے پہلے اسے کوفہ کے دارالامارہ میں لے جایا گیا

۱۔ شہر واسط بصرہ اور کوفہ کے درمیان تھا اسی لئے اس سے واسط کہتے تھے۔

اس کے بعد اسے مسجد میں لایا گیا مسجد میں کوفہ کے مختلف طبقوں کے لوگوں نے اس کی بیعت کی۔

ابوالعباس نے بیعت کے مراسم مکمل ہونے کے بعد ایک تقریر کی (جسے ہم نے پہلے نقل کیا ہے) اس کی اس تقریر کا مقصد یہ تھا کہ اپنے مخالفین اور دشمنوں جو خلافت کو اس سے چھین کر اس کے چچیرے بھائیوں کو دینا چاہتے تھے کو دبادے اور انھیں حسادت کی تہمت لگا کر عوام کی نظروں میں پست اور حقیر نیز نادان بتائے۔ اسی لئے اس نے اپنی تقریر میں ''سبیہ'' کو گمراہ کی حیثیت سے پیش کیا پھر ان کے عقیدہ کی یوں تشریح کی: وہ گمان کرتے ہیں کہ دوسرے افراد ہم سے زیادہ لوگوں کی ریاست وقیادت کیلئے سزاوار ہیں اور خلافت کیلئے ہمارے خاندان سے لائق تر ہیں۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوالعباس سفاح اپنے مخالفین کو دبانے اور انہیں متہم کرنے میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے ''وہ کسی دوسرے خاندان کو ہم سے لائق تر جانتے ہیں''

اگر سفاح اپنے مخالفوں کو دبانے کیلئے کوئی اور مطلب رکھتا قطعاً اس کے ذکر سے پرہیز نہیں کرتا اگر اپنے مخالفوں میں کوئی عیب اور مشکل پاتا تو اسے اظہار کرنے میں اپنا منہ بند نہیں کرتا، مثلاً کہتا ہے: وہ گمراہ افراد ہیں جو دین اسلام سے خارج ہوئے ہیں اور ایک انسان کی الوہیت اور خدائی کے قائل ہوئے ہیں'' کیونکہ جو سفاح ابوسلمہ کو حیلہ وبہانہ سے قتل کرنے میں دریغ نہیں کرتا ہے[۱] وہ اس پر ہر ممکن تہمت لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

۱۔ طبری اور دوسرے مؤرخین نے تشریح کی ہے کہ سفاح نے کس طرح ابوسلمہ کو قتل کر ڈالا۔

نتیجہ:

جو کچھ اس تحریر سے مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے اور لفظ سبئی کے مختلف مراحل میں استعمال ہونے سے استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ درحقیقت یہ لفظ یمن کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام تھا، اس کے بعد مختلف ادوار میں وقت کی حکومتوں کے توسط سے، وہ بھی کوفہ اور اسکے اطراف میں تحریف ہوا ہے اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے شیعوں اور ان کے چاہنے والے گروہ کی سرزنش و ملامت کے عنوان سے استعمال ہوا ہے یہ لفظ اس زمانے میں کسی بھی قسم کا مذہبی مفہوم اور دلالت نہیں رکھتا تھا، جیسا کہ بعد کے ادوار میں اس قسم کا استدلال کیا گیا ہے بلکہ اس زمانے میں اصلاً کوئی اس نام کے کسی مذہبی فرقے کو نہیں جانتا تھا لیکن بعد میں اس لفظ میں ایک دوسری تحریف رونما ہوئی کہ اپنے اصلی اور پہلے معنی اور دوسرے معنی سے بھی ہٹ کر ایک تیسرے معنی میں تحریف ہو کر ایک نئے مذہبی گروہ کے بارے میں استعمال ہوا ہے اس قسم کے نئے مذہبی گروہ کا ان عقائد و افکار کے ساتھ اسلام میں کہیں وجود ہی نہیں تھا ہم اگلی فصل میں اسکے بارے میں مزید وضاحت سے روشنی ڈالیں گے۔

سیف کے افسانہ میں ''سبئیہ'' کے معنی

ان السبئیین اتباع عبداللہ ابن سبا

سبئی ایک گروہ ہے جنھوں نے عبداللہ بن سبا کے

عقیدہ کی پیروی کی ہے

سیف بن عمر

افسانۂ سبئیہ

لفظ ''سبئیہ'' کی حالت زیاد بن ابیہ کے دور سے لے کر دوسری صدی ہجری کے اوائل تک وہی تھی جسے ہم نے گزشتہ فصلوں میں بیان کیا، یعنی یہ لفظ تنقید اور سرزنش کے عنوان کے علاوہ کسی بھی دوسرے مذہبی و اعتقادی مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا تھا اور وہ بھی صرف کوفہ اور اسکے اطراف میں، یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں کوفہ کا ایک باشندہ ''سیف بن عمر، تمیمی'' نامی خاندان عدنان کے ایک شخص نے ''افسانہ سبئیہ'' جعل کیا اسی نے اپنے اعلی افسانہ میں ''سبئیہ'' کے مفہوم

اور دلالت کوقبیلہ کے نام سے۔تحریف کر کے عبداللہ بن سبا کی پیروی کرنے والے ایک مذہبی فرقہ سے منسوب کیا۔ عبداللہ بن سبا کو بھی ایک ایسے شخص کے قیافہ میں پیش کیا ہے کہ پہلے یہودی اور اہل یمن عثمان کی حکومت کے دوران اسلام قبول کیا ہے اوراس نے وصایت اور رجعت کا عقیدہ ایجاد کیا ہے۔

سیف نے اپنے جعل کئے گئے اس افسانہ میں کہا ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اس افسانوی عبداللہ بن سبا کی پیروی کی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض خاص اصحاب جو علی ابن ابیطالبؑ کے پیرو اور شیعہ تھے نے، علی علیہ السلام کے پیروکاروں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ اس کی روش اور طریقہ کار کو اپنایا، عبداللہ بن سبا کی پیروی کرنے کی وجہ سے یہ سب لوگ ''سبئیہ'' کہے جاتے ہیں۔

سیف کے کہنے کے مطابق، عثمان کو قتل کرنے والے اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی بیعت کرنے والے بھی وہی ''سبائی'' اور عبداللہ بن سبا کے پیرو تھے۔

بقول سیف یہی سبائی تھے جنہوں نے جنگ جمل میں طرفین کے درمیان انجام پانے والی صلح کو جنگ وآتش کے شعلوں میں بدل دیا اور علی علیہ السلام و عایشہ کے فوجیوں کو آپس میں ٹکرایا، ان تمام مطلب کو سیف نے اپنی کتاب ''الجمل و مسیر علیّ علیه السلام و عائشة'' میں ثبت و درج کیا ہے[1]

۱۔اس کتاب کی پہلی جلد کی طرف رجوع کیا جائے

یہ افسانہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں سیف کے توسط سے جعل کیا گیا ہے چونکہ اس افسانہ کا نقل کرنے والا تنہا سیف تھا اسلئے اس نے اشاعت اور رواج پیدا نہیں کیا، یہاں تک کہ بزرگ مؤرخین جیسے طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے اس افسانہ کو سیف کی کتاب سے نقل کر کے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے تو اس کو بے مثال اشاعت اور شہرت ملی۔

''سبئیہ'' کی تاریخ پیدائش، شہرت اور جدید معنی:

عبداللہ بن سبا اور گروہ ''سبئیہ'' کے بارے میں سیف کے افسانہ کی شہرت اور رواج پانے سے پہلے یہ لفظ صرف قبائل سبئی پر دلالت کرتا تھا جیسا کہ ہم نے اس مطلب کو صحاح ششگانہ کے مؤلفین سے نقل کی گئی روایتوں میں مشاہدہ کیا۔

زیاد بن ابیہ، مختار اور ابوالعباس سفاح کے زمانے میں یہ لفظ صرف کوفہ میں کبھی قبائل سبئیہ ــ جو علی علیہ السلام کے شیعہ تھے ــ سرزنش کے القاب کے طور پر استعمال ہوا ہے لیکن سیف کے افسانہ کو اشاعت ملنے کے بعد یہ جملہ ایک نئے مذہبی گروہ سے منسوب ہو کر مشہور ہوا جس گروہ کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ اس تاریخ کے بعد اس لفظ کا استعمال اپنے اصلی اور پہلے معنی جو قبائل سبائیہ سے منسوب تھا اور اسکے دوسرے معنی میں کہ حکومت کے مخالفین کی سرزنش میں استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ متروک اور فراموش ہوا اور اسی جعلی مذہبی معنی میں مخصوص ہوا اور اس معنی میں شہرت پائی[۱] اور

۱۔ اس تحقیق سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ''سبئیہ'' تین مرحلوں میں تین مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے اس اصلی معنی یمن کے ایک قبائل کا نام تھا اس کا دوسرا اور سیاسی معنی حکومت زیاد، ابن زیاد اور سفاح کے دوران صرف کوفہ میں رائج تھا اور اس کا مذہبی معنی کہ ایک جدید مذہبی گروہ

سیف نے اس حکم کو پہلے اپنے افسانہ میں صرف ایک فرقہ کا نام رکھا تھا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی وصایت اور خلافت بلافصل کے قائل تھے لیکن بعد میں اپنے دوسرے افسانوں میں جنہیں اسی جعلی فرقہ اور گروہ کے بارے میں گڑھ لیا ہے ایک دوسرے معنی میں تبدیل کر کے اس گروہ کیلئے استعمال کیا ہے جو علی علیہ السلام کے بارے میں آپ کی الوھیت اور خدائی کے قائل ہیں۔

اس تبدیلی اور تغیر کی تشریح

سیف بن عمرو دوسری صدی کے اوائل میں کوفہ میں ساکن تھا اس نے اپنے افسانوں کو اسی زمانہ میں جعل کیا ہے اس جھوٹ اور افسانہ سازی میں اس کا محرک درج ذیل دو چیزیں تھیں:

۱۔ قبائل قحطانی یمنی سے اس کا شدید تعصب کہ جو قبائل عدنانی کے مقابلہ میں تھا اور خود بھی قبائل عدنانی سے منسوب تھا۔

۲۔ زندیقی، بے دینی اور اسلام سے عداوت رکھنے کی بنا پر تاریخ اسلام کو مشوش اور درہم برہم کرنا۔

وضاحت:

علی ابن ابیطالب کے دوستدار اور شیعہ قبائل قحطانی یمنیوں پر مشتمل تھے۔ یہ قبائل بھی وہی سبئیہ ہیں کہ عدنانیوں کے مقابلے میں قرار پائے تھے اور علی علیہ السلام کے زمانہ سے بنی امیہ کی

ص کا نام ہے سیف کے افسانہ کے شائع ہونے کے بعد رائج ہوا اور اسی نام سے مشہور ہے۔

حکومت کے زمانہ تک ہمیشہ وقت کی ظالم حکومتوں کے ساتھ کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے۔

خاص کر خاندان امیہ کی حکومت کی۔ سیف ذاتی طور پر اس حکومت کا حامی تھا۔ عدنانیوں کے بالکل برعکس قبائل سبئی معتقد تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو اپنا وصی معین فرمایا ہے یہ تھی کلی طور پر عدنانی قبیلوں کے مقابلے میں قحطانی یا سبائی قبیلوں کی اعتقادی خصوصیات اور سیاسی موقعیت دوسری طرف سیف بن عمر اپنے شدید خاندانی تعصب و عداوت اور زندیقی ہونے کی وجہ سے قبائل سبئی قحطان کو لوگوں میں منحرف خودغرض مرموز اور نادان کے طور پر تعارف کراتا ہے اور ایسے مسائل و موضوعات میں ان کے عقیدہ کو بے اعتبار اور بے بنیاد دکھاتا ہے۔

سیف نے اسی مقصد کے پیش نظر عبداللہ بن سبا کے افسانہ کو جعل کیا ہے اسے صنعا کا باشندہ بتایا ہے اور کہا ہے: علی علیہ السلام کی وصایت کا بانی اور سرچشمہ وہی عبداللہ بن سبا تھا نہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''سبئیہ'' یہ وہی گروہ ہے جو اس عقیدہ میں عبداللہ بن سبا کی پیروی کرتے ہیں سیف نے افسانہ کو جعل کرنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں انحراف و بدبینی ایجاد کی اور اپنے افسانہ میں اکثر بزرگ اصحاب جو علی علیہ السلام کے شیعہ تھے کو اپنے جعل کئے گئے تازہ مذہبی گروہ سے مربوط دکھایا اور ابوذر، عمار یاسر، حجر بن عدی، صعصعہ بن صوحان عبدی، مالک اشتر، کمیل بن زیاد، عدی بن حاتم، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ اور دیگر مشہور و معروف افراد کو اس گروہ کے اعضاء اور سردار کے طور پر پیش کیا ہے۔

اگر خود سیف کے زمانہ میں کوفہ میں لفظ ''سبئیہ'' کا معنی و مفہوم علی علیہ السلام کی الوہیت اور خدائی ہوتا تو سیف ہرگز اسے نقل کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا اور اسے اس صورت میں ضرورت ہی نہیں تھی تا کہ ایک نیا افسانہ گڑھ کر علی علیہ السلام کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے موضوع میں اپنے مدنظر افراد کی سرزنش کرنے کیلئے سبائیوں کے عقیدہ میں شامل کرتا، کیونکہ علی علیہ السلام کی الوہیت کے عقیدہ کا مسئلہ تنقید اور سرزنش کے طور پر علی ابن ابیطالب کی خلافت و وصایت کے مسئلہ کے مقابلے میں بیشتر مؤثر اور کارگر ثابت ہوتا۔

یہاں پر یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ ہم نے تیسری صدی ہجری کے اواخر تک کسی کتاب میں لفظ سبئیہ کے بارے میں قبائل یمانی سے منسوب ہونے اور افسانہ عبداللہ بن سبا میں ذکر کئے گئے معنی ــــ یعنی سبئیہ ایک ایسا گروہ ہے جو علی علیہ السلام کی وصایت و خلافت کے قائل ہیں ــــ کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں پایا۔

لیکن تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل کے بعد علمائے ادیان وعقائد کی ملل و نحل کے عنواں سے لکھی گئی کتابوں اور تالیفات میں درج کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرو ــــ جو سبئیہ کے نام سے معروف ہیں ــــ معتقد ہیں کہ علی علیہ السلام قتل نہیں کئے گئے ہیں بلکہ وہ کبھی نہیں مریں گے وہ خدا ہیں ۔ اور حضرتؑ نے عبداللہ بن سبا یا اس کے طرفداروں کو اسی عقیدہ کی وجہ سے آگ میں جلا دیا۔

پس جیسا کہ ملاحظہ فرمارہے ہیں سبئیہ کے مفہوم ومعنی نے قبائل یمن سے تدریجاً بعض افراد کیلئے سرزنش کے مفہوم میں تغیر دیا اور اس کے بعد ایک نئے مذہبی گروہ سے منسوب معنی میں تبدیل ہوا ہے کہ علی علیہ السلام کی وصایت وخلافت کے قائل ہیں پھر ایک دوسرے مذہبی گروہ کے مفہوم میں تبدیل ہوا کہ علی علیہ السلام کی الوہیت اور خدائی کے قائل ہیں اور اس کے بعد ''سبئیہ'' اور ''ابن سبا'' کے سلسلہ میں بہت سے افسانے پائے گئے ہیں۔

جعل کا محرک اور ترویج کا عامل

دیکھنا چاہئے یہ تغیر وتحول کیسے وجود میں آیا ہے؟ یہ بے بنیاد مطالب کیوں گڑھ لئے گئے ہیں؟! اور یہ مطالب مسلمانوں کی کتابوں میں کس طرح رواج پائے ہیں؟!

ان مطالب کی وضاحت میں ہمیں کہنا چاہئے کہ: سیف بن عمر نے افسانہ ''سبئیہ'' اور دوسرے افسانوں کو جعل کرکے یہ چاہا ہے کہ اپنے قبائل کے سرداروں اور بزرگوں۔عدنان جو ہر دور میں صاحب اقتدار اور حکومت تھے۔خلفائے راشدین سے لے کر اموییوں تک سب کی حمایت ودفاع کرے اور انہیں ان پر کئے گئے اعتراضات سے بری الذمہ قرار دے او اس کے مقابلے میں تمام برائیوں اور گناہوں کو قبائل قحطان سبئی کے افراد کے سر تھوپنے اور انھیں دبانے جو عدنانیوں اور وقت کی حکومتوں کا مخالف محاذ تشکیل دیتے تھے سیف نے اس طریقہ سے اپنے قبیلہ عدنان اور صاحبان اقتدار وسطوت کی توجہ اور تائید حاصل کی ہے اور انھیں اپنی افسانہ سازی کے ذریعہ راضی اور خوشحال

کیا ہے اور اپنے افسانوں کے ذریعہ صاحب اقتدار وحکومت اصحاب کو دفاع و بچاؤ کا لباس زیب تن کیا ہے اس کے علاوہ اپنے افسانوں کو اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرفداری کے زیور سے مزین کیا ہے اس طرح اسلام کی پہلی صدی کے مشاہیر اور صاحب قدرت اصحاب پر کی جانے والی تنقید اور اعتراضات کا دفاع کیا ہے لھذا اس روش کی وجہ سے اس کے افسانے ہر زمانے میں عام لوگوں میں قابل قبول پسندیدہ قرار پائے ہیں اور قدرتی طور پر عوام کی طرف سے اپنے افسانوں کے بارے میں طرفداری اور حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے

سیف نے اس طرح اپنے افسانوں کی ترویج کی ضمانت فراہم کی ہے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ جعلیات کی اشاعت کیلئے بنیادی تحفظ حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوا ہے۔

یہی سبب ہے کہ سیف کی کتاب ''جمل'' جس میں افسانہ عبداللہ بن سبا ہے، شائع ہونے کے بعد ہاتھوں ہاتھ منتشر ہوئی اور اس کے افسانے وسیع پیمانے پر نقل ہوئے اور قلم بھی حرکت میں آئے اور ان افسانوں کو اس کی کتاب سے نقل کرکے دوسری کتابوں میں درج کیا گیا اور اس کے بعد جو کچھ افسانہ ''سبئیہ'' کے بارے میں طبری جیسے مورخین نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں درج کیا تھا اسی کمی وبیشی کے بغیر اسی صورت میں باقی رہا اور بعد والی نسلوں تک منتقل ہوا۔

افسانۂ سبئیہ میں تغیرات

افسانۂ عبداللہ بن سبا جس صورت میں لوگوں کی زبانوں پر رائج اور عام ہوا تھا وہ ایک عامیانہ صورت کا افسانہ تھا اس نے وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ رشد و پرورش پائی اور اپنے لئے ایک وسیع ترین دائرہ کا آغاز کیا اور اس میں کافی تبدیلیاں ہوگئیں یہاں تک کہ افسانۂ ابن سبا دو افسانوں کی صورت اختیار کر گیا۔

پہلا: وہ افسانہ، جسے سیف نے جعل کیا تھا اور کتابوں میں درج ہو چکا تھا۔

دوسرا: وہ افسانہ جو سیف کے افسانہ میں تغیرات ایجاد ہونے کے بعد لوگوں کی زبانوں پر جاری تھا یہ اس زمانے سے مربوط ہے کہ ملل و نحل کے علماء نے لوگوں کے عقائد و مذاہب کے بارے میں کتابیں لکھنا شروع کی تھیں یہ علماء فرقوں اور مذہبی گروہوں کی تعداد بیان کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے اپنی کتابوں میں جو کچھ مذہبی فرقوں کے بارے میں لکھتے تھے ان کے مآخذ وہی ہوتے تھے جو ان کے زمانہ کے عام لوگ تصور کرتے تھے عقیدوں کے بارے میں جو کچھ یہ مصنفین لوگوں سے سنتے تھے ان گروہوں اور فرقوں کے حالات کی تشریح میں حقائق کی صورت میں ان ہی مطالب کو اپنی کتابوں میں درج کرتے تھے اور اس طرح مذہبی گروہوں اور عقائد اسلام میں تحریف و نقلیات کے بارے میں کسی قسم کی تحقیق اور تجسس کئے بغیر اضافہ کرتے تھے اس کے بعد لغت کے مؤلفین، جیسے: ابن قتیبہ، ابن عبدربہ پیدا ہوئے اور ادب کی مختلف فنون اور

تاریخ پر کتابیں لکھیں۔

ان مؤلفین نے مذہبی فرقوں کے بارے میں عام لوگوں سے جمع کر کے ملل ونحل کی کتابوں میں درج کی گئی روایتوں کو نقل کر کے اپنی کتابوں میں ثبت کیا ہے اور ان کی سند ومتن کے بارے میں کسی قسم کی کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔

ان کے بعد والے مؤلفیں، جیسے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے مذکورہ کتابوں سے ان مطالب کو کسی تحقیق وتصدیق کے بغیر اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اسی سلیقہ اور روش کے مطابق بعض مؤلفین نے سبیئہ کی داستان کو لوگوں کی زبانی سنی سنائی صورت میں حاصل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور اس طرح یہ افسانے لوگوں کی زبان سے کتابوں میں داخل ہوئے ہیں اور ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل ہوئے ہیں اس طرح عبداللہ بن سبا کا افسانہ جو ایک افسانہ تھا رفتہ رفتہ دو افسانہ بن گیا:

پہلا: سیف کا افسانہ جو اپنی پہلی حالت میں باقی ہے۔

دوسرا: وہ افسانہ جو عام لوگوں کی زبانوں پر تھا، وقت گزرنے کے ساتھ نقل وانتقال کی تکرار سے تغیر پیدا کر کے نشو نما پا چکا ہے اور افسانہ عبداللہ بن سبا میں اس تغیر وتحول کے نتیجہ میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اس کے پیش نظر خود عبداللہ ابن سبا بھی دو شخصیتوں کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے اس طرح مؤلفین کے لئے غلط فہمی اور تشویش کا سبب بنا ہے انشاء اللہ ہم اگلی فصل میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔

عبداللہ ابن سبا کون ہے؟

.. ولم نجد في كتاب نسب عبدالله بن سبأ

ہم نے ہزاروں کتابیں چھان لیں لیکن عبداللہ بن سبا کے
نسب کے بارے میں کوئی نام ونشان نہیں پایا۔

مؤلف

ہم نے اپنے بیان کے آغاز میں کہا ہے کہ کتاب کے اس حصہ میں تین لفظوں کے بارے میں تحقیق کریں گے:

''سبئیہ''، ''عبداللہ بن سبا' اور'' ابن سودا''

ہم گذشتہ فصلوں میں ''سبئیہ'' کی حقیقت اوراس کلمہ کے معنی میں مختلف ادوار میں تغیر وتحول اور اس کے اصلی معنی سے سیاسی معنی میں اور سیاسی معنی سے مذہبی معنی میں اسکی تحریف سے آ گاہ ہوئے اب ہم اس فصل میں عبداللہ بن سبا کی حقیقت پر تحقیق کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس افسانوی سورما کو اچھی طرح پہچان سکیں۔

عبداللہ بن سبا کا نسب، پہلے مرحلہ کی کتابوں میں:

لفظ ''عبداللہ بن سبا'' چار لفظوں: ''عبد''، ''اللہ''، ''ابن''، و''سبا'' پر مشتمل ہے۔ یہ چاروں لفظ عربی زبان سے مخصوص ہیں۔ یہ ایک مضبوط دلیل ہے کہ یہ باپ بیٹے یعنی ''عبداللہ'' و''سبا'' دونوں عرب ہیں۔ اس افسانہ کو جعل کرنے والا یعنی سیف بن عمر بھی عبداللہ بن سبا کو واضح طور پر اہل صنعا (یمن) ہی بتاتا ہے اور تمام مؤرخین اور مولفین نے ابن سبا کی سرگرمیوں اور نشاط کا دور عثمان بن عفان اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا زمانہ معین ومحدود کیا ہے اس کیلئے جس سرگرمی اور فعالیت کے زمانے کا ذکر کیا گیا ہے وہ پہلی صدی ہجری کی چوتھی دہائی سے بیشتر نہیں ہے اور عبداللہ ابن سبا کے بارے میں جتنے بھی افسانے اور داستانیں ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا معروف ومشہور شخص تھا۔

ان تین تمہیدات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک عرب اور ایک عرب کا بیٹا تھا اور پہلی صدی ہجری کی چوتھی دہائی کے دوران حضرت عثمان اور علی علیہ السلام کے زمانے میں جزیرۃ العرب میں زندگی گزارتا تھا اور مسلمانوں کے سیاسی اور دینی مسائل میں نمایاں سرگرمی انجام دیتا تھا، اسی لئے وہ اس زمانے کا ایک معروف ومشہور شخص تھا۔

یہاں پر ایک ناقابل حل مشکل پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جزیرۃ العرب میں اسلام کی پہلی صدی میں اموی خلافت کے زمانے تک کوئی ایسا عرب مرد تاریخ میں نہیں ملتا ہے کہ اس کا نام، اس

کے باپ کا نام ااور رہائش کی جگہ کا نام اور اس کی سرگرمیاں معلوم ہوں، معروف ومشہور اور لوگوں کا فکری قائد بھی ہو، لیکن اس کے جد اور شجرہ نسب نامعلوم ہو! کیونکہ عرب اپنے شجرہ نسب کے تحفظ میں اتنی غیر معمولی سرگرمی اور دلچسپی دکھاتے تھے کہ ان کی یہ سرگرمی غلو اور افراط کی حد تک بڑھ گئی تھی، یہاں تک کہ نہ صرف افراد کے انساب کے بارے میں خود دسیوں کتابیں تالیف کر چکے ہیں بلکہ اپنے گھوڑوں کے انساب کے تحفظ کے سلسلے میں بھی خاص توجہ رکھتے تھے کہ یہاں تک بعض دانشوروں نے گھوڑوں کے شجرۂ نسب کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جیسے: ابن کلبی (وفات ۲۰۴ھ) گھوڑوں کے نسب کے بارے میں اس کی کتاب ''انساب الخیل'' موجود ہے اس وقت اسلام کے اس زمانے کی تاریخ، تشریح، انساب اور تمام فنون وادب کے بارے میں ہزاروں جلد قلمی اور مطبوع کتابیں ہمارے اختیار میں ہیں اور ان کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی عبداللہ بن سبا کے شجرۂ نسب کے بارے میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا ہے۔

پس عبداللہ بن سبا کون ہے؟ اس کے جد کا نام کیا ہے؟ اس کے آباء واجداد کون ہیں ان کا شجرہ نسب کس سے ملتا ہے؟ اور وہ کس قبیلہ اور خاندان سے تعلق رکھتا تھا؟

اتنے علماء اور دانشوروں اور مؤلفین نے عبداللہ بن سبا سے متعلق افسانوں اور داستانوں کو درج کرنے میں نمایاں اہتمام کیا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ اس کے باوجود مذکورہ موضوع کے بارے میں انہوں نے خاموشی اختیار کی ہے اور اس کے شجرۂ نسب کے بارے میں کسی قسم کا اشارہ تک نہیں کیا ہے

اور نہ اس کے بارے میں کوئی مطلب لکھا ہے؟!

ہم جو دسیوں سال سے مختلف اسلامی موضوعات کے بارے میں مدارک و مآخذ کے سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں، تا بہ حال اس سوال کا جواب کہیں نہیں پایا اور عبد اللہ بن سبا کا اس موضوع کے بارے میں کہیں کوئی نام و نشان نہیں ملا ہے۔

عبداللہ بن سبا کون تھا؟

ابن قتیبہ (وفات ۲۷۶ھ) کی کتاب "الامامة والسیاسة" میں آیا ہے:

فقام حجر بن عدی و عمر بن الحمق الخزاعی و عبدالله بن وهب الراسبی علی علیّ فاسئلوه عن ابی بکر و عمر ...."[1]

اور ثقفی (وفات ۲۷۳ھ) اپنی کتاب "الغارات" میں لکھتا ہے:

دخل عمرو بن الحمق و حبة العرنی و الحارث بن الاعور و عبدالله بن سبأ علی امیر المؤمنین بعد ما افتتحت مصر و هو مغموم حزین فقالوا له: بین لنا ما قولک فی ابی بکر و عمر...."[2]

ان دو کتابوں میں آیا ہے کہ امیر المؤمنین کے چند اصحاب حضرت کے پاس گئے اور حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں سوال کیا، کتاب الامامة والسیاسة میں ان افراد میں عبداللہ وھب راسبی کا

۱۔ الامامة والسیاسة ج۱/۱۴۲

۲۔ الغارات، ثقفی، انتشارات انجمن آثار ملی نمبر ۱۱۴ (ج۱/۳۰۲)

ذکر کیا ہے اور ثقفی کی کتاب ''غارات'' میں عبداللہ بن سبا کا نام لیا گیا ہے کہ ظاہر میں آپس میں اختلاف رکھتے ہیں اور اس اختلاف کو بلاذری (وفات ۲۷۹ھ) نے انساب الاشراف میں جعل کیا ہے اس نے داستان کو یوں نقل کیا ہے:

حجر بن عدی الکندی و عمرو بن الحمق الخزاعی و حبة بن جوین الجبلی ثم العرنی و عبدالله بن وهب الهمدانی و هوابن سبأ فاسئلوه عن بی ابی بکر و عمر .... [1]

بلاذری اسی داستان کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: اور عبداللہ بن وھب وہی ابن سبا ہے اس بنا پر عبداللہ بن سبا، عبداللہ بن وھب ہے۔

سعد بن عبداللہ اشعث (وفات ۳۰۰ھ یا ۳۰۱ھ) نے اپنی کتاب ''المقالات والفرق'' میں یہی بات بیان کی ہے جہاں پر غالی اور انتہا پسند گروہوں کے بارے میں کہتا ہے: ''غلو کرنے والوں میں پہلا گروہ جس نے افراط اور انتہا پسندی کا راستہ اختیار کیا اسے سبئیہ کہتے ہیں وہ عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں کہ جو عبداللہ بن وھب راسبی ہے...''

مزید کہتا ہے: مذکورہ غالی گروہوں میں سے ایک ''سبیئہ'' ہے اور وہ عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں

ابن ماکولا (وفات ۴۷۵ھ) اپنی کتاب ''الاکمال'' میں لفظ ''سبئی'' کے ضمن میں سبائیوں کی تعداد کے بارے میں لکھتا ہے کہ: ''سبائیوں'' میں سے ایک عبداللہ بن وھب سبئی، رئیس خوارج ہے''

۱۔ انساب الاشراف ج ۲/۲۸۳) طبع مؤسسہ اعلمی بیروت ۱۳۹۴ھ۔

ذھبی (وفات ۷۴۸ھ) اپنی کتاب ''المشتبہ'' میں لفظ سبئی کے ضمن میں کہتا ہے: ''عبداللہ بن وھب سبئی خوارج کا رئیس اور سر پرست تھا''

ذہبی اپنی دوسری کتاب ''العبر'' میں جہاں پر ۳۸ھ کے حوادث بیان کرتا ہے کہتا ہے: ''اس سال علی علیہ السلام اور خوارج کے درمیان جنگ نہروان چھڑ گئی اور اسی جنگ میں خوارج کا رئیس و سردار عبداللہ بن وھب سبائی قتل ہوا۔

ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) اپنی کتاب ''تبصیر المنتبہ'' میں کہتا ہے: ''سبائی ایک گروہ ہے ان میں عبداللہ بن وھب سبائی سردار اور سر پرست خوارج ہے''

مقریزی (وفات ۸۴۸ھ) اپنی کتاب ''الخطط'' میں کہتا ہے: ''علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے زمانے میں ''عبداللہ بن وھب بن سبا'' معروف بہ ''ابن السوداء سبئی'' نے بغاوت کی اور اس عقیدہ کو وجود میں لایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو وصی و جانشین مقرر کیا اور انھیں امامت کیلئے معین فرمایا ہے اور پھر اس عبداللہ بن سبا نے پیغمبرؐ اور علی علیہ السلام کی رجعت کا عقیدہ بھی مسلمانوں میں ایجاد کر کے یوں کہا: علی ابن ابیطالب علیہ السلام زندہ ہیں اور خدا کا ایک جزء ان میں حلول کر گیا ہے اور اسی ''ابن سبا'' سے غالی، انتہا پسند اور رافضیوں کے مختلف گروہ وجود میں آئے''۔

عبداللہ بن سبا وہی عبداللہ بن وھب ہے:

گزشتہ صفحات میں بیان کئے گئے مطالب کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ عبداللہ کون ہے؟اس کا شجرہ نسب کہاں اور کس شخص تک پہنچتا ہے؟اور اس کی داستان کیا تھی؟

جو کچھ تحقیق اور جانچ پڑتال کے بعد ان سوالوں کے جواب میں کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ:

وہ عبداللہ بن وھب بن راسب بن مالک بن میدعان بن مالک بن نصر الازد بن غوث بن بنت مالک بن زید بن کہلان بن سبا ہے۔چونکہ اس کا نسب راسب، ازد اور سبا تک پہنچتا ہے اسے سبائی وازدی وراسبی کہا جاتا ہے:

عربی زبان میں خاندان کی طرف نسبت دینا باپ سے نسبت دینے سے مترادف ہے کہتے ہیں: بنی ہاشم و بنی امیہ ہاشم کے بیٹے اور امیہ کے بیٹے یہاں پر قبیلہ کے تمام افراد کو خاندان سے نسبت دی گئی ہے کبھی ایک نامور شخص کو خاندان سے نسبت دیتے ہیں جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہیں''ابن ہاشم'' بجائے اسکے کہ کہیں ابن عبداللہ اور آنحضرت کو اپنے باپ سے نسبت دیتے۔

اسی قاعدہ کے مطابق عبداللہ بن وھب سبائی کو اپنے خاندان سے نسبت دیکر ابن سبا کہا ہے علمائے نسب شناس کا مقصود ابن سبا بھی یہی ہے کہ عبداللہ بن وھب کے بارے میں ذکر کیا ہے اب ہم تحقیق کریں گے کہ یہ عبداللہ بن وھب راسبی سبائی جسے ابن سبا کہا گیا ہے کون تھا؟

یہ عبداللہ سبائی'' ذی الثفنات''یعنی گھٹے دار کا لقب پایا ہے کیونکہ کثرت سجود کی وجہ سے اس

کے ہاتھ اور زانو پر اونٹوں کے زانوں پر گھٹوں کے مانند گھٹے پڑ گئے تھے۔

یہ عبداللہ سبائی علی ابن ابیطالب کی جنگوں میں حضرت علیہ السلام کی رکاب میں تھا جب جنگ صفین میں حکمیت کی روداد پیش آئی اور خوارج کے بعض افراد نے علی علیہ السلام سے مخالفت کی اور ان کے مقابلہ میں محاذ آرائی کی، عبداللہ بھی ان کے ساتھ تھا اس شخص کے دل میں علی علیہ السلام کے خلاف اس قدر بغض و عداوت تھی کہ حضرت کو منکر خدا جانتا تھا، اور خوارج کے دوسرے افراد نے اس کے گھر میں اجتماع کیا اور اس نے ان میں ایک تقریر کی اور انہیں پرہیزگاری اور ترک دنیا کی حوصلہ افزائی کی اور آخرت کیلئے تلاش کرنے کیلئے ترغیب دیتے ہوئے کہا: بھائیو! جتنا جلد ممکن ہو سکے اس وادی سے جہاں ظالم رہتے ہیں چلے جائیں اور دیہات اور کوہستانوں یا دوسرے شہروں میں زندگی کریں ان گمراہ کنندہ بدعتوں سے انکار کریں تو بہتر ہے[۱] ان لوگوں نے ۳۷ھ میں اسی عبداللہ کی بیعت کی اور اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر اپنا قائد و سرپرست منتخب کیا اور اس کے بعد ایک ایک کر کے چوری چھپے کوفہ سے باہر نکلے امام نے جب حالات کو یوں پایا تو اپنے سپاہیوں کے ہمراہ ان کا پیچھا کیا اور دریائے نہروان سے پہلے ہی ان تک پہنچے اور ان سے جنگ کی، اس جنگ میں عبداللہ بن وھب سبائی راسبی، ہانی بن زیاد خصفی اور زیاد بن خصفہ کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔

تمام افراد جو عبداللہ بن وھب کے ساتھ تھے قتل ہوئے صرف معدود چند افراد جن کی تعداد دس

۱۔ ابن حزم کہتا ہے: عبداللہ بن وھب المعروف ''ذوالثفنات'' پہلا شخص تھا جس نے جنگ نہروان میں خوارج کی باگ ڈور سنبھالی اور اسی جنگ میں قتل ہوا جبکہ اس سے قبل نیک تابعین میں شمار ہوتا تھا، بدانجامی سے خدا کی پناہ (جمہرۃ الانساب ۳۸۶)

افراد سے زیادہ نہ تھی اس معرکہ سے زندہ بچ نکلے۔

یہ تھا وہ عبداللہ سبا جو عصر امام میں تھا، صحیح تاریخ نے اس زمانے میں اس کے علاوہ کسی اور کو اس نام ونشان سے نہیں جانا ہے اور نہ ہی کوئی نشان دہی کی ہے[1]

آخری نتیجہ

جو کچھ عبداللہ بن سبا کے تعارف اور شناخت میں کہا گیا ہے جو بھی روایت حادثہ یا داستان عبداللہ کے نام سے نقل ہوئی ہے اگر اس عبداللہ بن وھب سبائی سے تطبیق کرتی ہے تو اس کے واقع اور صحیح ہونے کا امکان ہے اور اگر اسکی تاریخ اور زندگی سے تطبیق نہ کرے تو اس قسم کی روایت اور داستان کا وجود نہیں ہے بلکہ غلط اور جعلی ہے اور اس کی حقیقت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی کیونکہ اس زمانے میں عبداللہ بن وھب کے علاوہ کوئی دوسرا عبداللہ بن سبا وجود نہیں رکھتا تھا اور یہ عبداللہ وھب سبئی بھی امام علی علیہ السلام کی وصایت اور امامت کے عقیدہ کا بانی نہیں تھا اور نہ اس کا موجد تھا اور نہ علی علیہ السلام کی الوہیت اور خدائی کا بانی تھا، بلکہ وہ صرف خوارج کا سرپرست وسردار تھا جس نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی۔

اس لحاظ سے نہ تو جو سیف نے اس کے بارے میں مطالب لکھے ہیں اور مؤرخین نے انہیں

۱۔ وہی عبداللہ ابن وھب سبئی ہے کہ لفظ ''وھب'' کے حذف کرنے اور ''سبئی'' کی یا کے الف میں تغیر پیدا کرنے سے عبداللہ بن سبا میں تحریف ہوگیا ہے ورنہ کوئی بھی ''عبداللہ بن سبا'' جیسا تاریخ وعقائد کی کتابوں میں وجود نہیں رکھتا ہے اس تحریف کی کیفیت اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس سے نقل کیا ہے صحیح اور درست ہے اور نہ تو ملل ونحل کی کتابیں لکھنے والوں نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے کوئی بنیاد اور حقیقت رکھتا ہے.جی ہاں اس درمیان میں جو بعض روایتیں اور اس عبداللہ کے بارے میں شیعہ کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں صحیح ہوسکتی ہیں، جیسے یہ روایت کہ: ابن سبا نے دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے پر امیر المؤمنین علیہ السلام سے اعتراض کیا اور اس موضوع کو روح توحید اور یکتا پرستی کے مخالف جانا''

ایک اور دوسری روایت کہ جس میں کہتا ہے: ابن سبا کو ۔اس سے سنے گئے بیان کے سلسلے میں۔امامؑ کے پاس لایا گیا حضرتؑ نے اس کی بات کی تائید وتصدیق کی اور پھر اسے آزاد کردیا''

یہ تھا اس کا خلاصہ جو عبداللہ بن سبا اور اسکے بارے میں نقل کی گئی داستانوں کی تحقیق اور حوادث ووقائع کے موازنہ سے حاصل ہوا ہے اب دیکھنا چاہئے کہ ''ابن السوداء'' کون ہے اور کیا معنی رکھتا ہے؟

ابن سودا کون ہے اور کیا معنی رکھتا ہے؟

و لاتنابزوا بالألقاب

برے القاب سے ایک دوسرے کی سرزنش نہ کرو.

قرآن کریم

ہم نے کہا کہ اس حصہ میں تین الفاظ: ''سبیہ''، ''عبداللہ بن سبا'' اور ''ابن السوداء'' پر بحث کریں گے۔ گزشتہ دو فصلوں میں ہم نے ''''عبداللہ بن سبا'' اور ''سبیہ'' پر تحقیق کی، اب ہم اس فصل میں ''ابن اسودا'' کے بارے میں بحث کریں گے۔

لفظ ''ابن سوداء'' علم اور کسی خاص شخص کا نام نہیں ہے بلکہ یہ لفظ سرزنش، کے عنوان سے لقب اور عیب جوئی کی تعبیر میں ہے جس کسی کی ماں سیاہ فام کنیز ہوتی تھی اسے سرزنش کے موقع پر ''ابن السوداء'' یعنی سیاہ فام عورت کا بیٹا، کہتے تھے اور اس لفظ کے استعمال سے ملامت اور عیب جوئی ہوتی تھی، چنانچہ:

ابن حبیب (وفات ۲۴۵ھ) نے اپنی کتاب "المحبر" میں (حبشی عورتوں کے بیٹے) کے باب میں ۵۹ (انسٹھ) ایسے افرا کا نام ذکر کیا ہے، جن کی مائیں حبشی تھیں، من جملہ خلیفۂ دوم کے والد "خطاب" کو بھی انھیں میں شمار کیا ہے اور اس کے بارے میں کہتا ہے: خطاب بن نفیل کی والدہ "حیۃ" جابر بن حبیب فہمی کی کنیز تھی اور کہا گیا ہے کہ ایک دن ثابت بن قیس شماس انصاری نے مذاق اور عیب جوئی کے طور پر عمر بن خطاب سے کہا: "یا ابن السوداء" یعنی اے سیاہ فام عورت کے بیٹے! یہاں پر خداوند عالم نے اس آیت کو نازل فرمایا:

﴿ولا تلمزوا انفسکم و لا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان﴾

آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ہی برے القاب سے یاد کرو اس لئے کہ ایمان کے بعد فسق برا نام ہے۔

قدیم عربی لغت کی تاریخ میں لفظ "ابن السوداء" کا مفہوم و مدلول یہی معنی تھا کہ جو بیان ہوا۔ خود سیف نے بھی اپنے افسانہ کے سورما یعنی عبداللہ بن سبا کو "ابن السودا" نام دیا ہے، اس کا مقصود بھی سرزنش اور برے القاب کے علاوہ کچھ نہیں تھا، مثلاً لوگوں کا عثمان کو قتل کرنے کیلئے جانے کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

عبداللہ بن سبا یہودی مذہب اہل صنعا کا ایک شخص تھا اس کی ماں ایک سیاہ فام کنیز تھی اس نے

عثمان کے زمانہ میں اسلام قبول کیا...

بعض روایتوں میں اسے "عبداللہ بن السوداء" اور بعض دوسری روایتوں میں "ابن السوداء" سے توصیف اور تعارف کراتا ہے لیکن زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس افسانہ میں تغیرات پیدا ہوئے ہیں یہاں تک کہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل کا زمانہ آ پہنچا اس زمانہ تک عبدالقاہر بغدادی ابن سبا اور ابن سوداء کو دو شخص تصور کرتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کیلئے خاص سرگرمیوں اور تحریکوں کا ذکر کیا ہے پھر اس نے کہا ہے: "یہ دو شخص بعض اوقات ایک دوسرے کا تعاون بھی کرتے تھے"۔ جی ہاں ابن سبا کی داستان اور افسانہ نے زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس درجہ نشو ونما پایا کہ اسکی شخصیت بھی دو گنا ہو گئی اس کی مزید وضاحت اور گزشتہ بحثوں کی تکمیل کے لئے ان بحثوں کے خلاصہ کو ہم ضروری اضافات کے ساتھ اگلی فصل میں بیان کریں گے۔

''علی بادلوں میں رہیں'' کے افسانہ کی تحقیق

کانت للنبی عمامة تسمی بالسحاب

عممها علیا

پیغمبر اکرم کا ایک سحاب نامی عمامہ تھا اسے علی علیہ السلام کے سر پر رکھا۔

علمائے حدیث

گزشتہ فصل میں ہم نے داستان ''علی بادل میں ہیں'' کے بارے میں بعض روایتوں کو نقل کیا، اب ہم اس فصل میں ان روایتوں پر بحث و تحقیق کرتے ہیں:

پہلے ہمیں ان بزرگ اور نامور علماء اور مؤلفین سے پوچھنا چاہئے کہ اپنی کتابوں میں درج کی گئی ان ضد و نقیض روایتوں کو نقل کرتے وقت کیا انھوں نے اپنی فکر و عقل کا استعمال نہیں کیا؟!

کیا وہ اس نکتہ کی طرف متوجہ نہیں ہیں کہ سبئیہ کے عقیدہ کے مطابق امام کائنات کا خدا ہے جیسا کہ سعد اشعری نے نقل کیا ہے جرجانی و مقریزی کے نقل کے مطابق بقول ابن سبا علی درحقیقت خدا

کی آواز اور برق ان کا تازیانہ ہے جب وہ رعد کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں: **السلام علیک یا امیر المؤمنین.**

مقریزی (وفات ۸۴۵ھ) ''خطط'' میں روافض کے بیان میں کہتا ہے: ''روافض کا پانچواں گروہ یہی سبائی ہے کہ عبداللہ بن سبا کا پیرو ہے ابن سبا وہی شخص ہے کہ جس نے علی بن ابیطالب علیہ السلام کے سامنے کہا؛ تم خدا ہو اس کا اعتقاد یہ تھا کہ علی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ زندہ ہیں اور بادلوں کے بیچ میں رہتے ہیں، رعد ان کی آواز اور برق ان کا تازیانہ ہے یہ وہی ہے جو مستقبل میں زمین پر اتریں گے ابن سبا کو خدا رسوا کرے!

مقریزی نے ان ہی مطالب کو ''ذکر الحال فی عقائد اھل الاسلام...'' میں بھی تکرار کیا ہے۔

بعد والے مؤلفین اور مصنفین نے ان کے لکھے گئے مطالب اور نوشتوں کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جیسے: فرید وجدی (وفات ۱۳۷۳ھ) نے دائرۃ المعارف میں لفظ عبداللہ بن سبا کے ضمن میں بغدادی کے الفاظ و بیان کو کتاب ''الفرق بین الفرق'' میں من وعن درج کیا ہے۔

اس طرح بستانی (وفات ۱۳۰۰ھ) اپنی دائرۃ المعارف میں بعض گزشتہ مؤلفین ـــ جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے ـــ کے مطالب کو نقل کرتا ہے۔

یہ تھا بعض علماء و مؤرخین کا افسانہ ''علی ابر کے بیچ میں ہے'' کے بارے میں بیان انشاء اللہ اگلی فصل میں آئے گا اور ہم اس کی تحقیق کریں گے۔

اسی طرح عثمان حنفی نے مذکورہ کتاب میں مذہبی فرقوں میں فرقہ سحابیہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

شہرستانی (وفات ۵۴۸ھ) سبئیہ اور غلو کرنے والے گروہ کے بارے میں کہتا ہے وہ عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ علی زندہ ہیں اور خدا کا ایک جزء ان میں حلول کر گیا ہے لہذا انھیں موت نہیں آسکتی ہے اور وہ بادلوں میں آتے ہیں رعد ان کی آواز ہے اور برق ان کی مسکراہٹ ہے وہ مستقبل میں زمین پر اتریں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جبکہ ظلم وستم سے لبریز ہوگی۔

سمعانی (وفات ۵۶۲ھ) اپنی کتاب ''الانساب'' میں سبائی کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے: یہ عبداللہ بن سبا وہی ہے جس نے علی علیہ السلام سے کہا تم خدا ہو یہاں تک کہ علی نے اسے مدائن جلاوطن کر دیا عبداللہ بن سبا کے پیرو خیال کرتے ہیں کہ علی (علیہ السلام) بادلوں کے بیچ میں ہیں رعد ان کی آواز اور برق ان کا تازیانہ ہے اس لئے شاعر کہتا ہے:

ومن قوم اذا ذکروا علیا یصلون الصلاۃ علی السحاب

یعنی: میں اس گروہ سے بیزاری اور دوری چاہتا ہوں جو علی علیہ السلام کو یاد کرتے وقت بادلوں پر صلوات بھیجتا ہے''

ابن ابی الحدید (وفات ۶۵۵ھ) نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۷ کی تشریح میں تفصیل سے گفتگو کرنے کے بعد کہتا ہے: وہ کہتے ہی کہ علی علیہ السلام نہیں مرے ہیں اور آسمان میں رہتے ہیں رعد ان

البدا والتاریخ کا مؤلف کہتا ہے: ''سبئیہ'' جنہیں طیارہ بھی کہتے ہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ نہیں مریں گے ان کا مرنا اس طرح سے ہے کہ ان کی روح کا رات کی تاریکی میں پرواز کرنا، اور یہ گروہ یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ علیؑ نہیں مرے ہیں اور وہ بادلوں کے بیچ میں ہیں اس لئے جب یہ لوگ رعد کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں علی غضبناک ہوگئے ہیں''

اسفرائینی (وفات ۴۷۱ھ) ''سبئیہ'' کے بارے میں کہتا ہے اور اس گروہ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام بادلوں میں ہیں رعد ان کی آواز اور برق ان کا تازیانہ ہے جب یہ لوگ رعد کو سنتے ہیں تو کہتے ہیں " السلام علیک یا امیر لمؤمنین " اس کے بعد اسفرائینی نے وہی شعر ذکر کیا ہے جو پہلے بیان ہوا۔

عثمان بن عبداللہ عراقی حنفی (وفات تقریباً ۵۰۰ھ) کتاب "الفرق المتفرقه" میں کہتا ہے: ''سحابیہ'' ایک گروہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ علی علیہ السلام ہر بادل کے ساتھ ہوتے ہیں ان کی گواہی سے عقدے بند ہوتے ہیں... یہاں تک کہتا ہے: وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی نہیں مرے ہیں، وہ جلدی ہی واپس لوٹنے والے ہیں اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے''

سبائیہ کی تعریف میں کہتا ہے: سبائیہ ایک گروہ ہے جو عبداللہ بن سبا سے منسوب ہے وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ علی علیہ السلام زندہ ہیں اور نہیں مرے ہیں وہ ہر بادل کے ساتھ چکر لگاتے رہتے ہیں، رعد ان کی آواز ہے ،جلدی ہی واپس لوٹ کر اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے''

السلام علیک یا امیر المؤمنین

ابوالحسن ملطی (وفات ۳۳۷ھ) کہتا ہے: سبئیوں کا دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ علی علیہ السلام نہیں مرے ہیں اوروہ بادلوں کے بیچ میں ہیں جب بادلوں کا ایک سفید، شفاف اورنورانی ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوتا ہے اور رعد و برق ایجاد کرتا ہے تو اس گروہ کے لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور دعا و مناجات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: وہ علی علیہ السلام تھے جنھوں نے ہمارے سروں کے اوپر سے عبور کیا ہے''

بغدادی (وفات ۴۱۹ھ) اپنی کتاب ''الفرق بین الفرق'' میں کہتا ہے: بعض ''سبئیہ'' خیال کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام بادلوں کے بیچ میں ہیں اور رعد اس کی آواز اور تازیانہ ہے اگر اس گروہ کا کوئی ایک فرد رعد کی آواز سنتا ہے تو وہ کہتا ہے **السلام علیک یا امیر المؤمنین** اور ایک شاعر سے نقل کیا ہے کہ اس گروہ سے دوری اختیار کرنے کے بارے میں یہ شعر کہا ہے:

و من قوم اذا ذکروا علیاً یردون السّلام علی السحاب

یعنی: میں اس فرقہ سے بیزاری اور دوری چاہتا ہو جو علی علیہ السلام کو یاد کر کے بادلوں کو سلام کرتے ہیں''

ابن حزم (وفات ۴۵۶ھ) کتاب ''الفصل'' میں کہتا ہے: سبئیہ جو عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیرو ہیں، علی علیہ السلام کے بارے میں معتقد ہیں کہ.....وہ بادلوں کے بیچ میں ہے''

نظریات (ملل ونحل) اور دیگر کتابوں میں ''جاء علی فی السحاب '' یعنی علی ''علیہ السلام'' بادل میں آئے کے عنوان سے تحقیق درج ہوئی ہے۔ انشاء اللہ جو کچھ اس سلسلہ میں لکھا گیا ہے ہم اسے ضعیف اور بے بنیاد ثابت کر کے اس کی حقیقت کو واضح اور روشن کریں گے اور اسی موضوع کے ساتھ اس کتاب کے مباحث کو خاتمہ بخشیں گے اور اگلی فصل میں اس قسم کے اکاذب پر مشتمل روایتوں کو بیان کریں گے اور ان پر بحث و تحقیق کو اگلی فصلوں میں بیان کریں گے۔

''جاء علی فی السحاب کے بارے میں اخبار اور روایتیں''

مسلم نیشاپوری (وفات ۲۶۱ھ) اپنی کتاب صحیح میں ایک روایت کے ضمن میں نقل کرتے ہیں: رافضی عقیدہ رکھتے ہیں کہ علی ''علیہ السلام'' بادلوں میں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دنیا کی اصلاح کرنے کیلئے ظہور کرنے والے آپ کے فرزند سے اس وقت تک نہیں ملیں گے جب تک کہ خود علی ابن ابیطالب علیہ السلام آسمان اور بادلوں سے آواز نہیں دیں گے اور ہمیں ان کی نصرت کیلئے بلائیں اور ان کی رکاب میں انقلاب برپا کرنے کا حکم نہیں دیدیں گے''

اشعری (وفات ۳۰۱) اپنی کتاب المقالات میں لکھتا ہے ''ایک گروہ کے لوگ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی بادلوں کے بیچ ہیں''

ابوالحسن اشعری (وفات ۳۳۰ھ) بھی اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' میں سبئیہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے اور یہ یعنی ''سبئیہ'' رعد کی آواز سنتے وقت کہتے ہیں:

افسانہ علی علیہ السلام بادلوں میں ہیں!

قالت السبئية انَّ علياً لم يمت و انه فى السحاب

سبئیہ کہتے ہیں: علی نہیں مرے ہیں بلکہ وہ بادلوں میں ہیں۔

علماء ادیان وعقائد

اس کتاب کی گزشتہ بحثوں میں ہم نے اس بے حساب نا قابل تعداد جھوٹ کی نشاندہی کی جسے گزشتہ کئی صدیوں کے دوران علماء اور مؤرخین نے مسلمانوں میں پھیلانے کے سلسلے میں کوشش کی ہے۔ ہم نے خدا کی مدد سے ان جھوٹ کے ضعیف اور بے بنیاد ہونے کو واضح کیا اور اس کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے جیسے: ارتداد کی جنگوں میں قتل عام، فتوحات اسلامی میں نقل ہوئے تعجب آور جھوٹ ،مسخرہ آمیز خرافات، شعر، معجزے، شہروں کے نام، راوی اور دیگر مطالب اور بے بنیاد روایتوں کو اسی کتاب کی پہلی اور دوسری جلد میں ذکر کر کے ان پر ایک ایک کر کے بحث کی اور اس سلسلہ میں اپنی تحقیق اور نظریات کو محققین کی خدمت میں پیش کیا۔

اب ہم کتاب کے اس حصہ میں بھی چند ایسے جھوٹ پر بحث و تحقیق کریں گے جو عقائد،

چوتھی فصل

چند افسانوں کی حقیقت

- علی ''علیہ السلام'' بادلوں میں ہیں کا افسانہ۔
- علی ''علیہ السلام'' بادلوں میں ہیں نیز دوسرے افسانوں کی تحقیق۔
- علی ''علیہ السلام'' بادلوں میں ہیں کی حقیقت۔
- اس حصہ کے مآخذ۔

ہے ابن ابی الحدید کے بیان کے مطابق ابن سبا خود امام سے کہتا تھا: تم خدا ہو اور ابن سبا کے پیرو اس عقیدہ پر اصرار کرتے تھے یہاں تک خود امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان تمام افراد کو یا ان میں سے بعض کو متعدد روایتوں کی نقل کے مطابق جلا دیا ہے۔

اگر امام علی علیہ السلام کے بارے میں ابن سبا کے پیروں کا عقیدہ یہی تھا تو وہ کسی طرح اسے بادلوں میں ڈھونڈتے ہوئے " **السلام علیک یا امیر المؤمنین** " کہہ کر درود بھیجتے اور امیر المؤمنین کہہ کر خطاب کرتے تھے؟!

کیا ان کے عقیدہ کے مطابق علی علیہ السلام کائنات کا خدا ہے یا امیر المومنین؟! میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان دانشوروں اور محققین نے کیوں اپنے بیان میں موجود اس واضح و روشن تناقض کی طرف توجہ نہیں کی ہے اور ان کذب بیانیوں کی تصدیق و تائید کی ہے؟! یہاں تک کہ بعض محققین نے ان عقائد کی تردید بھی کی ہے اور اس مطلب کے نص میں استدلال پیش کیا ہے کہ یہ عقیدہ بنیادی طور پر جھوٹ ہے۔ جیسے بغدادی اپنی 'الفرق بین الفرق'' میں کہتا ہے: ہم اس عقیدہ کے طرفداروں سے کہتے ہیں کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ رعد علی کی آواز اور برق ان کا تازیانہ ہے کیسے درست اور صحیح ہو سکتا ہے؟! جبکہ اسلام اور علی علیہ السلام کی پیدائش سے قبل اسی رعد کی آواز کو لوگ سنتے تھے اور وہی بجلی آسمان پر دکھائی دیتی تھی اس کے علاوہ اسلام سے پہلے والے فلاسفروں نے اپنی کتابوں میں رعد و برق کے بارے میں بحث کی ہے اور ان کے علل و عوامل پر اختلاف نظر کیا ہے

ابن حزم اس گروہ کی تردید میں اپنی کتاب 'الفصل'' میں کہتا ہے: کاش میں جانتا کہ وہ ان بادلوں میں سے کس بادل میں ہے جبکہ بادل کے ٹکڑے زمین و آسمان کے درمیان کثیر تعداد میں موجود ہیں!!ان بزرگ علماء نے اس جھوٹ اور خرافات کو اپنی کتابوں میں لکھ کر ان کی تائید کی ہے۔

یہ جھوٹ اور توہمات پر مشتمل افسانے کبھی صرف جعل کئے گئے ہیں اور کبھی ایک تاریخی حقیقت میں مسخ، تحریف یا ناجائز تفسیر کر کے وجود میں لائے گئے ہیں۔

افسانہ ”علی بادلوں میں آیا“ کی حقیقت

اتاکم علیّ فی السحاب

اب علی علیہ السلام عمامۂ سحاب سر پر رکھ کر

آپ کی طرف آئیں گے۔

رسول خداؐ

گزشتہ فصلوں میں ہم نے افسانۂ ”علی بادلوں میں“ کو بیان کیا اور اس پر بحث و تحقیق کی اور خلاصہ کے طور پر کہا: کہ اگر چہ یہ افسانہ جس صورت میں ادیان و عقائد کی کتابوں میں آیا ہے واقعی نہیں ہے لیکن افسانہ ایک تاریخی حقیقت سے سرچشمہ لے کر تحریف ہوا ہے اور وہ یہ کہ:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں غالباً وسائل زندگی کے نام رکھے جاتے تھے، اور یہ روش پیغمبرؐ کی زندگی میں زیادہ مشاہدہ ہوتی تھی کنزل العمال میں آیا ہے کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت یہ تھی: آپ جنگ میں اپنا اسلحہ، سواری، اشیاء اور دوسری چیزوں کی نام گزاری فرماتے تھے۔[1]

---

[1] کنزل العمال طبع دوم۔ حیدرآباد (ج ۲/۷ ۷۲۔۷۳)

پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دلدل نام کا ایک خچر تھا اور عفیر یا یعفور نام کا ایک گدھا تھا، قصوا، جدعا و عضباء نام کے چند اونٹ تھے، بتار، مخدوم ورسوب وذوالفقار نامی چند تلواریں تھی عقاب نامی ایک سیاہ علم تھا اور سحاب نامی ایک عمامہ تھا کہ جس کو مخصوص مواقع پر سر پر رکھتے تھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ سر پر رکھ کر مکہ میں داخل ہوئے[1]

اس سحاب نامی عمامہ کو کبھی علی علیہ السلام کے سر پر رکھتے تھے غدیر کے دن اس عمامہ کو تاج گزاری کے طور پر علی علیہ السلام کے سر پر رکھا گیا تھا علی علیہ السلام اسی عمامہ کے ساتھ آتے تھے اور پیغمبر فرماتے تھے: " جاءَ کم علی فی السحاب " یعنی علی علیہ السلام سحاب عمامہ میں آئے۔ چونکہ سحاب کے معنی بادل ہیں اس لئے اس خرافات پر مشتمل افسانہ کا سرچشمہ یہیں سے لیا گیا ہے اب ہم اس پر بحث و تحقیق کرتے ہیں۔

اہل سنت کی روایتوں میں سحاب

ابن اثیر کی "نہایۃ" میں لفظ سحاب کی تشریح میں آیا ہے: پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عمامہ کے نام سحاب تھا۔

"لسان العرب" اور " تاج العروس" میں ذکر ہوا کہ: حدیث میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر

۱۔ طبقات ابن سعد، طبع بیروت ج ۱/ ۴۵۔۴۹۲ اور سیرت کی دوسری کتابیں۔

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کو سحاب کہتے تھے، چونکہ سفیدی میں وہ ایک سفید بادل سے شباہت رکھتا تھا[1]

ذہبی کی ''تاریخ الاسلام''، قسطلانی کی ''المواهب لدینه ''اور نبہانی کی ''انوار محمدیہ'' میں آیا ہے کہ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب نامی ایک عمامہ تھا اسے ''لاطی'' یعنی سر سے چپکی ہوئی ایک ٹوپی کے اوپر باندھتے تھے۔

تاریخ یعقوبی میں آیا ہے کہ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب نامی ایک سیاہ عمامہ تھا۔

سنن ابن ماجہ کے باب '' **العمامة السوداء** ' سنن نسائی کے باب '' **لبس العمائم السوداء** '' سنن ابی داؤد کے باب '' **العمائم** '' ابن سعد کی طبقات، مسند احمد حنبل، بلاذری کی ''انساب الاشراف'' ذہبی کی ''تاریخ الاسلام'' اور تاریخ ابن کثیر میں جابر سے نقل ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ سر پر رکھے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ''سحاب'' نامی عمامہ کو علی بن ابیطالب علیہ السلام کے سر پر رکھا، چنانچہ ابن قیم جوزی اپنی کتاب ''**زاد المعاد** '' میں اس سے متعلق کہتا ہے: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب نامی ایک عمامہ تھا اس عمامہ کو علی ابن ابیطالب کے سر پر رکھا وہ اس عمامہ کو ایک ٹوپی کے اوپر سے سر پر باندھتے تھے۔

۱۔ان دو دانشمندوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سحاب نامی عمامہ کی نام گزاری کے سبب کے بارے میں غلطی کی ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ سیاہ بادل سے شباہت رکھتا تھا نہ سفید بادل سے۔

کنزالعمال میں ابن عباس سے نقل کرتا ہے''جب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سحاب نامی عمامہ کوعلی ابن ابیطالب علیہ السلام کے سر پر رکھاتو فرمایا: اے علیؑ! عمامہ عربوں کے نزدیک تاج کے مانند ہے، یعنی: یہ تاج ہے جسے میں نے تیرے سر پر رکھا ہے''اوراس سلسلہ میں جوروایت نقل کی گئی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علی علیہ السلام کے سر پراپنے عمامہ باندھنے کی روداد غدیر کے دن واقع ہوئی ہے اسی دن رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو بلاکران کے سر پرایک عمامہ رکھااوراس کاایک سرا ان کی پشت پر لٹکا دیا۔

حموی (وفات ۷۲۲ھ) نے''فرائدالسمطین''میں نقل کیا ہے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سحاب نامی عمامہ کوعلی ابن ابیطالب علیہ اسلام کے سر پر رکھااوراس کے دونوں سرے کوآگے اور پیچھے کی طرف لٹکادیااس کے بعد فرمایا: اے علی! میری طرف آجاؤ۔علی علیہ السلام پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھے پھرآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پیچھے کی طرف پلٹ جاؤعلی علیہ السلام پلٹ گئے جب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کوآگے اور پیچھے سے دقت کے ساتھ مشاہدہ کرلیاتو فرمایاملائکہ اسی شکل وصورت میں میرے پاس آتے ہیں''

ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) اپنی کتاب''الاصابہ''میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیرخم کے دن میرے سر پر ایک سیاہ عمامہ باندھا، اسکاایک گوشہ میرے شانہ پر لٹکا ہواتھا، کنزل العمال میں علی ابن ابیطالب

علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ: ''رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر کے دن میرے سر پر ایک عمامہ باندھا اور اس کے ایک گوشہ کو میری پشت پر آویزاں کر دیا''۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: ''رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمامہ کے دو کناروں کو میرے دوشانوں پر آویزاں کیا اس کے بعد فرمایا: خداوند عالم نے جنگِ بدر و حنین میں جب فرشتوں کو میری مدد کیلئے بھیجا تو وہ اسی طرح سر پر عمامہ رکھے ہوئے تھے۔

کنزل العمال میں نقل ہوئی ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے: رسول خداصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے عمامہ کو علی علیہ اسلام کے سر پر رکھا اور عمامہ کے دو گوشوں کو سر کے پیچھے اور آگے لٹکا دیا اس کے بعد فرمایا: پیچھے مڑو تو علی علیہ السلام پیچھے مڑ گئے۔اس کے بعد رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کی طرف رخ کر کے کہا: فرشتوں کے تاج بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔علی علیہ السلام، رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سحاب نامی عمامہ کو سر پر رکھ کر لوگوں میں آتے تھے اور لوگ کہتے تھے: '' **جاء علی فی السحاب** ''علی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سحاب نامی مخصوص عمامہ کے ساتھ آ گئے ہیں۔

غزالی (وفات ۵۲۰ھ) کہتا ہے: رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب نامی ایک عمامہ تھا اسے آپ نے علی علیہ السلام کو بخش دیا، بعض اوقات؛ علی اسی عمامہ میں تشریف لاتے تھے تو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: '' **اتاکم علی فی السحاب** ''

صفدی (وفات ۷۶۴ھ) کہتا ہے: رسول خدا کی ایک کالی عبا اور سحاب نامی ایک عمامہ تھا آپؐ نے اسے علیؑ کو بخش دیا جب کبھی آپؐ علیؑ کو وہ عمامہ سر پر رکھے ہوئے دیکھتے تھے تو فرماتے تھے: "اتاکم علی فی السحاب" "علی عمامہ سحاب سر پر رکھ کر آئے ہیں"

علی ابن برہان الدین شافعی حلبی (وفات ۱۰۴۲ھ) "سیرۂ حلبیہ" میں کہتا ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب نامی ایک عمامہ تھا آپ نے اسے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے سر پر رکھا، جب کبھی علیؑ اس عمامہ کو سر پر رکھے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: " اتاکم علی فی السحاب" یعنی علیؑ میرے مخصوص عمامہ سحاب کو سر پر رکھے ہوئے آرہے ہیں۔

نبہانی اپنی کتاب "وسائل الوصول الی شمائل الرسول" میں کہتا ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب نامی ایک عمامہ تھا، اسے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو بخش دیا، تھا جب کبھی علی اس عمامہ کے ساتھ باہر آتے تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے : " اتاکم علی فی السحاب"

یہ ان روایتوں کا ایک نمونہ تھا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے علی علیہ السلام کو اپنا عمامہ بخشنے اور علی فی السحاب کے صحیح معنی کے بارے میں اہل سنت کی حدیث، سیرت اور لغت کی کتابوں میں آئی ہیں ۔ اسی قسم کی احادیث شیعوں کی کتابوں میں بھی نقل ہوئی ہیں ان کے چند

نمونے بھی یہاں پر پیش کرتے ہیں:

شیعہ روایتوں میں سحاب

اسماعیل[1] بن امام موسی بن جعفر علیہ السلام، کتاب ''جعفریات'' میں اپنے آبا واجداد امیر المؤمنین سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت فرماتے تھے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحاب نامی ایک عمامہ تھا ان ہی روایتوں کو مرحوم نوری (وفات ۱۳۲۰ھ) نے اپنی کتاب المستدرک کی کتاب صلاۃ باب ''**استحباب التعمم و کیفیتہ**'' میں نقل کیا ہے۔

کلینی (وفات ۳۲۹ھ) نے اپنی کتاب کافی ''**کتاب الزی و التجمیل باب القلانس**'' میں امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمنی سفید، اور مصری ٹوپیاں استعمال فرماتے تھے اور سحاب نامی ایک عمامہ بھی رکھتے تھے۔

ان روایتوں کو مرحوم فیض (وفات ۱۰۹۱ھ) نے اپنی کتاب ''وافی، باب ''القلانس'' میں اور مرحوم محمد حسن حر عاملی (وفات ۱۱۰۴ھ) نے کتاب وسائل کی ''**کتاب الصلاۃ ،باب ما یحتسب**

---

[1] اسماعیل امام موسی بن جعفر علیہ السلام کی فرزند ہیں نجاشی اپنی رجال میں اور شیخ طوسی اپنی فہرست میں ۳۴۔۳۳ پر کہتے ہیں: اسماعیل مصر میں سکونت پذیر تھے اور بہت سی کتاب کے مؤلف ہیں ان کی روایتوں کو کلی طور پر اپنے آبا واجداد طاہرین سے نقل کی ہے ان میں سے متن میں ذکر ہوئی دو روایتیں بھی ہیں نجاشی اور طوسی کا مقصود اسماعیل کی وہی کتابیں ہیں جسے علمائے حدیث ان کو ''جعفریات'' اور کبھی ''اشعثیات'' کا نام دیا ہے ان روایتوں کے راوی کے طور پر ابوعلی محمد بن اشعث کو نسبت دیتے ہیں اسماعیل کے حالات پر مرحوم نوری نے اپنی مستدرک کے خاتمہ پر فائدہ دوم (۲۹۱/۳) اور صاحب الذریعہ نے اپنی کتاب ۱۰۹/۲۔۱۱۱ میں درج کیا ہے۔

من القلانس " میں درج کیا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جنگ خندق میں اپنا سحاب نامی عمامہ کو علیؑ کے سر پر باندھا

مرحوم فضل بن حسن طبری (وفات ۵۴۸ھ) مجمع البیان میں تفسیر سورہ احزاب میں جنگ احزاب کی بحث کے دوران کہتے ہیں: جنگ خندق میں جب امیر المؤمنین علیہ السلام عمرو ابن عبدود سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہونا چاہتے تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے '' ذات الفصول'' نامی اپنی ذرہ انہیں پہنادی '' ذوالفقار'' نامی اپنی تلوار انکے ہاتھ میں دیدی اور '' سحاب '' نامی اپنا عمامہ ان کے سے سر پر باندھا... اور اسی روایت کو مرحوم مجلسی (وفات ۱۱۱۱ھ) نے بحار الانوار کی چھٹی جلد میں، نوری نے مستدرک الوسائل " استحباب التعمم اور ابواب احکام الملابس فی غیر الصلاۃ '' میں اور مرحوم قمی (وفات ۱۳۵۹ھ) نے سفینۃ البحار میں مادۂ عم کے ذیل میں طبرسی سے نقل کیا ہے حسن بن فضل طبرسی نے بھی اپنی کتاب ' مکارم الاخلاق '' کے باب '' مکارم اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں نقل کیا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مخصوص عمامہ تھا اسے '' سحاب '' کہتے تھے کبھی آپ اسے اپنے سر پر باندھتے تھے اور کبھی اسی عمامہ کو علی علیہ السلام کے سر پر رکھتے اور جب بھی علی اس عمامہ کے ساتھ باہر آتے تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:'' اتاکم علی فی السحاب '' اس وقت علی 'سحاب'' میں تمہاری طرف آرہے ہیں آپ کا مقصود اس تاریخی جملہ میں '' سحاب '' سے وہی مخصوص عمامہ تھا جسے آپ نے خود علی کو بخش دیا تھا۔

اس روایت کو مجلسی نے بحار کی چھٹی جلد میں اور قمی نے سفینۃ البحار میں مادہ ''سحاب'' کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

مرحوم کلینی نے اپنی کتاب ''کافی'' کے ''باب عمائم'' میں امام صادق علیہ السلام سے یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے سر پر ایک عمامہ رکھا عمامہ کے ایک طرف کو سامنے اور دوسرے طرف کو چار انگلیوں کی لمبائی میں سے کم تر پیچھے کی جانب لٹکا دیا، اس کے بعد فرمایا: اے علی علیہ السلام: پیچھے مڑو! علی علیہ السلام پیچھے مڑ گئے، اس کے بعد فرمایا: اے علیؑ ! سامنے کی طرف مڑو پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے اور پیچھے سے علی علیہ السلام کے قیافہ اور ہیکل پر ایک نظر ڈالی، پھر فرمایا: فرشتوں کے تاج بھی ایسے ہی ہیں۔

دوسری روایت کو مرحوم فیض نے اپنی کتاب ''وافی'' کے باب العمائم میں اور حر عاملی نے اپنی کتاب ''وسائل'' کے باب '' استحباب العمامة ' میں اور مجلسی نے بھی بحار الانوار کی نویں جلد میں درج کیا ہے۔

ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل کو علی علیہ السلام کے بارے میں کئی بار انجام دیا ہے ایک بار جنگ خندق میں جیسا کہ اس کی روایت بیان کی گئی، دوسری با غدیر خم کے دن جیسا کہ علی بن طاؤس (وفات ۶۶۶ ھ) کتاب ''امان الاخطار'' میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی عبداللہ بن بشر[1] سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۱۔ عبداللہ بن بشر اہل حمس میں سے ہے بغوی ''معجم الصحابہ'' میں عبداللہ کا نام ذکر کر کے کہتا ہے یحییٰ بن حمزہ نے عبیدہ حمسی سے اور اس نے عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے سر پر ایک سیاہ عمامہ رکھا اس کے ایک طرف کو سامنے یا سر کے پیچھے آویزان کیا پھر سے وہ علی علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر کے دن اپنے ہاتھ سے ایک سیاہ عمامہ میرے سر پر رکھا'' شرح حال نمبر ۴۵۶۶ اصابہ: ۲/ ۲۴۷۔

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیرخم کے دن علی علیہ السلام کواپنے پاس بلایا اوراپنے ہاتھ سے ان کے سر پرایک عمامہ رکھا اس عمامہ کا ایک سراان کے شانہ پرلٹکادیا، اس کے بعد فرمایا: خداوند عالم نے جنگ حنین میں میری مدد کیلئے کئی فرشتے کہ جن کے سر پرعلی علیہ السلام کےعمامہ کے مانند عمامے تھے اوروہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان (دیوار) کے مانند حائل ہو گئے اس طرح مشرکین کے سپاہیوں کیلئے رکاوٹ بنے۔

بحرانی (وفات ۱۱۰۷ھ) نے کتاب ''غایۃ المراد'' کے سولھویں باب میں حموینی کی ۴۷ روایتوں کواہل سنت کی روایتوں کے ضمن میں درج کیا ہے۔

کلینی اپنی کتاب ''کافی'' کتاب ''**کتاب الحجة باب ما عندالائمة من سلاح الرسولؐ و متاعه** ''میں یوں نقل کرتے ہیں کہ: رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں اپنی ذرہ، علم، لباس، ذوالفقار، ڈھال اور سحاب علیؑ کوبخش دیا۔علل الشرائع میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت ذکر ہوئی ہے۔

خلاصہ اور نتیجہ:

ان روایتوں سے جو سنی اور شیعہ کتابوں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں ''سحاب'' اور جاء علی فی السحاب کے معنی مکمل طور پر واضح اور روشن ہو جاتے ہیں کہ ''سحاب سے مراد بادل نہیں ہے بلکہ اس سے مراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک خصوصی عمامہ ہے جس کا نام سحاب تھا اور آپ ؐ نے اسے علی بن ابیطالب علیہ السلام کو بخش دیا تھا۔علی علیہ السلام بھی کبھی اسے اپنے سر پر باندھتے تھے جملہ ''**جاء علی فی السحاب** ''سے مقصود بھی یہی حقیقت ہے کہ علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مخصوص عمامہ کو سر پر رکھ کر آتے تھے۔

لیکن تحریف کرنے والے اور انتقام جو افراد، خاص کر شیعوں کے دشمنوں نے اس حقیقت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس میں شعوری یا غیر شعوری طور پر تحریف کی ہے اور سحاب کو بادل کے معنی میں استعمال کر کے اس تاریخی جملہ: جاء علی علیہ السلام فی السحاب کو علی بادل میں ہیں کے معنی سے تشریح کی ہے۔اس طرح مضحکہ خیز اور خرافات پر مشتمل ''افسانہ علی ابر میں'' کو وجود میں لایا ہے اور کئی افراد کو اس افسانہ کے ذریعہ مورد الزام قرار دیا ہے جس کی وضاحت گزشتہ فصل اور اگلی فصل میں ہم اہل ملل ونحل کی افسانہ پردازی کے ایک اور نمونہ کے ضمن میں تحقیق کریں گے۔

افسانۂ ''خدا کے ایک جزء نے علی علیہ السلام میں حلول کیا ہے''

شہرستانی نے کتاب ''ملل ونحل'' میں فرقہ سبائیہ اور عبداللہ بن سبا کے اس اعتقاد کے بارے میں کہا علی (علیہ السلام) نہیں مرے ہیں کیونکہ ان میں خدا کا ایک جزء حلول کر گیا ہے: اور اس پر کچھ نہیں ہوتا ہے!...کو بیان کرتے ہوئے سبائیوں کے بارے میں کہتا ہے:

وہ معتقد ہیں کہ خدا کا ایک جزء علی (علیہ السلام) کے بعد ائمہ کے اندر حلول کر گیا ہے اور یہ ایسا مطلب ہے جسے اصحاب جانتے تھے اگر چہ وہ ابن سبا کے مقصود کے خلاف کہتے تھے، یہ عمر ابن خطاب تھا کہ جس نے علی علیہ السلام کے بارے میں کہا۔ جب علی علیہ السلام نے ایک شخص کو حرم میں ایک آنکھ کا کانا کر دیا تو اس کے بعد اس کے پاس شکایت لے گئے تو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں خدا کے اس ہاتھ کے بارے میں جس نے خدا کے حرم میں کسی کی آنکھ نکال لی ہو؟ عمر نے اس پر خدا کا نام دیا ہے اس بنا پر کہ جو کچھ وہ ان کے بارے میں جانتا تھا[1]

ابن ابی الحدید (وفات ۶۵۵ھ) یا ۶۵۶ھ) نے اس مطلب کو یوں بیان کیا ہے ''بعض افراد نے ایک کمزور شبہہ کو دستاویز بنا دیا ہے جیسے عمر کی اس بات پر جب علی علیہ السلام نے کسی کو حرم میں بے

۱۔ عبداللہ بن سبا کے عقیدہ کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے: زعم ان علیا یمت ، ففیه الجزء الالهی ، ولا یجوز ان یستولی علیه ... انما اظهر عبدالله بن سبأ هذه المقالة بعد انتقال علی علیه السلام و اجتمعت علیه جماعة و هم اول فرقة قالت بالتوقف ، والغیبة و الرجعة و قالت بتناسخ الجزء الالهی فی الائمه بعد علی علیه السلام و هذا المعنی ممّا کان یعرفه اصحابه و ان کانوا علی خلاف مراد. هذا عمر بن الخطاب کان یقول فیه حین فقأ عین واحد فی الرحم و رفعت القصة الیه : ما ذا اقول فی ید الله فقائت عینا فی حرم الله فاطلق عمر اسم الالهیة علیه لما عرف منه ذالک کتاب ''ملل ونحل'' ج۲/۱۱) فصل تعریف فرقہ سبائیہ کے حاشیہ کی طرف رجوع کیا جائے۔)

احترامی اور بے دینی کرنے کے جرم میں اس کو ایک آنکھ سے کانا کر دیا تھا، تو عمر نے کہا تھا: میں خدا کے اس ہاتھ کے بارے میں کیا کہوں جس نے خدا کے حرم میں کسی کی آنکھ نکال لی ہو؟[۱]

ابن ابی الحدید نے اپنا مآخذ ذکر نہیں کیا ہے شاید اسی شہرستان کی ملل ونحل سے نقل کیا ہوگا۔ وہ تو ایک افسانہ ہے جسے نقل کیا گیا ہے اور اس افسانہ کی حقیقت وہی ہے جسے محبّ الدین طبری نے الریاض النضرۃ میں یوں درج کیا ہے: عمر طواف کعبہ میں مشغول تھے اور علی علیہ السلام بھی ان کے آگے آگے طواف میں مشغول تھے اچانک ایک شخص نے عمر سے شکایت کی، یا امیر المؤمنین! علی ''علیہ السلام'' اور میرے سلسلے میں انصاف کرو!

عمر نے کہا؛ علی ''علیہ السلام'' نے کیا کیا ہے؟

اس نے کہا: اس نے میری آنکھ پر ایک تھپڑ مارا ہے۔

عمر وہیں پر ٹھہر گئے یہاں تک کہ علی ''علیہ السلام'' بھی طواف کرتے ہوئے وہاں پہنچے ان سے پوچھا اے ابوالحسن کیا اس شخص کی آنکھ پر تم نے تھپڑ مارا ہے؟!

علی نے کہا: جی ہاں، یا امیر المؤمنین۔

عمر نے کہا: کیوں؟

علی ''علیہ السلام'' نے کہا: اسلئے کہ میں نے اسے دیکھا کہ طواف کی حالت میں مؤمنین کی عورتوں پر بری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید (ج۱/۴۲٦)

عمر نے کہا؛ **احسنت یا ابا الحسن**! یہ تھی اس داستان کی حقیقت، کتاب ملل ونحل میں اس قسم کی اشتباہات اور خطائیں بہت زیادہ ہیں لیکن ہم اس کتاب میں حقائق کی تحریف کو دکھانے کیلئے ان ہی چند افسانوں کی تحقیق پر اکتفا کرتے ہیں اس کے بعد گزشتہ بحثوں کا ایک خلاصہ پیش کریں گے۔

چوتھے حصہ کے مآخذ ومنابع

الف: افسانۂ ''علی ابر میں ہے'' کے مآخذ

۱۔المقالات والفرق تالیف سعد بن عبداللہ اشعری، ص۲۷

۲۔مقالات الاسلامیین ابوالحسن اشعری ۱/ ۸۵

۳۔التنبیہ والراد ابوالحسن ملطی، ص۲۵

۴۔الفرق بین الفرق بغدادی، تحقیق محمد محی الدین مدنی، طبع قاہرہ، ص۲۳۳

۵۔الفصل ابن حزم، طبع اول، :۴/ ۱۸۶

۶۔البداء والتاریخ :۵/ ۱۲۹

۷۔التفسیر فی الدین: اسفرائینی :ص ۱۰۸

۸۔الملل والنحل، شہرستانی: تحقیق عبدالعزیز طبع دارالاتحاد مصر ۱۳۸۷ھ :۱/ ۱۷۴

۹۔الانساب، سمعانی: لغت سبئی کے ذیل میں۔

۱۰۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ، خطبہ ۲۷ کی شرح میں

۱۱۔التعریفات، جرجانی: ص ۱۰۳

۱۲۔ مقدمہ ابن خلدون: ص ۱۹۸

۱۳۔خطط، مقریزی، طبع نیل مصر: ۱۳۲۴ھ: ۶/ ۱۷۵ و ۱۷۲۔

۱۴۔دائرۃ المعارف، فرید وجدی، لغت ''سبئیہ'' کے ذیل میں

۱۵۔دائرۃ المعارف، بستانی، لغت عبداللہ بن سبا میں

ب: سحاب' پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کا نام ہے:

اہل سنت کی کتابوں سے اس روایت کے مآخذ:

۱۔نہایۃ ابن اثیر، لغت سحاب میں۔

۲۔لسان العرب، ابن منظور، لغت سحاب میں

۳۔تاج العروس، زبیدی، لغت سحاب میں

۴۔مواہب الدنیہ، قسطلانی: ۱/ ۴۲۸۔۴۲۷

۵۔ انوار المحمدیہ، نبہانی: ص ۲۵۱

ج: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ ''سحاب'' علی علیہ السلام کے سر پر باندھا۔

۱۔کنز العمال: متقی ھندی: ۴/۶۰

۲۔الریاض النضرۃ،محب الدین طبری،طبع دار التالیف مصر:۲۷ے۱۳ھ،:۲/۲۹۸

د: اس خبر کے مآخذ کہ کبھی علی علیہ السلام اسی عمامہ کے ساتھ نکلتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:''علیؑ سحاب میں آئے ہیں''

۱۔وسائل الوصول الی شمائل الرسول:نبہانی:۷۰

۲۔السیرۃ النبی''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''،برہان الدین حلبی،پریس مصطفیٰ محمد، قاہرہ:۳/۳۷۹

ھ: سحاب کے بارے میں شیعوں کی کتابوں کے مآخذ:

سحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ کا نام ہے:

۱۔مستدرک الوسائل،نوری:۱/۲۱۳۔

۲۔فروع کافی،کلینی،۶/۴۶۱۔۴۶۲

۳۔وافی،فیض کاشانی جلد۱۱:ص۱۰۱

۴۔وسائل الشعیہ،شیخ حر عاملی:۱/۲۸۵

و: جنگ خندق میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ''سحاب''کو علی علیہ السلام کے سر پر باندھا:

۱۔مجمع البیان،طبرسی،طبع صیدا،۷/۳۴۳

۲۔ بحار الانوار، مجلسی: ۶/ ۵۲۹

۳۔ مستدرک، نوری: ۱/ ۲۱۳

۴۔ سفینۃ البحار، قمی، ۲/ ۲۷۹ لفظ ''عم'' میں

ز: کبھی علی علیہ السلام عمامہ ''سحاب'' کو سر پر رکھتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے، علی علیہ السلام عمامہ سحاب کے ساتھ تمہاری طرف آ گئے۔

۱۔ مکارم الاخلاق طبرسی: ۲۱

۲۔ بحار الانوار، مجلسی، ۶/ ۱۵۵

۳۔ سفینۃ البحار، قمی: ۱/ ۶۰۴ لغت سحاب کے ذیل میں

ح: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ ''سحاب'' کو ایک خاص کیفیت کے ساتھ علی علیہ السلام کے سر پر رکھا:

۱۔ کتاب ''کافی''، کلینی،

۲۔ کتاب وافی فیض کاشانی باب العمائم میں

۳۔ وسائل، حر عاملی: ا باب استحباب التعمم

۴۔ بحار الانوار، مجلسی: ۹/ ۶۱۵

۵۔ سفینۃ البحار، قمی: ۲/ ۲۷۹

ط: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ ''سحاب'' سے کئی بار علی علیہ السلام کی تاج پوشی کی ہے:

۱۔امان الاخطار، علی بن طاؤس.

۲۔وسائل، شیخ حر عاملی، باب التعلم

ی: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ ''سحاب'' کو اپنے مرض الموت میں علی علیہ السلام کو ہبہ کیا:

۱۔کافی، کلینی، ۲۳۶/۱

۲۔غایۃ المرام، سید ہاشم بحرانی، ص ۸۷

۳۔مقدمۃ ابن خلدون، تیسرا اڈیشن بیروت، ۱۹۰۰ء، ص ۱۹۸.

پانچواں حصہ

خلاصہ اور خاتمہ

- سبئیہ، دوران جاہلیت سے بنی امیہ تک۔
- سبئیہ، بنی امیہ کے دوران۔
- سبئیہ، سیف بن عمر کے دوران۔
- تاریخ، ادیان اور عقائد کی کتابوں میں عبداللہ سبا و سبئیہ
- عبداللہ بن سبائی کی عبداللہ بن سبا سے تحریف۔
- جعل وتحریف کے محرکات۔
- گزشتہ مباحث کا خلاصہ ۔
- اس حصہ کے مآخذ۔

سبئیہ دوران جاہلیت سے بنی امیہ تک

ان السبئية مرادفة للقحطانية و اليمانية

سبئیہ، قحطانیہ اور یمانیہ کے ہم معنی تھا اور قبیلہ پر دلالت کرتا تھا

مؤلف

سبئیہ اسلام سے پہلے

سبئیہ، کافی پرانا اور سابقہ دار لفظ ہے، جو قبل از اسلام دوران جاہلیت میں عربوں کی زبان پر رائج تھا اور قبیلہ کی نسبت پر دلالت کرتا تھا، یہ لفظ قحطانیہ کا مترادف اور ہم معنی تھا یہ دونوں لفظ سبئیہ و قحطانیہ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی نسبت پر دلالت کرتے تھے، چونکہ ان کے باپ کا نام سبا تھا اس لئے انہیں سبائیہ یا سبئیہ کہتے ہیں اور چونکہ ان کے جد کا نام قحطان تھا اس لئے انہیں قحطانیہ کہتے

ہیں چونکہ ان کا اصلی وطن یمن تھا اسلئے انہیں یمانی یا یمنیہ بھی کہتے تھے۔نتیجہ کے طور پر تینوں لفظ ایک ہی قسم کے قبائل پر دلالت کرتے ہیں انکے مقابلہ میں عدنانیہ، نزاریہ، ومضریہ تھے مضر بن نزار بن عدنان کے قبائل سے منسوب تھے۔اسماعیل ابن ابراہیم کی اولاد میں سے تھے۔اور اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

ان دونوں قبیلے دوسرے قبائل سے بھی عہد و پیمان قائم کرتے تھے اور انھیں وہ اپنا ہم پیمان کہتے تھے اس طرح سبئیہ، قحطانیہ اور یمانیہ، کا نام نہ صرف سبا بن یشجب پر بلکہ ان کے ہم پیمان قبائل جیسے قبیلۂ ربیعہ پر بھی استعمال ہوتا تھا، اسی طرح ''عدنانیہ'' مضریہ اور نزاریہ بھی مضر بن نزار قبائل اور ان کے ہم پیمانوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

سبئیہ، اسلام کے بعد

اسلام کی پیدائش کے بعد ان دونوں قبیلوں کا، ایک ایک خاندان مدینہ میں جمع ہوگیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت وزعامت میں پہلا اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔سبائی یا قحطانی جو پہلے سے یمن سے آکر مدینہ میں ساکن ہوئے تھے، انھیں انصار کہا جاتا تھا۔عدنانی بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے بعد مکہ اور دوسرے علاقوں سے مدینہ آئے تھے اور انھیں ''مہاجر'' کہا جاتا تھا، بعض اوقات ان دو گروہوں کے درمیان اختلافات اور جھگڑے بھی واقع ہوتے تھے۔

پہلا جھگڑا اور اختلاف جو اسلام میں ان دو گروہوں یعنی قحطانی کہ جو قبائل سبائیہ سے تھے اور

عدنانی ، یا دوسرے لفظوں میں مہاجر وانصار کے درمیان واقع ہوا جنگ بنی المصطلق میں ''مریسیع'' کے پانی پر تھا۔مہاجرین اور انصار کے ایک ایک کارگذار کے مابین پانی کھینچنے پر اختلاف اور جھگڑا ہوگیا تو مہاجرین کے کارگزار نے بلند آواز میں کہا:یا للمهاجرین ! اے گروہ مہاجر مدد کرو!اور انصار کے کارگذار نے بھی آواز بلند کی:یا للانصار !اے گروہ انصار!میری نصرت کرو!اس طرح انصاراور مہاجر کے دوگروہ آپ میں نبرد آزما ہوئے اور نزدیک تھا کہ ایک بڑا فتنہ کھڑا ہو جائے اس موقع پر منافقین کے سردار عبداللہ بن ابیہ اس فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے اختلافات کو ہوا دینے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکساتے ہوئے بولا :اگر ہم مدینہ لوٹیں گے تو صاحبان اقتدار یعنی''انصار'' ذلیلوں یعنی مہاجرین کو ذلت وخواری کے ساتھ مدینہ سے نکال باہر کردیں گے[۱] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر کوچ کرنے کا حکم دیا۔اور سب کو آگے بڑھادیا یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا نماز پڑھنے کے بعد بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ ہونے کا حکم دیا رات کے آخری حصہ تک چلتے رہے۔اس کے بعد جب پڑاؤ ڈالا تو تھکاوٹ کی وجہ سے سب سو گئے صبح ہونے پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ ہونے کا حکم دیا۔اسی طرح چلتے رہے لھذا آنحضرت نے انھیں اس فتنہ کو پھر سے زندہ کرنے کی ہرگز فرصت نہیں دی یہاں تک یہ لوگ مدینہ پہنچ گئے اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی سے یہ فتنہ ختم ہوگیا۔

۱۔یہ داستان سورہ منافقین یوں آئی ہے:

﴿یقولون لئن رجعنا الی المدینه لیخرجن الاعز منها الاذل ﴾۔سورہ منافقین۶۳/۸)

ان دو گروہوں کا دوسرا تصادم سقیفہ بنی ساعدہ میں واقع ہوا جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تا کہ سعد بن عبادہ انصاری سبائی کو پیغمبر کے خلیفہ اور مسلمانوں کے قائد کے طور پر منتخب کریں مہاجرین نے بھی اپنے آپ کو سقیفہ پہنچا دیا اور ان کے مقابلہ میں محاذ آرائی کی اور ابوبکر کی خلافت کو پیش کیا، وہ اس نبرد اور جھگڑے میں ان پر غالب ہوئے اور ابوبکر کو مسند خلافت پر بٹھا دیا اور خلافت کو قریش میں ثابت کر دیا اور۔ اس طرح ایک قریشی حکومت کی داغ بیل ڈال دی اس تاریخ کے بعد انصار کو حکومت اور تمام سیاسی و اجتماعی امور سے محروم کر کے یا بہت کم اور استثنائی مواقع کے علاوہ نہ انھیں جنگوں میں سپہ سالاری کے عہدہ پر فائز کرتے تھے اور نہ کسی صوبے کا گورنر حتی کسی شہر کے ڈپٹی کمشنر کا عہدہ بھی انہیں نہیں سونپتے تھے[۱]

خلافت عثمان کے دوران

مسلمانوں کے حالات میں اسی طرح حوادث پیدا ہوتے گئے اور زمانہ اسی طرح آگے بڑھتا گیا، یہاں تک کہ عثمان کا زمانہ آ گیا۔ اس زمانہ میں کام اور حکومت کے حالات بالکل دگرگوں ہو گئے قریش کی حکومت اور اقتدار بدل کر خاندان بنی امیہ میں منحصر ہو گئی۔ اموی خاندان کے اراکین اور ان کے ہم پیمان قبائل نے تمام کلیدی عہدوں پر قبضہ جما لیا۔ یہ لوگ مصر، شام، کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ اور یمن کے علاوہ اسلامی ممالک کے وسیع علاقوں کے گورنر اور حکمراں بن گئے اور اس طرح ان شہروں

۱۔ چنانچہ ابوبکر، عمر اور عثمان کے دوران امراء اور سپہ سالاروں کے بارے میں تحقیق کرنے سے یہ حقیقت واضح اور روشن ہوتی ہے۔

اور اسلامی مراکز میں مطلق العنان اور غیر مشروط حکمرانی اور فرمانروائی پر فائز ہوئے۔خاندان اموی کی طرف سے مسلمانوں کے حالات پر مسلط ہونے کے بعد اذیت وآزار اور ظلم وبربریت کا آغاز ہوا اور اسلامی شہروں اور تمام نقاط میں قساوت بے رحمی کا برتاؤ کرنے لگے۔مسلمانوں کے مال وجان پر حد سے زیادہ تجاوز ہونے لگا۔ظلم وخیانت اور غنڈہ گردی انتہا کو پہنچ گئی یہاں تک کہ بنی امیہ کے خودسر اور ظالم گورنروں اور فرمانرواؤں کے ظلم وستم نے مسلمانون کے ناک میں دم کردیا اس موقع پر قریش کی نامور شخصیتوں،جیسے ام المؤمنین عائشہ،طلحہ،زبیر،عمروعاص اور دوسرے لوگوں نے عوام کی رہبری اور قیادت کی باگ ڈور سنبھالی اور بنی امیہ کے خلاف بغاوت کی،اور تمام اطراف سے مدینہ کی طرف لوگ آنے لگے آخر کار اموی خلیفہ عثمان کو مدینہ میں ان کے گھر میں قتل کردیا گیا عثمان کے قتل ہونے کے نتیجہ میں،بنی امیہ کے درمیان ــ جوکہ خود قریش تھے ــ قریش کے دوسرے خاندانوں کے ساتھ سخت اختلافات پیدا ہوگیا،اس طرح مسلمانوں پر قریش کا تسلط کم ہوا،پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد پہلی بار مسلمان اپنے اختیارات کے مالک بنے اور حکومت کی باگ ڈور قریش سے چھیننے میں کامیاب ہوئے۔یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں نے کسی رکاوٹ کے بغیر ایک دل اور ایک زبان ہوکر علی علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور پوری دلچسپی اور محبت سے انھیں مسلمانوں پر حکومت کرنے کیلئے منتخب کیا۔انتہائی اصرار کے ساتھ متفقہ طور پر ان کی بیعت کی اور حکومت کی باگ ڈور انکے لائق اور باصلاحیت ہاتھوں میں سونپ دی۔

علی علیہ السلام نے اپنی حکومت کو اسلامی قوانین کی بنیادوں پر استوار کیا۔ عام مسلمانوں میں برادری نیز مساوات اور برابری کے منشور کا اعلان ہوا، ان پر عدل و انصاف کی حکومت کی، بیت المال کو ان کے درمیان یکسان اور مساوی طور پر تقسیم کیا۔ انصار کے لائق اور شائستہ افراد کو۔ جنہیں گزشتہ حکومتوں میں محروم کیا گیا تھا۔ اہم عہدوں پر فائز کیا اور انہیں مختلف شہروں اور اسلامی مراکز میں گورنروں اور حکمرانوں کے طور پر منصوب کیا۔ مثلا: عثمان بن حنیف کو بصرہ میں، اس کے بھائی سہل کو مدینہ میں، قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر میں، شام کی طرف مسافرت کے دوران کوفہ میں اپنی جگہ پر ابو مسعود انصاری کو اور مالک اشر سبئی کو جزیرۃ اور اس کے اطراف میں بعنوان حکمراں اور گورنر منتخب فرمایا[۱]

حکومت کی اس روش سے ''علی علیہ السلام'' نے قریش کی گزشتہ حکومتوں کی تمام اجارہ داری کو منسوخ کر کے رکھ دیا۔

یہی وجہ تھے کہ قریش نے علی علیہ السلام کی سیاست کو پسند نہیں کیا اور ان کے خلاف ایک وسیع پیمانہ پر بغاوت کا سلسلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ جنگِ جمل و صفین کو برپا کیا، اسی لئے علی علیہ السلام ہمیشہ قریش سے شکایت کرتے تھے اور ان کے بارے میں ان کا دل شکوہ شکایتوں سے بھرا ہوا تھا حضرت کبھی قریش کے بارے میں شکووں کو زبان پر جاری فرماتے تھے اور ان کی عادلانہ روش کے مقابلہ میں قریش کے سخت ردعمل پر صراحت کے ساتھ بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے تھے:

۱۔ ابن اثیر اپنی تاریخ میں جلد ۳ صفحہ نمبر ۳۳۴ امیر المؤمنین کے گورنر کے عنوان کے ذیل میں کہتا ہے: مدینہ میں علی (ع) کا گورنر ابو ایوب انصاری اور بعض مورخین کے عقیدہ کے مطابق سہل بن حنیف تھا۔

ایک ایسا دردمند، جس کے زبان کھولنے سے درودیوار ماتم کریں

نہج البلاغہ میں آیا ہے کہ علی علیہ السلام قریش کی شکایت کرتے ہوئے فرماتے تھے:

''خداوندا! میں قریش اور اُن کے شریک جرم افراد کے خلاف تیری بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں کیوں کہ انہوں نے قطع رحم کیا ہے اور ہماری بزرگی اور مقام ومنزلت کو حقیر بنایا ہے حکومت کے معاملہ میں جو مجھ سے مخصوص تھی میرے خلاف بغاوت کی اور بالاتفاق ہمیں اُس سے محروم کیا اور مجھ سے کہا کہ ہوشیار رہو جاؤ! حق یہ ہے کہ اسے لے لو اور حق یہ ہے کہ اسے چھوڑ دو۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ میرے حق کے حدود کو معین کریں۔ تجھے قریش سے کیا کام؟ خدا کی قسم جس طرح میں ان کے کفر کے دوران ان سے لڑتا تھا آج بھی۔ چونکہ انہوں نے فتنہ وفساد کو اپنایا ہے۔ ان سے جنگ کروں گا اس دن میں ہی تھا جس نے ان سے جنگ کی اور آج بھی میں ہی ہوں جو ان سے جنگ کر رہا ہوں۔

اپنے بھائی عقیل کے نام ایک خط کے ضمن میں لکھا ہے:

قریش کو، ان کے حملوں اور گمراہی کی راہ میں اور وادی شقاوت وسرکشی میں ان کے نمود ونام کو چھوڑ دو، انھیں حیرت و پریشانی کی وادی میں چھوڑ دو! قریش نے میرے خلاف جنگ کرنے میں اتفاق کیا ہے اسی طرح کہ اس سے پہلے پیغمبر اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے میں شریک جرم ہوئے تھے۔قریش مجھ پر کیے ظلم جس کی سزا وہ ضرور پائیں گے قریش نے ہمارے ساتھ قطع رحم کیا ہے حکومت کے میرے پیدائشی حق کو مجھ سے چھین لیا ہے۔

سبئیہ علی علیہ السلام کے دوران

علی علیہ السلام کے زمانے کی تاریخ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ جس کا ایک اجمالی خاکہ ان صفحات میں پیش کیا گیا۔ وہ یہ ہے کہ: عدنانی قریش نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے دشمنی اور مخالفت مول لی اور ان کے خلاف متحد ہو کر اسلامی حکومت سے انھیں الگ کر دیا جب حضرت لوگوں کی حمایت سے خلافت پر پہنچے تو اس وقت بھی وہی قریش تھے جنہوں نے ان کے خلاف فتنے اور بغاوتیں کیں لیکن تمام حساس اور نازک مواقع پر قبائل سبئیہ ـــ کہ وہی قحطانی قبائل ہیں ـــ کے تمام دوست و مجاہدین ان کی رکاب میں تھے۔ خاص کر قبائل سبائی کے سر کردہ اشخاص، جیسے: مالک اشتر ہمدانی سبئی[1] عبداللہ بدیل خزاعی سبئی، حجر بن عدی کندی سبئی، قیس بن سعد بن عبادۂ سبئی انصاری اور قبائل سبئیہ کے بعض دیگر سردار جو علی علیہ السلام کے یار و غمخوار تھے،

۱۔ ابن خلدوں اپنی تاریخ ۲/ ۲۶ میں لکھتا ہے: جس دن اسلام کا ظہور ہوا قبیلۂ ہمدان کے افراد اسلامی ممالک میں پھیل گئے اور ان میں ایک گروہ یمن میں رہا صحابہ کے درمیان اختلاف اور کشمکش پیدا ہونے کے بعد قبیلہ ہمدان شیعہ اور علی علیہ السلام کے دوستدار تھے یہاں تک علی علیہا السلام نے ان کے بارے میں یہ شعر کہا ہے:

ولو کنت بوا باً لابواب جنة   لقلت لهمداني ادخلي بسلام

یعنی اگر میں بہشت کا چوکیدار ہوں گا تو قبیلہ ہمدانی کے افراد سے کہوں گا کہ سلامت کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ۔)

ان کے محکم اور ثابت قدم طرفداروں کے گروہ کو تشکیل دیتے تھے[۱] لیکن جنگ صفین اور حکمیت اشعری کی روداد کے بعد اہل کوفہ و بصرہ کے عربوں نے جنکی اکثریت علیؑ کے ماننے والوں کی تھی، علی علیہ السلام کو حکمیت کے نتیجہ کو قبول کرنے پر کافر سے تعبیر کیا اور اس سبب سے اپنے آپ کو بھی کافر جانا اور کہا: ہم نے توبہ کیا اور کفر سے پھر اسلام کی طرف لوٹے، اس کے بعد انہوں نے تمام مسلمانوں حتی خود علی علیہ السلام کی بھی تکفیر کی انکے اور تمام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر کے ان پر تلوار کھینچی۔ اس طرح اسلام میں ایک گروہ کی ریاست و قیادت کی ''عبداللہ بن وھب سبائی'' نے ذمّہ داری لی تھی انہوں نے نہروان میں امام سے جنگ کی، عبداللہ بن وھب سبائی اس جنگ میں قتل کیا گیا، اس کے بعد انہیں خوارج میں سے ایک شخص کے ہاتھوں امیر المؤمنین علیہ السلام محراب عبادت میں شہید ہوئے، علی ''علیہ السلام'' کی شہادت کے بعد تاریخ کا صفحہ پلٹ گیا اور قبائل سبئیہ میں ایک دوسری حالت پیدا ہوگئی جس کی اگلی فصل میں وضاحت کی جائے گی۔

۱۔ معاویہ شام میں سکونت کرنے والے قبائل سبئیہ کے بعض گروہ کو عثمان کی خونخواہی کے بہانہ سے باقی قبائل سبئیہ سے جدا کرنے میں کامیاب ہوا اور خاص کر انہیں اپنی طرف مائل کر دیا یہ گروہ اس زمانہ سے خلفائے بنی مروان تک وقت کے حکام کے پاس خاص حیثیت کے مالک ہوا کرتے تھے لیکن اس دوران کے بعد قبائل قحطانی وعدنانیوں کے درمیان عموی سطح پر شدید اختلافات رونما ہوا جس کے نتیجہ میں مروانی، اموی حکومت گر گئی اور بنی عباسیوں نے حکومت کی باگ ڈور پر قبضہ کیا کتاب صفین تالیف نصر بن مزاحم، مقدمہ سوم کتاب ''۱۵۰ جعلی اصحاب'' ملاحظہ ہوں

''سبئیہ''، بنی امیہ کے دوران

اشتدت الخصومة بينها فی اخريات العهد الاموی

بنی امیہ کی حکومت کے اواخر میں قبائل عدنان کی، قبائل سبائی سے خصومت انتہا کو پہنچی تھی۔

مولف

امیر المومنین کی شہادت کے بعد قریش نے گزشتہ کی نسبت زیادہ چوکس انداز میں اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی رہبری کی باگ ڈور دوبارہ اپنے ہاتھ میں لی انصار اور سبئیوں کو تمام امور سے بے دخل کیا ان کے ساتھ بے رحمانہ اور انتہائی سنگدلی سے برتاؤ کیا بنی امیہ کے منہ بولے بیٹے یعنی زیاد بن ابیہ، اس کے بعد اسکے بیٹے ابن زیاد کے ذریعہ شہر کوفہ کے تمام علاقے اور اطراف میں قبائل سبئیہ کے بزرگان، ہر شیعہ علی علیہ السلام کہ جو غالباً سبئیہ سے تھے کو پکڑ پکڑ کر انتہائی بے دردی سے قتل کیا جاتا تھا، پھانسی پر لٹکایا جاتا تھا زندہ دفنایا جاتا تھا، اور ان کے گھروں کو ویران کیا جاتا تھا! اور....

ان مظلوم اور ستم دیدہ مسلمانوں نے حسین ابن علی علیہ السلام کے یہاں پناہ لی! ان سے مدد طلب کی اور بنی امیہ عدنانی ظالمانہ حکومت کے پنجوں سے اسلام و مسلمانوں کو نجات دلانے کیلئے اٹھ

کھڑے ہوئے اس حالت میں ابن زیاد۔خاندان امیہ کے منہ بولے بیٹے کا فرزند۔فریب کاری اور دھوکہ سے کوفہ میں داخل ہوا اور حالات پر کنٹرول حاصل کیا۔امام حسین علیہ السلام کے نمائندہ اور سفیر مسلم ابن عقیل کو گرفتار کر کے قبائل سبئیہ کے سردار ہانی بن عروہ کے ہمراہ قتل کر دیا اس کے بعد قبائل عدنان کے سرداروں او بزرگوں جیسے عمر سعد قرشی ،شبث بن ربعی تمیمی ،شمر بن ذی الجوشن اور دیگر عدنانی ظالموں کو اپنے گرد جمع کیا اور ایک بڑی فوج تشکیل دی۔کوفہ کے تمام جنگجوؤں کو مختلف راہوں سے قرشی خلافت کی فوج سے ملحق کیا وہ بھی اس طرح سے کہ کسی میں ان کی نصرت کی جرات نہ ہو سکے اور تاب مقاومت باقی نہ رہے تا کہ زیاد بن ابیہ کی علنی طور پر مخالفت نہ کر سکے اور امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کو تقویت بخشنے کیلئے کوشش و فعالیت نہ کر سکے نتیجہ کے طور پر قرشی خلافت نے خاندان پیغمبر" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کو کربلا میں اپنے اصحاب سمیت خون میں غلطان کر کے ان کے بے سر اجساد کو میدان میں برہنہ چھوڑنے میں کامیاب ہوئے۔

یہاں پر قبائل عدنان کی قبائل قحطان سبئی پر کامیابی عروج کو پہنچی۔

سبئیہ قیام مختار میں

کربلا کے جانکاہ حادثہ اور یزید بن معاویہ کی ہلاکت کے بعد کوفیوں کے دل بیدار ہوئے چونکہ امام حسین علیہ السلام کی نصرت کرنے میں انہوں نے سخت کوتاہی کر کے کنارہ کشی کی تھی ،اس لئے انہوں نے ذہنی طور پر احساس ندامت و پشیمانی محسوس کی اور ان میں سے "توابین" نام کی ایک فوج

تشکیل پائی اس فوج نے ابن زیاد کی فوج سے جنگ کی یہاں تک سب شہید کئے گئے اس کے بعد سبائی قبائل مختار ثقفی کے گرد جمع ہوئے اور حسین ابن علی علیہ السلام کی خونخواہی کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ان کی کمانڈ ابراہیم بن اشتر سبئی کر رہے تھے ایک عظیم اور نسبتاً قوی فوج وجود میں آ گئی ابتداء میں انہوں نے عمر بن سعد عدنانی، شمر بن ذی الجوشن ضبابی اور قبائل عدنان کے بہت سے دوسرے افراد جن کا امام حسین علیہ السلام کے قتل میں مؤثر اقدام تھا کو قتل کیا، ان کے مقابلہ میں قبائل عدنان کے افراد مصعب بن زبیر عدنانی کے گرد جمع ہوئے اور قبائل سبئی اور حسین علیہ السلام کے خونخواہوں سے مقابلہ کیلئے آمادہ ہو گئے ان سے ایک سخت جنگ کی اور ان پر غالب آ گئے اور امام حسین علیہ السلام کے خونخواہوں کی رہبری کرنے والے مختار کو قتل کیا۔

ان تمام کشمکش اور نزاعی مدت میں کوفہ و بصرہ پر زیاد بن ابیہ کی حکومت جس میں ایران بھی ان کی حکومت کے زیر اثر تھا تمام مشرقی اسلامی ممالک سے خلفائے بنی امیہ کی آخر (۱۳۲ھ ہے) تک خلافت قرشی عدنانی اپنے مخالفوں سے ــ جو خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستداران و شیعہ تھے ــ دو اسلحہ سے جنگ لڑتے تھے جیسا کہ تمام جنگوں میں یہ رسم ہے کہ گرم اسلحہ کے علاوہ سرد اسلحہ یعنی پروپیگنڈا اور افترا پردازی سے بھی استفادہ کرتے تھے اس نفسیاتی جنگ میں دربارِ خلافت سے وابستہ تمام شعراء، مقررین، قلم کار، محدثین، اور دانشور تمام شیعوں، بالخصوص سبائیہ قبائل کے خلاف منظّم ہو گئے تھے دربار سے وابستہ یہ لوگ اس نفسیاتی جنگ میں مختار کے خلاف کہتے تھے: ''مختار'' نے وحی

اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے' اس پروپیگنڈا پر اتنا زور لگایا گیا کہ یہ افتراء اس درجہ مشہور ہوا کہ نسل در نسل نقل ہوتا رہا اور رواج پا گیا یہاں تک کہ بات زبان سے گزر کر سرکاری کتابوں اور دیگر اسناد میں درج ہو گئی اور مختار کے خلاف اس نفسیاتی جنگ نے اس کے حامیوں اور طرفداروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، جو اکثر سبئی تھے[1]

سبئیہ بنی امیہ کے آخری ایام میں

عدنانی اور سبئی قبائل کے درمیان یہ کشمکش اور ٹکراؤ شروع شروع میں مدینہ اور کوفہ تک محدود تھا ،بعد میں یہ وسیع پیمانے پر پھیل کر تمام جگہوں تک پہنچ گیا، یہاں تک تمام شہروں اور علاقوں میں ان دو قبیلوں کے درمیان اختلاف اور کشمکش پیدا ہو گئی اس راہ میں کافی خون بہائے گئے انسان مارے گئے موافقین کے حق میں اور مخالفین کی مذمت میں شعر و قصیدے کہے گئے یہ عداوت و دشمنی اور نفرت و بیزاری بنی امیہ کی حکومت کے آخری ایام میں شدید صورت اختیار کر کے عروج تک پہنچ گئی تھی۔

۱۔ چنانچہ گزشتہ فصل میں شبث بن ربعی کی سعد بن حنفی کے ساتھ روایت میں بیان ہوا کہ مختار سے پہلے لفظ ''سبئیہ'' سرزنش اور قبائل کی تعبیر میں استعمال ہوتا تھا اس عنوان سے کہ وہ علی کے شیعہ تھے جیسا کہ داستان حجر میں اسکی وضاحت کی گئی لیکن مختار کی بغاوت کے بعد دشمن کی زبان پر ''سبئیہ'' قبائل یمانیہ کے ان افراد کو کہتے تھے جو قبائل عدنانی سے جنگ و پیکار کر کرتے تھے اور مختار ثقفی پر ایمان رکھتے تھے اس نام گزاری میں بھی اشارہ اس کی طرف تھا کہ مختار نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ان افرد نے اس کی دعوت کو قبول کیا ہے اور اس پر ایمان لایا ہے لیکن مختار اور اس کے پیروں کے بارے میں یہ بات بھی افتراء اور بہتان کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔)

’’سبئیہ‘‘ ،سیف بن عمر کے دوران

حرّف سیف کلمة السبئية

جب سیف کا زمانہ آیا تو لفظ ’’سبئیہ‘‘ کو تحریف
کر کے اس کے اصلی معنی سے ایک دوسرے معنی
میں تبدیل کر دیا۔

مؤلف

بنی امیہ کے دور کے آخری ایام میں عدنانیوں اور قحطانیوں کے اختلافات عروج پر پہنچ چکے تھے۔ دونوں طرف کے ادیب اور شعراء اپنے قبائل کی مدح میں اور دشمنی کی مذمت و سرزنش میں شعر و قصیدہ لکھتے تھے اسی زمانے میں کوفہ میں سیف بن عمر تمیمی پیدا ہوا۔ اس نے تاریخ اسلام میں دو بڑی کتابیں ’’الردو الفتوح‘‘ اور ’’الجمل و مسیر علی و عائشہ‘‘ لکھیں۔ اس نے ان دونوں کتابوں کو گوناگوں تحریفات ، جعلیات ، توہمات پر مشتمل روایتوں سے بھر دیا۔ اس نے دسیوں بلکہ سیکڑوں شعراء احادیث ، پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے راوی ، پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب ، تابعین

اسلامی جنگوں، کے سورما اور فاتح اور بہت سے دیگر افراد کو اپنے ذہن سے جعل کیا جن کا دنیا میں در حقیقت کہیں وجود ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کی نام گزاری کر کے خاص عنوان دیا، ان کے نام پر داستانیں، تاریخی وقائع، کثیر روایتیں، اشعار اور احادیث جعل کیں۔ ان تمام چیزوں کو اسنے جعل کئے ہوئے نام ونشان اور خصوصیات کے ساتھ اپنی مذکورہ دو کتابوں میں درج کیا۔

دوسرا خطرناک کام جو سیف نے ان دو کتابوں میں انجام دیا وہ یہ تھا کہ اس نے تمام خوبیوں فضائل، مجاہدتوں اور نیکیوں کو قبائل عدنان کے نام پر درج کیا اور تمام عیوب، نواقص، برائیاں، اور مفاسد کو قبائل قحطان وسبئی سے نسبت دیدی انکے بارے میں جتنا ممکن ہوسکا دوسروں کی عیوب و نواقص کو بھی جعل کیا اہم ترین مطلب جو اس نے ان کی مذمت اور سرزنش میں جعل کیا وہی ''افسانہ سبئیہ'' تھا کہ اس افسانہ میں ''سبئیہ'' کو ایک یہودی اور سیاہ فام کنیز کے بیٹے عبداللہ بن سبا کے پیرو کے طور پر پہچنوایا ہے اسی طرح اس نے لفظ ''سبئیہ'' کو اپنے اصلی مفہوم ـــ کہ قبیلہ کی نسبت کے طور پر قبائل سبائی اور ان کے ہم پیائوں کی سرزنش کے عنوان سے استعمال ہوتا تھا ـــ سے تحریف کر کے ایک مذہبی مفہوم میں تبدیل کیا اور کہا: سبئیہ ایک منحرف مذہبی گروہ ہے جو گمنام اور منحرف یمانی الاصل یہودی عبداللہ بن سبا کے پیرو ومعتقد ہیں، اس کے بعد عصر عثمان اور امیر المؤمنین کے دور کے تمام جرم و جنایات کو ان کے سر پر تھونپ کر کہتا ہے کہ: اسی فرقہ سبئیہ کے افراد تھے۔ جو ہمیشہ حکومتوں سے عداوت اور مخالفت کرتے تھے۔

ان کے بارے میں طعنہ زنی اور عیب جوئی کرتے تھے لوگوں کو ان کے خلاف اکساتے تھے، یہاں تک ان پر یہ تہمت بھی لگائی ہے کہ انہوں نے متحد ہو کر مسلمانوں کے خلیفہ عثمان کو مدینہ میں قتل کیا اور عبداللہ بن سبا سے منسوب اسی سبئیہ گروہ کو جنگ جمل کے شعلے بھڑکانے کا بھی ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

سیف نے اپنے اس بیان سے قبائل عدنان کے بزرگوں اور سرداروں جن میں سے خود بھی ایک تھا کو ہر جرم، خطا اور لغزش سے پاک و منزہ قرار دیا ہے اور سبئیہ کو جنگ جمل اور اس میں ہوئی برادر کشی کا ذمہ دار قرار دیا ہے سیف نے اپنی باتوں سے ان تمام فتنوں کو ایجاد کرنے والے، جیسے: مروان، سعید، ولید، معاویہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، طلحہ، زبیر، عائشہ اور قبائل عدنان کے دسیوں دیگر افراد کو بے گناہ ثابت کیا ہے، جنہوں نے علی علیہ السلام کی عدل و انصاف پر مبنی اور تفریق سے عاری حکومت کے خلاف جنگ جمل بھڑکائی۔ اس طرح تمام جرائم و گناہ و ظلم و بربریت کو گروہ سبئیہ کے سر تھونپا ہے۔ سیف نے اپنے کام میں اپنے وقت کے تمام ادیبوں اور مؤلفین خواہ وہ عدنانی ہوں یا قحطانی، پر سبقت حاصل کی ہے کیونکہ ان میں ہر ایک ادیب یا شاعر تھا جس نے اپنے قبیلہ کی مدح میں یا اپنے مد مقابل قبیلہ کی مذمت میں کچھ لکھا یا کہا ہوگا لیکن سیف نے دسیوں شاعر اور ادیب جعل کئے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے قبیلہ کی مدح اور اپنے مد مقابل کی مذمت میں سخن آفرینی کی ہے۔

ان سب چیزوں سے اہم تر یہ کہ سیف اپنے افسانوں کو حقیقی رنگ وروپ دینے میں کامیاب ہوا، اس نے اپنے جعل کئے ہوئے شاعروں کے نام پر کہے اشعار اور اپنے جعل کئے ہوئے جعلی اصحاب کے نام فتح و معجزہ اور حدیث گڑھ کر ان کو تاریخی حوادث اور اشخاص کی صورت میں پیش کیا ہے، اور اس طرح اپنے تمام افسانوں کو دوسری صدی ہجری سے آج تک مسلمانوں میں تاریخ لکھنے کے نام پر بے مثال رواج دیا اس نے اپنے تمام چھوٹے بڑے افسانوں کیلئے روایتوں کے مانند سند مآخذ جعل کر کے اپنے جعلی راویوں سے روایت نقل کی ہے۔

سیف کی سبقت حاصل کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ لفظ سبئیہ کو قبیلہ کی نسبت اور قبائل یمانی اور ان کے ہم پیمانوں کی سرزنش کے معنی ومفہوم سے ایک نئے مذہبی معنی میں تحریف کرنا اور خوارج کے سردار عبداللہ بن وہب سبائی و عبداللہ بن سبا یہودی میں تبدیل کر کے اسے سبائیوں کے نئے مذہبی فرقہ ''سبئیہ'' کا بانی بتانے میں کامیاب ہوا ہے!!

حقیقت میں سیف نے افسانہ ''سبئیہ' کو تاریخ کے عنوان سے جعل کیا ہے، ایک موذی شخص کو اس افسانہ کا ہیرو بنایا ہے اور اس کا نام عبداللہ بن سبا رکھا ہے اس کے بعد اس کو چالاکی اور خاص مہارت سے تاریخ کے بازار میں پیش کیا ہے پھر یہ افسانہ تاریخ لکھنے والوں کے مزاج کے مطابق قابل قبول قرار پایا ہے اس وجہ سے ''افسانہ سبئیہ'' نے خلاف توقع اشاعت اور شہرت پائی اس افسانہ کے خیالی ہیرو عبداللہ سبا نے بھی کافی شہرت حاصل کی جس کے نتیجہ میں عبداللہ بن وھب فراموشی کا شکار ہو گیا جبکہ علی علیہ السلام کے دوران لفظ سبئی اسی عبداللہ بن وھب سبائی سے منسوب تھا کہ جو فرقۂ

خوارج کا رئیس تھا سیف کے افسانہ کو اشاعت ملنے کے بعد یہ لفظ اپنے اصلی معنی سے تحریف ہو کر ایک تازہ پیدا شدہ مذہبی فرقہ میں استعمال ہوا ہے جس کا بانی بقول سیف عبداللہ سبا نامی ایک یہودی تھا ،اس جدید معنی میں اس لفظ نے شہرت پائی ،اور عبداللہ بن وھب سبائی بھی عبداللہ سبائی یہودی میں تبدیل ہو گیا اس تاریخ کے بعد رفتہ رفتہ لفظ ''سبئیہ'' کا قبیلہ سے نسبت کے طور پر استعمال ہونا متروک ہو گیا،

خاص طور پر عراق کے شہروں اور عراق کے گرد و نواح شہروں اور افسانۂ عبداللہ بن سبا اور فرقہ سبائیہ کی پیدائش کی جگہ میں اس کا اصلی معنی میں استعمال مکمل طور پر فراموشی کی نظر ہو گیا یہاں تک کہ ہم نے اپنے مطالعات میں اس کے بعد کسی کو نہیں دیکھا جو ان شہروں میں سبا بن یشجب سبئی سے منسوب ہوا ہو لیکن یمن، مصر اور اندلس میں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں کبھی یہ لفظ اسی اصلی معنی میں استعمال ہوتا تھا، بعض افراد جو فرقۂ ''سبئیہ''' کے بانی عبداللہ بن سبا سے اصلا کوئی ربط نہیں رکھتے تھے سبا بن یشجب اور قبیلہ قحطان سے منسوب ہونے کے سبب سبئیہ کہے جاتے تھے صحاح کی کتابوں کے مولفین نے بھی حدیث میں ان سبئی افراد کو بعنوان حدیث کے قابل اعتماد راویوں کے طور پر ذکر کیا ہے لیکن بعد میں ان شہروں میں بھی زمانہ کے گزرنے کے ساتھ سبئیہ کا استعمال بعنوان قبیلہ بالکل نابود ہو گیا اور اس طرح اس لفظ نے تمام شہروں اور اقطاع عالم میں ایک مذہبی فرقہکے نام سے شہرت پائی ہم اگلی فصل میں اسی کی وضاحت کریں گے۔

تاریخ، ادیان اور عقائد کی کتابوں میں عبداللہ بن سبا

هم الذين يقولون ان علياً في السحاب وان

الرعد صوته و البرق سوطه

گروہ سبائیہ معتقد ہیں کہ علی "علیہ السلام" بادلوں میں

ہیں اور رعد ان کی آواز اور برق ان کا تازیانہ ہے

علمائے ادیان وعقائد

تاریخ میں عبداللہ سبا کی متضاد تصویریں

سیف نے افسانہ عبداللہ سبا و سبئیہ کو جعل کر کے اپنی کتابوں میں تاریخی حوادث کے طور پر ثبت کیا ہے، اس کے بعد طبری اور دوسرے مورخین نے اس کی دو کتابوں سے اس افسانہ اور سیف کے دوسرے افسانوں کو نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے خاص کر افسانہ سبئیہ کو مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ منتشر کیا اس افسانہ کے منتشر ہونے کے بعد لفظ "سبئیہ" تمام نقاط میں اور تمام لوگوں کی

زبانوں پر عبداللہ بن سبا کے ماننے والوں کیلئے استعمال ہوا اور اس معنی میں خصوصیت پیدا کرگیا اس کے بعد اس کا اپنے اصلی معنی میں ــــ کہ قبیلہ قحطان اور سبا بن یشجب سے منسوب ہونا ـــ استعمال متروک ہوگیا ہے۔

لیکن بعد میں سبئی کا مفہوم اس معنی سے بھی تغیر پیدا کرگیا اور اس میں ایک تبدیلی آگئی اور یہ لفظ مختلف صورتیں اختیار کرگیا اس کا جعل کرنے والا بھی متعدد قیافوں اور عنوانوں سے ظاہر ہوا، مثلاً: دوسری صدی ہجری کے اوائل میں سیف کی نظر میں ''سبئی'' اس کو کہا جاتا تھا جو علی علیہ السلام کی وصایت کا معتقد ہو لیکن تیسری صدی کے اواخر میں ''سبئی'' اس کو کہتے تھے جو علی علیہ السلام کی الوہیت کا معتقد ہو اسی طرح عبداللہ بن سبا سیف کی نظر اور اسکے زمانے میں وہی ابن سودا تھا لیکن پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں عبداللہ بن سبا، ابن سودا کے علاوہ کسی اور شخصیت کی حیثیت سے پہچانا گیا بلکہ یہ الگ الگ دو افراد پہچانے گئے کہ ہر ایک اپنی خاص شخصیت کا مالک تھا اور وہ افکار وعقائد بھی ایک دوسرے سے جدا رکھتے تھے کلی طور پر جو مطالب پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں عبداللہ سبا کے بارے میں ذکر ہوئے ہیں ان سے یوں استفادہ کیا جاسکتا ہے عبداللہ سبا چند اشخاص تھے، اور ہر ایک کیلئے اپنی مخصوص داستان تھی:

اول: عبداللہ بن وھب سبائی جو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے زمانے میں زندگی کرتا تھا وہ خوارج گروہ کا سردار تھا لیکن علماء کی ایک مخصوص تعداد کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا۔

دوم: وہ عبداللہ بن سبا جو ابن سودا کے نام سے مشہور تھا سیف کے کہنے کے مطابق یہ عبداللہ سبا فرقہ ''سبائیہ'' کا بانی کہ جو علی علیہ السلام کی رجعت اور وصایت کا معتقد تھا اس نے اکثر اسلامی ممالک اور شہروں میں فتنے اور بغاوتیں برپا کی ہیں، لوگوں کو گورنروں اور حکمرانوں کے خلاف اکساتا تھا نتیجہ کے طور پر سبائی مختلف شہروں سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پر جمع ہونے کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ عثمان کو قتل کر ڈالا یہ وہی تھے جنہوں نے جنگ جمل کی آگ بھڑکائی اور مسلمانوں میں ایک زبردست قتل عام کرایا۔

سوم: عبداللہ سبائی، غالی، انتہا پسند تیسرا عبداللہ سبا ہے وہ فرقۂ سبئیہ کا بانی تھا جو علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرکے انکی الوہیت کا قائل ہوا تھا۔

پہلا عبداللہ سبائی حقیقت میں وجود رکھتا تھا اور علی ابن ابیطالب کے زمانہ میں زندگی بسر کرتا تھا اپنے حقیقی روپ میں کم وبیش تاریخ کی کتابوں میں درج ہوا ہے دوسرا عبدللہ بن سبا وہ ہے جسے بنی امیہ کی حکومت کے اواخر میں سیف کے طاقتور ہاتھوں سے جعل کیا گیا ہے اس کی زندگی کے بارے میں روایتیں اسی صورت میں تاریخ کی کتابوں میں ہیں جیسے سیف نے اسے جعل کیا ہے۔

لیکن تیسرا عبداللہ بن سبا، جو تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوا ہے اس کے بارے میں روایتیں دن بہ دن وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی ہیں اور اسکے بارے میں مختلف داستانیں و مطالب مفصل طور پر نقل کئے گئے ہیں کہ تاریخ، رجال اور مخصوصاً ادیان وعقائد کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔

ایک مختصر بحث وتحقیق کے پیش نظر شاید اس روداد کی علت اور راز یہ ہو کہ عبداللہ بن وھب سبائی یا پہلا عبداللہ چونکہ حقیقت میں وجود رکھتا تھا اس کے بارے میں سرگزشت اور روایتیں جس طرح موجود تھیں اسی طرح تاریخ میں آ گئی ہیں اور اسی مقدار کے ساتھ اختتام کو پہنچی ہیں لیکن دوسرا عبداللہ بن سبا، چونکہ اس کو خلق کرنے والا سیف بن عمر ہے اس لئے اس نے اس افسانہ کو حسب پسند اپنے خیال میں تجسم کر کے جعل کیا ہے اس کے بعد اسے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور بعد والے مؤرخین نے بھی اسی جعل کردہ افسانہ کو اس سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس لحاظ سے ان دو عبداللہ بن سبا کے بارے میں اخبار رو روایتوں میں زمانہ اور صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی خاص فرق نہیں آیا ہے۔

لیکن، تیسرا عبداللہ سبا چونکہ مؤرخین اور ادیان وعقائد کے علماء نے اس کے بارے میں روایتوں اور داستانوں کو عام لوگوں اور گلی کوچوں سے لیا ہے اور عام لوگوں کی جعلیات میں بھی ہر زمانے میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔اس لئے تیسرے عبداللہ بن سبا کے افسانہ میں زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وسعت پیدا ہو کر تغیرات آ گئے ہیں تیسری صدی ہجری کے آواخر سے نویں صدی ہجری تک کتابوں میں عبداللہ بن سبا کی شناخت یوں کرائی گئی ہے؛

الف) عبداللہ سبا وہی ہے جو علی علیہ السلام کی خلافت کیلئے بیعت کے اختتام پر حضرت کی تقریر کے بعد اٹھا اور بولا: ''یا علی! تم کائنات کے خالق ہو اور رزق پانے والوں کو رزق دینے والے

ہو!'' امام علیہ السلام اس کے اس بیان سے بے چین ہوئے اور اسے مدینہ سے مدائن جلا وطن کیا اس کے بعد ان کے حکم کے مطابق ان کے ''سبئیہ '' نامی گیارہ ماننے والوں کو گرفتار کر کے آگ میں جلا دیا، ان گیارہ افراد کی قبریں اسی سرزمین صحرا میں معروف ہیں۔

ب) عبداللہ بن سبا، وہی ہے جس نے امام علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا ہے اور انہیں پناہ خدا تصور کیا، لوگوں کو اپنے اس باطل عقیدہ کی طرف دعوت دی، ایک گروہ نے اس کی اس دعوت کو قبول کیا، علی علیہ السلام نے بھی اس گروہ میں سے بعض افراد کو آگ کے دو گڑھوں میں ڈال کر جلا دیا یہاں پر بعض شعراء نے کہا ہے:

لترم بی الحوادث حیث شاءَ ت اذا لم ترم فی الحضرتین

یعنی: حوادث روزگار ہمیں جس خطرناک عذاب میں ڈال دیں، ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے مگر ہمیں علی علیہ السلام آگ کے ان دو گڑھوں میں نہ ڈالیں۔

علی علیہ السلام نے جب ابن سبا کے اس غلو وانحراف کا مشاہدہ کیا تو اسے مدائن میں جلاوطن کر دیا وہ علی علیہ السلام کی رحلت کی خبر سننے تک مدائن میں تھا، اس خبر کو سننے کے بعد اس نے کہا: علی علیہ السلام نہیں مرے ہیں، جو مر گیا ہے وہ علی علیہ السلام نہیں تھے بلکہ شیطان تھا، جو علی علیہ السلام کے روپ میں ظاہر ہوا تھا کیوں کہ علی علیہ السلام نہیں مریں گے بلکہ انھوں نے عیسیٰ کے مانند آسمانوں کی طرف پرواز کی ہے اور ایک دن زمین پر اتر کر دشمنوں سے انتقام لیں گے!

ج) عبداللہ سبا وہی ہے جس نے کہا: علی خدا ہیں اور میں ان کا پیغمبر ہوں علی علیہ السلام نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ عبداللہ بن سبا تین دن رات تک اسی زندان میں رہا، اس مدت کے دوران اس سے درخواست کرتے تھے کہ توبہ کرے اور اپنے باطل عقیدہ کو چھوڑ دے، لیکن اس نے توبہ نہیں کی، علی علیہ السلام نے اسے جلا دیا اس روداد کے بارے میں علی نے یہ شعر پڑھا:

لما رایت الامر منکرا اوقدت ناری و دعوت قنبراً

''جب میں نے ناشائستہ عمل دیکھا، اپنی آگ کو شعلہ ور کر کے قنبر کو بلایا''

د) عبداللہ بن سبا وہی تھا جب امام علی بن ابیطالب علیہ السلام نے اسکے سامنے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے تو اس نے امام پر اعتراض کیا اور کہا: کیا خدائے تعالیٰ ہر جگہ پر نہیں ہے؟!! کیوں دعا کے وقت اپنے ہاتھ کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہو؟

ھ) عبداللہ بن سبا وہی ہے جو اپنے ماننے والوں کے ہمراہ امام کی خدمت میں آکر کہنے لگا: اے علی علیہ السلام تم خدا ہو! علی علیہ السلام نے بھی ان کی کفر آمیز باتوں کے جرم میں ان سب کو آگ میں جلا دیا، ان کو ایک ایک کر کے آگ میں ڈالتے وقت وہ کہتے تھے: اب ہمیں یقین ہو گیا کہ علی علیہ السلام ہی خدا ہیں، کیونکہ خدا کے علاوہ کوئی اور کسی کو آگ سے معذّب نہیں کرتا ہے!

ز) عبداللہ بن سبا پہلا شخص تھا جس نے ابوبکر، عمر، عثمان، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب کی مذمت و سرزنش کی اور ان سے بیزاری کی، میسّب بن نجبہ نے اسے گرفتار کیا اور گھسیٹتے

ہوئے امام کے پاس لے آیا، حضرت نے پہلے ابوبکر وعمر کی ثناخوانی کی اوران کا احترام کیا، اس کے بعد فرمایا: جوبھی مجھے ان سے برتر وافضل جانے گا میں اس پر افتراء کی حد جاری کروں گا، اس کے بعد اسے مدائن جلاوطن کردیا۔

ح) عبداللہ بن سبا، وہی تھا کہ علی کو مرنے کے بعد بھی زندہ جانتا تھا جب وہ مدائن میں جلاوطنی کے دن گزارر ہاتھا اوراس سے علی علیہ السلام کی رحلت کی خبر دی گئی ،تو اس نے اس خبر کو قبول نہیں کیا جس نے یہ خبر دی تھی اسے کہا: اے دشمن خدا! خدا کی قسم تو جھوٹ بول رہا ہے، اگر علی علیہ السلام کے سر کی کھوپڑی بھی میرے سامنے لاؤ گے اورستر عادل مومن گواہی دیں گے کہ علی علیہ السلام وفات کر گئے ہیں پھر بھی میں تیری بات کی تصدیق نہیں کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نہیں مریں گے اور نہ قتل کئے جائیں گے یہاں تک کہ پوری دنیا پر حکمرانی کریں گے، اس کے بعد عبداللہ بن سبا اسی دن اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدائن سے کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا وہ علی کے گھر کے دروازے پر پہنچے دوروازہ پر کھڑے ہوکر جس طرح کسی زندہ انسان سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہتے ہیں علی علیہ السلام سے اجازت طلب کی ،امام کے خاندان والوں نے ان کی رحلت کی خبر دی، انہوں نے علی کی وفات کو قبول نہیں کیا اورامام کی رحلت کے بارے میں امام کے اہل بیت علیہم السلام کی بات کو ماننے سے انکار کیا اوراسے جھوٹ کہا:

یہ تھا ان مطالب کا ایک خلاصہ جو تیسرے عبداللہ سبا کے بارے میں کہے گئے ہیں اوراسکی

زندگی کے حالات اور عقیدہ کے طور پر کتابوں میں ثبت ہوکر رائج ہوئے ہیں اسی کے بارے میں مزید کہا گیا ہے: عبداللہ بن سبا وہی ابن سودا ہے یعنی ایک سیاہ فام کنیز کا بیٹا، اس کے باوجود معروف یہ ہے ابن سبا اور ابن السوداء دو افراد اور الگ الگ دو شخصیتیں ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ: دوسرا عبداللہ بن سبا حیرہ کے یہودیوں میں سے تھا، اس نے علی علیہ السلام اور اس کی اولاد کے بارے میں تأویلات کرکے مسلمانوں کے دین کو فاسد و منحرف کرنا چاہا تا کہ مسلمان علی علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کے بارے میں وہی اعتقاد پیدا کریں جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں رکھتے ہیں اس کے علاوہ وہ کوفہ کے لوگوں پر ریاست اور سرپرستی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے کوفہ کے لوگوں میں افواہ پھیلائی کہ توریت میں آیا ہے "ہر پیغمبر کا ایک وصی ہے اور علی علیہ السلام بھی محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں" لوگوں نے یہ بات اس سے سن کر علی علیہ السلام کو پہنچادی کہ ابن سوداء آپ کے دوستداروں اور چاہنے والوں میں سے ہے، علی (علیہ السلام) نے اس کا کافی احترام کرتے اور اسے اپنے منبر کے نیچے بٹھاتے تھے لیکن جس دن علی علیہ السلام کے بارے میں عبداللہ کا غلو ظاہر ہوا اور حضرت تک پہنچا تو حضرت نے اس کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن چونکہ حضرت اس کے ماننے والوں کے فساد و بغاوت سے ڈر گئے اس لئے اس کے قتل سے منصرف ہوئے اور عبداللہ بن سبا کو مدائن جلاوطن کیا جب اس نے مدائن میں گروہ رافضہ سبئیہ کو کفر و بے دینی میں شدید ترین اور منحرف ترین افراد پایا تو وہ ان کے ساتھ جاملا۔

تیسرے حصہ کے منابع ومآخذ

ایک: سبئی کی سبا بن یشعب سے نسبت:

۱۔ انساب سمعانی: صفحہ: ۲/۲۸۲ لفظ سبئی کے ضمن میں۔

۲۔ الاکمال، تالیف ابن ماکولا: ۴/۵۳۲۔

۳۔ تبصیر المتنبہ، ابن حجر: ۷۱۵

۴۔ جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم: ص ۳۲۹ علیہ السلام ۳۳۰

۵۔ تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۱۸، ۷۰، ۱۷۱، ۲،۸/۱۰ و ۱۵۔

دو: سبئی راویوں کے حالات کی تشریح

۱۔ انساب سمعانی: لفظ "سبئی" کے ضمن میں۔

۲۔ الاکما، ابن ماکولا: لفظ "سبئی" کے ضمن میں۔

۳۔ ابوھبیرہ کی زندگی کے حالات کی تشریح: کتاب جرح وتعدیل: ۲/۱۹۴ وتقریب

التہذیب: ۱/ ۴۵۸ وتفسیر المتنبہ: ۷۱۵

۴۔ شرح عمارہ، تقریب: ۲/۵۰ واستیعاب، حاشیہ الاصابہ ۳/ ۲۱، اسد الغابہ: ۴/ ۵۱،

الاصابہ:۲/ ۵۰۸

۵۔شرح حال حنش ،التقریب:۱/ ۲۰۵

۶۔شرح حال سعد سبئی :الاصابہ:۱/ ۱۱۱

تین :۔ حجراور گواہوں کی داستان کے بارے میں زیاد کا خط

۱۔تاریخ طبری:۲/ ۱۳۱۔۱۳۶

۲۔تاریخ ابن اثیر:۳/ ۴۰۳۔۴۰۴۔

چار:۔حجر بن عدی کے حالات کی تشریح ان کتابوں میں ہے:

۱۔طبقات ، ابن سعد؛۶/ ۱۵۱۔۱۵۶ پیغمبر کے اصحاب میں علی ابن ابیطالب (ع) کے راویوں کے بارے میں

۲۔مستدرک حاکم:۳/ ۴۶۸

۳۔استیعاب، طبع حیدر آباد:۱/۱۳۴۔۱۳۵ شرح حال نمبر:۵۴۸

۴۔اسد الغابہ:۱/ ۳۸۵۔۳۸۶

۵۔سیر النبلاء ، ذہبی:۳/ ۳۰۵۔۳۰۸، شرح حال نمبر:۳۱۴۔

۶۔تاریخ الاسلام، ذہبی:۲/ ۲۷۶

۷۔تاریخ ابن اثیر:۸/ ۵۰

گروہ سبئیہ جن کا بانی یہی تیسرا عبداللہ سبا تھا، کہتے تھے:

علی علیہ السلام بادلوں میں ہے، رعد اس کی آواز اور برق اس کا تازیانہ ہے اور جب بھی رعد کی آواز ان کے کانوں تک پہنچتی ہے اس کے مقابلے میں کھڑے ہوکر تعظیم واحترام کے ساتھ کہتے ہیں:

السلام علیک یا امیر المؤمنین

یہ گروہ سبئیہ وہی ہیں جو کہتے ہیں: امام علی ابن ابیطالب وہی مہدی موعود ہیں کہ دنیا اس کے انتظار میں ہے

وہ تناسخ کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ائمہ اہل بیت علیہم السلام خدا کا جزء ہیں۔

وہ کہتے ہیں: ’خدا کے ایک جزء نے علی علیہ السلام میں حلول کیا ہے‘‘

وہ کہتے ہیں: ’’ہمارے ہاتھ میں جو قرآن ہے وہ حقیقی قرآن کے نوحصوں میں سے ایک حصہ ہے کہ اس کا پورا علم علی علیہ السلام کے پاس ہے۔

وہ ’’ناووسیہ‘‘ سے متحد ہیں اور کہتے ہیں: جعفر بن محمد علیہما السلام تمام تعالیم اور احکام دین کے عالم ہیں۔

انہوں نے ہی مختار کو نبوت کا دعویٰ کرنے پر مجبور کیا۔

یہ وہی فرقہ ’’طیارہ‘‘ ہے جو کہ کہتے ہیں: ان کی موت ان کی روح کا عالم بالا کی طرف پرواز

کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مزید کہتے ہیں: روح القدس عیسیٰ سے محمد میں منتقل ہوا ہے اور محمد سے علی میں اور ان سے حسن و حسین علیہما السلام میں اور ان سے دیگر ائمہ میں جو ان کی اولاد ہیں۔

وہ اسی عمر ابن حرث کندی کے اصحاب ہیں جس نے اپنے ماننے والوں کو دن رات کے اندر سترہ (۱۷) نمازیں واجب کیں کہ ہر نماز پندرہ رکعت کی تھی یہ گروہ اعتقاد رکھتا تھا کہ علی نہیں مرے ہیں بلکہ اپنی مخلوق سے ناراض ہو کر کے ان سے غائب ہو گئے ہیں اور ایک دن ظہور کریں گے وہ، وہی خشبیہ فرقہ ہے جو مختار کا ماننے والا ہے۔

وہ، وہی گروہ ممطورہ ہیں۔

اسی طرح وہ دوسرے دسیوں گروہ ہیں...! جو تیسرے عبداللہ بن سبا کے پیرو گروہ ''سبئیہ'' کے بارے میں نقل ہوئے ہیں۔

ہم نے جعل کئے گئے فرقہ سبائی کے بارے میں ان بیہودگیوں، بہتانوں، ملاوٹوں اور تحریفات کو دیکھا۔ اگلی فصلوں میں ان کے بانی عبداللہ سبائی پر بحث و تحقیق کریں گے۔

جعل وتحریف کے محرکات

انها کانت تدمغ ائمة اهل البیت فی جمیع العصور

یہ جعلیات اور افسانے تمام زمانوں میں شیعوں کو نقصان پہنچانے اور انھیں کچلنے کیلئے تھے۔

مؤلف

اگر ہم تمدن اسلامی کے بعض مواقع کے بارے میں ایجاد کی گئی تحریفات اور تغیرات پر دقیق بحث وتحقیق کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان تحریفات میں سے بعض مؤلفین کی غلطیوں کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں ان غلطیوں سے دوچار ہونے والے افراد، انکی اشاعت کرنے میں شاید سیاسی محرک یا خاندانی تعصب یا مذہبی تعصب کارفرما نہیں تھا۔

لیکن افسانہ عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے جعل ونشر میں عام طور پر ملوث افراد اور خصوصی طور پر وقت کی حکومتیں مختلف عزائم اور محرکات رکھتی تھیں، کیونکہ:

۱) افسانہ عبداللہ بن سبا، اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہونے والے اعتراضات اور

سفیدوں پر پردہ پوشی کرتا ہے اور انہیں ان اعتراضات سے پاک، منزہ اور مبرا کرتا ہے یہ ایک بہت نازک اور سیاسی مطلب ہے جو تمام ادوار میں لوگوں کے مختلف طبقات اور صاحب قدرت اور حکومتوں کا پسندیدہ تھا۔

۲۔ یہ افسانہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے تمام تاریخی مظالم، عیوب، خطاؤں اور گناہوں کو قبائل قحطان کی گردن پر ڈالتا ہے اور اس کے مقابلہ میں تمام فضائل و تاریخی کارناموں کو قبائل عدنان سے نسبت دیتا ہے چونکہ خاندان عباسی کے اواخر تک حکومتیں قبیلہ قریش اور عدنانیوں میں رہی ہیں، یہ لوگ قحطانیوں اور سبائیوں سے عداوت اور شدید مخالفت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اس افسانہ کی اشاعت اور ترویج میں جو ان حکومتوں کے حق میں اور ان کے دشمنوں کے نقصانات میں تھا۔ تمام قدرت اور پوری طاقت کے ساتھ ہر ممکن کوشش کی۔

۳۔ ان سب سے اہم یہ کہ یہ افسانہ خلفاء کی حکومت کے مخالفوں ــــ جو خاندان عصمت کے شیعہ تھے ــــ پر کفر و الحاد کا الزام لگا کر انہیں دین و مذہب سے خارج کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ خلفائے عثمانی کے دور تک تمام ادوار میں حتی آج تک وقت کی حکومتوں کے مخالف تھے۔ خود یہی افسانہ ہے جس نے گزشتہ زمانہ میں وقت کی حکومتوں کیلئے شیعوں پر حملہ کرنے کا راستہ ہموار کیا ہے اور شیعوں پر ہر قسم کے دباؤ، مشکلات، اور دشواریاں ایجاد کرنے کیلئے حکومتوں کیلئے قوی سہارا اور مضبوط دستاویز کا کام کیا ہوا ہے بالکل واضح ہے کہ وقت کی حکومت اس قسم کی فرصت سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری

کوشش کرتی اور اس قسم کے وسیلہ کی تائید و تثبیت کرنے کیلئے پوری طاقت اور قدرت کو بروئے کار لائی ہے۔

خود یہی محرک اور اس کے علاوہ دوسرے محرکات تھے جس نے اس افسانہ کو وجود بخشا نیز اس کو اشاعت اور شہرت دی اور اس سلسلے میں علماء و محققین پر بحث و تحقیق کے دروازے مسدود کر دیئے یہاں تک خداوند عالم نے اس پر بحث و تحقیق کرنے کی توفیق ہمیں عنایت فرمائی و للہ **الحمد و المنة**

سیف کی دوسری تحریفات اور جعلیات

سیف کی جعلیات و تحریفات صرف افسانہ عبداللہ بن سبا تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ اس سے پہلے اشارہ کیے گئے محرکات کے علاوہ اپنے الحاد اور زندقہ کے محرکات کے پیش نظر بھی فراوان افسانے جعل کئے ہیں اور ان افسانوں کیلئے سورما بھی خلق کئے ہیں جن کی تحقیق کیلئے ہم نے کئی کتابیں جیسے: ''خمسون ومأة صحابی مختلق''، یعنی ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب''، ''رواۃ مختلقون''، یعنی ''جعلی راوی'' اور ''عبداللہ بن سبا'' تالیف کی ان کتابوں میں ضمنی طور پر ان سوالات کا جواب بھی آیا ہے کہ:

یہ تاریخ اسلام میں یہ تحریفات، تبدیلیاں اور جعلیات کیوں اور کیسے وجود میں آئے ہیں؟!

تاریخ اور حدیث کے علماء نے اس کے مقابلہ میں کیوں بالکل خاموشی اختیار کی ہے اور گزشتہ کئی صدیوں کے دوران اس سلسلہ میں کسی قسم کی تحقیق اور جانچ پڑتال نہیں کی گئی ہے؟! اس کے علاوہ

ہم نے کتاب ''عبد اللہ بن سبا''[1] کی فصل ''تحریف وتبدیل'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سیف بن عمر نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے قاتل عبدالرحمان ابن ملجم کے نام کو کیسے خالد بن ملجم میں تحریف کر کے اسے علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے والے فرقہ ''سبئیہ'' کی ایک بزرگ شخصیت دکھایا ہے اس کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ''خزیمۃ بن ثابت انصاری'' کو کیسے دو اشخاص: ایک ''ذو الشہادتین'' کے نام سے اور دوسرے کو ''غیر ذو الشہادتین'' کے نام سے پیش کیا ہے اسی طرح ''سماک بن خرشہ انصاری'' کو دو اشخاص دکھائے ہیں ایک معروف بہ ابودجانہ اور دوسرا غیر ابودجانہ، اور عبداللہ بن سبا کو بھی دو اشخاص دکھانے میں کامیاب ہوا ہے ایک ابن وھب سبائی جو علی علیہ السلام کی خلافت کے دوران گروہ خوارج کا سردار تھا اور دوسرا ابن سبا جس کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں تھا اور اس نے کسی ماں سے جنم ہی نہیں لیا تھا بلکہ یہ سیف کے ذہن کی پیداوار تھا اس لحاظ سے تاریخ اسلام میں جعل، تحریف اور تخلیق سیف کی باضابطہ ہنر مندی اور معمول کے مطابق پیشہ تھا اور اس میں کسی قسم کے چون و چرا اور تعجب وحیرت کی بالکل گنجائش نہیں ہے پھر بھی ان تحریفات وجعلیات کے مقابلہ میں علماء کی خاموشی تازہ نہیں تھی اور افسانۂ عبداللہ بن سبا سے ہی مخصوص نہیں تھی کہ جو ایک فرد محقق کیلئے بُعد اور نا قابل قبول اور نا قابل حل دکھائی دے۔

۱۔ اس کتاب کی جلد دوم فارسی ترجمہ ۱۹۲ و ۲۰۴ ملاحظہ ہو۔

پانچ جعلی اصحاب

یاددہانی کے طور پر سیف کے سورماؤں کوتخلیق کرنے کے کارنامے اور ان کارناموں کے نمونے پیش کرنے کے لئے یہاں پر مناسب ہے درج ذیل پانچ افسانوی اصحاب کی طرف اشارہ کریں۔

۱۔قعقاع بن عمرو بن مالک تمیمی اسیدی: سیف نے اسے ایک زبردست اور الہام شدہ شاعر، پیغمبر کا صحابی اور لشکر اسلام کے کمانڈر کی حیثیت سے پہچنوایا ہے سنی اور شیعہ علماء نے بھی اس کی زندگی کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ہم نے بھی اپنی کتاب ''۱۵۰ جعلی اصحاب'' میں ۱۴۰ صفحات پر اس کے افسانہ پر بحث وتحقیق کی ہے۔

۲۔عاصم بن عمرو، قعقاع کا بھائی

۳۔نافع بن سود بن قطبۃ بن مالک تمیمی اسیدی، قعقاع کا چچیرا بھائی۔

۴۔زیاد بن حنظلہ تمیمی

۵۔طاہر بن ابی ہالہ خدیجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی کا بیٹا۔

اس قسم کے افسانوی افراد بہت زیاد ہیں جنہیں سیف نے اپنے تصور اور خیال میں خلق کیا ہے اور انہیں بعنوان: راوی، شاعر، صحابی یا جنگی سورما وغیرہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔اسلامی تمدن کی حسب ذیل شیعہ وسنی کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے:

اہل سنت علماء کی کتابیں

۱۔ سیف بن عمر تمیمی (وفات تقریباً ۱۷۰ھ) نے اپنی دو کتابوں: ''الجمل'' اور ''الفتوح'' میں۔

۲۔ طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے اپنی ''تاریخ'' میں۔

۳۔ بغوی (وفات ۳۱۷ھ) نے اپنی ''معجم الصحابہ'' میں

۴۔ رازی (وفات ۳۲۷ھ) نے اپنی ''الجرح والتعدیل'' میں

۵۔ ابن سکن (وفات ۳۵۳ھف) نے اپنی ''حروف الصحابہ'' میں۔

۶۔ اصفہانی (وفات ۳۵۶ھ) نے اپنی ''اغانی'' میں

۷۔ مرزبانی (وفات ۳۷۴ھ) نے اپنی ''معجم الشعراء'' میں

۸۔ دارقطنی (وفات ۳۸۵ھ) نے اپنی کتاب ''المؤتلف والمختلف'' میں

۹۔ ابونعیم (وفات ۴۳۰ھ) نے اپنی ''تاریخ اصفہان'' میں

۱۰۔ ابن عبدالبر (وفات ۴۳۰ھ) نے اپنی ''استیعاب'' میں۔

۱۱۔ ابن ماکولا (وفات ۴۷۵ھ) نے ''الاکمال'' میں۔

۱۲۔ ابن بدرون (وفات ۵۶۰ھ) نے ''شرح قصیدہ ابن عبدون'' میں

۱۳۔ ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) نے اپنی ''تاریخ دمشق'' میں

۱۴۔حموی وفات (۶۲۶ھ) نے ''معجم البلدان'' میں۔

۱۶۔ ابن اثیر (وفات ۶۳۰ھ) نے ''الکامل التاریخ'' میں

۱۷۔ابن اثیر (وفات ۶۳۰ھ) نے ''اسد الغابہ'' میں۔

۱۸۔ذہبی (وفات ۷۴۸ھ نے ''النبلاء'' میں۔

۱۹۔ذہبی (وفات ۷۴۸ھ نے ''تجرید الاسماء الصحابہ'' میں

۲۰۔ابن کثیر (وفات ۷۷۰ھ) اپنی ''تاریخ'' میں

۲۰۔ابن خلدون (وفات ۸۰۸ھ) نے اپنی ''تاریخ'' میں

۲۱۔حمیری (وفات ۸۲۶ھ) نے اپنی ''روض المعطار'' میں۔اس کتاب کی تاریخ تالیف ۸۲۶ھ ہے۔

۲۲۔ابن حجر (۸۵۲ھ) نے اپنی ''اصابہ'' میں۔

۲۳۔ابن بدان (وفات ۱۳۴۶ھ) نے اپنی ''تہذیب تاریخ ابن عساکر'' میں۔

شیعہ علماء کی کتابیں

بعض شیعہ علماء[1] اور مؤرخین نے اہل سنت کی کتابوں پر اعتماد کی وجہ سے ان ہی افسانوی افراد کے نام

۱۔علمائے شیعہ نے فقہ کے علاوہ تمام موضوعات جیسے: تفسیر، سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رجال اور تاریخ میں علمائے سنی سے کثرت سے نقل کیا ہے۔

اوران کی رواتیوں اور داستانوں[1] کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، جیسے:

۱۔ نصر بن مزاحم (وفات ۲۱۲ھ) اس کے اپنی کتابوں میں درج کئے بعض مطالب میں سے بعض کو اپنی کتاب ''وقعۃ الصفین'' میں نقل کیا ہے۔

۲۔ شیخ طوسی (وفات ۴۶۰) نے اپنی ''رجال میں۔

۳۔ قہبائی نے ''مجمع الرجال'' میں ۱۰۱۶ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوا ہے۔

۴۔ اردبیلی (وفات ۱۱۰۱ھ) نے ''جامع الرواۃ میں۔

۵۔ مامقانی (وفات ۱۳۵۲ھ) نے ''تنقیح المقال'' میں۔

۶۔ سید عبدالحسین شرف الدین (۱۳۷۷ھ) نے ''الفصول المھمۃ'' میں

۷۔ تستری ''معاصر قاموس الرجال'' میں

نتیجہ

اس بحث و گفتگو سے جو نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ: تاریخ اسلام میں پیدا ہوئے یہ تمام جعلیات، تحریفات اور اختلافات علماء، اور مؤلفیں کیلئے پوشیدہ اور ناشناختہ رہے ہیں اسلئے انہوں نے تحقیق و تجسس کے بغیر ان جعلی افراد اور ان کی جھوٹی افسانوی داستانوں اور روایتوں کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور یہی امر اس بات کی علامت ہے کہ عبداللہ بن سبا کا افسانہ بھی مؤرخین اور مؤلفین اور علم رجال و ادیان کے علماء سے پوشیدہ اور غیر معروف رہ گیا ہے۔

۱۔ مصنف کی کتاب ''ایک سو پچاس جعلی اصحاب'' اس افسانوی صحابی کے حالات ملاحظہ ہوں۔

عبداللہ سبائی کی عبداللہ بن سبا سے تحریف

لیس غریبا من سیف هذا الدس و التحریف و الاختلاق

سیف جیسے شخص سے اس قسم کی ملاوٹ، تحریف اور جعل بعید اور تعجب آور نہیں ہے۔

مؤلف

ہم نے گزشتہ فصل میں کہا کہ اسلامی لغات میں عبداللہ بن سبا تین مختلف چہروں، قیافوں اور شخصیات میں پایا جاتا ہے اور ہر قیافہ و شخصیت کیلئے مخصوص روایتیں اور داستانیں نقل کی گئی ہیں خاص کر تیسرے عبداللہ سبا کیلئے بڑی مفصل روایتیں اور داستانیں درج کی گئی ہیں۔

مذکورہ تین عبداللہ بن سبا میں سے صرف پہلا عبداللہ بن وھب سبائی وجود رکھتا تھا باقی افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں تھے۔

عبداللہ بن وھب سبائی جو حقیقت میں وجود رکھتا تھا کی داستان کا خلاصہ یوں ہے:

وہ علی علیہ السلام کے زمانے میں زندگی بسر کرتا تھا اور پہلے حضرت کے طرفداروں میں سے تھا

لیکن اس نے جنگ صفین میں حکمیت کے بارے میں علی علیہ السلام پر اعتراض کیا اور اس کے بعد اس کی علی سے عداوت اور مخالفت شروع ہوگئی اس کے ہم فکر علی کے بعض مخالفین اس سے جا ملے اور اجتماعی طور پر حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بغاوت کی اور جنگ نہروان کو وجود میں لانے کا سبب بنا عبداللہ اس جنگ میں مارا گیا بعد کے ادوار میں ابن عبداللہ بن وھب سبائی ایک مرموز اور افسانوی یہودی عبداللہ بن سبائی میں تبدیل ہوا اور ''سبئیہ نامی'' ایک جدید مذہبی فرقہ کے بانی کے طور پر پہچانا گیا۔

یہ عبداللہ سباء دوم تحریف شدہ افسانوی بھی پہلے سیف کے وسط سے وصایت علی علیہ السلام کے معتقد فرقہ ''سبئیہ'' کا بانی معرفی کیا گیا اس کے بعد زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی زبانوں پر افواہوں کے ذریعہ تغیرات اور تبدیلیاں پیدا کرتے ہوئے ''سبئیہ'' نام ایک فرقہ غالی ـــ جو علی علیہ السلام کی الوہیت کا قائل تھا۔ کے بانی کے طور پر نمایاں ہوا اس کے بارے میں روایتوں اور داستانوں میں بھی دن بہ دن وسعت پیدا ہوتی گئی اور اس طرح فرقہ سبئیہ کا افسانہ وجود میں آ گیا۔

کئی ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنہوں نے ان افسانوں کیلئے اسناد و مآخذ جعل کئے جیسا کہ ہم نے گزشتہ فصلوں میں مشاہدہ کیا کہ افسانہ نسناس کیلئے کس طرح محکم اور مضبوط اسناد جعل کئے گئے تھے۔

اگر سوال کیا جائے کہ: یہ سب تحریف اور جعل و افسانے کیسے انجام پائے ہیں اور گزشتہ کئی صدیوں کے دوران اکثر علماء و مؤرخین سے پوشیدہ رہے ہیں! اس کا جواب یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں

مسئلہ تحریف لفظ عبداللہ یا ''سبئیہ'' سے مخصوص نہیں ہے کہ جدید اور نا قابل یقین ہو اور بعید نظر آئے، بلکہ تاریخ اسلام میں اس قسم کی تحریفات اور تغیرات کثرت سے ملتے ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء نے اس سلسلہ میں مستقل کتابیں لکھی ہیں کہ ہم یہاں پر اپنی بات کے شاہد کے طور پر اس فہرست کے چند نمونے درج کرتے ہیں:

۱۔ابواحمد عسکری (وفات ۳۸۲ھ) نے شرح ما یقع فیه التصحیف و التحریف[۱] نام کی ایک کتاب لکھی ہے۔

ابواحمد عسکری اس کتاب کے مقدمہ میں کہتا ہے: میں اس کتاب میں ایسے الفاظ اور کلمات کا ذکر کرتا ہوں جن میں مشابہت لفظی کی وجہ سے ان کے معنی میں تحریف وتغیرات ہوئے ہیں۔

مزید کہتا ہے: میں نے اس سے پہلے تحریف شدہ الفاظ کے بارے میں جن کا تشخیص دینا مشکل تھا ایک بڑی اور جامع کتاب تالیف کی تا کہ اس سلسلہ میں علمائے حدیث کی مشکلات حل ہو جائیں۔ اس کتاب میں راویوں، اصحاب، تابعین، اور دیگر افراد کے نام جن میں اشتباہ اور تحریف واقع ہوئی ہے ذکر کئے ہیں لیکن اس کے بعد علماء نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ جن تحریفات کے بارے میں حدیث کے علماء کو احتیاج ہے انکو ان تحریفات سے جدا کردوں جن کی ادب اور تاریخ کے علماء کو احتیاج ہے میں نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے ان دو حصوں کو جدا کیا اور ہر حصہ کو ایک

۱۔یعنی جس میں تحریف وتغیر واقع ہوا ہے اس کی تشریح۔اس کتاب کا ایک نسخہ تحقیق عبدالعزیز احمد، طبع مصطفیٰ، ۱۳۸۳ھ مؤلف کے پاس موجود ہے۔

مستقل کتاب کی صورت میں تالیف کر کے دو الگ کتابیں آمادہ کیں۔ان میں سے ایک میں حدیث کے راویوں کے ناموں میں تحریف درج ہے اور دوسرے میں ادیبوں اور مؤرخین کی ضرورت کے مطابق تحریف شدہ نام ہیں۔

ابواحمد عسکری نے اس کتاب میں بزرگ علماء جیسے: خلیل، جاحظ، اور سجستانی، کی غلطیوں کے بارے میں ایک مستقل باب لکھا ہے اس طرح انساب میں ہوئی غلطیوں کو ایک الگ باب میں ذکر کیا ہے۔

ابواحمد عسکری کے علاوہ دوسرے دانشوروں نے بھی اس موضوع پر کتابیں تالیف کی ہیں: جیسے:

۱۔ ابن حبیب (وفات ۲۴۵ھ) نے قبائل وانساب کے بارے میں مشابہ ناموں پر ایک کتاب لکھی ہے۔

۲۔ ابن ترکمان (وفات ۷۴۹ھ) نے بھی قبائل وانساب کے ناموں کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے۔

۳۔ آمدی (وفات ۳۷۰ھ) نے شعراء کے مشابہ ناموں پر ایک کتاب لکھی ہے۔

۴۔ دارقطنی (وفات ۳۸۵ھ) حدیث کے راویوں کے مشابہ ناموں کے بارے میں کتاب لکھی ہے۔

۵۔ ابن الفرضی (وفات ۴۰۳ھ)

۶۔عبدالغنی (وفات ۴۰۹ھ)

۷۔ابن طحان الحضرمی (وفات ۴۱۴ھ)

مذکورہ تین دانشوروں نے مشابہ نام، القاب، اور کنیت کے بارے میں یہ کتابیں لکھی ہیں۔

۷۔ابن ماکولا (وفات ۴۷۸ھ) نے ''اکمال'' نامی کتاب مشابہ نام، القاب اور کنیت کے بارے میں لکھی ہے یہ معروف اور جامع ترین کتاب ہے[۱]

اسی طرح ایک دوسرے سے مشابہ نسبتوں کے بارے میں بعض علماء اور مؤلفین نے چند کتابیں تالیف کی ہیں کہ انمیں سے چند اشخاص کے نام حسب ذیل ہیں:

مالینی (وفات ۴۱۲ھ)

زمخشری (وفات ۵۴۸ھ)

حازمی (وفات ۵۸۴ھ)

ابن باطیش (وفات ۶۴۰ھ)

فرضی (وفات ۷۰۰ھ)

ذہبی (وفات ۷۴۸ھ)

ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ)

۱۔اس کتاب کی چھ جلدیں طبع حیدرآباد سال ۱۳۸۱ مؤلف کے کتابخانہ میں موجود ہیں کہ حرف ''ع'' تک پہنچتا ہے ضرور چند جلدیں اور بھی ہوں گی۔

ان علماء کے بعد، دوسرے مؤلفین نے جو کچھ گزشتہ علماء سے چھوٹ گیا تھا اور ان کی کتابوں میں نہیں آیا تھا یا ان کتابوں میں کوئی غلطی رہ گئی تھی۔ان کے بارے میں مستقل کتابیں تتمہ اور ضمیمہ کے طور پر لکھی ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل اشخاص نے عبدالغنی کی کتاب پر تتمہ لکھا ھے۔

مستغفری (وفات ۴۳۶ھ) ''الزیادات''

خطیب (وفات ۴۶۳ھ) ''المؤتنف''

ابن نقطہ (وفات ۶۲۹ھ نے بھی ''مستدرک'' نامی ایک کتاب کو ابن ماکولا کی ''اکمال'' پر تتمہ کے طور پر لکھا ہے۔

ابن نقطہ کی کتاب پر بھی درج ذیل مؤلفین نے ضمیمے لکھے ہیں۔

حافظ منصور (وفت ۶۷۷ھ)

ابن صابونی (وفات ۶۸۰ھ)

مغلطای (وفات ۷۶۲ھ)

ابن ناصر الدین (وفات ۸۴۲ھ) نے بھی ایک کتاب بنام ''**الاعلام بما فی مشتبہ الذھبی من الاوھام**'' ذہبی کی کتاب پر ضمیمہ لکھا ہے۔

لیکن مذکورہ دانشوروں، مؤلفین اور علماء کے علاوہ ہر دوسرے مؤلفین [۱] اور علماء جو مشابہ نام،

۱۔ مانند خطیب کہ اس نے اس سلسلے میں ''موضح اوھام الجمع والتفریق' نامی ایک کتاب تالیف کی ہے اس کا تین جلدوں پر مشتمل ایک نسخہ مؤلف کے پاس موجود ہے اور مانند ناصر الدین کہ اس نے ''مشتبہ ذھبی'' نام کی ایک کتاب تالیف کی ہے دوسرے علماء نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں اس قسم کی کتابوں کی بیشتر اطلاع حاصل کرنے کیلئے ''مصحح اکمال'' طبع حیدر آباد کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

الفاظ، اور تحریفات کے بارے میں کوشش و تلاش اور تحقیق انجام دی ہے اس کے باوجود اسلامی لغات
میں فراوان تحریف شدہ الفاظ و ناموں کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ان تمام دانشوروں سے چھوٹ گئے ہیں اگر
ان کی جمع آوری کی جائے تو ایک بڑی اور ضخیم کتاب تشکیل پائے گی اس سلسلہ میں کیا خوب کہا گیا ہے
: کم ترک الاول للآخر ، گزشتگان نے نہ جانے کتنے کام انجام نہیں دئے ہیں انہیں مستقبل
میں آنے والوں کیلئے چھوڑا ہے تا کہ وہ انجام دیں۔

گزشتہ مباحث کا خلاصہ

تاریخ میں لفظ ''سبیہ'' کا ایک سرسری جائزہ

جو کچھ ہم نے گزشتہ صفحات اور فصلوں میں ابن سبا اور سبئیہ کے افسانہ کے بارے میں بیان کیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے: زمان جاہلیت سے دوران حکومت بنی امیہ تک لفظ ''سبئیہ'' سبا بن یشجب وقبیلۂ قحطان سے منسوب افراد پر دلالت کرتا تھا ان افراد میں سے ایک ''عبداللہ بن وھب سبائی'' تھا جو فرقہ خوارج کا سردار تھا۔

لیکن قبائل عدناں اور قحطان کے درمیان مدینہ وکوفہ میں اختلاف وعداوت پیدا ہونے کے بعد، قبائل عدنان نے اس لفظ کے معنی کو تبدیل کرکے اسے قحطانیوں کی سرزنش کے طور پر استعمال کیا اور اسے قبیلہ کی نسبت کے معنی سے قبائل قحطان اور ان کے طرفداروں کی بدگوئی اور سرزنش کے معنی میں تبدیل کیا یہ استعمال اور معنی میں تغیر بنی امیہ کی حکومت کے دوران کوفہ میں انجام پایا۔

لیکن جب اسکے بعد سیف کا زمانہ آیا، اور اس نے شدید خاندانی تعصب، کفر اور زندقہ کے

محرکات کے پیش نظر افسانہ سبئیہ کو جعل کیا اور اس افسانہ میں لفظ سبیہ کو قبیلہ کی نسبت کے معنی یا سرزنش کے معنی سے تبدیل کر کے ایک جدید مذہبی فرقہ کے معنی میں تحریف کیا اور اس مذہب کے بانی کو بھی عبداللہ سبا یمانی نام کے ایک شخص سے پہچنوایا۔

فرقۂ سبئیہ کے بانی کے نام '' عبداللہ سبا '' کو بھی سیف نے ایک خوارج کے گروہ کے سرپرست '' عبداللہ بن وھب '' کے نام سے لے کر اس میں اس طرح تحریف کی ہے جیسا کہ بلاذری، اشعری، اور مقریزی کے بیانات سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔

یا یہ کہ اس نے ایک افسانہ جعل کیا ہے اور اپنے افسانہ کیلئے ایک ہیرو خلق کیا ہے اور اس ہیرو کیلئے بلاواسطہ '' عبداللہ بن سبا '' نام رکھا ہے بغیر اسکے کہ اس نام کو کسی اور نام سے لیا یا اقتباس کیا ہو۔

بہر صورت '' عبداللہ '' کے سلسلہ میں علی علیہ والسلام وعثمان کے زمانے میں زندگی کرنے والے عبداللہ بن وھب سبائی کے علاوہ کوئی اور حقیقت نہیں ہے۔

سیف کے افسانہ سبئیہ نے دوسری صدی ہجری اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں عراق کے شہروں، جیسے: کوفہ [۱] بصرہ، بغداد اور اس کے اطراف میں شہرت پائی۔ ان شہروں میں اسی افسانہ کے شہرت پانے کے بعد لفظ '' سبئیہ '' کا اصلی معنی ــــ وہی قبیلہ قحطان وسبئی کا انتساب تھا ــــ فراموش کیا گیا اور خاص طور پر خود سیف کے اپنے خیالات میں جعل کئے گئے اسی جدید مذہبی فرقہ

۱۔ ابی مخنف عالم کوفی (وفات ۱۵۷ھ) کے یہاں ہم نے افسانۂ سبئیہ کے بارے میں سیف کی روایتوں میں سے ایک روایت پائی کہ اس کی مزید وضاحت کیلئے '' کتاب ایک سو پچاس جعلی اصحاب '' کی جلد اول کے مقدمہ کی طرف کی رجوع کیا جائے

کے معنی میں استعمال ہوا۔لیکن اسی زمانہ جب لفظ''سبئیہ'' کوفہ اور بصرے میں اس کے جدید معنی میں منتشر ہوا تھا،یمن،مصر اور اندلس میں اپنے اصلی اور پہلے معنی قبیلۂ قحطان کے انتساب۔میں استعمال ہوتا تھا۔اس لحاظ سے دوسری صدی ہجری اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں لفظ''سبئیہ'' دو مختلف اور الگ الگ معنی پر دلالت کرتا تھا اسلام کے مشرقی ممالک اور شہروں میں جدید مذہبی فرقہ کے معنی میں اور دوسرے شہروں اور ممالک میں قبیلہ کی نسبت میں استعمال ہوتا تھا۔

اس کے بعد افسانہ''سبئیہ'' زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کی زبانوں اور افواہوں کی شکل اختیار کر گیا اور گلی کوچوں کے لوگوں کے خرافات اور بیہودگیوں سے مخلوط وممزوج ہو گیا اس طرح اس میں وسیع پیمانے پر تغیرات اور تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اس کے نتیجہ میں وہی معنی مذہبی فرقہ بھی ایک خرافات پر مشتمل معنی میں تبدیل ہو گیا اور ان لوگوں کے بارے میں استعمال ہونے لگا جو علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کی الوہیت کے قائل تھے۔

اس طرح افسانہ سبئی لفظ''سبئیہ'' کے اپنے اصلی اور ابتدائی معنی یعنی قبیلہ کی نسبت میں اسلامی معاشرے کے تمام ممالک اور شہروں میں منتشر ہونے کے بعد مکمل طور پر فراموشی کی نذر ہو گیا اور اسی جدید مذہبی فرقہ کے معنی سے مخصوص ہو کر صرف ان افراد کے بارے میں استعمال ہونے لگا جو علی علیہ السلام کی وصایت یا الوہیت کے قائل ہیں۔

تاریخ میں لفظ ''عبداللہ سبا'' کے نشیب و فراز

''عبداللہ سبا'' چنانچہ گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ابتداء میں اس لفظ سے علی علیہ السلام کے زمانے میں زندگی کرنے والے اور خوارج کا سردار مقصود تھا سیف کے افسانہ سازی اور افسانہ ''سبئیہ'' کی اشاعت کے بعد ''عبداللہ بن وھب'' سبائی فراموش ہوگیا اور لفظ ''عبداللہ سبا'' یمن سے آئے ہوئے ایک گمنام، افسانوی اور یہودی شخص کے بارے میں استعمال ہونے لگا اسی کی روایتوں کے مطابق یہ شخص علی علیہ السلام کی وصایت کا قائل تھا، لیکن زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ افسانہ سبئیہ گوناگوں نشیب و فراز سے دوچار ہوا اور اس افسانہ کے سورما عبداللہ بن سبا نے بھی قدرتی طور پر توہماتی اور احساساتی روپ اختیار کرگیا اور علی علیہ السلام کی الوہیت کے معتقد فرقۂ ''سبئیہ'' کو جعل کرنے والے ایک خطرناک غالی اور انتہا پسند شخص کیلئے استعمال ہونے لگا۔

یہ تغیر اور تبدیلیاں کبھی بعض روایات کے معنی کو سمجھنے میں اشتباہ کا سبب بنتی ہیں مثلاً: عبداللہ اور اس کے بارے میں روایتیں اور تاریخی روداد اور معصومین علی علیہ السلام کی احادیث بعض اوقات لفظی غلطیوں کی وجہ سے سیف کے جعل کردہ ''عبداللہ سبا'' دوم کے بارے میں تاویل و تطبیق ہوا ہے اور اس طرح تاریخی وقائع و مطالب اور معصومین علیہم السلام کی بعض احادیث میں ممزوج ہوکر تاریخ و حدیث میں قہری تحریف رونما ہوئی ہے مؤرخین کی عدم دقت و تحقیق نہ کرنے کی وجہ سے یہ اشتباہ و تحریف جبری کا سلسلہ، صدیوں تک رہا ہے اور نتیجہ کے طور پر اس تحریف نے رفتہ رفتہ تاریخ میں جڑ پکڑ

کر حقیقت کا روپ اختیار کرلیا ہے یہ اشتباہ اور تحریف فقط ’عبداللہ سبا‘‘ اور ’’سبئیہ‘‘ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اسلامی لغات میں ایسے ہزاروں دوسرے الفاظ ایسے ہی انجام سے دوچار ہوئے ہیں اور علماء نے بھی ان کے بارے میں کتابیں لکھ کر ان پر تحقیق کی ہے لیکن اسکے باوجود ایسے دوسرے تحریف شدہ الفاظ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جن کے بارے میں غفلت ہوئی ہے اور وہ ان علماء کے قلم سے چھوٹ کر ان کی کتابوں میں درج نہیں ہوئے ہیں نہ ہی ان پر تحقیق کی گئی ہے۔

دونوں تحریف ہیں، لیکن یہ کہاں اور وہ کہاں؟

سیف کی تحریفات بھی صرف ان ہی دولفظوں ’’عبداللہ بن سبا‘‘ اور ’’سبئیہ‘ تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس نے تاریخ اسلام میں بہت سے الفاظ میں تحریف و تبدیلی کی ہے چنانچہ ہم نے اسکے بہت حصوں کو اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے سیف کے علاوہ بھی بعض دوسرے افراد نے اسلامی لغت میں کچھ تحریفات ایجاد کی ہیں[۱] لیکن سیف کی تحریفات اور جعلیات دوسروں کی تحریفات وجعلیات سے کافی فرق رکھتی ہیں اس طرح کہ شاید دوسرے ایک لفظ یا مطلب کو غلطی سے یا نادانستہ طور پر تحریف

۱۔ ابن جوزی اپنی کتاب ’’موضوعات‘‘ (۱/ ۳۷۔ ۳۸ میں کہتا ہے: ابن ابی العوجا ملحد، حماد بن سلمہ کا منہ بولا بیٹا اور تربیت یافتہ تھا۔ وہ جھوٹی احادیث گڑھ لیتا تھا۔ انہیں چالاکی سے اور چوری چھپے حماد کی کتاب میں وارد کرتا تھا جب کوفہ کے گورنر محمد بن سلیمان نے اسے گرفتار کیا اور حکم دیا کہ اس کا سر قلم کیا جائے اور جب اسے اپنی موت کے بارے میں یقین پیدا ہوا تو صراحت سے کہا: خدا کی قسم میں نے چار ہزار حدیث خود جعل کی ہیں اور انہیں آپ کے صحیح احادیث میں ملا دیا ہے۔

اس کے بعد ابن جوزی اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ان زندیقوں کا کام یہ تھا کہ وہ روایات کو گڑھتے تھے اور انہیں علمائے حدیث کی کتابوں میں درج کرتے تھے علماء بھی اس خیال سے کہ یہ احادیث ان کی اپنی ہیں ان سب کو اپنی روایتوں کے ضمن میں نقل کرتے تھے۔

کریں یا ایک حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے تبدیل کر دیں، لیکن سیف ہمیشہ عمداً اور خاص محرک و مقصد کے پیش نظر تحریف اور جعل کا کام انجام دیتا ہے اس خطرناک عمل سے اس کا مقصد اس صحیح تاریخ کو آلودہ کر کے اس کی بنیادوں کو کھوکھلا و متزلزل کرنا ہے۔ اس میں اس کا محرک زندیق ہونا اور شدید خاندانی تعصب ہے دوسرا تفاوت یہ ہے کہ: وہ خلفاء، قدرتمندوں کے نفع میں اور عام لوگوں کی پسند کے مطابق تاریخ اسلام میں تحریف اور جعل انجام دیتا ہے۔ اس طرح وہ تمام ادوار میں اپنے افسانوں اور جھوٹ کو رونق بخشنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اسی رویہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے:

اولاً: سیف کی روایتوں نے صاحبان اقتدار اور وقت کی حکومتوں میں رونق بازار اور سرگرم طرفدار پیدا کئے اور لوگوں میں یہ روایتیں مورد استقبال قرار پا کر رواج اور اشاعت پا گئی ہیں۔

ثانیاً: سبئیہ کے بارے میں سیف کے جعلیات علماء اور دانشوروں سے پوشیدہ اور ناشناختہ رہے ہیں اس طرح اس کے دوسرے جعلیات اور خیالی افسانے، سیکڑوں اصحاب اور حدیث کے راوی شعراء بھی ان علماء کی نظر میں حقیقت اور صحیح صورت میں رونما ہوئے ہیں۔

ابن سبا اور سبئیہ کے بارے میں شیعوں کی روایتیں

عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے نام پر جو روایتیں و مطالب اہل سنت کی کتابوں میں آئی ہیں، ان کے بارے میں جس طرح گزشتہ صفحات میں بیان ہوا، پہلے سیف نے انہیں جعل کیا ہے پھر افواہ کی صورت میں لوگوں میں پھیل گئی ہیں ان علماء اور مؤرخین نے بھی انہیں سیف اور لوگوں کی افواہوں

سے لے کر اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

لیکن جو روایتیں اس بارے میں شیعوں کے ائمہ اہل بیت ''علیہم السلام'' سے ہم تک پہنچی ہیں اس سلسلے میں ہم پہلے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم پر دقیق علمی بحث و تحقیق کے بعد ثابت ہوا ہے کہ تاریخ اسلام میں قطعی طور پر کوئی شخص بنام عبداللہ بن سبا اور گروہ و فرقہ بنام ''سبئیہ'' حقیقت میں وجود نہیں رکھتا تھا ایک یا دو روایتوں میں کسی غیر موجود کے بارے میں نام آنے سے اسے موجود کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے اور ایک غیر موجود کو وجود نہیں بخش سکتا ہے اس بنا پر جو بھی روایت ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے نام پر عبداللہ سبا کے بارے میں شیعی کتابوں میں آئی ہے، اگر اس روایت میں ذکر ہوئے مطالب عبداللہ بن وھب سبائی ـــ تاریخ اسلام میں جس کا وجود تھا اور امام علی علیہ السلام کے زمانہ میں زندگی بسر کرتا تھا ـــ سے تطبیق کرتے ہیں تو ایسے مطالب کے صحیح اور حقیقی ہونا کا احتمال ہے، جیسے: ابن سبا کا امیر المومنین کا آسمان کی طرف دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے پر اعتراض کی روایت یا عبداللہ بن سبا کو مسیتب کے ذریعہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے حضور لانے کی روائداد یا اس روایت کے مانند کہ جس کہ بارے میں کہا جاتا ہے کہ علی ابن ابیطالب عبداللہ بن سبا کی طرف سے مشکل میں تھے۔

اس قسم کی روایتیں جو عبداللہ بن وھب سبائی کی زندگی اور روش سے تطبیق کرتی ہیں سب صحیح اور حقیقی ہوسکتی ہیں۔

لیکن ہر وہ روایت جو عبداللہ بن وھب کی زندگی اور روش سے تطبیق کرتی ہے وہ صحیح اور حقیقی

نہیں ہوسکتی اور وہ جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ اسے گمنام ہاتھوں نے جعل کر کے ائمہ اہل بیت سے جھوٹی نسبت دیدی ہے، شیعہ کتابوں میں انہیں درج کیا گیا ہے تا کہ انہیں بیشتر اشاعت مل سکے اور عوامی سطح پر قابل قبول قرار پائیں لیکن ''عبداللہ بن سبا'' نامی شخص یا قعقاع اور اسی کے خلق کئے گئے دوسرے افراد کبھی صحیح نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ''سبئیہ'' کے بارے میں روایتوں کی شناخت کیلئے جو کلی قواعد اور معیار ہمارے ہاتھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ ان روایتوں میں سے جو بھی راوی قبیلہ قحطان ۔ جنہیں سبئیہ بھی کہتے ہے ۔ سے تطبیق کرے اس میں صحیح اور واقعی ہونے کا امکان موجود ہے ورنہ صحیح نہیں ہوسکتی ہے کیوں کہ قحطان کے علاوہ اسلام میں سبئیہ نام کا کوئی فرقہ وجود نہیں رکھتا تھا تا کہ اس سے مربوط مطالب اور روایتیں صحیح ہوسکیں۔

ان تمام تحقیقات اور جانچ پڑتال کے بعد کہ ہم نے حقائق کو جھوٹ اور کذب سے جدا کرنے میں جو تلاش اور کوشش کی ہے اگر پھر بھی کوئی شخص ابن سبا، سبئیہ اور سیف کی دوسری جعلیات وتحریفات کے بارے میں جنہیں ہم نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے، اسے قبول کرنا پسند نہ کرے اور اس کے تمام منحرف انگیز اور خرافات پر مشتمل افسانوں پر ایمان لانا چاہے تو اس کی مثال ان بوڑھی عورتوں کی جیسی ہے جو خرافات پر مشتمل افسانوں پر اعتقاد رکھتی ہیں۔

یہاں پر ہم سیف کے اپنے ذہن میں جعل کئے گئے عبداللہ بن سبا و سبئیہ اور دوسرے افسانوی

سورماؤں اور افسانوں کے بارے میں اپنی بات کا خاتمہ کرتے ہیں اور بارگاہ الٰہی سے دست بہ دعا ہیں کہ علماء کو یہ توفیق عنایت فرمائے تاکہ وہ اسلامی حقائق کو افسانوی اور خرافات سے جلد از جلد جدا کریں۔

واللہ ولی التوفیق وھو حسبنا و نعم الوکیل

اس حصہ کے مآخذ

۱۔خمسون ومائۃ صحابی مختلق، تیسرا مقدمہ، طبع بغداد

۲۔عبداللہ بن سبا، جلد اول، حصہ سقیفہ

۳۔نقش عائشہ جلد دوم، عائشہ در دوران علی علیہ السلام

۴۔تاریخ ابن اثیر: ۲/۵۲۔۱۳۱۵، حکومت علی کے دوران وقائع

۵۔وقعۃ صفین: نصر بن مزاحم ۱۲

۶۔نہج البلاغہ خطبہ نمبر: ۱۶۷

۷۔نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳۳

۸۔نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳۶

کتاب کے منابع ومآخذ کی فہرست

ا۔ الآثار الباقیہ عن قرون الخالیۃ : تالیف، ابوریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی (۳۶۲۔ ۴۴۰ھ) (۹۷۳۔۱۰۴۸ء) طبع لاپزیک ۱۹۳۲ء۔

۲۔ الاحکام السلطانیہ: تالیف، قاضی ابویعلی محمد بن حسین فراء حنبلی مشہور بہ ماوردی (۳۸۰ ۔۴۵۸ھ) (۹۹۰۔۱۰۶۶ء) تصحیح، محمد حامد فقی، طبع مصطفی حلبی (۱۳۵۶ھ)۔

۳۔ الاخبار الطّوال : تالیف، ابوحنیفہ احمد بن داود بن ونند دینوری، (...۔۲۸۲ھ) (...۔ ۸۹۵ء) طبع وزارۃ الثقافۃ والارشاد مصر، (۱۹۶۰ء)

۴۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: تالیف ابوعمر یوسف بن عبداللہ مشہور بہ ابن عبدالبر نمری قرطبی اشعری (۳۶۸۔۴۶۳ یا ۴۶۰ھ) (۹۷۹۔۱۰۷۱م) طبع مصر، سال ۱۳۵۸ھ اور طبع حیدر آباد، ۱۳۳۶ھ)

۵۔ اسد الغابۃ، تالیف، عزالدین علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم شیبانی جزری مشہور بہ ابن اثیر ، (۵۵۵ یا ۵۵۰۔۶۳۰ھ) (۱۱۶۰۔۱۲۳۲ء) طبع قاھرہ، سال ۲۳۸۰ھ۔

۶۔الاصابہ فی تمییز الصحابہ: تالیف ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد کنانی عسقلانی مصری شافعی معروف بہ ابن حجر، (۷۷۳۔۸۵۲ھ) (۱۳۷۲۔۱۴۴۹م) طبع مصر ۱۳۵۸ھ۔

۷۔الاعلام: تالیف، خیرالدین مشہور بہ زرکلی، معاصر، طبع سال ۱۳۷۳۔۱۳۷۸ھ) (۱۹۵۴ ۔۱۹۵۹ء) پریس کوستاتسوماس۔

۸۔ الاغانی : تالیف ابو الفرج علی بن حسین بن محمد بن موسی مروانی (۲۸۴ ۔ ۳۵۶ ھ) (۸۹۷۔۹۶۷ء) طبع مصر (۱۳۲۳ء)

۹۔الامامۃ والسیاسۃ یا تاریخ الخلفاء: تالیف ابن قتیبہ ابومحمد عبداللہ بن مسلم دینوری (۲۱۳ ۔ ۲۷۶ یا ۲۷۱ھ) (۸۲۷۔۸۹۹ء)۔اور چونکہ کچھ لوگوں نے مؤلف کی جانب اس کتاب کی استناد میں شک کیا ہے اسی لئے ہم نے صرف کتاب سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ دوسری معتبر کتابوں میں اس کی تائید بھی ملی ہے۔

۱۰۔امتاع الاسماع: تالیف تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد شافعی مشہور بہ مقریزی (۷۶۹۔۸۴۵) (۱۳۶۷۔۱۴۴۱ء) طبع مصر پریس لجنۃ التالیف (۱۹۴۱ء)۔

۱۱۔انساب الاشراف: تالیف بلاذری ابوجعفر احمد بن یحیی بن جابر بغدادی (وفات ۲۷۹ء) (۸۹۲ء)، طبع مصر دارالمعارف مصر ۱۹۵۹)

۱۲۔ایضاح المکنون: کشف الظنون ملاحظہ ہو۔

۱۳۔بخاری، صحیح بخاری ملاحظہ ہو۔

۱۴۔البدء والتاریخ: تالیف ابوزید احمد بن سہل بلخی (۲۳۵۔۳۲۲ھ) (۸۴۹۔۹۳۴ء) طبع

پیرس (۱۹۰۱۔۱۹۰۳ء) البتہ کچھ علماء محمد بن طاہر مقدسی (۴۴۸۔۵۰۷ھ)(۱۰۵۶۔۱۱۱۳ء) کو کتاب کا مؤلف جانتے ہیں۔

۱۵۔ تاج العروس فی شرح القاموس: تالیف محمد بن محمد بن محمد مقلب بہ مرتضی واسطی زبیدی حنفی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ)(۱۷۳۲۔۱۷۹۱ء) طبع اول۔

۱۶۔ الکامل فی التاریخ معروف بہ تاریخ ابن اثیر : تالیف ابن اثیر صاحب اسد الغابہ طبع قاہرہ ۱۳۴۷۔۱۳۵۶ھ، ایضاً طبع قاہرہ، ۱۲۹۰۔۱۳۰۳ھ

۱۷۔ العبر معروف بہ تاریخ ابن خلدون: تالیف ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون مالکی شبیلی مغربی حضرمی (۷۳۲۔۸۰۷ھ)(۱۳۳۲۔۱۴۰۶ء) پریس مطبعۃ النھضہ مصر (۱۳۵۵ھ)

۱۸۔ نزھۃ النواظر معروف بہ تاریخ ابن شحنہ: تالیف محمد بن محمد بن محمد مشہور بہ ابن شحنہ حنفی (۷۴۹۔۸۱۵ھ)(۱۳۴۸۔۱۴۱۲ء) طبع قاہرہ (۱۲۹۰۔۱۳۰۳ھ)۔

۱۹۔ تاریخ مدینۃ دمشق، معروف بہ تاریخ ابن عساکر: تالیف ابو القاسم علی بن حسین بن ھبۃ اللہ دمشقی مشہور بہ ابن عساکر (۴۹۹۔۵۷۱ھ)(۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء) جلد ۱و۲ طبع مجمع علمی دمشق۔

۲۰۔ البدایۃ والنھایۃ، مشہور بہ تاریخ ابن کثیر: تالیف عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمرو بن کثیر قرشی دمشقی بصری، شافعی (۷۰۰ یا ۷۰۱۔۷۷۴ھ)(۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء) طبع مطبعہ السعادۃ۔

۲۱۔ المختصر فی اخبار البشر، مشہور بہ تاریخ ابو الفداء: تالیف عماد الدین اسماعیل بن علی بن محمود شافعی مشہور بہ ابو الفداء صاحب حماۃ (۶۷۲۔۷۳۲ھ)(۱۲۷۳۔۱۳۳۱ء)

۲۲۔ تاریخ الادب العربی: تالیف نیکلسن، طبع کیمبرج

۲۳۔ تاریخ الاسلام الکبیر: تالیف شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز ترکمانی مصری شافعی مشہور بہ ذھبی ۶۷۳۔۷۴۸ھ) (۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء) طبع قاھرہ (۱۳۶۷ھ)

۲۴۔ تاریخ الاسلام السیاسی، طبع اول مصر تالیف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن (پی، ایچ، ڈی، فلسفہ و اخلاق)

۲۵۔ تاریخ الکبیر بخاری: تالیف ابوعبد باللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۱۹۴۔۲۵۶ھ) (۸۱۰۔۸۷۰ء) طبع حیدرآباد ۱۳۶۱ھ۔ اس کتاب میں مولف نے موثق اور ضعیف راویوں کو جمع کیا ہے۔

۲۶۔ تاریخ بغداد: تالیف احمد بن علی بن ثابت، مشہور بہ خطیب بغدادی (۳۹۲ یا ۳۹۱۔ ۴۶۳ھ) (۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء) طبع مصر۔

۲۷۔ تاریخ الخمیس: تالیف شیخ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری مالکی (وفات ۹۶۶)

۲۸۔ تاریخ الخلفاء، معروف بہ تاریخ سیوطی: تالیف جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر ناصر الدین محمد شافعی مشہور بہ سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ طبع مصر ۱۳۵۱ء

۲۹۔ تاریخ الامم والملوک مشہور بہ تاریخ طبری: تالیف ابوجعفر محمد بن جریر ابن یزید طبری ۲۲۴۰۔۳۱۰ھ) (۸۳۹۔۹۲۳ھ) طبع لدن، پریس حسینیہ مصر (۱۳۲۴ھ)

۳۰۔ تاریخ یعقوبی: تالیف احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر اخباری مشہور بہ یعقوبی و ابن واضح (وفات ۲۴۸۔ھ) (۸۹۷) طبع نجف (۱۳۵۸) طبع دار صادر بیروت، سال (۱۳۷۹ھ)

۳۱۔ تجرید اسماء الصحابہ: تالیف ذھبی صاحب تاریخ اسلام، طبع حیدرآباد (۱۳۴۲ھ)

۳۲۔ تذکرۂ خواص الامۃ معروف بہ تذکرۂ سبط ابن جوزی: تالیف ابومظفر شمس الدین یوسف بن قزاوغلی بن عبداللہ بغدادی حنفی مشہور بہ سبط ابن جوزی (۵۸۱ یا ۵۸۲ ۔ ۶۵۴ ھ) ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۶ء) طبع نجف سال ۱۳۶۹ھ۔

۳۳۔ تلخیص مستدرک حاکم: تالیف ذھبی صاحب تاریخ الاسلام، طبع حیدرآبا (۱۳۴۲ھ)

۳۴۔ تلخیص معالم دارالھجر ۃ: تالیف زین الدین ابوبکر بن حسین بن عمر مراغی ۷۲۷ یا ۷۲۹۔ ۸۱۶ھ (۱۳۲۷۔۱۴۱۴ء) طبع سال ۱۳۷۴ھ تحقیق محمد عبدالجواد اصمعی۔

۳۵۔ التمھید: تالیف ابوبکر محمد بن طیب بن محمد بصری اشعری مشہور بہ باقلانی (۳۳۸۔ ۴۰۳ھ) ۹۵۰۔۱۰۱۳ء۔

۳۶۔ التمھید والبیان فی مقتل الشھید عثمان: تالیف ابوعبداللہ محمد بن یحیی بن محمد اشعری مالکی اندلسی مشہورر بہ ابن ابوبکر (۶۷۴۔۷۴۱ھ) ۱۲۷۵۔۱۳۴۰م)

۳۷۔ التنبیہ والاشراف: تالیف ابوالحسن علی بن الحسین شافعی (۳۴۵ یا ۳۴۶ھ ۹۵۶ء طبع مصر تصحیح صاوی

۴۸۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر: تالیف عبدالقادر بن احمد بن بدران ۱۳۶۶ھ ۹۲۷ء طبع اول دمشق ۱۳۲۹ھ۔

۳۹۔ تہذیب التھذیب: تالیف ابن حجر معروف بہ صاحب اصابہ، طبع حیدرآباد (۱۳۲۵۔ ۱۳۲۷ھ)

۴۰۔تیسیر الوصول الی جامع الاصول : تالیف وجیہ الدین ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد مشہور بہ ابن الدیبع شیبانی زبیدی شافع ۔(۸۶۶۔۹۴۴ (۱۴۶۱، ۱۵۳۸ یا ۱۵۳۷ء) طبع مصر، سال ۱۳۴۶ھ

۴۱۔الجرح والتعدیل: تالیف ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم بن محمد (۲۴۰۔۳۲۷ھ) (۸۵۴۔۹۳۸ء) طبع حیدرآباد سال ۱۳۷۲ھ

۴۲۔الحضارۃ الاسلامیۃ: تالیف مستشرق شناس آدم متن ترجمہ بہ عربی بقلم عبدالھادی ابوریدہ طبع دوم پریس لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر قاھرہ، سال ۱۳۶۶ھ۔

۴۳۔خصائص: خصائص الکبری: تالیف سیوطی صاحب تاریخ الخلفاء، طبع حیدرآباد ۱۳۱۹ھ۔

۴۴۔خلاصۃ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال : تالیف صفی الدین احمد بن عبداللہ خزرجی انصاری (۹۰۰ وفات ۹۲۳ھ کے بعد) (۱۴۹۵۔۱۵۱۷ء) کتاب کی تالیف کا سال ۹۲۳ھ تھا طبع قاھرہ ۱۳۲۳

۴۵۔خطط مقریزی: تالیف صاحب امتاع الاسماع، طبع مصر۔

۴۶۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ: تالیف، مشرق شناس، ھوتسمان وینسنگ، آرنالڈ وبرونسال، ہیفن، وشادہ، وباسہ، ہارٹمان، جیب، انسائکلوپیڈیا اصل میں انگلش، جرمنی اور فرانسیسی زبان میں تالیف کی گئی ہے اور اس کے بعد مصری اساتذہ محمد ثابت اور احمد شنتاوی، ابراہیم زکی خورشید اور عبدالحمید یونس نے اکتوبر ۱۹۳۳ء سے اس کا عربی زبان ترجمہ شروع کیا، ہم نے اس کتاب کا انگلش ایڈیشن ملاحظہ کیا ہے۔

۴۷۔ دائرۃ المعارف القرن العشرین مشہور بہ دائرۃ المعارف فرید وجدی: تالیف محمد فرید مصطفیٰ وجدی (۱۲۹۲۔۱۳۷۳ھ) (۱۸۷۵۔۱۹۵۴م) طبع اول مصر۔

دس: عبداللہ سبا وہی عبداللہ بن وھب سبئی ہے۔

۱۔ مقالات اشعری: ص ۲۰

۲۔ اکمال ابن ماکولا، لفظ سبئی کے ضمن میں

۳۔ انصاب سمعانی، لفظ سبئی کے ضمن میں

۴۔ المشتبہ، ذہبی: ص ۳۴۶

۵۔ العبر، ذہبی: ۲/۱۸۳

۶۔ تفسیر المنتبہ، ابن حجر: ۷۱۵۔

۷۔ خطط، مقریزی ۴/۱۸۲۔

۸۔ انساب ابن حزم میں عبداللہ بن سبا کا نسب، ص ۳۸۶

۹۔ عبداللہ بن سبا کا ''ذی الثفنات'' لقب پانا:

طبری: ۱/۳۳۸۲، جمہرہ ابن حزم: ۳/۳۸۵

۱۰۔ عبداللہ بن وھب کے سجدوں کی کثرت، اصابہ: ۳/۹۱ شرح حال نمبر: ۶۳۶۱

۱۱۔ عبداللہ بن وھب کا خوارج سے تعاون کی داستان: تاریخ ابن کثیر ۷/۲۸۹

۱۲۔ عبداللہ بن وھب کی علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے عداوت:

طبری: ۱/۳۳۸۲، ابن اثیر: ۳/۲۸۶

۸۔اصابہ:۱/۳۱۵

پانچ:۔حجر کی بغاوت کی داستان

۱۔تاریخ طبری:۲/۱۱۱۔۱۴۹

۲۔تاریخ ابن اثیر:۳/۲۰۳۔۲۰۴

چھ: عمرو بن حمق کے حالات

۱۔استیعاب:۲/۴۴۰۔شرح حال نمبر:۱۹۲۳

۲۔اسدالغابہ:۴/۱۰۰۔۱۰۱

۳۔اصابہ:۲/۵۲۶۔شرح حال نمبر:۵۸۳۰

۴۔طبقات،ابن سعد:۶/۱۵۔

سات: دوران مختار میں سبئیہ،طبری میں شبث اورسعر کی گفتگو

آٹھ۔سبئیہ:دوران خلفائے عباسی اورسفاح کی تقریر

۱۔طبری:۳/۲۹۔۳۰

۲۔ابن اثیر:۵/۳۱۲۔۳۱۶

نو:سیف کاافسانہ

اسی کتاب کی جلداول کے حصۂ پرعبداللہ بن سباکےافسانہ کاسر چشمہ

۴۸۔ دلائل النبوۃ: تالیف حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (۳۳۶ یا ۳۳۴۔ ۴۳۰ھ) ۹۴۳۔ ۱۰۳۸) طبع حیدرآباد (۱۳۲۰ھ)

۴۹۔ الدولۃ العربیۃ وسقوطھا: تالیف یولیوس ولھاوزن، ترجمہ عربی بہ قلم ڈاکٹر یوسف العش طبع مطبعۃ الجامعۃ السوریۃ دمشق (۱۳۷۶۔ ۱۹۵۶ء)

۵۰۔ الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ: تالیف شیخ محمد محسن الطہرانی (حاج شیخ آغا بزرگ تہرانی) طبع اول نجف، طہران

۵۱۔ ذیل کشف الظنون: تالیف صاحب ھدیۃ، طبع استنبول (۱۳۶۴ھ ۱۳۴۵ء)

۵۲۔ روضۃ الصفا: تالیف میر خواند محمد بن خاوند شاہ بن محمود شافعی (وفات ۹۰۳ ھ) (۱۴۹۷ء)

۵۳۔ الریاض النضرۃ: تالیف احمد بن عبداللہ بن محمد شافعی مشہور بہ محب الدین طبری (۶۱۰ یا ۶۱۴ یا ۶۱۵۔ ۶۹۶ھ) (۱۲۱۸۔ ۱۲۹۵ء)

۵۴۔ السقیفۃ وفدک، معروف بہ سقیفۃ جوہری: تالیف ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری بحار میں ج۸/ ۱۰۹،

۵۵۔ السنۃ والشیعۃ: تالیف سید محمد رشید رضا ابن علی بن رضا قلمونی مصری بغدادی الاصل (۱۳۸۲۔ ۱۳۵۴ھ) (۱۸۶۵۔ ۱۹۳۵ء)

۵۶۔ سنن ابن ماجہ: تالیف ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ قزوینی (۲۰۹۔ ۲۷۳ھ) (۸۲۴۔ ۸۸۷م) چاپ قاہرہ (۱۳۷۳ھ) تصحیح محمد فؤاد عبدالباقی۔

۵۷۔ سنن ابوداود سجستانی: تالیف سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی حنبلی

جو کہ حفاظ حدیث تھا، (۲۰۲۔۲۷۵ھ) (۸۱۷۔۸۸۹ء) طبع لکھنو (۱۳۲۱ھ)

۵۸۔ صحیح ترمذی معروف بہ سنن ترمذی: تالیف محمد بن عیسی بن سورۃ سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ)، (۸۲۵۔۸۹۲ھ) طبع بولاق ۱۲۹۲۔ وطبع المطبعۃ المصریۃ (۱۳۵۰۔۱۳۵۲ھ)

۵۹۔ سنن دارمی: تالیف ابو محمد عبداللہ بن الرحمٰن دارمی (۱۸۱۔۲۵۵ھ) (۷۹۷۔۸۶۹ء) طبع مطبعہ اعتدال دمشق شام سال ۱۳۴۹۔

۶۰۔ السیادۃ العربیۃ والشیعۃ والاسرائیلیات: تالیف مشرق شناس فان فلوٹن، عربی ترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کے قلم سے طبع اول مصر سال ۱۹۳۴ء۔

۶۱۔ السیرۃ الحلبیۃ: انسان العیون فی سیرۃ الامین والمأمون: تالیف علی بن برھان الدین حلبی شافعی (۹۸۴۔۱۰۴۴ھ) (۱۵۶۷۔۱۶۳۵ء) طبع مصر (۱۳۵۳ھ)

۶۲۔ السیرۃ النبویۃ: تالیف احمد بن زینی دحلان مکی شافعی (۱۲۳۱۔۱۳۰۴ھ) (۱۸۱۶۔۱۸۸۶ء)، تاریخ تالیف (۱۲۷۸ھ)

۶۳۔ شذرات الذھب: تالیف عبدالحی بن احمد بن محمد دمشقی حنبلی مشہور بہ ابن العماد (۱۰۳۳، ۱۰۸۹ھ) (۱۶۲۳۔۱۶۷۹ء) طبع مصر سال ۱۳۵۰۔۱۳۵۱ھ)

۶۴۔ شرح ابن ابی الحدید: تالیف عزالدین ابوحامد عبدالحمید بن ھبۃ اللہ محمد مدائنی معتزلی مشہور بہ ابن ابی الحدید (۵۸۶۔۶۵۵ھ) (۱۱۹۰۔۱۲۵۷ء) طبع اول مصر مطبعہ الحلبی مصر و طبع دوم تحقیق

ابوالفضل ابراہیم (۱۹۵۹۔۱۹۶۳ء) ۴۶ و چاپ سنگی ایران۔

۶۵۔صحیح بخاری: تالیف صاحب کتاب مشہور بہ تاریخ بخاری، طبع مصر (۱۳۲۷ء)

۶۶۔صحیح ترمذی: سنن ترمذی

۶۷۔صحیح مسلم: تالیف ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری (۲۰۶ ی ۲۰۴ ۔ ۲۶۱ ھ) (۸۱۰۔۸۷۵ء) طبع مصر سال ۱۳۳۴ھ۔

۶۸۔صفۃ الصفوۃ: تالیف ابی الفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد بکری حنبلی مشہور بہ ابن جوزی (۵۱۰۔۵۹۷ھ) (۱۱۱۶۔۱۲۰۱) طبع حیدر آباد (۱۳۵۷ھ)

۶۹۔کتاب الصفین: تالیف نصر بن مزاحم بن سیار منقری کوفی (۲۱۲ھ) (۸۲۷ء) طبع مصر۔۷۰۔طبری: تاریخ طبری

۷۱۔طبقات ابن سعد: کتاب طبقات صحابہ و تابعین: تالیف ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع زھری بصری (۱۶۸۔۲۳۰ھ) (۷۸۴۔۸۴۵ء) طبع بیروت ۱۳۷۶۔۱۳۷۷ھ) طبع لنڈن۔

۷۲۔طبقات شافعیہ کبری: تالیف: تاج الدین عبدالوھاب بن علی بن عبدالکافی شافعی مشہور بہ سبکی (۷۲۷ یا ۷۲۸۔۷۷۱ھ) (۱۳۲۷۔۱۳۷۰ء) طبع اول مصر پریس حسینیہ سال ۱۳۲۴ھ۔

۷۳۔عایشہ و سیاست: تالیف سعید افغانی (معاصر) طبع قاھرہ، پریس لجنۃ التالیف والنشر (سال ۱۹۴۷ء)۔

۷۴۔ العقد الفرید: تالیف شہاب الدین احمد بن محمد بن عبد ربہ اندلسی مروانی مالکی (۲۴۶۔۳۲۸ھ) (۸۶۰۔۹۴۰ء) طبع مصر (۱۳۷۲ھ)

۷۵۔ عقیدۃ الشیعہ: تالیف دوایٹ، م، دونولڈسن، عربی ترجمہ عبدالمطلب، طبع پریس سعادت قاہرہ (۱۳۶۵۔۱۹۴۵ء)

۷۶۔ عیون الاثر: تالیف، فتح الدین ابوالفتح محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ شافعی یعمری اندلسی اشبیلی مصری مشہور بہ ابن سید الناس (۶۷۱ؑ۔۷۳۴ھ/۱۲۷۳ؑ۔۱۳۳۴م) پریس قدسی قاہرہ ۱۳۵۶ھ

۷۷۔ فتوح البلدان: تالیف بلاذری صاحب انساب الاشراف، طبع مصر، سال ۱۳۱۹،

۷۸۔ فجر الاسلام: تالیف احمد امین مصری (۱۲۹۵۔۱۳۷۳ھ) (۱۸۷۸۔۱۹۵۴ء)، طبع لجنۃ التالیف والنشر قاہرہ، ۱۹۶۴۔

۷۹۔ فہرست ابن ندیم، فوز العلوم: تالیف ابوالفرج محمد بن اسحاق بن ابی یعقوب ندیم معتزلی (۴۳۸ھ) (۱۰۴۷ء) طبع مصر ۱۳۴۸۔

۸۰۔ القاموس، القاموس المحیط: تالیف، مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد شیرازی شافعی مشہور بہ فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ھ) (۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء) طبع، مصر، (۱۳۵۳۔۱۳۵۴ھ)

۸۱۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: تالیف حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ مشہور بہ کاتب حلبی (۱۰۱۷۔۱۰۶۷) (۱۶۰۹۔۱۶۵۷ء) طبع استنبول (۱۳۶۰۔۱۳۶۲ھ)

۸۲۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: تالیف علاء الدین علی بن حسام الدین عبدالملک بن قاضخان مشہور بہ متقی ہندی (۸۸۵۔۹۷۵ھ (۱۴۸۰۔۱۵۶۷ء) سال ۹۵۷ھ طبع حیدر آباد (۱۳۱۳ھ)

۸۳۔ اللئالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ: تالیف سیوطی صاحب تاریخ الخلفاء،

۸۴۔ اللباب فی تہذیب الانساب: تالیف ابن اثیر صاحب تاریخ ابن اثیر، طبع قدسی، سال ۱۳۵۷ھ

۸۵۔ لسان المیزان: تالیف ابن حجر صاحب اصابہ، طبع حیدر آباد، (۱۳۲۹ھ)

۸۶۔ مروج الذہب: تالیف مسعودی صاحب التنبیہ والاشراف، طبع مصر (۱۳۴۶ھ)

۸۷۔ کتاب المستدرک علی الصحیحین: بخاری و مسلم، تالیف ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد نیشاپوری (۳۲۱۔۴۰۵ھ) (۹۳۳۔۱۰۱۴ء) طبع حیدرآباد (۱۳۳۴ء)

۸۸۔ مسند احمد، تالیف: ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی (۱۶۴۔۲۴۱ھ)

۸۹۔ مسند طیالسی: تالیف سلیمان بن داود بن جارود طیالسی (۱۳۳۔۲۰۴یا۲۰۳ھ) (۷۵۱۔۸۲۰ء) طبع حیدر آباد (۱۳۲۱ھ)

۹۰۔ معجم الادباء: تالیف ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی بغدادی (۵۷۴۔۶۲۶ھ) (۱۱۷۸۔۱۲۲۹ء) طبع دمشق مطبعہ الترقی، سال ۱۳۷۶ھ۔

۹۱۔معجم البلدان: تالیف یاقوت حموی معروف کہ صاحب معجم الادباء طبع یورپ وطبع بیروت (۱۳۷۴۔۱۳۷۶ھ)

۹۲۔معجم المولفین: تالیف عمر رضا کحالہ (معاصر) طبع مطبعہ الترقی بدمشق، (۱۳۷۶۔۱۳۸۱ھ) (۱۹۵۷۔۱۹۶۱ء)

۹۳۔مقاتل الطالبین: تالیف ابوالفرج معروف بہ صاحب اغانی طبع قاهره، (۱۳۲۳ھ)

۹۴۔مقدمہٴ ابن خلدون: تالیف ابن خلدون صاحب تاریخ ابن خلدون، طبع مطبعہ النہضۃ قاهره (۱۳۵۵ھ)

۹۵۔الملل والنحل: تالیف شہرستانی ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن احمد اشعری (۴۶۷یا۴۷۹، ۵۴۸یا۵۴۹ھ) (۱۰۷۵۔۱۱۵۳ء)

۹۶۔منتخب کنزل العمال: تالیف علاءالدین ھندی، طبع اول مصر۔

۹۷۔الموفقیات: تالیف زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر (۱۷۲۔۲۵۶ھ) (۷۸۹۔۸۷۰ء) ہم نے اس کتاب سے نقل کرنے میں شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید پر اعتماد کیا ہے۔

۹۸۔میزان الاعتدال: تالیف ذھبی صاحب تاریخ اسلام، طبع لکھنو (۱۳۰۶ھ)

۹۹۔سیرۃ اعلام النبلاء: تالیف ذھبی معروف بہ صاحب تاریخ اسلام طبع اول قاہرہ پریس دار

المعارف (۱۹۵۷ھ)

۱۰۰۔ نسب قریش: تالیف ابوعبداللہ مصعب بن الزبیری (۱۵۶۔۲۳۶ھ) (۷۷۳۔۸۵۱ء) از انتشارات مشرق شناس، الف، لیفی، برنسال طبع (دارالمعارف)

۱۰۱۔ نہج البلاغہ، تالیف شریف رضی محمد بن حسین بن موسیٰ (جو حضرت موسی بن جعفر علیہ السلام کی پاک و پاکیزہ دریت میں ہیں) (۳۵۹۔۴۰۶ھ) (۹۷۰۔۱۰۱۵ء) طبع مصر شرح محمد عبدہ۔

۱۰۲۔ ہدیہ۔ ہدیۃ العارفین الی اسماء المؤلفین، تالیف اسماعیل پاشا ابن محمد امین بن میر سلیم بغدادی، (...۱۹۳۹م) (...۱۹۲۰م) طبع اسلامبول (۱۳۶۴۔۱۳۶۶ھ.)۔

۱۰۳۔ وفیات، (وفیات الاعیان): تالیف احمد بن محمد بن ابراھیم برمکی اربلی شافعی مشہور بہ ابن خلکان، طبع پریس النھضۃ مصر (۱۳۶۷ھ)۔

ضمیمۂ فہرست مآخذ

۱۔ جمہرۃ الانساب: تالیف، ھشام بن محمد بن سائب معروف بہ ابومنذر (وفات ۲۰۴ھ) یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے کہ جس کی پہلی جلد قبیلۂ عدنان کی نسب کے بارے میں اور دوسری جلد قبیلۂ قحطان کے نسب کے بارے میں ہے۔ اس کتاب کی زیراکس (عکس) آیۃ اللہ نجفی مرعشی کی لائبریری میں موجود ہے اور ہم نے اسی سے استفادہ کیا ہے۔

۲۔ ''التاریخ'': تالیف ابن الخیاط، خلیفہ، ابوعمر، ملقب بہ شباب عصفری (وفات ۲۴۰ھ) اور اس کتاب کی تحقیق، ضیاء عمر نے ۱۳۸۶ھ میں انجام دیکر طبع آداب، جو کہ مطبوعات نجف میں سے ایک ہے۔

۳۔ ''الفتوح'': تالیف ابن اعثم، ابومحمد احمد بن اعثم کوفی وفات ۳۱۴ھ) اور یہ کتاب ۱۳۸۸ھ کو حیدر آباد، ہندوستان میں طبع ہوئی ہے

۴۔ ''جمہرۃ انساب العرب'': تالیف ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد فرزند سعید بن حزم اندلسی (وفات ۴۵۶ھ) اس کتاب کی تحقیق عبدالسلام نے کی ہے اور ۱۳۸۲ھ کو دار المعارف مصر میں طبع ہوئی ہے، اسی مولف کی دوسری کتاب ''الفصل فی الملل والاھواء والنحل'' ہے جو کہ طبع تمدن ۱۳۳۲ھ کو شائع ہو چکی ہے۔

۵۔ ''لسان المیزان''، ''تقریب التھذیب'': تالیف ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، (وفات ۸۵۲ھ) کی یہ دو کتابیں ہمارے مآخذ میں شامل ہے۔ لسان المیزان طبع حیدر آباد، ۱۳۲۹ھ، اور تقریب کی تحقیق عبدالوھاب عبدالطیف، طبع دار الکتب العربیہ، قاہرہ ۱۳۸۰ھ۔

مؤلف کی تیسری کتاب ''فتح الباری''، ''شرح صحیح بخاری'' طبع مصطفیٰ البانی الحلبی، مصر سال ۱۳۷۸ھ ہے۔

۶۔ مؤلف نے اپنے قلم سے لکھی ہوئی دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۱۔احادیث ام المؤمنین عایشہ،طبع تھران ۱۳۸۰ھ۔

۲۔عبداللہ بن سبا جلد۱، طبع بیروت ۱۳۸۸ھ۔

۳۔خمسون وماۂ صحابی مختلق جلد۱،طبع دوم بغداد ۱۳۸۹ھ

۷۔اجناس گلدزیہر،ولادت ۱۸۵۰ء،وفات ۱۹۲۱ء،اس کی کتاب ''تاریخ التصور العقیدتی و التشریعی فی الدین الاسلامی'' جس کا عربی ترجمہ ''محمد یوسف اور علی حسن عبدالقادر وعبد العزیز عبدالحق'' نے کیا ہے اور دارالکتب الحدیثہ،مصر نے اس کو شائع کیا ہے۔